

# انوار البیان

عالم فہم اردو تفسیر

محقق اسم محمد حنیف شفیق الہی پورہ

خانہ الامین

اردو بازار کراچی

فون: 2213700-021

# انوار البيان

في كشف اسرار القرآن



عام فہم اردو تفسیر

# انوار البیان

فی کشف اسرار القرآن

سلیں اور عام فہم اردو میں پہلی جامع اور مفصل تفسیر جس میں تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن  
بالحدیث کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ دلتیں انداز میں احکام و مسائل اور مواظظ و نصائح کی  
تشریحات، اسباب نزول کا مفصل بیان، تفسیر حدیث وفقہ کے حوالوں کے ساتھ



محقق العصر محمد عاشق الہی مہاجر مدنی  
حضرت مولانا

دارالاشاعت  
اڈوکارا دارالعلوم جامعہ روڈ  
کراچی پاکستان 2213768



## کمپیوٹر کتابت کے جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : فطیل اشرف عثمانی  
طباعت : نومبر ۲۰۰۶ء علی گڑھ  
ضخامت : 668 صفحات

مصححین: مولانا محمد شفیق کشمیری صاحب (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ڈاؤن)  
مولانا سر فراز احمد صاحب (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ڈاؤن)  
مولانا عرفان صاحب (فاضل مدرسہ عربیہ اسلامیہ دہلا پور)

### تصدیق نامہ

میں نے تفسیر ”انوار البیان فی کشف اسرار القرآن“ کے متن قرآن کریم کو بغور  
پڑھا جو کئی نظر آئی اصلاح کر دی گئی۔ اب الحمد للہ اس میں کوئی غلطی نہیں۔ انشاء اللہ



23/08/06

محمد شفیق (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ڈاؤن)  
رہنمہ پروف ریڈنگ روم آف سندھ نمبر پاریہ R.ROAUQ 2002/338

### ﴿.....ملنے کے پتے.....﴾

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور  
بیت العلوم 20 ناٹھ روڈ لاہور  
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور  
یونیورسٹی بک انجمنی خیبر بازار پشاور  
مکتبہ اسلامیہ کاشی اڑا۔ ایبٹ آباد

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی  
بیت القرآن اردو بازار کراچی  
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۴ کراچی  
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد  
مکتبۃ المعارف محلہ جنگلی۔ پشاور

کتاب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

### ﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Islamic Books Centre  
119-121, Halli Well Road  
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.  
London  
Tel : 020 8911 9797, Fax : 020 8911 8999

### ﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

DARUL-ULOOM AL-MADANIA  
182 SOBIESKI STREET,  
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE  
6665 BINTLIFE, HOUSTON,  
TX-77074, U.S.A.

## فہرست تفسیر انوار البیان

(جلد دوم از پارہ ۶ ..... تا ۱۱ .....)

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۴	لَا تُجْلُوا شُعَائِرَ اللَّهِ كاسبب نزول	۲۵	پارہ نمبر ۶
۵۵	شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم	۲۵	اللہ تعالیٰ بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا
۵۶	احرام سے نکل کر شکار کرنے کی اجازت	۲۷	اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا فرض ہے!
۵۶	کسی قوم کی دشمنی زیادتی پر آمادہ نہ کرے		یہود کے بیجا سوالات اور بری حرکتوں کا تذکرہ اور ان
۵۶	نیکی اور تقویٰ پر تعاون کرنے کا حکم	۲۸	سے میثاق لینا
۵۷	مسلمانوں کی عجیب حالت	۳۱	یہودیوں کے کفر اور شرارتوں کا مزید تذکرہ
۵۷	گناہ اور ظلم پر مدد کرنے کی ممانعت		حرام خوری اور سود لینے کی وجہ سے یہودی پاکیزہ چیزوں
۵۷	تعصب کی تباہ کاری	۳۶	سے محروم کر دیئے گئے
۵۷	گناہوں کی مدد کرنے کی چند صورتیں جو رواج پذیر ہیں		اہل کتاب میں جو راسخ فی العلم ہیں وہ ایمان لے آئے
۵۹	جن جانوروں کا کھانا حرام ہے ان کی تفصیلات	۳۸	ہیں
۵۹	مُسنَن (مردار)		ارسال رسل کی حکمت اور متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا
۵۹	مسئلہ	۳۹	تذکرہ
۵۹	مردار کی کھال کا حکم		کافروں اور راہ حق سے روکنے والوں کے لئے صرف
۶۰	خون کھانے کی حرمت	۴۲	دورخ کا راستہ ہے۔
۶۰	مسئلہ	۴۳	انصاری کی گمراہی کا بیان اور انکے عقیدہ تثلیث کی تردید
۶۰	مسئلہ	۴۵	دین میں خلو کرنے کی ممانعت
۶۰	خنزیر کا گوشت	۴۸	اہل ایمان کی جزاء اور اہل کفر کی سزا کا ذکر
۶۱	مَا أَهْلٌ بِهِ لَغَيْرِ اللَّهِ		حقیقی اور غلطی بہن بھائی کی میراث کے مسائل
۶۱	مُتَخَبِّطَةٌ	۵۰	
۶۱	مَوْفُورَةٌ	۵۲	دَسْتُورِی ۲
۶۱	بندوق کا شکار	۵۲	تَسْوِیْرُ دَالِدِیْنِ
۶۱	نَطِیخَةُ		ایفائے عہد کا حکم اور چوپایوں اور شکاری جانوروں سے
۶۱	درندہ کا کھایا ہوا جانور	۵۲	متعلقہ بعض احکام
۶۲	بتوں کے استھانوں پر ذبح کئے ہوئے جانور	۵۳	مقبول کی قسمیں
۶۲	تیروں کے ذریعے جو اکیلنے کی حرمت		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۷۴	جس جانور پر ذبح کرتے وقت قصداً بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس کا کھانا حلال نہیں	۶۳	استقسام بالآزلام کا دوسرا معنی
۷۴	نئے مجتہدین کی گمراہی	۶۴	کاتبوں کے پاس جانے کی ممانعت
۷۵	پاکدامن مؤمنات سے اور کتابی عورتوں سے نکاح کرنا	۶۴	ذَلَّكُمْ فَنَسَقْ
۷۵	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کتابی عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت	۶۴	مَا أَهْلٌ بِهِ لَعِبَرِ اللَّهِ مِیں کیا کیا چیزیں داخل ہیں
۷۶	مرتد کے اعمال اکارت ہو جاتے ہیں	۶۵	قبروں پر جو چیزیں لے جاتے ہیں ان کا حکم
۷۷	وضو اور غسل کا حکم اور تیمم کی مشروعیت	۶۶	نذرا غیر اللہ حرام اور کفر ہے
۷۷	إِذَا قُمْتُمْ کا مطلب	۶۶	کافروں کی ناامیدی اور دین اسلام کا اکمال
۷۸	وضو کا طریقہ	۶۷	دین اسلام کا کامل ہونا
۷۸	فائدہ	۶۷	اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے
۷۸	فائدہ	۶۸	اتمام نعمت
۷۹	فائدہ	۶۸	دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر ہے
۷۹	امت محمدیہ ﷺ کی امتیازی شان	۶۹	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست
۷۹	غسل جنابت کا حکم اور اس کا طریقہ	۷۰	مجبوری میں حرام چیز کھانا
۸۰	مسئلہ	۷۰	پاکیزہ چیزوں اور جوارح معلّمہ کے شکار کی حلت
۸۰	فائدہ	۷۰	پاکیزہ چیزیں اور غضبیت چیزیں کیا ہیں؟
۸۰	تیمم کا بیان	۷۱	حلال اور حرام کی تفصیل
۸۰	وضو اور تیمم حکم تطہیر میں برابر ہیں	۷۱	شکاری جانوروں کے احکام
۸۱	اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو	۷۲	شکاری پرندہ کی تعلیم
۸۲	انصاف پر قائم ہونے کا حکم	۷۲	پرندہ کے شکار سے متعلقہ احکام
۸۳	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا ایک خاص واقعہ	۷۲	مسئلہ
۸۳	اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی یاد دہانی	۷۳	مسئلہ
۸۳	تقویٰ اور توکل کا حکم	۷۳	مسئلہ
۸۴	اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل سے عہد لینا پھر ان کا عہد کو توڑ دینا	۷۳	اہل کتاب کا کھانا حلال ہے
۸۵	بنی اسرائیل کی عہد شکنی کا وبال	۷۴	مسئلہ
۸۵	یہودیوں کا توریت شریف میں تحریف کرنا	۷۴	مسئلہ
۸۶	یہود کی خیانتیں	۷۴	مسئلہ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۸۷	انصاری سے عہد لینا اور ان کا اس کو بھول جانا	۸۷	انصاری کا کفر جنہوں نے مسیح ابن مریم کو معبود بنایا
۸۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی تھے اور بشر بھی	۸۸	فائدہ
۸۸	فائدہ	۸۹	فائدہ
۸۹	یہود و نصاریٰ کی گمراہی جنہوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں	۹۰	رسول اللہ ﷺ کی بعثت ایسے وقت میں ہوئی جبکہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ کئی سو سال سے منقطع تھا۔
۹۱	فُتْرَةُ بَيْنِ الرُّسُلِ کا زمانہ کتنا تھا	۹۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا اور انہیں ایک ہستی میں داخل ہونے کا حکم دینا اور ان کا اس سے انکار کرنا ہوتا۔
۹۳	فوائد متعلقہ واقعہ بنی اسرائیل	۹۳	حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ ایک کا دوسرے کو قتل کرنا، پھر اس کی لاش کو لئے ہوئے پھرنا
۹۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ فتنوں کے زمانہ میں کیا کریں	۹۷	ایک اشکال اور اس کا جواب
۹۷	ایک اشکال اور اس کا جواب	۹۸	قتل کا طریقہ ایسا نہیں بتایا
۹۸	قتل کا طریقہ ایسا نہیں بتایا	۹۸	تھانیل کو پریشانی کہ مقتول بھائی کی لاش کا کیا کرے؟
۹۸	تھانیل کو پریشانی کہ مقتول بھائی کی لاش کا کیا کرے؟	۹۸	فوائد متعلقہ واقعہ ہانیل و قانیل
۱۰۰	جس نے ایک جان کو قتل کیا گویا تمام انسانوں کو قتل کیا	۱۰۱	فائدہ
۱۰۱	فائدہ	۱۰۱	دنیا اور آخرت میں ڈاکوؤں کی سزا
۱۰۱	دنیا اور آخرت میں ڈاکوؤں کی سزا	۱۰۲	آیت کریمہ اِنَّمَا جَسَدُكَ مِنَ الدِّينِ کا سبب نزول
۱۰۲	آیت کریمہ اِنَّمَا جَسَدُكَ مِنَ الدِّينِ کا سبب نزول	۱۰۲	ڈاکوؤں کی چار سزائیں
۱۰۳	فائدہ	۱۰۳	فائدہ
۱۰۴	اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم		
۱۰۴	قیامت کے دن اہل کفر کو عذاب کا سامنا اور جان چھڑانے کیلئے سب کچھ دینے پر راضی ہونا		
۱۰۵	کافر دوزخ سے نکلنا چاہیں گے مگر کبھی نہ نکل سکیں گے		
۱۰۶	چوروں کی سزا کا بیان		
۱۰۶	شرعی سزا نافذ کرنے میں کوئی رعایت نہیں اور کسی کی سفارش قبول نہیں		
۱۰۸	جو لوگ اسلامی قوانین کے مخالف ہیں چوروں کے حامی ہیں		
۱۰۹	متنبیہ		
۱۱۰	یہودیوں کی شرارت اور جسارت اور تحریف کا تذکرہ		
۱۱۰	توریت میں زانی کی سزا جہم تھی		
۱۱۲	یہودیوں کا کتاب اللہ کو تحریف کرنا		
۱۱۲	یہودیوں کی حرام خوری		
۱۱۳	چند ایسے امور کا تذکرہ جن کی وجہ سے دنیا میں عذاب آجاتا ہے		
۱۱۳	رشوت کی بعض صورتیں		
۱۱۴	فائدہ		
۱۱۵	توریت شریف میں ہدایت تھی اور نور تھا		
۱۱۶	حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے تابعین توریت کی حفاظت کرنے پر مامور تھے		
۱۱۶	اور جو لوگ اللہ کے نازل فرمودہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں		
۱۱۶	قصص کے احکام		
۱۱۸	فَهِوَ سَكْفَارَةٌ لَّهُ کے معنی		
۱۱۸	قصص کا شرعی قانون نافذ نہ کرنے کا وبال		
۱۱۸	انجیل شریف میں ہدایت تھی اور نور تھا		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۳۰	مسلمانوں کی مغلوبیت کا سبب		اللہ کے نبی اور اللہ کی کتابیں سب ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والی ہیں
	اہل کتاب اور دوسرے کفار کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو فسی کھیل بنالیا ہے	۱۱۹	قرآن مجید دوسری کتب سادیہ کے مضامین کا محافظ ہے
۱۳۲	اہل کتاب مؤمنین سے کیوں ناراض ہیں؟	۱۲۰	قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم
۱۳۲	اہل کتاب کی شقاوت اور ہلاکت	۱۲۱	یہودیوں کا ایک ٹکڑ
۱۳۳	منافقوں کی حالت		اس لالچ میں کہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے حق چھوڑنے کی اجازت نہیں
۱۳۳	یہودیوں کی حرام خوری اور گناہ گاری	۱۲۱	ہر امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاص شریعت مقرر فرمائی
۱۳۳	تجوئے درویشوں کی بد حالی	۱۲۱	اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا
۱۳۴	حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد	۱۲۲	احکام البیہ سے اعراض کرنا مصیبت نازل ہونے کا سبب ہے
۱۳۵	یہودیوں کی گستاخی اور سرکشی	۱۲۲	دور حاضر کے نام نہاد مسلمان بھی جاہلیت کے فیصلوں پر راضی ہیں
۱۳۵	فائدہ	۱۲۳	یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کی ممانعت
۱۳۶	یہودیوں کا جنگ کی آگ کو جلانا	۱۲۳	ترک موالات کی اہمیت اور ضرورت
	اللہ کی کتاب پر عمل کرنے سے خوش عیش زندگی نصیب ہوتی ہے	۱۲۴	فغنی اللہ انی بانی بالفتح اوامر من عندہ
۱۳۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا حکم کہ جو کچھ نازل کیا گیا ہے سب کچھ پہنچا دو، اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے گا	۱۲۴	مسلمان اگر دین سے پھر جائیں تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو مسلمان بنا دے گا۔
۱۳۷	منیٰ اور عرفات میں رسول اللہ ﷺ کا حاضرین سے سوال و افاض کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگانا	۱۲۷	اہل ایمان کی صفت خاصہ کہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں
۱۳۸	یہودیوں کی سرکشی اور کج روی کا مزید تذکرہ	۱۲۷	اہل ایمان کی دوسری صفت کہ وہ مؤمنوں کے لئے نرم اور کافروں کے لئے سخت ہیں
۱۴۰	صرف ایمان اور عمل صالح ہی مدارِ نجات ہے	۱۲۸	اہل ایمان کی تیسری صفت کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں
۱۴۱	بنی اسرائیل کی عہد شکنی	۱۲۸	اہل ایمان کی چوتھی صفت کہ وہ کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے
۱۴۳	نصاری کے کفر و شرک اور نلو کا بیان	۱۲۹	اللہ و رسول اہل ایمان کے ولی ہیں
۱۴۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہدہ	۱۲۹	اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی کرنے والے ہی غائب ہوں گے۔
۱۴۳	حضرت مریم علیہا السلام صدیقہ تھیں		
	حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام دونوں کھانا کھاتے تھے		
۱۴۴	جو شخص نفع و ضرر کا مالک نہ ہو اسکی عبادت کیوں کرتے ہو؟		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۵۶	مسئلہ	۱۴۴	اہل کتاب کو غلو کرنے کی ممانعت
۱۵۶	مسئلہ	۱۴۵	امت محمدیہ کو غلو کرنے کی ممانعت
۱۵۶	مسئلہ		معاصی کا ارتکاب کرنے اور منکرات سے نہ روکنے کی
۱۵۶	مسئلہ	۱۴۶	بیعت سے بنی اہل کی ملعونیت
۱۵۷	فائدہ	۱۴۷	امت محمدیہ میں نبی عن المنکر کا فقدان
۱۵۷	تنبیہ	۱۴۷	شرکین کا یہودیوں کی دوستی
۱۵۷	خمر اور میسر اور انصاب و ازلام ناپاک ہیں	۱۴۸	اہل ایمان سے یہودیوں اور شرکوں کی دشمنی
۱۵۸	شراب کی حرمت	۱۴۸	انصاری کی مودت اور اس کے مصداق
۱۵۸	سات وجوہ سے شراب اور جوئے کی حرمت	۱۵۰	پیارے دوست
	احادیث شریفہ میں شراب کی حرمت اور اسکے پینے	۱۵۰	کتاب اللہ کو سن کر حبشہ کے انصاری کا ردنا اور ایمان لانا
۱۵۹	پالنے والے پر لعنت اور آخرت کی سزا		حلال کھانا اور پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار نہ دیا اور حد سے
۱۶۰	شراب برائی کی کتنی ہے	۱۵۲	آگے نہ بڑھو
۱۶۰	جو لوگ شراب نہ چھوڑیں ان سے قتال کیا جائے	۱۵۲	حدود سے بڑھ جانے کی مثالیں
۱۶۰	اللہ کے خوف سے شراب چھوڑنے پر انعام	۱۵۲	حال کو حرام کر لینا
۱۶۰	جواری اور شرابی کی جنت سے محرومی	۱۵۳	جو چیز ثواب کی نہ ہو اسے باعث ثواب سمجھ لینا
۱۶۱	شراب اور خمر پر اور بتوں کی بچ کی حرمت	۱۵۳	غیر ضروری کو ضروری کا درجہ دینا
۱۶۱	حرمت کی خبر سن کر صحابہؓ نے راستوں میں شراب بہا دی	۱۵۳	مطلق مستحب کو وقت کے ساتھ مقید کر لینا
	شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے جو لوگ شراب	۱۵۳	کسی عمل کا ثواب خود تجویز کر لینا
	پی چکے اور دنیا سے جا چکے ان کے بارے میں سوال اور	۱۵۳	کسی عمل کی ترکیب خود وضع کر لینا
۱۶۱	اس کا جواب	۱۵۴	کسی ثواب کے کام کے لئے جلد کی پابندی لگا لینا
۱۶۲	فائدہ		بعض حال چیزوں کے بارے میں طے کر لینا کہ فلاں
	شراب اور جوا دشمنی کا سبب ہیں اور ذکر اللہ سے اور نماز	۱۵۴	نکھائے گا
۱۶۲	سے روکتے ہیں	۱۵۴	کسی گناہ پر مخصوص عذاب خود سے تجویز کر لینا
۱۶۳	جوئے کی تمام صورتیں حرام ہیں	۱۵۵	قسموں کے اقسام اور قسم توڑنے کا کفارہ
۱۶۴	حالت احرام میں شکار والے جانوروں کے ذریعہ آزمائش	۱۵۶	کفارہ قسم کے مسائل
۱۶۵	احرام میں شکار مارنے کی جزا اور ادائیگی کا طریقہ	۱۵۶	مسئلہ
۱۶۵	احرام میں جو شکار کیا گیا ہو اس کے متعلق چند مسائل	۱۵۶	مسئلہ
۱۶۵	مسئلہ	۱۵۶	مسئلہ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۷۲	بے ضرورت سوالات کرنے کی ممانعت	۱۶۶	مسئلہ
۱۷۴	گزشتہ قوموں نے سوالات کئے پھر منکر ہو گئے	۱۶۶	مسئلہ
۱۷۴	علامہ ابو بکر جصاص کا ارشاد	۱۶۶	مسئلہ
	مشرکین عرب کی تردید جنہوں نے بعض جانوروں کو	۱۶۶	مسئلہ
	حرام قرار دے رکھا تھا اور ان کے نام تجویز کر رکھے تھے،	۱۶۶	مسئلہ
۱۷۵	اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے	۱۶۶	مسئلہ
۱۷۶	سانبہ	۱۶۶	مسئلہ
۱۷۶	وصیلہ	۱۶۶	مسئلہ
۱۷۶	حام	۱۶۶	مسئلہ
	اہل جاہلیت کہتے تھے کہ ہم نے جس دین پر اپنے باپ	۱۶۶	مسئلہ
۱۷۷	دادوں کو پایا وہ ہمیں کافی ہے	۱۶۶	مسئلہ
۱۷۸	اپنے نفسوں کی اصلاح کرو	۱۶۶	مسئلہ
۱۸۰	حالیہ سفر میں اپنے مال کے بارے میں وصیت کرنا	۱۶۶	مسئلہ
۱۸۱	قیامت کے دن رسولوں سے اللہ جل شانہ کا سوال	۱۶۷	مسئلہ
	حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا خطاب اور	۱۶۷	مسئلہ
۱۸۲	نعمتوں کی یاد دہانی اور ان کے معجزات کا تذکرہ	۱۶۷	مسئلہ
۱۸۳	حواریوں کا سوال کرنا کہ مانندہ نازل ہو	۱۶۷	مسئلہ
	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول مانندہ کے لئے سوال کرنا اور	۱۶۷	مسئلہ
۱۸۴	اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملنا	۱۶۷	مسئلہ
۱۸۵	گوشت کے خراب ہونے کی ابتداء بنی اسرائیل سے ہوئی	۱۶۷	حرم شریف کی گھاس اور درخت کاٹنے کے مسائل
۱۸۶	حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ جل شانہ کا وہ سراسر خطاب	۱۶۷	مسئلہ
۱۸۷	گمراہوں کی تردید	۱۶۷	احرام میں سمندر کا شکار کرنے کی اجازت
۱۸۷	قیامت کے دن سچائی نفع دے گی	۱۶۸	کعبہ شریف لوگوں کے قائم رہنے کا سبب ہے
۱۸۸	فائدہ	۱۶۹	ہدی کے جانور
۱۸۹	فَسَيُؤْتِيهِمْ مِنْ فَضْلِهِ	۱۶۹	انقلاب
	اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور ظلمات اور نور کو پیدا فرمایا	۱۷۰	خبیث اور طیب برابر نہیں ہیں
۱۸۹	اور ہر ایک کی اجل مقرر فرمائی۔	۱۷۱	حرام مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا
۱۹۱	اللہ تعالیٰ کو ظاہر اور پوشیدہ ہر چیز کا علم ہے	۱۷۱	ایکشن کی قباحت

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۲۰۹	شکر کا مطلب اور شکر کی اہمیت	۱۹۱	مَلٰئِکَہِ بَیِّن کے لیے وِغِید
۲۰۹	فرح محمود اور مذموم	۱۹۲	فُروُن ماضیہ ہالکہ سے عبرت حاصل کرنے کا حکم
	اگر اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے کی قوت سلب فرمالیں تو کون		مشرکوں کی اس بات کا جواب کہ فرشتوں کو کیوں مبعوث
۲۱۱	دینے والا ہے	۱۹۳	نہیں کیا گیا
۲۱۱	نبوت کے لوازم میں مالدار یا غیب دان ہونا نہیں ہے	۱۹۴	استہزاء کرنے والوں کے لیے وِغِید
۲۱۲	علم غیب کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ		آسمانوں اور زمین میں سب اللہ کا ہے وہ قیامت کے
۲۱۳	صبح و شام جو لوگ اپنے رب کو پکارتے ہیں انہیں دور نہ کیجئے	۱۹۵	دن سب کو جمع فرمائے گا
۲۱۳	فقراء و صحابہ کی فضیلت اور ان کی دلداداری کا حکم		رات اور دن میں جو کچھ سکونت پذیر ہے سب اللہ تعالیٰ
۲۱۵	متکبرین کی سزا اور مال و دولت پر گھمنڈ کر نیوالوں کو تنبیہ	۱۹۶	ہی کا ہے
۲۱۶	غنی اور فقیر کا فرق آزمائش کے لئے ہے	۱۹۶	آپ یہ اعلان کر دیں کہ میں غیر اللہ کو ولی نہیں بنا سکتا
۲۱۷	مالدار کی اور غریبی مقبولیت عند اللہ کا سبب نہیں ہے	۱۹۷	ضرر اور خیر صرف اللہ تعالیٰ ہی پہنچا سکتا ہے
۲۱۸	مساکین صالحین کی فضیلت	۱۹۸	اللہ کی گواہی سب سے بڑی گواہی ہے
۲۱۹	مگراہوں کا اتباع کرنے کی ممانعت	۱۹۹	یہود و نصاریٰ کی ہمت دھرمی
	اللہ تعالیٰ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، بدو بحر میں جو		قیامت کے دن مشرکین سے سوال فرمانا اور انکا مشرک
۲۲۰	کچھ ہے وہ سب اس کے علم میں ہے	۲۰۰	ہونے سے انکار کرنا
	اللہ غالب ہے وہ مگرانی کر نیوالے فرشتوں کو بھیجتا ہے		مشرکین کا قرآن سے منفع نہ ہونا اور یوں کہنا کہ پرانے
۲۲۲	اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے۔	۲۰۰	لوگوں کی باتیں ہیں
	اللہ اس پر قادر ہے کہ اوپر سے نیچے سے عذاب بھیج دے	۲۰۲	کافروں کا دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو کرنا
۲۲۳	یا آپس میں جنگ کراوے	۲۰۲	اگر دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو پھر بغاوت کریں گے
	ان مجلسوں میں بیٹھنے کی ممانعت جن میں اسلام کا مذاق		مشرکین مکہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی
۲۲۶	بنایا جا رہا ہو	۲۰۴	آیات کو جھٹلاتے ہیں
	لہو و لعب والوں کو چھوڑ دیجئے جنہیں دنیاوی زندگی نے	۲۰۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ وسلم کو تسلی
۲۲۷	دھوکہ میں ڈالا		چوپائے اور پرندے تمہاری طرح امتیں ہیں اللہ سب کو
۲۲۸	فائدہ	۲۰۶	محشور فرمائے گا
۲۲۹	صرف اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے	۲۰۷	تکذیب کرنے والے بہرے اور گونگے ہوں گے
	چاند سورج اور ستاروں کی پرستش کے بارے میں حضرت	۲۰۷	مصیبت میں صرف اللہ کو پکارتے ہو
۲۳۱	ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ		سابقہ امتوں کا تذکرہ جو خوشحالی پر اترانے کی وجہ سے
۲۳۳	قوم کی حجت بازی کا جواب	۲۰۸	ہلاک ہو گئے



صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۲۶۳	ہر ہستی میں وہاں کے بڑے مجرم ہوتے ہیں ولید بن مغیرہ کی اس جہالت کی تردید کہ ہمیں رسالت ملنی چاہئے	۲۳۵	حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ اور ان کی اقتداء کرنے کا حکم
۲۶۴	صاحب ہدایت کا سینہ کشادہ اور گمراہ کا سینہ تنگ ہوتا ہے	۲۴۰	یہودیوں کی ضد اور عناد کا ایک واقعہ
۲۶۵	اللہ تعالیٰ کا راستہ سیدھا ہے	۲۴۱	فائدہ
۲۶۶	اہل ایمان کے لیے دارالسلام کا وعدہ	۲۴۱	قرآن مجید مبارک کتاب ہے سابقہ کتب کی تصدیق کرتی ہے
۲۶۶	اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے	۲۴۳	اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے والوں اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا؟
۲۶۷	قیامت کے دن جنات سے اہل انسانوں سے سوال	۲۴۴	کافروں کی ذلت موت کے وقت
۲۶۷	انسانوں کا جواب اور اقرار جرم	۲۴۴	قیامت کے دن ہر ایک ٹھیلہ ٹھیلہ آئے گا
۲۶۸	نَوَلْنِي نِعْضَ الظَّالِمِينَ کی تفسیر	۲۴۶	سب مال و دولت دنیا ہی میں چھوڑ گئے
۲۶۸	جن و انس سے سوال! کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے؟ اور ان کا اقرار جرم	۲۴۶	مظاہر قدرت الہیہ اور اہل توحید
۲۶۹	اعمال کے اعتبار سے لوگوں کے درجات مختلف ہیں	۲۴۸	اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا فرمایا وہ معبود برحق ہے اولاد ہونا اس کے لیے عیب ہے
۲۷۰	اللہ تعالیٰ غنی ہے رحمت والا ہے	۲۵۰	اللہ تعالیٰ کی طرف سے بصیرت کی چیزیں آچکی ہیں
۲۷۰	اللہ چاہے تو تمہیں ختم کر کے دوسرے لوگوں کو لے آئے	۲۵۲	مشرکین کے معبودوں کو برا مت کہو
۲۷۰	قیامت ضرور آنے والی ہے	۲۵۳	کافروں کی جھوٹی قسمیں کہ فلاں معجزہ ظاہر ہو جائے تو ایمان لے آئیں گے
۲۷۱	اپنی اپنی جگہ عمل کرتے رہو انجام کا پتہ چل جائے گا	۲۵۴	پیارے نمبر ۱۱
۲۷۱	ظالم کامیاب نہیں ہوتے	۲۵۷	معاندین کا مزید تذکرہ اور شیاطین کی شرارتیں
۲۷۱	کیا جنات میں سے رسول آئے ہیں؟	۲۵۷	اللہ کی کتاب مفصل ہے اور اس کے کلمات کامل ہیں
۲۷۲	مشرکین نے کھیتوں اور جانوروں کو شرک کا ذریعہ بنایا مشرکین کا اپنی ادا کو نقل کرنا اور کھیتوں اور جانوروں کے بارے میں اپنی طرف سے تحریم اور تحلیل کے قواعد بنانا	۲۵۸	زمین کے اکثر رہنے والے گمراہ کرنے والے ہیں
۲۷۴	فائدہ	۲۵۹	حلال ذبیحہ کھاؤ، اور حرام جانوروں کے کھانے سے پرہیز کرو
۲۷۵	فائدہ	۲۶۰	ظاہری اور پوشیدہ تمام گناہوں سے بچنے کا حکم
۲۷۶	اہل بدعت مشرکین کی راہ پر	۲۶۲	مسئلہ
۲۷۶	باغات اور کھیتیاں اور چوپائے انسانوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے بڑے انعامات ہیں	۲۶۲	مؤمن زندہ ہے اس کے لئے نور ہے اور کافر اندھیریوں میں گھرا ہوا ہے
۲۷۷	جانوروں کی آٹھ قسمیں ہیں ان میں مشرکین نے اپنے ظہور پر تحریم اور تحلیل کر دی	۲۶۳	

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۲۹۴	ایک نئی پریم ازیم دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے	۲۸۰	کیا کیا چیزیں حرام ہیں
۲۹۵	میری سب عبادتیں اور مرنا جینا سب اللہ ہی کیلئے ہے		یہودیوں پر ان کی بغاوت کی وجہ سے بعض چیزیں حرام
۲۹۶	میں اللہ کے سوا کوئی رب تلاش نہیں کر سکتا	۲۸۰	کروی گئی تھیں
	اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور ایک کو دوسرے	۲۸۲	مشرکین کی کٹ جتنی
۲۹۷	پر فوقیت دی	۲۸۳	اللہ تعالیٰ ہی کے لیے جنت بالغہ ہے
۲۹۹	فائدہ	۲۸۴	دس ضروری احکام
۳۰۰	فیشور ڈاٹر لٹ	۲۸۴	بے حیائی کے کاموں سے بچو
۳۰۰	یہ کتاب مومنین کے لیے نصیحت ہے	۲۸۵	نا جائز طور پر خون کرنے کی ممانعت
	قیامت کے دن رسالوں سے اور انکی امتوں سے سوال	۲۸۵	یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ
۳۰۱	اور اعمال کا وزن	۲۸۵	ناپ تول میں انصاف کرو
۳۰۲	اعمال کا وزن، بھاری اوزان والوں کی کامیابی	۲۸۶	ناپ تول میں کمی کرنے کا وبال
۳۰۳	کفار کی نیکیاں بے وزن ہوں گی	۲۸۶	فائدہ
	بنی آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور شیطان کی	۲۸۶	انصاف کی بات کرنا
۳۰۶	ملعونیت کا تذکرہ	۲۸۶	اللہ کے عہد کو پورا کرو
	ابلیس کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار اور	۲۸۷	صراط مستقیم کا اتباع کرو
۳۰۶	اللہ رب العزت پر اعتراض کرنا	۲۸۷	صراط مستقیم کے علاوہ سب راستے گمراہی کے ہیں
۳۰۶	ابلیس کا نکالا جانا	۲۸۷	فائدہ
۳۰۷	ابلیس کا زندہ رہنے کے لیے مہلت طلب کرتا	۲۸۸	توریت شریف کا مل کتاب تھی رحمت اور ہدایت تھی
۳۰۷	ابلیس کا قسم کھانا کہ بنی آدم کو گمراہ کرتا رہوں گا	۲۸۸	قرآن مبارک کتاب ہے
	ابلیس اور اس کا اتباع کرنے والوں کیلئے دوزخ کے	۲۸۸	اہل عرب کی کٹ جتنی کا جواب
۳۰۸	داخلہ کا اعلان		جب مغرب سے سورج طلوع ہو گا کسی کا ایمان اور توبہ
	حضرت آدم اور ان کی بیوی کا جنت میں رہنا اور شیطان	۲۸۹	قبول نہ ہوں گے
	کے ورغلانے سے شجرہ ممنوعہ کو کھانا پھر وہاں سے دنیا	۲۹۰	فائدہ
۳۰۹	میں اتارا جانا	۲۹۱	فائدہ
۳۱۰	حضرت آدم و حوا کا گناہ پر نام نہ ہونا اور توبہ کرنا	۲۹۱	دین میں تفریق کرنے والوں سے آپ بری ہیں
	لباس اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس سے پردہ پوشی بھی ہے	۲۹۲	اہل بدعت کی توبہ نہیں
۳۱۰	اور زینت بھی	۲۹۳	گمراہ فرقوں کا تذکرہ
۳۱۱	حیاء انسان کا فطری تقاضا ہے	۲۹۴	فائدہ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۳۳۰	آسمان وزمین کی پیدائش، جنس و قمر اور ستاروں کی تفسیر کا تذکرہ	۳۱۲	ان عورتوں کے لئے وعید جو کپڑا پہنے ہوئے بھی تنگی ہوں
۳۳۳	دعا کرنے کے آداب	۳۱۲	عزایاں لباس کی مذمت
۳۳۵	بارش اور اس کے ذریعہ پیداوار اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں	۳۱۳	بنی آدم کو تنبیہ کہ شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے
۳۳۷	حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا اور قوم کا سرکش ہو کر ہلاک ہونا	۳۳۳	شیاطین کی حرکتیں
۳۳۸	فائدہ	۱۳۴	شیطان کس پر قابو پاتا ہے
۳۴۰	حضرت: ود علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور قوم کا ہلاک ہونا	۳۱۴	جاہلوں کی جہالت جو فحش کام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں ان کا حکم دیا ہے
۳۴۲	حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور سرکش اختیار کر کے قوم کا ہلاک ہونا	۳۱۶	بے حیائی کی مذمت، اور طواف و نماز کے وقت ستر عورت کا خصوصی حکم
۳۴۶	حضرت اوطی علیہ السلام کا اپنی قوم کو احکام پہنچانا اور قوم کا اسپنے افعال سے باز نہ آنا اور انجام کے طر پر ہلاک ہونا	۳۳۶	لباس زینت کا حکم
۳۴۹	فائدہ	۳۳۶	فضول خرچی کی ممانعت
۳۵۰	حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی امت کو تبلیغ فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے ان لوگوں کا ہلاک ہونا	۳۱۷	اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اہل ایمان کے لیے ہیں
۳۵۲	چارہ نمبر ۱	۳۱۸	اللہ تعالیٰ نے فحش کاموں اور ظاہری گناہوں کو حرام قرار دیا ہے
۳۵۳	حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا اہل ایمان کو کفر میں واپس آنے کی دعوت دینا اور تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہونا	۳۱۹	ہر امت کے لیے ایک اجل مقرر ہے
۳۵۳	فوائد	۳۱۹	بنی آدم کو خطاب کہ رسولوں کا اتباع کرنا
۳۵۳	فائدہ نمبر ۱	۳۱۹	کافروں، متکبروں کے لیے عذاب
۳۵۳	اصحاب مدین پر کون سا عذاب آیا؟	۳۲۰	موت کے وقت کافروں کی بد حالی اور دوزخ میں ایک دوسرے پر لعنت کرنا
۳۵۳	ناپ تول میں کمی کرنے کا وبال	۳۲۲	مکذبین و متکبرین جنت میں نہ جاسکیں گے ان کا اوڑھنا، پچھونا آگ کا ہوگا
۳۵۳	فائدہ نمبر ۲	۳۲۳	اہل ایمان کو جنت کی خوشخبری اور جنت میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا
۳۵۵	عبادات میں کمی اور کوتاہی	۳۲۳	اہل جنت کا اہل دوزخ کو پکارنا اور دوزخیوں پر لعنت ہونے کا اعلان ہونا
۳۵۵	قوم کی بربادی کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کا خطاب	۳۲۵	اصحاب اعراف کا اہل جنت کو سلام پیش کرنا اور اہل دوزخ کی سرزنش کرنا
۳۵۶	کے ذریعہ آزمایا گیا	۳۲۷	دوزخیوں کا اہل جنت سے پانی طلب کرنا اور دنیا میں واپس آنے کی آرزو کرنا
۳۵۷	آسمان وزمین کی برکات کھول دی جاتیں	۳۲۹	

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۳۷۱	تفسیر	۳۵۷	اللہ کے عذاب سے نذر نہ ہوں
۳۷۲	فرعون سے نجات دینا بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام		زمین کے وارث ہونے والے سابقہ امتوں سے عبرت
	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر تشریف لے جانا اور	۳۵۸	حاصل کریں
۳۷۲	وہاں چالیس راتیں گزارنا		حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے پاس تشریف لے جانا
۳۷۲	تفسیر	۳۵۹	اور اس کو بھڑے دکھانا
	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار الہی کیلئے درخواست کرنا		موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا جادوگر بنانا اور مقابلہ کیلئے جادوگروں
۳۷۳	اور پہاڑ کا چورا چورا ہو جانا	۳۶۱	کو بانٹنا اور جادوگروں کا ہار مان کر اسلام قبول کر لینا
۳۷۴	تفسیر		قوم فرعون کے سرداروں نے فرعون کو بھڑکایا کہ تو موسیٰ
	بنی اسرائیل کا زیوروں سے بچھڑا بنا کر اسکی عبادت کرنا	۳۶۴	اور ان کی قوم کو کعب تک یوں ہی چھوڑے رہے گا
۳۷۷	اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غضبناک ہونا	۳۶۴	تفسیر
۳۷۷	تفسیر		حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو نصیحت فرمانا اور صبر و
۳۷۸	ظلم اور زیادتی کی معافی مانگنا	۳۶۵	و عاء کی تلقین کرنا
۳۷۸	لیس الخبر کا المعانیۃ	۳۶۵	تفسیر
۳۷۸	القاء الواح پر سوال و جواب		قوم فرعون کی قحط سالی وغیرہ کے ذریعہ گرفت ہونا اور ان
۳۷۸	اول	۳۶۶	کا الٹی چال چلنا
۳۷۸	دوم	۳۶۶	تفسیر
۳۷۸	بنی اسرائیل کا نادم ہونا اور توبہ کرنا		قوم فرعون پر طرح طرح کے عذاب آنا اور ایمان کے
	بچھڑے کی پرستش کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا غصہ اور	۳۶۸	وعدے کر کے پھر جانا
۳۷۹	دنیا میں ان لوگوں کی ذلت	۳۶۸	تفسیر
۳۷۹	تفسیر		طوفان سے کیا مراد ہے؟
۳۷۹	اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے	۳۶۸	مذی اللہ کا لشکر ہے
۳۸۰	توریت شریف ہدایت اور رحمت تھی	۳۶۹	قمل کی تفسیر
	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ستر افراد کو اپنے ہمراہ لے جانا	۳۶۹	مینڈکوں کا عذاب
۳۸۰	اور وہاں ان لوگوں کی موت واقع ہو جانا	۳۶۹	خون کا عذاب
۳۸۰	تفسیر	۳۷۰	بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہونا
۳۸۲	فائدہ	۳۷۰	يَعْرِضُونَ کی تفسیر
۳۸۲	اول	۳۷۱	فائدہ
۳۸۲	اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے		سمندر سے پار ہو کر بنی اسرائیل کا بت پرست بننے کی
		۳۷۱	خواہش کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کو بھڑکنا

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۳۹۸	بنی اسرائیل میں اچھے لوگ بھی تھے ان پر اللہ تعالیٰ نے بادلوں کا سایہ کیا اور من و سلویٰ نازل فرمایا	۳۸۳	نبی اُمّی ﷺ کا ذکر یہودہ نصاریٰ توریت و انجیل میں پاتے ہیں
۳۹۹	ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم اور بنی اسرائیل کی نافرمانی	۳۸۴	توریت شریف میں آپ ﷺ کی صفات
۴۰۱	سنیچر کے دن یہودیوں کا زیادتی کرنا اور بندر بنایا جانا	۳۸۴	حضرت عبداللہ بن سلام ﷺ کی حق شناسی
۴۰۳	بنی اسرائیل پر دنیا میں عذاب آتا رہے گا	۳۸۵	قیصر روم کا اقرار
۴۰۴	بنی اسرائیل کی آزمائش اور ان کی حبت دنیا کا حل		توریت شریف کی چھٹن گوئی اور اس میں بائبل شائع کرنے والوں کی تحریف
۴۰۴	مصلحین کا اجر ضائع نہیں ہوتا	۳۸۵	ایک یہودی کا اپنے لڑکے کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ دینا
۴۰۵	بنی اسرائیل کے اوپر پہاڑ کا ٹھہر جانا اور ان کا یہ سمجھنا کہ یہ گرنے والا ہے	۳۸۶	کعب احبار کا بیان
۴۰۶	عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تذکرہ		بعض یہود کا اقرار کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں لیکن قتل کے ذریعے سے اسلام نہیں لاتے
۴۰۷	ایک ایسے شخص کا تذکرہ جو اتباع نبوی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی آیات کو چھوڑ بیٹھا	۳۸۶	ایک یہودی کا آپ ﷺ کو آزمانا پھر مسلمان ہونا
۴۰۸	انسانوں اور جنوں میں ایسے لوگ ہیں جو چوپایوں سے زیادہ گمراہ ہیں	۳۸۷	حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنا عجیب واقعہ
۴۱۰	اللہ تعالیٰ کیلئے اسماء حسنیٰ ہیں ان کے ذریعہ اس کو پکارو	۳۹۱	موجودہ انجیل میں آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشگوئی
۴۱۱	مکذبین کو ڈھیل دی جاتی ہے، اللہ جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں		امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ ﷺ کے اوصاف میں سے ہیں
۴۱۳	قیامت کے آنے کا وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے وہ اچانک آ جائیگی	۳۹۲	رسول اللہ ﷺ محلل طہارت اور محرم خباثت ہیں
۴۱۵	آپ فرما دیجئے کہ میں اپنے لئے کسی نفع و ضرر کا مالک نہیں ہوں اور نہ غیب جانتا ہوں	۳۹۲	منکرین حدیث کی تردید
۴۱۶	رسول اللہ ﷺ کیلئے علم غیب کلی ثابت کرنے والوں کی تردید	۳۹۳	رسول اللہ ﷺ کے دین میں وہ احکام نہیں جو بوجہ ہوں
۴۱۷	ترجمہ	۳۹۳	تین صحابیوں کا ایک واقعہ
۴۱۸	ترجمہ	۳۹۴	نبی اکرم ﷺ کی توقیر اور اتباع کرنا لے کا میاب ہیں
۴۱۹	بیوی قلبی سکون کے لئے ہے	۳۹۴	رسول اللہ ﷺ سے محبت اور آپ کی تعظیم و تکریم کے مظاہرے
۴۲۰	میاں بیوی آپس میں کس طرح زندگی گزاریں؟	۳۹۵	دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد
۴۲۱	بَعْدَ اَللّٰہِ شَرُّ کَلَّاءٍ فِیْمَا آفَاہُمْ اَسَ کون مراد ہیں؟	۳۹۵	نَصْرُؤُہ کا مطلب
۴۲۲	اولاد کو شرک کا ذریعہ بنانے کی تردید	۳۹۶	آپ ﷺ کے ساتھ جو نور نازل ہوا اس کا اتباع کرنا لازم ہے
		۳۹۶	حدیث نبوی ﷺ حجت شرعیہ ہے
		۳۹۶	اگر حدیث کو نہ مانیں تو دین اسلام پر نہیں چل سکتے
		۳۹۶	رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا حکم اور آپ کی بعثت عامہ کا اعلان

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۴۳۵	فرشتوں کی تسبیح اور عبادت		معبودان باطلہ نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ اپنی مدد کر سکتے
۴۳۵	ترجمہ	۴۲۳	ہیں نہ عبادت گزاروں کی مدد کر سکتے ہیں
۴۳۵	سجدہ تلاوت کا بیان		اخلاق عالیہ کی تلقین اور شیطان کے وسوسے آنے پر
۴۳۵	مسئلہ	۴۲۴	اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے کا حکم
۴۳۵	مسئلہ	۴۲۴	معاف کرنے کی ضرورت اور فضیلت
۴۳۵	سجدہ تلاوت کی دعا	۴۲۵	ترجمہ
۴۳۷	مشورۃ اللغات	۴۲۵	حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو معاف فرمانا
۴۳۷	انفال یعنی مال غنیمت کا بیان	۴۲۵	فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کا اہل مکہ سے برتاؤ
۴۳۷	گزشتہ امتوں میں اموال غنیمت کا حکم	۴۲۶	فائدہ
۴۳۷	ایک نبی کے جہاد کا واقعہ	۴۲۶	امر بالمعروف
۴۳۸	اموال غنیمت کا حلال ہونا امت محمدیہ ﷺ کی خصوصیت ہے	۴۲۶	جاہلوں سے اعراض کرنا
	اموال غنیمت کی تقسیم میں اختلاف اور اس کے بارے	۴۲۶	شیطان کے وسوسوں سے اللہ کی پناہ لینے کا حکم
۴۳۸	میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ	۴۲۷	ایمانیات میں وسوسے آنے پر شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنا
۴۳۸	اللہ سے ڈرنے اور آپس کے تعلقات درست رکھنے کا حکم	۴۲۷	غصہ کا علاج
۴۳۸	انفال کے دوسرے معنی	۴۲۷	شیطان سے بچنے والوں اور شیطان کے دوستوں کا طریقہ
۴۳۹	اہل ایمان کے اوصاف کا بیان	۴۲۸	فرمانی معجزات طلب کرنے والوں کو جواب
	جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے		قرآن میں بصیرت کی باتیں ہیں اور وہ رحمت اور
۴۳۹	ہیں..... اول صفت	۴۲۹	ہدایت ہے
	اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو اہل ایمان کا ایمان بڑھ	۴۲۹	قرآن مجید پڑھنے اور سننے کے احکام و آداب
۴۳۹	جاتا ہے..... دوسری صفت	۴۲۹	امام کے پیچھے خاموش رہنے کا حکم اور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب
۴۳۹	تیسری صفت		امام کے پیچھے قراءت نہ پڑھنے کے بارے میں حضرات
	وہ نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال	۴۳۰	صحابہؓ کے ارشادات
۴۴۰	سے خرچ کرتے ہیں..... چوتھی صفت	۴۳۰	امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مذہب
۴۴۰	مذکورہ صفات والے سچے مومن ہیں	۴۳۰	فائدہ
۴۴۰	درجات جنت کی وسعت	۴۳۳	ذکر اللہ کا حکم اور اس کے آداب
۴۴۱	غزوہ بدر کا تذکرہ	۴۳۳	ذکر خفی کی فضیلت
۴۴۲	فائدہ	۴۳۴	صبح شام اللہ کا ذکر کرنا
۴۴۵	فائدہ	۴۳۵	غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۴۶۳	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد کہ استغفار سبب	۴۴۵	غزوہ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا دعا میں مشغول رہنا اور آپ کی دعا قبول ہونا
۴۶۴	امان ہے	۴۴۶	فرشتوں کا نازل ہونا اور منافقین کے قلوب کا طمینان ہونا
۴۶۵	مشرکین کی عبادت یہ تھی کہ بیٹ اللہ کے قریب بیٹیاں	۴۴۷	بدر میں مسلمانوں پر اونگھ کا طاری ہونا
۴۶۶	بجائے اور تالیاں پیٹتے تھے	۴۴۹	فرشتوں کا قتال میں حصہ لینا اور اہل ایمان کے قلوب کا تسکین
۴۶۷	اللہ کی راہ سے روکنے والے مغلوب ہوں گے اور ان کے	۴۴۹	مشرکین کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی سزا ملی
۴۶۸	اخراجات حسرت کا باعث ہوں گے	۴۴۹	جب کافروں سے مقابلہ ہو تو جبر کر قتال کرو
۴۶۹	کافروں کو اسلام کی ترغیب اور کفر پر تنبیہ کی وہید	۴۵۰	دو صورتیں مستثنیٰ ہیں
۴۷۰	کافروں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ سارا دین اللہ ہی	۴۵۰	صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک واقعہ
۴۷۱	کے لئے ہو جائے	۴۵۰	فائدہ
۴۷۲	پیارے فہرست	۴۵۰	بارہ ہزار کا لشکر کبھی مغلوب نہ ہوگا
۴۷۳	۱۔ وال غنیمت کے مستحقین کا بیان	۴۵۱	اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے مشرکین مقتول ہوئے
۴۷۴	یوم الفرقان	۴۵۲	مشرکین سے اللہ تعالیٰ کا خطاب
۴۷۵	بدر میں محاذ جنگ کا نقشہ اور اللہ تعالیٰ کی مدد	۴۵۳	اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم
۴۷۶	فائدہ	۴۵۵	ایسے فتنے سے بچو جو خاص کر گناہگاروں پر واقع نہ ہوگا
۴۷۷	دشمنوں سے مقابلہ ہو جائے تو جم کر مقابلہ کرو اور اللہ	۴۵۵	نبی عن امیر چھوڑنے پر وعیدیں
۴۷۸	تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو	۴۵۷	مسلمانوں کو ایک بڑے انعام کی یاد دہانی
۴۷۹	آپس میں جھگڑنے سے بچنا چاہی ہو جاتی ہے	۴۵۷	اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت نہ کرو اور آپس
۴۸۰	ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اکڑتے مکتوتے ریاکاری	۴۵۸	میں بھی خیانت کرنے سے باز رہو
۴۸۱	کیلئے نکلے	۴۵۹	اموال اور اولاد فتنہ ہیں
۴۸۲	مشرکین کو شیطان کا جنگ کے لئے پھسلانا پھر بدر کے	۴۵۹	تقویٰ پر انعام
۴۸۳	میدان کارزار سے بھاگ جانا	۴۶۰	حضور ﷺ کے سفر ہجرت سے پہلے مشرکین مکہ کے مشورے
۴۸۴	منافقین کی بد اعتقادی اور بد زبانی	۴۶۰	ابو جہل کا مشورہ اور شیطان کی تائید
۴۸۵	معلومات ضروریہ متعلقہ غزوہ بدر	۴۶۱	حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد اور آپ کا صحیح سالم سفر
۴۸۶	موت کے وقت کافروں کی پٹائی	۴۶۱	ہجرت کے لئے روانہ ہو جانا
۴۸۷	سابقہ امتوں نے آیات الہیہ کو جھٹلایا جس کی وجہ سے	۴۶۱	مشرکین کی ناکامی
۴۸۸	ہلاک ہوئیں	۴۶۲	مشرکین کا عناد اور جھوٹا دعویٰ کہ ہم بھی قرآن جیسا کلام
۴۸۹	اہل کفر جانوروں سے بدتر ہیں	۴۶۲	کہہ سکتے ہیں
۴۹۰	کافر لوگ معاہدہ کے بعد غدر کرتے ہیں انہیں عبرت	۴۶۲	نضر بن حارث کا عذاب کے لئے دعا کرنا
۴۹۱	ناک سزا دو		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۰۷	مشرکین اسکے اہل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں	۳۸۱	اہل ایمان کو غدر اور خیانت کی اجازت نہیں
۵۰۸	مساجد کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام ہے	۳۸۱	فائدہ
۵۰۹	مساجد میں کیا کیا کام ممنوع ہیں		دشمنوں سے مقابلہ کے لئے سامان حرب تیار رکھو اور
۵۰۹	مسجد کی صفائی کا اجر و ثواب	۳۸۲	انہیں ڈراتے رہو
	حجاج کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا ایمان اور جہاد		الْاِیُّ الْفَوْۤهَ الْمَوْتٰی کا موم دور حاضر کے بموں کو بھی
۵۱۰	کے برابر نہیں	۳۸۳	شامل ہے
۵۱۰	مؤمن مہاجرین اور مجاہدین کو بشارت	۳۸۳	دشمن صلح پر آمادہ ہوں تو صلح کی جاسکتی ہے
	اللہ تعالیٰ کی محبت کے سامنے باپ، بھائی، بیوی، کنبہ،	۳۸۶	دشمن کی ددنی تعداد ہو تب بھی راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں
۵۱۱	قبیلہ، مکان، دکان، آل و اولاد کی کوئی حقیقت نہیں	۳۸۷	بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر عتاب
۵۱۲	فائدہ	۳۸۹	قیدیوں کے احکام
۵۱۳	فائدہ	۳۹۰	فائدہ
	غزوہ حنین میں مسلمانوں کو کثرت پر گھمنڈ ہونا اور اس کی	۳۹۱	فائدہ
۵۱۴	وجہ سے اولاً شکست کھا کر بھاگنا پھر اللہ تعالیٰ کا مدد فرمانا	۳۹۱	بدر کے قیدیوں سے اللہ کا وعدہ
۵۱۴	غزوہ حنین کا مفصل واقعہ	۳۹۳	مجاہدین، مہاجرین اور انصار سے متعلق بعض احکام
۵۱۵	مقام اوطاس میں مشرکین سے مقابلہ اور ان کی شکست	۳۹۵	سُورَةُ التَّوْبَةِ
۵۱۶	طائف کا محاصرہ پھر وہاں سے واپسی	۳۹۵	بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھنے کی وجہ
۵۱۶	بعرانہ میں تقسیم غنائم	۳۹۶	سورہ توبہ کی ابتدا میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ پڑھی جائے
۵۱۶	حنین میں فرشتوں کا نزول	۳۹۷	فائدہ
۵۱۸	مشرکین نجس ہیں مسجد حرام کے پاس نہ جائیں		اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہیں
۵۲۰	اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم	۳۹۹	۹ھ میں حضرت ابوبکرؓ کے زیر امارت حج کی ادائیگی
۵۲۲	مسئلہ		اور مشرکین سے برأت کا اعلان
۵۲۲	مسئلہ	۵۰۰	فائدہ
۵۲۲	مسئلہ	۵۰۲	فائدہ
	یہود و نصاریٰ کی تردید جنہوں نے حضرت عزیر علیہ السلام اور	۵۰۳	مشرکین کو کسی قرابت داری اور معاہدہ کی پاسداری نہیں
۴۲۳	حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا بتایا	۵۰۳	فائدہ
۵۲۳	تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے		کفر کے سرغٹوں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کوئی
۵۲۴	تحلیل و تحریم میں غیر اللہ کی فرمانبرداری شرک ہے	۵۰۴	اعتبار نہیں
۵۲۴	فائدہ	۵۰۶	فائدہ

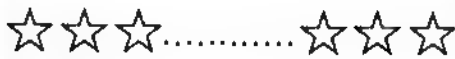


صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۳۹	سادات کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ	۵۳۳	فائدہ
۵۵۰	مسئلہ	۵۳۵	فائدہ
۵۵۰	مسئلہ	۵۳۵	پھونکوں سے اللہ تعالیٰ کا نور بجھایا نہ جائے گا
۵۵۰	مسئلہ	۵۳۶	پہلی صورت
۵۵۰	نصاب زکوٰۃ	۵۳۶	دوسری صورت
۵۵۰	تنبیہ	۵۳۷	تیسری صورت
۵۵۰	زکوٰۃ کے ضروری مسائل	۵۳۷	یہود و نصاریٰ دین حق ہے روکتے ہیں
۵۵۰	مسئلہ	۵۳۰	فائدہ
۵۵۱	مسئلہ	۵۳۰	فائدہ
۵۵۱	مسئلہ	۵۳۱	مہینوں کی حلت و حرمت میں ہیرا پھیری اور تقدیم و تاخیر
۵۵۱	مسئلہ	۵۳۱	کرنا کفر میں ترقی کرتا ہے
۵۵۱	مسئلہ	۵۳۲	فائدہ
۵۵۱	مسئلہ	۵۳۳	خروج فی سبیل اللہ کے لئے کہا جائے تو نکل کھڑے
۵۵۱	مسئلہ	۵۳۳	ہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے گا اور تمہارے بدلہ
۵۵۱	مسئلہ	۵۳۳	دوسری قوم کو لے آئے گا!
۵۵۱	مسئلہ	۵۳۳	اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد فرمائی جب
۵۵۱	مسئلہ	۵۳۳	اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں تھے
۵۵۲	تنبیہ	۵۳۵	فائدہ
۵۵۲	مسئلہ	۵۳۵	غزوہ تبوک میں مؤمنین مخلصین کی شرکت اور منافقین کی
۵۵۲	مسئلہ	۵۳۸	بے ایمانی اور بد حالی کا مظاہرہ
۵۵۲	مسئلہ	۵۳۸	منافقین جھوٹے عذر پیش کر کے غزوہ تبوک کی شرکت
۵۵۲	مسئلہ	۵۴۰	کے رہ گئے
۵۵۳	مسئلہ	۵۴۲	منافقین کی بد باطنی کا مزید تذکرہ!
۵۵۳	مسئلہ	۵۴۲	منافقین کا مال مقبول نہیں، جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ
	منافقین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتے ہیں اور	۵۴۲	تم میں سے ہیں
۵۵۳	مؤمنین کو راضی کرنے کیلئے قسمیں کھاتے ہیں	۵۴۲	منافقین کا صدقات کے بارے میں طعن کرنا اور اللہ اور
۵۵۶	منافقین کی مزید شرارتوں کا تذکرہ	۵۴۶	اس کے رسول ﷺ کی تقسیم پر راضی نہ ہونا
	منافق مرد عورت نیکیوں سے روکتے ہیں۔ بخیل ہیں،	۵۴۷	زکوٰۃ کے مصارف کا بیان
۵۵۷	اللہ تعالیٰ کو بھول گئے ہیں	۵۴۹	مسئلہ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۷۷	روافض کی گمراہی	۵۵۸	منافقین کو دنیا سے محبت ہے اور ان کیلئے عذاب دوزخ ہے
۵۷۷	حضرات مہاجرین و انصار اور ان کا اتباع کرنے والے	۵۵۸	اقوام سابقہ کی بربادی سے عبرت لیں
۵۷۷	جنتی ہیں		مؤمنین کی خاص صفات، اور ان کے لئے رحمت اور
۵۷۷	فائدہ	۵۵۹	جنت کا وعدہ
	مدینہ منورہ اور آس پاس کے دیہات میں رہنے والے		کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے اور ان کے ساتھ
۵۷۸	منافقین کا تذکرہ	۵۶۱	تحقیق کا بتاؤ کرنے کا حکم
	مؤمنین مخلصین کی توبہ کا تذکرہ جو غزوہ تبوک میں نہیں	۵۶۱	منافقوں کی مکاری اور جھوٹی تسلیں
۵۷۹	گئے تھے	۵۶۳	منافقین نے احسان کا بدلہ برائی سے دیا
۵۸۲	منافقین کی ایک بہت بڑی مکاری اور مسجد ضرار کی بناء		بعض ایسے منافقین کا تذکرہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد
۵۸۵	فائدہ		کیا کہ ہمیں مال دیا جائے گا تو صدقہ کریں گے پھر انہوں
۵۸۵	فائدہ	۵۶۳	نے اس مہد کی پاسداری نہ کی
۵۸۶	فائدہ	۵۶۵	فائدہ
	اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جنت کے عوض انکے جانوں	۵۶۵	منافقین کا مخلصین کے صدقات پر طعن و تمسخر کرنا
۵۸۸	اور مالوں کو خرید لیا ہے		منافقین کا اس پر خوش ہونا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۵۸۹	فائدہ	۵۶۷	کے ساتھ نہ گئے
۵۸۹	مؤمنین کی صفات		منافقوں کی نماز جنازہ نہ پڑھے اور ان میں سے کسی کی
۵۹۰	فائدہ	۵۶۸	قبر پر کھڑے نہ ہو جائیے
۵۹۰	حد و اللہ کی حفاظت کا اہتمام کیا جائے		وسعت ہوتے ہوئے منافقین کا اجازت طلب کرنا کہ
۵۹۰	فائدہ	۵۶۹	غزوہ میں نہ جائیں
۵۹۰	مشرکین کے لئے استغفار کرنے کی ممانعت		رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ جہاد کرنے
	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لئے استغفار کرنا	۵۷۰	والوں کو بشارت
۵۹۱	پھر اس سے بیزار ہونا		جن حضرات کے پاس سواری نہ تھی وہ غزوہ تبوک کی
۵۹۲	کسی قوم کو بدایت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ گمراہ نہیں کرتا	۵۷۱	شرکت سے محرومی پر رور ہے تھے
	اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار پر مہربانی فرمائی جب کہ	۵۷۳	پیارے قسیمی
۵۹۳	انہوں نے مصیبت کی گھڑی میں نبی اکرم ﷺ کا ساتھ دیا	۵۷۴	تبوک سے واپسی پر عذر پیش کرنے والوں کو جواب
	تین حضرات کا مفصل واقعہ جو غزوہ تبوک میں جانے	۵۷۵	دیہاتیوں میں سخت نفاق والے بھی ہیں اور مخلصین بھی
۵۹۴	سے رہ گئے تھے		سبقت لے جانے والے مہاجرین اور انصار اور ان کا
۵۹۷	فوائد ضروریہ	۵۷۶	اتباع کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہے

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۶۳۳	باطل معبود اپنے پرستاروں سے کہیں گے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے	۵۹۹	اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور بچوں کے ساتھ ہو جانے کا حکم
۶۳۴	مشرکین سے سوال کہ تمہیں کون رزق دیتا ہے اور تمہارے کانوں اور آنکھوں کا کون مالک ہے اور تمام کاموں کی تدبیر کون کرتا ہے؟	۶۰۲	عساکرین کی مصاحبت
۶۳۵	مشرکین سے مزید سوالات اور توحید پر آنے کی دعوت	۶۰۳	فی سبیل اللہ سفر اور خرچ کرنے پر اجر و ثواب کا وعدہ
۶۳۶	قرآن حکیم کی حقانیت پر واضح دلیل، اور اس جیسی ایک سورت بنانے کا چیلنج	۶۰۴	فائدہ
۶۳۸	تکذیب کرنے والوں کی بے حسی، قیامت کا منظر، دنیا میں عذاب آنے کی وعید	۶۰۵	جہاد اور تہفہ فی الدین میں مشغول رہنے کی اہمیت اور ضرورت
۶۳۹	ظالم لوگ جان چھڑانے کیلئے زمین بھر کر فدیہ دینے کو تیار ہوں گے اور انکے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ ہوگا	۶۰۵	جہاد کی قسمیں
۶۴۱	قرآن موعظت ہے، سینوں کیلئے شفا ہے، اور ہدایت و رحمت ہے	۶۰۵	تفقیہ اور تہفہ کی ضرورت
۶۴۲	اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے	۶۰۷	فائدہ
۶۴۳	اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے کوئی ذرہ اور اس سے چھوٹی بڑی چیز اور مخلوق کا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں۔	۶۱۰	ان کافروں سے قتال کرو جو تمہارے آس پاس ہیں
۶۴۵	اولیاء اللہ نہ خوف زدہ ہوں گے نہ ڈرنا	۶۱۰	منافقوں کی کافرانہ باتیں
۶۴۹	مشرکین صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں انہوں نے اللہ کے لئے اولاد تجویز کر کے اللہ پر بہتان باندھا ہے	۶۱۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ اور اخلاق حسنہ کا بیان
۶۵۱	حضرت نوح علیہ السلام کا جرأت کے ساتھ اپنی قوم سے خطاب فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا غرق ہو جانا!	۶۱۳	دُنُوْا فِیْہِمْ
۶۵۳	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی طرف مبعوث ہونا اور ان کے مقابلہ میں جادو گروں کا شکست کھانا	۶۱۳	تَسُوْیْۤیْہِمْ
۶۵۴	مصر میں بنی اسرائیل کا بے بس ہونا اور موسیٰ علیہ السلام کا انہیں توکل کی تلقین فرمانا اور گھروں میں نمازیں پڑھنے کا اہتمام کرنے کا حکم دینا	۶۱۳	تَوْحِیْدُ رَسَالٰتٍ اَوْرَ مَعَادِ کَاشَاہِدَاتٍ
		۶۱۸	اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو روشن بنایا، منزلیں مقرر فرمائیں تاکہ تم برسوں کی نعمتی اور حساب جان لو
		۶۱۹	اہل کفر کی سزا اور اہل ایمان کی جزا
		۶۲۱	انسان جلد باز ہے، مصیبت میں اللہ کو پکارتا ہے اور عافیت کے وقت بھول جاتا ہے
		۶۲۳	مشرکین کی اس بات کا جواب کہ دوسرا قرآن لے آئیے
		۶۲۵	یاس کو بدل دیجئے
		۶۲۶	فائدہ
		۶۳۰	مشرکین کی گمراہی اور ان کے قول و عمل کی تردید
		۶۳۱	دنیا کی بے ثباتی کی ایک مثال
			اہل جنت کی نعمتوں اور اہل دوزخ کی بد صورتی اور عذاب دائمی کا تذکرہ

صفحہ نمبر	عنوان
۶۶۵	ہدایت کا نفع اور گمراہی کا نقصان انسان کو ذاتی طور پر خود پہنچتا ہے
۶۶۶	لَسْتُمْ رُشْدُونَ
۶۶۶	اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اسکے حضور توبہ کرنے پر انعام کا وعدہ اور اعراض کرنے والوں کیلئے وعید
۶۶۷	أَلَا إِنَّهُمْ يَنْتُونُ ضَلُورَهُمْ كَسَبِ زَوْلٍ



صفحہ نمبر	عنوان
۶۵۶	فرعون اور آل فرعون کیلئے موسیٰ علیہ السلام کی بددعا فرعون کا غرق ہونا اور عبرت کیلئے اس کی نعش کا باقی رکھا جانا
۶۵۸	فائدہ
۶۵۸	بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانہ اور پاکیزہ رزق ملنا
۶۶۰	غذاب دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا ایمان لانا اور غذاب سے بچ جانا
۶۶۲	اگر اللہ چاہتا تو سب ایمان قبول کر لیتے!
۶۶۳	اللہ تعالیٰ ہی الحق عبادت ہے وہی خیر اور ضرر کا مالک ہے اس کے فضل کو کوئی رو نہیں کر سکتا



## (پارہ نمبر ۶)

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ﴿۶۰﴾

اللہ تعالیٰ بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا سوائے اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

إِنْ تُبَدُّوْا خَيْرًا أَوْ تَخْفَوْا أَوْ تَعْفَوْا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفْوًا قَدِيرًا ﴿۶۱﴾

اگر تم خیر کو ظاہر کرو یا برائی کو معاف کرو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا قدرت رکھنے والا ہے۔

## اللہ تعالیٰ بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا

بری بات کا بیان کرنا پھیلانا اور تجھ مجھ سے کہتے ہوئے پھرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے ہاں اگر کسی پر ظلم ہوا ہو تو وہ اپنی مظلومیت ظاہر کرنے کے لئے ظالم کا ظلم اور زیادتی بتائے تو یہ جائز ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ظالم کو مقابلہ میں مظلوم کی مدد بھی ہو جائے گی اور خود ظالم کو بھی اپنی زیادتی اور بدنامی کا احساس ہوگا جس کی وجہ سے وہ ظلم سے باز آجائے گا۔ مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو مجھے تکلیف دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا تو اپنا سامان نکال کر راستے میں رکھ دوے چنانچہ اس شخص نے ایسا کیا اب ہر وہ شخص جو وہاں سے گزرتا تھا پوچھتا تھا کہ کیا بات ہے (تم نے سامان یہاں کیوں ڈالا) وہ کہتا تھا میرا پڑوسی مجھے تکلیف دیتا ہے اس پر گزرنے والے اس کے پڑوسی پر لعنت بھیجتے تھے اور اس کی رسوائی کیلئے بددعا کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا پڑوسی آیا اور کہنے لگا تم اپنے گھر واپس چلے جاؤ اللہ عز و جل کی قسم میں تمہیں کبھی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔

آیت کے عموم میں یہ سب باتیں شامل ہیں۔ کہ کسی کی غیبت کی جائے، کسی پر بہتان باندھا جائے، کسی کے عیب اور گناہ کو تجھ مجھ سے بیان کیا جائے۔ یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ اگر کسی کا کوئی عیب اور گناہ معلوم ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی کرے نا یہ کہ اسے اڑائے اور ادھر ادھر پہنچائے بہت سے لوگوں کو غیبت کرنے اور دوسروں کی پردہ دردی کرنے اور گناہوں کو مشہور کرنے اور ادھر ادھر لئے پھرنے کا ذوق ہوتا ہے ایسے لوگ اپنی بربادی کرتے ہیں اور آخرت میں اپنے لئے عذاب تیار کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص سے کوئی زیادتی ہو جائے، اول تو بہتر یہ ہے کہ اسے معاف کر دے اور اگر معاف کرنے کی ہمت نہیں ہے تو بدلہ لے سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مظلومیت کا بدلہ بقدر مظلومیت ہی لیا جاسکتا ہے۔ اگر بدلہ لینے والے نے زیادتی کر دی تو اب وہ ظالم ہو جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں گالی گلوچ کرنے والے جو کچھ کہیں ان سب کا گناہ اس پر ہے جس نے گالی گلوچ شروع کی تھی جب تک کہ مظلوم زیادتی نہ کرے۔ (رواہ مسلم ص ۳۲۱ ج ۲) جب مظلوم نے زیادتی کر دی تو وہ بھی گناہگار ہوگا کیونکہ جتنے بدلے کی اجازت تھی وہ اس سے آگے بڑھ گیا۔

پہلی آیت کے ختم پر فرمایا وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا (اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے) جو بھی کوئی شخص بری بات کو پھیلانے کا

اچھے برے کلمات کہے گا اس کی باتیں اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور جو بھی کوئی شخص کسی پر ابتداً یا جواباً ظلم و زیادتی کرے اللہ تعالیٰ شانہ کو اس کا علم بت اللہ تعالیٰ شانہ سب کے درمیان فیض فرمادے گا اگر مظلوم نے معاف نہ کیا۔

دوسری آیت میں فرمایا اِنْ تَسْلُوْا خَيْرًا اَوْ تَخْشَوْنَ اَوْ تُغْفَوْنَ عَنْ سُوْةٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا قَدِيْرًا ۝ (اگر تم خیر کا مظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ یا برائی کو معاف کرو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا قدرت رکھنے والا ہے) اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ جو بھی خیر کا کام کرے گا ظاہر ہو یا پوشیدہ (مہات بدنی ہو یا مالی ہو) یا کسی ظلم و زیادتی کو معاف کر دے گا تو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے قدرت والا ہے تمہارے اعمال کا بدلہ دینے پر قادر ہے اور وہ معاف کرنے والا بھی ہے، معاف کرنا بھی بہت بڑا نیک عمل ہے۔

سورۃ انور میں فرمایا لِيُغْفِرَ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (اور چاہئے کہ معاف کرے اور درگزر کرے کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمانے اور اللہ غفور رحیم ہے) جو شخص معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ شانہ کے یہاں اس کا بڑا مرتبہ ہے۔ یہ دنیا و آخرت میں اس کی عزت بڑھنے کا سبب بن جاتا ہے۔ حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جنہیں میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں وہ تین یہ ہیں کہ صدق کی عہد سے کسی بندہ کا مال کم نہیں ہوگا اور جس کسی بندہ پر کوئی ظلم کیا گیا جس پر اس نے صبر کر لیا تو اللہ عز و جل اس کی عزت بڑھا دے گا۔ اور جس کسی نے (مخلوق سے) سوال کرنے کا دروازہ کھول دیا اللہ تعالیٰ اس پر نیکدستی کا دروازہ کھول دے گا (یعنی وہ ہمیشہ فقیر ہی رہے گا جس قدر بھی مال جمع کرے اس کا فقر ختم نہیں ہوگا) (رواہ الترمذی وقال حدیث صحیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے رب! تیرے نزدیک بندوں میں سب سے بڑا عزت والا کون ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مَنْ اِذَا قَدَّرَ غُفْرًا ۚ یعنی جو شخص قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے وہ اللہ عز و جل کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا ہے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی زبان کو محفوظ رکھے اللہ تعالیٰ اس کی پوشیدہ چیزوں کی پردہ پوشی فرمائے گا اور جو شخص اپنے غصے کو روک لے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روک لے گا اور جو شخص اللہ عز و جل کی بارگاہ میں عذر پیش کرے اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو قبول فرمالتا ہے۔ (ذکر الروایاتین صاحب مشکوٰۃ ص ۴۳۴ عن شعب الایمان)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ

بِاِشْرَافِ اللّٰهِ تَعَالٰی اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں

نُوْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۚ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ

کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان راہ تجویز کر لیں یہ وہ لوگ

الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ

ہیں جو یقیناً کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر اور

يُفِرُّوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ اُجُوْرُهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

ان میں کسی کے درمیان میں فرق نہیں کرتے یہ وہ لوگ ہیں کہ عترتِ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اجر عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

**اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا فرض ہے!**

صاحبِ معالم القریل ص ۳۹۴ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یُکْفِرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ یُہودِیوں کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور توریت پر ایمان لائے اور حضرت عزیر علیہ السلام پر ایمان لائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے ان کے ساتھ کفر کیا اور انجیل اور قرآن کے بھی منکر ہوئے۔ ان لوگوں نے ایسا راستہ نکالا کہ اللہ عزوجل پر تو ایمان لائیں اور اس کے رسولوں میں سے بعض پر ایمان لائیں اور بعض کا انکار کریں۔

جو شخص صرف اللہ پر ایمان لائے اور کسی رسول پر ایمان نہ لائے یہ بھی کفر ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا ہے اور بعض رسولوں پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کرے یہ بھی تفریق ہے۔ کیونکہ کسی ایک رسول کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ صاحبِ روح المعانی (ص ۴۳ ج ۶) نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ آیت شریفہ میں یہود و نصاریٰ دونوں کا ذکر ہے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا انکار کیا اور یہود و نصاریٰ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے منکر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا جو دین ہے اسے دونوں جماعتیں چھوڑ بیٹھیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہر نبی پر ایمان لانا فرض ہے جن لوگوں نے کسی بھی نبی کا انکار کیا ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ حَقًّا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کچھ کافر ہیں ان کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ اور فرمایا وَاعْتَصِدْنَا بِالْكَافِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا کہ ہم نے کافروں کیلئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے اہل کفر کا کفر ذکر فرمانے کے بعد اہل ایمان کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے اور کسی بھی رسول کا انکار کر کے تفریق کرنے والے نہ بنے (یعنی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی) یہ لوگ بڑے بڑے ثوابوں کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ثواب عطا فرمائے گا۔

مسلمانوں کے بارے میں سورۃ بقرہ کے ختم کے قریب ارشاد فرمایا اَمَّا الرَّسُوْلُ فَمَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّ اَمَنٍ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَنَخْبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا تَفَرَّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (ایمان لائے رسول اس پر جو ان کی طرف نازل کیا گیا ان کے رب کی طرف سے اور مؤمنین بھی ایمان لائے، سب ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر) (انہوں نے کہا) کہ ہم تفریق نہیں کرتے اللہ کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان بھی)

درحقیقت ایمان کا جہمی متحقق ہوتا ہے اور اللہ کے نزدیک معتبر ہوتا ہے جبکہ تمام ایمانیات پر ایمان لایا جائے۔ کوئی شخص فرشتوں کا منکر ہو، یوم آخرت کا منکر ہو۔ قرآن کی کسی آیت کا منکر ہو کسی شعائر اسلامی کا منکر ہو۔ کسی بھی رسول کی رسالت اور کسی بھی نبی کی نبوت کا منکر ہو تو وہ اللہ کے نزدیک کافر ہوگا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو مانتا ہو۔ اللہ پر ایمان لانے میں وہ سب چیزیں شامل ہیں جن پر ایمان لانے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ حکم فرمایا۔

یہ اہل اسلام ہی کی امتیازی شان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام نبیوں اور رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توقیر کرتے ہیں جس طرح انہیں یہ گوارہ نہیں کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کوئی نازیبا کلمہ کہاجائے



اسی طرح انہیں یہ بھی گوارہ نہیں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام یا کسی بھی رسول یا نبی کے بارے میں کوئی نازیبا بات کہی جائے۔ نساؤ کے پاس جو وہ انجیلیں ہیں ان میں جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام یا ان سے پہلے کسی بھی نبی کے بارے میں کوئی نازیبا بات آگئی ہے اس پر مسلمانوں ہی نے انہیں متنبہ کیا اور انہیں بتایا کہ یہ رسول اور نبی کی شان کے خلاف ہے اور دنیا میں جب کبھی بھی کسی فرد یا جماعت کی طرف سے کوئی ایسی بات اٹھتی ہے جس سے کسی بھی نبی کی شان میں کوئی حرف آتا ہو تو الحمد للہ مسلمان ہی خدائی فوجدار بن کر اس کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنْزِلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِنْ

اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار دیں۔ سورہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑی بات کا سوال

ذَلِكَ فَقَالُوا إِنَّ اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ

کر چکے ہیں انہوں نے یہاں کہا کہ ہمیں آسمان سے اللہ تعالیٰ کو دکھا دو۔ ہواؤں کے غلغلے کی وجہ سے بجلی نے پکڑ لیا۔ پھر انہوں نے عجلے کو معبود بنالیا

مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذَلِكَ ۖ وَأَتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطٰنًا مُّبِينًا ۝۱۰ وَرَفَعْنَا

اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلیل آچکی تھی، پھر ہم نے اس کو عاف کر دیا۔ اور ہم نے موسیٰ کو صریح غلبہ دے دیا اور ہم نے

فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِثْقَاثِهِمْ ۖ وَقُلْنَا لَهُمْ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا ۖ وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي

لوگوں پر طور کو اٹھایا ان سے سب سے زیادہ عجلے کی وجہ سے۔ اور ہم نے ان سے کہا کہ وہ دروازہ میں داخل ہو جاؤ جھکے ہوئے، اور ہم نے ان سے کہا کہ زیادتی نہ کرو

السَّبْتِ ۖ وَآخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ۝۱۱

سبوت کے دن میں اور ہم نے ان سے لے لیا تھا بہت مضبوط عہد۔

یہود کے بیجا سوالات اور بری حرکتوں کا تذکرہ اور ان سے میثاق لینا

یہودیوں کی شرارتوں اور ان کی ضد اور عناد کا تذکرہ قرآن مجید میں بہت سی جگہ بیان فرمایا ہے۔ ان کو ایمان تو نہ لانا تھا لیکن ضد اور عناد کی وجہ سے طرح طرح کی باتیں کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی باتوں سے تکلیف ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے یہاں بھی یہودیوں کے ایک مطالبہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اور وہ یہ کہ انہوں نے یہ سوال کیا کہ آپ آسمان سے ایک کتاب اتار دیں وہ کتاب ہم اترتی ہوئی دیکھ لیں ہمارے ہاتھوں میں آجائے ہم اسے پڑھ لیں تو ہمیں اطمینان ہو جائے گا کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں۔ کتاب اترنے پر ہم ایمان لا سکتے ہیں۔ اسی قسم کی بات مشرکین مکہ نے بھی کہی تھی۔ ان کا قول سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے، انہوں نے کہا تھا وَلٰكِنْ نُّؤْمِنُ بِرُزُقِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرُؤُہُ (اور ہم نہیں مانیں گے تیرے آسمان پر چڑھنے کو یہاں تک کہ تو اتار دے ہمارے اوپر ایک کتاب جسے ہم خود پڑھ لیں) نہ مشرکین مکہ کو ایمان لانا تھا اور نہ یہودیوں کو، خواہ وہ کی آڑ پکڑتے تھے اور ایمان لانے کیلئے بہانے ڈھونڈتے تھے۔ سورہ انعام میں فرمایا وَلَوْ نَزَّلْنٰ عَلٰیكَ كِتَابًا فِیْ قُرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ لَقَالِیْلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (اور اگر ہم اتار دیں آپ پر کتاب کاغذ میں پھروہ اسے چھولیں اپنے ہاتھوں سے تو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ضرور یوں کہیں

گئے کہ یہ تو صرف کھلا ہوا جادو ہے) منکرین کا یہ طریقہ تھا کہ وہ معجزات کا مطالبہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بات ہو جائے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے بہت سے معجزات ظاہر فرمائے جو ایک عقلمند منصف طالب حق آدمی کیلئے کافی تھے پھر بھی کہتے تھے کہ فلاں معجزہ ظاہر ہو جائے تو ایمان لے آئیں گے اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں جو مطالبے کے مطابق معجزہ بھیج دے لیکن پھر بھی بعض معجزات ان لوگوں کے کہنے کے مطابق ظاہر ہوئے جن میں معجزہ شق القمر بھی ہے لیکن چونکہ ماننا مقصود نہیں تھا اس لئے معجزات کو جادو بتا دیتے تھے۔ ان لوگوں کے عناد اور ضد اور مطالبات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی تھی اور آپ فکر مند ہوتے تھے کہ یہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں۔ آپ کی تسلی کیلئے اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ آپ ان کی پرواہ نہ کریں اور انہوں نے جو سوال کیا ہے کہ آسمان سے کتاب اتار دو اس سے بڑا سوال پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کر چکے ہیں، اور وہ سوال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے آئنے سامنے دکھا دو۔

سورہ بقرہ میں ان کی یہ بات اس طرح ذکر فرمائی ہے **وَإِذْ قُلْنَا لِمُوسَىٰ لَنْ نُّؤْتِيَكَ بِهَا وَلَقَدْ جِئْتَنَا بِكُذُوبٍ كَثِيرَةٍ ۖ سَاقِئًا فِى ظُهُورِكَ ۖ وَاجْعَلْ لِّى ذِكْرًا مِّنْ عِندِ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ بِرَأْسِ عَرْشِ لَدُنِّى ۚ** (اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم تمہاری بات نہ مانیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو آئنے سامنے نہ دیکھ لیں)۔ یہ دنیا اس قابل نہیں ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار جنت ہی میں ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں دیدار الہی کا سوال کیا تھا جب رب تعالیٰ شانہ کی پہاڑ پر چلی ہوئی تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے، جب ایک مقرب نبی کا یہ حال ہے تو عوام کو دیدار الہی عروہ حل کی کہاں تاب ہو سکتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ریت شریف لینے کے لئے طور پر تشریف لے گئے تھے وہاں انکو چالیس دن لگ گئے۔ یہاں پیچھے ان کی قوم نے پچھڑے کو معبود بنالیا۔ جب آپ تشریف لائے تو ان لوگوں کی سرزنش کی اور سمجھایا اور ستر آدمیوں کو ساتھ لیا تاکہ بارگاہ خداوندی میں معذرت پیش کریں اور توبہ قبول کرنے کی درخواست کریں، جب طور پر پہنچے اور اللہ تعالیٰ شانہ کا کلام سن لیا جس میں موسیٰ علیہ السلام کو خطاب تھا اور ان لوگوں کو بھی خطاب فرمایا کہ تم میری عبادت کرو۔ میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرو تو اس پر کہنے لگے کہ ہم تو جب مانیں گے جب اللہ کو آئنے سامنے دیکھ لیں اس پر ان کو بجلی نے پکڑ لیا جس سے وہ سب مر گئے۔ بجلی کے پکڑنے کا تذکرہ سورہ بقرہ میں بھی ہے اور آیت بالا میں بھی ذکر فرمایا ہے **فَآخَذْنَاهُمُ الصَّاعِقَةُ ۖ يَطَّلِعُ مِنْ خَلْفِهِمُ السَّمَاءُ ۚ** کہ ان کے ظلم کی وجہ سے بجلی نے پکڑ لیا انہوں نے جو بے جا بات کا سوال کیا اور ایسی بات کا مطالبہ کیا جو اس دنیا میں ہونے والی نہیں ہے اس کو ظلم سے تعبیر فرمایا۔ (من معالم القرآن)

یہ جو فرمایا **اتَّخِذُوا الْعَجَلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ نَهُمُ الْبَيِّنَاتُ** اس کے بارے میں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ بنیاد سے مراد وہ معجزات ہیں جو اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے جن کا ظہور فرعون کے سامنے ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصی اور ید بیضا اور سمندر کا پھٹ جانا جس میں آل فرعون غرق ہوئے اور بنی اسرائیل کو نجات ہوئی بنی اسرائیل نے یہ سب چیزیں دیکھیں پھر بھی پچھڑے کو خدا بنا بیٹھے، پھر صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ بینات سے وہ واضح دلائل بھی مراد ہو سکتے ہیں جو اللہ کے معبود ہونے اور واحد لا شریک لہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور یہ چیزیں ہر عقلمند کے سامنے ہیں اس کے باوجود ان لوگوں نے پچھڑے کی عبادت شروع کر دی اور **فَعَقَوْا عَنْ ذٰلِكَ** جو فرمایا (کہ ہم نے ان کے اس جرم کو معاف کر دیا) اس کی تفسیر سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی جانوں کو قتل کرو یہ تمہاری توبہ ہے (چنانچہ انہوں نے اس پر اس طرح عمل کیا) جن لوگوں نے پچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی انہوں نے پچھڑا پوجنے والوں کو قتل کیا۔ ہزاروں آدمی قتل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے سب کی توبہ قبول فرمائی **فَنَابَتْ عَلَيْهِمْ اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ**۔

پھر فرمایا **وَاتَيْنَا مُوسَى سُلْطَانًا مُبِينًا** (اور ہم نے موسیٰ کو سلطان مبین عطا کیا) سلطان مبین کا ایک ترجمہ تو یہی ہے جو اوپر ہم نے بیان کیا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ای تسلطاً ظاہراً علیہم حین امرهم ان یقتلو انفسہم توبۃ عن اتخاذہم یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل پر ایسا غلبہ عطا کیا جب انہوں نے ان کو توبہ کرنے کے لئے اپنی جانوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تو ان لوگوں نے اس پر عمل کر لیا اور دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کو کھلے کھلے معجزات عطا کئے جو ان کی نبوت و رسالت پر واضح دلائل تھے۔ صاحب معالم التنزیل نے اسی معنی کو لیا ہے۔

پھر فرمایا **وَزَعْنَا فَوْقَهُمَ الطُّورَ** اس کا ذکر بھی سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اور سورۃ اعراف میں بھی ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر توریت شریف پیش کی اور فرمایا کہ اس کو قبول کرو اور اس کے احکام پر عمل کرو تو یہ لوگ انکاری ہو گئے تب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھاڑ دیا جو ان کے سروں پر آ کر ٹھہر گیا اور ان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ ہم نے دیا ہے اس کو قبول کرو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو۔ اس وقت کہنے لگے کہ ہم مانتے ہیں اور عہد کر لیا کہ ہم اس پر عمل کریں گے۔ لیکن پھر اپنے عہد سے پھر گئے، جیسا کہ سورۃ بقرہ میں فرمایا **ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ** یہاں اس واقعہ کا اختصار کے ساتھ تذکرہ فرمایا۔

پھر فرمایا **وَقُلْنَا لَهُمْ اَدْخُلُوا الْاَبْنَاءَ سَجْدًا** (اور ہم نے کہا داخل ہو جاؤ دروازہ میں جھکے ہوئے) اس کا ذکر بھی سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے اور سورۃ اعراف میں بھی ہے۔ جب میدان تیرے سے نکلے تو ان کو ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم ہوا یہ بستی کون سی تھی اس کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ان کو حکم ہوا تھا کہ اس بستی میں جھکے ہوئے تواضع کے ساتھ داخل ہوں۔ لیکن ان لوگوں نے اس کی نافرمانی کی اور بجائے جھکے ہوئے داخل ہونے کے بیٹھ کر گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے تفصیل کیلئے سورۃ بقرہ رکوع ۶ کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

پھر فرمایا **وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْبُدُوا الْاِلٰهَ السَّبِّتِ** اور ہم نے ان سے کہا کہ سبچہ کے دن میں زیادتی نہ کرو۔ اس کا ذکر بھی سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے اور سورۃ اعراف میں بھی ہے۔ یہودیوں کو حکم تھا کہ سبچہ کے دن مچھلیوں کا شکار نہ کریں۔ اور ان کی آزمائش کے لئے سبچہ کے دن مچھلیاں سمندر کے کنارے پر خوب ابھر ابھر کر آتی تھیں۔ اور دوسرے دنوں میں مچھلیاں غائب ہو جاتی تھیں، چونکہ سبچہ کے دن مچھلیاں پکڑنا ممنوع تھا اس لئے ان لوگوں نے یہ حرکت کی کہ دریا کے کنارے حوض بنادیتے اور ان حوضوں کو بڑی بڑی نالیوں کے ذریعے سمندر سے ملا دیا۔ جمعہ کے دن بند توڑ دیتے تھے تاکہ سبچہ کے دن پانی کے بہاؤ کے ساتھ مچھلیاں ان حوضوں میں داخل ہو جائیں جب مچھلیاں ان حوضوں میں آ جاتیں تو بند لگا دیتے تھے تاکہ سمندر میں واپس نہ جائیں پھر اتوار کے دن پکڑ لیتے تھے اس حیلے کو انہوں نے استعمال کیا اور اس طرح سے سبچہ کے دن میں زیادتی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔

پھر فرمایا **وَاخَذْنَا مِنْهُمْ مِّثَاقًا غَلِيظًا** یعنی ان سے ہم نے بہت مضبوط عہد لیا تھا کہ اللہ کے اوامر پر چلیں گے اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچیں گے لیکن انہوں نے عہد کو توڑ دیا جس کا ذکر ابھی اگلی آیت میں آتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

**فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَاءَ بَغْيٍ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا**

سو ہم نے اس وجہ سے (ان پر لعنت کی) کہ انہوں نے عہد شکنی کی اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا، اور نبیوں کو ناحق قتل کیا۔ اور انہوں نے یوں کہا کہ ہمارے دلوں پر

**غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ اِلَّا قَلِيلاً ۝ وَيَكْفُرُهُمْ وَقَوْلِهِمْ**

غلاف ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ سو وہ ایمان نہ لائیں گے مگر تھوڑے سے لوگ۔ اور (اس وجہ سے بھی ان پر لعنت کی) کہ انہوں نے کفر اختیار کیا اور انہوں

عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ۝ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ

اللہ نے مریم پر بہت بڑا بہتان لگایا۔ اور انہوں نے یوں کہا کہ بلاشبہ ہم نے مسیح ابن مریم کو قتل کر دیا جو اللہ تعالیٰ کے رسول

۱۱۱ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي

۱۱۲ شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝ بَلْ رَفَعَهُ

۱۱۳ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۚ

۱۱۴ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝

۱۱۵

۱۱۶

۱۱۷

وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝

اور قیامت کے دن وہ ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

یہودیوں کے کفر اور شرارتوں کا مزید تذکرہ

ان آیات میں بہت سے مضامین مذکور ہیں۔ یہودیوں کا عہد توڑنا اور اللہ تعالیٰ کی آیات کا منکر ہونا اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ناحق قتل کرنا اور ان کا یہ کہنا کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں (جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم اپنے دین پر بہت مضبوط ہیں ہم پر کسی کی بات اثر انداز نہیں ہو سکتی) اور حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان لگانا، ان کی یہ باتیں یہاں مذکور ہیں، ان میں سے بعض چیزوں کا تذکرہ سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔ فَمَا نَقْضُهِمْ اٰیٰتِهِمْ مَّعْطُوفَاتِ كَقَوْلِ مَحْذُوفٍ سے متعلق ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ تقدیر عبارت یوں ہے کہ ففعلنا بهم ما فعلنا بنقضهم یعنی ہم نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا اور ان کو جو سزائیں دیں وہ ان کے ان اعمال کی وجہ سے ہیں جن میں عہد کا توڑنا بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرنا بھی اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا قتل کرنا اور یہ کہنا بھی ہے کہ ہمارے قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں اور مریم علیہا السلام پر بہتان باندھنا..... اور ان کا یہ قول کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا ان سب کی وجہ سے انہیں سزائیں دی گئی۔

مفسر ابو حیان نے فرمایا ہے کہ ان سب کے اخیر میں لفظ لَعَنَاهُمْ مقدر ہے کیونکہ قرآن مجید میں ایک جگہ فَمَا نَقْضُهِمْ مِّثَاقَهُمْ لَعَنَاهُمْ وارد ہوا ہے (یہ آیت سورہ مائدہ ۳ میں ہے) مطلب یہ ہے کہ ان باتوں کی وجہ سے ہم نے ان کو ملعون قرار دے دیا۔ سورۃ بقرہ میں یہودیوں کا قول کہ ہمارے قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں ذکر فرما کر ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ ان پر لعنت کر دی ہے اور یہاں یوں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰیہَا بِكُفْرِهِمْ یعنی یہ بات نہیں ہے کہ ان کے قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر مار دی ہے جس کی وجہ سے وہ دولت ایمان کی وجہ سے محروم کر دیئے گئے۔ وہ اس کو کمال سمجھ رہے ہیں کہ اسلام قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں سے ہمارے

دل محفوظ ہیں ہم ان کو قبول نہیں کریں گے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ایمان سے محروم کر دیئے گئے ہیں انہوں نے جو قصد ارادہ اور عناد اکفر اختیار کیا اور اسی پر جمے رہے تو ان کا یہ عمل چھاپ لگنے کا سبب بن گیا۔ پھر فرمایا فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا (سوا ان میں سے تھوڑے ہی سے افراد مسلمان ہوں گے) جیسے عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

اس کے بعد ان کے مزید کفر کا تذکرہ فرمایا اور وہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنا ہے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ ان کے ساتھ کفر کیا ان کی ماں پر بھی بری بات کی تہمت باندھی باوجودیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں ہی اپنی ماں کی برأت ظاہر کر دی جب حضرت مریم کی گود میں بچہ دیکھ کر بنی اسرائیل نے بری بات کی تہمت لگا دی تو حضرت مریم نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا بچے نے کہا إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ إِنِّي أَلْتَمِسُ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا (الآیہ) اور قرآن نے بھی حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی بیان فرمادی۔

نیز سورہ تحریم میں فرمایا وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (الآیہ) لیکن یہودی اسی پر اڑے رہے کہ حضرت مریم علیہا السلام سے برائی کا صدور ہوا۔ پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبوت سے سرفراز ہوئے تو یہودیوں نے ان کی دشمنی میں اور زیادہ اضافہ کر دیا۔ حتیٰ کہ اپنے خیال میں ان کو قتل ہی کر دیا۔ اسی کو وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ میں بیان فرمایا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ وہ ان کو رسول اللہ تو مانتے نہ تھے پھر بھی ان کو رسول اللہ کہا ان کا یہ کہنا بطور مذاق بنانے کا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے اس کی جگہ کوئی اور لفظ کہا ہو اللہ جل شانہ نے ان کی شان رفیع ظاہر فرمانے کے لئے لفظ رسول اللہ بڑھا کر ان کی صفت بیان فرمادی۔

اس کے بعد فرمایا وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا۔ یہ اشتباہ کس طرح سے ہوا؟ اس کے بارے میں مفسرین نے کئی باتیں لکھی ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو ایک جگہ قید کر دیا تھا آپ نے ان کیلئے بد دعا کی لہذا وہ بندر اور خنزیر بنادئے گئے جب یہ بات یہودیوں کے سردار کو پہنچی جس کا نام یہود تھا اس نے یہودیوں کو جمع کیا اور سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ قتل کرنے کے لئے چلے تو اللہ جل شانہ نے جبریل علیہ السلام کو بھیج دیا جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھایا۔ یہودیوں میں کا ایک شخص قتل کرنے کے لئے اندر داخل ہوا جس کا نام بطیانوس تھا وہاں ان کو موجود نہ پایا اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت کے مشابہ بنا دی جب وہ باہر نکلا تو یہودیوں نے اسے قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا۔

اور وہ بن منہ سے یوں منقول ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ستر حواری تھے جو ایک گھر میں جمع تھے۔ قتل کرنے والے جب آئے اور گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ہر شخص عیسیٰ علیہ السلام کی صورت پر نہ یہ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ تم لوگوں نے ہم پر جادو کر دیا تم میں عیسیٰ کون ہے وہ سامنے آجائے ورنہ ہم تم سب کو قتل کر دیں گے یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم میں ایسا کون شخص ہے جو آج اپنی جان کو جنت کے بدلے میں بیچ دے ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں حاضر ہوں۔ لہذا وہ شخص باہر نکلا اور اس نے حاضرین سے کہا کہ میں عیسیٰ ہوں لہذا انہوں نے اس کو قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اوپر اٹھالیا۔ قادیان اور مجاہد وغیرہا کا بھی یہی قول ہے۔

ایک قول یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں ایک شخص منافق تھا جب یہودیوں نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس منافق نے کہا کہ میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ وہ کہاں ہیں اور اس نے تم میں درہم اس کی اجرت بھی لے لی، جب حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوا تو آپ آسمان پر اٹھائے جا چکے تھے، منافق کی صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جیسی صورت بنا دی گئی۔ لہذا ان لوگوں نے اندر داخل ہو کر اسی کو قتل کر دیا۔ اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ ان کے علاوہ اور بھی بعض اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔ (روح المعانی ص ۱۰ ج ۶)

علامہ بغویؒ عالم التزیل ص ۴۹۶ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک گھر میں بند کر دیا تھا اور ان پر ایک نگران مقرر کر دیا تھا جب قتل کرنے کے لئے آئے تو اللہ تعالیٰ نے اس نگران کی صورت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت بنا دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اٹھالیا۔

دور حاضر میں یورپ کے ریسرچ کرنے والوں نے ایک اور بات کا کھوج لگایا ہے اور وہ یہ کہ جب بنی اسرائیل نے طے کر ہی لیا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کر ہی دینا ہے تو حکومت وقت کے پاس شکایت لے کر گئے۔

اس زمانے میں دمشق اور آس پاس علاقوں میں رومیوں کی حکومت تھی یہودی رومی حاکم کے پاس گئے اور کہا کہ یہاں ایسا ایسا ایک شخص ہے جو ہمارے دین سے نکل گیا اور ہمارے جوانوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس نے ہماری جماعت میں تفریق کر دی اس کے ساتھی بڑھ رہے ہیں وہ تمہاری حکومت کے لیے خطرہ ہے کسی نظام اور قانون کا پابند نہیں اگر اس کے شر کو نہ روکا گیا تو ممکن ہے اس کی طاقت بڑھتے بڑھتے تمہارے لئے اور ہمارے لئے ایک بڑا فتنہ بن جائے اور تمہاری حکومت ہی ختم ہو جائے۔ چونکہ حکومت یہودیوں کے دین میں دخل نہیں دیتی تھی اس لئے دینی اعتبار سے حکومت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف ابھارنا اور چڑھانا مشکل تھا لہذا انہوں نے سیاسی امور کو سامنے رکھ کر بھڑکایا اور سمجھایا کہ اس شخص کی وجہ سے تمہاری حکومت کو شدید خطرہ ہے۔ جب یہودیوں نے بار بار شکایتیں پہنچائیں اور حکومت کے ذمہ داروں کے سامنے معاملہ کے سنگین ہونے کا اظہار کرتے رہے تو حکومت کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو طلب کیا گیا۔ یہ جمعہ کا دن اور عصر کا وقت تھا اور تھوڑی دیر میں سپر کی رات شروع ہونے والی تھی۔ یہودی چاہتے تھے کہ سپر کی رات ہونے سے پہلے قصہ تمام ہو جائے۔ حاکم کے پاس بھاری تعداد میں جمع ہو گئے کہ کیا حکم دیتا ہے؟ آفتاب غروب ہونے کو تھا کہ حاکم نے فیصلہ دے دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے اور صلیب پر چڑھا دیا جائے۔ مجرم کو پھانسی کا پھندا خود لے کر جانا پڑتا تھا۔ اور پھانسی گھر شہر سے دور تھا۔ یہودی قتل کے فیصلے سے بہت خوش ہوئے اور جو پولیس والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ساتھ لے کر جا رہے تھے ان کے ساتھ کثیر تعداد میں یہودی بھی ساتھ ہو گئے جن میں بہت سے بے وقوف نوجوان بھی تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سخت دشمنی رکھنے والے بھی تھے۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برا کہتے ہوئے اور تکلیف دیتے ہوئے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضعیف الجثہ تھے، اسفار کرتے ہوئے لاغر ہو چکے تھے کچھ رے میں کھڑے کھڑے زیادہ وقت گزر گیا تھا اور صلیب بھاری تھی ان سے اٹھ نہ رہی تھی جو پولیس والا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ساتھ لے جا رہا تھا اس نے ایک یہودی نوجوان سے کہا کہ صلیب کی اس لکڑی کو اٹھا کر لے چل۔ وہ شخص بہت زیادہ دشمنی میں آگے تھا اس نے صلیب کو اٹھا لیا اور جلدی جلدی صلیب کو لے کر آگے چلنے لگا تا کہ معاملہ نبٹ جائے اور سورج چھپنے سے پہلے قتل کا قصہ تمام ہو جائے۔ اسی طرح چلتے چلتے جب پھانسی گھر پہنچا تو پھانسی گھر کے پولیس والوں نے معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور وہ پولیس والے فارغ ہوئے جو ہمراہ آ رہے تھے۔ پھانسی گھر کے پولیس والوں نے دیکھا کہ ایک نوجوان صلیب کو اٹھائے ہوئے ہے، قانون کے مطابق انہوں نے اس نوجوان کو پکڑ لیا اور اسے پھانسی دینے لگے وہ چیخا چلاتا رہا اور اپنی برأت ظاہر کرتا رہا۔ اور پکار پکار کر کہتا رہا کہ مجرم دوسرا شخص ہے میں نے تو دل لگی کہ طور پر صلیب کو اٹھا لیا تھا اور پولیس والوں نے جلدی کرنے کی وجہ سے مجھے اٹھانے

کا حکم دیا تھا۔ اپنی زبان میں چیختا رہا، رومیوں کی پولیس کے سامنے اول تو قانون کے مطابق یہی شخص مستحق سزا تھا، دوسرے وہ اس کی زبان نہیں سمجھتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ جس مجرم کو پھانسی دی جاتی ہے وہ چیخ پکارت کرتا ہی ہے۔ لہذا انھوں نے اپنے خیال میں حاکم کے حکم کے مطابق اسی نو جوان کو پھانسی دے دی کیونکہ وہ اسی کو مجرم سمجھتے تھے، یہودی دھوکھڑے ہوئے خوش ہو رہے تھے کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کروادیا۔ قتل تو ہوا ان میں کا ایک نو جوان اور سمجھ رہے تھے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کروایا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اٹھالیا اور کافروں کے ارادوں اور شرارتوں سے انہیں بچالیا۔ بہر حال جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تھا وہ ان کے قتل میں ناکام ہو گئے اور ان کو اشتباہ ہو گیا۔ ان کا اپنا آدمی قتل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی اور ان کی مکاری دھری رہی۔ وَضَكُوا وَوَضَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ حَيُّ الْمُبْكِرِينَ۔

پھر فرمایا وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعُ الظَّنِّ (اور جن لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ ان کی جانب سے شک میں ہیں ان کو ان کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے سوائے انکل پر چلنے کے) مطلب یہ کہ جو لوگ قتل کے دعویدار ہیں انہیں قتل کا یقین نہیں کیونکہ انہیں یہ تر دھکا کہ اگر ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو ختم کر دیا تو ہمارا آدمی کہاں ہے اور ہمارا آدمی مقتول ہوا ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں۔

پھر فرمایا وَمَا يُؤْمِنُونَ بِهِ بَلَىٰ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ (اور یہ یقینی بات ہے کہ انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا) عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے نہ انہیں ابھی تک طبعی موت آئی۔ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انہوں نے آسمان ووم میں ملاقات کی پھر وہ قیامت کے قریب نازل ہوں گے۔ دجال کو قتل کریں گے، اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ قرآن وحدیث کے موافق مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے، اس بارے میں سورۃ آل عمران کی آیت اِذْقَالَ السَّلَٰةُ يُعِيسِي اِنْسِي مَوْتِيَا وَرَافَعَتِ اِلٰہی کی تفسیر بھی دیکھ لی جائے۔ وہاں ضروری معلومات سپرد قلم کرائے ہیں۔

پھر فرمایا وَكَانَ اللَّهُ غَوِيًّا اَخْبَيْنَا (اور اللہ تعالیٰ غلبہ والا حکمت والا ہے) وہ کسی کی صورت دوسرے کی طرح بنا دے۔ اس پر پوری طرح قادر ہے اس کے فیصلوں سے کوئی اسے روکنے والا نہیں وہ جسے چاہے زمین پر رکھے جسے چاہے آسمان پر بلا لے۔ سب کچھ اسے اختیار ہے اور اس کا ہر فعل حکمت کے مطابق ہے۔

آخر میں فرمایا وَإِنْ بَسَّنِ الْاَهْلَ الْكِتَابِ الْاَلْسِنُوْا مَسْنًۢا بِهٖ قَبْلَ هٰذَا (اور اہل کتاب میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو ان پر اپنے مرنے سے پہلے ایمان نہ لائے) یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ ہو کہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع کی جائے۔

کوہلی صورت اختیار کی جائے تو مطلب یہ ہے کہ یہودی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور نبوت کے منکر ہی ہیں اور نصرانی اپنے خیال میں ان کو مانتے تو ہیں لیکن ان کے بارے میں غلط عقیدہ رکھتے ہیں ان کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں اور یہ ماننا بھی کفر ہے۔ یہودی بھی کافر ہیں اور نصرانی بھی، ان میں سے جو شخص مرنے لگتا ہے۔ جان نکلنے سے پہلے جب اسے برزخ کے احوال نظر آنے لگتے ہیں، یہ ایمان لے آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں لیکن یہ ایمان اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر نہیں۔ اس لئے کہ یہ ایمان برزخ کے حالات سامنے آنے کے بعد ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۱۷۱ افرماتے ہیں: فمفاد الآية ان كل يهودي و نصراني يؤمن بعيسى عليه السلام قبل ان تزحف روحه بانه عبد الله تعالى ورسوله ولا ينفعه ايمانه حينئذ لان ذالك الوقت لكونه ملحقا بالبروخ لما انه ينكشف عنده لكل الحق ينقطع فيه التكليف۔

(آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر یہودی و نصرانی اپنی روح نکلنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں لیکن اس وقت کا ایمان کوئی فائدہ نہیں دیتا کیونکہ اس وقت وہ اس کا تعلق برزخ سے ہو چکا ہوتا ہے کہ اس وقت سب حقیقت ظاہر ہو چکی ہوتی ہے تب آدمی ایمان کا مکلف نہیں رہتا۔)

صاحب معالم التذیل نے موتہ کے ضمیر کے مرجع کے بارے میں دونوں قول لکھے ہیں عکرمہ مجاہدہ رضاک اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی قول بتایا ہے کہ موت کی ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع ہے اور لکھا ہے وصعناہ وما من اهل الکتاب احدا الا لیؤمنن بعیسیٰ علیہ السلام قبل موتہ اذا وقع فی الباس حین لا ینفعہ ایمانہ سواء احترق او غرق او تردی فی بئر او سقط علیہ جدار او اکلہ سبع او مات فجأة (ص ۴۹۷ ج ۱) (جو بھی اہل کتاب ہے وہ موت سے پہلے جبکہ وہ ناامیدی کے گھڑے میں جا پڑے گا ضرور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا چاہے موت کسی طریقے سے آئے خواہ وہ آگ میں جل جائے یا پانی میں غرق ہو جائے یا کنویں میں گر جائے یا اس پر دیوار گر پڑے یا اسے کوئی درندہ کھالے یا اچانک موت آجائے بہر صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان ضرور لائے گا۔)

موتہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہو تو آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ کوئی بھی اہل کتاب ایسا نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے قریب ہے کہ تمہارے اندر ابن مریم نازل ہوں گے جو فیصلے کرنے والے ہوں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے جسے نصرانی پوجتے ہیں (اور یہ توڑنا نصرانی دین سے بے زاری ظاہر کرنے اور اس کے باطل ہونے کا اعلان ہوگا) اور خنزیر کو قتل کریں گے (اس کا مقصد بھی نصرانیوں سے بیزاری ظاہر کرنا ہوگا۔ کیونکہ نصاریٰ کو خنزیر کا گوشت بہت محبوب ہے) اور جزیہ ختم کر دیں گے (یعنی کافروں سے جزیہ قبول نہ فرمائیں گے اور اسلام کے سوا کوئی بات قبول نہ کریں گے) اور مال کو بہادیں گے (اور اس قدر بخشش کریں گے) کہ کوئی شخص قبول کرنے والا بھی نہ ہوگا۔ اس وقت ایک سجدہ ساری دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے ان سب سے بہتر ہوگا۔ یہ بیان کر کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم چاہو تو وائ قن اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ کو پڑھو۔ (رواہ البخاری ص ۴۹۰ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد نبوی بیان کرنے کے بعد جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ دنیا میں تشریف آوری کا ذکر ہے، مذکورہ آیت پڑھنے کے لئے جو فرمایا اس سے انکا مقصد یہی ہے کہ اس زمانہ کے جو اہل کتاب یہودی اور نصرانی ہوں گے سب ان پر ایمان لے آئیں گے، معالم التذیل میں اس کی تصریح ہے کہ قبل موتہ تک پڑھ کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبل موت عیسیٰ ابن مریم کہا اور اسے تین مرتبہ دہرایا۔ اس طرح سے انہوں نے موتہ کی ضمیر کا مرجع واضح طور پر بیان فرمادیا صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ موتہ کی ضمیر کے بارے میں یہ دو مرقول بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور حسن اور قتادہ سے بھی منقول ہے۔ پھر لکھا ہے والمعنی انه لا یقی احد من اهل الکتاب الموجدین عند نزول عیسیٰ علیہ السلام الا لیؤمنن بہ قبل ان بموت وتكون الا دیان کلھا دینا واحدا یعنی مطلب یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اس وقت جتنے بھی اہل کتاب موجود ہوں گے سب ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئیں گے اور اس وقت سب دین ختم ہو جائیں گے صرف ایک ہی دین باقی رہے گا یعنی دین اسلام۔

آخر میں فرمایا و یؤمن القیامۃ یؤمنون علیہم شہیدا (اور قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام اہل کتاب پر گواہ ہوں گے)



یہودیوں کے بارے میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا اور نصاریٰ کے بارے میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے مجھے اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتایا۔ (روح المعانی)

اور گواہ ہونے کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ وہ فرمائیں گے کہ میں نے ان کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے تھے اور میں نے بتا دیا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور یہ کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے میری تبلیغ کے باوجود ان لوگوں نے شرک کیا۔ اللہ تعالیٰ کی بغاوت کی۔ (معالم المتزیل بشرح)

فَظَلَمَ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ

سو جن لوگوں نے یہودیہ سے اختیار کی ہم نے ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو ان کیلئے حلال کی گئیں تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ اللہ کے راستہ

سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ۖ وَآخَذَهُمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ

سے روکنے میں زیادہ مشغول رہے ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ سود لیتے رہے حالانکہ اس سے منع کیا گیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقے

بِالْبَاطِلِ ۖ وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

پرکھاتے رہے اور ہم نے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

حرام خوری اور سود لینے کی وجہ سے یہودی پاکیزہ چیزوں سے محروم کر دیئے گئے

ان آیات میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہودیوں پر وہ حلال اور طیب چیزیں حرام کر دی گئیں جو ان کے لئے پہلے حلال تھیں۔ اور یہ اس وجہ سے حرام کی گئیں کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا جس میں نقص عبد اور حضرات انبیاء علیہم السلام کا قتل بھی شامل ہے، نیز وہ کثرت کے ساتھ یہ کام بھی کرتے رہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے لوگوں کو روکا۔ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو جھٹلایا اور اپنے نفسوں کو اور دوسروں کو ان کے اتباع سے روکا، اور اس وجہ سے بھی پاکیزہ چیزیں ان پر حرام کی گئیں کہ وہ سود لیتے رہے حالانکہ توریت شریف میں ان کو اس کی ممانعت کر دی گئی تھی اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقہ کے ساتھ کھاتے تھے، ان کے حکام اور علماء احبار رشوت لیتے تھے اور حرام طریقوں سے عوام کا مال کھا جاتے تھے۔ صاحب معالم المتزیل ص ۴۹۸ ج ۱ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں اعقبنا ہم بان حرمننا علیہم طیبات وکانوا کلما ارتکبوا کبیرۃ حرم علیہم شنی من الطیبات النبی کانہ حلالا لہم مطلب یہ ہے کہ ہم نے انکے بُرے کرتوتوں کی وجہ سے یہ مزا دی کہ ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں۔ جب کبھی کوئی کبیرہ گناہ کرتے تھے ان چیزوں میں سے کوئی نہ کوئی چیز حرام کر دی جاتی تھی جو ان کے لئے حلال تھی، سورۃ انعام میں بعض ان چیزوں کا ذکر ہے جو ان پر حرام کر دی گئیں تھیں، وہاں ان کے بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے ذَلِكُمْ جَزَاءُ الَّذِي يَبْغِيهِمْ (کہ ہم نے ان کو یہ بدلہ دیا ان کی بغاوت کی وجہ سے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں جو چیزیں ان پر حرام کر دی گئی تھیں بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ان میں سے بعض چیزیں حلال کر دی گئیں۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران میں فرمایا وَلَا حِلَّ لَكُمْ بِغَضِ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ۔

تحریم طیبات کے اسباب میں اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا اور سود کھانا اور باطل طریقوں سے لوگوں کا مال کھانا بھی مذکور ہے جب کسی نبی

کی بعثت ہوتی تھی تو یہ لوگ دین حق کو نہ قبول کرتے تھے نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے۔ جو لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قتل کر دیتے ہوں ظاہر ہے کہ وہ اللہ کی راہ پر نہ خود چلیں گے نہ اللہ کی راہ کسی کو اختیار کرنے دیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی ان کے پیچھے پڑ گئے۔ ان کو بہت تکلیف دی ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔ سود کھانا یہودیوں کی بہت پرانی عادت ہے۔ تو ریت شریف میں ان کو اس سے منع کر دیا تھا لیکن پھر بھی برابر سود لیتے رہے دنیا میں مباحن اور سیٹھ بننے کا جو طریقہ رائج ہے ان میں سب سے بڑا کامیاب طریقہ سود خوری ہی کا ہے۔ سود خور حاجت مندوں کو قرض دیتا ہے اصل پر بھی سود لیتا ہے اور سود پر بھی سود لیتا ہے۔ حتیٰ کہ اصل سرمایہ کم رہ جاتا ہے اور سود کا مال زیادہ ہو جاتا ہے اس میں حاجت مندوں کے ساتھ بے رحمی کا سلوک ہے۔ اور ان کی حاجت مندی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی ایک صورت ہے جو خون چوسنے کے برابر ہے اس بیدردی اور بے رحمی والے عمل سے اللہ تعالیٰ شانہ نے بنی اسرائیل کو بھی منع فرمایا تھا اور امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو بھی منع فرمایا ہے۔ یہودیوں نے اس عمل کو نہیں چھوڑا اور بہت سے مسلمان ہونے کے بعد یہ رائج عمل بھی اس میں لگے ہوئے ہیں۔ بنکاری کا سارا کام سود پر ہی ہے، جو لوگ یہودی ہیں ان کے بڑے بڑے ذاتی بینک ہیں اور بینکوں میں ان کے شیراز ہیں اور جو لوگ دنیا پر دل دیئے ہوئے ہیں مال کی کثرت کے متوالے ہیں اسلام کے مدعی ہوتے ہوئے اس ملعونیت کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ممانعت کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے بلکہ انہیں اسے جائز کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرتے ہیں اس کا نام پیسے کی تجارت رکھتے ہیں کچھ لوگ مولویوں کو نشانہ بناتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دوسری قومیں (یہودی، نصرانی، ہندو) سود لے لے کر بام عروج پر پہنچ گئی ہیں اور مولویوں نے سود حرام کر کے قوم کو گہرے غار میں ڈال دیا ہے۔ بھلا مولوی کی کیا طاقت ہے کہ کسی چیز کو حرام کرے وہ تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال ہے اسے حلال بتاتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام ہے اسے حرام بتاتا ہے۔ علماء کو برا کہنے سے لعنت سے نہیں بچیں گے اور حرام حلال نہیں ہو جائے گا، افسوس ہے کہ اسلام کا دعویٰ کرنے والے خب مال میں یہودی صفت بنے ہوئے ہیں، یہودیوں سے اپنا بغض بھی ظاہر کرتے ہیں اور صفات ان کی اختیار کرتے ہیں۔ مال آتا ہوا دیکھتے ہیں تجوری بھری ہوئی دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ لیکن انہیں آخرت کے عذاب کا کوئی احساس نہیں۔ اگرچہ پوچھیں تو جس طرح یہودیوں پر قشر بھی طور پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دی گئی تھیں، اسی طرح اب تکوینی طور پر پاکیزہ چیزوں پر بنی آدم محروم ہو رہے ہیں۔ پچاس سال پہلے جو چیزوں پر لذت تھی وہ اب نہیں رہی اور جانوروں کا گوشت یورپ امریکہ وغیرہ میں ایشیاء کے بہت سے علاقوں میں بسم اللہ کے بغیر ذبح کئے ہوئے کھایا جا رہا ہے۔ حلال چیز کو حرام کر کے کھا رہے ہیں اور خوش ہو رہے ہیں، حلال ذبیحہ کا مزا اور کیف تھا اس سے یکسر محروم ہیں اور حرام کھانے کا جو گناہ ہے وہ اپنی جگہ ہے۔

سود کے بارے میں جو قرآن وحدیث میں وعیدیں وارد ہیں ان کے لئے سورۃ بقرہ کا رکوع ۳۸ اور اس کی تفسیر کی مراجعت کر لی جائے یہودیوں کے اعمال شنیعہ اور اقوال قبیحہ بتاتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ باطل کے ساتھ لوگوں کے مال کھاتے رہے ہیں۔ حرام مال کھانا یہودیوں کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی اور اب بھی اسی پر چل رہے ہیں۔ ان کے حکام رشوتیں لیتے تھے اور علماء بھی، علماء کا یہ طریقہ تھا کہ لوگوں کی مرضی کے مطابق تو ریت شریف کا حکم بدل دیتے تھے اور اس پر پیسے لیتے تھے، سورۃ بقرہ کی آیت (۲۹ رکوع ۹) فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ مِثْلُ ان کی اس حرکت کو بیان فرمایا ہے۔

آخر میں فرمایا وَاعْتَذِرُوا لَنَا لِنَكْفِرَ بِكُمْ عَنْ ذُنُوبِكُمْ غَدَا بَا لَيْسَ دُنْيَا كُنْزُهَا بَلْ خَيْرٌ مِنْهَا دُنْيَا فرمانے کے بعد ان کی آخرت کی سزا بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ان میں سے جو لوگ کفر پر برقرار رہیں گے اور اسی حالت میں مر جائیں گے تو دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے جو ان کے لئے تیار فرمایا ہے۔

لَا كِنَ الرَّسَخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ

ان میں سے جو ہم میں پختہ ہیں اور جو ایمان لائے والے ہیں وہ ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا آپ پر اور جو اتارا گیا آپ سے پختہ

مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

اور جو نیک قائم کرنے والے ہیں نماز کو اور دینے والے ہیں زکوٰۃ اور جو ایمان لائے والے ہیں اللہ تمہوں پر

الْآخِرَةِ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا

اور آخرت کے دن پر ایسے لوگوں کو ہم بڑا ثواب عطا کریں گے۔

اہل کتاب میں جو اس مخفی العلم ہیں وہ ایمان لے آئے ہیں

اس آیت میں یہ بتایا کہ سارے اہل کتاب ان صفات سے متصف نہیں ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو ہم میں پختہ ہیں، احباب بصیرت ہیں وہ سابقہ کتب الہیہ اور موجودہ کتاب الہی یعنی قرآن مجید پر ایمان لاتے ہیں نمازیں قائم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں۔ ان لوگوں کو ہم اجر عظیم عطا کریں گے جو ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے مقرر اور مقرر ہے۔ گویا ایسے لوگ یہودیوں میں کم ہیں چند ہی افراد ایمان لائے مثلاً حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی رضی اللہ عنہم۔ جس طرح کفر پر چڑھنے والوں کے لئے عذاب الیم تیار فرمایا ہے اسی طرح ایمان قبول کرنے والوں اور اعمال صالحہ اختیار کرنے والوں سے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَ النَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَ إسمٰعیلَ

ہے شک ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسا کہ وحی بھیجی نوح کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو ان کے بعد آئے اور ہم نے وحی بھیجی ابراہیم اور اسماعیل

وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَ الْأَسْبَاطَ ۚ وَ عِيسَىٰ وَ يُوسُفَ وَ هَارُونَ وَ سُلَيْمٰنَ ۚ وَ آتَيْنَا

اور اسحاق اور یعقوب کی طرف اور اسباط کی طرف اور عیسیٰ اور یوسف اور ہارون کی طرف اور سلیمان کی طرف اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی اور ہم نے

دَاوُدَ زَبُورًا ۚ وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ط

بہت سے ایسے رسول بھیجے جن کا ہم نے آپ سے اس سے پہلے حال بیان کیا اور بہت سے ایسے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔

وَ كَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ۚ رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ لِّمَا لَكَ يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَىٰ

اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے خاص طور پر کلام کیا ہم نے رسول بھیجے جو خوش خبری سنائے والے تھے اور ڈرانے والے تھے تاکہ منہم دیں کے آنے کے بعد لوگوں

اللَّهُ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَ كَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۚ لَكِنَّ اللَّهَ يَشْهَدُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ

کے لئے اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے، اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس چیز کی جو آپ کی طرف اتارنی اس کو اپنے

## اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ؕ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۝

علم کے ساتھ اتاری ہے اور فرشتے گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شہادت ہی کافی ہے۔

### ارسالِ رسل کی حکمت اور متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ

ان آیات میں اول تو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یہ فرمایا کہ ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسا کہ نوح علیہم السلام اور ان کے بعد دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو وحی بھیجی تھی، اس سے ان لوگوں کا استعجاب دور فرمایا جو آپ کی نبوت کو کئی چیز سمجھتے تھے، یعنی یہ سمجھتے تھے کہ یہ دعویٰ نبوت کر کے نئی بات فرما رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کی بھی تردید ہوئی جو اوگ کہتے تھے کہ انسان نبی بن کر کیوں آیا۔ جو اوگ سلسلہ نبوت سے واقف تھے وہ جانتے تھے کہ پہلے جو انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے ہیں وہ بھی انسان ہی تھے۔ لہذا تکذیب کے لئے یہ شوشہ چھوڑنا کہ ہمیں تو معلوم نہیں کہ پہلے نبی آئے ہوں اور یہ اعتراض اٹھانا کہ نبی آیا تو بشر کیوں آیا بالکل غلط ہے۔ اگر کسی کو نبیوں کی تشریف آوری کا بالفرض علم نہ تھا تو اب جان لے اور اب مان لے کہ پہلے بھی نبی آئے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبی ہیں۔ مخلوق کو راہ ہدایت بتانے کے لئے نبیوں کی تشریف آوری ضروری ہے کیونکہ محض اپنی عقل سے پوری طرح ایمانیات تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد چند حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اسمائے گرامی کا خصوصی تذکرہ فرمایا اور وہ یہ ہیں، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یسٰی، حضرت ایوب، حضرت یونس، حضرت ہارون، حضرت سلیمان، حضرت داؤد علیہم السلام۔ ان سب حضرات کی نبوت اور رسالت یہود میں معروف و مشہور تھی اور حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کو تو قریش مکہ بھی جانتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ ہم ان کی اولاد میں سے ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان دونوں حضرات نے کعبہ شریف بنایا تھا زمانہ شرک میں جو حج کرتے تھے اس کے بارے میں جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتایا ہوا طریقہ ہے اور ان کے دین کی بہت سی باتیں اہل مکہ میں رواج پذیر تھیں لیکن شرک ان کے دلوں میں اس قدر جا گزریں ہو گیا تھا کہ تو حید کی بات بری لگتی تھی۔ سورۃ انعام (رکوع ۹) میں بھی متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔

یہاں جن حضرات کا ذکر ہے ان کے علاوہ سورۃ انعام میں حضرت یوسف، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت لوط علیہم السلام کا تذکرہ ہے، سورۃ مریم اور سورۃ انبیاء میں حضرت ادریس علیہ السلام کا تذکرہ بھی ہے۔ سورۃ انبیاء اور سورۃ ص میں حضرت ذوالکفل کا بھی تذکرہ ہے۔ سورۃ اعراف اور سورۃ ہود اور سورۃ شعراء میں حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب علیہم السلام کا بھی ذکر ہے، سورۃ بقرہ میں اور یہاں سورۃ نساء میں لفظ الاسباط بھی وارد ہوا ہے اس کے بارے میں حضرات مفسرین کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ اس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد مراد ہے، جتنے انبیاء کرام علیہم السلام بنی اسرائیل میں تشریف لائے وہ سب یعقوب علیہ السلام ہی کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان بنی اسرائیل میں بہت سے انبیاء کرام تشریف لائے۔ ان کے اسمائے گرامی، بجز زکریا، یحییٰ علیہما السلام کے قرآن مجید اور احادیث شریف میں مذکور نہیں ہیں بعض حضرات کے اسماء گرامی یہود سے سنے گئے ہیں اور انہیں سن کر یہ نام تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں آگئے ہیں، جیسے حضرت شمعون، حضرت شموئیل، حضرت حزقیل علیہم السلام۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زبور عطا فرمائی جو مشہور چار کتابوں میں سے ہے۔ زبور عطا فرمانے کا ذکر سورہ بنی اسرائیل رکوع ۶ میں بھی مذکور ہے۔

قرآن مجید میں چوبیس حضرات کا نام لے کر ان کے نبی ہونے کی تصریح فرمائی ہے تیس ۲۳ نام تو اوپر مذکور ہوئے اور چوبیسویں سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، اہل السنۃ والجماعہ کا عقیدہ ہے کہ ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام بھی اللہ کے نبی تھے حدیث شریف میں بھی اس کی تصریح وارد ہوئی سنن ترمذی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وما من نبی یومض آدم فمن سواہ الا تحت لوائی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۳) (کہ قیامت کے دن کوئی بھی نبی ایسا نہ ہوگا جو میرے جھنڈے کے نیچے نہ ہو آدم ہو یا کوئی نبی ہو) ان چوبیس حضرات کو تو تعین کے ساتھ نام لے کر نبی جاننا اور ان کی نبوت کا عقیدہ رکھنا فرض ہے ان کے علاوہ دوسرے حضرات کے بارے میں یوں اجمالی عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ کے تمام نبیوں اور رسولوں کو مانتا ہوں۔ اور ان سب کے بارے میں بغیر کسی تفریق کے میرا یہ عقیدہ ہے کہ یہ سب حضرات اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ بعض روایات میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار مذکور ہے۔ جن میں تین سو پندرہ کو رسول بتایا ہے۔ یہ روایت مسند احمد سے صاحب مشکوٰۃ نے ص ۵۱۱ پر نقل کی ہے لیکن چونکہ حدیث خبر واحد ہے اور عقائد کا مدار آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ پر ہے اس لئے حضرات اکابر اہل سنت نے فرمایا ہے کہ تعداد مقرر کر کے ایمان نہ لائے بلکہ یوں کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء و رسل پر ایمان لاتا ہوں تاکہ تعداد ذکر کرنے سے کوئی نبی اور رسول رہ نہ جائے اور جو نبی اور رسول نہ ہو وہ ان میں داخل نہ ہو جائے۔ بعد اس کی یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ کہ ہم نے بہت سے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ سے بیان کر دیا اور بہت سے رسول ہم نے ایسے بھیجے ہیں جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔

سورۃ مؤمن میں بھی اس عمل کی تصریح ہے چنانچہ ارشاد ہے: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ۔

شرح عقائد میں اس بات کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے: وقد روی بیان عددہم فی بعض الاحادیث علی ماروی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن عدد الانبیاء فقال مائۃ الف واربعۃ وعشرون الفا وفي رواية مائۃ الف واربعۃ وعشرون الفا والاولی ان لا يقتصر علی عدد فی التسمیۃ فقد قال اللہ تعالیٰ منهم من قصصنا علیک ومنهم من لم نقص علیک ولا یؤ فی ذکر العدد ان یدخل فیہم من لیس منهم ان ذکر عدد اکثر من عددہم او ینخرج منهم من ہو فیہم ان ذکر اقل من عددہم یعنی ان خبر الواحد علی تقدیر اشتمالہ علی جمیع الشرائط المذكورۃ فی اصول الفقہ لا یفید الا الظن ولا عبرۃ بالظن فی باب الاعتقادات خصوصاً اذا شتمل علی اختلاف رواۃ وکان القول بموجبه مما یفضی الی مخالفة ظاہر الکتاب وهو ان بعض الانبیاء لم یذكر للنبی علیہ السلام ویحتمل مخالفة الواقع وهو عدالنبی من غیر الانبیاء او غیر النبی من الانبیاء بناء علی ان اسم العدد اسم خاص فی مدلولہ لا یحتمل الزیادۃ والنقصان۔ ۱۵ (بعض احادیث میں انبیاء علیہم السلام کی تعداد بیان کی گئی ہے جیسا کہ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انبیاء علیہم السلام کی تعداد کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ایک روایت میں ہے: ۱۵ لاکھ چوبیس ہزار ہیں) لیکن بہتر یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد کو کسی خاص عدد میں منحصر نہ سمجھا جائے ارشاد باری تعالیٰ ہے "ان میں

سے بعض کے احوال ہم نے آپ کو سنانے اور بعض کے نہیں سناے کیونکہ خاص عدد بیان کرنے کی صورت میں وہ باتوں کا اندیشہ ہے۔ ایک یہ کہ اگر وہ عدد انبیاء کی تعداد سے زیادہ ہے تو اس صورت میں غیر نبی انبیاء میں شامل ہو جائیں گے یا وہ عدد انبیاء کی تعداد سے کم ہے تو اس صورت میں بعض نبی انبیاء میں سے خارج ہو جائیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ جن احادیث میں انبیاء کی تعداد مروی ہے وہ سب اخبار آحاد ہیں اور خبر واحد اگرچہ ان تمام شرائط پر مشتمل ہو جو اصول فقہ میں مذکور ہیں تب بھی وہ ظن سے زیادہ کا فائدہ نہیں دیتی اور اعتقادیات کے باب میں ظن کا کوئی اعتبار نہیں خصوصاً جب کہ وہ خبر واحد اختلاف روایت پر مشتمل ہو (پھر تو وہ بدرجہ اولیٰ و بارہ اعتقادات معتبر نہ ہوگی) اور اس کے متقاضی پر عمل کرنے سے کتاب اللہ کی مخالفت لازم آئے گی کیونکہ کتاب اللہ بتا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے بعض انبیاء کا تذکرہ نہیں کیا گیا نیز اس سے واقعہ کی مخالفت کا بھی احتمال ہے اور وہ نبی کو غیر نبی یا غیر نبی کو نبی شمار کرنا ہے کیونکہ ہم عدد اپنے معنی کے ساتھ خاص ہے کہی یا زیادتی کا احتمال نہیں رکھتا)

اجمالی طور پر تمام انبیاء اور رسل پر ایمان لانے میں یہ بھی فائدہ ہے کہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے بارے میں جو اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا عبد صالح تھے (راجع معالم التنزیل ص ۲۶۵ ج ۳) اس اختلاف سے صرف نظر کرتے ہوئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کا اقرار ہو جائے گا اور ایمان سب پر ایمان ہو جائے گا۔

آیت بالا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک خاص فضیلت بیان فرمائی اور فرمایا وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا (اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے خاص طور پر کلام کیا) اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ازلیہ میں صفت کلام بھی ہے اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے جو موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اس کی کیفیت سمجھنے سے بندے عاجز ہیں کیفیت کا ذکر کتاب وسنت میں نہیں ہے اس لئے یہ ایمان لانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا صحیح ہے حق ہے گو ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ محل حوادث نہیں ہے۔ اس نے اس طرح کلام فرمایا جو اس کی شان کے لائق ہے۔

پھر فرمایا رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِنَاسٍ يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (ہم نے رسول بھیجے خوشخبری دینے والے ڈرانے والے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ پر حجت باقی نہ رہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا ان کے واسطے سے اپنے بندوں کو تو حید کا اور عبادت کا حکم دیا۔ رسولوں نے اہل ایمان کو اور اعمال صالحہ اختیار کرنے والوں کو اجر و ثواب اور آخرت کی نعمتوں کی بشارت دی اور منکرین کو دوزخ کے عذاب سے ڈرایا اور بتایا کہ ایمان قبول نہ کرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے۔ اس سے بندوں پر حجت قائم ہوگئی تاکہ وہ یوں نہ کہیں۔ لَوْلَا أَرْسَلْنَا إِلَيْنَا رَسُولًا فَقَتَبَعِ الْآيَاتِ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَذِلَّ وَنَخْزِي (کیوں نہیں بھیجا آپ نے کوئی رسول ہماری طرف سو ہم آپ کی آیات کا اتباع کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ہوتے اور رسوا ہوتے) اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے رسول بھیج دیئے کتابیں بھیج دیں بندوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت قائم نہیں رہی بلکہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہے۔

پھر فرمایا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا اور اللہ بڑے ست ہے (وہ جسے چاہے عذاب دے سکتا ہے) اور وہ حکمت والا بھی ہے (اس نے اپنی حکمت کے مطابق رسول بھیجے تاکہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے اور جسے ہلاک ہونا ہو وہ اپنے عقیدوں اور عمل کی وجہ سے ہلاک ہو)

آخر میں فرمایا لِكَبِّرِ اللَّهُ نِسْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْنَا الْكِتَابَ بِعَلَمِهِ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا (لیکن اللہ تعالیٰ اس چیز کی گواہی دیتا ہے جو اس نے آپ کی طرف اپنے علمی کمال کے ساتھ اتاری اور فرشتے گواہی دیتے ہیں اور اللہ کی شہادت کافی ہے)۔ معالم التنزیل ص ۱۰۵ ج ۱ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسوا مکہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وہ سلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کے بارے میں یہودیوں سے دریافت کیا کہ تمہاری کتابوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صفات بیان کی گئی ہیں یا نہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کو نہیں جانتے تھوڑی دیر میں یہودیوں کی ایک جماعت آگئی ان سے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ تم جانتے ہو میں اللہ کا رسول ہوں انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہم تو نہیں جانتے۔ اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں یہ بتایا کہ آپ کی نبوت اور رسالت کی حقانیت ان کے ماننے پر موقوف نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو کتاب اپنے علمی کمال کے ساتھ نازل فرمائی ہے (جو ایک عظیم معجزہ ہے) وہ اس کتاب کے ذریعہ آپ کی نبوت و رسالت کی گواہی دیتا ہے اور فرشتے بھی اس کی گواہی دیتے ہیں اگر بیوقوفوں نے اور معاندوں نے نہ مانا تو اس سے حقیقت و واقعہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اللہ تعالیٰ کا گواہ ہونا ہی کافی ہے کسی اور کی تصدیق اور تسلیم کی آپ کو حاجت نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلًّا بَعِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا ہے شک وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑے۔ بے شک جن لوگوں نے

کَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ۝ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ

کفر کیا اور ظلم کیا اللہ ان کو نہیں بخشے گا اور نہ جنہم کی راہ کے علاوہ انہیں کوئی راہ بتائے گا

خُلْدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۝ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

کافروں اور راہ حق سے روکنے والوں کے لئے صرف دوزخ کا راستہ ہے

ان آیتوں میں ان لوگوں کے لئے وعید شدید ہے جنہوں نے خود بھی کفر کیا اور دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا۔ یہ لوگ نہ خود اسلام قبول کرتے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے اس کی وجہ سے بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑے، چونکہ جو شخص خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے پر کمر باندھ لے اس سے واپس آنے کی امید نہیں رہی۔ کفر اختیار کرنے والوں کو ظالم بھی بتایا کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور دوسرے انسانوں پر بھی ظلم کیا کیونکہ انہیں حق قبول کرنے سے روکا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی مغفرت نہیں ہوگی اور جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو ان کو صرف دوزخ ہی کا راستہ بتایا جائے گا تاکہ اس میں داخل ہو جائیں اور اس میں انہیں داخل ہونا پڑے گا فرشتے ان کو ہانک کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔ طریق جنت کی طرف دنیا میں راہیاب نہ ہوئے تو آخرت میں بھی وہ جنت کے راستے پر چلنے سے محروم رہیں گے دوزخ میں ان کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا پڑے گا۔

وَكَانَ ذَلِكُمْ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ (اور کافروں کی مغفرت نہ فرمانا اور ان کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دینا اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے) اسے کوئی چیز روکنے والی نہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ ۚ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ

اللہ کو آپ تک تمہارے پاس حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے رسول آگیا سو اللہ ایمان لانا یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم کفر کرو جو بااِشپ

اللَّهُ كَافِيَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا

اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور اللہ جانتے والا ہے اور علیم ہے۔ اے اہل کتاب غلو نہ کرو اپنے دین میں اور

تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلَّمَتْهُ أَلْفُهَا إِلَى مَرْيَمَ

مست جو اللہ کی شان میں حرق بات نہ کیج جو عیسیٰ ابن مریم ہیں۔ وہ اس کے۔ وہ کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں جس کو اللہ نے مریم تک پہنچایا اور اللہ کی

وَرُوحٌ مِنْهُ ۚ فَامِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انْتَهُوَ خَيْرًا لَكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ ۚ

طرف سے ایک روح ہے۔ اللہ چاہے اور اس کے۔ وہاں چاہیں اور وہ اللہ کی تعین خدا ہیں اس سے باز آجئے یہ تمہارے لئے بہتر ہو جو صرف اللہ ہی ہے جو کیا ہے

سُبْحَنَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۚ وَلَكَمْ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

وہ اتنے سے ایک ہے کہ اس کی اولاد نہ ہو۔ اسی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اللہ کا ہمارا دوست ہے۔ لے یعنی ہے۔

### نصاری کی گمراہی کا بیان اور ان کے عقیدہ تسلیم کی تردید

اول تو قیام عالم کے انسانوں کو خطاب فرمایا کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا رسول حق لے کر پہنچا ہے ان کا تشریف لانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ان پر ایمان لانا۔ ایمان لانا تو تمہارے لئے بہتر ہوگا (کیونکہ حق قبول کرنا مستقل خیر ہے اور پھر اس کے سبب سے دائمی عذاب سے بچنا اور ہمیشہ کے لئے جنت اور جنت کی نعمتوں کا مل جانا یہ سب خیر ہی خیر ہے)۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اسے تمہارے مؤمن ہونے کی کوئی حاجت نہیں ہے تم کفر اختیار نہ کرو کیونکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کا ہے تم بھی اسی کے ہو و خالق بھی ہے اور مالک بھی ہے اسے اختیار ہے اپنی مخلوق میں جو چاہے تصرف کرے۔ کفر کی پاداش میں اسے عذاب دینے کی بھی پوری طرح قدرت حاصل ہے۔ قال صاحب الروح وان تکفروا فهو سبحانه وتعالى قادر على تعذيبكم بکفرکم لان له جل شانہ، ما فی السموات والارض او فیهو غنی عنکم لا ینتضر بکفرکم کما لا یتفعل بایمانکم، (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اگر تم کافر ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہارے کفر کے سبب تمہیں عذاب دینے پر قادر ہے کیونکہ آسمان وزمین میں بس اسی ذات پاک ہی کی حکومت ہے یا یہ کہ وہ ذات تم سے بے پرواہ ہے تمہارے کفر سے اسے کوئی نقصان نہیں ہے جیسا کہ تمہارے ایمان سے اسے کوئی نفع نہیں ہے۔ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا اور اللہ تعالیٰ علیم ہے اسے سب کے احوال معلوم ہیں اس پر کسی کا کفر اور ایمان پوشیدہ نہیں، وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے موافق جزا سزا بظاہر مانے گا۔

اس کے بعد اہل کتاب کو خصوصی خطاب فرمایا اور فرمایا اے اہل کتاب لا تغلوا فی دینکم کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو وہ باتیں نہ کہو جو تمہارے دین میں نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں صرف وہی کہو جو حق ہے ناحق باتیں کر کے اللہ تعالیٰ پر تہمت دھرنے والے نہ بنو۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا تجویز کر دیا تھا۔ تین خدا مانتے تھے اور اب بھی مانتے ہیں۔ اور



یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتایا نیز انہوں نے اول تو حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت بھری اور پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر ہوئے۔ اور ان کے قتل کے درپے ہوئے حتیٰ کہ اپنے خیال باطل میں ان کو قتل کر ہی دیا اور آج تک ان کو اس پر اصرار سے قرآن مجید نے ان کی تردید فرمائی۔ نصاریٰ نے عقیدہ تکفیر بھی اپنی طرف سے گھڑ لیا اور یہ کہنے اور ماننے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو قتل کروا کر ہمارے گناہوں کا کفارہ کر دیا (العیاذ باللہ) وہ دونوں فریق کو تنبیہ فرمانے کے بعد (کہ اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہو)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ اَلْقَاهَا اِلٰی مَرْيَمَ وَزُوْجُ بَنِي (مسح جو عیسیٰ بن مریم ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام تک پہنچایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روح ہے) اس میں حرف اِنَّمَا سے مضمون کو شروع فرمایا اِنَّمَا عربی زبان میں حصر کے لئے آتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ مسح جو عیسیٰ ابن مریم ہیں ان کے بارے میں جو عقیدے تم نے اپنی طرف سے تجویز کر لئے ہیں وہ سب غلط ہیں وہ نہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں نہ معبود ہیں ان کو جو سب سے بڑی فضیلت حاصل ہے وہ یہی ہے کہ وہ سرے رسولوں کی طرح وہ بھی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کی طرف والا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا کلمہ بتایا ہے اس کی تفسیر میں حضرات مفسرین کرام نے بہت سے اقوال لکھے ہیں۔ جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ کلمہ سے لفظ نظر مروا ہے۔ سورۃ النین میں فرمایا اِنَّمَا اَمْرُهُ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُوْلَ لَهُ شَيْءٌ فَيَكُوْنُ (کہ اللہ تعالیٰ کا امر یہی ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو کن فرمادیتا ہے سو وہ چیز ہو جاتی ہے) سورۃ آل عمران میں ہے کہ جب فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو خوشخبری دی کہ تمہارا بیٹا پیدا ہوگا تو انہوں نے کہا میرے اولاد کہاں سے ہوگی۔ مجھے تو کسی انسان نے چھوا تک نہیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا كَذٰلِكَ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهُ شَيْءٌ فَيَكُوْنُ (ایسے ہی ہوگا اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے جو چاہے جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس اس کو کن فرمادیتا ہے لہذا وہ ہو جاتا ہے) اولاد کے پیدا ہونے کا جو ظاہری سبب ہوتا ہے۔ چونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں موجود نہیں ہوا اس لئے ان کو کلمۃ اللہ فرمایا کہ وہ صرف لفظ کن سے پیدا ہو گئے۔ کن عربی زبان میں کمان بکون سے امر کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں ہو جا۔ یہاں یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہر چیز کن سے پیدا ہوتی ہے تو ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کا کلمہ کہنا چاہئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے؟ صاحب روح المعانی نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا جواب نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی پیدائش کے دو سبب ہوتے ہیں ایک سبب قریب جسے سبب جانتے ہیں (یعنی نطفہ کا رحم ماہ میں داخل ہونا پھر نطفہ سے بچہ کا پیدا ہونا) اور دوسرا سبب بعید ہوتا ہے اور وہ لفظ کن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خطاب فرمانا ہے، چونکہ سبب قریب وہاں معدوم تھا اس لئے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی اضافت سبب و بعید یعنی کلمہ کن کی طرف فرمادی۔

اگر کلمہ کا یہی مطلب لیا جائے تو اَلْقَاهَا اِلٰی مَرْيَمَ کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کلمہ حضرت مریم علیہا السلام کو پہنچایا جس کے نتیجے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہو گئی۔ صاحب معالم التنزیل ص ۵۰۲ ج ۱ میں اَلْقَاهَا اِلٰی مَرْيَمَ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں، اعلیٰ علمہا واخبرہا بها کما یقال القبت الیک کلمۃ حسنۃ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو پہلے سے بتادیا اور خبر دے دی تھی۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کسی سے کہتے ہیں کہ میں نے تیری طرف ایک اچھی بات ڈال دی۔

وَزَوْجُ مَنَّةَ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی جانب سے ایک روح ہیں) صاحبِ معالم التقریل لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح میں جیسی دوسری ارواح ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف تشریفاً منسوب فرمایا جیسا کہ مسجد کو بیت اللہ کہا جاتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ روح سے مراد وہ نفع (پھونکنا) ہے جو جبرائیل علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کے کرتے میں پھونک دیا تھا۔ جس کی وجہ سے جنم خداوندی حمل قرار پا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اس کی نسبت اس لئے فرمائی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے امر (خصوصی) سے تھا۔ بعض حضرات نے روح کے معنی رحمت کے لئے ہیں، چونکہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے متبعین کے لئے رحمت ہیں اور یہ رحمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (روح بمعنی رحمت آیت شریفہ وَإِذْ هُمْ بِزَوْجِ مَنَّةَ وارد ہوا ہے) اس لئے ان کو روح فرمایا۔

بعض حضرات نے روح بمعنی وحی بھی لیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو بشارت دی تھی، اور بعض حضرات کا یہ بھی قول ہے کہ روح سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ کلمہ مریم تک جبریل نے با مر خداوندی پہنچایا۔

پھر فرمایا فَاِمْسُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو کہ تمہیں خدا ہیں۔ نصاریٰ کے کئی فرقے تھے اور اب بھی ان میں بہت سے فرقے ہیں ان میں ایک فرقہ تو یہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی مسیح بن مریم ہیں اور یہ لوگ حلول کے قائل تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح بن مریم میں حلول کر لیا العیاذ باللہ، اور ایک فرقہ کہتا تھا کہ اللہ اور عیسیٰ بن مریم اور ان کی والدہ یہ تینوں معبود ہیں۔ سورہ مائدہ میں نصاریٰ کے یہ اقوال نقل فرمائے ہیں۔ (آیت نمبر ۷۱ اور آیت نمبر ۷۲، ۷۳) یہاں پر بھی ان کی تردید فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ تین خدا مت مانو۔ معبود ایک ہی ہے تم اپنے شرکیہ عقیدہ اور قول سے باز آ جاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بھی مانتے تھے اور اللہ کا بیٹا بھی مانتے تھے ان کو ہدایت کرتے ہوئے فرمایا اِنَّمَّا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاجِدُ کہ معبود صرف اللہ ہے جو ایک ہے اور فرمایا سُبْحٰنَہٗ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ وَلَدٌ اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لئے کوئی اولاد نہ ہو، مطلب یہ ہے کہ صرف یہی نہیں کہ اس کی اولاد نہیں بلکہ اس کی اولاد وہی نہیں سکتی کیونکہ اولاد ہونا اس کے لئے عیب ہے وہ ہر عیب سے پاک ہے اور اس عیب سے بھی پاک ہے کہ اس کے اولاد نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے معبود ماننا بھی شرک اور کفر ہے اور اس کے لئے اولاد تجویز کرنا بھی شرک اور کفر ہے۔ پھر فرمایا لَہٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ (جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کی مخلوق اور مملوک ہے۔ پھر کوئی کیسے اس کا شریک اور اس کا بیٹا ہو سکتا ہے، وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا) (اور اللہ کافی ہے کارساز ہونے کے لئے) جس نے سب کو پیدا فرمایا وہی سب کا کارساز ہے۔ اسے اپنی مخلوق کے نام بنانا اور ان کی حاجتیں پوری کرنے کے لئے کسی شریک یا اولاد کی ضرورت نہیں۔ تم اللہ کو وحدہ لا شریک مانو اور اس کے بھیجے ہوئے دین پر چلو اور اسی سے اپنی حاجتوں کا سوال کرو۔

دین میں غلو کرنے کی ممانعت..... جیسا کہ اہل کتاب کو دین میں غلو کرنے سے منع فرمایا۔ ایسے ہی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو بھی دین میں غلو کرنے سے ممانعت فرمائی ہے امت محمدیہ بھی طرح طرح کے غلو میں مبتلا ہے۔ نصاریٰ نے اپنے دین میں غلو کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور معبود بتا دیا۔ اسی طرح بہت سے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کلی تجویز کرتے ہیں اور اللہ کے برابر آپ کا علم بتاتے ہیں اور آپ کو خدائی اختیارات سونپتے ہیں، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے اس کی بندش فرمادی اور فرمایا تھا لَا تَطْرُوْنِیْ کَمَا اطْرَوتِ النَّصَارٰی ابن مریم فانما انا عبدہ فقلوا عبد اللہ ورسولہ (رواہ البخاری

و مسلم كما في المشكوة ص ۳۱۷)

کہ تم میری تعریف میں مباغذ نہ کرو جیسا کہ نصازی نے ابن مریم کی تعریف میں مباغذ کیا۔ بس میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں تم میرے بارے میں یوں کہو کہ اللہ کے بندے ہیں اور رسول ہیں۔

ملائی قاری (الموضوعات الکبیر ص ۹۹ طبع چٹائی) فرماتے ہیں ومن اعتضد تسوية علم الله ورسوله بكفر اجماعا كما لا يخفى (کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کا علم برابر ہے اس کو کافر کہا جائے گا) پھر چند سطرے بعد لکھتے ہیں ولا ريب ان لهؤلاء على هذا الغلو اعتقادا هو انه يكفر عنهم سيناتهم ويدخلهم الجنة و كلما غلوا اكانوا اقرب اليه و اخص به فهم اعصى الناس لا ممره و اشدهم مخالفة لسنته و هؤلاء فيهم شبه ظاهر من النصارى غلوا على المسيح اعظم الغلو و مخالفوا شرعه و دينه اعظم المخالفة اه (اور اس میں شک نہیں کہ ان کا اس غلو پر اعتقاد ہے کہ ولی ان کے گناہ مٹا دیتا ہے اور انہیں جنت میں داخل کرتا ہے جب یہ غلو کرتے ہیں تو ولی ان کے قریب ہوتا ہے اور انہیں سے مخصوص ہوتا ہے پس یہ لوگ دین کے سب سے زیادہ نافرمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے سب سے زیادہ مخالف ہیں اور یہ لوگ عیسائیوں کے مشابہ ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کیا اور ان کی شریعت و دین کی شدید مخالفت کی)

پھر یہ غلو اولیاء تک چلا گیا کہ اولیاء کو بھی مخلوق میں تصرف کرنے والا اور غیب کا جاننے والا مان لیا۔ اولیاء اللہ سے حاجتیں مانگتے ہیں ان کے نام کی نذرین مانتے ہیں۔ اور ان کی قبروں کا طواف کرتے ہیں اور ان کو سجدے کرتے ہیں، حالانکہ طواف صرف بیت اللہ یعنی کعبہ شریف کے ساتھ خاص ہے اور نظریں صرف اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہر قسم کا سجدہ بھی اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے۔ قرآن مجید میں منع دو مقامات پر حدود سے آگے بڑھنے سے منع فرمایا۔

سورۃ مائدہ میں فرمایا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَحْزَنُوْا طَيِّبٰتٌ مَّا اَحْلَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (کہ اے ایمان والو! اللہ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو امت مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو بلاشبہ اللہ تعالیٰ حد سے آگے نکلنے والوں کو پسند نہیں فرماتا) حدود سے آگے بڑھنے کی بہت سی صورتیں ہیں جو اعتقاداً و عملاً اس امت میں رواج پذیر ہیں مثلاً ذیقعدہ کے مہینے میں اور محرم اور صفر میں شادی کرنا شریعت میں خوب حلال ہے اور درست ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی اس حد سے بہت سے لوگ آگے نکلے ہوئے ہیں اور ان مہینوں میں شادی کرنے سے بچتے ہیں بہت سی قوموں میں بیوہ عورت کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں اور اسے حرام کے قریب بنا رکھا ہے یہ بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے جس طرح حلال کو حرام کر لینا منع ہے اسی طرح حرام کو حلال کر لینا بھی منع ہے حلال و حرام مقرر فرمانے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

اسی ممانعت میں اللہ تعالیٰ کی رخصتوں سے بچنا بھی داخل ہے مثلاً سفر شرعی میں قصر نماز کی اجازت ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور ایک طریقہ حد سے آگے بڑھنے کا یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے یہاں تقرب اور نزدیکی کی نہ ہو اسے تقرب کا باعث سمجھ لیں مثلاً بولنے کا روزہ رکھ لینا یا دھوپ میں کھڑا رہنا وغیرہ۔

اور ایک طریقہ حد سے آگے بڑھنے کا یہ ہے کہ شرعاً جو چیز مستحب ہو اسے واجب کا درجہ دے دیا جائے یا مستحب عمومی کو کسی خاص وقت کیساتھ مخصوص کر لیا جائے جیسے نماز فجر اور نماز عصر کے بعد مصافحہ کرنا اور عید الفطر اور عید الفصحی کے دن دو گنا نہ پڑھ کر گلے ماننا مصافحہ کرنا مصافحہ اور معافقت ملاقات کی سنت ہے عید کی سنت نہیں ہے ایک تو اسکی جگہ بدل دی اور دوسرے اسکو واجب قرار دے دیا اس میں دو طرح سے غلو ہے۔

حد سے آگے بڑھ جانے کی ایک یہ شکل ہے کہ کسی فعل کی وہ فضیلت تجویز کر لی جائے جو قرآن و حدیث میں نہیں، یا کسی گناہ پر خاص مذہب اپنی طرف سے تجویز کر کے بتا دیا جائے و اعظ لوگ ایسا بہت کرتے ہیں۔ اور ایک صورت حد سے آگے بڑھ جانے کی یہ ہے کہ کسی فعل کی کوئی خاص ترکیب و ترتیب تجویز کر لی جائے مثلاً مختلف رکعت میں مختلف سورتیں پڑھنا تجویز کر لیا جائے (جو حدیث سے ثابت نہ ہو) اور اس پر مزید یہ کہ اپنی تجویز اور ترتیب کا فرض واجب کی طرح اہتمام کیا جائے۔

بعض کتابوں میں مینوں اور دنوں کی نمازیں اور ان کی خاص خاص فضیلتیں اور مخصوص ترکیبیں غیر ممدوار معصنین نے نکالی ہیں یہ سب لوگوں کی اپنی تجویز کردہ ہیں۔ مائیل قاری الموضعات الکبیر میں تحریر فرماتے ہیں ومنہا احادیث صلوٰۃ الایام واللیالی کصلوٰۃ یوم الاحد و لیلة الاحد و یوم الاثنين الی آخر الاسبوع کل احادیثها کذب (اور انہیں میں راتوں اور دنوں کی مخصوص نمازوں کی احادیث ہیں اتوار کے دن کی نماز اور اتوار کی رات کی نماز اور پیر کے دن کی نماز اور پیر کی رات کی نماز اسی طرح آخر ہفتہ تک کی نمازیں یہ سب احادیث جھوٹ ہیں) (ص ۱۰۱) دین اسلام کامل اور مکمل ہے اس میں خلو کرنا، کسی بدعت کا جاری کرنا یعنی اپنی طرف سے کسی ایسے کام کو دین میں داخل کرنا جو دین میں نہیں ہے سراسر گمراہی ہے

حضرت امام مالک نے فرمایا من اتی بدعة ظن ان محمد الاخطا الرسالة (جس نے بدعت کا کام کیا گویا اس نے یہ سمجھا کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے احکام پہنچانے میں غلطی کی ہے اور پورا دین نہیں پہنچایا) العیاذ باللہ بدعت جاری کرنے والا گویا اپنے فعل سے دین کی تکمیل کرتا ہے اور خاتم النبیین ﷺ کے لائے ہوئے دین میں کمی سمجھتا ہے اور اسے اپنے خیال میں ناقص جانتا ہے۔

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ

مسح بر گز اس کو مار نہیں سمجھے گا کہ اللہ کا بندہ ہے اور نہ مقرب فرشتے اور نہ کوئی شخص خار کرے

عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ﴿۱۶﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

اللہ کی عبادت سے اور تکبر کرے تو ان کو قریب اپنے پاس بن فرمائے گا۔ مومن لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کو پورے پورے

فِيؤْتِيهِمْ أَجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ﴿۱۷﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا

بدلے عطا فرمائے گا اور فضل سے اور زیادہ دے گا اور جن لوگوں نے خار کی اور تکبر کیا سو ان کو دردناک عذاب

الْبَاسَاءِ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۱۸﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ

دے گا اور یہ لوگ اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی بار اور مددگار نہ پائیں گے۔ اے لوگو! بے شک آئی ہے تمہارے پاس دلیل تمہارے

مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ﴿۱۹﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ

رب کی طرف سے اور ہم نے اتارا ہے تمہاری طرف واضح نور سوجہ لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوطی سے پکڑا تو قریب ان کو

فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۖ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمًا ﴿۲۰﴾

اپنی رحمت اور فضل میں داخل فرمائے گا اور ان کو اپنی طرف سے سیدھے راستے پر پہنچائے گا۔

## اہل ایمان کی جزاء اور اہل کفر کی سزا کا ذکر

اسباب النزول ص ۱۸۰ میں لکھا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا جو وفد آیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے صاحب کو عیب لگاتے ہیں آپ نے فرمایا تمہارا صاحب کون ہے؟ انہوں نے کہا وہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں آپ نے فرمایا وہ کون سی بات ہے جو میں ان کے بارے میں کہتا ہوں جسے تم ان کے بارے میں عیب سمجھتے ہو انہوں نے کہا آپ کا کہنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں آپ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ عار نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بنیں وہ کہنے لگے (ہمارے خیال میں تو) یہ ان کے لئے عار ہے اس پر آیت شریفہ لَنْ يُسْتَكْفَرَ الْمَسِيحُ اِنْ يَكُوْنُ عَبْدُ اللَّهِ نازل ہوئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کی دعوت دی اور اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا اور سب کا رب بتایا اور اپنے کو اللہ کا بندہ بتایا سورہ آل عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد نقل فرمایا ہے جو انہوں نے بنی اسرائیل سے خطاب کر کے فرمایا تھا اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے) سورہ مریم میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے (جب کہ وہ مولاود ہی تھے) حاضرین سے فرمایا اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ (میں اللہ کا بندہ ہوں) پہلا کلمہ جو ان کی زبان سے نکلا وہ یہی تھا میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔

اور سورہ مائدہ میں ہے وَقَالَ الْمَسِيْحُ يَا بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ اعْبُدُوْا اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا وَاوَاهُ النَّارُ (اور مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے بلاشبہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے تو اللہ نے اس پر جنت حرام فرمادی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے) جس کسی بھی بندے کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو وہ اللہ کی ربوبیت اور اپنی عبدیت کا اعتراف کرتا ہے، اور جیسے جیسے معرفت بڑھتی جاتی ہے، عبدیت کا اقرار بھی بڑھتا جاتا ہے۔ اور ہر عارف کو اس بات پر فخر ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں تمام انبیاء کرام اور تمام فرشتے ساری مخلوق سے بڑھ کر معرفت الہیہ کی نعمت سے مشرف ہیں اور ان سب کو اس بات کا اعتراف ہے اور اس بات پر فخر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں سید الخلوقات خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ اپنا بندہ بتایا اور اپنی طرف نسبت فرما کر آپ کو شرف فرمایا ارشاد ہے سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰى بِعَبْدِہٖ اور ارشاد ہے تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ اور فرمایا فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی درحقیقت کسی مخلوق کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں کہ اسے بندگی کی نعمت حاصل ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بن جائے۔ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی اللہ جل شانہ نے وصف عبدیت کے ساتھ یاد فرمایا سورہ ص میں ہے۔

وَ اِذْ کُنتُمْ عِبَدُنَا دَاوٓدَ اٰلِیْنَ اِنَّا اَوَّابٌ اور فرمایا وَ اِذْ کُنتُمْ عِبَدُنَا اِیُّوْبَ اور فرمایا وَ اِذْ کُنتُمْ عِبَادَنَا اٰیْمُنَ اٰیْمُنَ وَاَسْحَقَ وَ یَعْقُوْبَ اُولٰٓئِیْہِ وَاَلَا بُصٰرٍ جبکہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا سب سے زیادہ فخر اور شرف کی بات ہے کوئی نبی اور فرشتہ اس کو اپنے لئے کیسے عار سمجھ سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے کا اقرار کرے، کوئی شخص اللہ کا بندہ بن جائے اور اللہ اسے اپنا بندہ فرما کر خطاب فرمائے اس سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں و ما احسن قول القائل

و مما زادنی عجباً و تسبیحاً و کدت با خمصی اطال الشریا  
جس چیز نے میرے فخر اور خوشی کو اتنا حیرت زدہ کیا۔ قریب تھا کہ میں اپنی لاغرگی کے باوجود ثریا ستارے کو روند ڈالتا (یعنی خوشی کے

دخولی تحت قولک یا عبادی وان صبرت احمد لی نبیا

وہ یہ ہے کہ آپ کے فرمان یا عبادی میں میں بھی داخل ہوں اور یہ کہ آپ نے میرا نبی احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا ہے۔

مخلوق اور مملوک ہونے کے اعتبار سے تو سبھی اللہ کے بندے ہیں لیکن اپنے علم و معرفت اور اقرار و اعتراف کے ساتھ جو اپنے بندہ ہونے کا اقرار کرے اس کو فخر جانے اور اپنے علم سے عبدیت کا مظاہرہ کریں یہ سب سے بڑا شرف ہے اور کسی مخلوق کی ذلت اس سے بڑھ کر نہیں کہ وہ غیر اللہ کی بندگی کرے اور اپنے علم سے عبدیت کا مظاہرہ کرے یہ سب سے بڑا شرف ہے اور کسی مخلوق کی ذلت اس سے بڑھ کر نہیں کہ وہ غیر اللہ کی بندگی کرے اور اللہ کے سوا کسی کا بندہ بنے جو لوگ اللہ کا بندہ نہیں بنتے وہ مخلوق کے سامنے سر جھکاتے ہیں وہ تراشیدہ بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

نصای کی یہ جہالت کی بات تھی انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے کو عار سمجھا، اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ صبح اور تمام فرشتے ان کو ہرگز اس بات سے عار نہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، انہیں اللہ کا بندہ ہونے کا اقرار ہے اور فرمایا وَمَنْ يُسْئَلْ كَيْفَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَحْجِزْ فَسَيَحْشُرُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا (الآیات) جو شخص اللہ کی بندگی سے استنکاف کرے یعنی اسے اپنے لئے عار سمجھے اور تکبر کرے تو وہ ان سب کو اپنی طرف جمع فرمائے گا بندگی کا اقرار کرنے والوں اور خالق و مالک کی عبادت میں مشغول ہونے والوں کو پورے پورے اجردے گا۔ اور مزید اپنے فضل سے بہت زیادہ عطا فرمائے گا اور جن لوگوں نے اللہ کا بندہ بننے کو اپنے لئے عار سمجھا اور تکبر کیا ان کو دردناک عذاب دے گا۔ اور وہاں کوئی حمایتی و مددگار نہ ملے گا۔

نصای کی تردید فرمانے کے بعد پھر تمام انسانوں کو خطاب فرمایا کہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا (اے لوگو! بے شک آئی ہے تمہارے پاس دلیل تمہارے رب کی طرف سے اور ہم نے اتارا ہے تمہاری طرف واضح نور) برہان دلیل کو کہتے ہیں یہاں دلیل سے اور نور مبین سے کیا مراد ہے؟ صاحب معالم التزیل لکھتے ہیں کہ اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ دلیل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے قرآن مراد ہے۔

مفسر ابن کثیر نے ابن جریج کا اور صاحب درمنثور نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ نور مبین سے قرآن مجید مراد ہے۔ درحقیقت یہ کوئی اختلاف نہیں کیونکہ قرآن حجت بھی ہے اور نور مبین بھی اور رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی بھی حجت ہے اور نور مبین بھی ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزات کثیرہ کے ساتھ مبعوث فرمایا آپ کی ذات گرامی ساری مخلوق کے لئے ہے اللہ کی طرف سے ایک حجت ہے اور آپ کے اوصاف اور کمالات اخلاق اور صفات اور نعمت اور آپ کی دعوت تو حید اور دلائل تو حید اس قدر واضح ہے کہ کسی بھی شخص کے لئے جو اپنی عقل کو ذرا بھی استعمال کرے ان سے منحرف ہونے اور کفر اختیار کرنے کا کوئی بھی جواز نہیں ہے آپ کی ذات گرامی لو حجت ہے اور نور مبین ہے کہ آپ نے کھول کر ہدایت کے راستے بتائے اور خیر و شر کا امتیاز واضح فرمایا پھر جس طرح آپ کی ذات گرامی لوگوں پر حجت ہے اور نور مبین ہے اسی طرح قرآن عظیم بھی عظیم معجزہ ہونے کے اعتبار سے لوگوں پر حجت ہے جس نے واضح طور پر تو حید کے دلائل بیان کئے اور کافروں اور مشرکوں کی گمراہی بیان کی، اور صالحین اور طالحین کا انجام بتایا اور حجت ہونے کے ساتھ ساتھ وہ نور مبین بھی ہے جس نے خالق و مالک کو راضی کرنے کے طریقے سکھائے احکام شرعیہ واضح فرمائے اور صلاح و فلاح کے راستے بتائے۔

پھر ایمان قبول کرنے والوں اور اس پر مضبوطی سے جمنے والوں کی جزا بتائی اور فرمایا فَاسْمَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيَدْلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا (سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوطی سے پکڑا تو وہ

غفریب ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل فرمانے کا اور ان کو اپنی طرف سیدھے راستے پر پہنچادے گا) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ سیدھے راستے پر پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کو فرمانبرداری اور ایمان کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمانے کا اور آخرت میں جنت میں پہنچادے گا۔

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنَّ امْرَأًا هَلَتْ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ ۖ وَلَهُ

لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں آپ فرمادیجئے اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی شخص مر جائے اس کے کوئی اولاد نہیں اور اس کی

اُخت فلہا نصف مما ترک ۚ ولو یرثہا ان لم یکن لہا ولد ۚ فان کاننا اثنین

ایک بہن ہے تو اس کے لئے اس مال میں کا آدھا ہے جو مرنے والے نے چھوڑا اور بہن کے چورے مال کا وارث ہوگا اگر اس بہن کے کوئی اولاد نہ ہو جس اگر دو بہنیں ہیں تو ان کیلئے

فلہما الثلثین ۚ وما ترک ۚ وان کانوا اخوة رجلاً ونساءً فللد کر مثل حظ الانثیین ۚ

اس مال میں سے دو تہائی ہے جو مرنے والے نے چھوڑا۔ اور اگر یہ لوگ بہن بھائی ہوں تو ایک مرد کے لئے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے

يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

اللہ تمہارا ہے۔ لئے بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو، اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

### حقیقی اور علاقائی بہن بھائی کی میراث کے مسائل

اس آیت پر سورۃ نساء ختم ہو گئی سورۃ نساء کے پہلے رکوع میں یتیموں کے حقوق اور اموال کی نگہداشت کا حکم فرمایا تھا اور اجمالی طور پر مرنے والوں کی میراث جاری کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور دوسرے رکوع میں اولاد اور ماں باپ اور شوہر بیوی کے حصے بیان فرمائے جو انہیں میراث میں پہنچتے ہیں، پھر وہیں کلالہ کی میراث کا ذکر فرمایا۔ کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کے نہ اصول ہوں اور نہ فروع ہوں یعنی نہ ماں ہو نہ باپ ہو، نہ دادا اور نہ اولاد ہو اور نہ بیٹی کی اولاد ہو۔ ایسا شخص اگر مر جائے اور اس نے بہن بھائی چھوڑے ہوں تو ان کو جو میراث ملے گی اس کا کچھ بیان سورۃ نساء کے رکوع ۶ میں بیان فرمایا اور کچھ یہاں سورۃ نساء کے آخر میں بیان فرمایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ بہن بھائی تین قسم کے ہوتے ہیں یعنی (یعنی سگے بہن بھائی) علاقائی (یعنی وہ بہن بھائی جو باپ شریک ہوں) اخینائی یعنی وہ بہن بھائی جو صرف ماں شریک ہوں۔ ان میں سے آخر الذکر یعنی اخینائی بہن بھائی کا حصہ سورۃ نساء کے دوسرے رکوع میں بتا دیا اور وہ یہ کہ جب کسی کلالہ مرد یا عورت کی وفات ہو جائے اور اس نے ماں شریک ایک بھائی یا ایک بہن چھوڑی ہو تو ہر ایک کو مرنے والے کے مال سے چھٹا چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو مثلاً دو بہنیں ہوں یا اس سے زیادہ ہوں یا دو بھائی ہوں یا اس سے زیادہ ہوں یا ایک بھائی ہو اور بہنیں ایک سے زیادہ ہوں اور یا ایک بہن ہو اور بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو یہ سب لوگ مرنے والے کے تہائی مال میں برابر کے شریک ہوں گے اور ان میں مرد و عورت کا حصہ برابر ہوگا لڑکے کو لڑکی سے دگنا نہ ملے گا۔ اور باقی مال دوسرے وارثوں کو پہنچ جائے گا۔ اور یہاں سورۃ نساء کے آخر میں مینی اور علاقائی یعنی سگے بہن بھائی اور باپ شریک بہن بھائی کا حصہ بتایا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مر جائے جو کلالہ ہو اور اس نے ایک بہن چھوڑی ہو جو مینی ہو یا علاقائی ہو تو اس بہن کو (بعد اداء ما ہو مقدم علی المیراث و نفاذ وصیت و تہائی مال)

کل مال کا آدھا ملے گا۔ اور اگر کسی ایسی عورت کی وفات ہوگئی جو کلالہ تھی اور اس نے ایک بھائی یعنی یا علاقائی چھوڑا تو وہ (بعد ادا حقوق متقدم علی المیراث، انفاذ وصیت ورتبائی مال) اپنی مذکورہ بہن کے کل مال کا وارث ہوگا۔ اگر کسی مرد کلالہ نے دو یعنی یا علاقائی بہنیں چھوڑیں تو ان کو مرنے والے کے مال سے دو تہائی ملے گا۔

اور اگر یعنی یا علاقائی متعدد بہن بھائی چھوڑے تو مرنے والے کا مال ان بہن بھائیوں پر اس طرح تقسیم ہوگا کہ ایک مرد کو عورتوں کے برابر حصہ دے دیا جائے گا البتہ یعنی بھائی کی وجہ سے علاقائی بہن بھائی سب ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور یعنی بہن کی وجہ سے علاقائی بہن بھائی کا حصہ کبھی ساقط ہو جاتا ہے اور کبھی گھٹ جاتا ہے جس کی تفصیل کتب فرائض میں مذکور ہیں۔

آخر میں فرمایا یٰبَنِیَّ اللّٰہُ لَکُم اِنْ تَصَلُّوْا (کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے، اسے اپنی مخلوق کا سب حال معلوم ہے سب کے لئے احکام بیان فرماتا ہے۔ اور ان سب احکام میں حکمت ہے اور مخلوق کی رعایت ہے وہ احکام و مسائل بیان فرما کر تمہیں گمراہی سے بچاتا ہے ایسے مہربان علیم وخبیر کے احکام پر دل و جان سے عمل کرنا چاہئے۔

وقد تم تفسیر سورۃ النساء لعاشر صفر الخیر ۱۴۱۱ھ من شہور السنۃ الحادیۃ عشر بعد الف واربع مائۃ من ہجرۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، والحمد للہ اولا و آخراً والصلوۃ والسلام علی من ارسل طیباً و طاهراً۔





مدنی

سورۃ مائدہ

۱۲۰ آیتیں ۶ رکوع

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورۃ مائدہ مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو میں آیات اور سورۃ رکوع ہیں۔

۱۰۰ آیات ۲۰ (۵۱) سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ مَكِّيَّةٌ (۱۱۲) كُنَّا نَحْنُ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ

اے ایمان والو! اپنے عہد کو پورا کرو حلال کئے گئے تمہارے لئے چوپائے انعام سے، مگر وہ جن کے بارے میں تمہیں بتا دیا جائے گا اس حال میں

غَيْرِ مُجْلَى الصَّيْدِ وَ أَنْتُمْ حُرْمٌ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا

کہ جس وقت تم احرام میں ہو شکار کو حلال کرنے والے نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔ اے ایمان والو! مت

تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا أَمْنِينَ الْبَيْتِ

حلال کرو اللہ کے شعائر کو، اور نہ شہر حرام کو اور نہ ہدی کو اور نہ بچے ڈالے ہوئے جانوروں کو اور نہ ان لوگوں کو جو بیت

الْحَرَامَ يَنْتَعُونَ فَضْلًا مِنْ رَبِّهِمْ وَرِضْوَانًا وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا

حرام کا قصد کر کے جا رہے ہوں اودہ اپنے رب کا فضل اور رضا مندی تلاش کرتے ہیں اور جب تم حلال ہو جاؤ تو شکار کر لو اور ہرگز کسی قوم کی دشمنی کہ انہوں نے

قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا

تمہیں مسجد حرام سے روکا ہے اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرو اور آپس میں ٹل اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی پر

عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ

آپس میں مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔

ایضائے عہد و کا حکم اور چوپایوں اور شکاری جانوروں سے متعلق بعض احکام

سورۃ مائدہ کی ابتداء ایضائے عہد و یعنی عہدوں کو پورا کرنے کے حکم سے ہے۔ ارشاد فرمایا یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ اے ایمان

والو! اپنے عہد کو پورا کرو۔ عہدوں کو پورا کرنا ایمانی تقاضا ہے اور بد عہدی ایمان کے خلاف ہے اس میں وہ عہد بھی داخل ہے جو بندوں نے

اللہ تعالیٰ سے کیا ہے، جب کسی نے اسلام قبول کر لیا تو اس نے یہ عہد کر لیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے تمام اوامر کو مانوں گا اور جو بھی احکام ہوں گے ان سب پر عمل کروں گا اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سب سے بچتا رہوں گا۔ خواہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید میں اوامر و نواہی ہوں اور خواہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بھیجے ہوں۔

در منثور ص ۲۵۳ ج ۲ بحوالہ بیہقی وغیرہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ای بالعهود ما أحل الله وما حرم وما فرض وما حد فی القرآن کله لاتعذرُوا ولا تنكثُوا (یعنی عہد پورے کرو اللہ تعالیٰ نے جو حلال قرار دیا ہے اور جو حرام قرار دیا ہے اور جن چیزوں کو فرض کیا اور جو قرآن میں حدود بیان کیں ان سب احکام پر عمل کرو۔ ان کی ادائیگی میں کوئی غدر نہ کرو اور عہد شکنی نہ کرو)

سورہ نحل میں فرمایا وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ اللہ اِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْإِيمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ (اور تم اللہ کا عہد پورا کرو جب تم عہد کرو، اور مت توڑو قسموں کو ان کو پکا کرنے کے بعد حالانکہ تم نے اپنے اوپر اللہ کو ضامن بنالیا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو) سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا (اور تم عہد کو پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا)۔ سورہ رعد میں فرمایا يَذْكُرُوا لَكُمْ أُولَئِكَ الْأَلْبَابُ (الَّذِينَ يُوْفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ) (وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں جو پورا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عہد کو اور عہد کو نہیں توڑتے)

سورہ نحل میں وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ اللہ فرمایا اور سورہ مائدہ میں أَوْفُوا بِالْعُقُودِ فرمایا عقود، عقد کی جمع ہے عقد عربی زبان میں باندھنے کو کہتے ہیں آپس میں جو معاملات طے کئے جاتے ہیں ان کو عقد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے عہد ہوا ہے وہ بھی عقد ہے۔ جس میں نذر بھی داخل ہے اور جو بندوں سے معاملات طے کئے جائیں وہ بھی عقد ہے۔

عقود کی قسمیں ..... حضرت زید بن اسلم تابعی نے سورہ مائدہ کی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا عقود پانچ ہیں (۱) عقد نکاح، (۲) عقد شرکت، (۳) عقد بیعین (یعنی قسم)، (۴) عقد حلف (حلف سے یہ مراد ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا حلیف ہو جائے اور آپس میں یہ طے کرے کہ فلاں فلاں امور میں ہم آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے)، (۵) عقد عہد، وہ وعدہ یعنی جو آپس میں کر لیا جائے۔ اگرچہ دونوں جانب سے نہ ہو۔ جماعتوں یا حکومتوں کے جو باہمی معاہدات ہیں یا دو انسانوں کے آپس میں جو معاملات ہیں نکاح اور شرکت اور مضاربہ اور اجارہ وغیرہ ان سب معاہدات میں ان سب شرطوں کی پابندی لازم ہے جو آپس میں طے ہو جائیں بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہوں اگر کوئی نذر مان لے تو اس کا پورا کرنا واجب ہے لیکن گناہ کی نذر ماننا جائز نہیں اگر کوئی شخص گناہ کی نذر مان لے تو اس پر عمل نہ کرے اور خلاف ورزی کا کفارہ دے دے اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم توڑنے کا کفارہ ہے وَفِي الْحَدِيثِ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا فِي مَعْصِيَةِ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ، وَفِي حَدِيثٍ آخَرَ لا وفاء لنذر في معصية الله ولا فيما لا يملكه ابن آدم رواهما ابو داود۔ (حدیث میں ہے جس نے گناہ کی نذر مانی تو وہ اسے پورا نہ کرے بلکہ اس کا کفارہ دے دے اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس چیز کی نذر کو پورا کرنا جائز ہے جس کا وہ مالک نہ ہو) عقود کو پورا کرنے کا حکم دینے کے بعد بعض احکام ذکر فرمائے۔

بِهَيْمَةُ الْأَنْعَامِ حَلَالٌ كَرَدِيَّ كُنَّ:

پہلا حکم بیان فرمایا کہ اَحَلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةً الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُنْتَلٰی عَلَيْكُمْ (کہ تمہارے لئے چوپائے حلال کئے گئے جو انعام کے مشابہ ہیں) بَهِيمَہ ہر اس جانور کو کہتے ہیں جس کے چار پاؤں ہوں اور انعام عمہ ماونٹ، گائے، بکری کے لئے بولا جاتا ہے۔ انعام کا حلال ہونا پہلے سے مخاطبین کو معلوم تھا۔ جن جانوروں پر انعام کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن وہ مکمل و صورت میں انعام کی طرح سے ہیں جیسے ہرن، نیل گائے، شتر مرغ ان کا حلال ہونا شروع فرمادیا۔ لفظ بَهِيمَۃ کی اضافت جو لفظ، اَنْعَام کی طرف ہے، اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے بعض حضرات کا قول لکھا ہے کہ یہ اضافت بیان یہ ہے کہ مشابہت بیان فرمانے کے لیے اضافت کا اختیار فرمایا اور مطلب یہ ہے کہ وہ بہائم جو انعام کے مشابہ ہیں وہ تمہارے لئے حلال کئے گئے اور مشابہت اس بات میں ہے کہ وہ دوسرے جانوروں کو چیر پھاڑ کر نہیں کھاتے۔

پھر جب بَهِيمَۃ الْاَنْعَام کی حلت ذکر فرمادی (اور اس میں وحشی جانور بھی داخل ہو گئے جن کا شکار کیا جاتا ہے) تو اس سے شکار کی اجازت بھی معلوم ہو گئی لیکن چونکہ حالت احرام میں شکار کرنا ممنوع ہے (حج کا احرام ہو یا عمرہ کا) اس لئے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا غَبْرُ مُحَلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرْمٌ ط کہ تمہارے لئے یہ جانور حلال کئے گئے اس حال میں کہ حالت احرام میں تم ان کا شکار کرنے کو عمامہ اعتقاد احال نہ سمجھو۔

بہیمۃ الانعام کی حلت بیان فرماتے ہوئے بطور استثناء اِلَّا مَا يُنْتَلٰی عَلَيْكُمْ فرمایا مطلب یہ ہے کہ جو جانور تمہارے لئے حلال کئے گئے ہیں ان میں سے وہ جانور مستثنیٰ ہیں جن کا ذکر ایک آیت کے بعد حُرْمَتٌ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ (الایۃ) میں فرمایا ہے سورۃ بقرہ اور سورۃ انعام اور سورۃ نحل میں بھی ان میں سے بعض چیزوں کا ذکر ہے پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ یَسْخَرُ مِنْکُمْ مَا یُرِیدُ (بے شک اللہ حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے) اس کی مشیت حکمتوں کے مطابق ہے۔ قال صاحب الروح من الا حکام حسب ماتقتضیہ مشیۃ المبنیۃ علی الحکم البالغۃ الی تقف دونہا الافکار فیدخل فیہا ما ذکرہ من التحلیل والتحریم دخولاً اولیاً۔ (یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حسب مشیت حکم دیتے ہیں اور انکی مشیت ایسی عظیم حکمتوں پر مبنی ہے جو انسانی افکار کی پہنچ سے ماوراء ہیں لہذا مذکورہ بالا تحلیل و تحریم بھی احکام الہی میں دخول اولیٰ کے طور پر داخل ہیں)

لَا تَحِلُّوْا شَعَائِرَ اللّٰهِ کا سبب نزول:..... اس کے بعد فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَحِلُّوْا شَعَائِرَ اللّٰهِ (الایۃ) اس آیت کے نزول کے بارے میں مفسرین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے شریح بن ضعیجہ کنذی یمامہ سے مدینہ منورہ آیا (یمامہ ایک عاتقہ کا نام ہے) اس نے اپنے ساتھیوں کو جو گھوڑوں پر سوار تھے مدینہ منورہ کے باہر چھوڑ دیا اور تنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور کہنے لگا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں آپ نے فرمایا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ ادا کرنے کی دعوت دیتا ہوں، کہنے لگا کہ یہ تو اچھی بات ہے مگر میرے چند امراء ہیں میں ان کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا امید ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں گا اور ان کو بھی ساتھ لے آؤں گا اسکے آنے سے پہلے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمادیا تھا کہ ایک آدمی آرہا ہے جو شیطان کی زبان سے بات کرے گا جب وہ چلا گیا تو آپ نے فرمایا کافر کا چہرہ لے کر داخل ہوا اور دھوکہ باز کے پاؤں کے ذریعہ باہر چلا گیا اور یہ شخص مسلم نہیں ہے جب یہ شخص مدینے سے باہر نکلا تو وہاں جو جانور (اونٹ) چر رہے تھے انھیں لے کر چلا گیا حضرات صحابہ نے اس کا پیچھا کیا لیکن اسے پکڑ نہ سکے اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے موقع پر تشریف لے جا رہے تھے تو یمامہ کے حجاج کے تلبیہ کی آواز سنی آپ نے فرمایا یہ ظلم ہے اور اس کے ساتھی ہیں (ظلم شریح بن ضعیجہ کا لقب

ہے) ان لوگوں نے ان جانوروں کے گلے میں قلابے یعنی پٹے ڈال رکھے تھے جو مدینے کے باہر چرنے والے جانوروں میں سے لوٹ کر لے گئے تھے اور ان جانوروں کو بطور ہدیٰ کعبہ شریف کی طرف لے جا رہے تھے اور ان کے ساتھ بہت سا تجارت کا سامان بھی تھا مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ حطم جا رہا ہے حج کے لئے نکلا ہے آپ اجازت دیجئے ہم اس کو لوٹ لیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے ہدیٰ کے جانوروں کو قلابہ ڈال رکھا ہے (لہذا ان کا لوٹنا صحیح نہیں) مسلمانوں نے کہا (یہ تو کوئی رکاوٹ کی چیز معلوم نہیں ہوتی) یہ کام تو ہم جاہلیت میں کیا کرتے تھے آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی جس میں شعائر اللہ کی بے حرمتی سے منع فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا شعائر اللہ سے مناسک حج مراد ہیں مشرکین حج بھی کرتے تھے اور کعبہ شریف کی طرف جانوروں کو بھی لے جایا کرتے تھے مسلمانوں نے ان کو لوٹنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا حضرت عطاء سے مروی ہے کہ شعائر سے اللہ تعالیٰ کے حدود اور اوامر اور نواہی اور فرائض مراد ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ شعائر اللہ سے صفامروہ اور وہ جانور مراد ہیں جو کعبہ شریف کی طرف بطور ہدیٰ لے جائے جاتے ہیں

شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم..... اللہ تعالیٰ نے شعائر کی تعظیم کے بارے میں سورہ حج میں ارشاد فرمایا وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (یعنی جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ قلوب کے تقویٰ کی بات ہے)

شعائر اللہ کی بے حرمتی کی ممانعت کے بعد الشہر الحرام کی بے حرمتی سے بھی منع فرمایا کہ اس میں کافروں سے جنگ نہ کی جائے اور ہدیٰ کی بے حرمتی کرنے سے بھی منع فرمایا۔ ہدیٰ وہ جانور ہے جو کعبہ شریف کی طرف لے جایا جائے اور حد و حرم میں اللہ کی رضا کے لئے ذبح کر دیا جائے، اور قلابہ کی بے حرمتی سے بھی منع فرمایا، یہ قلابہ کی جمع ہے ہدیٰ کے جانوروں کے گلوں میں پٹے ڈال دیا کرتے تھے تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ ہدیٰ ہے اور کوئی اس سے تعرض نہ کرے۔ قلابہ کی بے حرمتی کی ممانعت سے مراد یہ ہے کہ جن جانوروں کے گلوں میں یہ پٹے پڑے ہوں ان کی بے حرمتی نہ کی جائے ان کو لوٹا نہ جائے۔

بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے اصحاب قلابہ مراد ہیں کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ مکہ معظمہ کے درختوں کی چھال لے کر اپنے گلوں میں ڈال لیا کرتے تھے۔

جب اشہر الحرام گزر جاتے اور گھروں کو واپس جانا چاہتے تو اپنے گلوں میں اور جانوروں کے گلوں میں یہ پٹے ڈال لے رکھتے تھے تاکہ اپنے گھروں میں امن سے پہنچ جائیں۔

پھر فرمایا وَلَا أَتَمِّنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ یعنی جو لوگ بیت حرام کا قصد کر کے جا رہے ہوں ان کی بھی بے حرمتی نہ کرو اور ان سے تعرض نہ کرو۔ لفظ "أَتَمِّنَ" "أَمَّ بِأَمِّ" بمعنی فَصَّدَ بِفُصْدٍ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کے عموم میں حج کی نیت سے جانے والے اور عمرہ کی نیت سے جانے والے سب داخل ہو گئے ان کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا يَتَنَعَوْنَ فُضُلًا مِّنْ رَبِّهِمْ وَرِضْوَانًا (کہ یہ لوگ اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا مندی چاہتے ہیں) فضل سے مال تجارت کا نفع مراد ہے اور رضوان سے اللہ کی رضا مندی مراد ہے مشرکین جو حج کرتے تھے اپنے خیال میں وہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے حج کرتے تھے جس وقت آیت نازل ہوئی اس وقت تک مشرکین کو حج کرنے سے منع نہیں کیا گیا اور مکہ معظمہ فتح نہیں ہوا تھا۔ بعد میں جب ۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہو گیا اور ۹ھ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امارت میں حج ہوا تو یہ اعلان فرمایا گیا لَا يَسْجُدْنَ بَعْدَ النِّعَامِ مُشْرِكًا وَلَا يَطُوفُوا بِالْبَيْتِ غُرَبَاءَ! کہ خبردار اس سال کے بعد

کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی زنگاہو کر بیت اللہ کا طواف نہ کرے (مشرکین ایسا کیا کرتے تھے) اور سورۃ براءۃ میں فرمایا **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا فَعَلْنَا لَكُمْ خَيْرًا فَمَا كَفَرُوا بِهِمْ هَذَا** (کراے ایمان والو! مشرکین تمہیں سو مسجد حرام کے قریب نہ جائیں سال کے بعد) لہذا اب کسی کافر کو حج کرنے کی اجازت نہیں۔ وہ حدی اور قلائد لے کر آئے گا تو مامون نہ ہوگا مسلمانوں کے حق میں بدستور آیت کا سب مضمون باقی ہے حجاج بیت اللہ کو اور عمرہ کی نیت سے جانے والوں اور ہدی کو تعرض کرنا ممنوع ہے اشہر حرم میں جو کافروں سے قتال کی ممانعت تھی وہ منسوخ ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ میں گزر چکا۔

احرام سے نکل کر شکار کرنے کی اجازت..... پھر فرمایا **وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا** (کہ جب تم حلال ہو جاؤ یعنی قاعدہ شریعہ کے مطابق احرام سے نکل جاؤ تو شکار کرلو) یہ امر اباحت ہے مطلب یہ ہے کہ حالت احرام میں جو خشکی کا شکار کرنے کی ممانعت تھی اب احرام سے نکلنے کے بعد ختم ہوگئی البتہ حرم کا شکار کرنا حالت غیر احرام میں بھی ممنوع ہے جس کی تصریح احادیث شریفہ میں آئی ہے۔

کسی قوم کی دشمنی زیادتی پر آمادہ نہ کرے..... پھر فرمایا **وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوا عَنْ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا** (کہ تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرو) ۶ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو مشرکین مکہ نے آپ کو عمرہ نہیں کرنے دیا اور حدیبیہ کے مقام پر آپ کو روک دیا لہذا آپ اور آپ کے صحابہ محصور ہونے کی وجہ سے جانور ذبح کر کے احرام سے نکل گئے اور مشرکین سے چند شرطوں پر صلح ہوگئی۔ آپ مدینہ منورہ تشریف لائے اور اگلے سال عمرہ کی قضا کی مشرکین مکہ نے صلح کی بعض شرطوں کی خلاف ورزی کی جس کی وجہ سے آپ اپنا لشکر لے کر ۸ھ میں تشریف لے گئے اور مکہ معظمہ فتح ہوا۔ اب جب مسلمانوں کے ہاتھ میں اقتدار آگیا تو صحابہ مشرکین مکہ سے بدلہ لے سکتے تھے لہذا ان کو منع فرمایا کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں ظلم و زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے۔

جب مسجد حرام سے روکنے والوں کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ان کی دشمنی تمہیں ظلم و زیادتی پر آمادہ نہ کرے تو دنیاوی اعتبار سے جو دشمنیاں پیدا ہو جاتی ہیں ان کی وجہ سے کسی پر ظلم و زیادتی کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص ظلم کرے تو بہت سے بہت اس کے ظلم کے بقدر بدلہ لیا جاسکتا ہے اور معاف کر دینا افضل ہے۔ ظلم کے بدلہ ظلم کرنا یعنی جس سے کوئی تکلیف پہنچی ہے اس سے زیادہ پہنچانا جائز نہیں ہے۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ ہمیشہ عدل و انصاف پر قائم رہیں اس میں دوست دشمن سب برابر ہیں۔ اسی سورت کے دوسرے رکوع میں ارشاد ہے **وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَنْ لَا تَعْدِلُوا طَ اَعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ** (کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے)

نیکی اور تقویٰ پر تعاون کرنے کا حکم..... اس کے بعد ارشاد فرمایا **وَتَسْعَاؤُنَا عَلَىٰ الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ** (کہ آپس میں نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو) اس عمومی حکم میں سینکڑوں مسائل داخل ہیں۔ تعاون یعنی آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی بہت سی صورتیں تو ایسی ہیں جو لوگوں نے اپنی دنیاوی ضروریات کے لیے اختیار کر رکھی ہیں کسی نے کپڑے کا کارخانہ جاری کر رکھا ہے اور کوئی شخص اپنی فیکٹری میں جوتے بناتا ہے کسی نے پھلوں کے باغ لگائے ہیں۔ کسی نے کھیتی پر توجہ دی ہے۔ کسی نے انجینئرنگ کو اختیار کیا ہے اور تعمیرات کے نقشے بنانے کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے اور کسی نے نقشوں کے مطابق مکانات تعمیر کرنے کا کام اپنے ذمہ لے رکھا ہے اسی طرح سے مل ملا کر دنیاوی حاجات اور ضروریات پوری ہو رہی ہے۔ جو بھی کوئی شخص کوئی نیکی کرنے کا ارادہ کرے کسی بھی گناہ سے بچنا چاہے ہر شخص بقدر اپنی قوت و طاقت کے اس کی مدد کرے، جو لوگ علم دین حاصل کرنا چاہیں ان سب کی مدد کریں۔ مدد سے بنانے والوں کی، مسجد تعمیر کرنے

والوں کی، مبلغین کی، مصنفین کی، مجاہدین کی اور ہر نیک کام کرنے والوں کی مدد کی جائے یہ مومن کی زندگی کا بہت بڑا اصول ہے۔ یہ جو آج کل فضائی ہوئی ہے کہ جو شخص خیر کی دعوت لے کر کھڑا ہو خیر کے کام کرنے کے لیے فکر مند ہو اس کی مدد کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ یہ اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے چاہیے تو یہ تھا کہ جتنی زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہے سب ایک ہی حکومت ہوتی ایک امیر المؤمنین ہوتا سب مل کر آپس میں تعاون کی زندگی گزارتے۔ امیر اور مامور مل کر باہمی ایک دوسرے کی مدد کرتے لیکن اب جب بہت سی حکومتیں بنالیں اور ایک ہونے کو تیار نہیں تو کم از کم آپس میں تعاون تو رکھیں نہ ایک دوسرے سے لڑیں نہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچائیں اور ہر کار خیر میں اور دینی امور میں ہر حکومت دوسری حکومت کے ساتھ تعاون کرے افراد ہوں یا جماعت سب باہمی تعاون کی زندگی اختیار کریں۔

مسلمانوں کی عجیب حالت..... اگر مسلمانوں کا کوئی سربراہ اسلام کے مطابق حکومت چلانے کا اعلان کر دے یا اعلان کرنا چاہے تو عوام بھی مخالفت کرتے ہیں اور مغربی ذہن رکھنے والے پڑھے لکھے لوگ بھی، اور کافروں کی حکومتیں بھی رخ نہ ڈال دیتی ہیں اور مسلمانوں کی حکومتیں تعاون نہیں کرتیں۔ اس صورت حال کی وجہ سے اجتماعی اور انفرادی اعمال خیر میں جو تعاون ہو سکتا تھا اس کی صورتیں بنتی ہوئی بھی بگڑ جاتی ہیں۔

گناہ اور ظلم پر مدد کرنے کی ممانعت..... پھر فرمایا وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط وَاتَّقُوا اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (اور نہ مدد کرو گناہ پر اور ظلم پر اور اللہ سے ڈرو! بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے) ان الفاظ میں دوسرے رخ پر تنبیہ فرمائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ برادر تقویٰ پر تو آپس میں تعاون کرو لیکن گناہ ظلم، اور زیادتی پر ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو قرآن کریم کی یہ نصیحت بھی بہت اہم ہے۔ آج کل جہاں برائی اور تقویٰ پر مدد کرنے کے جذبات سے مسلمان خالی ہیں وہاں دوسرے رخ کے جذبات ان میں موجود ہیں گناہ اور ظلم اور زیادتی پر کھلے دل سے مدد کی جاتی ہے۔

تعصب کی تباہ کاری..... آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معیار دنیا داری کے اصول پر رہ گیا ہے عوام اپنوں کی مدد کی جاتی ہے اپنوں میں اپنے رشتے دار اپنے ہم زبان اپنے وطن اپنی جماعت کافر اپنی پارٹی کا ممبر دیکھا جاتا ہے حق اور نہ حق کو نہیں دیکھا جاتا اگر دو آدمیوں میں کسی قسم کا جھگڑا ہو تو جو بھی کوئی شخص اپنا ہو (جس کی قدرے تفصیل ابھی بیان ہوئی) بس اس کی مدد کی جاتی ہے اس کا دعویٰ ناحق ہو اور فریق ثانی پر ظلم کر رہا ہو تب بھی اس کا ساتھ دیں گے اور اسی کی طرف پولیس گے یہ نہ دیکھیں گے کہ اس شخص کی زیادتی ہے جسے ہم اپنا سمجھ رہے ہیں ہم ظالم کے ساتھ کیوں ہوں یہ ایک ایسی وباء ہے جس میں بہت سے دینداری کے دعویدار بھی ملوث ہو جاتے ہیں۔ گناہ اور ظلم پر مدد کرنا حرام ہے۔ ظالم اپنا ہو یا پر ایسا اس کی مدد کرنے کا شرعاً کوئی جواز نہیں حضرت اوس بن شریحیل رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی ظالم کے ساتھ اس لئے گیا کہ اسے تقویت پہنچائے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے تو یہ شخص اسلام سے نکل گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۶ از شعب الایمان)

گناہوں کی مدد کرنے کی چند صورتیں جو رواج پذیر ہیں..... جس نوکری یا جس عہدے کی وجہ سے گناہ کرنا پڑتا ہو ایسی نوکری اور ایسا عہدہ قبول کرنا حرام ہے اور گناہ کا قانون بنانا بھی حرام ہے کیونکہ اس سب میں گناہ کی مدد ہے گناہ کی اجرت بھی حرام ہے۔ اگر کوئی شخص شراب کے کارخانے میں کام کرے یا بنگ میں کام کرے (کوئی بھی چھوٹا بڑا کام) اُسے بازوؤں کے ہاں ملازم اور یا کسی بھی طرح ان کا تعاون کرتا ہو۔ پولیس میں ملازم ہو جو غیر شرعی امور میں دوسروں کی مدد کرتا ہو یا رشوت لیتا ہو یا رشوت دینے دلانے کا واسطہ بنتا ہو یا

جو شخص کسی ایسے محکمے کا ملازم ہو جس میں ٹیکس وصول کرنا پڑتا ہو تو یہ ملازمتیں حرام ہیں اور ان کی تنخواہیں بھی حرام ہیں۔ چوروں کی مدد، ڈاکوؤں کی مدد، لوٹنے والوں کی مدد، غصب کرنے والوں کی مدد، ظالمانہ مار پیٹ کرنے والوں کی مدد یہ سب حرام ہے۔ کسی بھی گناہ کے ذریعہ جو پیسہ کمایا جائے وہ بھی حرام ہے۔

بہت سے لوگ دوسروں کی دنیا بنانے کے لئے اپنی آخرت تباہ کرتے ہیں یعنی ظلم اور گناہ پر مدد کرتے ہیں تاکہ کسی دوسرے کو نوکری یا عہدہ مل جائے یا قوی یا صوبائی اسمبلی کا ممبر ہو جائے انگلشن ہوتے ہیں وٹنر اسپورٹر یہ جانتے ہوئے کہ جس امیدوار کے لئے ہم کوشش کر رہے ہیں یا جسے ہم ووٹ دے رہے ہیں یہ فاسق فاجر بے مہربان ہو کر اس کا فسق و فجور اور زیادہ بڑھ جائے گا پھر بھی اس کی مدد میں لگے ہوئے ہیں اس کو کامیاب کرنے کے لئے اس کے مقابل کی غیبتیں بھی کرتے ہیں اور اس پر بہتیتیں بھی دھرتے ہیں حتیٰ کہ اس کی جماعت کے اوروں کو قتل تک بھی کر دیتے ہیں یہ کتنی بڑی حماقت ہے کہ دنیا دوسرے کی بنے اور آخرت کی بربادی اپنے سر تھوپ لیں۔ اسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من شر الناس منزلة یوم القیامۃ عبد اذہب آخرتہ بدینا غیرہ (قیامت کے دن بدترین لوگوں میں سے وہ شخص بھی ہوگا جس نے دوسرے کی دنیا کی وجہ سے اپنی آخرت برباد کر دی) (رواہ ابن ماجہ باب اذا التقی المسلمان بسبیہما)

دیکھا جاتا ہے کہ جو شخص سنت کے مطابق کپڑے پہننا چاہے شکل و صورت وضع قطع اسلامی رکھنا چاہے اس کے گھر والے، دفتر والے، بازار والے کوشش کرتے ہیں کہ یہ نیکی کا کام چھوڑ دے اور گناہ والی زندگی اختیار کرے اور ہمارے جیسا فاسق فاجر ہو جائے۔ خیر کے کاموں میں مدد دینے کو تیار نہیں لیکن اگر کوئی شخص گناہ گاری کے کام کرنے لگے تو اس کی مدد کرنے کو تیار ہیں۔ حرام کمانے، رشوت لے، ڈاڑھی مونڈے، بیوی بھی خوش، ماں باپ بھی خوش اور اپنے ماحول اور سوسائٹی کے لوگ بھی خوش اور اگر حلال پر گزارہ کرنے کا خیال کرے تو سب ناراض۔ اپنے پاس سے ٹکٹ کے پیسے خرچ کر کے دوستوں کو سینماؤں میں، رقص و سرور کی مجلسوں میں لے جاتے ہیں دھوکہ دے کیر بال برکی دکان میں لے جا کر اپنے دوست کی ڈاڑھی منڈوا دیتے ہیں اور پیسے بھی اپنے پاس سے دیدیتے ہیں، موجودہ معاشرہ کا یہ جاہلانہ مزاج بنا ہوا ہے کہ نیکی کی مدد سے جان چراتے ہیں اور گناہوں کی مدد کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں وقتنا اللہ من شرہم۔ سب کو معلوم ہے کہ یہ زندگی ہمیشہ نہیں ہے اور دنیا ختم ہو جائے گی اس کے ختم ہونے سے پہلے موجودہ دور کے افراد اپنی موت مر جائیں گے اسی ذرا سی زندگی کو گناہوں میں پڑ کر اور گناہوں کی مدد کر کے برباد کرنا جس کے نتیجہ میں آخرت برباد ہو کوئی سمجھ داری کی بات نہیں ہے، ہر معاملہ میں آخرت کے لئے فکر مند ہونا لازم ہے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور بار بار اس کا مراقبہ کریں کہ اللہ جل شانہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ آیت کے ختم پر اسی کی طرف متوجہ فرمایا اور ارشاد فرمایا: وَاتَّقُوا اللَّهَ اِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (اللہ سے ڈرو بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے)

حَرِّمَتْ عَلَیْكُمْ الْمِیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمُ الْخَنَازِیْرِ وَمَا اٰهَلَ لِغَیْرِ اللَّهِ بِہِ وَالْمُنْخَنِقَةُ

حرام کیا گیا تم پر مردہ جانور اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا اور وہ جانور جو ٹھانٹنے سے مرجائے

وَ الْمَوْقُوذَةُ وَ الْمُتَرَدِّیَةُ وَ النَّطِیْحَةُ وَ مَا اَكَلَ السَّبْعُ اِلَّا مَا ذَکَبْتُمْ فَاَکَلْتُمْ

اور وہ جانور جو کسی ضرب سے مرجائے اور وہ جانور جو اوپر سے گر کر مرجائے اور وہ جانور جو کسی سے ٹکرا کر مرجائے اور وہ جانور جسے کسی درندہ نے کھا لیا مگر وہ جسے تم ذبح کر لو

## وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَلِكُمْ فُسْقٌ

اور حرام کیا گیا وہ جانور جو ذبح کیا گیا پرستش کا ہوں پر اور یہ بھی حرام کیا گیا کہ تفسیر کرو تیروں کے ذریعہ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔

### جن جانوروں کا کھانا حرام ہے ان کی تفصیلات

گذشتہ آیت میں بتایا تھا کہ ہیبتہ الانعام تمہارے لئے حلال کر دیئے گئے ساتھ یہ بھی فرمایا تھا اَلَا مَسْئِلُی عَلَیْكُمْ کہ ان حلال جانوروں میں جو جانور حرام ہیں وہ تمہیں بتا دیئے جائیں گے، چنانچہ اس آیت میں ان جانوروں کا ذکر ہے جو زندہ ہونے کی صورت میں شرعی طریقے پر ذبح کر لئے جائیں تو ان کا کھانا حلال ہو جاتا ہے لیکن جب ان میں بعض صفات ایسی پیدا ہو گئیں جن کی وجہ سے حرمت آگئی تو ان کا کھانا حلال نہ رہا۔

مَیْنَتَہ (مردار) :..... ان میں سے اول مَیْنَتَہ کی حرمت کا ذکر فرمایا۔ مَیْنَتَہ ہر وہ جانور ہے جو شرعی طریقے پر ذبح کئے بغیر مر جائے خواہ یوں ہی اس کی جان نکل جائے خواہ کسی کے مار دینے سے مر جائے، گائے نیل، بھینس، اونٹ، اونی، بکرا، بکری، ہرن، نیل، گائے اور تمام وہ جانور جن کا کھانا حلال ہے اگر وہ ذبح شرعی کے بغیر مر جائیں تو ان کا کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ البتہ مچھلی چونکہ ذبح کئے بغیر ہی حلال ہے اس لئے اگر خشکی میں آنے کے بعد اپنی موت مر جائے تو اس کا کھانا جائز ہے اور خشکی کے جانوروں میں سے ٹڈی بھی بغیر ذبح کئے ہوئے حلال ہے اگر وہ اپنی موت مر جائے تو اس کا کھانا بھی حلال ہے۔

مسئلہ..... ذبح شرعی سے پہلے زندہ جانور سے جو کوئی جسم کا حصہ کاٹ لیا جائے تو وہ بھی مَیْنَتَہ (مردار) کے حکم میں ہے اور اس کا کھانا بھی حرام ہے۔ حضرت ابو واقدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور اس سے پہلے اہل مدینہ کی یہ حالت تھی کہ زندہ اونٹوں کے کوبان اور دنبوں کی چکیتیاں کاٹ لیتے تھے اور ان کو کھا جاتے تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زندہ جانور سے جو حصہ کاٹ لیا جائے وہ مَیْنَتَہ ہے یعنی مردار ہے۔ (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

جس طرح مردار جانور کا کھانا حرام ہے اسی طرح اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال ارشاد فرمایا جبکہ آپ مکہ معظمہ ہی میں تشریف فرما تھے کہ بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب اور مَیْنَتَہ (مردہ جانور) اور خنزیر اور بتوں کی بیج کو حرام کر دیا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ مردہ جانور کی چیزوں کے بارے میں ارشاد فرمائیے (کیا ان کا بیچنا بھی حرام ہے؟) ان سے کشتیوں کو روغن کیا جاتا ہے اور چیزوں میں بطور تیل کے استعمال کی جاتی ہیں اور ان کے ذریعہ لوگ چراغ جلاتے ہیں آپ نے فرمایا چربی بھی حلال نہیں ہے وہ بھی حرام ہے پھر فرمایا اللہ لعنت فرمائے یہودیوں پر بلاشبہ اللہ نے ان پر مردہ جانور کی چربی حرام فرمائی تھی انہوں نے اسے خوبصورت چیز بنا دی (یعنی اسے پگھلا کر اس میں کچھ اور چیز ملا کر اپنے خیال میں اسے اچھی شکل و عوی) پھر اسے بیچ کر اس کی قیمت کھا گئے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

معلوم ہوا کہ مردار جانور کا گوشت اور چربی دونوں حرام ہیں ان کا کھانا بھی حرام ہے اور ان کا بیچنا بھی حرام ہے حدیث بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حرام چیز کو خوبصورت بنا دینے سے اس میں کچھ ملا دینے سے اس کا نام بدل دینے سے اور اسے خوبصورت پیکٹوں میں پیک کر دینے سے حلال نہیں ہو جاتی اس کا بیچنا اس کی قیمت کھانا حسب سابق حرام ہی رہتا ہے۔

مردار کی کھال کا حکم..... جو جانور بغیر ذبح شرعی کے مر جائے اس کی کھال بھی ناپاک ہے اور اس کھال کا بیچنا بھی حرام ہے



لیکن اگر اس کی دباغت کر دی جائے یعنی کوئی مصالحہ لگا کر یا دھوپ میں ڈال کر اسے سڑنے سے محفوظ کر دیا جائے تو یہ کھال پاک ہو جاتی ہے پھر اس سے نفع اٹھانا اور بیچنا اور اسکی قیمت لینا حلال ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کچے چمڑے کی دباغت کر دی جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ (رواہ مسلم) نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی آزار کردہ باندی کو ایک بکری دے دی گئی تھی وہ بکری مر گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے گزرے تو ارشاد فرمایا کہ تم نے اس کا چمڑہ لے کر اس کی دباغت کیوں نہ کر لی؟ دباغت کر کے اس سے نفع حاصل کرتے عرض کیا کہ یہ مینیتہ یعنی مردار ہے آپ نے فرمایا اس کا کھانا ہی حرام کیا گیا ہے۔ (یعنی چمڑا دباغت کے بعد ناپاک نہیں رہتا اس سے انتفاع جائز ہے البتہ اسکا گوشت حلال نہیں ہے) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۲)

خون کھانے کی حرمت..... آیت بالا میں جن چیزوں کی حرمت مذکور ہے ان میں دوسرے نمبر پر الدم یعنی خون کا ذکر ہے اس سے دم مسفوح (بہتا ہوا خون) مراد ہے جس کی تصریح سورۃ انعام کی آیت میں کر دی گئی ہے اور فرمایا ہے قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مَحْرُومًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا (الآیۃ) مسفوح حاک قید لگانے سے تلی اور جگر کھانے کی حلت معلوم ہو گئی کہ وہ دونوں بھی خون ہیں لیکن جسے ہوئے خون ہیں بہتا ہوا خون نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور دوائیے جانور ہمارے لئے حلال کر دیئے گئے ہیں جو اپنی موت مر جائیں۔ مچھلی اور ٹنڈی اور دو خون ہمارے لئے حلال کر دیئے گئے ہیں جگر اور تلی۔ (رواہ احمد، ابن ماجہ و دارقطنی، مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۶۱)

مسئلہ..... شرعی ذبح کے بعد گلے کی رگوں سے دم مسفوح نکل جاتا ہے اس کے بعد جو خون بوٹیوں میں رہ جاتا ہے وہ پاک ہے اسکا کھانا جائز ہے کیونکہ وہ دم مسفوح نہیں ہے البتہ ذبح کے وقت جو خون نکلا ہے وہ کھال یا گوشت یا پروں میں لگ جائے وہ ناپاک ہے۔ ہمارے دیار میں خون کھانے کا رواج نہیں ہے قرآن کریم سارے عالم کے لیے ہدایت ہے۔ نزول قرآن کے وقت سے لے کر قیامت قائم ہونے تک جس علاقے میں جہاں بھی جس طرح سے بھی لوگ کھائیں ان سب کے لیے قرآن نے حرمت کی تصریح کر دی۔ بعض اکابر سے سنا ہے کہ اہل عرب خون کو آنتوں میں بھر کر تیل میں تل لیا کرتے تھے پھر اسے کباب کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھاتے تھے۔

مسئلہ..... خون کا کھانا پینا بھی حرام ہے اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے اس کے ذریعے جو آمدنی ہو وہ بھی حرام ہے بعض لوگ ہسپتالوں میں خون فروخت کرتے ہیں وہ حرام ہے اس کی قیمت بھی حرام ہے۔

خنزیر کا گوشت..... تیسرے نمبر پر لحم الخنزیر یعنی سور کا گوشت حرام ہونے کی تصریح فرمائی۔ سور کا ہر جزو ناپاک اور نجس العین ہے اس کا گوشت ہو یا چربی یا کوئی بھی جزو اس کا کھانا حرام ہے اور بیچنا خریدنا بھی حرام ہے۔ سورۃ انعام میں فرمایا فَاِنَّهُ لِرَجْسٍ (بلاشبہ وہ ناپاک ہے) نجس العین ہونے کی وجہ سے اس کی کھال بھی دباغت سے پاک نہیں ہو سکتی۔ اس جانور کے کھانے سے انسانوں میں بے حیائی پیدا ہوتی ہے جو قومیں اسے کھاتی ہیں ان کی بے حیائی کا جو حال ہے ساری دنیا کو معلوم ہے۔ یورپ، امریکہ، آسٹریلیا وغیرہ میں بعض مسلمان ایسے ہیں جنہوں نے مٹلوں میں دوکانیں کھول رکھی ہیں وہ سور کا گوشت اور دوسرا حرام گوشت بھی فروخت کرتے ہیں یہ سب حرام

ہے جو لوگ ان کی دکانوں میں کام کرتے ہیں وہ چونکہ گناہ کے مددگار ہیں اس لئے ان کا سیل مین بننا اور خریداروں کو یہ چیزیں اٹھا کر دینا بھی حرام ہے۔

مَا أَهْلَ بِهِ لغيرِ اللَّهِ..... چوتھی چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ مَا أَهْلَ بِهِ لغيرِ اللَّهِ ہے لفظ أَهْلٌ اہل نُہْلُ اہلال سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے اہلال کا معنی ہے آواز بلند کرنا۔ یہاں جانور کو ذبح کرتے وقت جو کسی کا نام پکارا جاتا ہے اس کے لیے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے جو جانور حلال ہو اور اسے اللہ کا نام لے کر ذبح کر دیا جائے تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر اللہ کے نام کے علاوہ کسی دوسرے کا نام لے لیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے جو مَیْمَۃ یعنی مردار کے حکم میں ہے۔

مشرکین بتوں کا اور دیوی دیوتا کا نام لے کر جانور کو ذبح کرتے ہیں ایسے جانور کا کھانا حرام ہے جو لوگ کتابی یعنی یہودی یا نصرانی نہیں ہیں (جیسے ہندوستان کے ہندو) وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کریں تب بھی جانور مردار کے حکم میں ہوگا، جس جانور کو غیر اللہ کے لیے ماحر کر دیا جائے لیکن ذبح کیا گیا اللہ کا نام لے کر اس کے بارے میں چند صفحات کے بعد وضاحت کی جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز!

مُتَخَنِّقٌ..... پانچویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی ہے وہ الْمُتَخَنِّقُ ہے اخناق اسم فاعل کا صیغہ ہے خنق یخنق کلا گھوٹنا اور انحنق یسحنق کلا گھٹ جانا۔ اگر کسی جانور کا کلا گھوٹ کر مار دیا جائے اگر چہ اس پر اللہ کا نام لیا جائے یا جانور کلا گھٹنے سے مر جائے (مثلاً جانور کے گلوں میں جوری بندھی ہوتی ہے وہ کس جائے جس سے جانور مر جائے) تو یہ جانور حرام ہے۔

مَوْ قُوۡدٌ..... چھٹی چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ موقوۃ ہے یہ وَقَدْ یَقْدُ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس جانور کو لٹھی یا پتھر وغیرہ سے مار کر ہلاک کر دیا جائے وہ موقوۃ ہے اور اس کا کھانا حرام ہے اس میں وہ جانور بھی داخل ہے جس کو شکاری نے تیر مارا لیکن اس کے تیر کی دھار جانور کے نہ لگی بلکہ لہاؤ میں تیر جا کر لگا اور اس کی ضرب سے جانور مر گیا۔ ایسے جانور کا کھانا بھی حرام ہے اگرچہ شکاری نے بسم اللہ پڑھ کر تیر پھینکا ہو۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں ایسے تیر سے شکار کرتا ہوں جس میں پر نہیں ہوتے (تو کیا اس کا کھانا حلال ہے؟) آپ نے فرمایا جس جانور کو تیرا تیر زخمی کر دے اس کو کھالے اور جس جانور کو تیرے مذکورہ تیر کا چوڑائی والا حصہ قتل کر دے تو وہ موقوۃ ہے اس کو مت کھا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

بندوق کا شکار..... بندوق کی گولی سے جو شکار ہلاک ہو جائے وہ بھی حرام ہے اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر گولی ماری گئی ہو ہاں اگر گولی لگنے کے بعد اس میں اتنی جان باقی ہو جس کا ذبح کے وقت ہونا شرط ہے اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر دیا جائے تو حلال ہو جائے گا۔

مُسْرِ دِیۡۃٌ..... ساتویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ مُسْرِ دِیۡۃٌ ہے یعنی وہ جانور جو کسی پہاڑ یا نیلے یا کسی بھی اونچی جگہ سے گر کر مر جائے اس جانور کا کھانا بھی حرام ہے۔

نَطِیْحَۃٌ..... آٹھویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ نطیحہ ہے یہ لفظ فعیلۃ کے وزن پر ہے جو نطح یطح، یططح سے ماخوذ ہے جو جانور کسی تصادم سے مر گیا مثلاً دو جانوروں میں لڑائی ہوئی ایک نے دوسرے کو مار دیا کسی جانور کو دیوار میں ٹکر لگی اس سے مر گیا ریل گاڑی کی زد میں آ کر مر گیا یا کسی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہو گیا جس سے موت واقع ہو گئی یہ سب نطیحہ کی صورتیں ہیں اگر ان سب صورتوں میں جانور کی موت واقع ہو جائے تو اس کا کھانا حرام ہو جاتا ہے۔

درندہ کا کھایا ہوا جانور..... نویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ جانور ہے جس کو کوئی درندہ کھا جائے شیر، بھیڑیے نے کسی

جانور کو پکڑا اور اس کو قتل کر دیا تو اس کا کھانا حرام ہو گیا وہ بھی مردار ہے کیونکہ ذبح شرعی سے اس کو موت نہیں آئی۔

حرام چیزوں کی مذکورہ نو قسمیں بیان فرمانے کے بعد لَا مَا ذَنْبُنَا فرمایا یہ استثناء منخضقة، موقوذة، متردیه، نطیحة اور مَا اکل الشیخ سب سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ جس جانور کا گلا گھٹ گیا یا اوپر سے گر پڑا یا کسی کے انٹھی مارنے سے مرنے لگا یا نکر لگنے سے مرنے لگا یا کسی درندہ سے چھڑا لیا اور اس میں ابھی تک اتنی زندگی باقی ہے جو ذبح کے وقت ہوتی ہے تو یہ جانور ذبح شرعی کرنے کی وجہ سے حلال ہو جائے گا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک بھڑیے نے ایک بکری کو اپنے دانت سے پکڑ لیا (پھر وہ کسی طرح سے چھوٹ گئی جسے) اس کے مالکوں نے دھاردار پتھر سے ذبح کر دیا پھر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے اس کے کھانے کی اجازت دیدی۔ (رواہ النسائی ص ۲۰ ج ۲)

بتوں کے استھانوں پر ذبح کئے ہوئے جانور..... پھر فرمایا وَمَا ذَبَحَ عَلَى النَّصَبِ (اور جو نصب پر ذبح کیا جائے اس کا کھانا بھی حرام ہے) اعضاء و مورتیاں جن کی اہل عرب عبادت کیا کرتے تھے، اور ان کے علاوہ جن دوسرے پتھروں کی عبادت کرتے تھے ان کو نصب اور انصاب کہا جاتا ہے ان کو کہیں کھڑا کر کے عبادت گاہ اور استہان بنا لیتے تھے اگر مطلق کھڑی کی ہوئی چیز کے معنی لئے جائیں تو بُت بھی نصب کے عموم میں داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ بھی پتھر ہوتے ہیں اور ان کو مختلف جگہوں میں نصب کر دیا جاتا ہے۔ اعضاء و انصاب کے پاس جو کچھ ذبح کیا جاتا ہے چونکہ وہ ذبح بغیر اللہ ہے اس لئے وہ بھی مردار ہے اور اس کا کھانا بھی حرام ہے۔

تیروں کے ذریعے جو اکیلنے کی حرمت..... پھر فرمایا وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ (اور یہ بھی حرام کیا گیا کہ تقسیم کرو تیروں کے ذریعہ) اہل عرب کا طریقہ تھا کہ تیروں کے ذریعہ اونٹ کا گوشت تقسیم کیا کرتے تھے اور یہ ان کا ایک قسم کا قمار یعنی ڈھ تھا جس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک اونٹ میں دس آدمی برابر کے شریک ہوتے تھے پھر اس اونٹ کو تیروں کے ذریعہ تقسیم کرتے تھے یہ دس تیر ہوتے تھے سات تیروں پر جسے لکھتے رہتے تھے اور تین تیر ایسے ہوتے تھے جن کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا۔ پھر ان دس تیروں کو کسی تھیلہ میں ڈالتے تھے اور شرکاء کے نام سے ایک تیر نکالتے تھے جن تین تیروں کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا جس کے نام پر ان تیروں میں سے کوئی تیر نکل آتا تھا اسے کوئی حصہ نہ ملتا تھا حالانکہ اونٹ کی قیمت میں وہ بھی شریک تھا اس کا حصہ دوسروں کو مل جاتا تھا اور اس طرح سے یہ شخص جوئے میں بار جاتا تھا اور دوسرے لوگ جیت جاتے تھے۔

پھر ان میں بعض لوگ جوئے میں جیتے ہوئے گوشت کے ان حصوں کو غرائب، مساکین اور یتیموں پر خرچ کرتے تھے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے قصیدہ میں ہے (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے)

وجز و رایسار دعوت لحقہا بمغالب متشابه اجسامہا

بذلک لجیران الجمیع لحامہا باؤ و ابھن لعاقبر او مطفل

(قمار بازوں کے مناسب بہت سے اونٹ ہیں جن کو ذبح کرنے کیلئے میں نے (یار و احباب کو) بلایا جن کے اجسام ہم شکل تھے، میں ان تیروں کے ذریعہ یا بچہ دار اونٹنی کے لئے بلاتا ہوں جس کا گوشت تمام ہمسایوں میں تقسیم کیا جائے)

علامہ حضرت قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ازلام کی تین قسمیں بتائی ہیں ان میں سے تیسری قسم بتاتے ہوئے لکھتے ہیں هوالمیسر وہی عشرة۔ سبعة منہما حظوظ و ثلثة اغفال و كانوا یضربون بها مقامرة لہوا و لعبا و کان عقلا نھم

یَقْصِدُونَ بِهَا طَعَامَ الْمَسَاكِينِ وَالْمَعْدُومِ فِي زَمَنِ الشَّتَاءِ وَكَلْبِ الْبَرْدِ وَتُعَدُّ الْمَتَحَرِّفَ - (یعنی میسر دس تیر ہوتے تھے جن میں سے سات پر حصے لکھے ہوتے تھے اور تین تیروں پر کوئی حصہ نہیں لکھا ہوتا تھا۔ لوگ ان تیروں سے جو اٹھیلے تھے اور ان میں جو ذی قتل ہوتے تھے ان کا مقصد اس جوئے سے فقراء و مساکین کو کھانا کھلانا اور ان کی مہمان نوازی کرنا ہوتا تھا)

اس کے بعد لکھتے ہیں وَهُوَ مِنْ أَكْلِ الْمَالِ بِالْبَاطِلِ وَهُوَ حَرَامٌ وَكُلُّ مَقَامَرَةٍ بِحِمَامٍ أَوْ بِنَرْدٍ أَوْ شَطْرَنْجٍ أَوْ بَغِيرِ ذَلِكَ مِنْ هَذَا الْبَابِ فَهُوَ اسْتِقْسَامٌ بِمَا هُوَ فِي مَعْنَى الْأَزْلَامِ حَرَامًا كُلَّهُ

یعنی اس سے مال لے لینا باطل طریقے پر لینا ہے اور حرام ہے۔ خواہ بکرتراڑانے کے ذریعہ ہو، خواہ نرد کے ذریعہ ہو خواہ شطرنج کے ذریعہ ہو خواہ کسی بھی کھیل کے ذریعہ ہو۔ (تفسیر القرطبی ص ۵۹ جلد نمبر ۶)

سورۃ بقرہ میں فرمایا تَسْلَوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا أَثَمٌ كَبِيرٌ وَنَافِعٌ لِلنَّاسِ (وہ آپ سے سوال کرتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں، آپ فرمادیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کیلئے منافع ہیں) سورۃ مائدہ میں فرمایا يٰۤأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ (اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جو اور انصاب اور ازلام سب گندی چیزیں ہیں شیطان کے کام ہیں سو تم اس سے بچ کر رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ)

شراب اور جوئے کے بارے میں تفصیلی احکام ان شاء اللہ العزیز ہم سورۃ مائدہ کی اسی آیت يٰۤأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ (الآیۃ) کے ذیل میں بیان کریں گے۔ یہاں بالا جمال یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جوئے کی جتنی بھی قسمیں ہیں وہ سب حرام ہیں اور ان سے جو مال حاصل کر لیا ہو وہ بھی حرام ہے۔

استقسام بالآزلام کا دوسرا معنی..... استقسام بالازلام کی ایک تفسیر تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی یعنی تیروں کے ذریعہ بطور جو مال تقسیم کرنا، اس تفسیر کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ص ۶۹ ج ۴ ورجح انه بناسب ذکره مع محرمات الطعام۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ تیروں کے ذریعے جو غیب کی خبریں معلوم کرتے تھے اس کی حرمت بیان فرمائی اہل عرب میں اس کا طریقہ یہ تھا کہ تین تیر اپنے پاس رکھتے تھے ان میں سے ایک پر لکھا ہوتا تھا اَمْرُنِي رَبِّي (کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا) اور دوسرے تیر پر لکھا ہوتا تھا نَهَا نِي رَبِّي (میرے رب نے مجھے منع کیا) اور تیسرے تیر پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ ہوتا تھا۔ جب کسی کام کا یا سفر میں جانے کا ارادہ کرتے تھے تو تھیلے میں تیروں کو گھما کر ایک تیر کو نکال لیتے تھے اگر پہلے نمبر کا تیر نکل آیا تو کام کر گزرتے تھے اور سفر میں چلے جاتے تھے اور دوسرا تیر نکل آتا تو اس کام کے کرنے اور سفر کرنے سے رک جاتے تھے اور اگر تیسرا تیر نکل آتا جس پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ ہوتا تھا تو پھر تینوں تیروں کو گھماتے تھے اور برابر گھماتے اور دیکھتے رہتے تھے یہاں تک کہ پہلے دو تیروں میں سے کوئی تیر نکل آئے اور کچھ تیر ایسے تھے جو بل بت کے پاس کعبہ شریف کے اندر رکھ رکھے تھے وہاں کے مجاور کے پاس جاتے تھے اور اس سے کہتے تھے کہ تیروں کو گھمائے اور تھیلے میں سے نکالے اس سے آئندہ کے حوادث اور نوازل معلوم کرتے تھے اور جس کے نسب میں شک ہوتا تھا اس کے نسب کا فیصلہ بھی ان تیروں سے کروا لیتے تھے۔ (تفسیر قرطبی ص ۵۸ ج ۶)

روح المعانی ص ۵۸ ج ۶ میں لکھا ہے کہ اس صورت کو استقسام بالازلام سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ گھر سے باہر جانے اور سفر کے لئے نکلنے میں طلب معاش کا مقصد سامنے ہوتا تھا اور تیروں سے یہ پوچھتے تھے کہ جو رزق میری قسمت میں ہے وہ اس وقت باہر جانے سے

ملے گا یا نہیں وقال القمر طیبی وانما قبل لهذا الفعل استقسام لانهم كانوا يستقسمون الرزق وما يريدون كما يقال الاستسقاء فی الاستدعاء بالسقی ۵۱۔ (علامہ قرطبی فرماتے ہیں اس لئے عمل کو استقسام اس کہا گیا ہے کہ اسی طریقہ سے وہ کھانے کی چیزیں اور دوسرے مقاصد میں تقسیم کرتے تھے جیسے کہ میرابی کی دعا کو استسقاء کہا جاتا ہے)۔

کاہنوں کے پاس جانے کی ممانعت..... عرب میں زمانہ اسلام سے پہلے بت پرستی تو تھی ہی کاہنوں کا بھی بہت زور تھا جو غیب کی خبریں بتاتے تھے (جنہیں منجم کہا جاتا تھا) شریعت اسلامیہ نے سب کو باطل قرار دیا جو بھی کوئی غیب کی خبریں بتائے اس کے پاس جا کر آئندہ کی خبریں پوچھنا حرام ہے اور اس کے بارے میں جو کچھ مال لیا جائے وہ بھی حرام ہے ام المؤمنین حضرت رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص عراف (غیب کی خبریں بتانے والے) کے پاس آیا اور اس سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی کاہن کے پاس آیا (جو غیب کی خبریں بتاتا ہے) اور اس کی بات کو سچا بتایا حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کیا یا اپنی عورت کے پچھلے حصے میں اپنی حاجت پوری کی تو وہ اس چیز سے بیزار ہو گیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ (رواہ احمد و ابوداؤد مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۳)

حضرت قتادہ (تابعی) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین چیزوں کے لئے پیدا فرمایا: آسمان کی زینت بنایا، شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بنایا، راستہ دکھانے کے لئے علامتیں بنائیں جس نے اس کے سوا اور کوئی کام تجویز کیا تو اس نے غلط بات کہی اور اپنا نصیب ضائع کیا اور کسی چیز کو نہیں جانتا خواہ خواہ اس کے جانے کا دعویٰ کیا۔ (رواہ البخاری تعلیقاً)

غیب کی خبریں بتانے کے جتنے بھی طریقے جاری ہیں شرعاً ان پر اعتماد کرنا حرام ہے بخوبی، رمل والے، جفر والے جو خبریں بتاتے ہیں ان کی تصدیق کرنا حرام ہے۔ بعض لوگ چڑیاں پال کر رکھتے ہیں چڑیا کے منہ میں دانے دیدیتے ہیں وہ بہت سے لفاظوں میں سے ایک لفاظہ سمجھی جاتی ہے وہ لفاظہ پڑھ کر سناتے ہیں پوچھنے والا اس کو اپنا حال سمجھتا ہے اور اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں یہ یقین کرتا ہے کہ اس کے مطابق ہو گا یہ بھی حرام ہے۔ اس طرح کے لوگوں کو جو مال لیا دیا جاتا ہے اس کا لینا دینا بھی حرام ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے کی قیمت سے اور زنا کاری کی اجرت سے اور غیب کی خبریں بتانے والے کو جو کچھ بطور منہ میٹھا کرنے کے دیا جاتا ہے اس سے منع فرمایا۔ (رواہ مسلم)

ذَلِكُمْ فِسْقٌ..... پھر فرمایا ذَلِكُمْ فِسْقٌ (یہ جو چیزیں بیان ہوئی ان کو خالق و مالک جل مجدہ نے حرام قرار دیا ہے اس کی خلاف ورزی فسق ہے یعنی فرماں برداری سے باہر نکل جانا ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

محرمات کی تصریح فرما کر اخیر میں تنبیہ فرمادی کہ ان کے ارتکاب کو معمولی نہ سمجھا جائے ان سب میں اللہ تعالیٰ شانہ کی نافرمانی ہے اور بڑی نافرمانی ہے قال صاحب الروح فسق ای ذنب عظیم خروج عن طاعة الله تعالى الى معصيته۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ فسق کا مطلب ہے کہ بڑا گناہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل کر اس کی نافرمانی کی طرف جاتا ہے)۔

### مَا أَهْلٌ بِهِ لِعَبْرِ اللَّهِ مِیں کیا کیا چیزیں داخل ہیں

ہم نے چند صفحات پہلے لکھا ہے کہ اہلال کا معنی یہ ہے کہ ذبح کے وقت کسی کا نام پکارا جائے، اب سمجھنا چاہئے کہ جس جانور کا کھانا حلال ہو اللہ کا نام لے کر اس کو ذبح کیا جائے اور اس کا ذبح کرنے والا مسلم غیر خمر ہو یا کتابی ہو اور اس کے ذبح کرنے سے تقرب الی غیر

اللہ مقصود نہ ہو تو اس کا کھانا حلال ہے اور جو جانور حلال ہو لیکن اس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ حرام ہے خواہ کوئی مدعی اسلام ذبح کرے خواہ کوئی دوسرا شخص ذبح کرنے والا ہو اور خواہ اس پر کسی بت کا نام لیا جائے یا کسی نبی یا ولی یا پیغمبر فقیر کا اور اس کی حرمت نص ریح سے ثابت ہے اور باجماع الامۃ حرام ہے اور یہ جانور منیۃ کے حکم میں ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الی غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے یعنی اس کا خون بھانے سے غیر اللہ سے خوشنودی مقصود ہو اور بوقت ذبح اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے جیسا کہ قبروں پر اس طرح کے ذبیحے ہوتے ہیں اس صورت میں بھی وہ جانور حرام ہیں وہ مذبحہ منیۃ کے حکم میں ہے اس کی حرمت کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ یہ مَـا ذَبَحَ عَلٰی النُّصْبِ کے عموم میں داخل ہو جاتا ہے۔ دوسرے اشتراک علت یعنی تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے ماثل بہ لغیر اللہ کے ساتھ ملحق ہے ورنہ حقارت میں ہے ذبیح لقدم الامیر و نحوہ کو احد من العظام یحرم لا نہ اهل به لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ (رد مختار ص ۱۹۶ ج ۵ برہامش شامی)

قبروں پر جو چیزیں لے جاتے ہیں ان کا حکم ..... اب رہی وہ مٹھائی اور دوسری چیزیں جو لوگ قبروں پر یا تعزیوں پر چڑھاتے ہیں اور اس کی نذریں ماننے ہیں۔ سو یہ مَـا اهل به لغیر اللہ کے مفہوم صریح میں داخل نہیں لیکن چونکہ قبروں پر یہ چیزیں لے جانے والوں کا مقصد صرف فقراء کو بانٹنا نہیں ہوتا بلکہ اول صاحب قبر یا تعزیہ کی خوشنودی کے لئے نذریں ماننے ہیں پھر یہ چیزیں وہاں لے جاتے ہیں اس لئے ان کا لینا اور کھانا مجاوروں اور سجادہ نشینوں کو اور ان کے مہمانوں کو اور ہر مسلمان کے لئے حرام ہے۔ صاحب رد مختار قبیل باب الاعتکاف تحریر فرماتے ہیں،

اعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدرہم والشمع والزیت ونحوها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیہم فهو بالا جماع باطل و حرام مالم یقصد واصرفها للفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذالک ولا سیما فی هذه الاعصار انتھی قال الشامی فی حاشیئہ قولہ مالم یقصدوا الخ ای بان تكون صیغۃ النذر للہ تعالیٰ للتقرب الیہ ویكون ذکر الشیخ مراداً به فقراء کما مر۔ (جان لو کہ اکثر عوام جو مردوں کے لئے نذر ماننے ہیں اور اسی طرح درہم، نیل، تبتیاں وغیرہ جو اولیاء کرام کے مزارات کی طرف ان کے قرب حاصل کرنے کے لئے لے جاتے ہیں وہ بالا جماع باطل اور حرام ہیں جب تک کہ ان کو فقراء لوگوں پر خرچ کرنے کا ارادہ نہ کریں لوگ اس میں مبتلا ہیں خصوصاً آج کے زمانے میں علامہ شامی اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں ان کے قول مالم یقصدوا الخ کا مطلب یہ ہے کہ نذر اللہ تعالیٰ کے لئے اسی کا قرب حاصل کرنے کے لئے ہو اور بزرگ کے ذکر سے مراد وہاں کے فقیر ہوں جیسا کہ گزر چکا)

(صاحب بحر الرائق تحریر فرماتے ہیں وقد قدمنا ان النذر لا یصح بالمعصیۃ للحديث لا نذر فی معصیۃ اللہ تعالیٰ فقال الشیخ قاسم فی شرح الدر واما النذر الذی ینذرہ اکثر العوام علی ما هو مشاہد کان یكون لانسان غائب او مریض اولہ حاجۃ ضروریۃ فیأتی بعض الصلحاء فیجعل سترہ علی رأسہ فیقول یا سیدی فلان ان رد غائبی او عوفی مریضی او قضیت حاجتی فلک من الذهب کذا او من الفضۃ کذا او من الطعام کذا او من الماء کذا او من الشمع کذا او من الذبیت کذا فهذا النذر باطل بالا جماع لو جوہ منها انه نذر للمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز لانه عبادۃ والعبادۃ لا تكون للمخلوق ومنها ان المنذور له میت والمیت لا یملک ومنها انه ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالیٰ واعتقاده ذلک کفر اللہم الا ان قال یا اللہ انی نذرت لک ان شفیت مریضی اور ددت غائبی او قضیت حاجتی ان اطعم الفقراء الذین بیاب الامام الشافعی او الامام الیث او اشتری حصیرا لمساجدہم او زیتا لو قودھا او درہم لمن یقوم بشعائرھا الی غیر ذالک مما یمکن فیہ نفع للفقراء والنذر للہ

عز وجل (الی ان قال) ولا يجوز لخدام الشيخ اخذه ولا اكله ولا التصرف فيه بوجه من الوجوه الا ان يكون فقيرا  
اوله عيال فقراء عاجزون عن الكسب وهم مضطرون فياخذونه على سبيل الصدقة المبتدأة فاخذه ايضا مكروه  
ماله يقصد به النادر التقرب الى الله تعالى و صرفه الى الفقراء و يقطع النظر عن نذر الشيخ فاذا علمت هذا فما  
يؤخذ من الدرهم والشمع والزيت وغيرها وينقل الى ضرائح الا ولياء تقربا اليهم فحرام باجماع المسلمين ماله  
يقصدوا بصرفها للفقراء الاحياء قولاً واحداً

نذر لغیر اللہ حرام اور کفر ہے..... در مختار اور البحر الرائق کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ نذر لغیر اللہ حرام ہے کیونکہ نذر عبادت ہے  
اور عبادت صرف اللہ ہی کیلئے ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اموات کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے اس نذر کی وجہ سے عوام الناس روپیہ پیسہ موم  
بتی تیل وغیرہ جو اولیاء اللہ کی قبروں کے پاس لے جاتے ہیں تاکہ ان کا تقرب حاصل ہو تو یہ بھی بالاجماع باطل ہے اور حرام ہے۔ اس  
طرح جو مٹھائی وغیرہ لے جاتے ہیں تاکہ قبروں پر چڑھائیں اور قبر والوں کا تقرب حاصل کریں یہ مٹھائی بھی حرام ہے۔ اس مٹھائی کا لینا  
اور کھانا اسی طرح سے نقدی اور تیل وغیرہ اور وہ چادریں جو قبروں پر چڑھائی جاتی ہیں ان سب کا لینا اور خرچ کرنا اور کھانا اور کھانا مناسب  
حرام ہیں جس میں قبروں کے خدام سجادہ نشین اور ان کے پاس قیام کرنے والے اور آنے جانے والے مہمان سب مبتلا ہیں ہاں اگر کسی نے  
یوں نذر مانی کہ اسے اللہ امیر افلاں کام ہو جائے تو فلاں بزرگ کے پاس جو فقراء ہوں ان کو اتنے پیسے دوں گا یا فلاں مسجد میں تیل دوں گا  
اور اس نذر کے مطابق کر لیا تو ان چیزوں کا خرچ کرنا اور لینا جائز ہے، لیکن مالداروں کو ان کا لینا اور خرچ کرنا پھر بھی حلال نہ ہوگا..... نذر  
لغیر اللہ کی صورت میں جو چیزیں قبروں پر لے گئے پھر اس سے توبہ کر لی اور اس مال کو فقراء پر خرچ کر دیا تو فقراء کو اس کا لینا جائز ہوگا۔

نذر لغیر اللہ کفر ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے نیز یہ عقیدہ رکھنا کہ اموات اپنی قبر میں تصرف  
کرتے ہیں اور اس تصرف میں مختار ہیں اور بغیر اذن اللہ تصرف کرتے ہیں یہ بھی کفر ہے اور جو جانور غیر اللہ کے تقرب کیلئے ذبح کیا  
جائے اگرچہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے وہ بھی حرام ہے چونکہ اس کے ذبح سے تقرب لغیر اللہ مقصود ہے اس لئے یہ بھی کفر ہے ہاں  
اگر کوئی جانور مہمانوں کے کھلانے کیلئے ذبح کیا جائے اور خون بہانے سے تقرب الی غیر اللہ مقصود نہ ہو تو وہ حلال ہے جیسے ولیمہ اور  
عقیقہ میں ذبح کیا جاتا ہے۔

الْيَوْمَ يَسِّرُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاَحْسِنُوا الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ

آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے سو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے پورا کر دیا تمہارا دین

وَاَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ

اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر اختیار کرنے کے لئے پسند کیا، سو جو کوئی شخص مجبور ہو جائے سخت بھوک

غَيْرِ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمِهِ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

میں جو گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو سو یقیناً اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

کافروں کی ناامیدی اور دین اسلام کا اکمال

یہ بھی آیت بالا کا ایک حصہ ہے منیئہ وغیرہ کی حرمت بیان فرمانے کے بعد بطور جملہ معترضہ ارشاد فرمایا کہ آج کافر تمہارے دین کی

طرف سے ناامید ہو گئے سوان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا اسکے بعد پھر مضمون متعلقہ حیوانات بیان فرمایا اور بھوک کی مجبوری میں ان میں سے کچھ کھانے کی اجازت فرمادی۔

آیت بالا حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کے دن عرفات میں نازل ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی اس وقت عرفات میں موجود تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمانوں کا اتنا بڑا اجتماع کبھی نہیں ہوا یہ ذوالحجہ کا واقعہ ہے۔ حج کا احرام، میدان عرفات جبل رحمت کا قُرب، جمعہ کا دن ایسے متبرک زمان، مکان اور حال میں اس آیت کا نزول ہوا مکہ معظمہ ۸ھ میں فتح ہو چکا تھا اور سارا عرب مسلمان ہو گیا تھا جو لوگ اس انتظار میں تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل مکہ کی مخالفت کا کیا انجام ہوتا ہے اسے دیکھ کر اپنے بارے میں فیصلہ کریں گے یہ لوگ بھی فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے مختلف قبائل جزیرۃ العرب کے اطراف و اکناف سے وفود کی صورت میں آتے رہے اور مسلمان ہوتے رہے۔

یہ وفود اپنے قوموں کے نمائندے بن کر آتے تھے اور پھر اسلام کے نمائندے بن کر جاتے تھے۔ جزیرۃ عرب میں جو اہل شرک اور اہل کفر کی مخالفت تھی وہ ختم ہو گئی۔ یہ جو کافروں نے سمجھ رکھا تھا کہ دین اسلام کو بدادیں گے صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے جس کے لئے انہوں نے جنگیں بھی لڑیں اور بہت سی تدبیریں کیں جزیرۃ العرب سے باہر دوسرے لوگوں سے بھی مدد لینے کا پروگرام بنایا۔ الحمد للہ ان کے ارادے خاک میں مل گئے اور ساری تدبیریں ملیا میٹ ہو گئیں اور اب وہ اس سے ناامید ہو گئے (کہ دین اسلام کو ختم کریں۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا الْيَوْمَ نَيِّسُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ) (کہ آج کافر تمہارے دین کی طرف سے ناامید ہو گئے) اب انہیں یہ خیال نہیں رہا کہ تمہارے دین پر غالب ہوں کیونکہ اللہ کا جو وعدہ تھا کہ دین اسلام کو غالب کرے گا وہ اس نے پورا فرمادیا اور کافروں نے اس کا مشاہدہ کر لیا اب جبکہ اللہ تعالیٰ شانہ نے غلبہ عطا فرمادیا تو کافروں سے جو ظاہری ڈر تھا وہ ختم ہوا اب تو بس ظاہر و باطن اللہ ہی سے ڈرنا ہے اسی کی فرمانبرداری کرو اور اسکی نافرمانی سے بچو، اس کو فرمایا فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ (پس تم ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو)

دین اسلام کا کامل ہونا..... اس کے بعد فرمایا الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین پورا کر دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جو بھی انبیاء رسل تشریف لائے اور جو اللہ تعالیٰ نے کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے ان میں جو احکام نازل ہوتے رہے آج ان سب کی تکمیل کر دی گئی۔ احکام کی بھی تکمیل ہو گئی اور اخلاق کی بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنَّ الدِّينَ لَعَمْرِي لَتَمَامُ مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَكَمَالِ مَحَاسِنِ الْاَفْعَالِ (اللہ نے مجھے برگزیدہ اخلاق اور اچھے افعال کی تکمیل کے لیے بھیجا ہے) (رواہ فی شرح السنۃ کما فی مشکوٰۃ ص ۵۱۴)

اس سے پہلے جو احکام نازل ہوئے ان میں سے بعض منسوخ بھی ہوئے جن کے عوض ان سے بہتر یا انہی جیسے احکام نازل فرمادیئے گئے اب دین کامل ہے کوئی حکم اب منسوخ نہ ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ (نزول احکام) کے اعتبار سے قرآن مجید کی آخری آیت ہے اس کے بعد کوئی آیت احکام کے متعلق نازل نہ ہوئی جو چند آیات اس کے بعد نازل ہوئی وہ ترغیب و ترہیب کے متعلق تھیں اس پر بعض مفسرین نے آیت کالہ سے متعلق اشکال پیش کیا ہے کہ بعض حضرات نے اسے آخری آیت بتایا ہے لیکن اگر اسے آخری آیت بحیثیت احکام کے مان لیا جائے تب بھی اس اعتبار سے اشکال ختم ہو جاتا ہے کہ اس میں نسخ واقع نہیں ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے..... دین اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اجتماعی اور انفرادی



اعمال و احوال سب کے بارے میں احکام موجود ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کیا کیا ہیں عزیز و قریب آپس میں مل کر کس طرح رہیں۔ میاں بیوی و فوٹو مل کر کس طرح زندگی گزاریں، اولاد کی پرورش کن اصول پر اور کس طرح کی جائے، پڑوسی کے ساتھ کیسے برتاؤ ہو۔ مہمان اور میزبان کس طرح ایک دوسرے کا خیال رکھیں دشمنوں سے صلح اور جنگ کیسے ہو، معاہدہ کس طرح ہو، مردوں اور عورتوں کا لباس کیسا ہو، کھانے پینے اور پہننے میں کن امور کی رعایت رکھی جائے۔ بیع و شراء کے احکام، رہن و اجارہ کے احکام اور ان کی تفصیلات، حدود و قصاص جاری کرنے کے احکام، خلیفہ اور امیر کی ذمہ داریاں، عوام الناس کا امراء اور خلفاء کے ساتھ سلوک اور اس طرح سینکڑوں عنوانات کے جوابات شریعت اسلامیہ میں موجود ہیں۔ اسلام صرف عبادت ہی کا مجموعہ نہیں اعتقادات، عبادات، معاملات، اخلاق و آداب یہ سب اسلام میں موجود ہیں اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین ایسا نہیں ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہو، بجز چند تھوڑی رات اور خیالات کے ادیان میں کچھ بھی نہیں۔ اگر اسلام میں کسی آنکھیں بند کرنے والے کو کچھ بھی نظر نہ آئے تو یہ دین کا جامع اور کامل ہونا ہی ایک مصنف مزاج، سمجھ دار انسان کے لیے اسلام کے دین حق ہونے کی دلیل کے طور پر کافی ہے۔

اس اعتبار سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دین بھی کامل تھا کہ اس کو اختیار کرنے پر ان کے اپنے اپنے زمانے میں آخرت کی نجات کا مدار تھا اور اس کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کافی تھا۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لائے وہ تمام انسانوں تمام جہانوں اور آئندہ آنے والے تمام زمانوں کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کا آخری دین ہے اور کوئی دین اس کے بعد آنے والا نہیں جو اس کو منسوخ کر دے اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے احکام پر حاوی ہے دنیا کتنی بھی ترقی کر جائے اور کیسے ہی حوادث و نوازل کا ظہور ہو جائے ان سب کا حکم شرعی موجود ہے اور مدارِ نجات تو بہر حال ہے ہی، ان سب وجوہ سے اس کو کامل فرمایا۔

اتمامِ نعمت..... پھر فرمایا وَأَنصَبْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي (اور پوری کر دی میں نے تم پر اپنی نعمت) صاحب روح المعانی ص ۶۰ ج ۶ میں لکھتے ہیں کہ مخاطبین پر نعمت کا پورا فرمانا اس طرح ہوا کہ ان کے لئے مکہ معظمہ فتح ہوا اور وہ مکہ معظمہ میں امن و امان کے ساتھ غلبہ اسلام کے ساتھ داخل ہوئے اور جاہلیت کی چیزیں ختم کر دی گئیں اور مشرکین کو حج کرنے سے روک دیا گیا۔

اتمامِ نعمت کی تفسیر میں دیگر اقوال بھی لئے مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت پوری فرمادی اور اس کے اسباب مکمل فرمادیئے اور بعض حضرات نے فرمایا تمام نعمت سے اکمال دین ہی مراد ہے (گویا پہلے جملے کا تاکید ہے) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو جو علم و حکمت سے نوازا اور جو اور کسی کو عطا نہیں فرمایا تمام نعمت سے وہ مراد ہے۔ صاحب معالم التزیل اس کی تفسیر کرتے ہوئے بعض حضرات سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وہ وعدہ پورا فرمادیا جو وَلَا يَمُوتُ عَلَيْكُمْ میں فرمایا تھا۔

(ص ۱۱۲ ج ۲)

دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر ہے..... پھر فرمایا وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا) دین اسلام ہی امن و امان اور آخرت کی نجات کا ضامن ہے جس کا دین اسلام نہ ہوگا وہ اصحابِ نار میں سے ہوگا یعنی اس کے لئے ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی ہے۔ اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر نہیں کوئی کیسی ہی عبادتیں اور ریاضتیں کریں تارک دنیا ہو، راہب ہو وہ دوزخ ہی ہوگا اگر دین اسلام قبول کئے بغیر مر گیا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ (قیامت کے دن اعمال آئیں گے) نماز آئے گی وہ کہے گی کہ اے رب! میں نماز ہوں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تو خیر پر ہے پھر صدقہ آئے گا وہ عرض کرے گا اے رب! میں صدقہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تو خیر پر ہے۔ پھر

روزے آئیں گے وہ کہیں گے اے رب! ہم صیام ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو خیر پر ہے پھر فرمایا اعمال اس طرح آتے رہیں گے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا تم خیر پر ہو پھر اسلام آئے گا وہ عرض کرے گا اے رب! آپ سلام ہیں اور میں اسلام ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا تو خیر پر ہے۔ تیری ہی وجہ سے آج مواخذہ کروں گا (جس نے تجھے قبول نہ کیا تھا وہ خیر سے محروم ہوگا اور عذاب میں آجائے گا) اور تیری وجہ سے عطا کروں گا۔ (آج جو انعامات ملنے ہیں تیری وجہ سے ملیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْخِصْبِ مِنَ النَّارِ (اور جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی دین کا طلب گار ہوگا۔ تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔ (رواہ احمد) فی المثنیٰ ص ۴۴۵)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو تین خصوصی انعام عطا فرمائے (۱) اکمال دین، (۲) اتمام نعت، (۳) نعمت اسلام جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور جس کے بغیر کسی کے لئے آخرت میں کسی نعمت کا کوئی حصہ نہیں۔ امت محمدیہ افضل الامم ہے، اس کا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) افضل الانبیاء ہے، اس کے پاس افضل الکتاب ہے، اس کا دین اکمل الادیان ہے، جو رہتی دنیا تک کے لئے ہے اس میں جامعیت ہے اور نسخ تبدیل نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک یہودی نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! تمہاری کتاب میں ایک آیت ہے جسے پڑھتے ہو اگر ہم پر یعنی یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منا لیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ کون سی آیت ہے اس شخص نے کہا وہ آیت یہ ہے الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَانْتَمَسْتُ عَلَيْكُمْ بِعَمَّتِي وَرَضِيتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا ہمیں معلوم ہے وہ دن اور وہ جگہ جس میں یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی آپ عرفات میں وقف کئے ہوئے تھے (اور) جمعہ کا دن تھا۔ (صحیح البخاری ص ۱۱۱ ج ۱)

فتح الباری ص ۱۰۵ ج ۱ میں طبرانی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نزلت یوم جمعة یوم عرفة و کلاهما باللہ لنا عید (کہ یہ آیت جمعہ کے دن عرفہ کے روز نازل ہوئی اور الحمد للہ یہ دونوں ہمارے لئے عید ہیں)

سنن ترمذی میں بھی یہ واقعہ مروی ہے اور اسکے بعد دوسرا واقعہ لکھا ہے اور وہ یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی تو ایک یہودی نے کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منا لیتے جس دن اس کا نزول ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت ایسے دن نازل ہوئی ہے جس دن میں ہمارے لئے دو عیدیں ہیں یہ یوم جمعہ تھا اور یوم عرفہ تھا (قال النسر مذی حدیث حسن)

حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں کوئی نئی عید منانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس دن یہ آیت نازل ہوئی وہ ہمارے لئے پہلے ہی سے عید کا دن تھا۔ ایک نہیں اس دن ہماری دو عیدیں تھیں ان میں سے ایک عید تو ہر ہفتہ ہوتی ہے یعنی جمعہ کے دن اور دوسری عید ہر سال حج کے موقع پر حجاج کرام کو نصیب ہوتی ہے۔ ہماری عید میں لعب و لہو نہیں ہے ہماری عید اللہ کی فرمانبرداری اور اطاعت اور اس کے ذکر کی مشغولیت ہے چنانچہ ہم ہمیشہ وہ عید مناتے ہیں جو ہمارے لئے رب العزت ذوالجلال کی طرف سے مقرر رکھی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست..... جب آیت بالا نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور انہوں نے اس آیت سے یہ سمجھا کہ اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف نہیں رکھیں گے چونکہ جس مقصد کے لئے آپ کو مبعوث فرمایا تھا وہ پورا ہو گیا۔ حقیقت

میں انہوں نے ٹھیک سمجھا اور نزولِ آیت کے اکیاسی دن کے بعد آنحضرت ﷺ کی وفات ہو گئی۔ (من روح المعانی و عالم التزیل)

مجبوری میں حرام چیز کھانا..... آخر میں فرمایا فَمَنْ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرِ مُتَجَانِفٍ لِآثِمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سو جو شخص مجبور ہو جائے سخت بھوک میں جو گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو۔ سو یقیناً اللہ غفور ہے رحیم ہے) اور جو حرام جانوروں کی تفصیل مذکور ہوئی ان کے بارے میں اب یہاں ارشاد ہے کہ جو شخص سخت بھوک سے ایسا مجبور ہو کہ جان پر بن رہی ہو اور اس کے پاس حلال چیزوں میں سے کھانے کے لئے کچھ بھی نہ ہو تو وہ حرام چیزوں میں سے اپنی جان بچانے کے لئے اتنا سا کھالے کہ جس سے جان بچ جائے اور صرف اتنا ہی کھا سکتا ہے جس سے جان بچ جائے۔ مجبوری کو گناہ گاری کا ذریعہ نہ بنائے یعنی اس سے زیادہ نہ کھائے جتنی کہ اس وقت حاجت ہے اس کو یہاں غَيْرِ مُتَجَانِفٍ لِآثِمٍ سے تعبیر فرمایا اور سورۃ بقرہ (۲۱۷) اور سورہ نحل (۱۵۷) میں غَيْرِ بَاغٍ وَلَا عَادٍ (سے) تعبیر فرمایا کہ حد سے آگے بڑھنے والا نہ ہو اور لذت کا طالب نہ ہو۔ مثلاً اگر بھوک سے جان جاری ہو تو شراب اور سور کھالے اور حرام گوشت کھانے کی اجازت کو بہانہ بنا کر جان بچانے والی ضروری مقدار سے زیادہ کھائے گا تو گناہ گار ہوگا۔

آخر میں جو یہ فرمایا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جان بچانے کے لئے جو تھوڑا سا کھانے کی اجازت ہے وہ درجہ معافی میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادے گا یوں کہیں گے کہ اس موقع پر ذرا سا کھانا حلال ہوگا البتہ حرام اپنی جگہ حرام ہی ہے اس کے بارے میں مزید تنبیہ اور توضیح سورۃ بقرہ کی آیت فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرِ بَاغٍ وَلَا عَادٍ کے ذیل میں گزر چکی ہے

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبُ ۚ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ

وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا ہے جو ان کیلئے حلال کیا گیا ہے، آپ فرما دیجئے حلال کی گئیں تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں، اور جن شکاری جانوروں کو تم نے تعلیم دی اس حال

مُكَلِّبِينَ تَعْلَمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فُكُلُوا مِمَّا أَمْسَكَنَّ عَلَيْكُمْ ۖ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۖ

میں کہ تم انہیں کھانے والے ہو، ان کو سکھائے وہ اس طریقہ سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا وہ ان میں سے کھاؤ جو انہوں نے تمہارے لئے رک لیا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لو

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

پاکیزہ چیزوں اور جوارحِ معلّمہ کے شکار کی حلت

اس آیت میں اول تو یہ بتایا کہ تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں۔

پاکیزہ چیزیں اور خبیث چیزیں کیا ہیں؟..... صاحب روح المعانی الطیبات کا مطلب بتاتے ہوئے لکھتے ہیں ای مسالم تستحبہ الطباع السلیمة ولم تنفر عنه (یعنی پاکیزہ چیزیں وہ ہیں جن کو طباہ سلیمہ خبیث نہیں سمجھتیں اور جن سے نفرت نہیں کرتیں) اس کے عموم میں ہر پاکیزہ چیز کا حلال ہونا اور ہر خبیث چیز کا حرام ہونا داخل ہے اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جس کی طبیعت پاکیزہ ہوگی وہی پاکیزہ چیزوں میں رغبت کرے گا اور خبیث چیزوں سے اسے نفرت ہوگی۔ بہت سے ملکوں میں ایسے انسان بستے ہیں جو ہر چیز کو کھا جاتے ہیں خنزیر کھانے والے تو معلوم ہی ہیں عموماً نصرانی لوگ کھاتے ہیں لیکن بندرکتا، سانپ، گرگٹ، چھپکلی اور ہر طرح کے کیڑے مکوڑے کھانے والے لوگ کروڑوں کی تعداد میں مشرقی ایشیا کے ملکوں میں موجود ہیں چونکہ ان لوگوں کے طباہ سلیمہ اور طیبہ نہیں

ہیں اس لئے ان کی طبعی رغبت اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ جو کچھ کھاتے ہیں وہ طیب ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات سے محروم ہونے کی وجہ سے کفر میں بھی غرق ہیں اور ان کی روحوں پر تہہ بہ تہہ ظلمت اور گندگی چڑھ گئی ہے اس لئے ہر جانور کھانے کے لئے تیار ہیں۔

طیبات کی تخصیص سے تمام ناپاکیوں اور غلاظتوں کے کھانے کی حرمت بھی معلوم ہوگئی۔ حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کھانا بھی حرام ہیں کیونکہ طبائع سلیمہ کے نزدیک یہ طیبات سے خارج ہیں۔ پاکیزہ طبیعتیں ان سے نفرت کرتی ہیں۔

حلال اور حرام کی تفصیل..... حلال جانوروں کی تفصیل تو عموماً سب ہی کو معلوم ہے گائے، بیل، بھینس، بکرا، بکری، بھیڑ، بھیرا، دنبہ، دنبی۔ پالتوں جانوروں میں اور ہرن، نیل، گائے، خرگوش، جنگلی جانوروں میں حلال ہیں اور پرندوں میں کبوتر، فاختہ، مرغی، بلبل، مور، تیتھر، تیر، مرغابی، چڑیا، طوطا، مینا بھی حلال ہیں اور جو شکار کر کے کھاتا ہونا گلوں والا ہو یا پروں والا اس کا کھانا بھی حرام ہے۔

غذا کھانے والے کے اخلاق پر غذا کا اثر پڑتا ہے، پھاڑ چیر کر کھانے والے جانوروں کو کھایا جائے تو انسان میں بھی اسی طرح کے اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں اس لئے ان کے کھانے سے منع فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایسے جانور کے کھانے سے منع فرمایا جو اپنے دانتوں سے چیر پھاڑ کر کھاتا ہے (جیسے شیر، بھڑیا، چیتا، بلی، کتا وغیرہ) اور ہر ایسے پرندے کے کھانے سے منع فرمایا جو پنچے والا ہو یعنی پنچے سے دوسرے جانور کو شکار کر کے کھاتا ہو۔ (رواہ مسلم) گدھ، خیل مردار کھاتے ہیں وہ بھی حرام ہیں اور شکر، باز جو دوسرے پرندوں کو شکار کر کے کھاتے ہیں وہ بھی حرام ہیں۔ حضرت خزیمہ بن جزیہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بگو کے کھانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا بگو کبھی کوئی کھائے گا اور آپ سے بھیڑیے کے بارے میں معلوم کیا تو آپ نے فرمایا کیا بھیڑیے ایسا شخص کھائے گا جس میں کوئی خیر ہو؟ یہ سن کر ترمذی کی روایت ہے (اوائل کتاب الاطعمہ) اور سنن ابن ماجہ میں بھی ہے لیکن اس میں بگو کی جگہ لومڑی کا ذکر ہے۔ (ابواب الصيد) سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنے والوں نے فَنَقَذَ (یعنی سیہ) کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا خبیثۃ من الخبائث کہ یہ خبیث چیزوں میں سے ایک خبیث ہے خیر کی جنگ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے کھانے سے بھی منع فرمادیا۔ (بخاری و مسلم) اور چونکہ خچر گھوڑے اور گدھے کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے اس لئے اس کا کھانا بھی حرام ہے۔

علامہ دیرمی کتاب الحیوان ص ۲۴۶ ج ۲ میں علامہ ابن عبد البر سے نقل کرتے ہیں کہ میرے علم میں علماء مسلمین کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ بندر کا گوشت نہ کھایا جائے اور کتا اور ہاتھی اور دوسرے نوکیلے دانتوں والے جانور سب کا ایک ہی حکم ہے (یعنی ان کا کھانا حلال نہیں) پھر لکھتے ہیں کہ بندر اور اس جیسی چیزوں کے کھانے کی حرمت کے لئے مستقل نبی کی ضرورت نہیں کیونکہ ذاتی طور پر وہ ایسی چیز ہے جس سے طبیعتیں بچتی ہیں۔ پھر حضرت شعی (تابعی) سے ایک حدیث مرسل نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بندر کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

شکاری جانوروں کے احکام..... اس کے بعد شکار کا ذکر فرمایا جو شکاری جانوروں کے ذریعہ کیا جائے۔ عام طور سے کتوں کو سکھانے اور سدھانے کا رواج ہے ان کے ذریعہ شکار کیا جائے تو شرائط کے ساتھ اس کا کھانا بھی حلال ہے۔ جانور کا سدھانا یہ ہے کہ اس کو اس بات کی تربیت دی جائے کہ جب اسے شکار پر چھوڑا جائے تو وہ اسے پکڑ کر لے آئے یا قتل کر دے لیکن اس میں سے خود نہ کھائے اگر کسی جانور کو سدھایا اور تربیت دی اور اس نے تین مرتبہ ایسا کیا اور شکار کو مارا اور اس میں سے نہ کھایا تو یہ جانور تربیت یافتہ کہلائے گا۔ اگر بسم

اللہ اکبر پڑھ کر اس کو کسی ایسے جانور پر چھوڑا جس کا کھانا حلال ہے اور وہ اس جانور کو زندہ پکڑ کر لے آیا تو شکاری آدمی بسم اللہ پڑھ کر اپنے اختیار سے خود ذبح کرے تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر شکاری جانور نے اسکو زخمی کر دیا پھر وہ مر گیا تو وہ بھی حلال ہے۔ ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، کتے کو جو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا تھا اس کے زخمی کرنے کے بعد مر جانے ہی سے اس جانور کا کھانا حلال ہو گیا۔ اگر جانور تر بیت یافتہ نہ ہو یا اسے بسم اللہ پڑھکر نہ چھوڑا جائے اور وہ زخمی کر دے جس سے وہ جانور مر جائے تو اس کا کھانا حلال نہیں۔ ہاں اگر کسی جانور کو کتے یا شیر نے پکڑ لیا اور وہ ابھی زندہ ہے تو اس کو ذبح کر کے کھا لینا جائز ہے اس کا ذکر وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْنَا کے ذیل میں آچکا ہے اگر سدھائے ہوئے شکاری کتے کو کسی جانور پر چھوڑا اور اس نے اسے کا گھونٹ کر مار دیا اور کسی جگہ سے زخمی نہ کیا تو اس جانور کا کھانا حلال نہیں اگرچہ شکاری کتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا تھا۔ آیت شریفہ میں شکاری جانور کو سدھانے اور تعلیم دینے کی شرط وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ سے معلوم ہوئی اور یہ شرط کہ شکاری کتا اس میں سے نہ کھائے بِمَا أَفْسَحَتْ عَلَيْهِ عَلِيم سے معلوم ہوئی اور بسم اللہ کی شرط وَادْكُرُوا اللَّهَ عَالِمَهُ سے معلوم ہوئی اور زخمی کرنے کی شرط لفظ الجوارح سے مفہوم ہوئی۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تو اپنے کتے کو چھوڑے تو اللہ کا نام لے پھر وہ اگر شکار کو پکڑ لے اور تو اسے زندہ پالے تو ذبح کر لینا اور اگر تو نے اسے اس حال میں پایا کہ وہ اسے قتل کر چکا ہے اور اس میں سے اس نے نہیں کھایا تو اس کو کھا لینا اور اگر کتے نے اس میں سے کھا لیا تو اس میں سے نہ کھانا کیونکہ اس نے وہ اپنے لئے روک کر رکھا ہے (جس سے معلوم ہوا کہ وہ کتا مُعَلِّم نہیں ہے) اور اگر تو اپنے کتے کے ساتھ کسی دوسرے کتے کو پالے اور جس جانور پر حملہ کیا ہے وہ مقتول ہو چکا ہے تو اس میں سے مت کھانا کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ دونوں کتوں میں سے کس نے قتل کیا۔ (رواہ مسلم ص ۱۳۶ ج ۲)

شکاری جانوروں کا سدھانا اور تعلیم دینا جو اوپر بتایا گیا (کہ وہ شکار کو پکڑ لیں اور خود نہ کھائیں) یہ ان جانوروں سے متعلق ہے جو چوپائے ہیں کتا، شیر، چیتا وغیرہ۔

شکاری پرندہ کی تعلیم..... لیکن اگر کسی شکاری پرندہ کو سدھایا جائے تو اس کا تعلیم دینا اور سدھانا یہ ہے کہ جب اسے شکار پر چھوڑنے کے بعد بلایا جائے تو وہ آجائے جب تین مرتبہ ایسا ہو جائے تو اس کو مُعَلِّم (یعنی تعلیم دیا ہوا) مانا جائے گا اور پھر اس کے شکار کا وہی حکم ہے جو شکاری کتے کے شکار کا حکم ہے۔ یعنی سدھائے ہوئے شکاری پرندہ باز، شکرہ وغیرہ کو اگر بسم اللہ پڑھ کر کسی جانور پر چھوڑا پھر وہ زندہ پکڑ کر لے آیا تو ذبح کر دینے سے حلال ہو جائے گا اور اگر اس نے زخمی کر دیا جس سے وہ مر گیا وہ بھی حلال ہو گیا اور اگر زخمی نہ کیا۔ بغیر زخم سے مار دیا تو وہ جانور حلال نہ ہوگا۔ البتہ کتے اور باز میں یہ فرق ہے کہ کتے نے اگر اس میں سے کھا لیا تو اس کا کھانا حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ اس صورت میں مُعَلِّم نہ رہا اور اگر باز نے کھا لیا تو وہ تب بھی حلال رہے گا کیونکہ شکار میں سے نہ کھانا پرندہ کی تعلیم میں مشروط نہیں، اس کی تعلیم یہ ہے کہ اس کو بلایا جائے تو آجائے۔

پرندہ کے شکار سے متعلق احکام..... اگر بسم اللہ پڑھ کر کسی حلال جانور کو تیر مارا اور اسے زندہ پالیا تو اس کے حلال ہونے کے لئے ذبح اختیاری ضروری ہے اور اگر تیر مارنے سے وہ جانور زخمی ہو گیا تھا اور زخمی ہو کر مر گیا تو اس کا کھانا بغیر ذبح کے حلال ہے۔ مسئلہ..... اگر کسی پرندہ کو بسم اللہ پڑھ کر تیر مارا پھر وہ پانی میں گر گیا یا کسی مکان کی چھت پر گر پڑا پھر وہاں سے تڑپ کر زمین پر گر کر مر گیا تو اس کا کھانا حرام ہے کیونکہ مُتَرَدِّیۃ کے حکم میں ہے۔

مسئلہ..... شکار حلال ہونے کی جو صورتیں بیان ہوئی ہیں اس میں یہ شرط ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر شکاری جانور یا شکاری پرندہ شکار پر

چھوڑا ہو یا بسم اللہ پڑھ کر تیر پھینکا ہو۔ لیکن اگر بسم اللہ پڑھنا بھول گیا ہو تب بھی شرائط مذکورہ کے ساتھ اس کا کھانا حلال ہے۔

مسئلہ..... ان مسائل میں جو مسلمان کے شکار کا حکم ہے وہی کتابی یعنی یہودی و نصرانی کے شکار کا حکم ہے۔

مسئلہ..... بت پرست، آتش پرست مرتد اور ہر وہ کافر جو یہودی یا نصرانی نہیں ہے ان کا شکار کیا ہوا جانور حرام ہے اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر شکار کیا ہو۔

مسئلہ..... جن جانوروں کا کھانا حلال نہیں ان کا شکار کرنا جائز ہے ان کی کھال و باغٹ کر کے کام میں لائی جاسکتی ہے۔

آخر میں فرمایا **وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْحِسَابِ** (کہ اللہ سے ڈرو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے) جیسے دیگر آیات میں احکام بیان فرمانے کے بعد اللہ سے ڈرنے اور آخرت کا فکر مند ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے یہاں بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو جانور اصول شریعت کے مطابق حلال نہ ہو اسے نہ کھائیں اور شکار کرنے میں جو انہماک ہو جاتا ہے جس سے نماز تک چلی جاتی ہے اور حقوق العباد تلف ہو جاتے ہیں، شکار کا ایسا کھیل نہ کھیلیں، جو لوگ شکاری ہیں وہ جانتے ہیں کہ عموماً شکاری حدود شرعیہ کے پابند نہیں رہتے شکار کے پیچھے لگے تو سب کچھ بھول گئے۔

سنن ابو داؤد (باب فی اتباع الصيد) میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دیہات میں رہا وہ سخت دل ہو گیا، اور جو شخص بادشاہ کے پاس گیا وہ فتنہ میں پڑا اور جو شخص شکار کے پیچھے لگا وہ غافل ہوا۔ (صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

**الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُفْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ ۖ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ ۚ**

آج تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں، اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے،

**وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُفْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا**

اور پاکدامن عورتیں جو مسلمان ہیں اور وہ پاکدامن عورتیں جو ان لوگوں میں سے ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تمہارے لئے حلال ہیں۔ جب کہ تم

**أَتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورُهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ**

ان کو ان کے مہر سے وہ اس طریقہ پر کہ تم پاکدامنی اختیار کرنے والے ہو، خفیہ طریقے پر دوستی کرنے والے نہ ہو۔ اور جو کوئی شخص ایمان کا انکار کر دے

**فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ۝**

تو اس کے اعمال اکارت ہو گئے، اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں ہو گا۔

### اہل کتاب کا کھانا حلال ہے

اس آیت میں چند احکام بیان فرمائے ہیں۔ اول تو پاکیزہ چیزوں کے حلال کئے جانے کا دوبارہ تذکرہ فرمایا اور لفظ **الْيَوْمَ** کا اضافہ فرمادیا۔ مطلب یہ ہے کہ طہیات جو پہلے حلال تھیں اب بھی حلال ہیں ان میں کوئی نسخ واقع نہیں ہوا، پھر فرمایا کہ تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے، جن لوگوں کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی تو ان سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اور ان کے کھانے کی چیزوں سے ان کا ذبیحہ مراد ہے یہود و نصاریٰ اگر بسم اللہ پڑھ کر کسی ایسے جانور کو ذبح کریں جس کا کھانا اسلام میں حلال ہے اور پھر

اس گوشت میں سے مسلمانوں کو کھلائیں تو مسلمانوں کو اس میں سے کھانا حلال ہے۔ آیت شریفہ میں جو طعم الذین اوتوا الكتاب حل لکم فرمایا ہے اس سے یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ مراد ہے مطلق کھانا مراد نہیں کیونکہ روٹی سبزی پھل چاول اور دوسری چیزیں ہر کافر شرک کی دی ہوئی اور نیچی ہوئی حلال ہیں اس میں اہل کتاب کی کوئی خصوصیت نہیں، اہل کتاب کا ذبیحہ اسی لئے حلال قرار دیا کہ مسلمانوں کی طرح ان کے نزدیک بھی اس جانور کا کھانا حلال نہیں ہے جو ذبح نہ کیا گیا ہو اور جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اگر اہل کتاب قصد اوارادۃ کسی جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھیں تو اس کا کھانا مسلمان کیلئے حلال نہیں ہے، سورۃ انعام میں فرمایا وَلَا تَسْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَانَّهُ لَفُسْقٌ (اور ان جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ بڑا گناہ ہے)

اس آیت کے عموم سے ہر اس جانور کے کھانے کی حرمت معلوم ہوگئی جس کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ ذبح کرنے والا مسلم ہو یا کتابی ہاں! اگر مسلم یا کتابی ذبح کرتے وقت بھول کر بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے تو اس جانور کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس جانور کا کھانا حلال ہو، مسلم اور یہودی اور نصرانی کے علاوہ کسی کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے اگرچہ وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔

مصنف عبدالرزاق (ص ۲۸۱ ج ۴) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد نقل کیا ہے ان فی المسلم اسم اللہ فان ذبح ونسی اسم اللہ فلیاکل وان ذبح المجرسی و ذکر اسم اللہ فلا تأکله، (مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے اس لئے اگر مسلمان نے ذبح کیا اور اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول گیا تو وہ کھائے اور کوئی مجوسی اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرے تو اسے نہ کھائے) اس میں صاف بتا دیا کہ مجوسی اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تب بھی اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ مجوسی (آتش پرست) اور بت پرست بدھ مت وغیرہ کا ذبیحہ حلال نہیں کیونکہ یہ لوگ کتابی نہیں ہیں بلکہ یہودیوں اور نصرانیوں کے بارے میں بھی غور کر لینا چاہئے جو یہودی نصرانی اپنے اس دین پر ہیں جو ان کا دین نزول قرآن کے وقت تھا ان کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ اللہ کا نام لے کر ذبح کریں لیکن جو لوگ محض مردم شاری کے لحاظ سے یہودی اور نصرانی کہلاتے ہیں لیکن کسی مذہب کے قائل نہیں نہ خدا تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں نہ تورات، انجیل کو خدا تعالیٰ کی کتابیں مانتے ہیں ان کا ذبیحہ حلال نہیں اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کریں یا اسی لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نصاریٰ بنی تغلب کے بارے میں فرمایا لا تأکلوا من ذبائح نصاریٰ بنی تغلب فانہم لم يتمسکوا من النصرانیۃ بشیء الا شربہم الخمر (تفسیر قرطبی ص ۸۷ ج ۶) یعنی بنی تغلب کے نصاریٰ کا ذبیحہ نہ کھاؤ۔ کیونکہ انہوں نے دین نصرانیت میں سے شراب پینے کے سوا کسی چیز نہیں پکڑا)

مسئلہ..... مرتد (جو اسلام چھوڑ کر کسی دوسرے دین میں داخل ہو جائے) اس کا ذبیحہ حلال نہیں اگرچہ نصرانی یا یہودی ہو گیا ہو۔

مسئلہ..... جو لوگ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی مانتے ہیں ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔

مسئلہ..... جو لوگ نام کے مسلمان ہیں عقیدۂ ملحد اور زندقہ میں ضروریات دین کے منکر ہیں یا دین کی کسی چیز کا مذاق اڑاتے ہیں قرآن کی کسی آیت میں تحریف کرتے ہیں یا تحریف کے قائل ہیں یہ لوگ بھی کافر ہیں ان میں سے کسی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

جس جانور پر ذبح کرتے وقت قصد اسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس کا کھانا حلال نہیں..... یہود و نصاریٰ اگر قصد اوارادۃ اللہ کا نام ذکر کئے بغیر جانور ذبح کر دیں تو اس جانور کا کھانا مسلمان کے لیے حلال نہیں جیسا کہ مسلمان کے اس ذبیحہ کا بھی یہی حکم ہے جس کے ذبح کرتے وقت قصد اسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا ہو اور اگر غیر اللہ کا نام ذکر کر کے کسی جانور کو ذبح کیا جائے تو اس کا کھانا بھی حلال نہیں۔

نئے مجتہدین کی گمراہی..... بعض لوگوں نے جو آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ خود جو کچھ کھاتے ہوں اس سب

کا کھانا مسلمانوں کے لئے حلال ہے خواہ انہوں نے ذبح کیا ہو یا بلا ذبح کے مار دیا ہو خواہ بسم اللہ پڑھی ہو خواہ نہ پڑھی ہو۔ یہ ان مجتہدین کی گمراہی ہے یورپ، امریکہ، آسٹریلیا وغیرہ میں ایسے گوشت ملتے ہیں جن کے بارے میں یقین ہوتا ہے کہ ان پر نصرانیوں نے ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہیں پڑھی پھر بھی وہاں کے رہنے والے یہ کہہ کر کھا جاتے ہیں کہ یہ نصرانیوں کا کھانا ہے اس لیے ہمارے لیے حلال ہے یہ ان کی جہالت اور ضلالت ہے یہ ان لوگوں کی بڑی نہجی ہے کہ مینہ، مو قوذہ، نطیحہ، متر دیہ اس صورت میں مسلمان کے لیے حرام ہو جب اس کے گھر میں مر جائے اور نصرانی یا یہودی کے ہاتھ سے مر جائے تو حلال ہے اللہ تعالیٰ جاہل مفتیوں سے امت کو محفوظ رکھے۔ اگر اہل کتاب کا ہر کھانا بغیر کسی شرٹ یا بغیر کسی قید حلال مان لیا جائے تو خنزیر اور ہر وہ چیز حلال ہو جائے گی جو وہ کھاتے ہیں العیاذ باللہ! یہ جو فرمایا و طعمائکم حل لکم اس کا مطلب یہ ہے کہ مؤمنین اگر اپنا کھانا اہل کتاب کو کھلائیں تو یہ درست ہے ان کو اپنا کھانا کھلا سکتے ہیں۔

پاکدامن مومنات سے اور کتابی عورتوں سے نکاح کرنا..... اس کے بعد فرمایا وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ یعنی پاکدامن مومن عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں ان سے نکاح کرنا درست ہے اس کے بعد فرمایا وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ یعنی تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان میں جو پاکدامن عورتیں ہیں وہ بھی تمہارے لئے حلال ہیں ان سے بھی نکاح کر سکتے ہو۔ معلوم ہوا کہ مسلمان کو پاکدامن یہودی یا نصرانی عورت سے نکاح کرنے کی بھی اجازت ہے اجازت تو ہے لیکن۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کتابی عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت ہی میں اس سے روک دیا تھا۔ امام محمد بن الحسن نے کتاب الآثار میں لکھا ہے کہ حضرت حذیفہ نے مدائن میں ایک یہودی عورت سے نکاح کر لیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو انہوں نے خط لکھا کہ اس کو چھوڑ دو۔ حضرت حذیفہ کو خط ملا تو انہوں نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ اے امیر المؤمنین کیا یہودیہ سے نکاح کرنا حرام ہے حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں تمہیں مضبوطی کے ساتھ پختہ طور پر حکم دیتا ہوں کہ میرا خط پڑھ کر اس وقت تک نیچے نہ رکھنا جب تک کہ تم اس عورت کو چھوڑ نہ دو کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ دوسرے مسلمان بھی تمہاری اقتداء کر لیں گے اور اس طرح سے ذمی عورتوں سے نکاح کرنے کو ترجیح دیں گے کیونکہ ان میں حسن و جمال ہے اور مسلمان عورتوں کو چھوڑ دیں گے اور یہ مسلمان عورتوں کے لئے ایک بہت بڑا فتنہ ہوگا۔ روایت ختم کرنے کے بعد امام محمدؒ لکھتے ہیں

وبہ نأخذ لانراہ حراما ولکننا نری ان یختار علیہن نساء المسلمین وهو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا ہمارا بھی وہی مذہب ہے ہم اس کو حرام تو نہیں قرار دیتے لیکن اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ مسلمان عورتوں سے نکاح کیا جائے اور انہیں یہودی اور نصرانی عورتوں پر ترجیح دی جائے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا بھی یہی قول ہے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو ارشاد فرمایا کہ یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح کرنے کا سلسلہ جاری ہو جائے تو چونکہ ان میں حسن و جمال نظر آتا ہے (اگرچہ حسین و جمیل نہ ہوں) اس لئے عموماً لوگ انہی کی طرف مائل ہوں گے اور مسلمان عورتوں کو چھوڑ دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سی مسلمان لڑکیاں بے بیاہی رہ جائیں گی ان کا یہ اندیشہ بالکل صحیح تھا آج امریکہ، یورپ اور آسٹریلیا وغیرہ میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔

احقر سے ایک امام صاحب کی ملاقات ہوئی جو کینیڈا میں امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں (انہوں نے فرمایا کہ مسلمان لڑکے میرے پاس نکاح پڑھوانے کے لیے آتے ہیں اور سو میں سے تقریباً نوے نکاح ایسے ہوتے ہیں کہ نصرانی لڑکیوں ہی کو نکاح پڑھوانے



کے لیے آتے ہیں اور مسلمان لڑکیوں کی طرف توجہ نہیں کرتے اور اس سے بڑھ کر آجکل ایک بڑا فتنہ اور بے اور وہ یہ ہے کہ نصاریٰ اپنے مذہب کو پھیلانے کے لیے جو طریقے سوچتے رہتے ہیں ان میں جہاں مال تقسیم کرنا ہے اور ہسپتال بنانا ہے اور اسکول اور کالج کھولنا ہے وہاں ان کے مشن میں یہ بھی ہے کہ مسلمان لڑکوں کو لڑکیاں پیش کرتے ہیں۔ مسلمان لڑکے یہ کہہ کر کہ ہمارے مذہب میں یہود و نصاریٰ سے نکاح جائز ہے ان سے نکاح کر لیتے ہیں یہ لڑکیاں چونکہ سکھائی پڑھائی ہوتی ہیں اور نکاح کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ شوہر کو اور پیدا ہونے والی اولاد کو نصرانیت پر ڈال دے اس لئے وہ برابر اپنا کام کرتی رہتی ہیں اور شوہر اور اولاد کو نصرانی بنا کر چھوڑتی ہیں ان حالات کے اعتبار سے بھی ضروری ہے کہ مسلمان اپنے نکاح کے لیے مسلمان عورتیں تلاش کریں اور ان کو ترجیح دیں۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی حلال کی ہوئی چیز سے کیوں منع کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے حلال کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ امت کی مصلحت کے پیش نظر منع فرمایا ہے وہ خلفاء راشدین میں سے تھے جن کی اقتداء کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا۔

پھر فرمایا اِذَا تَقَسَّمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ (یعنی پاک دامن عورتیں اور پاک دامن کتابی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں جبکہ تم ان کے مہر ان کو دیدو) معلوم ہوا کہ کتابی عورتوں سے نکاح کیا جائے تو ان کے بھی مہر مقرر کئے جائیں اور ادا بھی کئے جائیں۔ اس بات کو یہاں ذکر کرنے کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ جو یہود و نصاریٰ ذمی ہیں یعنی مسلمانوں کی عمل داری میں رہتے ہیں اگر ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے تو ان کے مہر ادا کرنے کی بھی فکر کی جائے ہو سکتا ہے کہ وہ دباؤ میں رہنے کی وجہ سے مہر طلب نہ کریں اس لیے مقررہ مہر کی ادائیگی کی خود فکر کرو۔

پھر فرمایا غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِيْ اَحْذَانٍ (یعنی تم نکاح کر کے پاک دامن اختیار کرو نہ کھلم کھلا زنا کرنے والے نہ خفیہ طریقے پر دوستی کرنے والے نہ مطلب یہ ہے کہ اپنی نفسانی خواہش کو غیر شرعی طریقہ پر پورا نہ کرو۔ نہ کھلے ہوئے زانی بنو اور نہ چھپ چھپا کر عورتوں سے دوستی اور آشنائی پیدا کرو۔ کتابی عورتوں سے نکاح کرنے کا جواز بتانے کے بعد خاص طور سے اس بات کا ذکر فرمادینا کہ اعلانیہ یا خفیہ زنا نہ کرو اس بات پر تنبیہ ہے کہ ذمی عورتیں خفیہ آشنائی کی راہیں نکال سکتی ہیں تم ہر طرح کے زنا سے بچو اعلانیہ بھی زنا نہ کرو اور خفیہ بھی۔ اللہ جل شانہ علام الغیوب ہے اسے ہمیشہ سے سب کچھ معلوم ہے آئندہ کیا کچھ ہونے والا ہے اسے اس کا بھی علم ہے۔

دور حاضر میں یورپ اور امریکہ وغیرہ میں جو مردوں اور عورتوں میں دوستی کا سلسلہ چلا ہوا ہے کہ آپس میں فرینڈز بن جاتے ہیں اور برسوں نیچر ملاتے رہتے ہیں حرام کی اولاد پیدا ہوتی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ شانہ نے پہلے سے اس کی پیش بندی فرمادی کہ پاک دامن کتابی عورتوں سے نکاح تو کر سکتے ہیں لیکن اعلانیہ زنا یا خفیہ دوستی سے باز رہیں خود بھی پاک دامن رہیں اور بیویاں بھی پاک دامن تلاش کریں۔

مرتد کے اعمال اکارت ہو جاتے ہیں..... آخر میں فرمایا وَمَنْ يُّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (اور جو شخص ایمان کا انکار کر دے تو اس کا عمل اکارت ہو گیا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا) آخرت کی بربادی ظاہر ہے کیونکہ مرتد ہو یا اصلی کافر اس کے لئے آخرت میں نجات نہیں ہے، دائمی عذاب ہے جس کی تفصیلات جگہ جگہ قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

مرتد کے احکام سورہ بقرہ کی آیت وَمَنْ يُّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ ط (الآیۃ) کے ذیل میں بیان کر دیئے گئے ہیں وہاں مراجعت کر لی جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ

اے ایمان والو! جب تم نماز کی طرف اٹھو تو اپنے منہوں کو اپنے ہاتھ کی کہنوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کر لو اور دھو لو

وَأَمْسِكُوا بُرُءُ وُسُكُمُ وَارْجِعْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ

اور اپنے پیروں کو کھنوں تک ، اور اگر حالت جنابت میں ہو تو انھی طرح سے پاک ہو جاؤ اور اگر تم مریض ہو

أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُم مِّنَ الْغَايِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا

یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضاے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے قربت کی ہو پھر تم پانی کو نہ پاؤ تو ارادہ کر لو

صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ

پاک مٹی کا سو اس سے اپنے چہروں کا اور اپنے ہاتھوں کا مسح کر لو اللہ ارادہ نہیں فرماتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے

وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَإِذْ كُرُوا نِعْمَةً اللَّهُ عَلَيْكُمْ

لیکن وہ ارادہ فرماتا ہے تاکہ تم کو پاک کرے اور تاکہ تم پر اپنی نعمت پوری کرے تاکہ تم شکر کرو اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے

وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ

اور اس پختہ عہد کو یاد کرو جو تم نے اللہ سے مضبوطی کے ساتھ کیا ہے جبکہ تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور مانا ، اور اللہ سے ڈرو

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ

بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے ان باتوں کو جو سینوں میں ہیں۔

**وضو اور غسل کا حکم اور تیمم کی مشروعیت**

ان آیات میں وضو کا حکم اور اس کا طریقہ بیان فرمایا ہے، اول تو وضو کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنوں تک دھو لیا کرو اور سروں کا مسح کر لو اور پاؤں کو کھنوں تک دھو لیا کرو۔

اِذَا قُمْتُمْ کا مطلب ..... چونکہ عام طور سے بیٹھے ہوئے اور کام کاج میں لگے ہوئے با وضو نہیں رہتے اس لئے یہ فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو منہ اور ہاتھ اور پاؤں دھونے اور سر کے مسح کرنے کا عمل کر لیا کرو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے سے وضو ہو تب بھی وضو کرو۔ غالب احوال کے پیش نظر یوں فرمایا ہے کہ جب نماز کی طرف کھڑے ہو تو یہ عمل کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر ایک وضو سے چار نمازیں پڑھی تھیں۔ حضرت زید بن اسلمؓ نے فرمایا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب نیند سے اٹھ کر نماز کے لئے کھڑے ہو تو وضو کر لیا کرو کیونکہ اس وقت تو بالیقین بے وضو ہی ہوتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس خطاب کا مطلب یہ ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو وضو کر لیا کرو اگر پہلے سے وضو ہے تب بھی وضو کر لینا افضل ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے وضو پر وضو کیا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

فتنباء نے لکھا ہے کہ پہلے وضو سے کوئی نماز پڑھ لے گا یا ایسا کوئی عمل کر لے گا جو بلا وضو جائز نہیں تب یہ فضیلت حاصل ہوگی، یہ مطلب نہیں ہے کہ وضو پر وضو کرتا رہے اور ان اعمال میں سے کوئی عمل نہ کرے جو با وضو ادا کئے جاتے ہیں۔

وضو کا طریقہ..... آیت شریفہ میں وضو کا طریقہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اپنے چہرے کو دھو لو۔ چہرہ کی لمبائی پیشانی کے بالوں سے لیکر ٹھوڑی کے نیچے تک ہے اور چوڑائی ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک ہے۔ اگر ڈاڑھی ملکی ہو تو اس کے نیچے پانی پہنچانا کھال کا دھونا ضروری ہے اور اگر گھنی ڈاڑھی ہو جس میں اندر کی کھال نظر نہ آ رہی ہو تو ڈاڑھی کا اوپر سے دھو دینا کافی ہے۔ بہت سے لوگ ایسا وضو کرتے ہیں کہ کانوں اور رخساروں کے درمیان جگہ سوکھی رہ جاتی ہے ان لوگوں کا وضو نہیں ہوتا۔

بے وضو ہونے کو حدیث اصغر اور غسل فرض ہونے کو حدیث اکبر کہا جاتا ہے دونوں حالتوں میں نماز پڑھنا ممنوع ہے اگر کوئی شخص حدیث اکبر یا حدیث اصغر کی حالت ہوتے ہوئے نماز پڑھ لے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی دوبارہ نماز پڑھنا لازم ہوگی۔ ساری امت کا اس پر اجماع ہے۔ خوب احتیاط کے ساتھ اعضائے وضو پر ہر جگہ پانی پہنچانے کا فکر کرنا لازم ہے۔

چہرے کی حد تو اوپر بیان ہوئی اور ہاتھوں کو انگلیوں سے لیکر کہنیوں سمیت اور پاؤں کو انگلیوں سے لے کر ٹخنوں سمیت دھونا فرض ہے۔ ذرا سی جگہ بھی پانی نہ پہنچے بغیر رہ جائے گی تو وضو نہ ہوگا پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے، آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً پورے سر کا مسح فرماتے تھے، حدیث شریف میں ہے: فاقبل بهما وادبر. بدء بمقدم رأسه حتى ذهب بهما الى فقاہ ثم ردهما حتى رجع الى المكان الذي بدأ منه ثم غسل رجليه (پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھوں کو آگے لے آئے پھر پیچھے لے گئے، سر کے اگلے حصہ سے مسح کا آغاز کیا یہاں تک کہ دونوں ہاتھوں کو اپنی گدی تک لے گئے پھر انہیں لوٹا یا یہاں تک کہ وہیں لوٹ آئے جہاں سے ابتدا کی تھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں دھوئے) (رواہ البخاری ص ۳۱ ج ۱)

اور بعض مرتبہ آپ نے صرف اپنی پیشانی پر یعنی سر کے سامنے کے حصہ پر مسح کیا (کما رواہ مسلم عن المغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ) اسی لئے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے اور چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ قرآن مجید میں جن چار چیزوں کا ذکر ہے، یعنی (۱) چہرہ کا دھونا، (۲) ہاتھوں کو دھونا، (۳) سر کا مسح کرنا (۴) پاؤں کو دھونا۔ وضو میں یہ چار چیزیں فرض ہیں۔ سر کا مسح ایک ہی مرتبہ کرنا مسنون ہے البتہ چہرے کا اور ہاتھوں کا پاؤں کا تین تین مرتبہ دھونا سنت ہے اور ایک مرتبہ دھونے سے فرض ادا ہو جاتا ہے۔ دھونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر جگہ پانی پہنچ جائے۔

وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا، تین بار کھلی کرنا، مسواک کرنا، تین بار ناک میں نرم جگہ تک پانی پہنچانا جس کو استنشاق کہتے ہیں اور تین بار ناک کو جھاڑنا اور انگلیوں کا خلال کرنا اور ہاتھ اور پاؤں دھونے میں داہنی طرف سے ابتدا کرنا اور ڈاڑھ ہی کا خلال کرنا۔ مسنون ہے کانوں کا مسح کرنا بھی سنت ہے کانوں کے اندر کا اور باہر کا مسح کرنا اور کنپٹیوں پر ہاتھ پھیرنا اور کانوں میں مسح کرتے وقت انگلیاں داخل کرنا بھی احادیث سے ثابت ہے۔

فائدہ..... جب سو کر اٹھے تو بغیر دھوئے پانی میں ہاتھ نہ ڈالے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو جب تک اپنا ہاتھ تین مرتبہ نہ دھو لے اسے پانی میں نہ گھسائے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ رات بھر اس کا ہاتھ کہاں رہا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

فائدہ..... استنشاق کے ساتھ استنثار (یعنی ناک جھاڑنے کا) بھی اہتمام کرنا چاہیے خاص کر جب سو کر اٹھے تو اس کا اہتمام زیادہ کرے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنی ناک کو چھڑا لے کیونکہ شیطان رات کو اس کے ناک کے بانسے میں رہتا ہے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

فائدہ..... وضو میں خوب اچھی طرح پانی پہنچائے چیز اجڑی نہ کرے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظمہ سے واپس ہوئے۔ چلتے چلتے عصر کا وقت ہو گیا۔ راستہ میں ایک جگہ پانی ملا۔ تو کچھ لوگ جلدی سے آگے بڑھ گئے اور جلدی جلدی وضو کر لیا ہم جب ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کی ایڑھیاں ظاہر ہو رہی ہیں جن کو پانی نہیں پہنچا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ ایڑھیوں کے لئے ہلاکت ہے جو دوزخ کی آگ کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ اچھی طرح پانی پہنچایا کرو۔ (رواہ مسلم ص ۲۵۵ و اقصرہ البخاری ص ۲۸ ج ۱)

وضو میں پانی خوب اچھی طرح پہنچائے لیکن اسراف کرنا اور ضرورت سے زیادہ بہانا جائز نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سعد رضی اللہ عنہ پر گزر ہوا وہ وضو کر رہے تھے آپ نے فرمایا یہ کیا اسراف (فضول خرچی) ہے۔ انہوں نے عرض کی۔ کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں وضو میں بھی اسراف ہے اگرچہ تم جاری نہر پر ہو۔ (رواہ احمد وابن ماجہ کانی المشکوٰۃ ص ۷۷ ج ۱)

امت محمدیہ ﷺ کی امتیازی شان..... وضو پہلی امتوں میں بھی تھا اور اس امت میں بھی ہے لیکن ایک بات میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو امتیازی شان حاصل ہے اور وہ یہ کہ قیامت کے دن وضو کے اثر کی وجہ سے ان کے ہاتھ پاؤں روشن ہوں گے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں جسے قیامت کے دن جہدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں جسے (سجدہ سے) سر اٹھانے کی اجازت دی جائے گی۔ سر اٹھا کر میں اپنے آگے دیکھوں گا تو ساری امتوں کے درمیان سے اپنی امت کو پہچان لوں گا اور پیچھے دیکھوں گا تب بھی اسی طرح پہچان لوں گا اور دہنی طرف دیکھوں گا تب بھی اسی طرح پہچان لوں گا اور بائیں طرف دیکھوں گا تب بھی پہچان لوں گا یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ تمام امتوں کے درمیان سے اپنی امت کو کیسے پہچان لیں گے۔ جب کہ نوح علیہ السلام کی امت سے لیکر آپ کی امت تک سب امتیں موجود ہوں گی آپ نے فرمایا کہ میری امت کے لوگوں کے چہرے اور ہاتھ پاؤں وضو کے اثر سے روشن ہوں گے ان کے علاوہ کسی کو بھی یہ بات حاصل نہ ہوگی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰ ج ۱)

غسل جنابت کا حکم اور اس کا طریقہ..... وضو کا طریقہ بیان فرمانے کے بعد غسل کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا (اور اگر تم حُب ہو تو خوب اچھی طرح سے پاکی اختیار کرو) جس مرد یا عورت پر غسل فرض ہو جائے (خواہ میاں بیوی کے میلاپ سے خواہ احتلام ہو جانے سے اور کسی طرح شہوت کے ساتھ منی خارج ہونے سے) اس پر فرض ہے کہ سر سے پاؤں تک پورے بدن پر ایک بار پانی پہنچائے۔

چونکہ فَاطَّهَّرُوا مبالغہ پر دلالت کرتا ہے اس لئے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غسل فرضی میں مضمضہ یعنی ایک بار کلی کرنا بھی فرض ہے جب کلی کرے تو پورے منہ میں خوب پانی بھر کر حلق تک پہنچائے نیز غسل فرضی میں استسحاق بھی فرض ہے یعنی ناک میں جہاں تک نرم جگہ ہے وہاں تک کم از کم ایک بار پانی پہنچائے، جب غسل کرنے لگے تو پہلے چھوٹا بڑا استسقا کرے اور بڑا استسقا خوب کھل کر کرے تاکہ جہاں تک پانی پہنچ سکے وہاں تک پہنچ جائے اس کے بعد نجاست کو دور کرے جو بدن پر لگی ہے اس کے بعد وضو کرے

جیسا کہ وضو کا مسنون طریقہ ہے مضامینہ واستنشق میں مبالغہ کرے اگر روزہ نہ ہو تو پھر تین بار سارے بدن تک پانی پہنچائے غسل فرض میں ایک بار پانی پہنچانا فرض ہے اور تین بار سنت ہے۔ (غیر فرض غسل کرے تو اس میں بھی تین بار پانی بہانا سنت ہے) ناف میں، بلوں اور جس جگہ بغیر دھیان کئے پانی نہ پہنچنے کا اندیشہ ہو وہاں خوب دھیان سے پانی پہنچائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے لہذا بالوں کو دھوؤ اور جس جگہ پر بال نہیں ہیں اس کو صاف کرو (یعنی اچھی طرح پانی پہنچاؤ تاکہ میل کچیل بھی دور ہو جائے) (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غسل جنابت میں جس نے ایک بال کے برابر بھی جگہ چھوڑ دی تو اسے دوزخ میں ایسا ایسا عذاب دیا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس ڈر سے سر پر بال ہی نہیں رکھتے تھے ایسا نہ ہو کہ غسل فرض میں کسی جگہ پانی پہنچنے سے رہ جائے اور جنابت دور نہ ہو، حدیث بالا بیان فرما کر انہوں نے تین بار فرمایا کہ میں نے اسی لئے اپنے سر سے دشمنی کر رکھی ہے (بال بڑھنے نہیں دیتا منڈا تار ہتا ہوں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸)

مسئلہ..... غسل فرض ہونے کے لئے میاں بیوی کے ملاپ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ منی خارج ہو صرف حشفہ (یعنی سپاری) غائب ہونے سے مرد عورت دونوں پر غسل فرض ہو جاتا ہے۔ البتہ احتیاطاً ہونے کی حالت میں منی خارج ہونے سے غسل فرض ہو جاتا ہے۔

فائدہ..... جس طرح جنابت کی وجہ سے غسل فرض ہو جاتا ہے اسی طرح حیض اور نفاس کے ختم ہونے سے بھی غسل فرض ہو جاتا ہے اور اس غسل کا طریقہ بھی وہی ہے جو اوپر غسل جنابت میں بیان ہوا۔

تیمم کا بیان..... غسل جنابت کا حکم دینے اور اجمالاً اس کا طریقہ بتانے کے بعد تیمم کی اجازت ذکر فرمائی اور ارشاد فرمایا وَإِن كُنْتُمْ مَسْرُوحِينَ أَوْ عَشَلَىٰ سَفَرٍ (آخر تک) اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا آئے تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ سے یا تم نے عورتوں سے قربت کی ہو اور پھر تم پانی نہ پاؤ تو ارادہ کر لو پاک مٹی کا سو اس سے اپنے چہروں کا اور اپنے ہاتھوں کا مسح کرو۔ تیمم کا طریقہ اور اس کے ضروری مسائل آیت سُورَةُ نَسَاءِ بَيِّنَاتِهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ (ع ۷) کی تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں اس کی مراجعت کر لی جائے۔

پھر فرمایا مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (اللہ ارادہ نہیں فرماتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے لیکن وہ ارادہ فرماتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے تاکہ تم اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو جو تم پر ہے)..... اوپر جو وضو اور غسل کا حکم ہوا اور پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کی جو اجازت مذکور ہوئی اس کے بعد ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو تم پر حدت اصغر ہو جانے پر وضو اور حدت اکبر ہو جانے پر غسل فرض فرمایا اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ تمہیں تنگی میں ڈالے لیکن اس کا ارادہ یہ ہے کہ تمہیں پاک کرے لِيُطَهِّرَكُمْ سے دونوں قسم کی طہارت مراد لی جاسکتی ہے طہارت ظاہری بھی اور طہارت باطنی بھی۔ طہارت ظاہری یہ ہے کہ نجاست حکمیہ (حدت اکبر و حدت اصغر) دور ہو جائے اور طہارت باطنی یہ ہے کہ گناہ معاف ہو جائیں۔

وضو اور تیمم حکم تطہیر میں برابر ہیں..... اللہ تعالیٰ کا مزید فضل یہ ہے کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کو بھی وضو غسل کے قائم مقام قرار دے دیا۔ نجاست حکمیہ جیسے وضو اور غسل سے دور ہو جاتی ہے تیمم سے بھی دور ہو جاتی ہے اور جو کام پانی سے وضو غسل کرنے والے کے لئے جائز ہو جاتے ہیں (مثلاً نماز پڑھنا، طواف کرنا، قرآن مجید کا چھونا) تیمم کے ذریعہ بھی جائز ہو جاتے ہیں جب تک پانی نہ ملے

اور کوئی ناقص وضو اور موجب غسل پیش نہ آجائے تیمم سے وہ سب کام جائز رہتے ہیں جو وضو اور غسل کرنے سے جائز ہوتے ہیں جب تیمم کر لیا تو اس سے جتنی چاہے فرض نفل نمازیں پڑھنے کا اختیار ہے پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کی اجازت ہونا مستقل ایک نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

پھر جیسے نماز پڑھنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اسی طرح وضو کرنے سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا اس کے جسم سے اس کے گناہ نکل جائیں گے یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جائیں گے۔ (رواہ مسلم ص ۱۲۵ ج ۱)

وضو غسل اور تیمم کا حکم فرمانے میں جہاں ظاہری اور باطنی طہارت کا فائدہ ہے وہاں اتمام نعمت کا فائدہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے نماز وضو غسل اور تیمم کا حکم دے کر اپنی نعمت کا مل فرمادی۔ یہ نعمت عزیمت کو بھی شامل ہے اور رخصت کو بھی، جب اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت پوری فرمادی تو شکر لازم ہوا اس لئے اخیر میں لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو..... پھر فرمایا وَادْكُرُوا الْبِعْمَةَ الّٰهَ عَلَيْكُمْ کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو جن سے اس نے تمہیں نوازا ہے یہ نعمتیں ظاہری بھی ہیں اور باطنی بھی، جسمانی بھی ہیں اور روحانی بھی، مزید فرمایا وَمِنَافَقَةُ الّٰدِي وَالثَّقَلَمُ یہ کہ اللہ کے اس عہد کو یاد کرو جو تم نے مضبوطی کے ساتھ عہد کیا جب تم سے عہد لیا تو تم نے سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا کہہ کر پکارا اور مضبوط عہد کر لیا۔ صاحب روح المعانی (ص ۶۸ ج ۲) لکھتے ہیں کہ اس سے وہ عہد مراد ہے جو ۱۳ نبوی میں لیلۃ العقبہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا تھا جو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مذکور ہے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی کہ ہم بات سنیں گے اور فرمانبرداری کریں گے۔ آسانی میں بھی اور سختی میں بھی اور ناگواری میں بھی (یعنی اگر کوئی حکم نفسوں کو ناگوار ہو گا تب بھی عمل کریں گے۔) (خرجہ مسلم ص ۱۲۵ ج ۲)

اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ میثاق مذکور سے بیعت رضوان بھی مراد ہو سکتی ہے جو حدیبیہ کے موقع پر ہوئی تھی (جس کا ذکر سورہ فتح کے تیسرے رکوع میں ہے) پھر لکھتے ہیں کہ چونکہ یہ بیعت اللہ کی طرف سے ہے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر تھی اس لئے اس میثاق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی کہ مَا بَدَا لَهُ قَوْلُهُ تَعَالٰی اِنَّ الَّذِیْنَ یَبِیْعُوْنَكَ اِنَّمَا یَبِیْعُوْنَ اللّٰهَ۔ چونکہ ہر مسلمان جب توحید اور رسالت پر ایمان لائے گا اقرار کرتا ہے اور ہر بات کے ماننے اور ہر حکم کے تسلیم کرنے کا اعلان کر دیتا ہے۔ اس لئے میثاق مذکور سے تمام مسلمانوں کا توحید و رسالت کا اقرار اور اعلان مراد لینا مناسب ہے اور یہ اقرار ہی پختہ عہد ہے لہذا لیلۃ العقبہ یا حدیبیہ کے موقع کی بیعت مراد لینے کی ضرورت نہیں۔

آخر میں فرمایا وَاقْبُوا اللّٰهَ کہ (اللہ سے ڈرو) اس کی نعمتوں کو نہ بھول جاؤ اور اس سے جو پختہ عہد کیا ہے اسے نہ توڑو اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ سینوں کی اندر کی چیزوں کو جانتا ہے) اسے ظاہری اعمال کا علم ہے اور دلوں کے ارادوں اور نیتوں کی بھی اسے خبر ہے وہ حساب لے گا اور بدلہ دے گا۔

**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوْمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ**

اے ایمان والو! اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنا لے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ۔

عَلَىٰ آلَا تَعْدِلُوا ۖ اِعْدِلُوا ۚ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾

تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جنہیں تم کرتے ہو،

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَاجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِينَ

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ ان کے لئے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے، اور جن لوگوں نے

كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۲﴾

کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخ والے ہیں

### انصاف پر قائم ہونے کا حکم

سورۃ نساء میں فرمایا ہے تَابِهَا الَّذِينَ آمَنُوا اٰكُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلَىٰ اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِينَ کہ اللہ کے لئے خوب انصاف کے ساتھ قائم رہنے والے ہوا اگرچہ انصاف تمہارے اپنے جانوں پر تمہارے ماں باپ یا تمہارے رشتہ داروں کے خلاف پڑ جائے اور یہاں فرمایا ہے تَابِهَا الَّذِينَ آمَنُوا اٰكُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَلَّا تَعْدِلُوْا (یعنی ہو جاؤ اچھی طرح سے کھڑے ہو جانے والے اللہ کے لئے، گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ، اور تمہیں کسی قوم کا بغض ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو) بات یہ ہے کہ انسان کو عدل و انصاف سے اور سچی گواہی دینے سے روکنے والی دو چیزیں ہوتی ہیں ایک تو اپنا شس اور اپنے قرابت والوں اور دوستوں کی طرف داری، دوسرے کسی قوم کی دشمنی سورۃ نساء میں جس بات کی طرف توجہ دلائی ہے وہ یہ ہے کہ اپنی جانوں اور رشتہ داروں کی رعایت کر کے سچی گواہی سے نہ رکنا اور عدل و انصاف کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دینا، اور سورۃ مائدہ کی اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ کسی قوم کا بغض اور دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم عدل و انصاف نہ کرو، مسلمان کے خاص اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ ہمیشہ حق کا ساتھ دے حق کی گواہی دے کبھی کسی حالت میں بھی عدل و انصاف کو نہ چھوڑے مزید تشریح و توضیح کے لئے سورۃ نساء کی آیت مذکورہ کی تفصیل اور سورۃ مائدہ کی آیت وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْبُدُوْا کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

پھر فرمایا اِعْدِلُوْا ۚ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (انصاف کرو انصاف تقویٰ سے قریب تر ہے) جب کوئی شخص عدل و انصاف کی صفت سے متصف ہوگا تو تقویٰ کی صفت سے بھی متصف ہوگا۔ عدل تقویٰ کی طرف اور تقویٰ عدل کی کھینچتا ہے پھر فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اس میں بتایا کہ قیامت کی پیشی کا دھیان رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے جب اللہ کا خوف ہوگا اور یہ یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے عمل کا علم ہے، روز جزاء میں پیشی ہوگی اور اعمال کے بدلے ملیں گے تو جھوٹی گواہی سے بچنا سچی گواہی دینا اور انصاف کرنا آسان ہوگا۔

اس کے بعد ان لوگوں سے اجر عظیم اور مغفرت کا وعدہ فرمایا جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ اختیار کئے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور آیت الہیہ کو جھٹلایا ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ دوزخ والے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ

اے ایمان والو! تم پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اسے یاد کرو، جب کہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کا ارادہ کیا

أَيِّدِيهِمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

سو اس نے ان کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا ایک خاص واقعہ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی یاد دہانی

اسباب النزول ۱۸۶ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص جس کا نام غوث تھا اس نے اپنی قوم بنی غطفان اور بنی محارب سے کہا کہ کیا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل نہ کر دوں؟ وہ لوگ کہنے لگے کہ تو کیسے قتل کرے گا اس نے کہا کہ اچانک ایسی صورت بنا کر قتل کر دوں گا کہ اس کی طرف دھیان بھی نہ جائے گا۔ یہ کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ کی گود میں آپ کی تلوار تھی۔ یہ شخص کہنے لگا کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں آپ کی تلوار کو دیکھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں دیکھ لے! اس نے تلوار لے لی اور نیام سے باہر نکالی اور وہ ہاتھ میں تلوار لے کر ہلاتا رہا اور ارادہ کرتا رہا کہ آپ پر حملہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ارادے میں ناکامی ہوتی رہی۔ پھر وہ کہنے لگا اے محمد! کیا آپ مجھ سے نہیں ڈرتے آپ نے فرمایا نہیں! کہنے لگا آپ مجھ سے نہیں ڈرتے حالانکہ میرے ہاتھ میں تلوار ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری حفاظت فرمائے گا اس کے بعد اس نے تلوار نیام میں رکھ دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس کر دی اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

اللہ جل شانہ نے امت محمدیہ کو اپنی نعمت یاد دلائی کہ اس نے ان کے نبی کی حفاظت فرمائی جس میں امت پر بھی انعام و احسان ہیں تقویٰ اور توکل کا حکم..... آخر میں تقویٰ کا حکم دیا اور ساتھ ہی توکل کا حکم فرمایا کہ اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے تقویٰ اور توکل بہت بڑی چیزیں ہیں۔ اہل ایمان کے سب کام ان دونوں سے چلتے ہیں جسے اللہ پر توکل ہو وہ مخلوق سے نہیں ڈرتا۔ تقویٰ گناہوں سے بچنے کا نام ہے۔ جو شخص اللہ کی رضا کے لئے گناہوں سے بچے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر مشکل سے بچنے کا راستہ نکال دے گا۔

سورۃ طلاق میں فرمایا وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ط اور جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے مشکلوں سے نکلنے کا راستہ بنا دے گا اور اللہ اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو، اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اس کے لئے کافی ہے)

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَبِيًّا ۖ وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ

اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان میں سے بارہ نمائندے بھیجے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں

لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمْ ثَوْرَهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ

اگر تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور ان کی مدد کرو، اور اللہ کو اچھے طور



قَرْضًا حَسَنًا لَا يَكْفُرْنَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَا دُخِلَتْكُمْ جَنَّتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

پہ قرض دیتے رہو میں ضرور تمہارے گناہوں کا کفارہ کروں گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی

فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ فِيمَا نَقُضُهُمْ مِيثَاقَهُمْ لَعْنَهُمْ

سو اس کے بعد تم میں سے جو شخص کفر اختیار کرے وہ راہ راست سے دور جا پڑا سو ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کو ملعون قرار دے دیا

وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ ۖ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ

اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت بنا دیا وہ کلمات کو ان کے مواقع سے بدل دیتے ہیں اور وہ اس فصاحت کا بہت بڑا حصہ بھول گئے جو انہیں ذکر کی گئی تھی۔

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ

اور آپ برابر ان کی طرف سے کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے باثناء تھوڑے سے لوگوں کے، سو آپ انہیں معاف فرمائیے اور درگزر کیجئے

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوبی کا معاملہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل سے عہد لینا پھر ان کا عہد کو توڑ دینا

اس سے پہلے مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ سے عہد کیا ہے اور سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا کہہ کر جو فرمانبرداری کرنے کی ذمہ داری لے لی ہے اسکو پورا کرو۔

ان آیات میں بنی اسرائیل سے جو عہد لیا تھا اس عہد کے پورا کرنے پر جس انعام کا وعدہ فرمایا تھا اس کا ذکر ہے پھر اس عہد شکنی پر جو انہیں سزا ملی اس کا تذکرہ فرمایا، اس میں مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ عہد پورا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہو جاتی ہے ایسا نہ کرو کہ عہد شکنی کر کے اپنے اوپر وبال آنے کا ذریعہ بن جاؤ۔

اول یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا (جو ان کے نبی سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ لیا گیا تھا) پھر فرمایا کہ ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کر دیئے (بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے اور ہر قبیلے کا ایک ایک سردار مقرر فرمادیا جو ان کو اللہ کے عہد یاد دلاتا رہے اور عہد پر چلنے کی تلقین کرتا رہے) اللہ جل شانہ نے یہ بھی فرمایا کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں مجھے تمہارے ہر عمل کی خبر ہے نیکی اور گناہ ہر چیز کا علم ہے۔ بنی اسرائیل سے جو عہد لیا تھا اسے لَبِنَ أَقْنَمُ الصَّلَاةِ سے قَرْضًا حَسَنًا تک بیان فرمایا پھر لَا تَكْفُرْنَ عَنْكُمْ سے تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ تک عہد پورا کرنے کا اجر بتایا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور رسولوں کی مدد کرتے رہے اور اللہ کو قرض اچھا دیتے رہے تو تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ معلوم ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم پہلی امتوں کو بھی تھا، رسولوں پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا عہد اس لئے لیا کہ بنی اسرائیل میں بہت سے نبی ہوئے ایک نبی چلا جاتا تو دوسرا آجاتا جیسا کہ عنقریب ہی آیت کریمہ اِذْ جَعَلْنَا فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلْنَاهُمْ مُلْكًا فِي الْأَرْضِ میں اس کا بیان آ رہا ہے انشاء اللہ العزیز!

جب کوئی نبی آجاتا تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ان پر فرض ہو جاتا تھا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا اور ان کے بعد خاتم الانبیاء سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی لیکن بنی اسرائیل عموماً ان دونوں رسولوں کی رسالت کے منکر ہو گئے۔

یہ جو فرمایا وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا اس کا مطلب یہ ہے کہ ذکوۃ کے علاوہ دوسرے مصارف الخیر میں بھی خرچ کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو قرض حسن سے تعبیر فرمایا قرض اس لئے فرمایا کہ اس کا بدلہ ادھا رہے جو آخرت میں ملے گا اور حسن اس لئے فرمایا کہ وہ بدلہ بہت بڑا ہے ذرا سا خرچ کرنے پر آخرت میں بڑے بڑے اجر ملیں گے۔

سورہ حدید میں فرمایا مَنْ ذَا الَّذِي يَفْرِضُ اللَّهُ قَرْضًا حَسَنًا فَبُطِئَتْ لَهُ ذُلَّةٌ، أَخْرَجْنَا كُورَيْمَ (کون ہے جو قرض دے اللہ کو اچھا قرض) سوال اللہ بڑھا دے اسے چند در چند اور اس کے لیے اجر ہے بہت عمدہ) یہ اللہ پاک کا کتنا بڑا احسان ہے کہ مال اسی کا دیا ہوا ہے جب کوئی اسے خرچ کرتا ہے (اور خرچ بھی انہوں پر یا اپنے ہم جنس دوسرے افراد پر) تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ذمہ قرض شمار فرمادیتا ہے جس نے دیا اسے تو پورا اختیار ہے کہ سارے مال کو خرچ کرنے کا حکم فرما دے اور ذرا سا بھی اجر نہ دے لیکن یہ محض اس کا کرم ہے جو کچھ اس کی رضا کے لئے خرچ کیا جائے اسے اپنے ذمہ قرض شمار فرمایا اور اس کا اجر خوب بڑھا چڑھا کر دینے کا وعدہ فرمایا۔

پھر فرمایا فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ (کہ اس کے بعد جو شخص تم میں سے کفر اختیار کرے سو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا) عہد لیتے وقت یہ تعبیہ فرمادی تھی لیکن انہوں نے عہد کو توڑ دیا جس کا ذکر آئندہ آیت میں ہے۔

بنی اسرائیل کی عہد شکنی کا وبال ..... پھر بنی اسرائیل کی عہد شکنی اور اس کے وبال کا تذکرہ فرمایا **فَمَا نَفَّضْنَاهُمْ مِنْهَا فَمَا نَزَّلْنَاهُمْ عَلَيْهِمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً** (یعنی چونکہ انہوں نے عہد کو توڑ دیا اس لئے ہم نے ان پر لعنت کر دی یعنی اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا) جن میں حق ماننے اور حق کی طرف متوجہ ہونے اور حق قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہ رہی، اس ملعونیت اور قساوت قلب کی وجہ سے وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب بھی کرتے تھے اور انہیں قتل بھی کرتے تھے، اپنی اسی عادت کے مطابق انہوں نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تکذیب کی اور یہ جانتے ہوئے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں حق کے منکر ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **بَلْ لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ** (بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی سو ان میں سے کم ہیں جو مؤمن ہوں گے) ان کے قساوت قلبی کا ذکر فرماتے ہوئے سورہ بقرہ میں فرمایا **ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ**

وَلَسَوْا حَظًا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ (یہ لوگ کلمات کو بدلتے ہیں ان کے مواقع سے اور انہوں نے ایک بڑا حصہ چھوڑ دیا جس کے ذریعے انہیں نصیحت کی گئی) اس میں یہودیوں کی قسوت قلبی اور سخت دلی کو بیان فرمایا کہ ان کے دل ایسے سخت ہو گئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دیا۔ ان کے علماء تو ریت شریف کو بدلتے تھے اور جو کچھ پاس سے بناتے اور لکھتے تھے اپنی عوام سے کہتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ عوام کو راضی رکھ کر ان سے پیسے لے لینا اور علم کی بجائے ان کو جہل میں مبتلا کر دینا اور ہدایت کی بجائے انہیں گمراہی پر ڈالنا اور اللہ سے نڈرنا آخرت کے حساب و کتاب سے بے پرواہ ہو جانا کتنی بڑی قسوت ہے لیکن انہیں اس کا کچھ احساس نہیں۔ جب تحریف کرنی تو ریت شریف کا بہت بڑا حصہ ان کے حافظہ سے نکل گیا جو شخص اپنی تحریف کو اصل میں ملانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اصل کتاب کے الفاظ و معانی سے محروم ہو جاتا ہے۔

یہودیوں کی خیانتیں..... پھر فرمایا وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ (اور آپ ہمیشہ ان کی طرف سے کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے، سوائے تھوڑے سے لوگوں کے) اس میں یہود کی خیانت بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ برابر یہ خیانتیں کرتے رہیں گے اور آپ کو ان کی خیانتوں کا علم ہوتا رہے گا خیانت ان کے مزاج میں داخل ہو گئی ہے ان کے اسلاف نے خیانتیں کیں۔ حد یہ کہ اللہ کی کتاب میں بھی تحریف کر بیٹھے جو بہت بڑی خیانت ہے۔ ان کے خلاف (موجودہ یہودی) اس عادت کو چھوڑیں گے نہیں ہاں ان میں سے چند لوگ جو مسلمان ہو گئے ہیں (حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ) یہ حضرات خیانت سے دور ہو گئے اور صفت ایمان نے ان کو امانت دار بنادیا۔

فَاغْفِرْ لَهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ (آپ ان کو معاف کیجئے اور ان سے درگزر کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوبی کا معاملہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)

صاحب روح المعانی ص ۹۰ ج ۱۶ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں اِذَا تَابُوا اَوْ بَازَلُوا الْجَزِيَّةَ یعنی جب وہ توبہ کر لیں (اسلام قبول کر لیں اور خیانت سے باز آجائیں) یا جزیہ دیکر عہد کی پابندی کرتے رہیں تو ان کو معاف کیجئے درگزر کیجئے اگر یہ معنی لیے جائیں تو آیت میں کوئی نسخ نہیں ہے۔ اس کے بعد صاحب روح المعانی نے علامہ طبری سے نقل کیا ہے کہ معافی اور درگزر کرنے کا حکم پہلے تھا۔ جب کافروں سے جنگ کرنے کا حکم آگیا تو منسوخ ہو گیا۔ صاحب بیان القرآن رحمہ اللہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں جب تک شرعی ضرورت نہ ہو ان کی خیانتوں کا اظہار اور ان کی فضیحت نہ کیجئے یہ معنی اِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ سے قریب تر ہے۔

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي أَخَذْنَا مِنْثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۖ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ

اور جن لوگوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ان سے ہم نے پختہ عہد لیا سو وہ اس چیز کا بڑا حصہ بھول گئے جس کے ذریعہ ان کو نصیحت کی گئی سو ہم نے قیامت

الْعَدَاوَةِ وَالْبَغْضَاءِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝ (يَا أَهْلَ الْكِتَابِ

کے دن تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض کو ڈال دیا اور عقرب اللہ تعالیٰ انہیں جتادے گا جو کام وہ کیا کرتے تھے، اے اہل کتاب

قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ۖ

تحقیق آیا تمہارے پاس ہمارا رسول جو تم سے بہت سی باتیں ان چیزوں کو بیان کرتا ہے جن کو تم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سے چیزوں سے درگزر کرتا ہے،

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۝ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور ایک ایسی کتاب آئی ہے جو واضح بیان کرنے والی ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستے بتاتا ہے جو اس کی رضا مندی کی

السَّلَامَةِ وَيُخْرِجُهُم مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

طلب میں لگے رہتے ہیں اور ان کو اپنے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور انہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا

البتہ تحقیق انہوں نے کفر کیا جنہوں نے یوں کہا کہ بے شک اللہ مسیح ابن مریم ہے، آپ فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم

إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَلِلَّهِ مُلْكُ

اور اس کی والدہ کو اور جو کچھ بھی زمین میں ہے ان سب کو ہلاک فرمانے کا ارادہ فرمانے تو کون ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ سے بچا سکے اور اللہ ہی کے لیے ہے ملک

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

### نصاری سے عہد لینا اور ان کا اس کو بھول جانا

ان آیات میں نصاریٰ کی طرف روئے سخن ہے، ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ان سے بھی ہم نے پختہ عہد لیا وہ لوگ بھی عہد پر قائم نہ رہے جو کچھ ان کو نصیحتیں کی گئی تھیں ان کے بھولنے کی وجہ سے ہم نے ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا وہ قیامت تک آپس میں دشمن رہیں گے اور ایک دوسرے سے بغض رکھیں گے نصاریٰ میں متعدد فرقے تھے اور اب بھی ہیں۔ ان میں سے بعض کا یہ کہنا تھا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہیں اس طرح سے اتحاد ذاتی کے قائل تھے اور ایک فرقہ کہتا تھا کہ تین معبود ہیں اللہ اور مریم اور عیسیٰ ابن مریم، یہود کی طرح نصاریٰ بھی نصیحت کا بہت بڑا حصہ چھوڑ بیٹھے اور اسے بھول بھلیاں کر دیا۔ اسی نصیحت میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی تھا جن کی بعثت کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اور جن کی نبوت اور رسالت کی خبر تو ریت اور انجیل میں دی تھی (الَّذِينَ يَجِدُونَهُ مَكْنُوزًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ ط) اس عہد شکنی اور خلاف ورزی کی انہیں سزا مل گئی اور ملتی رہے گی پھر ارشاد فرمایا وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ یعنی غفرتیب اللہ انہیں جتنا دے گا جو کام وہ کیا کرتے تھے

اس کے بعد اہل کتاب (یہود و نصاریٰ دونوں) کو خطاب فرمایا کہ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول صلی اللہ علیہ وسلم آیا ہے وہ بہت سی وہ باتیں بیان کرتا ہے جو اللہ کی کتاب میں سے تم چھپاتے تھے اور بہت سی چیزوں سے درگزر کرتا ہے، اس رسول کا اتباع فرض ہے۔ مزید فرمایا کہ تمہارے پاس اللہ کا نور آیا ہے اور واضح بیان کرنے والی کتاب آئی ہے، نور سے مراد سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے دونوں کے ذریعہ اللہ سلامتی کے راستے کی ہدایت فرماتا ہے یہ ہدایت ان لوگوں کو ملتی ہے جو رضاء الہی کے طالب ہوں، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دیتا ہے اور طرح طرح کی اندھیروں سے نکال کر (جو شرک و کفر کی صورت میں باطل افکار اور ابواء کی وجہ سے انسان کو گھیر لیتی ہیں) نور کی طرف لے آتا ہے۔ کفر کے راستے چونکہ بہت سے ہیں اس لئے

لفظ ظلمات بصیغہ جمع استعمال فرمایا ہے اور نور چونکہ ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت اس لیے لفظ نور کو واحد لایا گیا۔  
نصاری کا کفر جنہوں نے مسیح ابن مریم کو معبود بنایا..... اس کے بعد نصاریٰ کی گمراہی بیان فرمائی ان میں سے ایک فریق کہتا تھا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہیں ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تاؤ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کو اور اس کی ماں کو اور روئے زمین کے تمام افراد کو ہلاک کرنا چاہے تو انہیں کون بچا سکتا ہے چونکہ وہ لوگ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ علیہما السلام کی موت کے قائل تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کو اللہ نے موت دی ہے اس لئے ان سے سوال کر کے خود انہی پر حجت قائم کی گئی جسے موت آجائے وہ کیسے خدا ہو سکتا ہے۔ (اور لفظ "ان اراد" اس لئے فرمایا کہ حضرت مسیح علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں) (اگرچہ یہود و نصاریٰ ان کی موت کے قائل ہیں)

پھر فرمایا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، جو مملوک ہو وہ کیسے معبود ہو سکتا ہے اور اپنے خالق کے ساتھ الوہیت میں کیسے شریک ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے وہ جو چاہے پیدا فرمائے، مریم کو بھی پیدا فرمایا اور مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہا السلام کو بھی پیدا فرمایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عادت معروضہ کے مطابق نہ تھی اس لئے وہ ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ مخلوق معبود نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کا وجود اس کے خالق کا دیا ہوا ہے۔ خالق جل مجدہ نے جس طرح بھی وجود دیا ہو بہر حال مخلوق مخلوق ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرما کر اپنی قدرت دکھادی۔ اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عین خدا یا مستقل معبود ہو جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی تھے اور بشر بھی..... آیت بالا میں جو قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ فرمایا ہے اس میں نور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے۔ نور روشنی کو کہتے ہیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے سارا عالم کفر و شرک کی تاریکیوں سے بھرا ہوا تھا تو حید کے ماننے والے خال خال ہی دنیا کے کسی گوشہ میں اکاؤ کا پائے جاتے تھے، خاتم النبیین شمس الرسالۃ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ نے تو حید کی دعوت دی اور اس بارے میں بہت زیادہ محنت کی اور بڑی بڑی مشقتیں اٹھائیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سارا عالم جگمگا اٹھا، کفر و شرک کی ظلمتیں چھٹ گئیں اور ایمان و یقین کے نور سے قلوب منور ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمالات کی بدولت بلند یوں کو پہنچ گئے

بَلَغَ الْعُلٰی بِكَمَالِهِ

آپ کے کُسن سے اندھیرے چھٹ گئے،

كَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِهِ

آپ کی تمام ادائیں حسین ہیں

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِهِ

تم سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل پر درود بھیجو

صَلُّوْا عَلَیْهِ وَآلِہٖ

بہت سے لوگ نور ہونے کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ بشر نہیں تھے ان کی اس جاہلانہ بات سے قرآن کریم کی آیت قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (آپ فرمادیجئے کہ میں اپنے رب کی پاکی بیان کرتا ہوں میں نہیں ہوں مگر بشر ہوں رسول ہوں۔ لیکن محبت کے دعوے دار کہتے ہیں کہ بشر نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو جھٹلاتے ہیں پھر بھی اسلام کے دعوے دار ہیں اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

فائدہ..... یہ جو فرمایا یَهْدِنِیْہِ اللّٰهُ مِنَ التَّبَعِ رَضُوْا اَنَہٗ سُبُلَ السَّلَامِ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا طالب ہو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور ہدایت فرمائے گا جو لوگ اسلام کے مخالف ہیں اور جو لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں (لیکن ضروریات دین

کے منکر ہیں) انہیں علمائے اسلام متنبہ کرتے ہیں کہ تمہارے عقائد کفریہ ہیں لیکن انہوں نے ضد اور عناد پر کمر باندھ رکھی ہے ہداهم اللہ تعالیٰ۔

فائدہ..... جنت میں لے جانے والے اعتقادات اور اعمال کو سُبُلُ السَّلَام فرمایا اور جنت کو دار السلام فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا نام اسلام رکھا اور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام السلام بھی ہے اور جب مسلمانوں میں آپس میں ملاقات ہو اس کے لئے سلام کو شروع فرمایا اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ (اخیر تک) تعلیم فرمائی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے دین میں سلامتی ہی سلامتی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ ابْنُوا اللّٰهَ وَاحِبَّاءُ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ ؕ

اور یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں آپ فرمادیجئے کہ بھروسہ تمہارے من ہوں کے سبب کیوں عذاب دے گا؟

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّثْنٌ خَلَقَ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۚ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

بلکہ تم اس کی مخلوق میں سے بشر ہو وہ بخشنے کا جس کو چاہے اور عذاب دے گا جس کو چاہے اور اللہ تعالیٰ ہی کا ملک ہے آسمان

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۤءَكُمْ رَسُوْلُنَا يَبَيِّنُ لَكُمْ

اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسکی طرف لوٹ کر جانا ہے اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو ایسے وقت میں تمہارے لئے بیان کرتا ہے

عَلٰی فَرْقٍ ۚ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاۤءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۚ فَقَدْ جَاۤءَكُمْ بَشِيْرٌ

جبکہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تاکہ تم یوں نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا، سو تمہارے پاس بشارت دینے والا

وَنَذِيْرٌ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

اور ڈرانے والا آگیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہود و نصاریٰ کی گمراہی جنہوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں

ان آیات میں اول تو یہود و نصاریٰ کا ایک دعویٰ باطلہ نقل فرمایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب اور پیارے ہیں (والعیاذ باللہ) یہ بھی انکے اپنے تراشیدہ باطل دعووں میں سے ایک دعویٰ ہے۔ شیطان انسان کے پیچھے پڑا رہتا ہے ایمان اور اعمال صالحہ سے روکنے اور باز رکھنے کے لئے طرح طرح کی باتیں سمجھاتا ہے انہی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے یہود و نصاریٰ کو یہ سمجھایا کہ تم تو اللہ کی اولاد ہو اور اس کے محبوب ہو، تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ کیسے ہی اعمال کرو تمہارا سب کچھ معاف ہے۔ ان لوگوں نے شیطان کی اس بات کو مان لیا اور اپنے بارے میں یہ عقیدہ رکھ لیا کہ ہم اللہ کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں اس لئے ہم کو عذاب نہیں ہوگا۔

”وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ ابْنُ اللّٰهِ“ تفسیر قرطبی ص ۴۰ ج ۶ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے پاس تشریف لائے اور ان کی دعوت دی کہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کی طرح مانیں اور اس کے عذاب سے ڈریں۔ یہ سن کر کہنے لگے کہ اے محمد (ﷺ)! ہمیں کیا ڈراتے ہو ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب ہیں۔ نصاریٰ نے یہ بات کہی تھی یہود بھی کہنے لگے، اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ

نَحْنُ اَبْلَوْا اللّٰهَ وَاَحْبَاوْهُ نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا قول نقل فرما کر ان کی تردید فرمائی جو الزامی جواب کے پیرایہ میں ہے اور وہ یہ کہ قَلِمٌ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ (آپ ان سے فرمادیتے کہ پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کے سبب کیوں عذاب دے گا) جب تم اس کے بیٹے اور محبوب ہو تو عذاب سے کیوں ڈرتے ہو۔ عذاب کے اقرار ہی ہو کیونکہ تم لَنْ نَقْصَسَنَّ النَّارَ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْذُوْدَةً بھی کہتے ہو۔ کوئی شخص اپنے بیٹے یا محبوب کو ایک منٹ کیلئے بھی دنیا والی آگ میں ڈالنے کو تیار نہیں اور تم کہتے ہو کہ ہم چند دن کے لیے آخرت کے عذاب میں ڈالے جائیں گے۔ جموئے کو کچھ خیال نہیں رہتا کہ میں نے پہلے کیا کہا تھا۔ نصاریٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تنبیہ فرمائی تھی کہ اِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاِلٰهِهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا وُفُو النَّارِ (بلاشبہ جو شرک کرے اللہ کے ساتھ تو اللہ اس پر جنت کو حرام فرمادے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے) شرک بھی کر لیا، اللہ کے لئے اولاد بھی تجویز کر دی جو حسب تصریح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دوزخ میں داخل ہونے کا ذریعہ ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور محبوب ہیں ہمیں عذاب نہیں ہوگا اللہ کے نبی نے یہ فرمایا کہ مشرک دوزخ میں داخل ہوگا اور نبی کا فرمانِ برحق ہے اور تم یہ کہتے ہو کہ ہمیں عذاب نہ ہوگا نبی کی تکذیب کفر ہے اور باعثِ دخولِ نار ہے (۱)۔

اس کے بعد فرمایا اِنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ (کہ تم بھی اللہ کی مخلوق میں سے ہو) بشر ہو، آدمی جیسے دوسرے انسان ہیں ایسے ہی تم ہو، جیسے دوسروں سے اللہ تعالیٰ کا کوئی رشتہ ناطہ نہیں ہے تم سے بھی نہیں، اس کا بیٹا تو کوئی ہو نہیں سکتا۔ رہا محبوب ہونا تو محبوبیت کا تعلق ایمان اور اعمالِ صالحہ سے ہے۔ اللہ کے رسول کی تکذیب کر کے کافر بنے ہوئے ہو پھر بھی محبوب ہونے کا دعویٰ ہے یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ (اللہ تعالیٰ جس کی چاہے مغفرت فرمائے اور جسے چاہے عذاب دے) کوئی شخص بھی اس سے زبردستی بخشش نہیں کروا سکتا۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاللّٰهُ الْمَصِيْرُ (اور اللہ ہی کے لیے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) اس کا قانون ہے کہ مشرک اور کافر کی بخشش نہ ہوگی۔ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہاں جموئے دعوے جھوٹی باتیں سب سامنے آ جائیں گی اور ان پر عذاب ہوگا۔ یوم الحساب کو سامنے رکھو اور جھوٹ اور افتراء پر دازی سے باز آ جاؤ۔

**رسول اللہ ﷺ کی بعثت ایسے وقت میں ہوئی جبکہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ کئی سو سال سے منقطع تھا**

اس کے بعد فرمایا يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلُنَا يَبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰی فِتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ (کہ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو واضح طور پر تمہیں بتاتا ہے اور اس کی آمد ایسے وقت میں ہوئی ہے جبکہ رسولوں کے آنے کا سلسلہ (مدتِ دراز سے) موقوف تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے نبیوں کی تشریف آوری کا سلسلہ جاری تھا ایک نبی وفات پا جاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی مبعوث ہو جاتا تھا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد سلسلہ نبوت منقطع ہو گیا تھا۔ انہوں نے بشارت دی تھی کہ میرے بعد ایک رسول آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا۔ احمد سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا نام ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی نبی نہیں تھا، سورہ مائدہ کی آیت میں جو عَلٰی فِتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ

(۱)..... (علامہ قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے بَعْدَ بَعْثِ مُحَمَّدٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ کے معنی میں لیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنے دعویٰ کے اعتبار سے اللہ کے بیٹے اور محبوب ہو تو تمہیں سب کے بند اور خزیر کیوں بنادیا اور تم سے پہلے جو یہود و نصاریٰ گزرے ہیں تمہارے ہی جیسے تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے عذابوں میں کیوں مبتلا فرمایا (تفسیر القرطبی ص ۱۲۱ جلد ۶)

ہے اس سے سورہ صف میں جو مَہِشِرَامِ بِرَسُوْلٍ یَّاتِیْ مِنْ مَّ بَغْدِیْ اَسْمَہُ اَحْمَدُ ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات کے درمیان کوئی نئی نہیں تھا۔ بلکہ صحیح بخاری ص ۸۳۹ ج ۲ میں اس کی تصریح ہے کہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور فرمایا لَیْسَنَ بَیْنَنا نَبِیٌّ کہ ہمارے درمیان کوئی نئی نہیں ہے۔

بعض علماء نے بعض ایسے اشخاص کے بارے میں نئی ہونے کا احتمال ظاہر کیا ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ عرصہ پہلے گزرے تھے جن میں سے خالد بن سنان ایک نام ذکر کیا جاتا ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح اور صریح حدیث کے خلاف ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے اور بعض حضرات نے ان کی شخصیت کے موجود ہونے ہی میں شک کیا ہے بہر حال اگر وہ نئی تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے۔

فَتْرَةٌ مِنَ الرُّسُلِ کا زمانہ کتنا تھا..... زمانہ فترۃ جس میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے آنے کا سلسلہ منقطع رہا اس کی کتنی مدت تھی اس کے بارے میں حضرات مفسرین کرام نے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ امام بخاری نے اپنی سند سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ سو سال کا فاصلہ تھا۔ (بخاری ص ۵۶۲ ج ۲) بعض حضرات نے پانچ سو سال کا فاصلہ بتایا ہے۔ ان دونوں میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماء کے بعد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک چھ سو سال مراد لیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ مفسر ابن کثیر نے ص ۳۵ ج ۲ ایک قول چھ سو بیس سال کا بھی نقل کیا ہے اور پھر فرمایا ہے کہ چھ سو اور چھ سو بیس میں کوئی منافات نہیں جس نے چھ سو سال کہا اس نے چھ سو سال شمسی مراد لیے ہیں اور جس نے چھ سو بیس کہا اس نے چھ سو بیس قمری مراد لیے ہیں کیونکہ سو سال شمسی میں (تقریباً) تین سال قمری زائد ہو جاتے ہیں یہ جو فترۃ کا زمانہ تھا اس میں جہالت کفر و شرک اور گمراہی کا جو حال تھا اس کے بارے میں جامع الفاظ میں مفسر ابن کثیرؒ نے کیسی اچھی تعبیر کی ہے وہ فرماتے ہیں۔

والمقصود ان اللہ بعث محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم علی فترۃ من الرسل وطموس من السبل وتغییر الادیان وکثرة عبادة الاوثان والنیران والصلبان فكانت النعمة به اتم النعم والحاجة امر عمم فان الفساد کان قد عم جميع البلاد والطغیان والجهل قد ظهر فی سائر العباد الا قلیلا من المتمسکین بقایا من دین الانبیاء الاقلدین من بعض احبار اليهود وعباد النصارى والصابین ۱۵ (ص ۳۵ ج ۲)۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے وقت مبعوث فرمایا جب رسولوں کی آمد کا سلسلہ منقطع تھا اور ہدایت کے راستے مٹ گئے تھے اور دین بدل گئے تھے اور بت پرستی آتش پرستی اور صلیب پرستی کی کثرت ہو گئی تھی لہذا آپ کو مبعوث فرمایا اللہ تعالیٰ کی کامل ترین نعت ہے اور آپ کے تشریف لانے کی سب کو ضرورت تھی، تمام مغربوں میں فساد عام تھا، سرکشی اور جہالت تمام بندوں میں پھیل گئی تھی، بجز چند ایسے لوگوں کے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے دین کو پکڑے ہوئے تھے جن میں بعض احبار یہود تھے اور بعض وہ لوگ تھے جو نصاریٰ اور صابین میں سے تھے اللہ کی عبادت میں لگے ہوئے تھے۔

حضرت عیاض بن حمار مجاشعیؒ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ میرے رب نے مجھے حکم دیا کہ میں تمہیں ان چیزوں میں سے بتا دوں جو چیزیں آج اللہ نے مجھے تعلیم دی ہیں اور وہ تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو مال میں کسی بندہ کو دوں وہ اس کے لئے حلال ہے (لوگوں کے اپنے طور پر حرام قرار دینے سے اللہ کا دیا ہوا مال حرام نہ ہوگا۔ مشرکین بعض چیزوں کو حرام قرار دیتے تھے جو اللہ کے قانون میں حلال تھیں ان کی تردید فرمائی) اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے



اپنے بندوں کو دین حق پر پیدا کیا اور ان کے پاس شیاطین آگئے جنہوں نے ان کو ان کے دین سے ہٹا دیا اور شیاطین نے ان پر وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں اور شیاطین نے ان کو حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ شرک کریں جس کی میں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ (پھر فرمایا کہ) بلاشبہ اللہ نے زمین والوں کو دیکھا تو عرب اور عجم سب کو بہت زیادہ مغرض قرار دیا بجز ان چند لوگوں کے جو اہل کتاب میں سے باقی رہ گئے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہیں رسول بنا کر بھیجتا ہوں۔ تاکہ تم کو آزمائش میں ڈالوں اور تمہارے ذریعہ دوسروں کو آزمائیں اور میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی جسے پانی نہیں دھوئے گا۔ (کیونکہ وہ سینوں میں محفوظ ہوگی) آپ اسے سوتے ہوئے بھی پڑھیں گے اور جاگتے ہوئے بھی، پھر فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں قریش کو حلا دوں۔ میں نے عرض کی کہ اے میرے رب! ایسا کرنے سے وہ میرا سر پھوڑ دیں گے اور اسے چل کر روٹی کی طرح بنا دیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم انہیں (جنگ کے لئے) نکالو جیسے انہوں نے تمہیں نکالا اور ان سے جنگ کرو، ہم تمہاری مدد کریں گے اور خراج کرو، ہم تم پر خراج کریں گے اور تم اپنا لشکر بھیجو، ہم اس سے پانچ گنا زیادہ لشکر بھیجیں گے۔ (الحديث رواه مسلم ص ۳۸۵ جلد ۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ فترۃ میں چند ہی لوگ تھے جو توحید پر قائم تھے اور ان کے علاوہ عرب اور عجم کے لوگ مشرک اور گمراہ تھے اللہ جل شانہ نے کرم فرمایا نبی آخر الزمان سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کی مشقتوں اور محنتوں اور آپ کے صحابہ کی قربانیوں اور مجاہدوں سے کفر کی فضا میں چھٹ گئیں شرک کی جگہ توحید پھیل گئی، لوگوں پر ایمان اور کفر پوری طرح واضح ہو گیا۔ حق اور ہدایت کے راستے کھل گئے عرب و عجم کے شہروں میں اور دیہاتوں میں اور درافقہ قبیلوں میں ایمان کی لہریں دوڑ گئیں اور قلوب ہدایت کے نور سے جگمگا اٹھے۔

اللہ تعالیٰ نے سب پر اپنی جنت پوری فرمادی کسی کو یہ بات کہنے کا موقع اور بہانہ نہ رہا کہ ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا تھا فَقَدْ جَاءَكُمْ بِبَشِيرٍ وَنَذِيرٍ (سو تمہارے پاس بشیر اور نذیر آ گیا) کسی بھی حجت اور حیلے سازی کا بہانہ نہ رہا جو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانے وہ عذاب دائمی کا مستحق ہوگا۔ وَاللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اسے پوری قدرت ہے کہ اپنے نافرمانوں کو سزا دے اور فرمانبرداروں کو انعامات سے نوازے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ ادْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جو اس نے تمہیں عطا فرمائی جب کہ اس نے تم میں انبیاء بنائے اور تمہیں بادشاہ

مُلُوكًا ۖ وَآتَكُمْ مَّا لَمْ يُوْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝ يَقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي

بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا، اے میری قوم! مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے

كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ۝ قَالُوا يَمُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا

تمہارے لئے لکھ دی ہے اور پیچھے واپس مت لوؤ ورنہ نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے، وہ کہنے لگے اے موسیٰ! یہ واقعی بات ہے کہ اس

قَوْمًا جَبَّارِينَ ۖ وَإِنَّا لَنَ نَّدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ ۝

سرزمین میں بڑے زبردست لوگ ہیں، اور بے شک اس بستی میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک لوگ نہ نکل جائیں گے۔ سو اگر وہ اس سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو جائیں گے۔

قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ اللَّهَ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۖ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ

دو آدمیوں نے کہا جو ڈرنے والے تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمایا تھا کہ تم لوگ ان پر دروازے سے داخل ہو جاؤ۔ سو جب تم اس میں داخل ہو گے

فَاتَّكَمَ غَلِبُونَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا ۖ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ قَالَوا يٰيُوسُفٰ اِنَّا لَن نَّدْخُلُهَا

تو بلاشبہ تم غلبہ پانے والے ہو گے، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اگر تم مؤمن ہو، وہ کہنے لگے کہ اے یوسف! ہم ہرگز کبھی بھی اس میں داخل نہ ہوں گے

اَبَدًا ۖ مَا دَامُوا فِيهَا فَادْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا ۖ اِنَّا هُنَا قَاعِدُونَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ

جب تک کہ وہ لوگ اس میں موجود ہیں لہذا تو اور تیرا رب دونوں جائیں پھر دونوں جنگ کر لیں بے شک ہم تو یہیں بیٹھے ہیں یوسف! نے کہا کہ اے میرے رب!

لَا اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاِخِیْ فَاَفْرِقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۝ قَالَ فَانْهٰا مُحَرَّمَةٌ

بے شک میرے بس میں صرف میری جان اور میرا بھائی ہے، لہذا ہمارے اور فاسق قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو یہ سرزمین ان لوگوں پر

عَلَيْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتَّبِعُهُمْ فِي الْاَرْضِ طٰفِلًا تَتَّسِعُ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۝

چالیس سال تک حرام رہے گی۔ زمین میں حیران پھرتے رہیں گے سو آپ نافرمان قوم پر رنج نہ کیجئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا

اور انہیں ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم دینا اور ان کا اس سے انکاری ہونا۔

ان آیات میں بنی اسرائیل کا ایک واقعہ ذکر فرمایا اس واقعہ میں عبرت ہے اور اس بات کی دلیل بھی ہے کہ بلاشبہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہیں سورہ مائدہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی وہاں یہود موجود تھے انہیں اپنے آباؤ اجداد کے قصے معلوم تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے واقعات کو بتانا (جن کے جاننے کا آپ کے لئے وحی کے سوا کوئی راستہ نہ تھا) اس امر کی صریح دلیل ہے کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں، یہودیوں میں سے چند افراد ہی ایمان لائے مگر جنت سب پر پوری ہو گئی۔

واقعہ یہ ہے کہ جب فرعون کا لشکر سمندر میں ڈوب کر ختم ہو گیا اور فرعون بھی ہلاک ہو گیا اور بنی اسرائیل سمندر پار ہو کر شام کے علاقہ میں داخل ہو گئے تو اب انہیں اپنے وطن فلسطین میں جانا تھا یہ لوگ کئی سو سال کے بعد مصر سے واپس لوٹے تھے۔ ”جائے خالی رادیوی گیر“ ان کے پیچھے عمالقہ نے ان کے وطن پر قبضہ کر لیا تھا یہ لوگ قوم عاد کا بقیہ تھے اور بڑے قد و قامت اور بڑے ذلیل ڈول والے اور قوت و طاقت والے تھے اللہ تعالیٰ شانہ نے مقتدر فرمایا تھا کہ یہ سرزمین بنی اسرائیل کو ملے گی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اول تو ان کو اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں اور انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی تم پر بڑی بڑی مہربانیاں ہیں۔ آئندہ زمانہ میں تم میں کثرت کے ساتھ نبی ہوں گے اور تم میں بہت سے بادشاہ ہوں گے، اس نعمت کے رکھ رکھاؤ کے لیے اپنی جگہ ہونی چاہئے جس میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام آزادی کے ساتھ تبلیغ کر سکیں اور احکام الہیہ پہنچا سکیں اور جس میں تمہارے بادشاہ اپنے اقتدار کو کام میں لاسکیں اور معاملات کو نمٹا سکیں۔ اب تک تم قبط (مصری قوم) کے ماتحت تھے جنہوں نے تمہیں غلام بنا رکھا تھا اب تم اپنے وطن میں داخل ہو جاؤ یہ مقدس سرزمین تمہارے لیے اللہ نے مقتدر فرمادی ہے، تم پشت پھیر کر واپس نہ ہو آگے بڑھو۔ جنگ کرو، جن لوگوں نے قبضہ کر رکھا ہے وہ ہاں سے نکل جائیں گے ہمت کرو اور حوصلہ سے کام لو اور نہ نقصان اٹھاؤ گے۔

اس موقع پر چند آدمی بطور نقیب قوم عمالہ کی خیر خبر لینے کے لیے بھیجے گئے تھے انہوں نے جو عمالہ کا ذیل ڈول اور قد و قامت دیکھا تو واپس آ کر موسیٰ علیہ السلام سے آکر بیان کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کا حال پوشیدہ رکھو لشکر والوں میں سے کسی کو نہ بتانا ورنہ بزدلی اختیار کر لیں گے اور لڑنے سے گریز کریں گے، لیکن وہ نہ مانے انہوں نے اپنے اپنے رشتہ داروں کو بتا دیا البتہ ان میں سے دو حضرات یعنی حضرت یوشع بن نون اور حضرت کالب بن یوقنا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات پر عمل کیا اور نہ صرف یہ کہ بنی اسرائیل سے عمالہ کا حال پوشیدہ رکھا بلکہ بنی اسرائیل کو ہمت اور حوصلہ دلایا کہ چلو آگے بڑھو دروازہ میں داخل ہو! دیکھو اللہ کی کیسی مدد ہوتی ہے تم داخل ہو گے تو وہ نکل بھاگیں گے اور تم کو غلبہ حاصل ہوگا اگر مؤمن ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔ مؤمن کا کام اللہ پر توکل کرنا ہے ہٹنا نہیں ہے خصوصاً جبکہ تمہیں بشارت دی جا رہی ہے کہ یہ زمین اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے تو پھر کیوں پشت پھرتے ہو؟ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی سمجھایا اور یوشع بن نون اور کالب نے بھی زور دیا کہ چلو آگے بڑھو لیکن انہوں نے ایک نہ مانی۔ آپس میں کہنے لگے کاش! ہم مصر سے نہ آتے وہیں رہ جاتے (جب غلامی کا ذہن بن جاتا ہے اور ذلت اور پستی دلوں میں رچ اور بس جاتی ہے تو انسان تھوڑی سی تکلیف سے جو عزت ملے اس کی بجائے ذلت ہی کو گوارا کر لیتا ہے) دھاڑیں مار کر رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم مصر ہی میں ہوتے تو اچھا تھا کبھی کہتے تھے کاش! ہم اسی جنگل میں مر جاتے اور ہمیں عمالہ کی سرزمین میں داخل ہونے کا حکم نہ ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے برملا کہہ دیا کہ ہم ہرگز اس سرزمین میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہاں سے نہ نکل جائیں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو سکتے ہیں (گویا یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر احسان نہ ہے کہ وہ نکلیں گے تو ہم داخل ہو جائیں گے) انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی کہا کہ جب تک دو لوگ اس میں موجود ہیں ہم ہرگز کبھی بھی اس میں داخل نہیں ہو سکتے (لڑنا ہمارے بس کا نہیں) تو اور تیرا رب دونوں جا کر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کا یہ ڈھنگ دیکھا اور ان کے ایسے بے تکے جواب سنے تو بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب! میرا بس ان لوگوں پر نہیں چلتا، مجھے اپنے نفس پر قابو ہے اور میرا بھائی یعنی ہارون علیہ السلام بھی فرماں برداری سے باہر نہیں ہم دونوں کیا کر سکتے ہیں لہذا ہمارے اور فاستقوں کے درمیان فیصلہ فرمادیجئے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ یہ سرزمین ان لوگوں پر چالیس سال تک حرام ہے اپنی حرکتوں کی وجہ سے اس وقت داخلہ سے محروم کئے جا رہے ہیں اس چالیس سالہ مدت میں زمین میں حیران پھرتے رہیں گے، چنانچہ چالیس سال تک چھ فرسخ یعنی اٹھارہ میل جگہ میں گھومتے رہے صبح کو جہاں سے چلتے تھے شام کو وہیں کھڑے ہوئے ہوتے تھے اس وقت ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ اس عرصہ میں حضرت موسیٰ علیہا السلام کی وفات بھی ہو گئی اور اس وقت جتنے بنی اسرائیل موجود تھے تقریباً سب کو اسی میدان میں اس چالیس سالہ مدت کے اندر اپنے اپنے وقت پر موت آ گئی، البتہ حضرت یوشع اور حضرت کالب زندہ تھے اور جب چالیس سال پورے ہو گئے اور بنی نسل تیار ہو گئی تو حضرت یوشع علیہا السلام کی سرکردگی میں وہ مقدس سرزمین فتح ہوئی اور بنی اسرائیل اس میں داخل ہوئے۔ (من ابن کثیر و معالم التنزیل)

فَوَاسِدَ مُتَعَلِّقَةٍ وَاقِعَةٍ بَنِي إِسْرَآئِيلَ..... (۱) یہ جو فرمایا کہ وَالنَّحْمُ مَا لَكُمْ يُؤْتِي أَخَذًا مِّنَ الْعَالَمِينَ (اور تم کو وہ دیا جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا) بظاہر اس سے جو یہ ابہام ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کو باقی تمام امتوں پر فضیلت دیدی گئی (حالانکہ امت محمدیہ سب سے افضل ہے) اس ابہام کا دفعیہ یوں ہے کہ بنی اسرائیل کے زمانہ تک جو امتیں تھیں ان کو جو عطا فرمایا تھا ان میں سب سے زیادہ بنی اسرائیل کو دیا تھا۔ اگلی پچھلی تمام امتیں اس سے مراد نہیں ہے اس لیے مفسرین کرام الْعَالَمِينَ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی عالمی زمانہ ہم اور صاحب معالم التنزیل نے مجاہد سے یوں نقل کیا ہے بِعَنِ الْمَنِّ وَالسُّلُوبِ وَالْحَجَرِ وَتَظْلِيلِ الْغَمَامِ۔ یعنی آیت میں جو یہ فرمایا ہے

کہ تمہیں وہ کچھ دیا ہے جو کسی کو نہیں دیا اس سے من و سلوی نازل فرمانا اور پتھر سے پانی کے چشمے نکالنا اور بادلوں کا سایہ کرنا مراد ہے، یہ چیزیں بحیثیت امت کے بنی اسرائیل کے علاوہ کسی کو نہیں دی گئیں۔

(۲) چھ فرسخ جگہ میں چالیس سال تک سرگرداں پھرتے رہے اس کے بارے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کہاں جانا چاہ رہے تھے جس بستی میں جانے کا حکم ہوا تھا وہاں تو جانا گوارہ نہ تھا پھر صبح سے شام تک کا سفر جو کرتے تھے وہ کس مقصد سے تھا؟ اس کے بارے میں علمائے تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ مصر جانا چاہتے تھے کیونکہ وہاں کئی سو سال رہے تھے وہاں کی سرزمین سے مانوس ہو گئے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا بظاہر مقصد کچھ بھی نہ تھا یہ جوانبوں نے کہا تھا کہ ہم ہرگز اس بستی میں داخل نہ ہوں گے جبکہ جبر و قوت والی قوم وہاں سے نکل نہ جائے اس کی سزا انہیں یہ ملی کہ جب حکم کے مطابق ایک جگہ قیام پذیر ہونا نہیں چاہتے تو اب چلتے ہی رہو۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ دعا کی کہ **فَاَفْرِقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ** (کہ ہمارے اور فاسقوں کے درمیان فیصلہ کر دیجیے) اس کا یہ مطلب تھا کہ ہمارے اور نافرمان قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجیے۔ یہ لوگ جس سزا کے مستحق ہیں ان کو وہ سزا دیجیے اور جس انعام کی ہمیں ضرورت ہے اس انعام سے ہمیں نوازد دیجیے قال صاحب الروح بان تحكم لنا بما نستحقه وعلیہم بما يستحقونه کما هو المروی عن ابن عباس والضحاك رضى الله عنهم .

(۴) بنی اسرائیل کے قول قبیح کے برخلاف حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدر کے موقع پر کیا ہی اچھا جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر کے موقع پر مشرکین سے جنگ کرنے کے بارے میں مشورہ فرما رہے تھے اس موقع پر حضرت مقداد بن الاسود نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم ایسا نہ کہیں گے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا اِذْ هَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هُنَا قَاعِدُونَ (جنگ کیجئے) ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے جنگ کریں گے۔ ان کی بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت خوشی ہوئی چہرہ انور چمکنے لگا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۳، ۵۶۴)

وَاَتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَا ابْنِ آدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتَقَبَّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَاَلَمْ

يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاُخْرٰى قَالَ لَا قُتِلْتُمْ ۖ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ لَئِنْ

بَسَطْتَ اِلٰى يَدِكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَا اَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيْ اِلَيْكَ لَا قُتِلْتَ ۖ اِنِّىْٓ اَخَافُ

اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْءَ بِاِشْيِىْ وَارْتَمِكَ فَتَكُوْنُ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ

جو سب جہانوں کا پروردگار ہے، بلاشبہ میں جانتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ اپنے سر دھر لے پھر تو دوزخ والوں میں سے ہو جائے اور یہ ظالموں

جَزَاؤَ الظَّالِمِينَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

کی سزا ہے سو اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر لیا سو اس نے اسے قتل کر دیا جس کی وجہ سے وہ نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا

فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُزِيَّهُ كَيْفَ يُؤَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ ۖ قَالَ يُوزِلْتِ

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا وہ زمین کو کرید رہا تھا تاکہ وہ اسے دکھادے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے کہنے لگا افسوس میری حالت پر! کیا میں اس سے عاجز ہو گیا

أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ فَأُؤَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي ۖ فَأَصْبَحَ مِنَ الثَّامِسِينَ ۝

کہ اس کو بے کی طرح ہو جاؤں سو اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دوں پھر وہ بچھپتانے والوں میں سے ہو گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ ایک کا دوسرے کے قتل کرنا،

پھر اس کی لاش کو لئے ہوئے پھرنا

یہاں قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ نقل فرمایا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ یہ دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے صلیبی بیٹے تھے اور آیت کریمہ کے ظاہری الفاظ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ حقیقی معنی صحیح ہو سکتے ہوں تو مجازی معنی لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، اگرچہ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ دونوں بھائی (قاتل و مقتول) بنی اسرائیل میں سے تھے اور مجازاً دوردراز پوتوں کو ابْنِیْ اٰدَمَ (آدم کے دو بیٹوں) سے تعبیر فرمایا ہے۔

قصہ کیوں پیش آیا اور اس کے اسباب و محرکات کیا تھے؟ اس کے بارے میں جو کچھ ملتا ہے وہ سب اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے۔ قرآن کریم میں اجمالی قصہ ذکر فرمایا ہے پھر آخر میں بطور عبرت مِنْ اٰخِلِ ذٰلِكَ تَحْتَبٰنَا (الیٰ آخرہ) فرمادیا۔ تفصیل کے ساتھ قصہ معلوم نہ ہو تب بھی مضمون عبرت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مفسرین کثیر ص ۱۲ ج ۲ نے بحوالہ سدی حضرت ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہم سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جو اولاد ہوتی تھی اس میں ہر بار ایک لڑکا اور ایک لڑکی جڑواں پیدا ہوتے تھے۔ (اس زمانے میں نسل بڑھانے کی ضرورت تھی اور اولاد کا آپس میں نکاح کرنے کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا کہ ایک ہی شخص کی صلیبی اولاد کا آپس میں نکاح کر دیا جائے تاہم اتنا فرق ضرور کرتے تھے کہ ایک ہی لڑکا سے ایک ساتھ جو جڑواں لڑکا لڑکی پیدا ہوتے ان کا آپس میں نکاح نہیں کرتے تھے بلکہ ایک لڑکا کے لڑکے کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوتی تھی اس کا نکاح دوسرے لڑکا سے پیدا ہونے والے لڑکے سے کیا جاتا تھا، حتیٰ کہ دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام قاتیل تھا جو کبھی کرنے والا تھا اور دوسرے کا نام ہاتیل تھا جس کے پاس دودھ دینے والے مویشی تھے، قاتیل بڑا تھا اس کے ساتھ جو بہن پیدا ہوتی تھی وہ ہاتیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن سے زیادہ خوبصورت تھی ہاتیل نے چاہا کہ قاتیل کی بہن سے نکاح ہو جائے اور ضابطہ کے مطابق اس کا نکاح ہاتیل سے ہی ہونا چاہئے تھا۔ قاتیل اس بات پر نہ مانا اور اس نے کہا کہ یہ میری بہن ہے میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے جو تیرے ساتھ پیدا ہونے والی بہن سے زیادہ خوبصورت ہے اور میں اس کا زیا دہ مستحق ہوں کہ میرا نکاح اس سے ہو (قانون شرعی کے خلاف نفس کی خواہش پر عمل کرنے کا ارادہ کیا)

حضرت آدم علیہ السلام نے قاتیل سے کہا کہ یہ لڑکی جو تیرے ساتھ پیدا ہوئی ہے اس کا نکاح ہاتیل سے کر دیں لیکن قاتیل نہیں مانا پھر جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے دونوں نے الگ الگ اللہ کی بارگاہ میں نیاز پیش کی کہ جس کی نیاز قبول ہو جائے وہی اس لڑکی سے نکاح کرنے کا

حق دار ہوگا۔ دونوں نے جب نیاز پیش کی تو ہاتیل کی نیاز قبول ہوگئی، آسمان سے آگ آئی اور اس کو جلاو یا قاتیل کی نیاز رکھی گئی۔ جب اس کی نیاز قبول نہ ہوئی اور آسمانی فیصلہ بھی اس کے خلاف ہو گیا تو کٹ جھتی کرنے والوں کی طرح ہاتیل سے کہا کہ میں تجھے قتل کروں گا اس میں ہاتیل کا کچھ قصور نہ تھا اس کی نیاز قبول ہونے کا فیصلہ اللہ کی طرف سے تھا لیکن قاتیل غصہ ہونے لگا جیسا کہ ہٹ دھرموں کا طریقہ ہے ضدی آدمی جب دلیل سے عاجز ہو جاتا ہے تو فریق مخالف سے کہتا ہے کہ میں تجھے ماروں گا یا قتل کروں گا۔ ہاتیل نے منانت کے ساتھ جواب میں کہا کہ اِنَّمَا يَنْتَقِلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَقِينَ ۝ (اللہ تعالیٰ متقی بندوں سے ہی قبول فرماتا ہے) بات کہنے کا کیسا اچھا اسلوب اختیار کیا تو اپنی تعریف کی کہ میں مخلص ہوں اور نہ قاتیل سے یوں کہا کہ تو مخلص نہیں ہے اور ایک قانونی بات بتادی اور اچھے پیرایہ میں یہ سمجھا دیا کہ اگر تو متقی ہوتا تو تیری نیاز قبول ہو جاتی۔

ہاتیل نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے یہ بھی کہا اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے تیری طرف ہاتھ نہ بڑھاؤں گا۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو رب العلمین ہے، مفسرین نے لکھا ہے کہ ہاتیل قاتیل سے قوت اور طاقت میں زیادہ تھا لیکن اس نے مقتول ہو جانا گوارا کر لیا۔ اور اپنے بھائی پر ہاتھ اٹھانا گوارا نہ کیا۔ دفاع کے لیے جوابی طور پر ہتھیار اٹھانا مشروع تو ہے لیکن ہاتیل نے یہ خیال کرتے ہوئے مظلوم ہو کر مقتول ہو جانا قاتل ہونے سے بہتر ہے صبر کر لیا (یہاں بعض چیزوں میں ہماری شریعت کے اعتبار سے بعض اشکالات بھی سامنے آسکتے ہیں لیکن چونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام انبیاء کی شرائع احکام کے اعتبار سے متفق ہوں اس لئے یہ اشکال رفع ہو جاتے ہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ فتنوں کے زمانہ میں کیا کریں:..... اخیر زمانہ میں فتنے بہت زیادہ ہوں گے۔ اس وقت قتل و خون بہت ہوگا اس وقت بھی ہاتیل کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت سے پہلے اندھیری رات کے نکڑوں کی طرح فتنے ہوں گے ان فتنوں میں انسان صبح مؤمن ہوگا اور شام کافر ہوگا اور شام کو مؤمن ہوگا اور صبح کو کافر ہوگا بیٹھے والا کھڑے ہونے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا اس وقت تم اپنی کمانوں کو توڑ دینا اور ان کی تانٹوں کو کاٹ دینا اور اپنی تلواروں کو پتھروں سے کچل دینا، اور اپنے گھروں میں اندر بیٹھ جانا پھر بھی تم میں سے کسی کے پاس کوئی شخص قتل کرنے کے لئے پہنچ جائے تو آدم کے دو بیٹوں میں جو اچھا بیٹا تھا اس کی طرح ہو جانا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۶ ج ۴)

یعنی ہاتیل کی طرح ہو جانا قاتل ہو جانا منظور کر لینا اور خود قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہ اٹھانا۔ حضرت ایوب سختیانی نے فرمایا کہ اس امت میں سے سب سے پہلے جس نے مَآءِ آتَا بِسَاطِ يَدَيِ الْيَاسِكِ لَا قُتْلَكَ پر عمل کیا وہ حضرت عثمان بن عفان تھے وہ امیر المؤمنین تھے قتال اور دفاع سب کچھ کر سکتے تھے لیکن انہوں نے مقتول ہونا پسند کر لیا اور قتال کرنا منظور نہ کیا رضی اللہ عنہ۔

ہاتیل نے مزید سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا اِنِّیْ اَرِیْدُ اَنْ تَبُوْا اَبَائِیْہِیْ وَ اَیْمَلِیْکُمْ فَتَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ ط یہ قاتیل کو خطاب ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں تو اپنے گناہ بھی لے اور میرے گناہ بھی لے ان سب کو اپنے اوپر اٹھالے اور دوزخ والوں میں سے ہو جائے، وَ ذٰلِیْکَ جَسَدٌ اَوْ اَلْطَّا لِمِیْنِ ۝ اور یہ ظالموں کی جزا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرے جو گناہ ہیں ان کا بوجھ تو تیرے اوپر ہے ہی اور ان میں میرے قتل کا گناہ بھی اپنے سر دھرنے کو تیار ہے۔ یہ سب گناہ مل کر تیرے دوزخ میں جانے کا سبب بن جائیں گے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب..... یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک مؤمن کو اپنے بھائی کا خیر خواہ ہونا چاہئے ہاتیل نے جو یہ کہا

کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنا اور میرا گناہ اپنے سر رکھ لے اور دوزخیوں میں سے ہو جائے یہ تو خیر خواہی کے جذبہ کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے ہر طرح سے اپنے بھائی کو سمجھالیا تھا جب اس نے نصیحت قبول نہ کی اور کسی طرح تفہیم فائدہ مند نہ ہوئی تو پھر بائبل نے دوسرا رخ اختیار کیا اور بتا دیا کہ جو بچہ تو کرنا چاہتا ہے اس کا نتیجہ برا ہے جو دوزخ میں جانے کی صورت میں ظاہر ہوگا میرا بھائی نہ اٹھانا تیرے دوزخ میں جانے کا ذریعہ بن جائے گا۔

ممکن ہے کہ بائبل کی نصیحت سے اور کچھ اپنی سمجھ سے قاتیل کو ترس دیا ہو کہ قتل کرے یا نہ کرے؟ لیکن بالآخر اس کے نفس نے اس پر آمادہ کر دیا کہ اپنے بھائی کو قتل کر دے، چنانچہ اس نے قتل کر ہی ڈالا قتل کر کے زبردست نقصان میں پڑ گیا، دنیا میں بھی نقصان ہوا کہ ایک بھائی سے محروم ہوا اور والدین بھی ناراض ہوئے اور خالق کائنات جل مجدہ کو بھی ناراض کر دیا اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ رہا۔

قتل کا طریقہ ابلیس نے بتایا..... قاتیل نے قتل کا ارادہ تو کر لیا لیکن قتل کیسے کرے یہ بھی ایک سوال تھا کیونکہ اس سے قبل دنیا میں کوئی مقتول نہ ہوا تھا۔ قتل کرنا چاہا تو گردن مروڑنے لگا لیکن اس سے کچھ حاصل نہ ہوا اس موقع پر ابلیس ملعون پہنچ گیا اور اس نے ایک جانور لیا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے مار دیا۔ قاتیل دکھتا رہا اور پھر اس نے اپنے بھائی کے ساتھ بھی ایسا کیا اور قتل کر دیا اس بارے میں مفسرین نے دوسری صورتیں بھی نقل کی ہیں لیکن کیفیت قتل کی تعیین پر کوئی حکم شرعی موقوف نہیں ہے اس لئے کسی صورت کے متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ اس نے قتل کر دیا جس کی تصریح لفظ **فَقَتَلَهُ** میں موجود ہے

قاتیل کو پریشانی کہ مقتول بھائی کی لاش کا کیا کرے؟..... قتل تو کر دیا لیکن اس سے پہلے کوئی میت دیکھی نہ تھی کوئی مر جائے تو کیا کیا جائے اس کے بارے میں کچھ علم نہ تھا اب قاتیل حیران تھا کہ بھائی کی لاش کو کیا کرے اسی حیرانی اور پریشانی میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دو کتے بھیجے دونوں آپس میں لڑے اور ایک نے دوسرے کو مار دیا پھر اسی مارنے والے کتے نے زمین کو کرید اور مردہ کو بے کی لاش کو دفن کر دیا **فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيَبْرَأَ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَ أَخِيهِ** (سوال اللہ نے بھیج دیا ایک کتا جو کرید رہا تھا زمین کو تاکہ وہ اسے دیکھائے کہ کیسے چھپائے اپنے بھائی کی لاش کو) جب قاتیل نے یہ منظر دیکھ لیا تو زمین کھود کر اپنی بھائی کی لاش کو دفن کر دیا اور یہ بھی کہا: **يُولِيْتِي أَعْجَزْتُ أَنْ أَكُونُ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِي سَوْءَ أَخِي ط فَاصْبِرْ مِنَ الْعَذَابِ** (ہائے افسوس! میری حالت پر کیا میں اس سے بھی عاجز ہو گیا کہ اس کتے کی طرح ہو جاؤں پھر اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دوں۔ خسران یعنی نقصان عظیم کا تو مستحق ہوا ہی تھا! اپنی ناگہمی پر نادم ہوا کہ میں کو بے جیسا بھی نہ ہو سا جو اپنے بھائی کی لاش کو اپنی سمجھ سے کہیں ٹھکانا لگا دیتا۔)

### فوائد متعلقہ واقعہ ہائیل و قاتیل

۱۔ واقعہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد میں شروع ہی سے توحید پھیلائی تھی اور جو احکام ان کے لیے شروع کئے گئے تھے ان احکام پر عمل کرتے تھے اور اپنی اولاد کو بھی ان کے مطابق چلاتے تھے اسی لیے تو یہ سوال پیدا ہوا کہ فلاں بطن کی لڑکی فلاں بطن کے لیے حلال ہے اور فلاں بطن کے لیے حرام ہے، پھر جب اختلاف ہوا تو دونوں لڑکوں نے ہار گاہ خداوندی میں قربانی پیش کی اور قربانی کے ذریعہ اختلاف کا فیصلہ کرنا چاہا کہ اللہ تعالیٰ جس کی قربانی قبول کر لے وہ صحیح راہ پر ہوگا۔

انسان اپنے عہد اول سے توحید کا عقیدہ رکھنے کا پابند ہے اور اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے جو اسے اس کے نبی کے ذریعہ پہنچے ہوں، حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان بھی تھے اور سب سے پہلے نبی بھی وفد جاء تصویح ذالک فی الحدیث کما فی مشکوٰۃ (ص ۵۱۱ و ص ۵۱۲)

۲۔ جب دونوں بھائیوں نے اللہ کی بارگاہ میں نیاز پیش کی (ہائیل نے ایک مینڈھا پیش کیا اور قاتیل نے کچھ بالیس پیش کیں) تو اللہ تعالیٰ نے ہائیل کی نیاز کو قبول فرمایا۔ آسمان سے آگ آئی اور اس کو جلا دیا، قاتیل نے جو کچھ پیش کیا تھا وہ یوں ہی رکھا رہ گیا اس پر اسے غصہ آیا، اول تو پہلے ہی سے ناراض تھا۔ اب مزید نفسانیت میں ابھار آیا۔ اس ابھار کا باعث یہ بھی ہے کہ لوگوں کو جب یہ معلوم ہوگا کہ اس کی نیاز قبول نہیں ہوئی تو ان کی نظروں میں خفیف ہوں گا، قاتیل ہائیل سے کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا اس میں ہائیل کا کوئی قصور نہ تھا جس لڑکی کے بارے میں جھگڑا ہو رہا تھا اس بارے میں ہائیل کی بات قانون خداوندی کے مطابق تھی اور جب نیاز قبول نہ ہوئی تو اس میں بھی ہائیل کا کوئی قصور نہ تھا، قاتیل کو حسد ہوا کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا اس پر ہائیل نے اچھے انداز میں اس کو سمجھایا اور یہ کہہ دیا کہ **إِنَّمَا يَنْتَقِبِلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ** ۵ کہ اللہ تعالیٰ متقین ہی سے قبول فرماتا ہے مطلب یہ تھا کہ اگر تو متقی ہوتا تو تیری نیاز قبول ہوتی، اول تو پہلے ہی حکم شرعی کے خلاف ورزی پر اسرار ہے اور اب مجھے قتل کرنے کا ارادہ کر رہا ہے ان سب باتوں کو چھوڑ کر تقویٰ اختیار کرنا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال قبول ہوں،

تقویٰ کے عموم میں کفر شرک سے بچنا اور ہر طرح کے گناہوں سے بچنا سب آجاتا ہے اور کافر کا تو کوئی عمل قبول ہی نہیں ہے، کسی عمل کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو جانا بہت بڑی نعمت ہے، عمل تو بہت کئے جاتے ہیں لیکن ثواب اسی عمل پر ملے گا جو اللہ کے یہاں قبول ہو جائے حضرت ابو دردرا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **لَا تَسْتَقِينُ إِنْ لَمْ تَقْبَلِ لِي صَلَوةٌ وَاحِدَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا مَا فِيهَا**، ان اللہ يقول انما يتقبل الله من المتقين۔ (ابن کثیر)

(اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ میری ایک نماز مقبول ہوگئی تو یہ میرے لیے ساری دنیا اور اس میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہوگا) تو گویا ایک اچھے پیرائے میں ہائیل نے قاتیل کو سمجھا دیا کہ تقویٰ اختیار کر چونکہ اس میں حسد کی آمیزش بھی تھی وہ بھی گناہ ہے اس لئے تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت میں حسد سے باز رہنے اور بچنے کی بھی تنبیہ ہوگئی، حاسد یہ دیکھتا ہے کہ فلاں شخص کو ایسی ایسی نعمت مل گئی ہے اور خواہ مخواہ صاحب نعمت سے جلتا ہے حالانکہ صاحب نعمت کا اس میں کچھ بھی قصور نہیں ہوتا اس میں تو اللہ تعالیٰ سے ناراضگی ہے کہ فلاں کو کیوں دیا مجھے کیوں نہیں دیا، ہائیل نے جو قاتیل کو نصیحت کی اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ صاحب نعمت کی نعمت کے زوال کی فکر میں پڑھنے کی بجائے حاسد کو تقویٰ اختیار کرنا چاہئے درحقیقت تقویٰ بہت بڑی چیز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ **اَوْصِيكَ بِتَقْوَى اللَّهِ فَإِنَّهُ أَزِينٌ لِمَرْكَ كَلَه** (کہ میں تجھے اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تیرے ہر کام کو زینت دینے والا ہے) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

۳۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ ہائیل سب سے پہلا مقتول بھی تھا اور سب سے پہلا میت بھی تھا اس سے پہلے کسی انسان کی موت نہ ہوئی تھی لہذا قتل کرنے کے بعد قاتیل کو پریشانی تھی کہ لاش کو کیا کریں لہذا بوری وغیرہ میں بھر کر لاش کو کمر پر اٹھائے ہوئے پھرتا رہا، اول تو بوجھ اٹھا کر لیے پھرنے کی مصیبت! دوسرے اس کے ارد گرد مردہ خور جانوروں کی بھیر کے یہاں سے پھینکے تو کھائیں دونوں ہائیل و قاتیل جان بچی ہوئی تھیں جب ایک کوڑے نے دوسرے کو قتل کر کے اور فتن کر کے دکھا دیا تو اپنے بھائی کی لاش کو فتن کیا، لاش کو ختم کرنے کے اور بھی طریقے تھے مثلاً آگ میں جلا دیا جائے یا سمندر میں پھینک دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین میں فتن کرنے کا طریقہ بتایا گیا جو ایک طبعی اور فطری طریقہ ہے، انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے اور مٹی ہی میں مل جانا ہے۔ گلے سڑے جو کچھ ہومٹی کے اندر ہو، اس کے بعد سے عموماً تمام انسان لاشوں کو فتن ہی کرتے ہیں سوائے ہندوستان کے مشرکوں کے کہ وہ جلاتے ہیں اور سوائے پارسیوں کے کہ وہ اپنی



نecشوں کو گدھوں کو کھلا دیتے ہیں انسان کا اکرام اسی میں ہے کہ موت کے بعد اسے دفن کر دیا جائے، اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی طریقہ ہے۔

مَنْ أَجَلَ ذَلِكَ ۖ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جو بھی کوئی شخص کسی شخص کو بلا عوض جان کے یا بغیر کسی فساد کے قتل کر دے جو زمین میں ہو تو گویا قتل

فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۚ

کرنے والے نے سب لوگوں کو قتل کر دیا، اور جس نے کسی جان کو زندہ رکھا تو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ کر دیا

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَكُفْرُونَ ۚ

اور یہ واقعی بات ہے کہ ان کے پاس ہمارے رسول کئی جوتی دلیلیں لے کر آئے پھر اس کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں۔

جس نے ایک جان کو قتل کیا گویا تمام انسانوں کو قتل کیا

یعنی اس وجہ سے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے نے اپنے بھائی پر ظلم و زیادتی کرتے ہوئے قتل کر دیا ہم نے بنی اسرائیل پر یہ بات لکھ دی ان کے لیے شریعت بنادی اور اس کا اعلان کر دیا کہ جو بھی کوئی شخص کسی شخص کو قتل کر دے اور یہ قتل کرنا کسی جان کے عوض نہ ہو اور زمین میں جو فساد ہو اسے روکنے کے لیے نہ ہو تو گویا کہ اس قاتل نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی جان کو زندہ کر دیا یعنی کسی جان کو بلا کت سے بچا لیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کر دیا۔

علامہ قرطبی ص ۱۳۶ ج ۶ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں جو تشبیہ ہے اس کے بارے میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں پھر حضرت ابن عباس وغیرہ کے اقوال نقل کئے ہیں۔ ان میں سے ایک قول حضرت مجاہد (تابعی) کا بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو شخص کسی بھی ایک جان کو بلا وجہ شرعی قصداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم کا داخلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہوگی اور اس کے لیے بڑا عذاب ہے جیسا کہ سورہ نساء میں اس کی تصریح ہے اگر کوئی شخص تمام لوگوں کو قتل کر دے تو اس کی سزا اس سے زیادہ نہیں ہے لہذا ایک جان کا قتل کرنا اور سب جانوں کا قتل کرنا برابر ہوگا لہذا کوئی شخص کسی ایک جان کو بھی قتل نہ کرے، اسی طرح سے جو شخص قتل کر رہا تھا اور وہ قتل سے رک گیا تو گویا اس نے سب آدمیوں کو بچا لیا۔

اور ایک قول علامہ قرطبی نے یہ نقل کیا ہے کہ ایک جان کو قتل کرنے والے کو ایسا گناہ ہوتا ہے جیسا کہ سب لوگوں کو قتل کرنے کا گناہ ہے، یہ قول آیت کے ظاہری الفاظ کے قریب تر ہے اور حدیث شریف میں جو یہ فرمایا ہے کہ لَا تَقْتُلْ نَفْسًا ظَلَمًا إِلَّا تَكَانَ عَلَىٰ ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كَقَتْلِ مَنْ دُمَهَا لَا تَهْ أَوَّلُ مَنْ سَقَى الْقَتْلُ (کہ جو شخص بھی ظلماً قتل ہوگا آدم کے پہلے بیٹے پر بھی اس کے قتل کی شرکت رہے گی کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کی بنیاد ڈالی)۔ (رواہ البخاری و مسلم) اس حدیث سے بھی اس قول کی تائید ہوتی ہے علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہے ان پر عذاب میں تغلیظ اور تشدید فرمائی، اس تغلیظ کی وجہ بعض مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ بنی اسرائیل پر سب سے پہلی کتاب اللہ یعنی توریت شریف میں قتل نفس کا ممنوع ہونا نازل ہوا تھا اگرچہ اس سے پہلے بھی قتل نفس ممنوع تھا

معانقہ عبد المتاح بن یوسف النبی

لیکن کسی کتاب الہی میں ممانعت وارد نہیں ہوئی تھی اور ان لوگوں میں سرکشی اور طغیانی بھی بہت تھی حتیٰ کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام کو بھی انہوں نے قتل کر دیا اس کے بعد کسی جان کو بچانے کی فضیلت بیان فرمائی۔ وَ مَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا (اور جس کسی نے جان کو زندہ رکھا یعنی کسی کی زندگی کے بچنے کا ظاہری سبب بن گیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کیا)

اس کے بعد بنی اسرائیل کی نافرمانی کا ذکر فرمایا وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَٰكِن كَانُوا يَكْفُرُونَ (اور ان کے پاس ہمارے رسول کھلی کھلی دلیل لیکر آئے پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں اسراف کرنے والے یعنی حد سے بڑھنے والے ہیں۔)

فائدہ..... حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جو بھی کوئی شخص دنیا میں ظلماً قتل کرے گا اس کے گناہ میں آدم کے اس بیٹے کا حصہ بھی ہوگا جس نے دنیا میں سب سے پہلے قتل کیا تھا، عذاب و ثواب کا ایک یہ بھی قانون ہے کہ جو شخص کسی خیر کی ابتداء کرے گا اسے اپنے عمل کا ثواب بھی ملے گا اور جو لوگ اس کی دیکھا دیکھی اس کی تعلیم و تبلیغ سے اس پر عمل کریں گے ان کے عمل کا بھی اس ابتداء کرنے والے شخص کو ثواب ملے گا اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں بھی کمی نہ ہوگی، اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنے عمل یا قول سے کسی کی بنیاد ڈال دی تو اس برائی کو جو لوگ اختیار کریں گے ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اس بنیاد ڈالنے والے پر ہوگا اور عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ (کما جاء مصرحاً فی حدیث ابی مسعود عند مسلم مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳ ج ۱)

مؤمن بندوں کو خیر کا داعی اور خیر کا رواج دینے والا اور خیر کا پھیلانے والا بننا چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس بندہ کے لئے خوشخبری ہو جسے اللہ نے خیر کی چابی بنایا ہو اور خیر کا تالا بنایا ہو، اور خرابی ہے اس شخص کے لئے جسے اللہ تعالیٰ نے شر کی چابی بنایا ہو اور شر کا تالا بنایا ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۷) بدعتوں کو رواج دینے والے اپنے بارے میں غور کر لیں۔

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا

جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد کے لئے دوڑتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ ان کو قتل کیا جائے

أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ

یا ان کو سولی پر چڑھایا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں جانب مخالف سے کاٹ دیئے جائیں یا زمین سے نکال دیئے جائیں،

ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ

یہ دنیا میں ان کی رسوائی اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی

قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

اس سے پہلے کہ تم ان پر قدرت پاؤ سوجان لو کہ بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

دنیا اور آخرت میں ڈاکوؤں کی سزا

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے ڈاکوؤں اور راہزنوں کی سزا بیان فرمائی ہے جو دنیاوی احکام سے متعلق ہے اور آخر میں فرمایا کہ یہ دنیا

میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا۔ آیت شریفہ میں چار سزاؤں کا ذکر ہے، ایک قتل، دوسرے سولی پر چڑھانا، تیسرے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دینا۔ یعنی داہنا ہاتھ اور بائیں پاؤں، چوتھے زمین سے دوہر کرنا۔ ذمہ داری اور ہزنی کو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ سے لڑنے سے تعبیر فرمایا کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شریعت کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بندوں تک پہنچی ہے اور زمین میں جو امن و امان ہے اسے تباہ کرتے ہیں۔

آیت کریمہ **إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ كَاذَبُوا رَسُولَ اللَّهِ**..... زمانہ نبوت میں ایک واقعہ پیش آیا جو آیت بالا کے نازل ہونے کا سبب بن گیا اور ذمہ داری کرنے والوں کے بارے میں مستقل ایک قانون نازل ہو گیا علامہ واحدی نے اسباب النزول میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ بنی مکنہ اور بنی غریبہ کے چند آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جو انھیں افراد تھے ان لوگوں نے (ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا) اور آپ سے بیعت اسلام بھی کر لی پھر ان کو مدینے کی آب و ہوا اس نہ آئی بیمار ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کے مرض کی کیفیت بیان کی گئی آپ نے ان سے فرمایا کہ تم چاہو تو صدقہ کے اونٹوں کی طرف نکل جاؤ جہاں وہ چرتے ہیں جانوروں کو جو چرانے والا ہے اسی کے ساتھ رہو ان اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیتے رہو ان لوگوں نے اسے منظور کیا وہاں جنگل میں رہنے لگے۔ انہوں نے اونٹوں کا پیشاب بھی پیا اور دودھ بھی، جب تندرست ہو گئے تو چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو بانک کر لے گئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو ان کے پیچھے آدمی بھیجے ان کو پکڑ کر لایا گیا اور خدمت عالی میں پیش کیا گیا پھر آپ کے حکم سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے گئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلاخی پھیر دی گئی (جس سے وہ اندھے ہو گئے) پھر ہتھوپ میں ڈال دیئے گئے یہاں تک کہ وہ مر گئے۔ یہ واقعہ امام مسلم نے (ص ۵۷ ج ۲) مختلف اسانید سے نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری (ص ۶۰۲ ج ۲) میں بھی مذکور ہے۔ اسباب النزول میں ہے کہ حضرت قتادہ تابعی نے فرمایا کہ آیت **إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ كَاذَبُوا رَسُولَ اللَّهِ** (آخر تک) کے بارے میں ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ علماء نے فرمایا ہے کہ پیشاب پینے کی وجہ سے ان لوگوں کو دی گئی تھی وہ اس وجہ سے تھے کہ ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیدی گئی تھی کہ وہ مرتد ہو جائیں گے۔ وفیہ تو جیہات اخر مذکور فی شروح الحدیث۔

ڈاکوؤں کی چار سزائیں..... آیت بالا میں چار سزاؤں کا ذکر ہے۔ (۱) قتل کرنا، (۲) سولی پر چڑھانا، (۳) جانب مخالف سے ہاتھ پاؤں کاٹنا، (۴) زمین سے دور کر دینا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ چار سزائیں مختلف جرائم کے اعتبار سے ہیں اگر ڈاکوؤں نے قتل بھی کیا ہو مال بھی لیا تو وہ قتل کئے جائیں گے اور سولی پر چڑھائے جائیں گے اور اگر قتل کیا ہو مال نہ لیا ہو تو وہ قتل کئے جائیں گے، اور اگر مال لیا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو ہاتھ پاؤں جانب مخالف سے کاٹ دیئے جائیں گے اور اگر کہیں رہزنی کے لیے بیٹھ گئے ہوں جس سے لوگ خوفزدہ ہوں تو ان کو زمین سے دور کر دیا جائے زمین سے دور کرنے کا مطلب کیا ہے اس کے بارے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جلاوطن کر دیا جائے اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جیل میں ڈال دیا جائے جب تک تو بہ نہ کریں جیل ہی میں رکھا جائے۔ محمد ابن جریر طبری نے دونوں باتوں کو جمع کر دیا وہ کہتے ہیں کہ اسے اپنے شہر سے دوسرے شہر کی جیل میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ تو بہ نہ کریں، حضرت کھول تابعی نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے جیل میں رکھنے کا سلسلہ جاری کیا اور فرمایا کہ میں بند رکھوں گا جب تک مجھے اس کی تو بہ کا علم نہ ہو جائے اور میں جلاوطن نہ کروں گا تاکہ یہ وہاں کے لوگوں کو تکلیف نہ دے۔

بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ امیر المؤمنین کو اختیار ہے کہ چاروں سزاؤں میں سے جو بھی سزا جس ڈاکو کے لیے اختیار کرے کر سکتا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک یہ چاروں سزائیں مختلف احوال کے اعتبار سے نہیں ہیں لیکن حضرت امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے اوپر منقول ہوئی ہے۔

سولی دینے کا جو اوپر ذکر آیا ہے اس کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا جائے اور بعض ائمہ نے فرمایا ہے کہ زندہ سولی پر لٹکا کر نیچے سے پیٹ میں نیزہ گھونپ دیا جائے اور وہ اسی حالت میں مر جائے بعض حضرات کا یہ بھی فرمانا ہے کہ تین دن تک زندہ سولی پر لٹکا دیا جائے اور پھر اتار کر قتل کر دیا جائے۔ (معالم التنزیل ص ۳۳ ج ۲) مال لینے کی صورت میں جو یہ فرمایا ہے کہ جانب مخالف سے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں اس کے بارے میں فقہاء لکھتے ہیں کہ داہنا ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹ دیا جائے۔

فائدہ:..... یہ قتل کرنا اور ہاتھ پاؤں کاٹنا شرعی سزا کے طور پر ہے جس کو قتل کرنا ہو اس کے اولیاء اگر معاف کر دیں تب بھی معاف نہ کیا جائے گا۔ ان کے معاف کرنے کے باوجود اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اسی طرح سے اگر اس نے مال معاف کر دیا جس کا مال لیا ہے تب بھی سزا معاف نہیں ہوگی۔ ذکیعتی کے طور پر مال لوٹنے میں چونکہ چوری سے بڑھ کر جرم ہے جس کی وجہ سے اس عام فوت ہو جاتا ہے اس لئے ذکیعتی کی سزا وہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ چوری کرنے کی وجہ سے پہلی بار داہنا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور دوبارہ چوری کرے تو بائیں پاؤں کاٹا جاتا ہے لیکن ذکیعتی میں پہلی ہی مرتبہ دونوں سزائیں شروع کی گئی ہیں۔

اسی طرح سے قتل کرنے کی صورت میں تمام ڈاکوؤں کو قتل کر دیا جائے گا جنہوں نے کسی جگہ جماعتی طور پر بیٹھ کر کسی کو قتل کیا ہو۔ اگر ان میں سے ایک ہی شخص نے قتل کیا ہو اور ایک ہی شخص کو قتل کیا ہو۔ تب بھی سب کو قتل کیا جائے گا کیونکہ یہ قتل قصاص کے اصول پر نہیں ہے بلکہ عامۃ الناس کا امن فوت کرنے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے سزا کے طور پر ہے۔ ڈاکوؤں کی سزائیں بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا اُولَئِكَ لَهُمْ جُزَاؤٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (کہ یہ ان لوگوں کی اس دنیا میں رسوائی ہے۔ مقتول ہوں گے اور سولی پر چڑھیں گے اور ہاتھ پاؤں کٹے پھریں گے اور آخرت میں بھی ان کیلئے بڑا عذاب ہے۔

ایک پانچویں صورت رہ گئی اسے صاحب ہدایہؒ نے ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ نہ تو انہوں نے مال لیا اور نہ ہی قتل کیا بلکہ کسی شخص کو زخمی کر دیا اس کے بارے میں صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ جن زخموں میں قصاص لیا جاتا ہے ان میں قصاص لیا جائے گا اور جن میں دیت لی جاتی ہے ان میں دیت لی جائے گی۔

پھر فرمایا اِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْبِضُوْا عَلَيْهِمْ فَاَعْلَمُوْا اَنَّ السَّلٰةَ غَفُوْرٌ رَّجِيْمٌ (مگر وہ لوگ جنہوں نے اس سے پہلے توبہ کر لی کہ ان پر تم قابو پاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے) اس کے بارے میں حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ حکومت کے گھراؤ میں آنے اور قابو پانے سے پہلے ڈاکو توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی توبہ قبول ہے لیکن اس توبہ سے حد شرعی ساقط ہو جائے گی۔ حق العبد معاف نہ ہوگا اگر عدا کسی کو قتل کیا تو مقتول کے اولیاء کو اختیار ہے کہ قتل کر دیں یا معاف کر دیں اور جو مال لیا ہے اس کا واپس کرنا بھی واجب ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ توبہ سے حد شرعی معاف ہوگئی حق العبد معاف نہیں ہوا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا۟ اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِىْ سَبِيْلِهِ لَعَلَّكُمْ  
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کا قُرب تلاش کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم

تُفْلِحُونَ ﴿۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَيَفْتَدُوا

کاسب ہو جاؤ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں اور اس جیسا اس کے ساتھ اور بھی ہو تاکہ وہ

ربہ مِنْ عَذَابٍ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۶﴾ يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرِجُوا

قیامت کے دن کے عذاب سے جان چھڑانے کے لئے دے دیں تو یہ ان سے قبول نہ کیا جائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ وہ ارادہ کریں گے کہ

مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۷﴾

دوزخ سے نکلیں حالانکہ اس میں سے نکلنے والے نہیں اور ان کے لئے ہمیشہ باقی رہنے والا عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم

ان آیات میں اول تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا حکم دیا ہے تمام طاعات فرائض، واجبات، سنن و نوافل یہ سب اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہیں۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ قَالَ مَنْ أَذَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افترضته و لا يزال عبدی يتقرب إلى بالنوافل حتى أحببته. (الحديث) (صحيح بخاری ص ۹۶۳) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے میرے ولی کو تکلیف پہنچائی تو میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں اور بندہ جن اعمال کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ اعمال ہیں جنہیں میں نے فرض کیا اور میرا بندہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اسے پسند کرنے لگتا ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا اور اس سب کو ذریعہ کامیابی بتایا

قیامت کے دن اہل کفر کو عذاب کا سامنا اور جان چھڑانے کیلئے سب کچھ دینے پر راضی ہونا..... اس کے بعد اہل کفر کے بارے میں فرمایا کہ جب قیامت کے دن عذاب میں ڈال دیے جائیں گے تو ان کی یہ آرزو اور تمنا ہوگی کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اور اس کے ساتھ اس کے بقدر اور بھی ہو اور یہ سب دیکر خلاصی پالیں اور جان چھڑالیں تو ان سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اول تو وہاں کچھ ہونے کا ہی نہیں تا کہ اس کو جان کے بدلہ میں دیا جاسکے اور بالفرض ہو بھی اور اس کو دیکر جان چھڑانا چاہے تو کوئی بدلہ اور فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور جو دردناک عذاب ان کے لئے مقرر کیا گیا ہے بہر حال اس عذاب میں ہمیشہ رہنا ہی ہوگا۔ سورہ آل عمران میں فرمایا

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا فَلَنْ يُقْبَلُ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلَّةٌ وَلَا رِضٌ ذَهَبًا وَلَوْ افْتَدَوْا بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿۸﴾ (یعنی بے شک جنہوں نے کفر اختیار کیا اور وہ اس حالت میں مر گئے کہ کافر تھے تو ان سے ہرگز بھی زمین بھر کر سونا

قبول نہ کیا جائے گا اگرچہ وہ اس کو جان کے بدلہ میں دینا چاہیں، یہ لوگ ہیں جن کو دردناک عذاب ہوگا اور کوئی بھی ان کا مددگار نہ ہوگا) اور

سورہ رد میں فرمایا وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ ۖ لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ ۚ لَافْتَدَوْا بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ

الْحِسَابِ وَمَا لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ وَنَسِ الْأَمِّهَاتِ ﴿۹﴾ (اور جنہوں نے اس کا کہنا نہ مانا اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اسی قدر اس کے ساتھ اور ہو تو یہ لوگ اپنی جان چھڑانے کے لئے اس کو دے ڈالیں، ان لوگوں کے لیے حساب کی سختی اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے)



وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَاصْلَحَ فَإِنَّ اللّٰهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۝

۱۱۱۔۔۔ سو جو شخص اپنے ظلم کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے سو بلاشبہ اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔

إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ يُعَذِّبُ

بے شک اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ بلاشبہ اللہ کے لئے ملک آسمانوں کا اور زمینوں کا وہ عذاب دیتا ہے

مَنْ يَّشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ ۝ وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

جسے چاہے اور بخشتا ہے جسے چاہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

### چوروں کی سزا کا بیان

چند آیات پہلے ڈاکوؤں کی سزائیں ذکر فرمائیں اب چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کی سزائیاں کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کے کربوت کی سزا ہے جس میں دوسروں کے لئے عبرت بھی ہے۔ احادیث شریفہ میں اس کی تفصیلات وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ چور کا دابنا ہاتھ کاٹنے سے کاٹ دیا جائے گا۔ اس بارے میں علماء امت کے مختلف اقوال ہیں کہ کم از کم کتنی مالیت کے چرانے پر قطع یہ یعنی ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم، عمر بن عبد العزیز، امام اوزاعی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ ۱/۳ دینار کی مالیت کا سامان چرانے تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ تین درہم یا اتنی مالیت کا مال چرانے تو ان کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ دس درہم یا ان کی مالیت کی چوری کرنے پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اس سے کم میں نہیں (گر اس سے کم چوری کا ثبوت ہو جائے تو دوسری کوئی سزا دے دی جائے ہاتھ نہ کاٹا جائے) شرعی سزا نافذ کرنے میں کوئی رعایت نہیں اور کسی کی سفارش قبول نہیں..... جو بھی شخص چوری کر لے مرد ہو یا عورت اور چوری بقدر نصاب ہو (جس کا اوپر بیان ہوا) تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اس میں کوئی رعایت نہ ہوگی، اور نہ کسی کی سفارش قبول کی جائے گی، مکہ معظمہ میں ایک عورت بنی مخزوم میں سے تھی اس نے چوری کر لی تھی۔ بنی مخزوم قریش کا ایک قبیلہ تھا اور یہ لوگ دنیاوی اعتبار سے اونچے سمجھے جاتے تھے، قریش چاہتے تھے کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ فرمادیا تو قریش اس کے لئے فکر مند ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی سے سفارش کرائی جائے پھر آپس میں کہنے لگے کہ اسامہ بن زید کے علاوہ کون جرأت کر سکتا ہے، وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ہیں ان سے عرض کیا گیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی، آپ نے فرمایا کہ کیا تم حدود اللہ میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ تم سے پہلے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے کہ ان میں سے شریف آدمی چوری کرتا تھا (جسے حسب نسب اور دنیاوی اعتبار سے شریف سمجھا جاتا تھا) تو اس کو چھوڑ دیا جاتا تھا اور اگر کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے (پھر فرمایا کہ) اللہ کی قسم! محمد کی بیٹی فاطمہ (اعاذ باللہ تعالیٰ) اگر چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

جب کوئی مرد یا عورت پہلی بار چوری کرے تو اس کا سیدھا ہاتھ گئے سے کاٹ دیا جائے، اس کے بعد دوبارہ چوری کر لے تو ٹخنہ سے بایاں

پاؤں کاٹ دیا جائے یہاں تک تو تمام ائمہ کا اتفاق ہے، اس کے بعد تیسری مرتبہ چوری کر لے تو کیا کیا جائے اس کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اب کوئی ہاتھ یا پاؤں نہ کاٹا جائے بلکہ اس کو جیل میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ توبہ کر لے، حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام اوزاعیؒ کا یہی قول ہے اور حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ تیسری بار چوری کرے تو بائیں ہاتھ کاٹ دیا جائے اور چوتھی بار چوری کرے تو دایاں پاؤں کاٹ دیا جائے اگر اس کے بعد بھی چوری کر لے تو اسے دوسری کوئی سزا دی جائے یہاں تک کہ توبہ کر لے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا مروی ہے۔

چور کا ہاتھ کاٹنے کا قانون حکمت پر مبنی ہے اس کی مخالفت کرنے والے بے دین ہیں

چور اور چورنی کی سزا بیان کرنے کے بعد فرمایا جزاء ہم بسمًا کسبنا کہ یہ سزا ہے اس فعل کی جو انہوں نے کیا اور ساتھ ہی نکالاً مِّنَ اللّٰہ بھی فرمایا، نکال اس سزا کو کہتے ہیں جو دوسروں کے لیے عبرت ہو اللہ جل شانہ عالم الغیب ہے اسے معلوم تھا کہ چوری کی سزا ہاتھ کاٹنے کی صورت میں کی جارہی ہے اس پر اعتراض کر کے ایمان کھو بیٹھنے والے بھی پیدا ہوں گے۔ ایسے احمقوں کے اعتراض کا جواب جزاء ہم بسمًا کسبنا نکالاً مِّنَ اللّٰہ میں دیدیا اللہ جل شانہ خالق و مالک ہے احکم الحاکمین ہے اسے اختیار ہے کہ بندوں کو جو چاہے حکم دے اور جو قانون چاہے تشریحی طور پر نافذ فرمائے پھر وہ عزیز بھی ہے وہ سب پر غالب ہے اور حکیم بھی ہے اس کا ہر فعل، ہر فیصلہ اور قانون حکمت کے مطابق ہے۔ وہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے انسانوں میں کیسے کیسے جذبات ہیں ان میں مصلحین بھی ہیں اور مفسدین بھی، چور بھی ہیں اور ڈاکو بھی اور ان فساد یوں کا فساد کون سے قانون کے نافذ کرنے سے روکا جاسکتا ہے اور کون سی ایسی عبرت ناک سزا ہے جو مفسدین کو فساد سے باز رکھ سکتی ہے اور عامۃ الناس کے جان و مال کی حفاظت کس قانون کے نافذ کرنے سے ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ کو اس سب کا علم ہے سورۃ ملک میں فرمایا اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَهُوَ اللّٰطِیْفُ الْحَبِیْرُ ۝ (کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا اور وہ باریک بین ہے، باخبر ہے) جو لوگ اسلام کی بتائی ہوئی مجرمین کی سزاؤں کو وحشیانہ یا ظالمانہ کہتے ہیں ان میں سب سے آگے آگے تو یہود و نصاریٰ ہیں جن میں مستشرقین بھی ہیں یہ تو کھلے کافر ہیں، ان کا اسلام کی حقانیت پر ایمان ہی نہیں ہے۔ یہ اعتراض کریں تو چنداں تجب نہیں کیونکہ انہیں نہ حق قبول کرنا ہے نہ حق ماننا ہے اپنے دین کو باطل سمجھتے ہوئے بھی اسی پر جمے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد و تجویز کر کے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کر کے خوش ہیں، دوزخ میں جانے کو تیار ہیں

حیرت ان لوگوں پر ہے جو اسلام کے بھی دعویدار ہیں اور قرآن کریم کی مقررہ سزاؤں کو وحشیانہ بھی کہتے ہیں، یہ لوگ نام کے مسلمان ہیں مسلمانوں کے درمیان رہنے اور مسلمانوں سے دنیاوی منافع وابستہ ہونے کی وجہ سے یوں نہیں کہتے کہ ہم مسلمان نہیں ہیں مگر حقیقت میں یہ لوگ مسلمان نہیں۔ وہ کیا مسلمان ہے جو اللہ پر، اللہ کی کتاب پر اور اللہ کے قانون پر اعتراض کرے اور اللہ کے قانون کو وحشیانہ اور ظالمانہ بتائے، یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ عزیز ہے، علیم ہے، خبیر ہے، اسے یہ معلوم ہے کہ امن و امان کیسے قائم رہ سکتا ہے اور شر و فساد کے خوگر کس قانون کے نافذ کرنے سے دب سکتے ہیں، پہلے آپ یورپین حکومتوں کے جاری کردہ قوانین کو لے لیں (جنہیں ایشیاء وغیرہ کے ممالک نے بھی قبول کیا) ان لوگوں کے یہاں چور اور ڈاکو کی یہ سزا ہے کہ انہیں جیل میں ڈال دیا جائے جو لوگ جرائم کے عادی ہوتے ہیں ان کے نزدیک جیل میں رہنا معمولی سی بات ہے جیلوں میں جاتے ہیں واپس آتے ہیں پھر چوری و کینٹی کر لیتے ہیں پھر پکڑے جاتے ہیں پھر جیل میں چلے جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ اپنے ساتھیوں سے یہ کہہ کر جیل سے باہر جاتے ہیں کہ میرا چلو ہا ایسے ہی رہنے دینا چند دنوں بعد میں پھر واپس آؤں گا۔

اگر جیل کی سزا دینے سے امن و امان قائم ہو سکتا ہے اور چوری اور ڈکیتی کی وارداتیں ختم ہو سکتی تھیں تو اب تک ختم ہو جاتیں لیکن وہ تو روز



انہوں میں چور ڈاکو دندناتے پھرتے ہیں مالداروں پر ان کی نظریں رہتی ہیں۔ کبھی کسی کو قتل کیا کبھی پستول دیکھا کر کسی شہری کو لوٹ لیا کبھی کسی بس کو روک کر کھڑے ہو گئے کبھی ریل میں چڑھ گئے اور مسافروں کے پاس جو کچھ مال تھا وہیں دھروا لیا، کبھی کسی کے گھر میں گھس گئے، کبھی سونے کی وکان لوٹ لی۔ اول تو ان کو پکڑا نہیں جاتا اور اگر پکڑ بھی لیا گیا تو بعض مرتبہ رشوت چھڑوا دیتی اور بعض مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ان کے پکڑنے پر معمور ہیں اس ڈر سے کہیں موقع دیکھ کر ہم پر حملہ نہ کر دے انہیں چھوڑ بھاگتے ہیں اور اگر پکڑ ہی لیا اور حاکم کے سامنے پیش کر ہی دیا اور اس سے رشوت لے کر نہ چھوڑا بلکہ سزا تجویز کر ہی دی تو وہ جیل کی سزا ہوتی ہے جیل میں سزا کے مقررہ دن گزار کر اور کبھی اس سے پہلے ہی نکل آتے ہیں اور پھر انہیں مشاغل میں لگ جاتے ہیں جن کی وجہ سے جیل میں گئے تھے۔

اب اسلام کے قانون کو دیکھئے ڈاکوؤں کی سزا اوپر بیان کر دی گئی ہے جس کی چار صورتیں بیان کی گئی ہیں یہاں چور اور چورنی کی سزا بیان فرمائی کہ ان کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ ان سزائوں کو نافذ کر دیں چند کو ذمہ داری کی سزا مل جائے اور چند چوروں کے ہاتھ کاٹ جائیں تو دیکھیں کیسے اسن واماں قائم ہوتا ہے اور کیسے لوگ آرام کی نیند سوتے ہیں۔

جو لوگ اسلامی قوانین کے مخالف ہیں چوروں کے حامی ہیں..... اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ اسلامی سزا کے نافذ کرنے کے مخالف ہیں ان کو چوروں اور ڈاکوؤں پر تو رحم آتا ہے کہ ہائے ہائے اس کا ہاتھ کاٹ جائے گا اور ڈاکوؤں پر ترس آتا ہے کہ یہ مقتول ہوں گے، سولی پر چڑھا دیئے جائیں گے، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے لیکن عامۃ الناس پر رحم نہیں آتا جو بد امنی اور شر و فساد کا شکار رہتے ہیں۔ بھونڈی سمجھ ہے کہ عام مخلوق کو چوروں اور ڈاکوؤں کے ظلم سے محفوظ و مامون کرنے کے لیے چند افراد کو سخت سزا دینے کے روادار نہیں ہیں اور چوروں اور ڈاکوؤں کو چوری اور لوٹ مار کے مواقع فراہم کرنے کو تیار ہیں۔

جَزَاءً ۱۰ بِمَا كَسَبَا کے ساتھ جو نَكَالًا مِنَ اللَّهِ فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ چور اور چورنی کے لیے جو سزا تجویز فرمائی ہے وہ صرف انہی کے کرتوت کا بدلہ نہیں ہے بلکہ دوسروں کے لیے بھی اس میں عبرت ہے۔ پھر ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۱۱ کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا بھی ہے اور حکمت والا بھی اس کا قانون حکمت کے مطابق ہے اس کے خلاف کوئی بھی قانون بنی نوع انسان کے حق میں بہتر نہیں ہے، جن ممالک میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا قانون نافذ ہے وہاں کے بازاروں میں اب بھی یہ حال ہے کہ دکان کے باہر رات بھر سامان پڑا رہتا ہے پھر بھی چوری نہیں ہوتی۔ چور کی سزا بیان کرنے کے بعد فرمایا فَمَنْ قَاتَلَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۱۲ ط إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (سو جو شخص اپنے ظلم کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو بلاشبہ اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے بیشک اللہ غفور ہے رحیم ہے)

یہ تو اللہ تعالیٰ شانہ کا عام قانون ہے کوئی شخص کتنا ہی بڑا ظلم کر لے اور اس کے بعد نادم ہو کر سچے دل سے توبہ کر لے اور یہ توبہ اصول شریعت پر پوری اُترتی ہو تو اللہ تعالیٰ جل شانہ معاف فرما دے گا۔ یہاں چونکہ چور کی سزا کے بعد توبہ کا ذکر فرمایا ہے اس لیے مفسرین کرام نے آیت کا معنی یہ لکھا ہے کہ جو بھی کوئی چور اپنے ظلم یعنی چوری کرنے کے بعد توبہ کر لے اور پھر اصلاح حال کر لے یعنی جو مال اس نے چرایا ہے وہ واپس کر دے یہ مالک سے معاف کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا اس کی اس توبہ کا یہ فائدہ ہوگا کہ چوری کر کے جو اللہ کی نافرمانی کی ہے آخرت میں اس پر عذاب نہ ہوگا، ہاں ہاتھ کاٹنے کا مسئلہ تو یہ معاف نہ ہوگا یعنی قاضی کے سامنے اگر چور توبہ کر لے تو قاضی ہاتھ کاٹنے کی سزا کو رفع دفع نہیں کر سکتا توبہ کا تعلق آخرت کی معافی سے ہے۔ جو بندہ اور اللہ کے درمیان ہے اور ہاتھ کاٹنے کا قانون جو فیما بین العباد ہے اس پر عمل کیا جائے گا۔ فقہاء نے فرمایا ہے کہ ڈاکو گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کر لیں تو ذمہ داری کی سزا ان پر جاری نہ ہوگی البتہ لوگوں کی جو حق تلفی کی ہے اس کا بھگتان کرنا ہوگا لیکن اگر کوئی شخص چوری کرنے کے بعد گرفتاری سے پہلے یا اس کے بعد توبہ کر

لے تو چوری کی شرعی دنیاوی سزا معاف نہ ہوگی یعنی حاکم توبہ کے بعد بھی ہاتھ کاٹ دے گا، آخر میں فرمایا اَلَمْ تَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط يَعْذِبُ مَنْ يَّشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لیے ہے حکومت سب آسمانوں کی اور زمین کی وہ جس کو چاہے سزا دے اور جس کو چاہے معاف کر دے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے)

اس آیت میں بتا دیا کہ آسمان اور زمین سب اللہ ہی کی ملکیت ہے اسے ہر چیز کے بارے میں پورا پورا اختیار ہے جسے چاہے عذاب دے جسکی چاہے مغفرت فرمائے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہاں تین آیات ہیں ایک آیت کے ختم پر وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ فرمایا اب دوسری آیت کے ختم پر وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ فرمایا اور تیسری آیت کے ختم پر اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ فرمایا۔ یعنی وہ عزیز ہے غلبہ والا کسی کو اس کے کسی فعل یا قانون پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں وہ جسے چاہے عذاب دے، جسے چاہے بخش دے اس کا بھی اسے پورا پورا اختیار ہے۔ اس کے سب افعال اور سب فیصلے حکمت کے مطابق ہیں کسی کو چوں چراں کرنے کی جرات نہیں ہے۔ نیز ہر چیز اس کے تصرف میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ مغفرت کا ذکر پہلے ہے اور عذاب کا ذکر بعد میں اور یہاں عذاب کا ذکر پہلے ہے کیونکہ چوری سزا پہلے بیان ہوئی ہے اور توبہ پر مغفرت ہونے کا ذکر بعد میں آیا ہے لہذا ترتیب سابق کے موافق تعذیب و مغفرت کو بیان فرمادیا۔

تنبیہ..... چوری کا ثبوت کس طرح ہوتا ہے اور مال لینے کی کون کون سی صورتیں اس چوری میں داخل ہیں جس کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور وہ کون کون سے مقامات ہیں جہاں سے چوری کرنے سے ہاتھ نہیں کاٹا جاتا اور پھر ہاتھ کاٹ کر کیا کیا جائے جو خون بند ہو جائے یہ سب تفصیلات فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اٰمَنَّا بِاَقْوَامِهِمْ

اے رسول! آپ کو وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو دوڑ دوڑ کر کفر میں گرتے ہیں جو ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے منہ سے کہا کہ ہم ایمان لائے

وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۖ وَ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۖ سَمْعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمْعُوْنَ لِقَوْمٍ

اور حال یہ ہے کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے، اور ان لوگوں میں سے ہیں جو یہودی ہیں یہ لوگ جھوٹ کو بہت زیادہ سننے والے ہیں، جو لوگ تمہارے پاس نہیں آئے ان کو باتیں

اٰخَرِيْنَ لَا لَمْ يَأْتُوْكَ ۖ يَحْرِفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهِۦ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيتُمْ هٰذَا

پہنچانے کے لئے خوب دھیان سے سنتے ہیں۔ یہ لوگ کلمات کو ان کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ حکم ملے تو اس کو

فَخَذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتُوْهُ فَاَحْذَرُوْا ۚ وَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللّٰهِ

لے لینا اور اگر تم کو یہ حکم نہ ملے تو اس سے پرہیز کرنا اور اللہ تعالیٰ جس کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ فرمائے تو اسے مخاطب اس کے لئے اللہ تعالیٰ پر تیرا کوئی زور

شَيْءٌ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرْ قُلُوْبُهُمْ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا حَرْىٌ ۖ وَ لَهُمْ

نہیں چل سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ نہیں فرمایا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے ان کیلئے دنیا میں رسوائی سے اور ان کیلئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ سَمِعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكْثُوْنَ لِلْحَقِّ ۝ فَاِنْ جَاءَ وَكَ فَاَحْكُمْ

یہ لوگ بھوت کہ بہت زیادہ سننے والے ہیں، خوب حرام کھانے والے ہیں، مگر وہ آپ کے پاس آئیں تو انکے درمیان

بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۚ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاَحْكُمْ

فیصلہ فرما دیجئے یا ان سے اعراض فرما لیجئے، اور اگر آپ اعراض کریں تو یہ آپ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اگر آپ فیصلہ دیں تو

بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ وَكَيْفَ يُحْكَمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ

انکے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائیے۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ انکے پاس تورات ہے

فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ وَمَا اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے پھر اس کے بعد وہ گروائی کرتے ہیں، اور وہ لوگ مؤمن نہیں ہیں۔

### یہودیوں کی شرارت اور جسارت اور تحریف کا تذکرہ

جیسا کہ ہم نے بابِیْ اِسْرَآئِیْلَ اِذْ نَحْنُ رَاٰ نِعْمَتِیَ النَّبِیِّ (آخر تک) کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے یہودی زمانہ قدیم سے آکر آباد ہو گئے تھے جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں نے باوجودیکہ آپ کو جان لیا اور آپ کی جو صفات تورات شریف میں پڑھی تھیں ان کے مطابق آپ کو پایا تب بھی استغناء معدودے چند افراد کے یہ لوگ مسلمان نہ ہوئے اور طرح طرح سے مخالفت کرنے لگے اور تکفیل دینے لگے انہی لوگوں میں سے منافق لوگ بھی تھے جنہوں نے ظاہر میں اسلام کا کلمہ پڑھ لیا اور جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ ہم مسلمان ہیں حالانکہ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے یہ لوگ بھی مصیبت بنے ہوئے تھے۔

توریت میں زانی کی سزا رجم تھی..... شادی شدہ مرد و عورت کی سزا کے بارے میں توریت شریف میں وہی حکم تھا جو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ہے اور وہ یہ کہ زانی مرد و عورت شادی شدہ ہو تو اس کو رجم کر دیا جائے یعنی پتھروں سے مار دیا جائے جسے سنگسار کرنا کہتے ہیں۔ یہودیوں نے توریت شریف کے حکم کو بدل لیا تھا، ایک مرتبہ ایک یہودی نے ایک عورت سے زنا کر لیا تھا۔ آپس میں یہ لوگ کہنے لگے کہ یہ جو نبی آئے ہیں ان کے پاس چلو ان کے دین میں تخفیف ہے اگر رجم کے علاوہ انہوں نے کوئی اور فتویٰ دیا تو ہم قبول کر لیں گے اور اللہ کے یہاں حجت میں پیش کر دیں گے کہ ہم نے تیرے نبیوں میں سے ایک نبی کے فتویٰ پر عمل کیا۔ (سنن ابی داؤد ص ۲۵۵ ج ۲)

معالم التنزیل ص ۲۳۶ میں ہے کہ خیبر میں جو یہودی رہتے تھے ان میں سے جو سردار قسم کے لوگ تھے ان میں سے ایک مرد نے ایک عورت کے ساتھ زنا کر لیا تھا اور یہ دونوں شادی شدہ تھے، توریت شریف کے قانون کے مطابق ان کو رجم کرنا تھا، یہودیوں نے ان کو رجم کرنے سے گریز کیا، رجم کو اچھا نہ جانا کیونکہ وہ ان کے بڑے لوگوں میں تھے پھر آپس میں کہنے لگے کہ یثرب یعنی مدینہ میں جو یہ صاحب ہیں (یعنی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی کتاب میں رجم نہیں ہے کوڑے مارنا ہے لہذا ان کے پاس چلو اور ان سے سوال کرو۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنی قریظہ مدینہ منورہ میں رہتا تھا خیبر کے یہودیوں نے ان کے پاس پیغام بھیجا اور کہا کہ محمد (مصطفیٰ)

صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کرو کہ اگر مرد اور عورت زنا کریں اور وہ شادی شدہ ہوں تو ان کی کیا سزا ہے اگر وہ یہ حکم دیں کہ کوڑے مار کر چھوڑ دو تو قبول کر لینا اور اگر رحم کا حکم دیں تو قبول نہ کرنا اور گریز کرنا، جب یہ لوگ مدینہ منورہ آئے اور بنی قریظہ کے سامنے یہ بات رکھی تو انہوں نے کہا کہ پہلے سے سمجھ لو وہ اسی بات کا حکم دیں گے جس سے تم ڈرتے ہو اس کے بعد یہودیوں کے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے مسئلہ دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ تم میرے فیصلے پر راضی ہو گے تو انہوں نے کہا ہاں! ہمیں آپ کا فیصلہ منظور ہوگا آپ نے ان کو رحم کا فیصلہ سنا دیا اس پر وہ فیصلہ ماننے سے منحرف ہو گئے حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا آپ ابن صوریہ کو درمیان میں ڈالیں یہ شخص ان کے علماء میں سے تھا اور یہ کہنا تھا آپ نے یہود سے فرمایا کہ تم ابن صوریہ کو جانتے ہو؟ کہنے لگے ہاں! فرمایا وہ تم لوگوں میں کیسا شخص ہے؟ کہنے لگے کہ یہودیوں میں روئے زمین پر اس سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے جو تورات شریف کے احکام سے واقف ہو، ابن صوریہ کو لایا گیا آپ نے یہودیوں سے فرمایا کہ تم اپنے درمیان اسے فیصلہ کرنے والا منظور کرتے ہو، کہنے لگے ہاں! ہمیں منظور ہے آپ نے ابن صوریہ سے فرمایا میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی اور تمہیں مصر سے نکالا اور تمہارے لیے سمندر پھاڑا اور تمہیں نجات دی اور جس نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور جس نے تم پر من و سلویٰ نازل فرمایا۔ کیا تم اپنی کتاب میں شادی شدہ زانیوں کے بارے میں رحم کرنے کا قانون پاتے ہو؟ ابن صوریہ نے کہا ہاں! قسم اس ذات کی جس کی مجھے آپ نے قسم دلائی ہے تورات شریف میں رحم کا حکم ہے اگر مجھے اس کا ڈر نہ ہوتا کہ جھوٹ بولنے یا تورات کا حکم بدلنے کی وجہ سے جل جاؤں گا تو میں اقرار نہ کرتا، آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں نے سب سے پہلے خداوند تعالیٰ کے حکم کے خلاف کب رخصت نکالی؟ ابن صوریہ نے کہا کہ ہم یہ کرتے تھے کہ جب کوئی بڑا آدمی زنا کرتا تو اسے سزا دیئے بغیر چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی زنا کرتا تو اس پر سزا جاری کرتے تھے اس طرح سے ہمارے بڑے لوگوں میں زنا کاری زیادہ ہو گئی اور ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک بادشاہ کے چچا کے بیٹے نے زنا کر لیا ہم نے اس پر رحم کی سزا جاری نہ کی پھر ایک اور شخص نے زنا کیا جو عام لوگوں میں سے تھا بادشاہ نے چاہا کہ اسے سنگسار کرے۔ اس پر اس کی قوم کے لوگ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! اس شخص کو سنگسار نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ بادشاہ کے چچا کے بیٹے پر زنا کی سزا جاری نہ ہو۔ جب یہ بات سامنے آئی تو آپس میں کہنے لگے کہ رحم کی سزا کے علاوہ کوئی صورت تجویز کر لیں جو بڑے اور چھوٹے ہر قسم کے لوگوں پر جاری کی جاسکے لہذا ہم نے یہ طے کر لیا کہ جو شخص بھی زنا کرے اس کو ایسی رسی سے چالیں کوڑے مارے جائیں جس پر روغن قار (تار کول) لگا ہوا ہو۔ کوڑے مار کر چہروں کو کالا کر دیتے تھے اور گدھوں پر بیٹھا کر بازاروں میں گھمادیتے تھے گدھوں پر انساوار کرتے تھے یعنی منہ گدھوں کی پچھلی ناگوں کی طرف ہوتا تھا جب ابن صوریہ نے یہ کہا تو یہود کو صحیح بات بتانا گوارا ہوا۔ ابن صوریہ نے کہا کہ اگر مجھے تورات کی مار پڑنے کا ڈر نہ ہوتا تو میں نہ بتاتا۔

جب ابن صوریہ نے تورات شریف کا قانون سنا دیا اور یہودی پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ ہم آپ کے فیصلے پر راضی ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں یہودیوں یعنی زنا کرنے والے مرد و عورت کو رحم کرنے کا فیصلہ نافذ کر دیا جن کو آپ کی مسجد کے قریب رحم کر دیا گیا اور آپ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے اللہ! میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے آپ کے حکم کو زندہ کیا جسے یہودیوں نے مردہ کر دیا تھا اس پر اللہ جل شانہ نے آیت بَلَا تَنَالُهَا الرَّسُولُ لَا يَنْخُزْنِكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ (آخر تک) نازل فرمائی ارشاد فرمایا کہ اے رسول تمہیں وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو جلدی جلدی کفر کی طرف دوڑتے ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے زبان سے کہہ دیا کہ وہ مؤمن ہیں حالانکہ وہ دل سے مؤمن نہیں ہیں اور ان میں وہ بھی ہیں جو جھوٹ بولنے کے لیے آگے بڑھ بڑھ کر سنتے ہیں یعنی وہ آپ

سے باتیں سنتے ہیں تاکہ آپ کے ذمہ وہ باتیں لگائیں جو آپ نے نہیں کہیں سَمْعُونَ لِقَوْمٍ اَخْرَجْنَا ثُمَّ لَا تُؤْكَلُ یہ ان لوگوں کے لیے سنتے ہیں اور کان دھرتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئے یعنی یہ دوسرے لوگوں کے جاسوس ہیں، بنی قریظہ جو اہل خیبر کے جاسوس بن کر آئے تھے اس میں ان کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے انہوں نے ذکر کیا کہ ان میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے آپ نے فرمایا کہ تو ریت میں رجم کے بارے میں کیا لکھا ہوا پاتے ہو، انہوں نے کہا کہ اس میں تو یہ لکھا ہے کہ ان کو رسوا کیا جائے اور ان کو کوڑے مارے جائیں، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وہیں موجود تھے (یہ علماء یہود میں سے تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا) انہوں نے کہا کہ تم جھوٹے ہو بلاشبہ تو ریت میں رجم کی آیت موجود ہے۔ تو ریت لے آؤ، وہ تو ریت لے آئے اسے کھولا لیکن ان میں سے ایک شخص نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس سے پہلے اور بعد میں جو مضمون تھا اسے پڑھ دیا حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا کہ اپنا ہاتھ اٹھا ہاتھ اٹھایا تو اس میں رجم کی آیت موجود تھی کہنے لگے کہ ہاں اس میں رجم کی آیت ہے اس کے بعد زنا کرنے والے مرد و عورت دونوں کو سنگسار کر دیا گیا۔

یہودیوں کا کتاب اللہ میں تحریف کرنا..... یہود کی حالت بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ کہ یہ اللہ کے کلمات کو ان کی جگہوں سے ہٹا دیتے ہیں تو ریت کے حکم کو انہوں نے بدل دیا تھا اور آپس میں مل کر رجم کے حکم کو منسوخ کر بیٹھے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ بھی اللہ کا حکم نافذ کرنے کو نہیں آئے تھے بلکہ رخصت اور آسانی تلاش کرنے کے لئے آئے تھے۔ يَقُولُونَ اِنْ اَوْفَيْتُمْ هَذَا فَاحْذَرُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تَوْفَوْاْ فَاحْذَرُوْا۔ اسی وجہ سے کہ انہیں قانون خداوندی پر چلنا مقصود نہ تھا بلکہ آسانی تلاش کرنا چاہتے تھے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ دیکھنا اگر مطلب کے موافق حکم ملے تو اسے مان لینا اور اگر مطلب کے خلاف ہو تو گریز کرنا جن کو حق پر چلنا مقصود نہیں ہوتا ان کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں، حق پر چلنا مقصود ہوتا تو تو ریت شریف میں کیوں تحریف کرتے اور تو ریت شریف میں بیان کردہ صفات کے مطابق نبی آخر الزمان ﷺ کو دیکھ کر کفر پر کیوں جہے رہتے۔

بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص گمراہی پر کمر باندھ لے اور کفر و کفر اختیار کرتا ہی چلا جائے اور تیزی سے کفر میں گرتا چلا جائے تو اللہ کی طرف سے اسے ہدایت نہیں ہوتی وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَةً فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنْ اللّٰهِ شَيْئًا (اور اللہ جس کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ فرمائے تو اللہ پر تیرا کوئی زور نہیں چلتا) اَوَلَمْ يَلِكِ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرْ قُلُوْبَهُمْ (یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا) لَهُمْ فِي الدُّنْيَا حِزْبٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے) (جو سب کے سامنے آگئی) اور آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم ہے (یعنی وہ جہنم میں داخل ہوں گے)۔

یہودیوں کی حرام خوری..... اس کے بعد فرمایا سَمْعُونَ لِلْكَذِبِ اَكْلُوْنَ لِلْمُسْحٰتِ کہ لوگ جھوٹ سننے والے ہیں اور خوب کان لگانے والے ہیں اَكْلُوْنَ لِلْمُسْحٰتِ خوب زیادہ حرام کھانے والے ہیں۔ علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ یہود حکام کے بارے میں فرمایا یہ لوگ رشوت لیتے تھے اور جو شخص رشوت دینے کا اشارہ کر دیتا تھا اس کی بات پر کان دھرتے تھے اور پھر اسی کے مطابق فیصلہ کر دیتے تھے اور جس نے رشوت نہ دی خواہ وہ کیسا ہی مظلوم ہو نہ اس کی بات سنی جاتی تھی نہ اس کے حق میں فیصلہ دیا جاتا تھا، لفظ مُسْحٰتِ عربی زبان میں کسی چیز کو بالکل جڑ سے ختم کرنے کے لئے موضوع ہے اس کو رشوت کے لئے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ جہاں حاکموں میں رشوت کا لین دین ہو جائے وہاں حق اور انصاف بالکل ہی ختم ہو جاتا ہے رشوت گناہ کبیرہ ہے اور جو مال رشوت میں لے لیا جائے وہ حرام ہے



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بدیہ تھا اور یہ آج ہمارے لیے رشوت ہے۔ (سرخ اخلافاً)

فائدہ..... کسی سے بھنی کا نکاح کرنے پر جو رقم لی جائے وہ رشوت ہے (جو مہر کے علاوہ ہو) اسی طرح اپنے اپنے لئے لڑکی قبول کرنے پر جو مال لیا جائے وہ بھی رشوت ہے (بنگال، بہار، آسام میں اس کا رواج ہے) کسی کی سفارش کرنے پر رقم یا جو بھی کچھ مال لیا جائے وہ رشوت ہے کوئی آفیسر کسی کو اپنے محکمہ میں ملازم رکھے اور اس پر رقم لے تو یہ بھی رشوت ہے۔ بنی اسرائیل کو برا کہہ کر دل ٹھنڈا نہ کر لیں بلکہ اپنے ماحول کو بھی دیکھیں کہ ہم کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔

پھر فرمایا **فَانْجَاءُ وَلَكَ فَاحْكُم بَيْنَهُم اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ** (سو اگر وہ آپ کے پاس آجائیں تو ان کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے یا ان سے اعراض کریں **وَ اِنْ تَعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا**) (اور اگر آپ ان سے اعراض فرمائیں تو وہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے)..... اس آیت میں اختیار دیا ہے کہ اگر آپ چاہیں ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں چاہیں فیصلہ نہ فرمائیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب یہود مدینہ پر اہل ذمہ کے احکام جاری نہیں ہوئے تھے اور یہودیوں سے صرف اس بات کا معاہدہ ہوا تھا کہ مدینہ منورہ پر کوئی قوم حملہ کرے گی تو مل کر دفاع کریں گے جو لوگ ذمی ہوں وہ لوگ اگر کوئی فیصلہ لے کر آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ کر دینا واجب ہے جیسا کہ آئندہ رکوع میں ارشاد ہے: **وَ اِنْ اَخْكُم بَيْنَهُم بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ**

پھر فرمایا **وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ** **ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ** اور جس صورت میں فیصلہ کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا ہے اس صورت میں اگر فیصلہ کرنے کی جانب رجحان ہو تو انصاف ہی کا فیصلہ کریں بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے پھر فرمایا: **وَ كَيْفَ يُحْكِمُ لَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ** کہ یہ لوگ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت شریف موجود ہے اس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے ان کو اس کتاب کے ماننے کا دعویٰ بھی ہے (اسے چھوڑ کر آپ سے فیصلہ کرنا تعجب کی بات ہے) ان کو حق کا فیصلہ منظور نہیں ہے دلوں میں چور دوسرا ہے مقصد ان کا یہ ہے کہ ہمارے موافق فیصلہ ہوا تو مانیں گے ورنہ نہیں، اصل بات یہ ہے کہ انہیں حق پر چلنا منظور ہی نہیں ہے **وَمَا اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ** اور نہ یہ ایمان لانے والے ہیں۔

**اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيْهَا هُدًى وَ نُوْرٌ يَّحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ**

ہے شک ہم نے تورات نازل کی اس میں ہدایت ہے اور روشنی ہے، اسکے ذریعہ انبیاء فیصلہ کرتے ہیں انبیاء جو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے۔ یہ فیصلے ان لوگوں کو دیتے تھے جو یہود تھے

**هَادُوْا وَ الرِّبٰٓيُوْنَ وَ الْاَخْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ**

اور اللہ والے اور حکم والے بھی فیصلہ دیتے تھے بچہ اس کے کہ ان کو اللہ کی کتاب کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا، اور وہ اس

**شُهَدَآءٌ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۚ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكَمْ**

پر گواہ تھے۔ تو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے ذریعہ تمہاری ہی قیمت مت خریدو اور جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے

**بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ ۝ وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا اَنْ النَّفْسُ بِالنَّفْسِ لَا**

جو اللہ نے نازل فرمایا ہے سو یہی لوگ کافر ہیں اور ہم نے ان پر تورات میں لکھ دیا کہ جان جان کے بدلہ، اور آنکھ آنکھ کے بدلہ،

وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۖ

اور تاک تاک کے بدلہ اور کان کان کے بدلہ اور دانت دانت کے بدلہ اور زخموں کا بدلہ ہے۔

فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

سو جو شخص معاف کر دے وہ اس کے لئے کفارہ ہے اور جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا سو یہی لوگ ظالم ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ ۖ وَآتَيْنَاهُ

اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کو بھیجا جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان کے سامنے تھی یعنی تورات اور ہم نے ان کو

الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ ۚ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَ

انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور روشنی تھی اور وہ تصدیق کرنے والی تھی اس چیز کی جو ان کے سامنے تھی یعنی تورات اور وہ نئی اختیار کرنے والوں کے لئے ہدایت تھی

مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝ وَلِيَحْكُمَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا

اور نصیحت! اور چاہئے کہ انجیل والے حکم کریں اس کے موافق جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور جو شخص اس کے موافق

أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

فیصلہ نہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا سو یہی لوگ نافرمان ہیں۔

توریت شریف میں ہدایت تھی اور نور تھا

ان آیات میں اول تو توریت شریف کی صفت بیان فرمائی کہ ہم نے توریت کو نازل کیا اس میں ہدایت تھی اور نور یعنی روشنی تھی جو حق و باطل کے درمیان میں فرق ظاہر کرتی تھی۔

پھر فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اللہ کے فرماں بردار بندے تھے، توریت شریف کے ذریعے فیصلے فرماتے تھے ان کے یہ فیصلے یہودیوں کے حالات اور معاملات سے متعلق تھے پھر التَّيَّيُّونَ پر عطف فرمایا وَالرُّبَّا يَتُوبُونَ وَالْأَخْبَارُ کہ ربانی اور احبار بھی توریت شریف کے ذریعہ حکم فرماتے تھے۔ ربانی رب کی طرف منسوب ہے یعنی رب والے لوگ جنہیں ہماری اصطلاح میں اللہ والے کہا جاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو انبیاء علیہم السلام تشریف لائے وہ انہیں کی شریعت پر چلتے تھے اور ای پر بنی اسرائیل کو چلاتے تھے توریت شریف کی تعلیم، تبلیغ اور ترویج کی ذمہ داری سنبھالتے تھے، ان حضرات کے علاوہ جو اللہ کے نیک بندے تھے اللہ والے تھے۔ اصحاب علم تھے وہ بھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ پر توریت شریف کے ذریعے فیصلہ کرتے تھے ربانیوں اور احبار دو جماعتیں علیحدہ علیحدہ رہی ہیں جو لوگ عبادت میں زیادہ مشغول ہوئے ان کو ربانی اور جو لوگ علم کا مشغلہ زیادہ رکھتے تھے ان کو احبار فرمایا محض عالم جس میں عبادت نہ ہو چونکہ اس کا اپنا علم خود اس کے لیے مفید نہیں اس لئے دوسرے لوگوں کو بھی اس سے نفع نہیں پہنچتا عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جو شخص صرف علم کا حامل ہو اس کی طرف لوگ رجوع نہیں کرتے اور نہ اس کا علمی فیض پھیلتا ہے۔



اور جو شخص محض عبادت گزار ہو علم نہ ہو وہ جہالت میں مبتلا ہو جاتا ہے ضروری علم تو ہر عامی سے عامی شخص کے لئے بھی ضروری ہے پھر جو شخص عبادت میں زیادہ منہمک ہو اس کے لئے علم کیوں ضروری نہ ہوگا؟ بس غالب اشتغال کے اعتبار سے عالم اور درویش دو جماعتیں سمجھی جاتی رہی ہیں اور اب بھی سمجھی جاتی ہیں جس کا علمی اشتغال زیادہ ہے اسے عالم کہتے ہیں اور جس کا اشتغال عبادت میں زیادہ ہے اسے درویش کہتے ہیں بعض حضرات میں دونوں صفات زیادہ ہوتی ہیں ایسے حضرات بہت مبارک ہوتے ہیں جیسے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں دونوں جماعتیں ہیں اسی طرح حاملین توریت میں بھی دونوں جماعتیں تھیں جب تک توریت منسوخ نہیں ہوئی اسی پر عمل کرنا فرض تھا، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور انجیل شریف نازل ہوئی تو اس کے احکام پر چلنا فرض ہو گیا انجیل شریف نے توریت کے بعض احکام کو باقی رکھا اور بعض کو منسوخ کر دیا (وَلَا جُنَاحَ لَکُمْ بِغَضِّ الذِّیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ)۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے نائبین توریت کی حفاظت کرنے پر مامور تھے..... پھر فرمایا بِمَا اسْتَحْفِظُوا مِنْ کِتَابِ اللّٰهِ یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے نائبین ربا نین اور احبار توریت کے احکام جاری کرنے کے اس لئے پابند تھے کہ اللہ تعالیٰ نے توریت شریف کو محفوظ رکھنا ان کے ذمہ لگا دیا تھا۔ وَكَانُوا عَلَيْهِ شَهِدًا اور اس بات پر وہ گواہ بھی تھے کہ ہاں ہمارے ذمہ حفاظت کی ذمہ داری کی گئی ہے اور ہم اس کے نگران اور محافظ ہیں اس ذمہ داری کو جب تک علماء یہود نے پورا کیا توریت شریف کو تحریف سے محفوظ رکھا جب اس ذمہ داری کا احساس ختم کر دیا تو توریت شریف میں خود ہی تحریف کر بیٹھے۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی علماء یہود نے توریت شریف میں تحریف کر لی تھی اور آپ کے زمانے کے علماء یہود بھی تحریف کرتے تھے اور اسی پر پیسے کھاتے تھے جس نے پیسے دیے اس کی مرضی کے مطابق مسئلہ بتا دیا۔ اپنی چودھراہٹ قائم رکھنے کے لئے انہوں نے اپنے عوام کو سمجھا دیا تھا کہ توریت شریف میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات آئی ہیں وہ آپ میں پوری نہیں ہیں۔ (الحیاذ باللہ) اسی لئے مصلیٰ ہی فرمایا: فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنَا ط وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِنَا ثَمَنًا قَلِيلًا ط (کہ تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیات کے بدلہ دنیا کا متاع قلیل حاصل نہ کرو) نہ مالی رشوت اور نہ اپنی ریاست و چودھراہٹ باقی رکھنے کے لئے میری آیات کو بدلو، اللہ کا خوف سب سے زیادہ ضروری ہے جو ہر گناہ سے بچاتا ہے۔

اور جو لوگ اللہ کے نازل فرمودہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں..... پھر فرمایا وَمَنْ لَّمْ يَخُصَّمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَالْکُفْرُۢنَہُمْ اور جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا تو یہ لوگ کافر ہیں، یہودیوں نے توریت کے حکم رجم کو جانتے ہوئے بدل دیا زانیوں کے بارے میں وہ فیصلہ نہ کرتے تھے جو توریت شریف میں تھا تحریف کے باوجود رجم کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک توریت شریف میں موجود تھا۔ اس حکم کے خلاف دوسرا فیصلہ کرانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن آپ نے وہی فیصلہ فرمایا جو توریت میں تھا اور آپ کی اپنی شریعت بھی اس کے مطابق تھی۔ آپ نے اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ فرمایا اور ان لوگوں نے حق کو چھپایا اور اللہ کے قانون کی تصدیق نہ کی بلکہ اس کے انکاری ہو گئے یہاں تک کہ جب ابن صوریانے حق بات بتادی تو یہودیوں کو اس کا تانا بانا گوارا ہوا یہودی توریت شریف سامنے ہوتے ہوئے بھی اس کے حکم کی تصدیق نہیں کرتے تھے، کفر و کفر کے مرتکب بنے ہوئے تھے۔

قصاص کے احکام..... اس کے بعد قصاص فی النفس اور قصاص فی الاعضاء کا حکم بیان فرمایا، توریت شریف میں جو قصاص کے احکام تھے عملی طور پر یہود نے ان کو بھی بدل رکھا تھا، مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو بڑے قبیلے موجود تھے، ایک قبیلہ بنی نضیر اور دوسرا بنی قریظ تھا

ان میں آپس میں لڑائی جھگڑے اور مارکوت کی وارداتیں ہوتی رہتی تھیں، بنی نضیر اپنے کو اشرف اور اعلیٰ سمجھتے تھے جب کوئی شخص بنی نضیر میں سے بنی قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تھا تو اسے قصاص میں قتل نہیں ہونے دیتے تھے اور اس کی دیت میں ستر و سق کجھوریں دیدیتے تھے اور جب کوئی شخص بنی قریظہ میں سے بنی نضیر کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تھا تو قاتل کو قصاص میں قتل بھی کر دیتے تھے اور دیت میں ایک سو چالیس و سق کجھوریں بھی لیتے تھے اور اگر بنی نضیر کی کوئی عورت بنی قریظہ کے ہاتھ سے قتل ہو جاتی تو اس کے عوض بنی قریظہ کے مرد کو قتل کر دیتے تھے اور اگر کوئی غلام قتل ہو جاتا تھا تو اس کے بدلہ بنی قریظہ کے آزاد مرد کو قتل کرتے تھے اسی طرح کے قانون انہوں نے جراحات کے عوض کے بارے میں بنا رکھے تھے بنو قریظہ کو مال کم دیتے تھے اور خود اس سے دو گنا لیتے تھے (معالم التنزیل ص ۲۸ ج ۱) بعضہ فی سنن ابی داؤد۔ (اول کتاب الدیات) (جراحات سے وہ زخم مراد ہیں جس سے معزوب مقتول نہ ہوتا تھا)

اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت بالا نازل فرمائی جس میں قصاص کے احکام بیان فرمائے جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ ان میں سے جو زور آور قبیلہ نے کزور قبیلہ کے ساتھ معاملہ کر رکھا ہے یہ معاملہ توریت شریف کے خلاف ہے، احکام توریت کے احکام کے خلاف ہیں اور ظالمانہ ہیں اور ان کے تجویز کردہ اسی لئے اخیر میں فرمایا: وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (اور جو شخص اس کے موافق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا تو یہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں)

قصاص کا یہ قانون ہمارے لیے بھی اس طرح مشروع ہے کہ جان کو جان کے بدلے میں قتل کیا جائے گا بشرطیکہ قاتل نے قصد قتل کیا ہو۔ اس میں چھوٹا بڑا مرد عورت بیٹا و نابینا سندرست اور اپانج سب برابر ہیں، کسی مال دار کو کسی غریب پر اور کسی قبیلہ کو دوسرے قبیلہ پر کوئی فوقیت اور فضیلت حاصل نہیں البتہ یہ معاملہ مقتول کے اولیاء کے سپرد ہوگا وہ اگر چاہے تو قصاص لیں اور چاہیں تو معاف کر دیں اور چاہیں تو دیت لے لیں کما قال اللہ تعالیٰ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ۔ قصاص کے بدلے دیت لینے کی اجازت شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اختیار ہی میں ہے یہودیوں کے حق میں صرف قصاص ہی مشروع تھا جیسا کہ ذَلِكُمْ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ کے ذیل میں مفسرین نے یہ بات لکھی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کی آنکھ میں مار دے جس سے روشنی چلی جائے تو اس پر بھی قصاص ہے مارنے والے کی آنکھ کی روشنی ختم کر دی جائے اور اگر کوئی شخص کسی کا دانت توڑے یا اکھاڑ دے تو اس کا بدلہ بھی دلایا جائے گا اسی طرح کوئی شخص کسی کی ناک کاٹ دے تو کاٹنے والے کی ناک کاٹ دی جائے گی اور کوئی شخص کسی کا کان کاٹ دے تو اس میں بھی قصاص ہے یعنی کاٹنے والے کا کان کاٹا جائے گا۔

قرآن مجید میں قصاص فی النفس کے بعد آنکھ، ناک، کان اور دانت میں قصاص بتایا ہے دوسرے اعضاء کا ذکر نہیں فرمایا۔ فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ دیگر اعضاء و اطراف کے قصاص کے مسائل بھی لکھے ہیں اگر کوئی شخص کلائی سے قصد کسی کا ہاتھ کاٹ دے تو کاٹنے والے کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اگرچہ اس کا ہاتھ بڑا ہو، اسی طرح انگلیوں میں بھی قصاص ہے اگر کوئی شخص کسی کی پوری انگلی جڑ سے کاٹ دے یا پنج کے جوڑوں میں سے کسی جوڑے میں سے کاٹ دے تو اس میں بھی قصاص ہے اسی طرح پاؤں کاٹنے میں بھی قصاص ہے، اگر کوئی شخص ٹخنے کے جوڑے سے کسی کا پاؤں کاٹ دے تو اس کے بدلہ اسی جوڑے سے کاٹنے والے کا پاؤں کاٹ دیا جائے گا، اور بھی بہت سی تفصیلات ہیں جو فتویٰ عالمگیری وغیرہ میں لکھی ہیں۔

آخر میں فرمایا وَالْجُورُوحُ قِصَاصٌ (اور زخموں میں قصاص ہے) زخموں کی فقہاء نے دس قسمیں لکھی ہیں اور ان کے احکام میں بڑی تفصیلات ہیں جس زخم میں مساوات یعنی برابری ہو سکے اس میں قصاص ہے اور جس میں برابری نہ ہو سکے اس میں مال دیا جائے گا۔ ہدایہ

میں (کتاب الجنایات) فصل فی الشہاج کا مطالعہ کر لیا جائے۔

فہو کفارۃ لہ کے معنی..... پھر فرمایا فمن تصدق بہ فہو کفارۃ لہ، حضرات مفسرین کرام نے اس کے دو مطلب لکھے ہیں۔ اصل سوال یہ ہے کہ لسنہ کی ضمیر کس کی طرف راجع ہے اگر جرح (ذمی) اور قتل کے ولی کی طرف راجع ہے تو آیت کا یہ مطلب ہے کہ مجروح نے یا مقتول کے ولی نے اگر جرح اور قاتل کو معاف کر دیا اور اپنے حق کا صدقہ کر دیا یعنی جارج اور قاتل کو معاف کر دیا تو اس کے لیے کفارہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور حسن اور شعیب اور قتادہؓ سے ایسا ہی مروی ہے۔

اور اگر لسنہ کی ضمیر جارج اور قاتل (یعنی رزم کرنے والے اور قتل کرنے والے) کی طرف راجع ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ مجروح نے یا مقتول کے ولی نے جب معاف کر دیا تو یہ ذمی کرنے والے اور قتل کرنے والے کے گناہ کا کفارہ ہو گیا اب اس پر آخرت میں مواخذہ نہ ہو گا (وقد ذکر ابن عباس القولین و علی الاول اکثر الصحابة والتابعین ومن بعدهم (قرطبی ص ۲۰۸ ج ۶) رہا معاف کرنے کا اجر و ثواب تو وہ اپنی جگہ ہے جو دوسری آیت فمن غفا واصلح فاجزۃ علی اللہ میں بیان فرمایا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسا ہی منقول ہے اور بعض تابعین ابراہیم نخعی، مجاہد اور زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔ (معالم القرآن ص ۴۳ و ۴۴ ج ۲)

قصاص کا شرعی قانون نافذ نہ کرنے کا وبال..... قصاص کا قانون سورۃ بقرہ میں بھی بیان فرمایا ہے اور یہاں سورۃ مائدہ میں بھی، جو لوگ مسلمان نہیں ہیں انہوں نے اپنے جابلانہ قانون بنا رکھے ہیں۔ اول تو قتل عمد ثابت ہی نہیں ہوتا۔ وکیلوں اور بیرسروں کی دنیا ہے "قاتل" کی حمایت کرنے والا وکیل اور بیرسر ایسی قانونی مویشی گانی کرتا ہے کہ وہ قاتل کے خلاف فیصلہ ہونے نہیں دیتا اور اگر دوسری جانب کے وکیل نے اسے پچھاڑ ہی دیا اور حاکم کی رائے سزا دینے کی ہو ہی گئی تو وہ لمبی جیل کر دیتا ہے اور یہ جیل بھی ایسی کہ بیس سال کی جیل ہو تو بیس سال ہی میں پوری ہو جائے کیونکہ رات اور دن کا سال علیحدہ علیحدہ شمار ہوتا ہے اس میں اول تو قاتلوں کو عبرت نہیں ہوتی ان کو جیلیں کاٹنے کی عادت ہوتی ہے دوسرے اولیا مقتول کی کوئی حیثیت نہیں سمجھی جاتی نہ انہیں حق قصاص دلایا جاتا ہے نہ دیت دلائی جاتی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ روماء مملکت کو جان بخشی کی درخواست دی جائے تو وہ بالکل ہی معاف کر دیتے ہیں حالانکہ ان کو معاف کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کافروں نے جو قانون بنا رکھے ہیں انہی کو ان حکومتوں نے اپنا رکھا ہے۔ جو مالک مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہیں یہ لوگ بھی قصاص اور دیت کا قرآنی قانون نافذ نہیں کرتے اور اس کا بدترین پہلو یہ ہے کہ بعضے جابل قصاص کو ہشیانہ سزا بھی کہہ دیتے ہیں اللہ کے قانون پر اعتراض کر کے کافر ہونے کو تیار ہیں لیکن دنیا میں امن وامان قائم کرنے اور قتل و خون کی وارداتیں ختم کرنے کو تیار نہیں، ان کو جرم بھی آتا ہے تو قاتلوں پر ہی آتا ہے کیسی بھونڈی سمجھ ہے۔

انجیل شریف میں ہدایت تھی اور نور تھا..... تو ریت شریف اور اس کے بعض احکام کا تذکرہ فرمانے کے بعد حضرت سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اور انجیل شریف کا تذکرہ فرمایا جو حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور ارشاد فرمایا وَ قَفَّيْنَا عَنْ عِيسَى الْمَسْحُوتِ کہ ان انبیاء کے بعد (جو توریت شریف کے مطابق حکم کرتے تھے) ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا وہ توریت شریف کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان کے سامنے تھی اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت تھی اور روشنی تھی اور جو توریت کی تصدیق کرنے والی تھی جو پہلے سے موجود تھی انجیل میں متقیوں کے لئے ہدایت تھی اور نصیحت تھی، اس میں یہ بتا دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی توریت کی تصدیق کرنے والے تھے اور جو کتاب ان پر نازل ہوئی یعنی انجیل وہ بھی توریت شریف کی تصدیق کرنے والی تھی سارے ہی انبیاء کرام علیہم السلام آپس میں ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والے تھے اور انجیل میں توریت شریف کی تصدیق موجود تھی بعد میں گروہ

بندیاں ہو گئیں اور بنی اسرائیل نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا نہ صرف یہ کہ انکار کر دیا اور ان کی کتاب کو نہ مانا بلکہ ان کے قتل کے ارپے ہو گئے قتل تو نہ کر سکے لیکن اپنی کرنی میں انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی عیسائیوں میں برابر باہمی مخالفت رہی اور نصرانی یہودیوں کو یہ الزام دیتے رہے کہ انہوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے۔ چند سال پہلے سیاسی گٹھ جوڑ کے تقاضے پر نصرانیوں نے اپنا الزام واپس لے لیا۔

گٹھ جوڑ مسلمانوں کی مخالفت میں متحد ہونے کے لئے کیا گیا ہے۔ یہودیوں کے مقاصد نصرانیوں سے متعلق ہیں اس لیے باہمی مخالفت کو دور کرنے کے لیے یہ راستہ نکالا گیا جو اوپر مذکور ہوا۔

اللہ کے نبی اور اللہ کی کتاب میں سب ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والی ہیں ..... بہر حال یہ سیاسی گروہ بندی اور مخالفت اور موافقت لوگوں کے اپنے معاملات کی وجہ سے ہے اللہ کے نبیوں میں آپس میں کوئی مخالفت نہیں اور اللہ کی کوئی کتاب دوسری کتاب کی تکذیب کرنے والی نہیں تو ریت اور انجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق موجود تھی۔ جسے یہود و نصاریٰ نے محرف کر دیا اور تحریف کے باوجود اب بھی تصریحات ملتی ہیں جن میں آپس کی تصدیق اور تشریف آوری کی تشریح موجود ہے، انجیل کے بارے میں فرمایا وَ هٰذِي وَ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝ کہ وہ ہدایت ہے اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے، یہ ایسا ہی ہے جیسے قرآن مجید کے بارے میں هٰذِي لِّلْمُتَّقِينَ اور هٰذَا بَيِّنَاتٌ لِّلنَّاسِ وَ هٰذِي وَ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ فرمایا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کے مزاج میں ہدایت قبول کرنا اور نصیحت ہے وہی قبول کرتے ہیں اور کفر و شرک سے پرہیز کرتے ہیں پھر فرمایا وَ لِيُخْطِبَ اَہْلَ الْاِنْجِلِ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْہِ (اور چاہئے کہ انجیل والے اس کے مطابق حکم کریں جو اللہ نے اس میں نازل فرمایا

پھر فرمایا وَ مَن لَّمْ يَخُجِبْہُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْفٰسِقُوْنَ) اور جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا تو یہی لوگ نافرمان ہیں) جن لوگوں کو انجیل شریف ان کے نبی کے ذریعہ پہنچی وہ اس کے مطابق نہ چلے اور اس کے موافق فیصلے نہ کئے اور ان میں تحریف بھی کر دی اور تو حید کے عقائد کی بجائے اپنے دین میں شرکیہ عقائد داخل کر لیے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا اور تین خدا مان لیے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا اعتقاد کر کے کفارہ کا عقیدہ نکال لیا، پھر جب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور انجیل کی تصریح کے مطابق آپ کی نبوت و رسالت کا یقین ہو جانے کے باوجود ایمان نہ لائے اور گمراہی میں ہی رہ گئے، ان کو حکم ہو رہا ہے کہ جو کچھ اللہ نے انجیل میں نازل فرمایا ہے اس کے مطابق حکم کریں باطل عقائد کو چھوڑیں اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں، اللہ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کے مطابق فیصلہ نہ کرنا فاسقوں ہی کا کام ہے، لفظ فاسق فسق سے لیا گیا ہے فسق طاعت اور فرمان برداری سے نکل جانے کو کہتے ہیں کفر و شرک کا فسق ہے اس لئے شیطان کے بارے میں فَتَقٰتٰی عَنِ اَمْرِ رَبِّہِ فرمایا۔

وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ يَدَیْہِ مِنَ الْکِتٰبِ وَ مُہِیْمِنًا

اور ہم نے حق کے ساتھ آپ کی طرف کتاب اتاری وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اور وہ ان کتابوں کی محافظ ہے

عَلَیْہِ فَاَحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَہُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۚ

اور آپ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اسے چھوڑ کر آپ ان کی خواہش کا اتباع نہ کیجئے۔

لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن

تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے شریعت اور خاص راہ مقرر کر دی ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن (اس نے ایسا نہیں کیا) تاکہ تم کو

لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۚ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ

اس کے بارے میں آزمائے جو تم کو دیا، سو تم خیر کے کاموں کی طرف دوڑو، اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم سب کا واپس ہے، سو وہ ان باتوں کے بارے میں تم کو

بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۖ وَإِنَ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ

باجہ فرمائے گا جن میں تم اختلاف رکھتے تھے، اور یہ کہ آپ ان کے درمیان اسی کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے اتارا اور ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں

وَاحْذَرُهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا

اور اس بات سے پرہیز کریں کہ یہ لوگ آپ کو اللہ کے دیئے ہوئے احکام میں سے کسی حکم سے ہٹا دیں۔ سو اگر وہ روگردانی کریں تو آپ جان لیں

يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُصِيبَهُم بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ۝

کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے بدلے میں ان کو سزا دے۔ اور بہت سے لوگ فاسق ہیں۔

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝

کیا یہ جاہلیت کے حکم کو چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلہ کرنے والا ان لوگوں کے لئے کون ہے جو یقین کرتے ہیں۔

### قرآن مجید دوسری کتب سماویہ کے مضامین کا محافظ ہے

توریت و انجیل کا تذکرہ فرمانے اور یہ بتانے کے بعد کہ یہ دونوں اللہ کی کتابیں ہیں اور ان میں ہدایت ہے اور نور ہے اور یہ کہ جو شخص اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ دے وہ کافر ہے اور ظالم ہے اور فاسق ہے آیات بالا میں قرآن مجید کا تذکرہ فرمایا اور یہ بتایا کہ ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے جو حق لے کر آئی ہے اور اس سے پہلے جو اللہ کی کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرنے والی ہے (کسی یہودی یا نصرانی کو اس سے منحرف ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ وہ اپنے سے پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے) اور نہ صرف یہ کہ وہ سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے بلکہ ان کے مضامین کی نگرانی بھی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے اور اس سے پہلی کتابیں جو یہود و نصاریٰ کے پاس تھیں ان کو انہوں نے گم کر دیا اور ان کے مضامین کا بھی محافظ ہے جو سابقہ کتابوں میں بیان ہوئے تھے۔ ان کتابوں میں جو مضامین عقائد صحیحہ کے خلاف لوگوں نے شامل کر دیئے تھے اور ان کے جن احکام کو بدل دیا تھا۔ قرآن مجید ان کی تردید کرتا ہے اور جو صحیح عقائد ان میں بیان کئے گئے تھے اور جو احکام بتائے گئے تھے ان میں سے جن احکام کی اس امت کو ضرورت ہے ان کو بیان کرتا ہے اور ان کی حفاظت کرتا ہے۔ جیسا کہ اوپر قصاص کے احکام بیان فرمائے اور فرمایا کہ یہ توریت شریف میں مذکور تھے (جو امت محمدیہ کے لئے بھی مشروع ہیں) اسی طرح یہود و نصاریٰ کے عقائد شرکیہ کی تردید فرمائی اور بتایا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے توحید کی دعوت دی تھی اور شرک سے بیزاری کا حکم دیا تھا۔

قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم..... پھر فرمایا فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ط کہ جو حق آپ کے پاس آیا ہے اس کو چھوڑ کر آپ ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں اللہ کے فرمان کے مطابق فیصلے کریں اور لوگوں کی خواہشوں کے مطابق فیصلے نہ کریں۔

یہودیوں کا ایک مکر..... بظاہر یہ خطاب آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس کا عموم تمام ٹھٹھا و احکام کی شامل ہے آپ کو جو خاص کر کے مخاطب فرمایا اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ علماء یہود نے باہمی مشورہ سے ایک پروگرام بنایا تھا جو شرارت پر مبنی تھا، کعب بن اسد اور عبد اللہ بن صوریہ اور شاس بن قیس نے آپس میں کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلو ہم انہیں ان کے دین سے ہٹانے کا کوئی راستہ نکالیں، یہ لوگ آئے اور انہوں نے آکر کہا کہ اے محمد! آپ کو معلوم ہے کہ ہم یہود کے علماء ہیں اور سردار ہیں اور ان میں ہمارا بڑا مرتبہ ہے اگر ہم آپ کا اتباع کر لیں گے تو تمام یہود آپ کا اتباع کر لیں گے وہ ہمارے خلاف نہ جائیں گے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان کچھ خصومت ہے ہم آپ کے پاس فیصلہ لے کر آئیں گے سو آپ ہمارے حق میں فیصلہ دینا۔ ایسا کرنے سے ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کر لیں گے آپ نے اس سے انکار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا کہ ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں اور ان سے ڈرتے رہیں اور ہوشیار رہیں کہ وہ اللہ کے بعض احکام سے ہٹا نہ دیں۔ (الصحیح فی دلائل النبۃ، درمنثور ص ۲۹۰ ج ۲)

یہودیوں کا یہ ایک مکر تھا۔ مقصود اسلام قبول کرنا نہ تھا آپ سے غلط فیصلہ کرانا چاہتے تھے آپ نے صاف انکار فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی تائید فرمائی اور یہ صاف بتا دیا  
اس لالچ میں کہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے حق چھوڑنے کی اجازت نہیں..... کہ اس لالچ میں کہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے حق کے چھوڑنے اور غلط فیصلہ دینے کی کوئی گنجائش نہیں جسے اسلام قبول کرنا بہود حق کے لئے قبول کرے جسے شروع ہی سے حق پر چلنا منظور نہیں وہ بعد میں کیا حق پر چلے گا، جھوٹے مسلمانوں کو اپنا بنا کر اپنی اکثریت ظاہر کرنا یہ اسلام کے مزاج کے خلاف ہے، دوسری قومیں جنہیں حق مقصود نہیں سیاسی دنیا میں اپنی \_\_\_\_\_ اکثریت دکھانے کے لئے غیروں کو بھی اپنوں کی فہرست میں شمار کر لیتی ہیں لیکن اسلام میں ایسا نہیں ہے اسی سے معلوم ہو گیا کہ یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اور کافروں کو اپنے قریب لانے کے لئے اور دنیا میں اپنی اکثریت بنانے کے لئے باہمی مشورہ کر کے اسلام کے فلاں حکم کو بدل دو یہ جہالت اور گمراہی کی بات ہے اسی طرح بعض جاہل کہتے ہیں کہ گمراہ فرقے جو اپنے عقائد کی وجہ سے حدود کفر میں جا پڑے ہیں انہیں کافر مت کہو تا کہ اسلام کے ماننے والوں کی نفی کم نہ ہو یہ بھی احقانہ بات ہے اسلام کو ایسے لوگوں کی بالکل ضرورت نہیں ہے جو اسلام کے مدعی ہیں لیکن عقائد کے اعتبار سے کافر ہیں، اسلام حق بتاتا ہے حق ظاہر کرتا ہے ہدایت کی اجازت نہیں دیتا۔

ہر امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاص شریعت مقرر فرمائی..... پھر فرمایا لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرْعًا وَمِنْهَا جَا کہ ہم نے تم میں سے ہر امت کے لئے ایک خاص شریعت اور ایک خاص طریقہ عمل مقرر کر دیا ہے، عقائد تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے مشترک ہیں اور بہت سے احکام اور امر و نہی کے تحت ہیں اس لئے جس امت نے اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول (علیہ السلام) کی ہدایت کے مطابق عمل کیا اس نے اللہ ہی کی فرماں برداری کی پچھلی امتوں کو جو بعض احکام دیئے گئے تھے وہ منسوخ ہو گئے تو ریت شریف کے بعض احکام حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے منسوخ فرما دیئے۔ (وَلَا جُلَّ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي هُوَ عَنِكُمْ)

اور تو ریت و انجیل کے بعض احکام شریعت محمدیہ میں منسوخ ہو گئے۔ جب ہر شریعت اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ مقرر ہے تو اس پر عمل کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری ہے اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں اللہ کی رضا مندی ہے، دین اور شریعت پر چلنے سے مقصد صرف اللہ کی رضا ہے اور کچھ نہیں جب اللہ راضی ہے تو اختلاف شرائع میں کچھ حرج نہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے گذشتہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا اور سب سے آخری شریعت یعنی شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دائرہ نجات قرار دیا تو اب دوسری شریعتوں پر چلنے کی اجازت ختم ہو گئی۔

اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا..... پھر فرمایا لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً (اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا) وَلَٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ لِيَكُنْ لِلَّهِ بَيِّنَاتٌ مِّنْ كُلِّ شَيْءٍ (لیکن اللہ نے ایک ملت بنا کر پسند نہیں فرمائی۔ بلکہ مختلف امتوں کو مختلف شریعتیں عطا فرمائیں تاکہ وہ تمہیں اس دین اور اس شریعت کے بارے میں آزمائے جو تمہیں عطا فرمائی، آزمائش یہ تھی کہ دین پر عمل کرنے والے اللہ کے حکم کے فرماں بردار ہیں یا جس شریعت پر پہلے سے عمل ہو رہا ہے اس شریعت پر جامد ہو نا مقصود ہے کیونکہ وہ تباہ و آبداد کی شریعت بن چکی تھی، احکام میں صرف اللہ کی رضا کو دیکھنا ہے نہ کہ باپ دادوں کی نسبتوں کو، جو شخص اللہ تعالیٰ شانہ کا فرماں بردار ہے اس کے نفس پر شریعت سابقہ کا چھوڑنا کیسا ہی شاق ہو وہ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم مانے گا اختلاف شرائع میں ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ امتداد زمانہ کے اعتبار سے جو عالم میں مخیر احوال ہے اس کے اعتبار سے احکام کا بدلنا مناسب ہوتا کہ ہر زمانہ کے لوگ اپنے اپنے زمانوں کے احوال کے اعتبار سے احکام البلیہ پر عمل کریں لیکن اپنے طور پر کسی حکم کو بدلنے کی اجازت نہیں ورنہ وہ شریعت البلیہ نہ رہے گی اور شریعت اسلامیہ کو بدلنے یا منسوخ ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں رہا جو آخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی کیونکہ اس میں قیامت تک آنے والے تمام زمانوں اور تمام انسانوں کے لئے احکام و مسائل موجود ہیں۔

پھر فرمایا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (کہ نیک کاموں کی طرف آگے بڑھو) اور نیک کام وہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نیک عمل قرار دیا اِلٰی اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹا ہے پھر وہ ان چیزوں کے بارے میں خبر دے گا جن میں تم اختلاف رکھتے تھے)

جز اسرا کے اعتبار سے پتہ چل جائے گا کہ حق پر کون تھا اور باطل پر کون تھا۔ قال صاحب الروح فالانبياء هنما مجاز عن المجازاة لما فيها من تحقيق الامور. (یہاں خبر دینا بدل دینے سے مجاز ہے کیونکہ اسی خبر دینے میں معاملہ واضح ہو جائے گا)

پھر فرمایا وَ اِنْ اَخْتَلَفْتُمْ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ بَيْنَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ هُمْ (اور آپ ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں اس کے موافق جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں) اس میں مکرر حکم دیا کہ اللہ کے نازل فرمودہ احکام کے مطابق فیصلہ دیں اور فیصلہ طلب کرنے والوں کے درمیان ان کی خواہشوں کے مطابق فیصلہ نہ کریں، اس حکم کو دوبارہ بطور تاکید بیان فرمایا۔

احکام البلیہ سے اعراض کرنا مصیبت نازل ہونے کا سبب ہے..... پھر فرمایا فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاَعْلَمَنَّ اللّٰهُ اَنْ تَبْغِضُوْهُمْ ذُنُوْبُهُمْ ط کہ اگر یہ لوگ اس فیصلہ سے اعراض کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے تو آپ جان لیں کہ یہ (چونکہ اللہ کی تشریع کو قبول نہیں کرتے اس لئے) ان پر تکوینی طور پر عذاب آنے والا ہے، اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان کو عذاب دے، ان کے جرم تو بہت سے ہیں بعض جرموں کی سزا بھی ان کی بربادی اور ہلاکت کے لئے کافی ہے۔ قال صاحب الروح (ص ۱۰۰ ج ۲) وهو ذنب التولي والا عراض فهو بعض مخصوص والتعبير عنه بذلك للايدان بان لهم ذنوبا كثيرة (یعنی اللہ

تعالیٰ کے ارشاد بعض ذنوبہم سے مخصوص گناہ مراد ہے اور وہ انکا احکام الہیہ سے اعراض اور گریز کرنا ہے۔ اور یہ تعبیر اختیار کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ گناہ تو ان کے بہت سے ہیں۔ (وَإِنْ كَثُرَ أَصْنَفُ النَّاسِ لَفَسْقُونَ) (اور بلاشبہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو فرماں برداری سے خارج ہیں) ان میں سرکشی بڑھی ہوئی ہے کفر پر مصر ہیں ایسے سرکش سزا ہی کے مستحق ہیں۔

آخر میں فرمایا: فَحُكِّمَ الْجَاهِلِيَّةُ يَتَغَوَّنَ ط وَفَمِنْ أَحْسَنِ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُؤْفِقُونَ (کیا یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور فیصلہ کرنے کے اعتبار سے ان لوگوں کے لئے اللہ سے اچھا کون ہے جو یقین رکھتے ہیں)

جو لوگ اللہ کے حکم کے خلاف دوسرا حکم تلاش کرتے ہیں ان کی توقع کے لئے سوال کے پیرایہ میں ارشاد فرمایا کیا یہ لوگ جاہلیت کے فیصلے کو چاہتے ہیں؟ اللہ کا فیصلہ سامنے ہوتا ہے جو اللہ کی کتاب بتا رہی ہے اور جو اللہ کے نبی نے سنایا ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے اعراض کر رہے اور ہٹ رہے جب اللہ کا فیصلہ سامنے سے انکار ہے تو اب کون سا فیصلہ چاہتے ہیں اللہ کے فیصلے کے خلاف تو جاہلیت کا ہی فیصلہ ہے اللہ کے فیصلے کو چھوڑنا اور جاہلیت کے فیصلے کو اختیار کرنا کس لئے ہے؟ کیا جاہلیت کا فیصلہ اللہ کے فیصلے سے اچھا ہے؟ میرا بر گز نہیں! اللہ سے بڑھ کر اچھا فیصلہ دینے والا کوئی نہیں لیکن اس بات کو یقین والے بندے جانتے اور مانتے ہیں، جن کو کفر ہی پر تیرے بننے کی نیت ہے وہ اللہ کے فیصلہ پر راضی نہیں، جاہلیت کا فیصلہ ہی انہیں مطلوب اور محبوب ہے یہ عجیب احمقانہ بات ہے اور نہایت درجہ منکر قبیح اور شنیع ہے۔

دور حاضر کے نام نہاد مسلمان بھی جاہلیت کے فیصلوں پر راضی ہیں..... گزشتہ آیات میں یہودیوں کی حکم عدویٰ اور گمراہی کا تذکرہ ہے ان لوگوں نے رجم کے سلسلہ میں توریت کے حکم کو چھوڑ کر زانی اور زانیہ کی سزا اپنے طور پر تجویز کر لی تھی اور قصاص کے حکم کو بھی بدل دیا تھا اللہ کے فیصلے کے بجائے اپنے تجویز کردہ فیصلوں کو بطور قانون کے نافذ کر دیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ معلوم کرنے کے لئے اپنے نمائندے بھیجے تو ان سے کہہ دیا کہ تمہارے موافق ہو تو فیصلہ قبول کر لینا اور تمہارے موافق نہ ہو تو اس سے گریز کرنا۔ آج یہی حال ان لوگوں کا ہے جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں اور حکومتیں لئے بیٹھے ہیں اور نہ صرف وہ لوگ جنہیں حکومت مل جاتی ہے بلکہ عوام بھی قرآن کریم کے فیصلوں سے راضی نہیں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو ماننے سے انکاری ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ قرآنی نظام نافذ کرو تو کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں ان میں سے بہت سے لوگ نمازی بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبت کے دعویدار بھی ہیں لیکن یہ لوگ بھی قرآنی نظام نافذ کرنے اور نافذ کروانے کے حق میں نہیں ہیں۔

یورپین اقوام نے جو قوانین بنائے ہیں ان ہی کے بانی رکھنے کے حق میں ہیں ان پر آیت شریفہ کا مضمون فَحُكِّمَ الْجَاهِلِيَّةُ يَتَغَوَّنَ پوری طرح صادق آ رہا ہے۔ مقدمہ لڑاتے ہیں برسوں کیس چلتا ہے۔ دونوں طرف کے وکیل فیس کھاتے رہتے ہیں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور وقت بھی ضائع، معمولی ساقط حاصل کرنے کے لئے کئی کئی گنا مال بھی خرچ کرنا پڑتا ہے پھر بھی جاہلانہ نظام پر راضی ہیں اور اس بات پر راضی نہیں کہ قاضی اسلام کے پاس جائیں گواہ یا قسم کی بنیاد پر قرآن وحدیث کے موافق فیصلہ ہو جائے۔

جاہلانہ قانون کا سہارا لے کر دوسروں کی جائیدادیں دبا لیتے ہیں مرحوم باپ کی میراث سے ماں، بہنوں کو محروم کر دیتے ہیں اور طرح طرح سے ضعیف اور فقراء کے حقوق مار لیتے ہیں ظالمانہ منافع تو قانون اسلام کے نافذ کرنے کی حمایت نہیں کرنے دیتے۔ کافرانہ نظام کا سہارا لیکر اگر دنیا میں کسی کا حق مار لیا تو جب مالک یوم الدین جل جلالہ کی بارگاہ میں پیشی ہوگی اس وقت چھٹکارہ کیسے ہوگا؟

نام کے مسلمان لوگوں نے کیا طریقہ نکالا ہے کہ مسلمان بھی ہیں اور اسلام گوارا بھی نہیں، اور عجیب بات ہے کہ جو لوگ قرآن کو



مانتے ہی نہیں ان کو راضی رکھنا بھی مقصود ہے چونکہ ان کی رائے اسلامی نظام کے حق میں نہیں اس لئے قرآن ماننے والے بھی نظام قرآن نافذ کرنے کے حق میں نہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی

يَتَوَلَّاهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِّنْهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۵﴾ فَتَرَى الَّذِينَ

ترمسے ان سے دوستی کرے تو بلاشبہ وہ ان میں سے ہے، اے عجب اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا، سو آپ دیکھیں گے ان لوگوں

فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا آيَةٌ ۚ فَعَسَىٰ

کو جن کے دل میں مرض ہے کہ دوڑ کر ان میں گھسے جاتے ہیں کہتے ہیں کہ ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ ہم پر کوئی گرش نہ آجائے، مگر یہ ہے کہ

اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسْرَوْا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ ﴿۶﴾

اللہ فتح کو لے آئے گا یا اپنے پاس سے کسی اور چیز کو۔ پھر اس بات پر نام ہوں گے جو انہوں نے اپنے نفسوں میں چھپائی

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَتُؤَلَّفُ الْإِيمَانُ أَفَسَوْا بِاللَّهِ جَهْدَ إِيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعْلَمُونَ

اور اہل ایمان یوں کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے خوب مضبوطی کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھائیں کہ وہ ضرور تمہارے ساتھ ہیں

حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ﴿۷﴾

ان کے اعمال اکارت ہو گئے جس کی وجہ سے نقصان میں پڑنے والے ہو گئے۔

یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کی ممانعت

معالم القرآن ج ۲ ص ۲۴۲ اور تفسیر ابن کثیر ص ۶۸ ج ۲ میں لکھا ہے کہ حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ جو انصار کے قبیلہ خزرج

میں سے تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہودیوں میں میرے بہت سے دوست ہیں جن کی تعداد کثیر ہے۔ میں ان کی دوستی سے

بیزاری کا اعلان کرتا ہوں اور اللہ اور اس کے رسول ہی کی دوستی کو پسند کرتا ہوں اس پر عبد اللہ بن ابی نے کہا (جو کہیں منافقین تھا) کہ مجھے تو

زمانہ کی گردشوں کا خوف ہے جن لوگوں سے میری دوستی ہے (یعنی یہود سے) میں ان سے بیزاری نہیں ہوتا اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ سے لیکر دو آیتیں نازل فرمائیں۔

ترک موالات کی اہمیت اور ضرورت..... درحقیقت کافروں سے ترک موالات کا مسئلہ بہت اہم ہے، اپنے دین پر مضبوطی سے

جستے ہوئے سب انسانوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا ان کو کھانا پلانا اور حاجتیں پوری کر دینا یہ اور بات ہے لیکن کافروں کے ساتھ

دوستی کرنا جائز نہیں ہے جب دوستی ہوتی ہے تو اس میں دوستی کے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں جن میں بعض باتیں ایسی بھی بتانی پڑ جاتی

ہے جن کے بتانے میں مسلمانوں کا نقصان ہوتا ہو اور جس سے مسلمانوں کی حکومت میں رخنہ پڑتا ہو اور جس سے مسلمانوں کی جماعت میں ضعف آتا ہو، جو سچے یکے مسلمان ہوتے ہیں وہ کافروں سے دوستی کرتے ہی نہیں اور جن لوگوں کے دل میں ایمان نہیں صرف زبانی طور پر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور دل سے کافر ہیں وہ لوگ کافروں سے دوستی کرتے ہیں، یہ لوگ اسلام کے نام لیوا بھی بنتے ہیں لیکن چونکہ اندر سے مسلمان نہیں اس لیے کافروں کی دوستی چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے۔ انہیں یہ خوف بھی کھائے جاتا ہے کہ ممکن ہے مسلمان کو غلبہ نہ دیا کر کھل کر مسلمان ہونے کا اعلان کر دیں تو کافروں سے جو دنیاوی فوائد وابستہ ہیں وہ سب ختم ہو جائیں گے۔

اگر قحط پڑ جائے یا اور کسی کی کوئی تکلیف پہنچ جائے یا اور کوئی گردش آجائے تو کافروں سے کوئی بھی مدد نہ ملے گی، اس خیال خام میں بتلا ہو کر نہ سچے دل سے مؤمن ہوتے ہیں نہ کافروں سے بیزاری کا اعلان کرنے کی ہمت رکھتے ہیں، زمانہ نبوت میں بھی ایسے لوگ تھے جن کا سردار عبداللہ بن ابی تھا اس کا قول اوپر نقل فرمایا۔

اور آج کل بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو مسلمانوں سے بھی مل کر رہتے ہیں اور کافروں سے بھی تعلق رکھتے ہیں، کافروں کے لئے جاسوسی بھی کرتے ہیں اور مسلمانوں کے اندرونی حالات انہیں بتاتے ہیں اور خفیہ آلات کے ذریعہ دشمنان اسلام کو مسلمانوں کے مشوروں اور ان کی طاقت اور عساکر و افواج کی خبریں پہنچاتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ خالص دنیا دار ہوتے ہیں اس لئے نہ اپنی آخرت کے لیے سوچتے ہیں نہ مسلمانوں کی بھلائی کے لئے فکر کرتے ہیں صرف اپنی دنیا بناتے ہیں اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمیں مسلمان کیا نفع پہنچائیں گے آڑے وقت اور نازک حالات میں یہود و نصاریٰ سے ہی پناہ مل سکتی ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں جو شخص ان سے دوستی کرے گا وہ انہیں میں سے ہے (دوستی کے درجات مختلف ہیں بعض مرتبہ دوستی ایسی ہوتی ہے کہ اسے نابے کے لئے ایمان کو چھوڑ دیا جاتا ہے یہ تو سراپا کفر ہے اور فِائِئَہُ مِنْہُمْ کا حقیقی مصداق ہے اور اگر کسی نے ایمان کو چھوڑے بغیر کافروں سے دوستی کی تو اپنی دوستی کے بقدر درجہ بدرجہ انہیں میں سے شمار ہوگا اور یہ کیا کم ہے کہ دیکھنے والے اس دوستی کرنے والے کو کافروں کا ہی ایک فرد سمجھیں گے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (بلاشبہ اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا) کافروں سے دوستی کرنا اپنے اوپر اور دوسرے تمام مسلمانوں پر ظلم ہے اور یہ ظلم کرنے والے اپنے خیال میں ہوشیار بن رہے ہیں راہ ہدایت سے منہ موڑے ہوئے ہیں انہیں ہدایت مطلوب ہی نہیں ہے اللہ انہیں ہدایت نہیں دے گا۔

فَعَسٰی اللّٰہُ اَنْ یَّاتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِہٖ..... منافقوں نے عہد نبوت میں جو یوں کہا تھا کہ اگر ہم یہودیوں سے تعلق نہ رکھیں اور ان سے دوستی ختم کر دیں تو ہمیں ڈر ہے کہ آڑے وقت پر کوئی کام آنے والا نہ ملے گا، اگر اسلام کا غلبہ نہ ہوا اور یہودیوں سے بگاڑ کر بیٹھیں تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے یا اگر کسی قسم کی کوئی گردش آگئی قحط پڑ گیا ہو گئی تو ساہوکار یہودیوں سے جو امداد مل سکتی ہے اس سے محروم ہو جائیں گے۔ یہ خالص دنیا داری کا جذبہ ہے ایمانی تقاضوں کو پس پشت ڈال کر دنیاوی منافع حاصل ہونے کے احتمال پر ایسی بات کہہ گئے۔

اللہ جل شانہ نے اہل ایمان کو تسلی دی اور فرمایا فَعَسٰی اللّٰہُ اَنْ یَّاتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِہٖ (سو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح کی صورت پیدا فرمادے یا اور کوئی صورتحال اپنے پاس سے ظاہر فرمادے) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ فتح سے فتح تک مراد ہے اور بعض حضرات نے اس سے یہودیوں کی بستیاں خیر اور فکد کا فتح ہونا مراد لیا ہے اور اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِہٖ کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ

اس سے اسلام کا غلبہ مراد ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کی جلا وطنی مراد ہے جنہیں ۳۷ھ میں جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا مکہ معظمہ بھی فتح ہوا خیبر اور فدک کی بستیاں بھی مسلمانوں کے قبضے میں آئیں بنی نضیر کی جلا وطنی بھی ہوئی جن سے منافقوں کو آڑے وقت میں امداد کی امید تھی **فِيْضْبَحُوْا عَلٰی مَا اَسْرَوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ نَذِيْرًا** یعنی جب اسلام کا غلبہ ہوگا اور مسلمانوں کو فتیابی حاصل ہوگی تو یہ..... منافقین اپنے نفسوں میں چھپائی ہوئی بات پر نادم ہوں گے کہ ہم نے کیا سوچا تھا اور کیا ہو گیا؟ ہم سمجھتے تھے کہ کافروں کی دوستی کچھ کام دے گی لیکن وہ تو کچھ بھی کام نہ آئی، نیز بعد میں ان کا نفاق بھی کھل کر سامنے آ گیا، کافروں کو مغلوب ہوئے اور یہ لوگ مسلمانوں کے بھی معتمد نہ رہے یہ بھی ندامت کا سبب ہوا۔

**وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** (آلایہ) جب منافقین کا نفاق کھل کر سامنے آئے گا تو اہل ایمان تعجب سے کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو بڑی مضبوطی کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ان کا باطن تو کچھ اور ہی نکلا، جھوٹے کو جب اپنی بات کو باور کرانا ہوتا ہے تو وہ بار بار بڑی تاکید کے ساتھ قسمیں کھاتا ہے، منافقین بھی ایسا ہی کرتے تھے، سچ کو قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی اس کے اعمال اور اخلاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سچا ہے قسموں کے بغیر ہی اس پر اعتماد ہو جاتا ہے منافقوں نے جو نفاق کی چالیں چلیں اور دکھانے کو بظاہر جو نیک اعمال کئے وہ سب اکارت چلے گئے ان سے کچھ فائدہ نہ ہوا اور پھر پور نقصان میں پڑ گئے۔ اسی کو فرمایا **خَبَطْتُ اَعْمَالَهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ** ۵

**يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يٰۤاَتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ**

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے سو عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو پیدا فرمادے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور

**يُحِبُّوْنَہٗ ۚ اِذْلٰہٗ عَلٰی الْمُؤْمِنِيْنَ اَعَزّٰہٗ عَلٰی الْکٰفِرِيْنَ دِیْجَاہِدُوْنَ فِی**

وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہوں گے۔ وہ مسلمانوں پر نرم دل ہوں گے اور کافروں پر زبردست ہوں گے، وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں

**سَبِيْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَہٗ لَا بِیْمٍ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُوْتِیْہِ مَن یَّشَآءُ ۗ وَاللّٰہُ**

جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ دیتا ہے جسے چاہے،

**وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ اِنَّمَا وَلِیْکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الَّذِيْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ**

اور اللہ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہے تمہارا ولی بس اللہ اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے جو نماز قائم کرتے ہیں،

**وِیُوْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَہُمْ رٰکِعُوْنَ ۝ وَمَن یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالَّذِيْنَ**

اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اس حال میں کہ وہ رکوع کرنے والے ہیں، اور جو کوئی شخص دوست رکھے اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو اور ان لوگوں پر جو

**اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ہُمْ الْغٰلِبُوْنَ ۝**

ایمان لائے سو اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا جو گروہ ہے وہی غالب ہونے والا ہے۔

## مسلمان اگر دین سے پھر جائیں تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو مسلمان بنادے گا۔

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے اول تو مسلمانوں کو خطاب کر کے یوں فرمایا کہ دین اسلام کا چلنا چمکنا اور آگے بڑھنا کوئی تم پر موقوف نہیں ہے اگر تم مرتد ہو جاؤ یعنی دین اسلام سے پھر جاؤ (العیاذ باللہ) تو اسلام پھر بھی باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا فرمائے گا جو ایمان قبول کریں گے اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں گے۔ یہ لوگ اللہ کے محبوب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہوں گے۔

یہ لوگ اہل ایمان سے تواضع اور نرمی اور مہربانی کے ساتھ پیش آئیں گے اور کافروں کے مقابلہ میں قوت اور طاقت اور عزت اور غلبہ کی شان دکھائیں گے یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لئے جان و مال کی قربانیاں دیں گے کافروں سے لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔

ان لوگوں کی صفات مذکورہ بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُوْنِسَہُ مَنْ یَّشَآءُ کہ یہ سب اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اس میں ہر دور کے مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ ایمان اور ایمان کے تقاضوں پر چلنے اور اللہ کی راہ میں قربانیاں دینے کو اپنا ذاتی کمال نہ سمجھیں اور مغرور نہ ہوں یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے جسے چاہے ایمان اور اعمال صالحہ کی دولت سے نواز دے۔

منت مہ کہ خدمت سلطان ہمیں کئی  
شکر خدا کن کہ موفق شدی بخیر  
منت شناس ازو کہ بخد مت بداشت  
رفضل و انعامش معطل نہ گذاشت

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ (اور اللہ بڑی وسعت والا ہے اور بڑے علم والا ہے) کوہ جسے چاہے دے اور جتنا دے اسے اختیار ہے اور جسے نعمت ملے وہ شکر گزار ہو یا ناشکر اپنے اسے سب کا علم ہے۔

اہل ایمان کی صفت خاصہ کہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں..... اہل ایمان کی جو صفات بیان فرمائیں اس میں ایک یہ ہے کہ اللہ ان سے محبت فرمائے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے، درحقیقت یہی مؤمن بندوں کی اصل صفت ہے، سورہ بقرہ میں فرمایا: وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ ۖ (اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے وہ اللہ کی محبت کے اعتبار سے بہت زیادہ سخت ہیں) نیز ارشاد فرمایا: قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِیْ یُحِبِّکُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوبَکُمْ ۚ (آپ فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا) جب اللہ سے محبت ہوگی تو لا محالہ اس کے رسول سے بھی محبت ہوگی جن کے اتباع کو محبت کا معیار قرار دیا ہے اللہ کے رسول سے محبت ہوگی تو اللہ کی کتاب سے بھی محبت ہوگی اور ہر اس بندہ سے محبت ہوگی جو صالح بندہ ہو جو اللہ و رسول کا فرمان بردار ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین خصلتیں ایسی ہیں وہ جس کسی شخص میں ہوں گی ایمان کی مٹھاس محسوس کرے گا ایک خصلت تو یہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اس کو سب سے زیادہ محبوب ہوں (اللہ رسول سے جو محبت ہو اس جیسی اور کسی سے محبت نہ ہو) دوسرے یہ کہ جس کسی بندہ سے محبت کرے تو یہ محبت صرف اللہ ہی کے لئے ہو۔ تیسرے یہ کہ جب اللہ نے اسے کفر سے بچا دیا تو اب کفر میں واپس جانے کو ایسا ہی برا جانے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔ (رواہ البخاری ص ۷۱ ج ۱)

اہل ایمان کی دوسری صفت کہ وہ مؤمنوں کے لئے نرم اور کافروں کے لئے سخت ہیں..... اہل ایمان کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی اَذَلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ (کہ یہ لوگ ایمان والوں کے لئے نرم اور رحم دل ہوں گے اور کافروں کے مقابلہ میں غلبہ اور دب دوالے ہوں گے) اس کو سورہ فتح میں یوں بیان فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (محمد رسول اللہ ﷺ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں سخت ہیں کافروں پر اور رحم دل ہیں آپس میں) یہ صفت بھی بہت بڑی ہے اس کے بغیر ایمانی برادری کا اجتماعی مزاج نہیں بنتا اور جاندار وحدت وجود میں نہیں آتی، کافروں کے مقابلہ میں سخت ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان پر ظلم کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ کافر یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ لوگ قوی ہیں عزت اور شوکت والے ہیں ان سے ہم مقابلہ نہیں کر سکتے اپنا اجتماعی اور انفرادی طور طریقہ ایسا رکھیں کہ کافر یہ سمجھیں کہ یہ لوگ ہم سے برتر ہیں قوت میں زیادہ ہیں اس کو سورہ توبہ میں فرمایا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوْا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلِيَجْزِيَ عَنْكُمْ عَظَمَةُ (اے ایمان والو! ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب ہیں اور وہ تمہارے اندر سختی محسوس کریں) کفر و ایمان کی جنگ تو ہمیشہ رہی ہے اور کافروں سے بیزاری سے ظاہر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ سورہ محمّدہ میں ارشاد ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسُوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ اِبْرٰهِيْمَ وَالدِّيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءُ وَاَمْنُكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كُفْرًا يَّابِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا حَتّٰى تَوْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحَدُّهُ ط

(تمہارے لئے نیک پیروی موجود ہے ابراہیم میں اور ان لوگوں میں جو ابراہیم کے ساتھ تھے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا ہم بے تعلق ہیں تم سے اور ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، ہم میں اور تم میں ظاہر ہوگئی دشمنی اور بغض ہمیشہ کے لئے جب تک کہ تم ایمان نہ لاؤ اللہ پر جو تباہ ہے)

درحقیقت جب تک کافروں سے برأت اور بیزاری نہ ہو اور ان سے بغض اور دشمنی نہ ہو اس وقت تک کافروں کی موالات یعنی دوستی کا جذبہ ختم ہو ہی نہیں سکتا۔ گذشتہ آیت میں جو کافروں کو دوست نہ بنانے کا حکم فرمایا ہے اس پر عمل ہونے کا یہی راستہ ہے کہ ان کو دشمن سمجھا جائے جو کافر مسلمانوں کو عملداری میں رہتے ہیں جن کو شریعت کی اصطلاح میں فوی کہا جاتا ہے اصول شریعت کے مطابق ان سے رواداری رکھی جائے اس طرح جو مسلمان کافروں کے ملک میں رہتے ہیں وہ وہاں کے کافروں سے خرید و فروخت کی حد تک اور امور انتظامیہ میں (جو شرعاً درست ہوں) میل جول رکھیں لیکن دوستی نہ کریں، آج مسلم ممالک کے حکمرانوں کا یہ حال ہے کہ کافروں سے ان کا جوڑ زیادہ ہے جو لوگ کافر ملکوں کے سربراہ ہیں ان کے سامنے بچھے جاتے ہیں اور جو مسلمان ہیں ان کے ساتھ سختی کرتے ہیں، مسلمانوں کے ایک ملک کے ذمہ دار دوسرے ممالک کے مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکالتے ہیں اور ان پر قید و بند کی سختیاں کرتے ہیں اور جو کافر اپنے پاس رہتے ہیں ان کو عہدے بھی دیتے ہیں اور ان کی امداد بھی کرتے ہیں بلکہ ان کو راضی کرنے کے لئے قرآن وحدیث کے قوانین جاری کرنے کو راضی نہیں، یہ سب دنیا داری کے تقاضے ہیں قرآن حدیث کی تصریحات کے خلاف ہیں۔

اہل ایمان کی تیسری صفت کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں..... اہل ایمان کی ایک اور صفت بیان فرمائی يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں لفظ جہاد جہد سے لیا گیا ہے، عربی زبان میں محنت اور کوشش اور تکلیف اٹھانے کو جہد کہا جاتا ہے اللہ کا دین پھیلانے کے لئے اس کا بول بالا کرنے کے لئے جو بھی محنت اور کوشش کی جائے وہ سب جہاد ہے اور کافروں سے جو جنگ کی جائے وہ بھی جہاد ایک صورت ہے اور چونکہ اس میں جان و مال کی قربانی دی جاتی ہے اسلئے اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ اسلام

میں جو قتال مشروع ہوا ہے کفر اور شرک کو مٹانے اور نچا دکھانے کے لئے ہے۔

خالق کائنات جل مجدہ کی سب سے بڑی بغاوت اور نافرمانی یہ ہے کہ اس پر ایمان نہ لائیں اسے وحدہ لا شریک نہ جانیں اس کے ساتھ عبادت میں کسی دوسرے کو شریک کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور اس کی خالقیت اور مالکیت کو سامنے رکھا جائے اور پھر اہل کفر کی بغاوت کو دیکھا جائے تو جہاد کی مشروعیت بالکل سمجھ میں آ جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے باغیوں سے اس کے بندے قتال کریں تو اس پر کیوں طعن کیا جاتا ہے جب ایمان اور کفر کی دشمنی ہی ہے تو اہل ایمان دشمن کے خلاف جو بھی کارروائی کریں جو شریعت اسلامیہ کے موافق ہوا ہے ظلم کہا جائے گا،

آخر کافر بھی تو مسلمانوں پر حملہ کرتے ہیں ان کو قتل کرتے ہیں ان کی دکانیں جلاتے ہیں ان کے ملکوں پر قبضہ کرتے ہیں اور سالہا سال انہوں نے صلیبی جنگیں لڑی ہیں، مسلمان دشمنی کا جواب دشمنی سے دیتے ہیں تو اس میں اعتراض کا کیا موقع ہے؟ مسلمانوں کو دہنگ ہو کر رہنا چاہئے نہ اہل کفر و بائیس گے۔  
سورہ توبہ اور سورہ تحریم میں فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ

(اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے)

بعض ملکوں میں مسلمانوں نے کافروں سے اس حد تک دوستی کر رکھی ہے (اور اس کا نام رواداری اور یک جہتی رکھا ہوا ہے) کہ ان کے ساتھ بیٹھ کر حرام چیزیں بھی کھانی لیتے ہیں اور ان کے مذہبی تہواروں میں شریک ہو جاتے ہیں حد یہ ہے کہ ان کے عبادت خانوں کو بنانے میں ان کی مدد بھی کر دیتے ہیں ایسی رواداری کرنے کی شریعت ہرگز اجازت نہیں دیتی بہت بڑا خطرہ ہے کہ ایسی رواداری کرنے والوں کو ان کی نسلوں کو یہ رواداری کا فرہ نہ بنادے۔ (والعیاذ باللہ)

اہل ایمان کی چوٹھی صفت کہ وہ کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے ..... اہل ایمان کی ایک صفت یوں بیان فرمائی کہ  
وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے) یہ بھی اہل ایمان کی ایک عظیم صفت ہے جب اللہ پر ایمان لے آئے اور اللہ سے محبت کرتے ہیں تو مخلوق کی کیا حیثیت رہ گئی اللہ کے بارے کسی کے برا بھلا کہنے کا خیال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے حکم کی برتری ابھی تک دل میں نہیں بیٹھی۔

یہ سوچنا کہ اگر ہم اسلام پر عمل کریں گے ..... سفر حضر میں نماز پڑھیں گے تو کافر برامانیں گے اذان دیں گے تو کافر کیا کہیں گے اگر ڈاڑھی رکھ لی تو لوگ بری نظروں سے دیکھیں گے کافروں فاسقوں کا لباس نہ پہنا تو سوسائٹی میں برے بنیں گے۔ یہ سب ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے مومن کو اس سے کیا مطلب کہ لوگ کیا کہیں گے؟

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرنا ہے مومن تو اللہ کا بندہ ہے اسی کافر ماں بردار ہے مخلوق راضی ہو یا ناراض، اچھا کہے یا برا اسے اپنے رب کے پسند فرمودہ راستہ پر چلنا ہے۔

اللہ و رسول اہل ایمان کے ولی ہیں ..... مومنین کی صفات بیان فرمانے کے بعد فرمایا اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا الَّذِينَ يَقِيْمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُوْنُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ (تمہارا ولی تو بس اللہ اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں)

اہل ایمان کی دوستی کو صرف اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کی دوستی میں منحصر فرمادیا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کے علاوہ اہل ایمان کا کوئی دوست نہیں ہے، اگر کسی دوسرے کو دوست بنایا تو خطا کریں گے دھوکہ کھائیں گے دنیا و آخرت کا نقصان اٹھائیں گے ساتھ ہی اہل ایمان کی دو اہم صفات بھی بیان فرمادیں اور وہ یہ کہ نماز قائم کرتے ہیں (جو جانی عبادت ہے اور ایمان کی سب سے بڑی دلیل ہے) اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جو مالی عبادت ہے۔ وَهُمْ زَاكِعُونَ اس کے مفسرین نے کئی معنی نقل کئے ہیں ایک یہ کہ ان میں خشوع اور تواضع کی صفت ہے ان کے دل اللہ کی فرماں برداری کے لئے جھکے ہوئے ہیں اور بعض حضرات نے زَاكِعُونَ کا معروف معنی مراد لیا ہے اور وہ یہ کہ نماز پڑھتے ہوئے رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دیتے ہیں معالم التنزیل ص ۴۷ ج ۲ میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے رکوع میں جا چکے تھے وہاں سے ایک سائل گزرا اس نے سوال کیا تو آپ نے رکوع ہی میں اپنے ہاتھ سے انگوٹھی اتار دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خیر کے کام میں سبقت فرمائی اور نماز ختم کرنے کا بھی انتظار نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل کی تعریف فرمائی آیت کا سبب نزول خواہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل ہی ہو لیکن الفاظ کا عموم راکعین اور خاشعین اور متواضعین اور تمام زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو شامل ہے۔

احکام القرآن میں علامہ ابو بکر خاصؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ نماز میں تھوڑی سی حرکت کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نفلی صدقہ کیلئے بھی لفظ زکوٰۃ استعمال کر دیا جاتا ہے جیسا کہ سورہ روم میں فرمایا وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ فَارْزُقُوْا وَجْهَ النَّاسِ فَاولئکَ ہُمُ الْمُضْغِفُوْنَ (جو بھی زکوٰۃ تم ادا کرو گے جس سے اللہ کی رضا مطلوب ہو سو وہی لوگ ہیں ثواب کو چند روز چند کرنے والے)

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی کرنے والے ہی غالب ہوں گے:..... پھر فرمایا وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (اور جو شخص دوستی کرے اللہ اور اس کے رسول سے اور ایمان والوں سے سو اللہ کے گروہ کے لوگ ہی غالب ہونے والے ہیں)

اس میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کریں اور اس ترذ میں رہیں کہ نہ جانے کون غالب ہوتا ہے، اگر کافروں سے دوستی رکھی اور وہ غالب ہو گئے تو یہ دوستی کام دے گی جیسا کہ عبد اللہ بن ابی نے کہہ دیا تھا کہ نَحْشَى اَنْ تُصِيبَنَا ذٰلِکَ (ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش آجائے) اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ اللہ کا گروہ ہی غالب ہوگا، جو اللہ کے دین کو زندہ کرنے اور پھیلانے اور بڑھانے کے لئے محنت کرتے ہیں اللہ کے لئے جیتے اور مرتے ہیں یہ لوگ حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت ہیں۔

اللہ پاک کی طرف سے ان کی مدد ہوتی ہے اور ان کو غالب حاصل ہوتا ہے۔ سورہ مجادلہ میں فرمایا کَتَبَ اللّٰهُ لَآ غَلِبَنَّ اَنَا وَرَسُوْلِيْ ط اِنَّ اللّٰهَ فَوْقَ كُلِّ عَزِيْزٍ اللہ لکھ چکا کہ ضرور غالب رہوں گا میں اور میرے رسول، بے شک اللہ ذور والا ہے زبردست ہے۔

سورہ صافات میں فرمایا وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمُتَنَصِّرُوْنَ وَاِنْ جُنْدُنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ (اور پہلے ہی ہمارا حکم ہو چکا اپنے بھیجے ہوئے بندوں کے لئے کہ بے شک پیغمبروں ہی کی مدد ہوگی بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہے)

مسلمانوں کی مغلوبیت کا سبب:..... اہل ایمان جب ایمان پر جتے رہیں نافرمانیوں سے بچتے رہیں اللہ پر بھروسہ رکھیں احکام الہیہ کے مطابق زندگی گزاریں اور اخلاص کے ساتھ کافروں سے جنگ کریں تو ضرور یہی لوگ غالب ہوں گے کسی بے تدبیری یا معصیت کی وجہ سے کبھی کوئی شک پہنچ جائے تو یہ دوسری بات ہے، آیت کا یہ مطلب نہیں کہ کبھی کوئی مسلمان کافروں کے ہاتھ سے نہ مارا جائے گا اور

شہید نہ ہوگا مطلب یہ ہے کہ انجام کار کے طور پر فتح نصرت اور غلبہ اہل ایمان ہی کو حاصل ہوگا۔

تاریخ شاہد ہے کہ اہل ایمان جب تک ایمان پر قائم رہے اخلاص کے ساتھ کافروں سے لڑتے رہے اللہ کے دین کو بلند کرنے کے جذبہ سے سرشار رہے عالم میں فتنائی کے ساتھ آگے بڑھتے رہے قیصر و کسریٰ کی حکومتیں ان کے جہاد کی وجہ سے پاش پاش ہوئیں بڑے بڑے ممالک ان کے زیر نگیں آ گئے اور کفار پیچھے ہٹتے چلے گئے لیکن جب سے اعمال شرعیہ کی پابندی چھوڑی اللہ کی نافرمانیوں پر اتر آئے دنیا کو مقصود بنالیا۔ کافروں کی دوستی کا دم بھرنے لگے تو ان کے قبضہ میں جو ممالک تھے وہ بھی ہاتھ سے نکل گئے اور کافروں نے عالمی ادارے بنا کر مسلمانوں کو ان کا ممبر بنالیا اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دی اور پس پردہ کٹھ پتلی کی طرح انہیں نچادیا، مسلمان اب بھی صحیح طریقہ پر حزب اللہ کی جماعت نہیں تو اب بھی غلبہ پاسکتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُؤًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ

اے ایمان والو! ان کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو فنی اور کھیل بنا لیا ہے، یہ دو لوگ ہیں جنہیں تم اَوَّلُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكَثَارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّكُمْ لَكُمُوهِنِينَ ﴿۵۰﴾

سے پہلے کتاب دی گئی اور ان کے علاوہ جو دوسرے کافر ہیں ان کو بھی دوست نہ بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم سوسن ہو۔

وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوا هُزُؤًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۵۱﴾

اور جب تم نماز کے لئے پکارتے ہو تو وہ اسے فنی اور کھیل بنا لیتے ہیں، یہ اس لئے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَن آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا

آپ فرما دیجئے! کہ اے اہل کتاب تم ہم سے صرف اس لئے ناراض ہوتے ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر ایمان لائے جو

أُنزِلَ مِن قَبْلُ ۚ وَإِنَّ أَكْثَرَكُمْ فَسِقُونَ ﴿۵۲﴾ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرِّ مِّنْ ذَٰلِكَ

ہماری طرف اتارا گیا اور جو ہم سے پہلے اتارا گیا، اور ایک یہ بات ہے کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں۔ آپ فرما دیجئے! کیا میں تمہیں وہ طریقہ بتاؤں جو اللہ کے نزدیک سزا کے

مَثُوبَةٍ عِنْدَ اللَّهِ ۚ مَنْ لَّعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ

اعتبار سے اس سے زیادہ برا ہے۔ یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کر دی اور جن پر اللہ غصہ والا اور ان میں سے بعض کو اللہ نے بندر اور سور بنا دیا۔

وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۚ أُولَٰئِكَ شَرُّ مَكَانًا ۚ وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿۵۳﴾ وَإِذَا جَاءُوكُم

جنہوں نے شیطان کی عبادت کی یہ لوگ جگہ کے اعتبار سے بدترین لوگ ہیں اور سیدھے راستہ سے بہت زیادہ ہٹکے ہوئے ہیں اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں

قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوا بِالْكَفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿۵۴﴾

تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے اور کفر کی ہی حالت میں نکل گئے، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں،



وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ

اور آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے جو گناہ میں اور ظلم اور حرام کھانے میں تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں۔ یہ وہی بات ہے کہ

مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّيُّونُ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ

وہ اعمال نہ سے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ کیوں نہیں منع کرتے ان کو درویش اور اہل علم گناہ کی باتیں کرنے سے اور حرام

السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۱۶﴾

کھانے سے، وہی وہ کرتوت برے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

اہل کتاب اور دوسرے کفار کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا لیا ہے

ان آیات میں اولاً تو اسی مضمون کا اعادہ فرمایا جو گذشتہ رکوع کے شروع میں تھا کہ کافروں کو دوست نہ بناؤ وہاں یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کو منع فرمایا اور یہاں یہود و نصاریٰ کے ساتھ لفظ وَالْمُكْفَرُونَ کا بھی اضافہ فرمادیا تاکہ دوستی نہ کرنے کی ممانعت تمام کافروں کے بارے میں عام ہو جائے، یہود اور نصاریٰ اور دوسرے تمام کافر جن میں مشرکین، ملحدین، منافقین، مرتدین سب داخل ہیں ان سب سے دوستی کرنے کی ممانعت فرمادی، اول تو ان کا کفر ہی دوستی نہ کرنے کا بہت بڑا سبب ہے لیکن ساتھ ہی ان کی ایک اور بدترین حرکت کا بھی تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ انہوں نے دین اسلام کو ہنسی اور مذاق اور کھیل بنا لیا ہے۔ خاص کر جب نماز کے بلاوے یعنی اذان کی آواز سنتے ہیں تو اس کا مذاق بناتے ہیں۔ ظاہر ہے جب کوئی شخص مسلمانوں کے دین کا مذاق بنائے گا مسلمان کو اس سے دوستی کرنے کا کیا جواز ہو سکتا ہے کافروں کی یہ حرکت نا سنجھی اور بے عقلی پڑتی تھی اس لئے فرمایا: ذَلِكُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ (یہ اس لئے ہے کہ یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے)

اہل کتاب مؤمنین سے کیوں ناراض ہیں؟..... اس کے بعد فرمایا قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقُضُونَ مَعَنَا (الآیہ) آپ اہل کتاب سے فرمادیجئے کہ تم ہم سے کیوں ناراض ہو؟ ہماری کون سی چیز تمہیں ناگوار ہے؟ اور ہم میں کون سا عیب پاتے ہو؟ تمہاری ناگواری کی صرف یہ بات ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اللہ نے جو کتاب ہماری طرف نازل کی اس پر ایمان لائے اور اس سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں ان پر بھی ایمان لائے، یہ باتیں ناگواری اور ناراضگی اور عیب کی نہیں ہیں اچھی باتوں کو تم نے ناراضگی کا سبب بنا لیا یہ تمہاری حماقت ہے اور دوسرا سبب تمہاری ناراضگی کا یہ ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اللہ کی فرماں برداری سے خارج ہیں (چونکہ ان میں سے محدودے چند افراد ہی نے اسلام قبول کیا تھا اس لئے فرمایا کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں یعنی کفر پر مصر ہیں) مسلمان قرآن پر اور اس سے پہلے کتابوں پر ایمان لائے یہ تو ناراضگی کا سبب نہیں ہو سکتا۔

ہاں! اہل کتاب کا نافرمان ہونا اور اللہ کی فرماں برداری سے ہٹنا اور بچنا یہ مسلمانوں سے ناراضگی کا سبب ہو سکتا ہے اور حقیقت میں کافروں کی ناراضگی کا یہی سبب تھا اور اب بھی ہے، اہل کتاب کو اس میں تنبیہ ہے اور ہدایت ہے کہ تم سرکشی سے باز آؤ اور مسلمان ہو کر مسلمانوں میں گھل جاؤ۔

اہل کتاب کی شقاوت اور ہلاکت:..... پھر فرمایا قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَتَّوْبَةٌ عِنْدَ اللّٰهِ (الآیہ) اے اہل کتاب تم ہم سے اس لئے ناراض ہو کہ ہم لوگ اللہ پر اور اس کی کتابوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں یہ تو کوئی ناراضگی کی بات نہیں ہے لیکن تم اپنی

حماقت و شرارت اور سرکشی کی وجہ سے اسے برا سمجھتے ہو یا فرض اگر یہ اچھی چیز نہیں ہے تو میں تمہیں اس سے بڑھ کر بری چیز بتاتا ہوں جس میں تمہاری شقاوت اور بالاکت ہے اور وہ سزا کے اعتبار سے بہت بری ہے غور کرو گے تو تمہاری سمجھ میں آجائے گا کہ جس راہ پر تم ہو وہ راہ بہت بری ہے اور اللہ کے نزدیک اس کا بدلہ بہت برا ہے یہ بری چیز کیا ہے؟ ان لوگوں کے اعمال ہیں جن پر اللہ نے لعنت کر دی اور اپنی رحمت سے محروم کر کے مردود قرار دیا اور ان پر غصہ فرمایا اور ان کو بندر اور سور بنا دیا، اور انہوں نے شیطان کی پرستش کی، ان لوگوں کا یہ طریقہ اس طریقہ سے برا ہے جو ہمارا طریقہ ہے۔ ہمارے طریقہ میں توحید ہے، ایمان ہے، اللہ کی کتابوں پر ایمان ہے اور اس کے نبیوں کی تصدیق ہے جو سراسر خیر اور حق ہے اور تمہارے اندر کفر ہے نبیوں کا انکار ہے اللہ کی کتابوں کی تکذیب ہے اللہ کی نافرمانی ہے اس کا نتیجہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد میں سے جنہوں نے نافرمانی کی ان کو بندر اور سور بنا دیا گیا جس کا تمہیں اقرار ہے۔ ایسے لوگ اللہ کے یہاں بہت برا بدلہ پائیں گے یہ آخرت میں بدترین لوگ ہوں گے ان کی جگہ دوزخ ہے جو بہت بری جگہ ہے اور یہ لوگ دنیا میں سیدھے راستے سے بہت دور ہیں اس میں اہل کتاب کو تنبیہ ہے کہ تم مسلمانوں پر بستے ہو اور ان کی اذان کا مذاق بناتے ہو۔ ہمارے طریقہ میں تو کوئی بات استہزاء اور مذاق اور گمراہی کی نہیں ہے ہاں تمہارا طریقہ نافرمانی کفر و فسوق کا ہے تمہارے آباؤ اجداد بھی ایسے ہی تھے جنہوں نے کفریہ عقائد اختیار کئے گائے کے بچھڑے کو پوجا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بتایا، سچے دن کی جو تعظیم لازم کی گئی تھی اس کی خلاف ورزی کی جس کی وجہ سے بندر بنا دیئے گئے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جن لوگوں نے سچے دن کے بارے میں حکم عدولی کی تعمی ان میں جو انوں کو بندر اور بوڑھوں کو خنزیر بنا دیا گیا تھا۔

منافقوں کی حالت..... پھر منافقوں کا ذکر فرمایا کہ اے مسلمانو! جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ان کا یہ کہنا جھوٹ ہوتا ہے وَقَدْ دَخَلُوا ابْنِ الْكَفْرِ وَهُمْ قَدْ خَوَّجُوا بِهِ (وہ داخل ہی ہوئے کفر کے ساتھ اور نکلے بھی کفر کے ساتھ) نہ پہلے مؤمن تھے نہ تمہاری مجلس میں با ایمان ہو کر بیٹھے حالت کفر میں آئے ویسے ہی چلے گئے۔ یہ ظاہر میں ایمان والے بنتے ہیں اور دلوں کے اندر کو چھپا رکھا ہے اللہ کو اس بات کا پورا پورا علم ہے جسے وہ چھپائے ہوئے ہیں۔

یہودیوں کی حرام خوری اور گناہ گاری..... یہودیوں کے ہاں حرام کھانے کا بہت دواں تھا اور گناہ بھی بڑھ چڑھ کر کرتے تھے ظلم اور زیادتی میں بھی خوب آگے بڑھے ہوئے تھے سود کا لین دین بھی خوب تھا اور رشوتوں کا بھی خوب چرچا تھا اس کو فرمایا: وَتَسْمِي كَيْبَرِ امْنَهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْاَلَمِ وَالْعَذْوَانِ وَانْخَلَبَهُمُ السُّخْتُ (آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے کہ گناہ کرنے میں اور ظلم زیادتی میں تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں اور حرام کھانے میں خوب تیز ہیں) لَيْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (البتہ وہ کام برے ہیں جو وہ کرتے ہیں) ان لوگوں میں اکثر تو عوام تھے اور کچھ لوگ درویش بنے ہوئے تھے اور کچھ لوگ اہل علم تھے، درویشوں اور عالموں کی چونکہ اپنے عوام سے اغراض وابستہ تھیں اور ان سے مال حاصل کرتے تھے اس لئے ان کو گناہوں سے اور سود بیاج اور حرام خوری سے نہیں روکتے تھے اسی کو فرمایا: لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرِّبَا يُؤْنِ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاَلَمِ وَانْخَلَبَهُمُ السُّخْتُ (کیوں نہیں منع کرتے ان کو درویش اور علماء گناہ سے اور حرام کھانے سے) لَيْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (البتہ برے ہیں وہ کہ تو ت جو وہ کرتے ہیں)

جھوٹے درویشوں کی بد حالی..... اسے محمد یہ میں جو جھوٹے درویش بنے ہوئے ہیں انہوں نے دنیا حاصل کرنے کے لئے پیری مریدی اختیار کر لی ہے مال داروں میں کھل مل کر رہتے ہیں، جن سے اغراض وابستہ ہیں یا وہ حکومتوں کے ملازم ہیں، ان کے ذریعہ کام نکلتا ہے، ان کی اصلاح کی کوئی فکر نہیں، اپنی ذات کا نفع سامنے رہتا ہے، ایسے درویش اور بعض علماء بھی اسی مصیبت میں مبتلا ہیں کہ حرام کھانے

سے اور حرام کمانے سے اور گناہوں میں مال لگانے سے نہیں روک سکتے۔

جو لوگ قبروں کے مجاور بنے ہوئے ہیں طرح طرح سے لوگوں سے مال وصول کرتے ہیں بے نمازی ہیں اور بزرگ بنے ہوئے ہیں ڈاڑھیاں منڈی ہوئی ہیں اور درویشی کے دعویدار ہیں، حلال حرام کی تمیز کے بغیر لوگوں سے سب کچھ وصول کر لیتے ہیں بھلا ایسے لوگ کیا حق بات کہہ سکتے ہیں اور کیا گناہوں سے روک سکتے ہیں؟

ان لوگوں کے ہم مشرب اور ہم مسلک علماء ہیں ان کے مینہوں پر لگا میں ہیں۔ قبروں پر جو عرس ہوتے ہیں ان میں خود شریک ہوتے ہیں اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں فلاں اعمال جو کر رہے ہو یہ شرک اور بدعت ہیں، بلکہ یہ دنیا دار علماء اپنے عمل سے اپنے علم کو شرکانہ مبتدعانہ اعمال کی تائید میں خرچ کرتے ہیں۔ (لا جعلنا اللہ منہم)

حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا ارشاد..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآن کریم میں (درویشوں اور عالموں کی) توثیح کے لئے اس آیت سے زیادہ سخت کوئی آیت نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن خطبہ دیا اور حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا: اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ وہ گناہ کرتے تھے اور درویش اور اہل علم انہیں نہیں روکتے تھے جب گناہوں میں بڑھتے چلے گئے تو ان پر عذاب نازل ہو گیا لہذا تم امر بالمعروف کرو اور نہی عن المنکر کرو اس سے پہلے کہ تم پر وہ عذاب آئے جو ان لوگوں پر آیا تھا اور یہ بات جان لو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے نہ رزق منقطع ہوتا ہے اور نہ موت وقت سے پہلے آتی ہے۔ (ذکر وہاں کثیر ص ۷۳ ج ۲)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۖ بَلْ يَدُ اللَّهِ مَبْسُوطَةٌ ۖ

اور کہا یہودیوں نے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے، بند ہوئے ان کے ہاتھ، اور ان کے قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں

يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَّا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا

وہ خرچ فرماتا ہے جیسے چاہے، اور آپ کے رب کی طرف سے جو آپ پر نازل کیا گیا، وہ ان میں سے بہت سوں کو سرشار اور کفر کے زیادہ ہونے کا سبب بن

وَكُفْرًا ۚ وَالْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ ۚ كُلَّمَا أَوقَدُوا نَارًا

جائے گا، اور ہم نے ذال دی ان کے درمیان دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک۔ انہوں نے جب بھی لڑائی کی آگ جلائی

لِلْحَرْبِ أَطْفَاَهَا اللَّهُ ۖ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَلَوْ

اللہ تعالیٰ نے اسے بجھا دیا اور یہ لوگ فساد کے لئے دوڑتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ فسادوں کو دوست نہیں رکھتا

أَنَّ الْمَلَائِكَةَ اسْتَوُوا ۖ وَاتَّقُوا لِكثْرَتِ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَلَئِنَّ خَلْقَهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کے گناہوں کا کفارہ کر دیتے، اور ہم انہیں ضرور نعمتوں کے باغوں میں داخل کر دیتے،

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ ۖ وَالْإِنْجِيلَ ۖ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِّن رَّبِّهِمْ ۖ لَكَرُّوا مِنْ فَوْقِهِمْ

اور اگر وہ قائم کرتے تورات کو اور انجیل کو اور اس کو جو کچھ نازل ہوا ہے ان پر ان کے رب کی طرف سے تو ضرور کھاتے اپنے اوپر سے اور

وَمِنْ تَحْتَ أَرْجُلِهِمْ ۖ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿۵﴾

اپنے پاؤں کے نیچے سے ان میں ایک جماعت سیدھی راہ اختیار کرنے والی ہے اور ان میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو برے کثرت کرتے ہیں۔

### یہودیوں کی گستاخی اور سرکشی

معالم التنزیل ص ۵۰ ج ۲ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کو بہت مال دیا تھا، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تو اللہ پاک نے جو مال و دولت دیا تھا اور بڑی مقدار میں جو پیداوار ہوتی تھی اس کو روک دیا، اس پر نفخاں نامی ایک یہودی نے یہ بات کہی کہ اللہ کا ہاتھ خرچ کرنے سے بند ہو گیا، کہا تو تھا ایک ہی شخص نے لیکن دوسرے یہودیوں نے چونکہ اسے اس کلمہ سے نہیں روکا اور اس کی بات کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اس میں شامل کر دیا اور اس بات کو یہود کا قول قرار دیدیا۔

ان کی تردید فرماتے ہوئے اول تو یہ فرمایا کہ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ کہ خود یہودیوں کے ہاتھ خیر خیرات سے رکے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی۔

پھر فرمایا بَلْ يَدُهُ مَبْسُوتَةٌ يَنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ (بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ جس طرح چاہے خرچ کرے) یہودی بڑی بے ہودہ قوم تھی انہوں نے ایسی بے ہودگی پر کمر باندھی کہ اللہ تعالیٰ کی شان عالی اور ذات اقدس کے بارے میں بھی نازیبا کلمات کہہ دیئے۔ جب کسی قوم میں ایمان نہ رہے ان کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں وہ اللہ کو مانتے بھی ہیں اور اللہ پر اعتراض بھی کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے اسے کوئی خرچہ کم نہیں کرتا وہ رات دن خرچ کرتا ہے تم ہی بتاؤ اس نے کتنا خرچ فرمایا جب سے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا جو کچھ اس کے ہاتھ میں تھا اس میں ذرا بھی کم نہیں ہوا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

کی ہونے کے ڈر سے اسے ہاتھ روکنا پڑتا ہے جس کے پاس مال محدود ہو اور ختم ہو جانے کا ڈر ہو اللہ تعالیٰ جل شانہ خالق ہے اور مالک ہے اس کے خزانے بے انتہا ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عطائي كلام و عذابي كلام انما امری لشيء اذا ردت ان اقول له كن فيكون .

میرا عطا کرونا کلام اور عذاب دینا بھی کلام ہے جب میں کسی چیز کا ارادہ کروں تو کہہ دیتا ہوں پس وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیسے سمجھانے کے انداز میں بیان فرمایا کہ جب سے اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا ہے اس وقت سے اس نے اپنی مخلوق پر کتنا خرچ کر دیا اس کو سوچو اور غور کرو۔ اتنا خرچ کرنے پر اس کے خزانوں میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوا اور خرچ برابر ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا اور ابدالاً باد تک اہل جنت پر خرچ ہوگا ایسے خالق و مالک اور داتا کو یہودیوں نے فقیر کہہ دیا جیسا کہ سورۃ آل عمران میں ذکر فرمایا: لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الْدِّينِ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ (البتہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے یوں کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں) انہوں نے جو یہ کہا کہ اللہ کا ہاتھ خرچہ کرنے سے رک گیا، یہ ان کی ضلالت اور سفاهت اور دیدہ و لیری ہے جس کی وجہ سے ملعون قرار دیئے گئے۔

فائدہ..... اللہ تعالیٰ جل شانہ مخلوق کی طرح نہیں ہے وہ جسم سے اور اعضاء سے پاک ہے حدیث و قرآن میں جو لفظ دیدہ وغیرہ آیا ہے اس

پر ایمان لائیں کہ اس کا جو مطلب اللہ کے نزدیک ہے ہم اسے مانتے ہیں اور سمجھنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ یہ متشابہات میں سے ہے۔

پھر فرمایا وَلَنَزِدَنَّ مِنْهُمْ مَّاءً أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ط (اور آپ کے رب کی طرف سے جو آپ پر نازل کیا گیا وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر کے زیادہ ہونے کا سبب بن جائے گا) مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جو کتاب نازل فرمائی وہ تو ہدایت کے لئے ہے لیکن یہودی اس سے ہدایت حاصل نہیں کر رہے ان میں سے چند لوگ ایمان لائے جن کی تعداد زیادہ نہیں ہے وہی لوگ زیادہ ہیں جو اللہ کی کتاب سے ہدایت لینے کی بجائے اس کو اپنے لیے زیادہ سرکشی اور کفر میں بڑھنے کا ذریعہ بنا رہے ہیں۔

حضرت قتادہ تابعی نے فرمایا کہ یہودیوں کو حسد کھا گیا انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور عرب سے حسد کیا اور اس وجہ سے قرآن چھوڑا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر ہوئے اور آپ کے دین کو نہ مانا۔ حالانکہ وہ آپ کو اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ (درمنثور ص ۲۹۷ ج ۲)

پھر فرمایا وَالْقَسْبَ بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ (اور ہم نے قیامت تک ان میں دشمنی کو اور بغض کو ڈال دیا) ان میں مختلف فرقے ہیں اور ایک فرقہ دوسرے کا دشمن ہے تا قیامت تک ان کی عداوت اور بغض کا یہی حال رہے گا۔

یہودیوں کا جنگ کی آگ کو جلانا..... پھر فرمایا تَحْلَمًا اَوْ قُلُوْنَا اِنَّا لَلْعَرَبُ اَطْفَا هَا اللّٰهُ (کہ جب کبھی انہوں نے لڑائی کی آگ جلائی اللہ نے اسے بجھا دیا) یعنی مسلمانوں کے خلاف تحریک چلاتے رہتے ہیں اور ان سے لڑنے کی تیاریاں کرتے رہتے ہیں لیکن اپنی تیاریوں میں کامیاب نہیں ہوتے یا تو مرعوب ہو کر رہ جاتے ہیں یا مغلوب ہو جاتے ہیں اور شکست کا منہ دیکھتے ہیں یہودیوں نے ہر موقع پر شکست کھائی، بنو قریظہ مقتول ہوئے اور بنو نضیر مدینہ منورہ سے خیر کو جلا وطن کئے گئے پھر خیبر میں بھی ان پر چڑھائی کی گئی اور وہاں مغلوب اور مقہور ہوئے۔

پھر فرمایا وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا (اور یہ لوگ زمین میں فساد کرنے کے لئے دوڑتے ہیں) وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُنْكَسِرِينَ (اور اللہ دوست نہیں رکھتا فساد کرنے والوں کو) لہذا یہ اللہ کے محبوب بندے نہیں ہیں، ان الفاظ میں ہمیشہ کے لئے فساد یوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو فساد فی الارض کے لئے منصوبہ بناتے رہتے اور فساد کرنے کا مشغلہ رکھتے ہیں۔

پھر فرمایا وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكُنَّا عَنْهُمْ سَبِيلًا وَلَآ دَخَلْنَاهُمْ حَتَّى النَّعِيمِ (اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کے گناہوں کا کفارہ کر دیتے اور انہیں ضرورتوں کے باغوں میں داخل کر دیتے) اس میں اہل کتاب کو ترغیب دی ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور کفر سے بچیں، ایسا کریں گے تو ہم ان کے سابقہ گناہوں کا کفارہ کر دیں گے اور ایمان نہ لانے اور کفر پر جمے رہنے کی وجہ سے آرام اور چین والی جنتوں سے محروم ہوں گے۔

اللہ کی کتاب پر عمل کرنے سے خوش عیش زندگی نصیب ہوتی ہے..... پھر فرمایا وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ (اور اگر وہ قائم کرتے تو ریت کو اور انجیل کو اور جو کچھ ان کی طرف سے نازل ہوا ہے ان کے رب کی طرف سے ضرور کھاتے اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے) مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب اگر تو ریت اور انجیل کے احکام پر عمل کرتے اور اب جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس پر عمل کرتے تو ان کو دنیا میں بھی خوب اچھی طرح نوازا جاتا۔

کبلی آیت میں یہ بتایا کہ ایمان لائیں گے تو جنت میں داخل ہوں گے اور اس آیت میں یہ بتایا کہ اگر ایمان لاتے اور احکام الہیہ پر عمل

کرتے تو اس کی وجہ سے دنیا میں بھی خوب اچھی طرح نوازے جاتے، اوپر سے بھی کھاتے اور پاؤں کے نیچے بھی نعمتیں پاتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسکا یہ مطلب بتایا کہ ان پر خوب بارشیں برتیں اور زمین سے خوب کھانے پینے کی چیزیں اگائی جاتیں۔

معالم التنزیل ص ۵۱ ج ۲ میں فرما ہے کہ اس سے رزق میں وسعت کر دینا مراد ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے محاورہ میں کہتے کہ

فَلَانٌ فِي الْخَيْرِ مِنْ قَرْنِهِ الْيَوْمَ (فلاں شخص سر سے پاؤں تک خیر ہی میں ہے) اس آیت سے اور اعراف کی آیت وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرَىٰ اٰمَنُوا وَاتَّقَوْا (الآیۃ) سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ میں لگنے اور گناہوں سے بچنے کی صورت میں (آخرت کی خیر کے ساتھ) بندگان خدا میں بھی بھرپور نعمتوں سے نواز دیئے جاتے ہیں۔

پھر فرمایا مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ (ان میں سے ایک جماعت ہے سیدھی راہ اختیار کرنے والی) چند اہل کتاب جو ایمان لے آئے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہم اس میں ان حضرات کی تعریف فرمائی۔ پھر فرمایا وَكُتِبَ لَهُمْ مِنْهُمُ سَاءٌ مَّا يَعْمَلُونَ (اور ان میں سے بہت سے وہ ہیں جو برے کرتوت کرتے ہیں)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: عملوا بالقبيح مع التكذيب بالنبي صلى الله عليه وسلم کہ ان لوگوں نے اعمال قبیحہ کئے اور ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب بھی کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ

اے رسول! آپ پہنچا دیجئے جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا، اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام نہ پہنچایا،

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۵۰﴾

اور لوگوں سے اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے گا، بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو راہ نہیں دکھائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا حکم کہ جو کچھ نازل کیا گیا ہے

سب کچھ پہنچا دو، اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے گا

اس آیت شریفہ میں اللہ جل شانہ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا حکم دیا اور فرمایا کہ جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا اس کو پہنچا دیں، حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو آپ کے دل میں کچھ گھبراہٹ سی ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ لوگ تکذیب کریں گے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

معالم التنزیل ص ۵۱ ج ۱ اور باب العقول ص ۹۴ میں حضرت مجاہد تابعیؒ سے نقل کیا ہے کہ جب یَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ نازل ہوئی تو آپ نے عرض کیا کہ اے رب! میں یہ کام کیسے کروں گا میں تنہا ہوں اوگ میرے خلاف جمع ہو جائیں گے، اس پر فَبِأَنِّ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ نازل ہوئی مزید فرمایا وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (اور اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہو گئی تو جو حضرات صحابہ آپ کی حفاظت کیا کرتے تھے ان سے آپ نے فرمادیا کہ آپ لوگ چلے جائیں اللہ نے میری حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔

حفاظت کرنے والوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو انہوں نے

پھر وہ دنیا چھوڑ دیا۔ (باب اہول ص ۹۳)

آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کو اس کی راہ نہ دکھائے گا کہ وہ قتل کرنے کے لئے آپ تک پہنچیں۔

قال صاحب الروح وفيه اقامة الظاهر مقام المضمراى لان الله تعالى لا يهديهم الى امنيتهم فيك (ص ۹۷ ج ۲)  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا سی بھی کوئی بات نہیں چھپائی اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جو کچھ نازل فرمایا وہ سب امت تک پہنچایا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جو کوئی شخص تم میں سے یہ بیان کرے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ امور میں سے کچھ بھی چھپایا تو وہ جھوٹا ہے۔ (معالم التنزیل ص ۵۱ ج ۲)

منیٰ اور عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضرین سے سوال..... آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو عرفات میں خطبہ دیا اس میں بہت سی باتیں بیان فرمائیں اور حاضرین سے فرمایا وانتم تسئلون عنی فما انتم فائلون (تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا سو تم کیا جواب دو گے) حاضرین نے عرض کیا۔ نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَذْنَبْتَ وَنَصَحْتَ (کہ ہم گواہی دیں گے کہ بلاشبہ آپ نے پہنچایا اور اپنی ذمہ داری کو پورا فرمایا اور امت کی خیر خواہی کی) آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی پھر لوگوں کی طرف جھکائی اور تین بار اللہ پاک کے حضور میں عرض کیا اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ (کہ اے اللہ تو گواہ ہو جا) (صحیح مسلم ص ۳۹۷ ج ۱)

پھر دسویں تاریخ کو منیٰ میں آپ نے خطبہ دیا اور حاضرین سے پھر وہی سوال فرمایا لاهل بلَغْتَ خبردار اٹھیک بتاؤ کیا میں نے پہنچا دیا؟ حاضرین نے کہا کہ نَعَمْ (ہاں آپ نے پہنچایا) پھر آپ نے اللہ پاک کے حضور میں عرض کیا اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ (اے اللہ تو گواہ ہو جا) پھر ساتھ ہی فرمایا فَلْيَبْلُغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ جو حاضر ہو وہ غائب کو پہنچا دے۔ (رواہ البخاری ۲۳۵ ج ۱)

قرآن مجید کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ اللہ نے جو بھی کچھ آپ کی طرف نازل فرمایا ہے وہ سب پہنچا دیجئے۔

سورۃ حجر میں ارشاد ہے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کہ آپ خوب کھول کر واضح طور پر بیان فرما دیجئے، آپ نے زندگی بھر اس پر عمل کیا اور حج کے موقع پر صحابہ سے دریافت فرمایا کیا میں نے پہنچا دیا سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا کہ ہاں آپ نے پہنچایا اور سب نے وعدہ کیا کہ اللہ کے حضور میں ہم گواہی دیں گے اور عرض کر دیں گے کہ آپ نے سب کچھ پہنچا دیا۔

روافض کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگانا..... یہ تو قرآن و حدیث کی تصریحات ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا یہ جابلانہ اور کافرانہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان فرما دیں لیکن آپ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ذریعے اعلان نہیں فرمایا، ان لوگوں کا جھوٹا دعویٰ ہے کہ انہیں حضرات اہل بیت سے محبت ہے۔

جھوٹا اس لئے ہے کہ اہل بیت سے تو محبت کا دعویٰ ہے اور صاحب اہل بیت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کا حکم نہیں پہنچایا یہ لوگ باشتیاء تین چار پانچ حضرات کے تمام صحابہ کو کافر کہتے ہیں۔ قرآن مجید کی تحریف کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علم چھپانے کا مجرم بتاتے ہیں، یہ محبت کی عجیب قسم ہے کہ اہل بیت سے محبت ہو اور جس ذات والا

صفات کی وجہ سے اہل بیت سے محبت ہوئی۔ اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھیں کہ منصب رسالت کی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ (العیاذ باللہ من بذلہ الخرافات والہفوات)

جب اللہ کا نبی ہی مخلوق سے ڈر جائے اور احکام الہیہ کو چھپائے اور فَاصْذَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کی خلاف ورزی کرے تو پھر کون حق قائم کرے گا؟ حیرت ہے ان لوگوں پر کہ جس رسول کی حفاظت کا اللہ نے وعدہ فرمایا۔ اور وَاللّٰهُ يَفْصِلُكَ فرما کر حفاظت کی ضمانت دے دی اس رسول کے بارے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ڈر سے اللہ کا حکم چھپا لیا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا اس وعدہ پر آپ کو بھروسہ نہیں تھا (والعیاذ باللہ) ایک ادنیٰ مؤمن بھی اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رسول کو اللہ پر بھروسہ نہ ہو اور اللہ کے وعدہ کو کج نہ سمجھا ہو؟ پھر یہ عجیب بات ہے کہ جن کی خلافت بائضل کے یہ لوگ مدعی ہیں جب چھبیس سال کے بعد انہیں خلافت ملی تو انہوں نے تو یہ نہ کہا کہ میں خلیفہ بائضل تھا مجھ سے خلافت چھین لی گئی یہ ان کے خواہ مخواہ کے حمایتی ان کو بھی مطعون کرتے ہیں کہ باوجود شجاع اور بہادر ہونے کے حضرات ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم سے ڈرتے رہے اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے اور ان کے مشوروں میں شریک ہوتے رہے۔ اللہ جل شانہ ان جھوٹے حمایتیوں کے عقائد اور مرکا اور خیالات اور خرافات سے محفوظ رکھے۔ وَلَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی حِیْثُ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ

**قُلْ يٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرَةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ**

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کسی راہ پر نہیں ہو یہاں تک کہ توریت کو اور انجیل کو اور اس چیز کو قائم کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی

**وَلَکِنِّیْنَ لَکِنِّیْرًا مِّنْهُمْ تَاٰ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طٰغِیَاتٌ وَکُفْرًا ؕ فَلَا تَاۡتِیْ عَلٰی الْقَوٰیْدِ**

اور ضرور ضرور ان میں سے بہت سوں کی سرکشی کو اور کفر کو وہ مضمون زیادہ کر دے گا جو آپ کی طرف نازل کیا گیا، سو آپ کا کفر قوم

**الْکَافِرِیْنَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصَّبِیُّوْنَ وَالتَّصْرِیْمٰی مِّنْ اٰمَنِ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ**

پر انہوں نے کیجئے، بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہیں اور فرقہ صالحین اور نصاریٰ ان میں سے جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن

**الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صٰلِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ؕ لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ**

پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرے تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ بلاشبہ ہم نے

**بَنِیْۤ اِسْرَآئِیْلَ وَ اَرْسَلْنَا اِلَیْهِمْ رُسُلًا ؕ کُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ بِمَآلَا تَهْوٰۤی اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِیْقًا**

بنی اسرائیل سے پختہ عبد کیا اور انکی طرف ہم نے رسول بھیجے جب بھی کوئی رسول انکے پاس آیا حکم لے کر آیا جو ان کی خواہشوں کے موافق نہیں تھا تو انہوں نے نبیوں کی ایک

**کَذَبُوْا وَ فَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ ؕ وَ حَسِبُوْۤا اَلَّا تَکُوْنَ رَفِثَةٌ فَعَمَوْا وَ صَبَّوْۤا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ**

جماعت کو جھٹا دیا اور ایک جماعت کو قتل کرویا، اور انہوں نے گمان کیا کہ کچھ بھی فتنہ نہ ہوگا پھر وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توبہ



## عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَبُوا كَثِيرٌ مِنْهُمْ ۖ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۵﴾

فرمانی پھر ان میں سے بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو دیکھتا ہے جن کو وہ کرتے ہیں۔

### یہودیوں کی سرکشی اور گرج رومی کا مزید تذکرہ

تفسیر درمنثور ص ۲۹۹ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کیا آپ کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ آپ دین ابراہیمی پر ہیں اور توریت پر بھی آپ کا ایمان ہے آپ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! یہ بات ٹھیک ہے (ان لوگوں کا یہ مطلب تھا کہ ہم بھی دین ابراہیمی پر ہیں اور آپ کی گواہی کے مطابق توریت شریف بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے لہذا ہم حق پر ہوئے) آپ نے جواب میں فرمایا کہ تم نے دین ابراہیمی میں اپنے پاس سے بہت سی نئی چیزیں نکال لی ہیں اور توریت میں جو تم سے عبدلیا گیا تھا تم اس کے منکر ہو گئے ہو اور تمہیں جس چیز کا بیان کرنے کا حکم دیا گیا تھا اسے تم چھپا رہے ہو، اس پر انہوں نے کہا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے اسے ماننے ہیں اور ہم ہدایت پر ہیں اور حق پر ہیں اور ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے اور آپ کا اتباع نہیں کرتے۔

اس پر اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ قُلْ أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ (آخر تک) نازل فرمائی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اہل کتاب سے فرما دیجئے کہ تم کسی ایسے دین پر نہیں جو اللہ کے نزدیک معتبر ہو جب تک کہ تم توریت اور انجیل کے احکام اور ارشادات پر پوری طرح عمل پیرا نہ ہو اور جب تک کہ اس پر ایمان نہ لاؤ جو تمہارے رب کی طرف سے بواسطہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر نازل کیا گیا، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر ایمان لانا اور توریت اور انجیل کے فرمان کے مطابق ہے۔ بِجِدْوَانِهِ مَكْنُوبًا وَعَفْدُهُمْ فِى السُّورَةِ وَالْاِنْجِيلِ اِذَا تَمَّ تَوْرِيْتِى وَانْجِيلِى كَافَرْتُمْ كُفْرًا كَبِيْرًا ۚ فَاُولَٰئِكَ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ قُلْ اَسْمِعُوْنِى اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (قرآن مجید سورہ اعراف ۱۰۱) اگر تم نے توریت اور انجیل کے بعض احکام کو مانا اور بعض کو نہ مانا تو اس طرح سے توریت اور انجیل پر بھی تمہارا ایمان نہیں ہے اور جو تمہارا دعویٰ ہے کہ ہم ہدایت پر ہیں یہ دعویٰ غلط ہے اور تم جس دین پر ہو وہ آخری نبی کا انکار کرنے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا: وَلَيَسْزِيدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُعْيَانًا وَّكُفْرًا کہ یہ لوگ قرآن سے ہدایت لینے والے نہیں بلکہ قرآن کا نازل ہونا ان کے لئے اور زیادہ سرکشی کرنے اور کفر میں ترقی کرنے کا باعث بنے گا، ان میں سے بہت سے لوگوں کا یہی حال ہے، بجز چند افراد کے جو ایمان لے آئے تھے۔ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ (آپ کا فر قوم پر رنج نہ کریں) جس کو ایمان قبول کرنا نہیں ہے وہ قبول نہ کرے گا رنج کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

صرف ایمان اور عمل صالح ہی مدارِ نجات ہے..... پھر فرمایا اِنَّ الدِّيْنَ اَمْنًا وَّالَّذِيْنَ هَادَوْا وَالصَّابِقُوْنَ وَالنَّصْرٰى (الآیہ) (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہیں اور جو فرقہ صابئین ہے اور جو نصاریٰ ان میں سے جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرے تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ ٹمکن ہوں گے) اس طرح کی آیت سورہ بقرہ میں بھی گزر چکی ہے (دیکھو آیت ۶۲) وہاں آیت کی پوری تفسیر لکھ دی گئی ہے وہاں یہود نصاریٰ اور صابئین کا تعارف بھی کرادیا گیا ہے سورہ بقرہ میں اور یہاں اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنا یہ قانون بیان فرمایا ہے کہ جو بھی کوئی شخص اعتقادات اور اعمال میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمودہ طریقہ کی اتباع کرے گا خواہ وہ شخص پہلے سے کیسا بھی ہو وہ اللہ کے ہاں مقبول ہوگا۔ نزول قرآن کے بعد اللہ کی پوری اطاعت قرآن کے ماننے میں اور دین اسلام کے قبول

کرنے ہی میں منحصر ہے اس لئے مسلمان ہی وہ قوم ہیں جنہیں کوئی خوف نہیں اور وہ مسلمان نہ ہوں گے۔ بحیثیت اعتقاد تو یہ لوگ صحیح راہ پر ہیں ہی گناہوں کی وجہ سے گرفت ہو جائے تو وہ دوسری بات ہے بظاہر قانون بیان کرنے میں الَّذِينَ آمَنُوا کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو مسلمان ہیں ہی لیکن الَّذِينَ آمَنُوا کے اضافہ کرنے سے ایک خاص بلاغت پیدا ہو گئی اور یہ بتا دیا کہ کسی پر ہماری عنایت ذاتی خصوصیت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ صفت موافقت کی وجہ سے ہے اس کو اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے کوئی حاکم وقت یوں اعلان کرے کہ ہمارا قانون سب کے لئے عام ہے مخالف ہو یا موافق جو موافق ہے وہ موافقت کی وجہ سے مورد عنایت ہے اور مخالف بھی اگر مطیع ہو جائے تو وہ بھی مورد عنایت ہو جائے گا

بنی اسرائیل کی عہد شکنی ..... اس کے بعد فرمایا لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَآئِيلَ (الآیۃ) کہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے، ان کا یہ طریقہ رہا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو دین پیش کرتے تھے اس دین میں سے جو حصہ نفس کو نہیں بھاتا تھا اور اچھا نہیں لگتا تھا اس سے اعراض کرتے تھے، اور اس ناگواری کے باعث بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلایا اور بہت سوں کو قتل کر دیا یہ مضمون سورۃ بقرہ کی آیت أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ قَالُوا سَفَهْتُمُنَا إِنَّمَتُ نَذِيرٌ میں بھی گزر چکا ہے، ایمان کی شان یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو بھی حکم دیا جائے اور جو قانون نافذ کیا جائے اس کو بلاشت کے ساتھ قبول کیا جائے نفسوں کو گوارا ہو یا ناگوار ہو، نفس کے مطابق ہو یا تو مانا ورنہ ماننے سے انکار کر دیا اور داعیوں کے دشمن ہو گئے یہ ایمان کی شان نہیں، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم بات سنیں گے اور حکم مانیں گے تنگ دستی میں اور خوشحالی میں اور نفسوں کی خوشی میں اور ناگواری میں۔ (رواہ البخاری ص ۱۰۳۵ ج ۲)

پھر کسی حکم میں اگر نفس کو تکلیف ہوتی ہے تو اس پر اجر بھی تو زیادہ ملنا ہے سردیوں میں اچھی طرح وضو کرنا نیند قربان کر کے نماز کے لئے اٹھنا نفس کی ناگواری کے باوجود، زکوٰۃ دینا، روزہ رکھنا، دشمنان دین سے لڑنا، گناہوں سے بچنا یہ سب چیزیں نفسوں کے لئے ناگوار ہیں لیکن ان میں اجر و ثواب بھی زیادہ ہے۔ نفس کے مطابق ہو یا تو مانا اور اگر خلاف نفس ہو تو نہ مانا یہ تو نفس کی ہندگی ہوئی اللہ کے نیک بندے تو اللہ کی رضا تلاش کرتے ہیں نفس کی خواہشات کے پیچھے نہیں چلتے۔

بنی اسرائیل سے جو عہد لیا گیا سورۃ بقرہ میں اس کے بارے میں ارشاد ہے وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ۔ یہ عبدان سے تو ریت شریف پر عمل کرنے کے لئے لیا گیا تھا، نیز سورۃ بقرہ ہی میں آیت ۸۳ اور آیت ۸۴ میں بھی بعض عہدوں کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا وَحَسِبُوا أَنِ لَمْ يَقْبَلُوا وَعْدَهُ أَعَتَبَدُوا خَالِدِينَ (الآیۃ) (اور انہوں نے گمان کیا کہ کچھ بھی فتنہ نہ ہوگا پھر وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، دوبارہ پھر اندھے اور بہرے ہو گئے)

بنی اسرائیل کی طغیانی اور سرکشی بیان فرمانے کے بعد ان کے اس گمان بدکا تذکرہ فرمایا کہ نہ کوئی ہماری گرفت ہوگی نہ کوئی عذاب ہوگا انہیں یہ خیال یا تو اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت میں دیر ہو گئی اور یا اس لئے کہ وہ اپنے کو اللہ کا محبوب سمجھتے تھے جب یہ خیال ہو گیا تو اور زیادہ شرارت اور معصیت پر اتر آئے اور اندھے بہرے بن گئے نہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات و دلائل کو دیکھ کر متاثر ہوئے اور نہ حق سنا اور نہ حق کی طرف متوجہ ہوئے۔

اس سرکشی میں چلتے رہے پھر اللہ پاک نے ان پر توجہ فرمائی بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا لیکن وہ پھر بھی اندھے اور بہرے بنے رہے ان میں سے بہت سوں کا یہی حال رہا۔ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ اور اللہ ان کے سب اعمال کو دیکھتا ہے۔ بنی اسرائیل کے فساد

اور اتار چڑھاؤ کا تذکرہ سورۃ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں قدرے تفصیل سے بیان فرمایا ہے اس کو ملاحظہ کر لیا جائے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنَىٰ إِبْرَاهِيمَ

بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے یوں کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے حالانکہ مسیح نے فرمایا ہے کہ اے بنی اسرائیل! تم

اعْبُدُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّكُمْ إِنَّ اللَّهَ يُشْرِكُ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا فِيهَا النَّارُ

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے، بلاشبہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرے تو اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثُلَاثٍ ۚ وَمَا مِنْ

ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں، بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین معبودوں میں سے ایک معبود ہے حالانکہ ایک

إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ

معبود کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اگر اس بات سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ضرور ضرور ان لوگوں کو جو ان میں کفری پر جے رہیں دردناک عذاب

أَلِيمٌ ۝ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ مَا الْمَسِيحُ

بتلیج جائے گا، کیا وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ نہیں کرتے اور اس سے مغفرت نہیں چاہتے، اور اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔ نہیں ہے مسیح

ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۖ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۚ كَانَا يَاكُلُنِ

ابن مریم مگر ایک رسول، ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں بھی ہے، وہ دونوں

الطَّعَامَ ۚ أَنْظِرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ أَنْظِرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝ قُلْ اتَّعَبْتُ

کھانا کھاتے تھے، دیکھ لیجئے! ہم کہیں ان کے لئے دلائل بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھئے کہ وہ لوگ کہاں الٹے جا رہے ہیں، آپ فرما دیجئے کیا

مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتے، اور اللہ تعالیٰ سننے والا ہے اور جاننے والا ہے۔

قُلْ يَاهُلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق کا غلو نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو پہلے گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے

مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝

بہت سو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بہک گئے۔

## نصاری کے کفر و شرک اور غلو کا بیان

ان آیات میں نصاریٰ کی گمراہی اور ان کا کفر و شرک اور غلو بیان فرمایا ہے، نصاریٰ کے کئی فرقے تھے ان میں سے ایک فرقہ یہ کہتا تھا کہ اللہ اور مسیح ابن مریم ایک ہی ہیں یعنی وہ حلول کے قائل تھے یہ بھی سراسر کفر ہے، خالق کا مخلوق میں حلول ماننا اور اتحا کا قائل ہونا بہت بڑی گمراہی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اسی شخصیت کو خدا بتا رہے ہیں جس نے واضح طریقہ پر بنی اسرائیل سے فرما دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے وہ تو فرما رہے ہیں کہ اللہ میرا اور تمہارا رب ہے اور ان سے عقیدت کا اظہار کرنے والے ان کو عین خدا بتا رہے ہیں، نیز حضرت مسیح ابن مریم علیہا السلام نے یہ بھی اعلان فرما دیا تھا کہ جو بھی کوئی شخص اللہ کے ساتھ شرک کرنے گا اللہ اس پر جنت کو حرام فرما دیگا، نصاریٰ نے شرک اختیار کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو عین خدا بتا کر ان کے لئے خدائی خصوصیت تجویز کر دیں اور ان کو معبود بھی ماننے لگے، شرک ظلم عظیم ہے ظالموں کے لئے قیامت کے دن کوئی مددگار نہ ہوگا۔

نصاریٰ کی ایک جماعت کا یہ کہنا تھا کہ تین معبود ہیں ان میں سے ایک معبود اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم بنت عمران علیہما الرحمۃ بھی معبود ہیں، اللہ جل شانہ نے انکا قول نقل فرما کر اول تو ان کی تردید فرمائی وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهُ وَاحِدٌ (اور ایک معبود کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے) اور پھر فرمایا وَإِنْ لَّمْ يَسْتَنْهَوْا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابُ الْآلِيمِ ۝ (اگر یہ لوگ اپنے قول سے باز نہ آئے تو ان میں سے جو لوگ کفر پر جمے رہیں گے ان کے لئے دردناک عذاب ہے) (جو لوگ توبہ کر لیں گے ایمان لے آئیں گے وہ عذاب سے مستثنیٰ ہیں) پھر فرمایا أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لَهُ (کیا یہ اپنے عقائد کا باطلہ کو چھوڑ کر اللہ کے حضور میں توبہ نہیں کرتے اور اس سے مغفرت نہیں چاہتے) یعنی انہیں کفر یہ عقائد پر برابر اصرار ہے ان عقائد کو چھوڑیں اور اللہ کے حضور میں توبہ کریں، اور مغفرت طلب کریں اگر ایسا کریں گے تو اللہ مغفرت فرمادے گا اللہ غفور ہے رحیم ہے کافر و شرک توبہ کرے اور ایمان قبول کرے جو اللہ کے یہاں معتبر ہے تو اس کی بھی بخشش ہو جاتی ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہدہ ..... اس کے بعد حضرت عیسیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام کا عہدہ بتایا کہ هَٰذَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ الْمَرْسُومِ (کہ مسیح ابن مریم صرف رسول ہیں) رسول وہ ہوتا ہے جو پیغام لے کے آئے، اللہ کے رسول مخلوق کی طرف اللہ کا پیغام لے کر آتے تھے اور ان کا بہت بڑا منصب اور عہدہ تھا جو ان کے لئے بہت بڑی فضیلت کا باعث تھا اللہ تعالیٰ نے جو پیغام بھیجے وہ پیغام لے کر آئے اور مخلوق تک پہنچا دیئے۔

ظاہر ہے کہ ان میں ایک دوسرے کا عین نہیں ہو سکتا یعنی ایک ہی ذات نہیں ہو سکتے، پیغام بھیجنے والا واحد لا شریک ہے جس کو اس نے پیغام دے کر بھیجا وہ پیغام بھیجنے والے کی خدائی میں کیسے شریک ہو سکتا ہے؟ جیسے دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے اور خدا کی الوہیت میں شریک نہیں تھے ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تھے، ہر نبی اللہ کا بندہ ہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اللہ کا بندہ ہونے ہی کی دعوت دیتے رہے ہیں۔

حضرت مریم علیہا السلام صدیقہ تھیں ..... اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا وَأُمُّهُ صَبِيْقَةٌ اور ان کی والدہ خوب زیادہ سچی تھیں انہوں نے اللہ کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی (وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُنْتُمْ مَكْتُوبَةً) صدق اور تصدیق اور نذر و عبادت کی وجہ سے کوئی مرد عورت معبود نہیں ہو جاتا نہ کوئی شخص بغیر باپ کے پیدا ہو جانے سے عبادت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستحق عبادت نہیں جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام مستحق عبادت نہیں وہ تو بغیر ماں اور

باپ کے پیدا ہوئے تھے، معجزات کی وجہ سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام معبود نہیں ہو سکتے ان کے علاوہ بھی دیگر انبیاء علیہم السلام سے معجزات صادر ہوئے تھے ان سے یا کسی نبی سے جو معجزہ صادر ہوا وہ صرف اللہ کے حکم سے تھا جس کو یٰٰذَا الَّذِی بِنَا کَرُورَہ آل عمران میں بیان فرمایا ہے۔ ان معجزات کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی خدائی میں شریک ماننا اور عبادت کا مستحق سمجھنا سراسر حماقت اور ضلالت اور جہالت ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام دونوں کھانا کھاتے تھے..... پھر فرمایا کُنَا نَابَا کُلْنِ الطَّعَامَ (عیسیٰ اور ان کی والدہ کھانا کھاتے تھے) مطلب یہ ہے کہ نصاریٰ نے جو حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ علیہا السلام کو معبود مانا ان کی بے وقوفی اور جہالت اور ضلالت اسی سے ظاہر ہے کہ جسے اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لئے کھانا کھانے کی ضرورت ہو اسے معبود بنا بیٹھے، معبود تو وہ ہے جو کسی کا محتاج نہیں اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جو دوسرے کا محتاج ہو اور جسے روٹی پانی کی ضرورت ہے وہ معبود نہیں ہو سکتا۔

پھر فرمایا اَنْظُرْ کَیْفَ بُنِیْنُ لَهُمُ الْاَلٰیۃ (آپ دیکھ لیجئے ہم ان کے لئے کس طرح آیات بیان کرتے ہیں) طرح طرح سے سمجھاتے ہیں دلائل پیش کرتے ہیں لیکن پھر بھی وہ اپنے عقائد شرکیہ سے باز نہیں آتے ثُمَّ اَنْظُرْ اَنِّیْ یُوَفِّکُوْنُ (پھر دیکھ لیجئے وہ کس طرح بتائے جارہے ہیں) حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف جاتے ہیں دلائل اور حقائق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

جو شخص نفع و ضرر کا مالک نہ ہو اس کی عبادت کیوں کرتے ہو؟..... اس کے بعد فرمایا قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُ لَکُمْ ضَرُّوْا وَّلَا نَفْعُ لَکُمْ (آپ فرمادیجئے! کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے لئے ضرر اور نفع کا مالک نہیں) یہ نصاریٰ کو خطاب ہے لیکن الفاظ کا عموم تمام مشرکین کو شامل ہے، حضرت عیسیٰ ہوں یا ان کی والدہ ہوں یا ان کے علاوہ مخلوق میں سے کوئی بھی شخصیت ہو نبی ہو یا ولی ہو کوئی بھی کسی کیلئے نفع نقصان کا مالک نہیں نفع ضرر اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ اور قدرت میں ہے جب تمام انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام اور دیگر تمام انسان و جنات اور فرشتے بھی نفع اور ضرر کے مالک نہیں تو بت نفع ضرر کے کیسے مالک ہوں گے؟ جو ضرر اور نفع کا مالک ہے اسے چھوڑ کر غیروں کی عبادت کرنا سراسر گفہ ہے اور خلاف عقل بھی ہے۔

سورہ یونس میں فرمایا وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ فَاِنَّکَ فَاٰتِیْنُ الظَّٰلِمِیْنَ ۝ (اور مت پکار اس کو جو تجھے نہ نفع دے نہ ضرر دے سوا اگر تو ایسا کرے تو اس وقت تو ظالموں میں ہو جائے گا) پھر فرمایا وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (اور اللہ سننے والا جسنے والا ہے) وہ ہر زور کی اور آہستہ والی آواز کو سنتا ہے سب کے اعمال کو جانتا ہے ہر ایک کے احوال سے باخبر ہے، وہ سب کو اعمال کے مطابق جزا سزا دے گا۔

اہل کتاب کو غلو کرنے کی ممانعت..... اس کے بعد اہل کتاب کو غلوئی الدین سے بچنے کا حکم فرمایا، ارشاد ہے قُلْ تَاٰھِلُ الْکُتُبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ (آپ فرمادیجئے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو) اہل کتاب نے اپنے دین میں غلو کر رکھا تھا، حد سے زیادہ بڑھ جانے کو غلو کہتے ہیں اور یہ غلو ناحق ہوتا ہے کیونکہ حق کی حد کے اندر رہنا ہی حق ہے۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اتنا آگے بڑھایا کہ خدا اور خدا کا بیٹا بنا دیا اور ان کی والدہ کو بھی معبود مان لیا۔ اور یہود نے حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا حالانکہ خالق اور مخلوق میں رشتہ نہیں ہو سکتا اور کوئی مخلوق معبود بھی نہیں ہو سکتی، ان لوگوں نے دین میں غلو کر دیا۔ اور وہ باتیں دین میں داخل کر دیں جو اس دین میں نہ تھیں۔ جو دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطے سے ان کے پاس آیا تھا چونکہ دین میں غلو اپنی ذاتی خواہشوں سے ہوتا ہے اس لئے فرمایا وَلَا تَتَّبِعُوْا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ (اور ان لوگوں کی خواہشات کا

اتباع نہ کر دو پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں) انہوں نے اپنی خواہشات کو سامنے رکھا اور دین میں غلبہ کیا تم ان کی پیروی نہ کرو اور دین میں غلبہ کرو۔

آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہود و نصاریٰ کے اکابر نے اپنی ذاتی خواہشوں اور رائیوں کے مطابق اپنے دین کو بدل دیا تھا اور اس میں عقائد باطلہ تک شامل کر دیئے تھے خود بھی گمراہ ہوئے وَأَصْلُوا خَبِيرًا (اور بہت سوں کو گمراہ کیا) پھر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی حق واضح ہوتے ہوئے گمراہی پر جبر ہے۔ وَأَصْلُوا عَنْ سَبِيلِ (اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے)

امت محمدیہ کو غلو کرنے کی ممانعت..... دین میں غلو کرنا امتوں کا پرانا مرض ہے آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ تھا کہ کہیں آپ کی امت بھی اس مرض مہلک میں مبتلا نہ ہو جائے، آپ نے فرمایا لا نظرونی کما اطرت النصارى ابن مريم فانما انا عبده فقلوا عبد الله ورسوله۔

یعنی میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا جیسے نصاریٰ نے ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا، میں تو بس اللہ کا بندہ ہوں، میرے بارے میں یوں کہو عبد الله ورسوله (کہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں)۔ (رواہ البخاری ص ۴۹۰ ج ۱)

آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ کو دیکھیں اور پھر ان لوگوں کو دیکھ لیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام خدائی اختیارات سونپ دیئے جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور قرآن کی تصریحات کے باوجود آپ کی بشریت کے منکر ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس عقیدہ کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت بڑی محبت کرنے والے بن گئے سورۃ الاسراء میں فرمایا ہے۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ (آپ فرمادیجئے کہ میرا رب پاک ہے میں نہیں ہوں مگر ایک بشر رسول) ایک عالم نما جاہل نے تو غضب ہی کر دیا سورہ کہف کی آیت قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کے بارے میں کہہ دیا کہ اس میں ماننا یہ ہے اپنے خیال میں بہت دور کی کوڑی لائے لیکن انہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ ان جملہ مشتبہ کی تحقیق کے لئے آتا ہے جملہ منفیہ کے لئے نہیں آتا۔

صحیح بخاری ص ۱۰۶۵ میں ہے کہ آپ نے فرمایا انما انا بشر کہ میں ایک بشر ہی ہوں، اللہ جل شانہ تو آپ سے فرمائیں کہ اپنے بارے میں اعلان کر دیں کہ تمہارا جیسا..... بشر ہوں لیکن محبت کے دعویدار کہتے ہیں کہ نہیں آپ بشر نہیں تھے یہ عجیب قسم کی محبت ہے ان میں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آیت کا یہ مطلب ہے کہ میں ظاہر میں بشر ہوں یہ لفظ ظاہر اپنی طرف سے بڑھایا گیا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک قرآن میں تحریف ہو جائے تو کچھ حرج نہیں مگر ان کی بات کی توجہ باقی رہے۔ (العیاذ باللہ)

قرآن مجید میں فرمایا ہے يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مَرْسُهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيهَا لِوَفِيْهَا اَلْاُخْرُوط (وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی؟ اس کے جواب میں کہہ دیجئے اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے اس کا وقت وہی اسے ظاہر فرمائے گا) اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ قیامت کے آنے کا وقت صرف اللہ ہی کے علم میں ہے۔ لیکن ذب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دعویدار کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متعین طریقہ پر قیامت کے وقت کا بھی علم تھا۔ یہ عجیب محبت ہے جو قرآن کی تصریحات کے خلاف عقیدہ رکھنے پر آمادہ کر دے ملا علی قاری اپنی کتاب الموضوعات الکبیر میں لکھتے ہیں وقد جاهر بالكذب بعض من بدعى

فی زماننا العلم وهو منشعب بمالعم يعط ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعلم متى تقوم الساعة

(یعنی ہمارے زمانے میں بعض ایسے لوگ ہیں جو علم کے دعویدار ہیں حالانکہ ان کے پاس علم نہیں ہے انہوں نے صاف صریح جھوٹ

بولادریہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ قیامت کب قائم ہوگی)

جس طرح عقائد میں محبت کے دعویداروں نے غلو کیا ہے اسی طرح سے مرنے جینے سے متعلق بہت سی رسمیں اپنی طرف سے تجویز کر کے دین میں داخل کر دیں اپنی رسموں اور بدعتوں کو جاری رکھنے کے لئے اپنی طرف سے حدیثیں بھی تراش لیتے ہیں اور خالص شرکیہ افعال کو دین کا جزو بنائے ہوئے ہیں۔ (اعوذ باللہ من خرافا نھم)

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ط ذَلِكَ بِمَا

بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر تھے وہ ملعون ہوئے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی زبان پر یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے

عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۱﴾ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ ط لَيْسَ مَا كَانُوا

نافرمانی کی اور وہ زیادتی کرتے تھے یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو برے کام سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیا، واقعہ برے تھے وہ افعال جو

يَفْعَلُونَ ﴿۲﴾ تَرَى كَثِيرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ط لَيْسَ مَا قَدَّمَتْ لَعْنَةُ انْفُسِهِمْ

وہ کرتے تھے، تو ان میں سے بہت سوں کو دیکھے گا کہ ان لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا واقعہ برے ہیں وہ افعال جو ان کی جانوں نے آگے

أَن سَخَطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿۳﴾ وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا

بجسے یہ کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں، اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ پر اور نبی پر

أَنزَلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوا هُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿۴﴾

اور اس پر جو اتارا گیا ہے نبی کی طرف تو کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن بہت سے لوگ ان میں سے فرمانبرداری سے خارج ہیں۔

معاصی کا ارتکاب کرنے اور منکرات سے نہ روکنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کی ملعونیت

ان آیات میں بنی اسرائیل کی ملعونیت اور مغضوبیت بیان فرمائی ہے اور ان کی بد اعمالیوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ان بد اعمالوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو گناہ کے کام سے نہیں روکتے تھے تفسیر ابن کثیر میں مسند احمد سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑ گئے تو ان کے علماء نے ان کو منع کیا وہ لوگ گناہوں سے باز نہ آئے پھر یہ منع کرنے والے ان کے ساتھ مجلسوں میں اٹھتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے (اور اس میل جول اور تعلق کی وجہ سے انہوں نے گناہوں سے روکنا چھوڑ دیا) لہذا اللہ نے بعض کے دلوں کو بعض پر ماردیا یعنی یکساں کر دیا اور ان کو داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبانی ملعون کر دیا۔

پھر آیت بالا کا یہ حصہ ذَلِك بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ پڑھا، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے بیٹھے تھے آپ تکیہ چھوڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے (اپنی ذمہ داری سے اس وقت تک سبکدوش نہ ہو گے) جب تک گناہ کرنے والوں کو منع کر کے حق پر نہ لاؤ گے۔ (ص ۸۲ ج ۲)

سنن ابی داؤد ص ۲۴۰ ج ۲ میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ سب سے پہلے جو بنی اسرائیل میں نقص وارد ہوا وہ یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے سے ملاقات کرتا تھا (اور اسے گناہ پر دیکھتا تھا) تو کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے

ڈراور یہ کام چھوڑ دے کیونکہ وہ تیرے لئے حلال نہیں ہے، پھر کل کو ملاقات کرتا اور گناہ میں مشغول پاتا تو منع نہ کرتا تھا، کیونکہ اس کا اس کے ساتھ کھانے پینے اور انھنے بیٹھنے میں شرکت کرنے والا آدمی ہوتا تھا سو جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ نے ان کے قلوب کو آپس میں ایک دوسرے پر ماریا۔ یعنی کیسا بنا دیا پھر آپ نے آیت بِالْأَلْعَنِ الَّذِينَ كَفَرُوا سے فَاسْقُونِ تک تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ خوب اچھی طرح سمجھ لو اور اللہ کی قسم! (تمہاری یہ ذمہ داری ہے کہ) امر بالمعروف کرتے رہو اور نہی عن المنکر کرتے رہو اور ظالم کا ہاتھ پکڑتے رہو اور اسے حق پر جماتے رہو (برائی سے) اس سے برائی چھڑا دو۔

نیز سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ عام عذاب لے آئے جس میں سب مبتلا ہوں گے نیز سنن ابوداؤد میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص کسی قوم میں گناہ کرنے والا ہو اور جو لوگ وہاں موجود ہوں قدرت رکھتے ہوئے اس کے حال کو نہ بدلیں یعنی اس سے گناہ کو نہ چھڑائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی موت سے پہلے ان پر عام عذاب بھیج دے گا۔

امت محمدیہ میں نبی عن المنکر کا فقد ان..... یہ نقص جو بنی اسرائیل میں تھا دورِ حاضر کے مسلمانوں میں بھی ہے گناہوں سے روکنے کی قدرت ہوتے ہوئے گناہوں پر نہیں ٹوکتے، گناہگاروں سے ملتے جلتے ہیں ان سے تعلق رکھتے ہیں اور تعلقات کشیدہ ہونے کے ڈر سے ان کو گناہ سے نہیں روکتے، خالق مالک جل مجدہ کی ناراضگی کا خیال نہیں کرتے اور مخلوق کی ناراضگی کا خیال کرتے ہیں کہ اسے گناہ سے روک دیا تو یہ ناراض ہو جائے گا۔

بنی اسرائیل کے اسی طرز کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا لَيْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ کہ برا ہے وہ عمل جو وہ کرتے تھے۔ بنی اسرائیل والے طریقہ مدعیان اسلام نے بھی اپنا لئے اسی لئے دنیا میں عام عذاب اور عقاب میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔  
مشرکین مکہ سے یہودیوں کی دوستی..... پھر فرمایا وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا (تو ان میں بہت سوں کو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ص ۲۱۳ ج ۷ کہ اس سے کعب بن اشرف اور دوسرے یہودی مراد ہیں جنہوں نے مشرکین مکہ سے دوستی کی تھی (جن کو خود بھی کافر کہتے تھے) یہودیوں کی جماعت مکہ معظمہ پہنچی اور انہوں نے مشرکین مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق پر جانتے ہوئے آپ پر ایمان نہ لائے، مشرکوں سے دوستی کرنے کو پسند کیا)

لَيْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ (البتہ وہ عمل برے ہیں جو انہوں نے اپنے آگے بھیجے اُن سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ) (اور وہ اعمال ایسے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوا) وَفِي الْعَذَابِ لَهُمْ خِلْدُونَ (اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے) پھر فرمایا لَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ (آیت) (اور اگر یہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس چیز پر ایمان لاتے جو آپ پر نازل کی گئی تو کافروں کو دوست نہ بناتے) اس میں منافقوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں ان کا دعوایہ ایمان غلط تھا، اگر آپ پر ایمان لاتے تو آپ کے دشمنوں سے کیوں دوستی کرتے وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَسِقُونَ (لیکن ان میں بہت سے وہ ہیں جو منافقان ہیں) ان میں سے تھوڑے ہی افراد نے اسلام قبول کیا اور باقی اشخاص نے سرکشی اور نافرمانی ہی کو اختیار کیا اور برابر کفر پراڑے رہے۔



لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ

تو اہل ایمان کے لئے سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکین کو پائے گا اور ضرور بالضرور

أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ

اہل ایمان سے محبت میں سب سے زیادہ قریب تر تو ان لوگوں کو پائے گا جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس وجہ سے کہ

قَسِيْنَيْنِ وَرُهْبَانًا ۚ إِنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۵﴾

ان میں ملایا۔ ہیں اور رہنما ہیں اور دیگر نہیں کرتے۔

### اہل ایمان سے یہودیوں اور مشرکوں کی دشمنی

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ آپ اہل ایمان کے سب سے زیادہ بخت ترین دشمن یہودیوں کو اور ان لوگوں کو پائیں گے جو مشرک ہیں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے، مشرکین مکہ نے جو حضرات صحابہ پر ظلم و ستم ڈھائے وہ معروف و مشہور ہیں اور جہاں جہاں کہیں بھی مشرکین ہیں وہ اب بھی مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں، اور تاریخ کے ہر دور میں ان کی دشمنی بڑھ چڑھ کر رہی ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تو یہودیوں نے سخت دشمنی کا مظاہرہ کیا یہ لوگ پہلے سے مدینہ منورہ میں رہتے تھے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نعوت اور صفات جو انہیں پہلے سے معلوم تھی اور توریت شریف میں پڑھیں تھیں ان کے موافق آپ کو پالیا اور پہچان لیا تب بھی آپ کے دشمن ہو گئے اور بہت زیادہ دشمنی پر کمر باندھ لی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے بھی مشورہ کیا آپ کو زہر بھی دیا اور آپ پر جاوہ بھی کیا مشرکین مکہ کو جا کر جنگ کے لئے آمادہ کیا اس پر وہ لوگ متعدد قبیلوں کو لے کر مدینہ منورہ پر چڑھ آئے اور یہودی برابر اسلام اور اہل اسلام کے بارے میں مکاری اور دسیسہ کاری کرتے رہے اور آج تک بھی ان کی دشمنی میں کوئی کمی نہیں آئی۔

تفسیر ابن کثیر ص ۸۰ ج ۲ میں بحوالہ حافظ ابو بکر بن مرویہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ مَا خَلَا يَهُودِيٌّ مِنْهُمْ بِمُسْلِمٍ قَطُّ إِلَّا هُمْ بِقُسْلِهِ۔ (یعنی جب کبھی بھی کوئی یہودی کسی مسلمان کے ساتھ تنہائی میں ہوگا تو ضرور مسلمان کو قتل کرنے کا ارادہ کرے گا) مسلمان اور اسلام کے خلاف یہودیوں کی چال بازیاں اور شرارتیں برابر جاری ہیں اور وہ اپنی شرارتوں سے باز آنے والے نہیں ہیں، انصاری کو بھی وہ مسلمانوں کے خلاف ابھارتے رہتے ہیں اور ان کو ایسی اسکیمیں بجاتے ہیں اور ایسی تدبیریں سکھاتے ہیں جن سے دنیا میں مسلمانوں کو سخت مصائب کا سامنا پڑتا رہتا ہے، خفیہ تنظیمیں کرنے میں ماہر ہیں ان کی خفیہ تنظیم فری میسن تو اب آشکار ہو چکی ہے۔

انصاری کی مودّت اور اس کا مصداق..... یہودی اور مشرکین کی دشمنی کا حال بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قَسِيْنَيْنِ وَرُهْبَانًا ۚ إِنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۵﴾ پائیں گے جن لوگوں نے اپنے بارے میں یوں کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں، انصاری معروف جماعت ہے یہ وہ لوگ ہیں جو سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر ص ۸۲ ج ۲ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي ۚ انا نصاریٰ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أَيُّ الَّذِينَ زَعَمُوا أَنَّهُمْ نَصَارَىٰ مِنْ أَتْبَاعِ الْمَسِيحِ وَعَلَىٰ مِنْهَا جَاجِجٌ فِيهِمْ مَّوَدَّةٌ لِلْإِسْلَامِ وَاهْلِهِ فِي الْجُمْلَةِ

وماذا كان الالما في قلوبهم اذ كانوا على دين المسيح من الرقة والرافة كما قال تعالى وجعلنا في قلوب الذين اتبعوه رافة ورحمة وفي كتابهم من ضرب بك على خدك الايمن فاذله خدك الايسر وليس القتال مشروعا في ملتهم اه

یعنی اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے یہ خیال کیا کہ وہ نصاریٰ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں سے ہیں اور انجیل میں جو راہ بتاتی تھی اس کے متبع ہیں فی الجملہ ان اوگوں کے دلوں میں اسلام اور اہل اسلام کے لئے مودت ہے اور یہ اس وجہ سے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں نرمی اور مہربانی کی شان تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن اوگوں نے عیسیٰ کا اتباع کیا انکے دلوں میں ہم نے مہربانی اور رحم کرنے کی صفت رکھ دی۔ ان کی کتاب میں یہ بھی تھا کہ جو شخص تیرے واسطے رخسار پر مارے تو بایاں رخسار بھی اس کی طرف کر دے، اور ان کے مذہب میں جنگ کرنا بھی مشروع نہیں تھا)

مطلب یہ ہے کہ یہاں پر ہر نصرانی اور مدعی عیسائیت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان نصرانیوں کا ذکر ہے جو اپنے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا پابند سمجھتے تھے اور دین مسیح کے مدعی ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں میں نرمی اور مہربانی تھی ان لوگوں کے سامنے جب دین اسلام آیا اور اہل اسلام کو یاد کیا تو اگر یہ اسلام قبول نہیں کیا لیکن مسلمانوں سے محبت اور تعلق رکھتے تھے۔

ان کے دین میں جنگ تو مشروع ہی تھی البتہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کا سوال ہی نہ تھا پھر ان میں قسمیں تھے یعنی علماء تھے (جن کے پاس تھوڑا بہت انجیل کا علم رہ گیا تھا وہ اس کے ذریعہ نصیحت کرتے رہتے تھے) نیز ان میں راہب بھی تھے جن کو عبادت کا ذوق تھا وہ عبادت میں لگے رہتے تھے جب انہوں نے اہل اسلام کی عبادت کو دیکھا تو محبت اور مودت میں نسبت دوسری قوموں کے ان سے زیادہ قریب ہو گئے۔ اللہ جل شانہ، نے فرمایا۔

ذٰلِكَ بَآئِنٌ مِنْهُمْ بِسَيِّئِنِ وَرُءْبَانَا کہ ان کی محبت اس لئے ہے کہ ان میں قسیمین ہیں اور رہبان ہیں اور فرمایا اَنْهَمْ لَا يَنْسُكِبِرُوْنَ اور وہ تکبر نہیں کرتے، چونکہ ان میں تکبر نہیں ہے اس لئے حق اور اہل حق سے عناد نہیں اور یہ عناد نہ ہو تا قرب مودت کا ذرا ہے..... صاحب عالم التزویل ص ۵۶ ج ۲ تحریر فرماتے ہیں

لم يرد به جميع النصارى لانهم فى عداوتهم المسلمين كاليهود فى قتلهم المسلمين واسرهم وتخریب بلادهم وهدم مساجدهم واحراق مصاحفهم ، لا ولا كرامة لهم ، بل الاية فيمن اسلم منهم مثل النجاشى واصحابه ،

یعنی آئیہ کریمہ میں جو نصاریٰ کو اہل ایمان کی محبت کے اعتبار سے قریب تر بتایا ہے اس سے تمام نصاریٰ مراد نہیں ہیں کیونکہ وہ اہل اسلام سے دشمنی رکھنے میں یہود اور مشرکین ہی کی طرح ہیں، مسلمانوں کو قتل کرنا اور قید کرنا اور ان کے شہروں کو برباد کرنا اور ان کی مسجدوں کو گرا دینا ان کے مصاحف کو جلا دینا یہ سب نصاریٰ کے کثرت ہیں

(لہذا تمام نصاریٰ اقْرَبْهُمْ مَوَدَّةً کا مصداق نہیں ہو سکتے) بلکہ آئیہ کریمہ میں وہ نصاریٰ مراد ہیں .... جنہوں نے اسلام قبول کر لیا

مثلاً: نجاشی (شاہ حبشہ) اور اس کے ساتھی۔

☆ ☆ الحمد للہ چھٹا پارہ مکمل ہوا ☆ ☆

## (پارہ نمبر ۷)

وَإِذَا سَبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۚ

اور جب انہوں نے اس چیز کو سنا جو نازل کی گئی رسول کی طرف تو تو دیکھے گا کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔

يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ

ہو یہ کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرنے والے ہیں اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائیں جو

الْحَقُّ ۚ وَنُظْمَعُ أَنْ يَدْخِلَنَا رَبَّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ۝ فَاتَّابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّتِ

ہمارے پاس آگیا اور ہم اس بات کی کہ امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ داخل فرمائے گا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی وجہ سے ایسے باغ

تَجَرَّى مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا

ثواب میں دے دیئے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ ایسے کام کرنے والوں کا بدلہ ہے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری

## بِالْيَتَىٰ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝

آیات کو جھٹلایا یہ لوگ دوزخ والے ہیں۔

## کتاب اللہ کو سن کر حبشہ کے نصاریٰ کا رونا اور ایمان لانا

جب آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اسلام کی دعوت دینا شروع کیا (جس کے اولین مخاطبین اہل مکہ تھے جو یوں کی پوجا کرتے تھے) تو اہل مکہ دشمنی پر اتر آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح سے ستاتے تھے اور جو لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے، انہیں بہت زیادہ دکھ دیتے تھے اور مارتے پیٹتے تھے اس وجہ سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین (جن میں مرد عورت سب ہی تھے) حبشہ کیلئے ہجرت کر گئے، حبشہ اس وقت قریب ترین ملک تھا جہاں ایمان محفوظ رکھتے ہوئے عافیت کے ساتھ رہنے کا امکان تھا جب یہ حضرات وہاں پہنچ گئے تو اہل مکہ نے وہاں بھی پیچھا کیا اور شاہ حبشہ کے پاس شکایت لے کر گئے لیکن اس نے ان لوگوں کی بات نہ مانی اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو امن وامان کے ساتھ ٹھکانہ دیا ان مہاجرین میں رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی جعفر بن ابی طالب تھے یہ حضرات وہاں کئی سال امن وامان کے ساتھ رہے پھر جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ وہاں سے حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری کیلئے واپس ہوئے تو نجاشی (احمد شاہ حبشہ) نے وفد کے ساتھ اپنے بیٹے کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا ان کا یہ وفد آٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا۔

نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تحریر کیا کہ یتا رسول اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور میں نے آپ کے چچا کے بیٹے کے ہاتھ پر آپ سے بیعت کر لی اور میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت قبول کر لی۔ میں آپ کی خدمت میں

اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں اور اگر آپ کا فرمان ہوتا تو میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں والسلام علیک یا رسول اللہ! نجاشی کا بھیجا ہوا یہ وفد کشتی میں سوار تھا لیکن یہ لوگ سمندر میں ڈوب گئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جن کی تعداد ستر تھی دوسری کشتی پر سوار ہوئے تھے یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے ان میں بہتر حضرات حبشہ کے اور آٹھ آدمی شام کے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول سے آخر تک سورہ یٰسین سنائی۔ قرآن مجید سن کر یہ لوگ رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے اور یہ جو کچھ ہم نے سنا ہے بالکل اسی کے مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا اس پر اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ ”وَلَنَجْجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا ۖ لَئِذَا قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ“ نازل فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت بالا نجاشی کے بھیجے ہوئے وفد کے بارے میں نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل صفحہ ۵۶، ۵۷ جلد ۲)

بعض حضرات نے جو یہ فرمایا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جب ہجرت کر کے حبشہ پہنچے تھے اور شاہ حبشہ کے دربار میں حضرت جعفرؓ نے جو بیان دیا تھا اور سورہ مریم سنائی تھی اس سے متاثر ہو کر شاہی دربار کے لوگ رو پڑے تھے اس آیت میں ان کا ذکر ہے۔ بعض مفسرین نے اس کو تسلیم نہیں کیا ان حضرات کا کہنا ہے کہ سورہ مائدہ مدنی ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی لہذا جو واقعہ ہجرت سے پیش آیا وہ اس آیت میں مذکور نہیں۔ (اللہم الا ان ینال ان هذه الايات مكية واللہ اعلم بالصواب)

نصاری کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ وہ مودت اور محبت کے اعتبار بہ نسبت دوسرے لوگوں کے ایمان والوں سے قریب تر ہیں اس کا سبب یہ بتایا کہ ان میں قیسین ہیں اور رہبان ہیں اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے، قیس رومی زبان میں عالم کو کہتے ہیں اور رہبان راہب کی جمع ہے جو لوگ تارک دنیا ہو کر دنیا میں گر جے بنا لیتے تھے اور وہیں زندگی گزارتے تھے انہیں راہب کہا جاتا تھا۔ اب نصاریٰ میں نہ قیسین ہیں نہ راہب ہیں اور نہ ان میں تواضع کی شان ہے۔ جو لوگ پادری بنے ہوئے ہیں، وہ بھی نصرانی حکومتوں کے پابند ہیں اور ان کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ نصرانی حکومتیں اور ان کے پادری اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تدبیریں سوچتے رہتے ہیں اور جس قدر ممکن ہو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے لہذا آیت کریمہ میں ان لوگوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

جن نصاریٰ نے قرآن مجید سنا اور حق کے پہچانے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے انہوں نے فوراً اپنے ایمان کا اعلان کر دیا اور کھلے دل سے کہنے لگے ”وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا نَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ“ (ہمیں کیا ہوا جو ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس حق آیا اور ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں صالحین کے ساتھ داخل فرمادے گا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں شامل فرمادے اور ان کو جو انعامات ملیں، ہمیں بھی ان میں شریک فرمادے۔)

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب انہوں نے اپنے مؤمن ہونے کا اعلان کر دیا تو یہودیوں نے ان کو عار دلائی اور ان سے کہا کہ تم کیوں ایمان لائے؟ اس پر انہوں نے جواب دیا جو اوپر مذکور ہوا درحقیقت جب قلوب میں ایمان کی لہر دوڑ جاتی ہے اور ایمان دل میں رچ چک جاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت ایمان کے خلاف آمادہ نہیں کر سکتی اور کسی جاہل کا عار دلا نا ایمان سے واپس نہیں کر سکتا آخر میں اللہ جل شانہ نے اہل ایمان کا انعام اور کافروں کی سزا بیان فرمائی چنانچہ ارشاد فرمایا ”فَأَنشَأْنَا لَهُمُ اللَّهَ بِمَا قَالُوا حَسْبُ تَجْبَرِي مِنْ تَحِيَّهَا ۖ لَآ أَنهَرُ خَلْبِدِينَ فِيهَا“ (سوالہ تعالیٰ نے ان کے قول کی وجہ ان کو ایسے باغیچے عنایت فرمائے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے) (وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ) (اور یہ بدلہ ہے اچھے کام کرنے والوں کا) (وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ) (اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیت کو جھٹلایا وہ دوزخ والے ہیں)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

الْمُعْتَدِينَ ﴿۸۸﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۸۹﴾

اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں کو حرام مت قرار دو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں، اور حد سے آگے نہ بڑھو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھ جانے والے کو پسند نہیں فرماتا، اور کھاؤ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾

حلال کھاؤ اور پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو اور حد سے آگے نہ بڑھو

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ نے جو چیزیں حلال کر دیں ہیں تم ان کو حرام قرار نہ دو۔ حلال کو حرام قرار دینے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ عقیدۂ حلال کو حرام قرار دے دیا جائے اگر کوئی شخص حلال قطعی کو حرام قرار دے گا تو ملت اسلامیہ سے نکل جائے گا اور دوسری صورت یہ ہے کہ عقیدہ سے تو کسی حلال کو حرام قرار نہ دے لیکن حلال کے ساتھ معاملہ ایسا کرے جو حرام کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی بغیر کسی عذر کے خواہ مخواہ کسی حلال چیز سے اجتناب کرے۔ یہ بھی ممنوع ہے۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ قسم کھا کر یا نذر مان کر کسی حلال چیز کو حرام قرار دیدے مثلاً یوں کہے کہ اللہ کی قسم فلاں چیز نہ کھاؤں گا.... یا یوں کہے کہ فلاں چیز میں اپنے اوپر حرام کرتا ہوں..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کھڑا ہوا ہے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ حاضرین نے بتایا کہ یہ ابوسراہیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ کھڑا ہی رہے گا۔ بیٹھے گا نہیں اور سایہ میں نہ جائے گا اور یہ کہ بولے گا نہیں اور روزہ دار رہے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ بات کرے اور سایہ میں جائے اور بیٹھ جائے اور روزہ پورا کر لے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۹۹۱ جلد ۲)

حضرت تمائم بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گناہ کی نذر ماننا درست نہیں اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۱۱۱ جلد ۲)

بعض لوگ نذری قسم کے ذریعہ تو کسی حلال کو حرام نہیں کرتے لیکن راہبوں کے طریقہ پر حلال چیزوں کو چھوڑنے کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کو ثواب سمجھتے ہیں۔ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے اور اس میں ثواب سمجھنا بدعت ہے۔..... اگر کسی کو کوئی چیز مضربہ و ضرر کی وجہ سے حلال سمجھتے ہوئے اس سے پرہیز کرے تو یہ جائز ہے۔

دوسرا حکم یہ فرمایا کہ حدود سے آگے نہ بڑھو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا حد سے بڑھنے کی ممانعت سورہ بقرہ میں بھی مذکور ہے جو گزر چکی ہے اور سورہ طلاق میں ارشاد فرمایا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (اور جو اللہ کی حدود سے آگے بڑھ جائے تو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا) اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے بڑھنے کی کئی صورتیں ہیں جن کی کچھ تفصیل ذیل میں لکھی جاتی ہے۔

حدود سے بڑھ جانے کی مثالیں..... حدود سے آگے بڑھنے کی بہت سی صورتیں ہیں ان میں سے چند ذکر کی جاتی ہیں۔

حلال کو حرام کر لینا..... (۱) اللہ نے جس چیز کو حلال کیا ہے اس کو اپنے اوپر حرام کر لینا جیسے کچھ لوگ بعض پھلوں کے متعلق طے کر لیتے ہیں کہ ہم یہ نہیں کھائیں گے یا اور کسی طرح سے حرام کر لیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ شہد پینے کے متعلق فرمادیا تھا۔ اب ہرگز نہیں پیوں گا۔ اس کے متعلق اللہ جل شانہ نے آیت

ذیل نازل فرمائی تَاٰیٰهَا السَّبۡیۡ لِمَ نَحَرَمَ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ (اے نبی! تم اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہو جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے؟)

ایسی بہت رسمیں آج لوگوں میں موجود ہیں جن میں عملاً بلکہ اعتقاداً بھی بہت سی حلال چیزوں کو حرام سمجھ رکھا ہے۔ مثلاً ذی قعدہ کے مہینہ (جسے عورتیں خالی کا مہینہ کہتی ہیں) اور محرم و صفر میں شریعت میں شادی کرنا خوب حلال اور درست ہے لیکن اللہ کی اس حد سے لوگ آگے نکلتے ہیں اور ان مہینوں میں شادی کرنے سے بچتے ہیں بہت سی قوموں میں بیوہ عورت کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں اور اسے حرام کے قریب بنا رکھا ہے یہ بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔

۲۔ ہر طرح حلال کو حرام کر لینا منع ہے اسی طرح حرام کو حلال کر لینا منع ہے حرام و حلال مقرر فرمانے کا اختیار اللہ ہی کو ہے۔ سورہ نحل میں ارشاد ہے وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السَّبۡتُکُمْ الْکَذِبَ ۚ هٰذَا حَلَلٌ ۚ وَ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفۡسُرُوۡا عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ۔

(اور جن چیزوں کے بارے میں تمہارا زبان جھوٹا دعویٰ ہے ان کی نسبت یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگا دو گے)

اسی ممانعت میں اللہ کی رخصتوں سے بچنا بھی داخل ہے مثلاً سفر شرعی میں قصر نماز کرنا مشروع ہے اس پر عمل کر ضروری ہے۔ جو چیز ثواب کی نہ ہو اسے باعثِ ثواب سمجھ لینا..... (۲) حد سے آگے بڑھنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو چیز اللہ کے یہاں تقرب اور نزدیکی کی نہ ہو اسے تقرب کا باعث سمجھ لیں مثلاً بولنے کا روزہ رکھ لینا یا دھوپ میں کھڑا رہنا وغیرہ وغیرہ۔

غیر ضروری کو ضروری کا درجہ دیدینا..... (۳) ایک طریقہ حد سے آگے بڑھنے کا یہ ہے کہ جو چیز شریعت میں نہیں ہے اسے فرض کا درجہ دیدیں اور جو اسے نہ کرے اس پر لعن طعن کریں مثلاً شبِ برات کا حلو اور عید الفطر کی سویاں کہ شرعاً ان دونوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے نہ ان کا کوئی ثبوت ہے مگر لوگ اسے ضروری سمجھتے ہیں اور جو نہ پکاوے اس کو ٹکڑا بننا پڑتا ہے جب شرعاً ان کی کوئی اصل نہیں تو ان کا اہتمام کرنا سراپا بدعت ہے۔

مطلق مستحب کو وقت کے ساتھ مقید کر لینا..... (۴) ایک طریقہ حد سے آگے بڑھنے کا یہ ہے کہ عمومی چیز کو کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص کر لیں مثلاً نماز فجر اور نماز عصر کے بعد امام سے مصافحہ کرنا اور اسے واجب کا درجہ دینا۔

بعض علاقوں میں دیکھا ہے کہ مؤذن اذان شروع کرنے سے پہلے درود شریف پڑھتا ہے گودرد شریف بڑی فضیلت کی چیز ہے مگر اس کو کسی ایسے وقت کے ساتھ مخصوص کرنا جس کے متعلق شریعت میں خصوصیت نہیں ہے حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔ حدیث شریف میں اذان کے بعد درود شریف پڑھنا اور پھر اس کے بعد دعا (اَللّٰهُمَّ رَبِّ هٰذِهِ الدَّعْوۡۃُ..... الخ) پڑھنا آیا ہے۔

کسی عمل کا ثواب خود تجویز کر لینا..... (۵) حد سے آگے بڑھ جانے کی ایک شکل یہ ہے کہ کسی عمل کی وہ فضیلت تجویز کر لی جائے جو قرآن و حدیث سے ثابت نہیں جیسے دعا گنج العرش اور عہد نامہ اور رد نکمہ کی فضیلت گھڑ رکھی ہے۔

کسی عمل کی ترکیب خود وضع کر لینا..... (۶) ایک صورت حد سے بڑھ جانے کی یہ ہے کہ کسی عمل کی کوئی خاص ترکیب و ترتیب تجویز کر لی جائے مثلاً مختلف رکعات میں مختلف سورتیں پڑھنا تجویز کر لینا (جو حدیث سے ثابت نہ ہو) پھر اس کا التزام کرنا یا سورتوں کی تعداد مقرر کر لینا (جیسے تہجد کی نماز کے متعلق مشہور ہے کہ پہلی رکعت میں ۱۲ مرتبہ قل ھو اللہ پڑھی جائے اور پھر ہر رکعت میں ایک ایک مرتبہ گھٹنا جائے..... یہ لوگوں نے خود تجویز کر لیا ہے مہینوں اور دنوں کی نماز میں اور ان کی خاص خاص فضیلتیں اور ان کی مخصوص

ترکیبیں لوگوں نے بنائی ہیں یہ بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔

کسی ثواب کے کام کے لئے جگہ کی پابندی لگالینا..... (۷) کسی ثواب کے کام کو کسی خاص جگہ کے ساتھ مخصوص کر لینا (جسکی تخصیص شریعت سے ثابت نہ ہو یہ بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔ جیسے بعض جگہ دستور ہے کہ قبر پر غلہ یا روٹی تقسیم کرتے ہیں یا قبر پر قرآن پڑھواتے ہیں ثواب ہر جگہ سے پہنچ سکتا ہے پھر اس میں اپنی طرف سے قبر پر ہونے کو طے کر لینا حدود اللہ سے آگے بڑھنا ہے۔

بعض حلال چیزوں کے بارے میں طے کر لینا کہ فلاں نہ کھائے گا..... (۸) ایک صورت حد سے آگے بڑھ جانے کی یہ ہے کہ بعض کھانے کی چیزوں کے متعلق اپنی طرف سے یہ تجویز کر لیا جائے کہ فلاں شخص کھا سکتا ہے اور فلاں نہیں کھا سکتا جیسے مشرکین مکہ کیا کرتے تھے سورۃ انعام میں ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے وَقَالُوا مَا فِيْنَا نَطُورُ هٰذِهِ الْاَنْعَامُ خَالِصَةٌ لِّذٰلِكَ نَحْنُ وَاٰوَاٰنَا وَابْنٰنَا

اِنْ كُنْ مِّنْهُمْ فَنَحْنُ فِيْهِمْ شُرَكَاءُ سَنَجْزِيْهِمْ وَصَفَّيْهِمْ اِنَّهُمْ خَبِيْثٌ عَلِيْمٌ۔ (اور وہ) (یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ جو ان مواشی کے پیٹ میں ہے خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہے تو اس میں وہ سب (مرد عورت) ساجھی ہیں۔ اللہ ان کو عنقریب غلط بیانی کی سزا دے گا بلاشبہ وہ حکمت والا ہے۔ علم والا ہے۔

اسی قسم کی شکلیں آج کل فاتحہ و نیاز والے لوگوں نے بنا رکھی ہے۔ مثلاً حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے ایصال ثواب کے لئے بی جی کو صحت کے نام سے کچھ رسم کی جاتی ہے اس رسم میں جو کھانا پکتا ہے اس میں یہ قاعدہ بنا رکھا ہے کہ اس کھانے کو مرد اور لڑکے نہیں کھا سکتے صرف لڑکیاں کھائیں گی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرض کر رکھا ہے کہ اس کھانے کے لئے کورا برتن ہو جگہ لپی ہوئی ہو۔ یہ سب خرافات اپنی ایجادات ہیں۔

کسی گناہ پر مخصوص عذاب خود سے تجویز کر لینا..... (۹) ایک صورت حد سے بڑھ جانے کی یہ ہے کہ اپنی طرف سے کسی گناہ کا مخصوص عذاب تجویز کر لیا جائے جیسا کہ بہت سے واعظ بیان کرتے پھرتے ہیں۔

(۱۰) یہ صورت بھی حد سے بڑھ جانے کی ہے کہ کسی چیز کے متعلق یہ طے کر لیا جائے کہ اس کا حساب نہ ہوگا حالانکہ حدیث میں اس کا ثبوت نہ ہو جیسے مشہور ہے کہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو نیا کپڑا یا نیا جوتا پہن لیا جائے تو وہ بے حساب ہو جاتا ہے اسی لئے بعض لوگ بہت سے جوڑے اس روز پہن لیتے ہیں یہ سب غلط اور لغو ہے۔ (تمک عشرۃ کاملۃ)

یہ چند صورتیں حد سے آگے بڑھ جانے کی لکھ دی گئی ہیں غور کرنے سے اور بھی نکل سکتی ہیں اللہ کی حدود سے آگے بڑھنا زبردست جرم ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ بَلٰکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَفْرُوْہَا (یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے نکلنے کے نزدیک بھی مت ہونا۔) (بقرہ)

اور فرمایا بَلٰکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْہَا وَمَنْ یَّعْتَدْ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاَوْکَلَفْہُمْ الظَّالِمُوْنَ (یہ اللہ کی حدود ہیں سو ان سے آگے مت نکلنا اور جو اللہ کی حدود سے باہر نکل جائے سو ایسے ہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔) (بقرہ)

اور فرمایا وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَتَّقِ اللّٰهَ یُذْخِرْ لِّہٖ خَلَدًا خَالِدًا فِیْہَا وَلَہٗ عَذَابٌ مُّہِیْنٌ۔ (بقرہ)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری نہ کرے اور اس کی حدود سے آگے بڑھ جائے اللہ اس کو آگ میں داخل فرمائے گا جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلیل کرنے والی سزا ہے۔)

تیسرا حکم یہ فرمایا کہ کچھ حلال و طیب اللہ نے تم کو عطا فرمایا اس میں سے کھاؤ اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو معلوم ہوا کہ حلال

اور پاکیزہ چیزوں کا کھانا و بندہ داری کے خلاف نہیں ہے ہاں! پرہیزگاری اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کی خلاف ورزی نہ کی جائے اگر کوئی چیز فی نفسہ حلال و پاکیزہ ہو لیکن دوسرے کی ملکیت ہو تو جب تک اس سے حلال پیو کے ذریعہ خرید نہ لے یا وہ بطور ہبہ نہ دیدے یا نفس کی خوشی سے استعمال کرنے کی اجازت نہ دیدے اس وقت اس کا کھانا، استعمال کرنا حلال نہیں ہوگا آخر میں تقویٰ کا حکم دیا اور فرمایا **وَ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ** (اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو) اس کے عموم میں ایسی سب صورتیں، و گئیں جن میں ظلم کر کے یا حقیقت تلف کر کے یا خیانت کر کے کوئی چیز کھالی جائے یا استعمال کر لی جائے۔ نیز اس سے تمام اشیاء حرمہ سے بچنے کی تاکید بھی ہوگئی۔

**لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ**

اللہ تعالیٰ ایسی قسموں پر تمہارا مواخذہ نہیں فرماتا جو لغو ہوں، لیکن وہ ایسی قسموں پر مواخذہ فرماتا ہے جن کو تم باندھ دو، سو اس کا کفارہ

**إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تَطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَنْ**

جس مسکینوں کو کھانا دینا ہے جو اس کھانے کا درمیان ہو جو تم اپنے گھروالوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑا پہنا دینا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا سے سو جو

**لَمْ يَجِدْ فَصَاعِدُ ثَلَاثَةِ أَتَامٍ ۚ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ۚ**

محض نہ پائے تو تین دن کے روزے ہیں، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسمیں کھاؤ اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو

**كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵﴾**

اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔

### قسموں کے اقسام اور قسم توڑنے کا کفارہ

اوپر کی آیات میں یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حلال کر دی ہیں ان کو حرام قرار نہ دو، چونکہ حلال و حرام کرنے کی صورت میں ایک یہ بھی ہے کہ کسی حلال چیز کے کھانے یا استعمال نہ کرنے کی قسم کھالی جائے اس لئے اب قسم کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

**فَسَلِّمْ** کی کئی قسمیں ہیں اول یحیٰ بن لغو، دوسری یحیٰ بن غموس، تیسری یحیٰ بن منعقدہ (عربی میں قسم کو یحیٰ بن کہتے ہیں) یحیٰ بن لغو کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جو شخص قسم کی نیت کئے بغیر بات کرتے ہوئے **لَا وَاللّٰهِ** یا **بِلسٰی** واللہ کہہ دے یہ یحیٰ بن لغو ہے۔ (رواہ البخاری)

(اہل عرب کی یہ عادت تھی اور اب بھی ہے کہ وہ اپنے محاورات میں باتیں کرتے کرتے اس طرح کے الفاظ بول جاتے تھے) اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی گزشتہ واقعہ کو اپنے نزدیک سچا جان کر قسم کھائے حالانکہ واقعہ وہ غلط ہو تو یہ یحیٰ بن لغو ہے۔ بہر حال یحیٰ بن لغو کی جو بھی تفسیر ہو اس پر مواخذہ نہیں ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں اس کی تصریح ہے اور اس میں کوئی کفارہ بھی نہیں ہے قسم کی دوسری قسم یحیٰ بن غموس ہے یعنی گزشتہ واقعہ پر جانے بوجھتے ہوئے جھوٹی قسم کھالینا۔ مثلاً کوئی کام نہیں کیا اور قسم کھا کر کہتا ہے کہ اللہ کی قسم میں نے یہ کام کیا ہے یا کوئی کام کیا ہے پھر جاننے بوجھتے قسم کھا کر کہتا ہے کہ اللہ کی قسم میں نے یہ کام نہیں کیا۔ یہ یحیٰ بن غموس ہے اس کا



گناہ بہت بڑا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بڑے گناہ یہ ہیں (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، (۲) ماں باپ کو دکھ دینا، (۳) کسی جان کو قتل کرنا، (۴) یمین غمبوس یعنی خلاف واقعہ بات پر جھوٹی قسم کھانا۔ (رواہ البخاری ص ۹۸ ج ۲)

لفظ غمبوس غمبوس سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے گھسا دینا، چونکہ جھوٹی قسم یہاں اس دنیا میں گناہ میں گھسا دیتی ہے پھر آخرت میں پہنچ کر دوزخ میں گھسا دینے کا سبب بنے گی اس لئے اس کا نام یمین غمبوس رکھا گیا ہے۔

قسم کی تیسری قسم یمین منعقدہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی آنے والے زمانہ میں کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھالے مثلاً یوں کہے کہ اللہ کی قسم فلاں کام ضرور کروں گا یا فلاں چیز ضرور کھاؤں گا یا یوں کہے کہ اللہ کی قسم فلاں کام نہیں کروں گا یا فلاں چیز نہیں کھاؤں گا یا فلاں سے بات نہیں کروں گا۔ اس قسم کا حکم یہ ہے کہ اس کی خلاف ورزی ہو جائے تو کفارہ دینا فرض ہو جاتا ہے..... کفارہ کیا ہے؟ اس کی تفصیل آیت بالا میں بتائی ہے اور وہ یہ کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائیں یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنا دیں یا ایک غلام آزاد کر دیں اگر ان میں سے کسی چیز کی بھی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھ لئے جائیں (غلام تو آج کل نہیں کیونکہ مسلمانوں نے جہاد شرعی چھوڑ دیا جس کے ذریعہ غلام اور باندیاں حاصل ہوتے تھے) لہذا اب اس پر عمل ہو سکتا ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا یا کپڑے پہنا دیئے اگر ان میں سے کسی کی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے لگاتا رکھ لے۔

### کفارہ قسم کے مسائل

مسئلہ..... یمین منعقدہ کی خلاف ورزی جسے ہمارے ماحول میں قسم کا توڑنا کہتے ہیں اُس کا کفارہ حانت ہونے یعنی قسم ٹوٹنے سے پہلے ادا کر دینا معتبر نہیں یعنی اگر پیشگی کفارہ ادا کر دیا تو وہ نفلی صدقہ ہو جائے گا کفارہ میں نہیں لگے گا۔

مسئلہ..... اگر دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کی صورت اختیار کرے تو صبح شام پیٹ بھر کے کھانا کھلا دے ان دس مسکینوں میں کوئی بچہ نہ ہو اور ایسا کوئی شخص نہ ہو جس کا پہلے سے پیٹ بھرا ہوا ہو۔

مسئلہ..... اگر کھانا کھلانے کے بدلہ مال دینا چاہے تو یہ بھی جائز ہے جس کی صورت یہ ہے کہ ہر مسکین کو صدقہ فطر کے برابر ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک گیہوں یا اس کے دو گئے جو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت دیدے۔

مسئلہ..... دس ہی مسکینوں کو دینا لازم ہے۔ اگر ایک ہی مسکین کو دس مسکینوں کا غلہ دیدیا تو اس سے پوری ادائیگی نہ ہوگی نو مسکینوں کو پھر دینا ہوگا۔

مسئلہ..... اور اگر کپڑے دینے کی صورت اختیار کرے تو ہر مسکین کو اتنا کپڑا دے جس سے ستر ڈھک جائے اور اس میں نماز ادا ہو سکے اور اگر عورت کو کپڑا دے تو اتنا بڑا کپڑا دے جس سے اس کا سارا بدن ڈھک جائے جس میں وہ نماز پڑھ سکے۔

مسئلہ..... مسکینوں کو جو کھانا کھلائے تو گھٹیا کھانا نہ کھلائے اپنے اہل و عیال کو جو کھانا کھلاتا ہو اس کی درمیانی حیثیت کا کھانا ہو کیونکہ آیت کریمہ میں مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ کی تصریح موجود ہے۔

مسئلہ..... اگر کھانا دینے یا کپڑا پہنانے کی مالی استطاعت نہ ہو تو لگاتار تین روزے رکھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت قَصَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُتَّابِعَاتٍ ہے جو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی اسی لئے انہوں نے متابع یعنی لگاتار روزے رکھنا

مشروط قرار دیا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی یہی مذہب ہے کہ قسم کے کفارہ کی ادائیگی کے لئے تین دن لگاتار روزے رکھنا ضروری ہے (بشرطیکہ کفارہ بالصیام متعین ہو جائے)

فائدہ..... کسی بھی گناہ کی قسم کھانا گناہ ہے اگر کسی گناہ کی قسم کھالے مثلاً یوں کہے کہ نماز نہ پڑھوں گایا یوں کہہ دے کہ اللہ کی قسم ماں باپ یا بھائی بہن سے یا کسی بھی عزیز قریب سے بے تعلق رہوں گا، ان سے بول چال نہ رکھوں گایا قطع رحمی کروں گا تو ایسی قسم توڑ دینا واجب ہے، قسم توڑنے اور کفارہ دیدے۔

آخر میں فرمایا واحفظوا ایمانکم کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۷۱۰ جلد ۷ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

ای راعوها لکی تؤدوا الکفارة عنها اذا حنثتم واحفظوا انفسکم من الحنث فیہا۔

یعنی اپنی قسموں کا خیال رکھو ایسا نہ ہو کہ قسم ٹوٹ جائے اور کفارہ ادا کرنے میں غفلت کر جاؤ یا یہ مطلب ہے کہ قسم کھا لو تو اسے پورا ہی کر دو (جب اللہ کا نام لے کر کسی قول یا کسی عمل کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی ہے تو اسے پورا ہی کر دو۔ لیکن یہ اسی صورت میں ہے کہ جب گناہ کی قسم نہ کھائی ہو جیسا کہ حدیث میں اس کی تصریح ہے)

متنبیہ..... غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ”مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ اشْرَكَ بِعَيْنِي“ جس نے اللہ کے سوا کسی چیز کی قسم کھائی تو اس نے شرک کیا۔ (رواہ الترمذی) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے باپوں کی اور اپنی ماؤں کی قسم نہ کھا اور اللہ کی قسم (بھی) جب ہی کھاؤ جب کہ تم سچے ہو۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۹۶)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلٍ

اسے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر گندی چیزیں ہیں

الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقَعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ

شیطان کے کاموں میں سے ہیں جنہا تم ان سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ شیطان یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے

وَالْبَغْضَاءُ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ

آپس میں دشمنی اور نفرت واقع کر دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے سو کیا تم باز آنے

مُنْتَهُونَ ﴿١١﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا ۚ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّمَا

والے ہو اور فرمانبرداری کرنا اللہ کی اور فرمانبرداری کرنا رسول کی، اور ڈرت رہو، سو اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ

عَلَى رَسُولِنَا الْبَلْعُ الْمُبِينُ ﴿١٢﴾

ہمارے رسول کے ذمہ واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔

خمر اور میسر اور انصاف و ازلام ناپاک ہیں

ان آیات میں شراب اور جوئے اور بت اور جوا کھیلنے کے تیروں کو گندی چیزیں بتایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ چیزیں شیطان کے

کاموں میں سے ہیں۔ عرب کے لوگ بت پوجا کرتے تھے، اور بتوں کی پجاریوں کے پاس تیر رکھ دیتے تھے ان تیروں کے ذریعہ جوا کھیلتے تھے جس کی تشریح سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ سورہ بقرہ میں فرمایا يَسْتَلُونَكَ عَنْ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيهِمَا آثَمٌ كَثِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا (اور آپ سے سوال کرتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں آپ فرمادیتے کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں، اور ان کا گناہ ان کے منافع سے زیادہ بڑا ہے) اس سے واضح ہوا کہ شراب اور جوئے میں اگرچہ نفع بھی ہے مگر ان کا جو گناہ ہے وہ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی چیز کے جائز ہونے کے لئے یہی کافی نہیں ہے، کہ وہ نفع مند ہو بہت سے لوگ جوئے اور شراب اور سود وغیرہ کے صرف منافع کو دیکھتے ہیں اور شریعت اسلامیہ میں جو ان کی حرمت بیان کی گئی ہے اس کی طرف دھیان نہیں کرتے اور نفع کی شق کو دیکھ کر حال قرار دیدینے کی بے جا جسارت کرتے ہیں۔ یہ ملحدوں اور زندلیقوں کا طریقہ ہے۔

شراب کی حرمت..... ایک صاحب نے اپنے ایک ملنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ دھڑلے سے شراب پیتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ بتاؤ قرآن میں شراب کو کہاں حرام فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ جن چیزوں کی ممانعت صریح قرآن مجید میں نہیں ہے بلکہ احادیث شریفہ میں آئی ہے یا جس چیز کی ممانعت فرماتے ہوئے لفظ حرام استعمال نہیں فرمایا اسے جائز قرار دیدیتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی جہالت اور گمراہی ہے۔

ایسے ہی قرآن کے ماننے والے ہیں تو قرآن ہی سے یہ ثابت کر دیں کہ قرآن نے جس چیز کی ممانعت کے لئے لفظ حرام استعمال کیا ہے پس وہی حرام ہے..... قرآن مجید میں بہت سی چیزوں سے منع فرمایا گیا ہے لیکن ان کے ساتھ لفظ حرام استعمال نہیں فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری اور آپ کے اتباع کا بھی حکم دیا اور آپ کی صفت بیان کرتے ہوئے سورہ اعراف میں يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی چیز کو حرام قرار دینا ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔

سات وجوہ سے شراب اور جوئے کی حرمت..... سورہ مائدہ کی آیت بالا میں شراب اور جوئے کو "رخس" یعنی گندی چیز بتایا ہے اور پھر سورہ اعراف میں "يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ" فرمایا ہے اس تصریح کے ہوتے ہوئے بھی کوئی شخص شراب اور جوئے کو حرام نہ سمجھے تو اس کے بے دین ہونے میں کیا شک ہے ایسا شخص ملحد اور بے دین اور کافر ہے..... پھر یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ اگرچہ قرآن مجید میں شراب کے لئے لفظ حرمت استعمال نہیں فرمایا لیکن اس کی حرمت کی وجہ بتا دی ہیں اور سات باتیں ذکر فرما دی ہیں۔ جن کے ذکر سے واضح طور پر حرمت کا اعلان بار بار فرمادیا۔

(۱) اول تو یہ فرمایا کہ شراب اور جوا "رخس" یعنی گندی چیزیں ہیں، (۲) پھر فرمایا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ، کہ یہ شیطان کے کاموں میں سے ہیں۔ (۳) پھر فرمایا فَاجْتَنِبُوهُ کہ اس سے بچو، (۴) فرمایا لَعَلَّكُمْ تَقْلَبُونَ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ معلوم ہوا کہ جوا اور شراب میں مشغول ہونا ناکامی کا سبب ہے جو دنیا اور آخرت میں سامنے آئے گی۔ (۵) فرمایا إِنَّمَا يَرْفِدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُزَوِّجَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ کہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان میں دشمنی اور بغض ڈال دے، (۶) فرمایا وَيَضُدُّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ کہ شیطان شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکنا چاہتا ہے (۷) آخر میں فرمایا فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْهَوُونَ کیا تم باز آنے والے ہو؟

غور کر لیں کہ کتنی وجوہ سے شراب اور جوئے سے منع فرمایا ہے ایسے صاف واضح بیان ہوتے ہوئے جو شخص شراب اور جوئے کو حلال کہے گا اس کی بدعتی اور بدینی میں کیا شک ہے؟ اللہ جل شانہ نے شراب کی حرمت تدْرِجاً نازل فرمائی سورۃ بقرہ میں فرمایا: **قُلْ فِيهِمَا** اَلْكُمُورُ وَ فَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا۔ اس کو سن کر بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم نے شراب پینا چھوڑ دیا اور بعض پیتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک دن ایسا ہوا کہ نماز مغرب میں ایک مہاجر صحابی نے امامت کرتے ہوئے قرأت میں غلطی کر دی تو اس پر آیت کریمہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ** (سورۃ النساء آیت: ۴۳) نازل ہوئی۔ اسکے بعد ایسے اندازہ سے شراب پیتے تھے کہ نماز کا وقت آنے تک ہوش میں آجائیں اس کے بعد سختی سے شراب پینے کی ممانعت فرمادی اور فرمایا **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْحُزُنُومُ أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا** (الیٰ) قولہ تعالیٰ (فہل اَنْتُمْ مُنْتَهُونَ) جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا "اِنَّتَهَيْنَا رَبَّنَا" (اے ہمارے رب ہم باز آگئے) درمنثور صفحہ ۲۱۳ جلد ۲ از مسند احمد بروایت ابی ہریرۃ

پھر فرمایا: **وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا** (اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ڈرتے رہو) یعنی اللہ و رسول کی مخالفت نہ کرو (فَبِأَن تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمْتُمْ) اَللَّهُمَّ اَللَّهُمَّ عَلَيَّ رَسُوْلُنَا الْبَلَّغُ الْمُبِينُ ۝ سو اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ واضح طور پر پہنچا دینا ہے) اللہ کے رسول صلی علیہ وآلہ وسلم نے خوب اچھی طرح کھول کر بیان فرمادیا اللہ تعالیٰ کی بات پہنچادی پھر بھی اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا تو اپنا انجام دیکھ لے گا۔

سات وجوہ سے جوئے اور شراب کی ممانعت فرمانے کے بعد گویا اس آخری آیت میں ..... مزید تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے ڈرو۔ جو لوگ قرآن ہی میں ممانعت اور حرمت دیکھنا چاہتے ہیں اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجت نہیں سمجھتے ان کو تنبیہ فرمادی کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ضروری ہے اور دونوں کی مخالفت سے بچنا لازم ہے۔

احادیث شریفہ میں شراب کی حرمت اور اس کے پینے پلانے والے پر لعنت اور آخرت کی سزا ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا اس میں سے چند احادیث کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نشہ لانے والی چیز خمر یعنی شراب ہے اور ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے اور جو شخص دنیا میں شراب پئے گا اور اس حال میں مر گیا کہ شراب پیتا رہا اور توبہ نہ کی تو آخرت میں شراب نہیں پئے گا جنت کی شراب سے محروم ہوگا اگر جنت کا داخلہ نصیب ہو گیا۔ (رواہ مسلم صفحہ ۱۶۸ جلد ۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص یمن سے آیا اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہمارے علاقہ میں ایک شراب ہے جو حور سے بنائی جاتی ہے لوگ اسے پیتے ہیں، آپ نے دریافت فرمایا کیا وہ نشہ لاتی ہے؟ سوال کرنے والے نے عرض کیا کہ ہاں وہ نشہ لاتی ہے، آپ نے فرمایا "کَلَّ مُسْكِرٍ حَوَامٍ" کہ نشہ لانے والی ہر چیز حرام ہے پھر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ عہد فرمایا ہے کہ جو شخص نشہ لانے والی چیز پئے گا اللہ اسے "طَلِيفَةُ الْخَبَالِ" سے پلائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! "طَلِيفَةُ الْخَبَالِ" کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ دوزخیوں کے جسموں کا نچوڑ ہے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۸۶۲ جلد ۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو چیز زیادہ مقدار میں نشہ لائے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۱۶۲ جلد ۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے لعنت کی شراب پر اور اس کے پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور اس کے بیچنے والے اور اس کے خریدنے والے پر اور شراب بنانے والے پر اور ہوانے والے پر اور جو شراب کو کسی کے پاس لے جائے اس پر اور جس کے پاس لے جائے اس پر بھی۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۱۶۱ جلد ۲)

جولوگ پنی وکانوں میں شراب بیچتے ہیں اپنے ہونٹوں میں شراب پلاتے ہیں اور ایسی دکانوں پر ملازمت کرتے ہیں وہ اپنے بارے میں غور کر لیں کہ روزانہ کتنی لعنتوں کے مستحق ہوتے ہیں شراب کا بنانے والا تو مستحق لعنت ہے ہی، اس کا بیچنے والا، پینے پلانے والا اس کا اٹھا کر لے جانے والا اور جس کی طرف شراب لے جائی جائے ان سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو۔ (رواہ ابی یحییٰ)

جولوگ یورپ امریکہ وغیرہ میں رہتے ہیں اور نصرانیوں کے میل ملاپ کی وجہ سے شراب پی لیتے ہیں غور کریں کہ ان کا ایمان باقی ہے یا نہیں؟ ایک حدیث میں ارشاد ہے: **الْخَمْرُ جُمَاعُ الْإِثْمِ** کہ شراب تمام گناہوں کو جمع کئے ہوئے ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۴) اگر اس بات کا مصداق دیکھنا، تو یورپ امریکہ کے شراب خوروں کو دیکھ لیا جائے کیا کوئی برائی ان سے چھوٹی ہوئی ہے؟ شراب خوری نے انہیں ہر گناہ پر آمادہ کر دیا ہے۔

شراب ہر برائی کی گنجی ہے..... حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ مجھے میرے دوست سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ کسی بھی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا اگرچہ تیرے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور تجھے جلا دیا جائے اور قصد نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جس نے قصد نماز چھوڑی اس سے اللہ کا ذمہ بری ہو گیا اور شراب مست پینا کیونکہ وہ ہر برائی کی گنجی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۱ جلد ۱) جولوگ شراب نہ چھوڑیں ان سے قتال کیا جائے..... حضرت دہلم حمیری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) کہ ہم ٹھنڈی زمین میں رہتے ہیں اور سخت محنت کرتے ہیں اور صورت حال یہ ہے کہ ہم گیسوں کی شراب بنا لیتے ہیں جسے استعمال کر کے ہم محنت کے کاموں پر اپنے شہروں کی ٹھنڈک پر قوت حاصل کرتے ہیں آپ نے سوال فرمایا کیا وہ نشہ لاتی ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں وہ نشہ لاتی ہے آپ نے فرمایا اس سے پرہیز کرو۔ میں نے عرض کیا کہ لوگ اسے چھوڑنے والے نہیں آپ نے فرمایا اگر اسے نہ چھوڑیں تو تم ان سے قتال کرو یعنی جنگ کرو۔ (رواہ ابوداؤد فی کتاب الاشریہ)

اللہ کے خوف سے شراب چھوڑنے پر انعام..... حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور جہانوں کے لئے ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کے سامان کو اور بتوں کو اور صلیب کو (جس کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو منادوں اور میرے رب عز وجل نے قسم کھائی ہے کہ میرے بندوں میں سے جو بھی بندہ کوئی گھونٹ شراب کا پئے گا تو میں اسے اسی قدر پیپ پلاؤں گا اور جو بھی کوئی شخص میرے ڈر سے شراب کو چھوڑ دے گا میں اسے ضرور مقدس حوضوں میں سے پلاؤں گا۔ (رواہ احمد کما فی مشکوٰۃ صفحہ ۳۱۸)

جواری اور شرابی کی جنت سے محرومی..... حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ماں باپ کو تکلیف دینے والا اور جو اکھینے والا اور احسان جتانے والا اور جو شخص شراب پیا کرتا ہے یہ لوگ جنت میں

داخل نہ ہوں گے۔ (رواہ الدارمی صفحہ ۳۱ جلد ۲)

شراب اور خنزیر اور بتوں کی بیچ کی حرمت..... حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو فتح مکہ کے موقع پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب اور مردار اور خنزیر اور بتوں کی بیچ کو حرام قرار دیا ہے۔ (رواہ البخاری ص ۲۹۸ جلد ۱)

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ انہوں نے کھایا یا جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۷﴾

اور نیک عمل کئے پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے پھر تقویٰ اختیار کیا اور نیک اعمال میں گئے اور اللہ اچھے عمل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

### حرمت کی خبر سن کر صحابہؓ نے راستوں میں شراب بہادی

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں حاضرین کو شراب پلا رہا تھا (یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے باپ تھے) اسی اثناء میں یہ حکم نازل ہو گیا کہ شراب حرام ہے باہر سے آنے والی ایک آواز سنی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی شخص اعلان کر رہا ہے، ابو طلحہ نے کہا کہ باہر نکلو دیکھو یہ کیا آواز ہے؟ میں باہر نکلا تو میں نے واپس آ کر بتایا کہ یہ پکارنے والا یوں پکار رہا ہے کہ خبردار شراب حرام کر دی گئی ہے، یہ سن کر ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا جاؤ یہ جتنی شراب ہے سب کو گرا دو۔ چنانچہ شراب پھینک دی گئی جو مدینے کی گلیوں میں بہہ رہی تھی۔

بعض صحابہ کو خیال ہوا کہ ہم میں سے بہت سے لوگ مقتول ہو چکے ہیں جن کے پیٹوں میں شراب تھی۔ (یعنی جو لوگ اب تک شراب پیتے رہے اور دنیا میں موجود نہیں ان کا کیا بنے گا وہ تو اپنے پیٹوں میں شراب لے کر چلے گئے) اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت کریمہ لَيْسَ

عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا نازل فرمائی۔ (رواہ البخاری صفحہ ۲۶۲ جلد ۲)

تفسیر و منثور میں اس واقعہ کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی یوں بیان کیا ہے کہ میں ابو طلحہ اور ابو عبیدہ بن الجراح اور معاذ بن جبل اور سمیل بن بیضاء اور ابو جندبہ کو شراب پلا رہا تھا میرے ہاتھ میں پیالہ تھا جسے میں بھر بھر کر ایک دوسرے کو دے رہا تھا۔ اسی حال میں ہم نے آواز سنی کہ کوئی شخص پکار کر آواز دے رہا ہے ”الان الخمر قد حرمت“ (خبردار شراب حرام کر دی گئی ہے) آواز کا سننا تھا کہ نہ کوئی اندر آنے پایا تھا کہ ہم نے شراب کو گرا دیا اور مٹکے توڑ دیئے۔ جس کی وجہ سے مدینہ کی گلی کو چوں میں شراب (پانی کی طرح) بہنے لگی۔ (درمنثور صفحہ ۲۲۱ جلد ۲ و رواہ مسلم بحذف بعض الاسماء صفحہ ۱۶۳ جلد ۲)

صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی کیا شان تھی شراب گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اس کے بڑے دلدادہ تھے پھر اس کے حرام ہونے کی خبر سن تو بغیر کسی پس و پیش کے اسی وقت گرا دی۔

شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے جو لوگ شراب پی چکے اور دنیا سے جا چکے ان کے بارے میں سوال اور اس کا جواب..... جب شراب کی حرمت نازل ہو گئی تو ان کو اپنے ان بھائیوں کا فکر ہوا جو شراب پیتے تھے اور اسی حال میں وفات پا

گئے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آیت لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ آخِرُكَ نازل فرمائی۔

جس میں یہ بتایا کہ جو لوگ اہل ایمان تھے اور اعمال صالحہ کرتے تھے وہ حرمت کا قانون نازل ہونے سے پہلے وفات پا گئے تھے انہوں نے اس زمانہ میں جو شراب پی تھی اس کا کوئی گناہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک تشریف فرما تھے احکام میں نسخ ہونے کا احتمال رہتا تھا شراب حلال بھی پھر حرام قرار دی گئی، اس کے علاوہ اور بھی بعض دیگر احکامات میں نسخ ہوا۔

آیت بالا میں فرمایا: لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (ان لوگوں پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ انہوں نے کھایا پیا جبکہ وہ تقویٰ اختیار کرتے ہوں، یعنی شراب کے علاوہ دوسری حرام چیزوں سے بچتے ہوں شراب پینے پر تو مواخذہ اس لئے نہیں کہ وہ اس وقت تک حرام نہیں تھی اور جب دوسری ممنوعات سے بچتے رہے تو ظاہر ہے کہ دنیا سے بے گناہ چلے گئے اور انہوں نے نہ صرف ممنوعات سے پرہیز کیا دوسرے اعمال صالحہ بھی انجام دیتے رہے "تَمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا" (پھر تقویٰ اختیار کئے رہے اور ایمان پر باقی رہے) یعنی اس کے بعد جب بھی کسی چیز کی حرمت نازل ہو گئی ایمان پر رہے اور حرام چیز سے بچے "تَمَّ اتَّقَوْا وَاحْسَنُوا" (پھر تقویٰ اختیار کیا اور اچھے کام کرتے رہے) یعنی جب حرمت آگئی اس کی خلاف ورزی نہ کی اور جن نیک کاموں میں لگے ہوئے تھے بدستوران کے انجام دینے میں لگے رہے)

اس میں تقویٰ کا ذکر تین بار ہے پہلی بار جو تقویٰ مذکور ہے اس کا تعلق تمام ممنوعات سے بچنے سے ہے پھر دوسری بار کسی حلال چیز کی حرمت نازل ہونے کے بعد اس سے پرہیز کرنے سے متعلق ہے۔ پھر تیسری بار یا تو سابقہ حالت پر استقامت کے ساتھ ممنوعات سے پرہیز کرنے سے متعلق ہے یا اس طرف اشارہ ہے کہ جب کبھی بھی کوئی چیز حرام ہوئی اس سے پرہیز کرتے رہے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے وفات پا جانے والے بھائیوں کے بارے میں سوال کیا تھا لیکن آیت کے عموم میں زندوں کے بارے میں بھی حکم بتا دیا کہ حرمت کا قانون آنے سے پہلے نہ شراب پینے میں کوئی گرفت تھی اور نہ آئندہ کسی عمل پر گرفت ہوگی جو حرمت کا قانون آنے سے پہلے کر لیا جائے..... آخر میں فرمایا: وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (اللہ اچھے کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)

فائدہ..... شراب پینے کی دنیاوی سزا اتنی کوڑے ہے جس کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں اور آخرت کی سزا یہ ہے کہ شراب پینے والے کو دوزخیوں کے زخموں کا انچور یعنی ان کی پیپ پلائی جائے گی۔ جس کا ذکر روایات حدیث میں گزر چکا ہے۔

شراب اور جو دشمنی کا سبب ہیں اور ذکر اللہ سے اور نماز سے روکتے ہیں..... شراب اور جوئے کے بارے میں فرمایا کہ شیطان اس کے ذریعہ تمہارے درمیان بعض اور دشمنی ڈالنا چاہتا ہے اور ذکر و نماز سے روکنا چاہتا ہے۔

بعض اور دشمنی تو ظاہر ہی ہے جو کوئی شخص جوئے میں ہار جاتا ہے حالانکہ اپنی خوشی سے ہارتا ہے تو جلد سے جلد جیتنے والے سے بدلہ لینے کی فکر کرتا ہے اور شراب پی کر جب آدمی بدست ہو جاتا ہے تو اول فول بکتا ہے دوسروں کو برا بھی کہتا ہے اور گالی گلوچ کرتا ہے اور کبھی کسی کو مار بھی دیتا ہے۔ جس سے جڑے دل ٹوٹتے ہیں اور دشمنیاں پیدا ہوتی ہیں اور اللہ کی یاد اور نماز سے غافل ہونا تو یہ ایسی ظاہر بات ہے جو نظروں کے سامنے ہے جب کسی نے شراب پی لی تو نشے میں بدست ہو گیا۔ اب نماز اور اللہ کے ذکر کا موقع کہاں رہا، جن کو شراب کی عادت ہو جاتی ہے وہ تو اسی دھن میں رہتے ہیں کہ نشہ کم ہو تو اور پییں پھر کم ہو تو پھر پییں اور جب کوئی شخص جو اکیلے میں لگ جاتا ہے تو گھنٹوں گزر جاتے ہیں جیتنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اللہ کے ذکر کا اور نماز کا اس کے ہاں کوئی موقع ہی نہیں ہوتا۔

حتیٰ کہ جو لوگ بغیر ہار جیت کے شطرنج کھیلتے رہتے ہیں وہ بھی گھنٹوں کھیلتے رہتے ہیں انہیں ذرا بھی اللہ کے ذکر کی طرف توجہ نہیں

ہوتی۔ نماز کا پورا وقت اول سے اخیر تک گزر جاتا ہے لیکن نماز اور ذکر اللہ کی طرف ذرا بھی دھیان نہیں ہوتا نماز بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ہے لیکن اس کو علیحدہ ذکر فرمایا کیونکہ عام ذکر سے اس کی اہمیت زیادہ ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فرض ہے اور عام طور پر ذکر میں مشغول رہنا مستحب ہے اگرچہ اس عام ذکر کے بھی بڑے بڑے اجر و ثواب ہیں۔

جوئے کی تمام صورتیں حرام ہیں ..... آیت بالا میں شراب اور جوادوں کو حرام قرار دیا ہے اور دونوں کو ناپاک بتایا اور سورۃ بقرہ میں فرمایا ہے **وَالْمُحْتَمَلُ الْخَبْرُ مِنْ نَفْعِهِمَا** کہ ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے جوئے کے لئے سورۃ بقرہ میں اور یہاں سورۃ مائدہ میں لفظ **الْمُحْتَمَلُ** استعمال فرمایا ہے عربی میں اس کا دوسرا نام قمار ہے۔

ہر وہ معاملہ جو نفع اور نقصان کے درمیان دائر اور مبہم ہو شریعت میں اسے قمار کہا جاتا ہے مثلاً دو آدمی آپس میں بازی لگائیں کہ ہم دونوں دوڑتے ہیں اور ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ تو آگے بڑھ گیا تو میں ایک ہزار روپیہ دوں گا اور اگر میں بڑھ گیا تو تجھے ایک ہزار روپے دینا ہوں گے۔ یا مثلاً بند ڈبے ہیں وہ فی ڈبہ ایک روپے کے حساب سے فروخت ہوں گے لیکن کسی ڈبہ میں پانچ روپے کی چیز نکلے گی اور کسی ڈبہ میں ۲۵ پیسے کا مال نکلے گا تو ان ڈبوں کی خرید و فروخت قمار یعنی جوئے میں داخل ہے اور ہر وہ معاملہ جو نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہو وہ معاملہ قمار ہی کی صورت ہے۔

اخباری معنوں کے ذریعہ بھی قمار یعنی جو کا سلسلہ جاری ہے بطور اشتہار اخباروں اور ماہوار رسالوں اور ہفت روزہ جریڈوں میں معمر کی مختلف صورتوں کا اشتہار دیا جاتا ہے کہ جو شخص اس کو مل کر کے بھیجے اور اس کے ساتھ اتنی فیس پانچ روپے بھیجے تو جس لوگوں کے حل صحیح ہوں گے ان لوگوں میں سے جس کا قمر اندازی میں نام نکل آئے گا اسے انعام کے عنوان سے مقررہ رقم یا کوئی بھاری قیمت کی چیز مل جائے گی۔ یہ سراسر قمار ہے یعنی جو ہے اور حرام ہے کیونکہ جو شخص فیس کے نام سے کچھ پیسے بھیجتا ہے وہ اس کے موہوم نفع کے خیال سے بھیجتا ہے کہ یا تو یہ روپے گئے یا ہزاروں مل گئے فیس کے نام پر روپیہ بھیجتا اور اگر اس روپے پر کچھ زائد مل جائے اس کا لینا اور معمر شائع کر کے لوگوں کی رقیں لے لینا یہ سب حرام ہے۔

اور ہر قسم کی لاٹری جس میں کچھ دے کر زائد ملنے کی امید پر مال جمع کیا جاتا ہے پھر اس پر مال ملے یا نہ ملے یہ سب حرام ہے۔ گھوڑ دوڑ کے ذریعہ بھی جو اٹھایا جاتا ہے جس کا گھوڑا آگے نکل گیا اسے ہارنے والے کی جمع کی ہوئی رقم مل جاتی ہے یہ طریقہ حرام ہے اور جو اس طریقہ سے رقم حاصل کی وہ بھی حرام ہے۔

پتنگ بازی اور کبوتر بازی کے ذریعہ بھی جو اٹھایا جاتا ہے یہ دونوں کام اپنی جگہ ممنوع ہیں پھر ان پر ہار جیت کے طور پر رقم لگاتے ہیں وہ مستقل گناہ ہے اور صریح حرام ہے کیونکہ قمار یعنی جو ہے۔ شہ کا کاروبار بھی سراپا قمار ہے اور حرام ہے۔ انشورنس کا بیمہ پالیسی کی بھی وہ سب صورتیں حرام ہیں جن میں رقیں جمع کی جاتی ہیں اور حادثہ ہو جانے پر جمع کردہ رقم سے زیادہ مال مل جاتا ہے زندگی کا بیمہ ہو یا گاڑیوں کا یا دوکانوں کا یہ سب حرام ہے اور ان میں اپنی جمع کردہ رقم سے جو مال زائد ملے وہ سب حرام ہے۔

قمار کے جتنے بھی طریقے ہیں (گھوڑ دوڑ وغیرہ) ان سب کی آمدنی حرام ہے۔ ہر مومن کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنا لازم ہے۔ دنیا چند روزہ ہے اس لئے حرام کا ارتکاب کرنا حماقت ہے۔

**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَبُوتُكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَا حُكْمٌ لِّعَلَّامٍ**

اے ایمان والو! اللہ تم کو قدرے شکار سے ضرور آزمائے گا تمہارے نیزے شکار کو پہنچیں گے اور تمہارے تاکہ اللہ جان لے گا



## اللَّهُ مَنْ يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

بن دیکھے اس سے کون ڈرتا ہے سو جس نے اس کے بعد زیادتی کی اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

### حالتِ احرام میں شکار والے جانوروں کے ذریعہ آزمائش

حج یا عمرہ کا اگر کوئی شخص احرام باندھ لے تو احرام سے نکلنے تک بہت سے کام ممنوع ہو جاتے ہیں ان ممنوع کاموں میں خشکی کا شکار کرنا بھی ہے۔ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس طرح آزمایا کہ احرام کی حالت میں تھے اور شکاری جانور خوب بڑھ چڑھ کر آرہے تھے یہ ایسی آزمائش تھی جیسے بنی اسرائیل کو آزمایا گیا تھا، ان کے لئے سینچر کے دن مچھلیوں کا شکار کرنا ممنوع تھا لیکن سینچر کے دن مچھلیاں خوب ابھرا بھر کر پانی کے اوپر آ جاتی تھیں اور دوسرے دنوں میں ایسا نہیں ہوتا تھا جس کا ذکر سورۃ اعراف کی آیت ”وَسُئِلُهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ“ میں فرمایا ہے۔

تفسیر درمنثور ص ۳۲۷ جلد ۲ میں ابن ابی حاتم سے نقل کیا ہے کہ آیت بالا حدیبیہ والے عمرہ کے بارے میں نازل ہوئی وحشی جانور اور پرندے ان کے ٹھہرنے کی جگہوں میں چلے آرہے تھے اس سے پہلے ایسے منظر انہوں نے کبھی نہیں دیکھے تھے ان کا ہاتھوں سے پکڑنا اور نیزوں سے مارنا بہت ہی زیادہ آسان تھا، اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا تھا کہ احرام کی حالت میں شکار قطعاً نہ کرنا جو شکار کرنے سے پرہیز کرے گا وہ کامیاب ہوگا اور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ دیکھے بغیر اللہ تعالیٰ سے کون ڈرتا ہے (اور جو شخص شکار کر لے گا وہ گناہ کا ارتکاب کرے گا اور آزمائش میں ناکام ہوگا)

## يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ ۖ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعِدًّا فَجَزَاءُ

اے ایمان والو! شکار قتل نہ کرو اس حالت میں کہ تم احرام میں ہو، اور تم میں سے جو شخص شکار کو قصداً قتل کر دے تو اس کا بدلہ اس جانور کا

## مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ لَّنَكُمْ هَذَا يَأْتِيَنَّكَ الْكُفَّةُ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ

جیسا ہوگا جس کو قتل کیا تم میں دو انصاف والے آدمی اس کا فیصلہ کریں گے اس طرح سے کہ وہ بدلہ والا جانور بطور جزی کے کعبہ تک پہنچنے والا ہو۔ یا مسکینوں کو

## مَسْكِينٍ أَوْ عَدْلٌ ذَلِكَ صِيَامًا لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهُ ۚ عَفَا اللَّهُ عَنْمَا سَلَفُ ۚ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ

کفارہ کے طور پر کھانا دے دیا جائے اس کے برابر روزے رکھنے کا کہ اپنے کہنے کی سزا چکھ لے۔ اللہ نے معاف فرمایا جو پہلے گنہگار تھے اور جو شخص پھر ایسی حرکت کرے گا تو اللہ اس

## اللَّهُ مِنْهُ ۖ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ۝ أَحَلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ

سے انتقام لے گا اور اللہ زبردست ہے انتقام لینے والا، تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا ہے جو تمہارے نفع کے لئے اور مسافروں کے واسطے ہے

## وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرْمًا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝

اور تم پر حرام کیا گیا خشکی کا شکار جب تک کہ تم احرام میں ہو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔

## احرام میں شکار مارنے کی جزا اور ادائیگی کا طریقہ

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا حالت احرام میں (حج کا احرام ہو یا عمرہ کا) خشکی کا جانور شکار کرنا حرام ہے۔ اگر کوئی شخص قصداً حالت احرام میں خشکی کا کوئی جانور شکار کر لے (خود اس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو) تو اس کی سزا آیت بالا میں ذکر فرمائی ہے، یاد رہے کہ صید یعنی شکار ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو وحشی ہوں، انسانوں سے مانوس نہ ہوں ان سے دور بھاگتے ہوں جیسے شیر، گیدڑ، ہرن، خرگوش، نیل گائے، کبوتر، فاختہ وغیرہ اور جو جانور انسانوں سے مانوس ہیں اور ان کے پاس رہتے ہیں جیسے گائے، اونٹ، بھیڑ، بکری، مرغی یہ شکار میں داخل نہیں ہیں اور جو وحشی جانور ہوں ان میں سے بعض جانوروں کا مارنا حالت احرام میں بھی جائز ہے۔ یہ استثناء احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے ان میں کوا اور چیل اور بھیڑیا اور سانپ اور بچھو اور کانٹے والا کتا اور چوہا شامل ہیں۔ یعنی محرم کو ان کا قتل کرنا جائز ہے اور جو جانور محرم پر حملہ کر دے اس کا قتل کرنا بھی جائز ہے اگرچہ ان جانوروں میں سے نہ ہو جن کے قتل کی اجازت ہے۔

احرام میں شکار مارنے کی جو جزا آیت بالا میں مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو جانور قتل کیا اس کا ضمان واجب ہوگا اور اس کے ضمان کی ادائیگی یا تو اس طرح کر دے کہ بطور ہدیٰ کعبہ شریف کی طرف یعنی حدود حرم میں بھیج دے جسے وہاں ذبح کر دیا جائے "مِثْلُ مَا قُتِلَ مِنَ النِّعَمِ" (یعنی جو جانور قتل کیا ہے اس جانور کا مثل بطور جزا کے واجب ہوگا) اس کے بارے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ جسامت میں اتنا بڑا جانور ہو جتنا بڑا جانور اس نے قتل کیا ہے مثلاً شتر مرغ قتل کیا ہے تو اس کے بدلہ اسی جیسا اونٹ ذبح کیا جائے اور جس جانور کا مثل جسامت کے طور نہ ہو اس کی قیمت لگا دی جائے ان کے مذہب کی تفصیلات کتب شافعیہ میں مذکور ہے۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جسامت میں مثلیت کا اعتبار نہیں۔ یعنی "مِثْلُ مَا قُتِلَ مِنَ النِّعَمِ" سے مثل صوری (یعنی جسامت والی برابری) مراد نہیں ہے ان کے نزدیک ابتدائاً انتہاء مثل معنوی ہی مراد ہے مثل معنوی سے مراد یہ ہے کہ متقوی جانور کی قیمت لگا دی جائے پھر اس قیمت سے جانور خرید کر بطور ہدیٰ حدود حرام میں ذبح کر دیا جائے۔

جس محرم نے شکار کیا ہے اسے اختیار ہے کہ قیمت کے عوض ہدیٰ کا جانور حدود حرام میں ذبح کر دے یا کسی دوسرے شخص سے ذبح کرا دے اور اگر ہدیٰ کا جانور ذبح کرانے کے بجائے اس قیمت کو مسکینوں پر صدقہ کرنا چاہے تو یہ بھی کر سکتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ فی مسکین بقدر صدقہ فطر غلہ یا اس کی قیمت صدقہ کر دے ..... اور اگر غلہ یا اس کی قیمت دینا نہ چاہے تو بحساب فی مسکین نصف صاع گندم کے حساب سے اتنی تار کے برابر روزے رکھ لے، اگر فی مسکین بقدر صدقہ فطر حساب کر کے دینے کے بعد اتنے پیسے بچ گئے جن میں ایک صدقہ فطر کے برابر غلہ نہیں خریدا جاسکتا تو اختیار ہے کہ یہ پیسے ایک مسکین کو دیدے یا اس کے عوض ایک روزہ رکھ لے۔

جس جانور قتل کیا ہے اس کی قیمت کون تجویز کرے اس کے بارے میں ارشاد ہے "يُخَيَّرُكُمْ بِهِ فَوَاعِدُكُمْ" یعنی مسلمانوں میں سے دو انصاف والے آدمی اس کی قیمت کا تخمینہ لگائیں۔ یہ تخمینہ اس جگہ کے اعتبار سے ہوگا جہاں وہ جانور قتل کیا ہے اگر جنگل میں قتل کیا تو جو آبادی وہاں سے قریب تر ہو اس کے اعتبار سے قیمت کا تخمینہ لگایا جائے۔

احرام میں جو شکار کیا گیا ہو اس کے متعلق چند مسائل .....

مسئلہ: ..... اگر جانور کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ بڑا جانور خریدا جاسکتا ہے تو اونٹ اور گائے حدود حرام میں ذبح کر دے، بکری ذبح کرے یا گائے یا اونٹ ان میں قربانی کے جانور کے شرائط اور قربانی کے جانوروں کی عمروں کا لحاظ رکھے۔

مسئلہ:..... اگر مقتول جانور کی قیمت کے برابر ہدی کا جانور تجویز کیا اور جانور خریدنے کے بعد کچھ قیمت بچ گئی تو اس بقیہ قیمت کے بارے میں اختیار ہے خواہ دوسرا جانور خرید کر حدود حرم میں ذبح کر دے یا اس کا غلہ خرید کر دیدے یا غلہ کے حساب سے فی نصف صاع گئیہوں ایک روزہ رکھ لے۔

مسئلہ:..... مسکینوں کو غلہ دینے اور روزے رکھنے میں حرم کی قید نہیں ہے البتہ ہدی کا جانور حدود حرم ہی میں ذبح کرنا لازم ہے ذبح کر کے فقراء حرم میں صدقہ کر دے۔

مسئلہ:..... محرم کو جن جانوروں کا شکار کرنا حرام ہے، اگر اس نے ان میں سے کسی جانور کو قتل کر دیا تو وہ جانور میہ یعنی مردار کے حکم میں ہوگا اور کسی کو بھی اس کا کھانا حلال نہ ہوگا۔

مسئلہ:..... محرم کو جس جانور کا قتل کرنا حرام ہے اس کو زخمی کر دینا یا پراکھاڑ دینا، ناگ توڑ دینا بھی حرام ہے اگر ان میں سے کوئی صورت پیش آجائے تو تخمینہ کر لیا جائے کہ اس جانور کی کتنی قیمت ہوگی پھر اس قیمت کے بارے میں انہیں تین صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار کر لی جائے جو قتل کی سزا میں مذکور ہوگی۔

مسئلہ:..... مذکورہ جانوروں کا انڈا توڑنا ممنوع ہے اگر محرم نے کسی جانور کا انڈا توڑ دیا تو اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی اگر انڈے میں سے مرہا بچہ نکل آیا تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔

مسئلہ:..... اگر دو محرموں نے مل کر شکار کیا تو دونوں پر جزا کامل واجب ہوگی۔

مسئلہ:..... اگر کسی نے حاملہ ہرنی کے پیٹ میں مار دیا اور اس میں سے زندہ بچا نکلا اور وہ بھی مر گیا تو دونوں کی قیمت واجب ہوگی۔

مسئلہ:..... اگر کسی غیر محرم نے شکار کیا پھر احرام باندھ لیا اس پر واجب ہے کہ شکار کو چھوڑ دے اگر نہ چھوڑا اور اس کے ہاتھ میں مر گیا تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔

مسئلہ:..... مچھر کے قتل کرنے سے کچھ واجب نہیں ہوتا۔

مسئلہ:..... احرام میں چوٹی کا مارنا جائز ہے جو ایذا دیتی ہو اور جو ایذا نہ دے اس کا مارنا جائز نہیں لیکن اگر مارنا یا تو کچھ واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ:..... اگر کسی محرم نے جوں مار دی تو کچھ صدقہ کر دے۔

مسئلہ:..... اگر کوئی محرم مڈی مار دے تو جتنا جی چاہے تھوڑا بہت صدقہ کر دے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ ایک کھجور مڈی سے بہتر ہے۔

مسئلہ:..... اگر بھولے سے یا غلط شکار قتل کر دے تو اس میں بھی جزا ہے، جمہور کا یہی مذہب ہے۔

ابوبکر ہصا ص احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور ابراہیم نخعی اور فقہاء امصار کا یہی مذہب ہے اور قرآن کریم میں جو لفظ ”مُتَعَمِّدًا“ آیا ہے یہ ان حضرات کے نزدیک خطا و نسیان سے احتراز کے لئے نہیں بلکہ یہ لفظ اس لئے بڑھایا گیا کہ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ جو آگے آ رہا ہے وہ اس پر متفرع ہو سکے کیونکہ خطا و نسیان پر مواخذہ نہیں ہوتا بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خطا و نسیان میں قتل صید کی جزا واجب نہیں، شیخ ابوبکر ہصا ص فرماتے ہیں: فالقول الاول هو الصحيح یعنی پہلا قول ہی صحیح ہے پھر اس کی دلیل میں فرماتے ہیں: لانه قد ثبت ان جنایات الاحرام لا يختلف فيها المعذور وغير المعذور في باب وجوب القدية الا ترى ان اللّٰه تعالى قد عذّر المريض ومن به اذى من رأسه ولم يخلهما من ايجاب الكفارة۔ اس

لئے کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے احرام کی جنایات میں فدیہ کے واجب ہونے میں معذور و غیر معذور کا کوئی فرق نہیں ہے کیا دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مریض اور جس کے سر میں تکلیف ہو اسے معذور قرار دیا ہے لیکن اسے کفارہ واجب کرنے سے آزاد نہیں رکھا مسئلہ:..... شکار کی طرف اشارہ کرنا یا شکاری کو بتانا کہ وہ شکار جا رہا ہے محرم کے لئے یہ بھی حرام ہے اگر محرم نے شکاری کی طرف اشارہ کر دیا اور شکاری نے اسے قتل کر دیا تو بتانے والے پر بھی جزا واجب ہوگی۔

مسئلہ:..... اگر کسی غیر محرم نے شکار کیا اور محرم کو اس کا گوشت پیش کر دیا تو اس کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ محرم نے شکاری کو نہ اشارہ سے بتایا ہو نہ زبان سے۔

مسئلہ:..... اگر ایسے محرم نے شکار کیا جس نے قرآن کا احرام باندھا ہو تھا تو اس پر دوہری جزا واجب ہوگی کیونکہ اس کے دو احرام ہیں مسئلہ:..... محرم کا شکار کو بیچنا خریدنا حرام ہے۔ اگر کسی محرم نے ایسا کر لیا تو بیع باطل ہوگی۔

مسئلہ:..... محرم کے لئے حرم اور غیر حرم دونوں میں شکار کرنا حرام ہے۔

مسئلہ:..... حرم کا شکار محرم اور غیر محرم دونوں کے لئے حرام ہے۔ البتہ اس کے قتل کر دینے سے محرم پر اور غیر محرم پر ایک ہی جزا واجب ہوگی۔ مکہ مکرمہ کے چاروں طرف سر زمین حرم ہے جس کی مسافتیں مختلف ہیں۔ جدہ کی طرف تقریباً ۱۵ کلومیٹر ہے اور عرفات کی طرف تقریباً ۱۳ کلومیٹر ہے۔ منی اور مزدلفہ دونوں حرم میں داخل ہیں معجم جو مدینہ منورہ کے راستہ میں آتا ہے یہ حرم سے خارج ہے پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ معجم مکہ مکرمہ سے تین میل ہے لیکن اب مکہ معظمہ کی آبادی معجم بلکہ اس سے بہت آگے تک چلی گئی ہے۔

حرم شریف کی گھاس اور درخت کاٹنے کے مسائل

مکہ معظمہ کے حرم کی گھاس کاٹنا اور ایسے درخت کو کاٹنا جو کسی کی ملکوت نہیں جسے لوگ بوتے نہیں یہ بھی ممنوع ہے۔

اگر کوئی شخص محرم یا غیر محرم حرم کا شکار مارے تو اس کی جزا دینا واجب ہوگی اسی طرح اگر گھاس کاٹ دی یا غیر ملکوت درخت کاٹ لیا تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا اگر کوئی درخت حد و حرم میں کسی شخص کی ملکیت میں آگ آیا تو اس کے کاٹنے پر اس کی قیمت حرمت حرم کی وجہ سے واجب ہوگی جس کا صدقہ کرنا لازم ہوگا اور ایک قیمت بطور ضمان اس کے مالک کو دینی ہوگی اور اگر حرم کے کسی ایسے درخت کو کاٹ دیا جسے لوگ آگاتے ہیں۔ تو اس صورت میں صرف مالک کو قیمت دینا واجب ہوگا۔

مسئلہ:..... اگر دو غیر محرموں نے مل کر حرم کا شکار قتل کیا تو ایک ہی جزا واجب ہوگی۔

احرام میں سمندر کا شکار کرنے کی اجازت..... آخر میں فرمایا اَجَلٌ لَّكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلْسَيَّارَةِ (الآیہ) مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے سمندر کا شکار کرنا اور اس کا کھانا بھی حلال ہے اس میں محرم اور غیر محرم دونوں برابر ہیں پہلے دریائی شکار کر کے سفر میں جاتے وقت ساتھ لے گئے یا سفر میں دریائی شکار کر لیں یہ مسافروں کے لئے درست ہے محرم ہو یا غیر محرم اور خشکی کا شکار محرم کے لئے حرام قرار دیا گیا خواہ کسی قسم کے احرام میں ہو (احرام عمرہ ہو یا احرام حج یا احرام قرآن)۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ۔ یعنی جملہ احکام کی پابندی کرو اللہ سے ڈرو اس کے اوامر و نواہی کی مخالفت نہ کرو۔ اس کی طرف سب کو جمع ہونا ہے۔ وہاں پیشی ہے حساب ہے لہذا وہاں کے لئے فکر مند رہو۔

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَمًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ

کعبہ جو احترام والا گھر ہے اللہ نے اسے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے اور سنت والے مہینے کو اور ہدی کے جائزوں کو اور ان کے گلے میں جو پٹے چڑھتے ہیں

ذَلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

ان سب باتوں کے قائم رہنے کا وہ یہ بتا رہا ہے کہ اس نے تم کو جان لو کہ بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو پہنچو زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ مَّا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

تم جان لو! کہ بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے اور اللہ بلاشبہ بخشنے والا مہربان ہے، رسول اللہ ﷺ کے ذمہ صرف پہنچانا ہے اور اللہ جانتا ہے

مَا تَبَدُّونَ وَمَا تَكْتُمُونَ

جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔

کعبہ شریف لوگوں کے قائم رہنے کا سبب ہے

کعبہ (جس کے حروف اصلی ک، ع، ب ہیں) عربی زبان میں اوپر کو اٹھنے ہوئے چوکور گھر کو کہتے ہیں۔ کعبہ شریف کی جگہ نشیب میں ہے اور کعبہ شریف دور سے اٹھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جب کعبہ شریف بنایا گیا تھا اس وقت اس کے چاروں طرف مسجد حرام بنی ہوئی نہیں تھی اس لئے دور سے اٹھا ہوا اور زمین سے ابھرا ہوا نظر آتا تھا اس ارتفاع کی وجہ سے اس کا نام ”کعبہ“ رکھا گیا۔ لفظ ”الکعبۃ“ کے بعد ”البيت الحرام“ بھی فرمایا یعنی بہت محترم گھر اللہ تعالیٰ نے اس کو محترم قرار دیا۔ اس کی حرمت ہمیشہ سے ہے اس کا طواف بھی حرمت کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔

مکہ معظمہ کے چاروں طرف جو حرم ہے وہ بھی اسی کعبہ شریف کی وجہ سے محترم ہے اور اسی احترام کی وجہ سے حرم میں شکار کرنا اور اس کی گھاس اور درخت کا ٹٹا ممنوع ہے حرم میں قتل و قتل بھی ممنوع ہے قتل و قتل کی ممانعت کا عقیدہ زمانہ جاہلیت میں بھی تھا۔ تفسیر درمنثور میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص جرم کر کے حرم میں پناہ لے لیتا تھا تو اس کو قتل نہیں کرتے تھے۔ آیت بالا میں ارشاد فرمایا کہ کعبہ جو بیت محترم ہے اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کے قائم رہنے اور امن و امان کا ذریعہ بنایا جو بہت سے لوگوں کی معیشت کا ذریعہ بنا ہوا ہے زمین کے دور دراز گوشوں سے لوگ حج و عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ معظمہ آتے ہیں شہر مکہ میں رہتے ہیں منی میں قیام کرتے ہیں عرفات مزدلفہ میں وقوف کرتے ہیں ان سب کے آنے اور رہنے اور ضرورت کی اشیاء خریدنے کے باعث اہل عرب اور خاص کر اہل مکہ کی معیشت بنی رہتی ہے اور اس خریداری کے اثرات پورے عالم فیکٹریوں اور کمپنیوں پر پڑتے ہیں۔ اہل مکہ کے لئے تو کعبہ اللہ ذریعہ قیام اور بقاء ہے ہی بعض اعتبار سے پورے عالم کی بقاء کا ذریعہ ہے، بحری جہازوں سے لوگوں کی آمد، ہوائی جہازوں کی اڑان، کروڑوں روپے کے کرائے اور بسوں اور کاروں کے سفر ان کے ذریعہ جو عرب و عجم میں مالی آمدنی ہے پورے عالم کو اس کا اقتصادی فائدہ پہنچتا ہے۔

سورہ قصص میں فرمایا اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا مِّنَّا يُخَبِّرُ بِآيَاتِنَا فَمَرَاتٍ كُلِّ شَيْءٍ رَّزَقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (کیا ہم نے ان کو امن و امان والے گھر میں جگہ نہیں دی۔ جہاں ہر قسم کے پھل کھینچ چلے آتے جو ہمارے پاس سے بطور رزق ان کو ملے ہیں لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے) پھر چونکہ حج ایک عظیم عبادت ہے جو سرِ پاپا اللہ کے ذکر سے معمور ہے اور اللہ کا ذکر ہی

اس عالم کی روح ہے اس لیے بھی کعبہ شریف سارے عالم کی بقاء کا ذریعہ ہے۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک دنیا میں ایک مرتبہ بھی اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ (رواہ مسلم صفحہ ۸۴ جلد ۱) جب دنیا میں کوئی بھی ایمان والا نہ رہے گا تو کعبہ شریف کا حج بھی ختم ہوگا۔ کعبہ شریف کا حج ختم ہو جانا بھی دنیا کی بربادی کا ذریعہ ہے۔

بعض حضرات نے قیاماً کا ترجمہ ”اَمْنَا“ سے بھی کیا۔ بلاشبہ حرم مکہ زمانہ قدیم سے مَآمِنٌ یعنی امن کی جگہ ہے سورہ بقرہ میں فرمایا وَ اَدْخَلْنَاهُ الْبَيْتَ مُقَابِلَ الْمَنَاسِكِ وَ اَمْنَا (اور جب ہم نے کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ اور امن کی جگہ بنایا) اور سورہ عنکبوت میں فرمایا اَوَلَمْ يَتَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَاهُ حَرَمًا مَّأْمُونًا وَيَتَخَفَتُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (کیا انہیں معلوم نہیں کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا اور ان کے گرد و پیش لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے) بلاشبہ عبادات اور مالیات اور امن و امان یہ سب انسانوں کے قیام اور بقاء کا ذریعہ ہیں۔

ہدی کے جانور..... ہدی وہ جانور جو بطور نیاز کعبہ شریف کی طرف بھیجا جائے ہدی واجب بھی ہوتی ہے اور مستحب بھی اور دم جنایات جو واجب ہیں حرم ہی میں اکو ذبح کیا جاتا ہے۔ دم متع اور دم قران بھی حرم ہی کے اندر کرنا لازم ہے اور شکار کے بدلے جو جانور ذبح کیا جائے اس کے بارے میں بھی ”هَذَا تَبَالِغُ الْمُحَقِّقَةِ“ فرمایا ہے ہدی کے جانور کا حد و حرم میں ذبح کرنا لازم ہے آج کل تو ہدی کے جانور منی میں ہی مل جاتے ہیں زمانہ قدیم میں ہدی کے جانور اپنے ساتھ لایا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمرہ حدیبیہ کے موقع پر اور حجۃ الوداع کے موقع پر ہدی کے جانور ساتھ لے گئے تھے اور عام طور سے ہدی کے جانور ساتھ لانے کا دستور تھا۔

القلائد..... صاحب روح المعانی نے صفحہ ۳۶ جلد ۷ میں لکھا ہے کہ ”القلائد“ سے ذوات القلائد مراد ہیں۔ اونٹوں کے گلوں میں قلائد یعنی پٹے ڈال دیا کرتے تھے ہدی کے ذکر کے بعد اونٹوں کا ذکر مستقل طریقہ پر کیا کیونکہ ان کے ذبح کرنے میں ثواب زیادہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کعبہ شریف اور اس سے متعلقہ چیزیں جن میں شہر حرام اور ہدی کے چھوٹے بڑے جانور بھی ہیں ان کو لوگوں کے قیام اور بقا کا ذریعہ بنایا۔ اہل عرب شہر حرام میں امن و امان سے رہتے تھے بے تکلف حج بھی کرتے تھے اور دوسری اغراض دنیویہ کے لئے بھی نکلتے تھے اور جن قبیلوں میں آپس میں دشمنی ہوتی تھی وہ بھی ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرتے تھے اور ہدی کے جانوروں کا گوشت کھانا بھی معمول تھا۔ پھر ان جانوروں کی خرید و فروخت بھی ہوتی تھی اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے ان سب وجوہ سے کعبہ اور شہر حرام اور ہدی کے جانور یہ سب لوگوں کے قیام یعنی بقاء کا ذریعہ ہیں۔

فَالْاِحْصَاءُ فِيْ اَحْكَامِ الْقُرْآنِ صَفْحَہ ۸۲ جلد ۲ وَ هَذَا الَّذِیْ ذَكَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنْ قَوَامِ النَّاسِ بِمَنَاسِكِ الْحَجِّ وَالْحَرَامِ وَالْاَشْهُرِ الْحَرَمِ وَالْهَدٰی وَالْقَلَائِدِ مَعْلُوْمٌ مَّشَاهِدٌ فَلَا نُرٰی شَيْئًا مِنْ اَمْرِ الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا تَعْلُقُ بِهِ مِنْ صِلَاحِ الْمَعَاشِ وَ الْمَعَادِ بَعْدَ الْاِیْمَانِ مَا تَعْلُقُ بِالْحَجِّ الْاَتْرٰی اِلٰی كَثْرَةِ مَنَافِعِ الْحَاجِّ فِی الْمَوَاسِمِ الَّتِیْ یُرِدُوْنَ عَلَیْهَا مِنْ سَائِرِ الْبُلْدَانِ الَّتِیْ یَجْتَازُوْنَ بِمَنْیَ وَبِمَكَّةِ اِلٰی اَنْ یُرْجِعُوْا اِلٰی اِهْلِیْهِمْ وَانْتِزَاعِ النَّاسِ بِهِمْ وَكَثْرَةِ مَعَاشِهِمْ وَتِجَارَتِهِمْ مَعَهُمْ (المنی آخر ماقال)

(یعنی یہ جو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ مناسک حج، کعبہ اللہ، شہر حرام، ہدی اور قلائد یہ سب لوگوں کے قیام یعنی بقا کا ذریعہ ہیں۔ یہ ایک جانی ہوئی اور مشاہدہ کی ہوئی چیز ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اصلاح معاش و معاد کا تعلق ایمان کے بعد جتنا حج سے ہے اتنا کسی اور دنیوی یا اخروی امر کے ساتھ نہیں ہے۔ اور دیکھا جاتا ہے کہ حج کے زمانہ میں جو حاجی مختلف علاقوں سے آتے ہیں اور منیٰ و مکہ میں گھومتے پھرتے ہیں وہ لوگوں سے اور لوگ ان سے بہت زیادہ معاشی و تجارتی منافع لے کر اپنے اہل و عیال کی طرف لوٹتے ہیں۔)

پھر فرمایا: ذَلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَعَلَّمُونَ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ صَافِيَ السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

(اور یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے)

شیخ ابو بکر حصصؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے بارے میں خبر دی ہے کہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اس نے دین و دنیا کے منافع حج میں رکھ دیئے۔ یہ تدبیر ایسی عجیب ہے کہ جس میں امت کے لئے اول سے لے کر آخر تک یعنی قیامت کا دن آنے تک سب کی صلاح کا انتظام ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ عالم الغیب نہ ہوتا اور تمام اشیاء کو ان کے وجود سے پہلے نہ جانتا تو ایسی تدبیر نہیں ہو سکتی تھی جس میں بندوں کی دین و دنیا کی صلاح ہے۔

پھر فرمایا: اَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (بلاشبہ تم جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے اور اللہ بخشنے والا

مہربان ہے)

اس میں تنبیہ ہے کہ احکام الہی کی خلاف ورزی نہ کرو اور احیاناً کہیں خلاف ورزی ہو جائے تو جلدی سے توبہ کرو اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو وہ غفور ہے رحیم ہے)

پھر فرمایا: مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبَلِّغُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝ (رسول کے ذمہ نہیں ہے مگر پہنچانا اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو) اس میں اس پر تنبیہ ہے کہ تمام احکام کی پابندی کرو رسول کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے، آگے عمل کرنا تمہارا اپنا کام ہے۔

بر طرح کے اعمال ظاہرہ اور باطنہ کو صحیح طریقہ پر انجام دو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام ارادوں سے اور تمام اعمال باطنہ اور اعمال ظاہرہ سے باخبر ہے وہی حساب لے گا اور جزا دے گا۔

قُلْ لَا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَ الطَّیْبُ وَلَا عِجْبَکَ کَثْرَةُ الْخَبِیْثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ یَاۤوْلِی الْاَلْبَابِ

آپ فرمادیجئے کہ خبیث اور طیب برابر نہیں ہیں اگرچہ اے مخاطب! تجھے خبیث کی کثرت بھلی معلوم ہوتی ہو۔ سوائے عقل والو! اللہ سے ڈرو۔

لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُوْنَ ۝

تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔

خبیث اور طیب برابر نہیں ہیں

باب النقول صفحہ ۹۸ میں اس آیت کا سبب نزول یہ بیان کیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب کی حرمت بیان فرمائی تو ایک دیہات کارہنے والا آدمی کھڑا ہوا اور کہا کہ میں شراب کی تجارت کرتا تھا اس کے ذریعہ میں نے مال حاصل کیا اگر یہ مال اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کروں تو کیا یہ مال مجھے نفع دے گا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب ارشاد فرمایا (اِنَّ اللّٰهَ لَا یَقْبَلُ الْاِلٰطِیْبَ) (کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ مگر پاکیزہ مال کو) اس پر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق فرماتے ہوئے آیت: قُلْ لَا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَ الطَّیْبُ نازل فرمائی۔

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت سے جو مال پہلے کمایا ہوا تھا وہ تو حلال ہونا چاہیے اس کو خبیث کیوں فرمایا؟ بصورتِ صحت حدیث اس اشکال کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ چونکہ شراب کی حرمت نئی نئی نازل ہوئی تھی اس لئے کئی طور پر اس سے منافع سابقہ اور لاحقہ سب سے منع فرمایا۔ یہ تشدید اس لئے کی گئی کہ شراب کے منافع سے بالکل ہی دست بردار ہو جائیں اور دلوں میں اس سے کسی قسم کا لگاؤ نہ رہے..... آیت کا سبب نزول جو کچھ بھی ہو بہر حال اس میں ایک اصولی بات بتادی اور وہ یہ کہ خبیث اور طیب برابر نہیں۔

خبیث بری چیز کو اور طیب اچھی چیز کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے خبیث کا ترجمہ ناپاک اور طیب کا ترجمہ پاک کیا ہے۔ آیت کا مفہوم عام ہے اچھے برے اعمال اور اچھے برے اموال اور اچھے برے افراد سب کو شامل ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ خبیث سے حرام مال اور طیب سے حلال مال مراد ہے اور بعض حضرات نے خبیث سے کافر اور طیب سے مؤمن مراد لیا ہے۔ ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں الفاظ قرآنیہ کا عموم سب کو شامل ہے۔ کس مال میں بھی حلال کا دھیان رکھا جائے اور جب اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرنے لگیں تو حلال اور عمدہ مال خرچ کریں اور مؤمن کو کافر پر ترجیح دیں البتہ ظلم کسی پر نہ کریں

حرام مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا..... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی بندہ حرام مال کمائے گا پھر اس میں سے صدقہ کرے گا اور اس میں سے خرچ کرے گا تو اس میں برکت نہ ہوگی اور اپنے پیچھے چھوڑ جائے گا تو یہ اس کے لئے دوزخ میں جانے کا توشہ ہوگا۔ بے شک اللہ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا (یعنی مال خبیث کما کر اس میں سے صدقہ کر دے تو اس میں سے حرام مال پاک نہ ہو جائے گا اور حرام کمانے کا گناہ معاف نہ ہوگا) (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۳۲) وَلَوْ اَعْتَبَلْتَ كَثْرَةَ الْخَبِيثِ میں ارشاد فرمایا کہ کسی چیز کا زیادہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اچھی بھی ہو۔ دنیا میں کافر زیادہ ہیں اس کثرت کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک اچھے نہیں ہو گئے جو لوگ اسلام کے دعویدار ہیں اس میں بھی اکثر وہ ہیں جو بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہیں۔ بعض لوگ ان کی کثرت دیکھ کر گناہوں کی راہ اختیار کرتے ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ گناہ چھوڑ دو تو کہہ دیتے ہیں کہ لاکھوں آدمی گناہ کر رہے ہیں یہ بھی اللہ کے بندے ہیں، یہ جاہلانہ جواب ہے اللہ کے بندے تو ہیں مگر گناہگار بندے ہیں۔ تمہیں پرہیزگار بندوں کی راہ اختیار کرنی چاہیے گناہگار بندوں کے پیچھے کیوں چلتے ہو۔

الیکشن کی قباحت..... آیت کریمہ سے الیکشن کی قباحت بھی معلوم ہوگئی چونکہ الیکشن کی بنیاد اکثریت پر رکھی گئی ہے اس لئے الیکشن میں وہ آدمی جیت جاتا ہے جس کو ووٹ زیادہ مل جائیں بلکہ جس کے حق میں ووٹوں کی گنتی زیادہ ہو جائے وہ جیتتا ہے خواہ کسی بھی طرح ہو۔ دھاندلی بھی کی جاتی ہے ووٹ خریدے بھی جاتے ہیں فریق مخالف کے ووٹوں کے بکس بھی غائب کئے جاتے ہیں۔

قطع نظر ان سب باتوں کے اکثریت پر کامیابی کی بنیاد رکھنا مستقل وبال ہے اور غیر شرعی چیز ہے جب انسانوں میں اکثریت بے دین اور فاسقوں فاجروں کی ہے جنہیں اللہ کے دین پر نہ خود چلنا ہے نہ دوسروں کو چلنے دینا ہے ایسے لوگوں کی رائے کا شرعاً کچھ وزن نہیں دنیا میں جب سے جمہوریت کا سلسلہ چلا ہے بہت سے لوگ جنہیں علم کا گمان بھی ہے وہ بھی جمہوریت کیلئے اپنی کوشش خرچ کرتے ہیں کہ ہماری کوششوں سے فلاں ملک میں جمہوریت آگئی ہے گویا انہوں نے دین کا بہت بڑا کام کر دیا۔ یہ لوگ جمہوریت کے دینی نقصانات کو جانتے ہوئے اس کے لئے اپنی کوششیں صرف کرتے ہیں پھر جمہوریت کے اصول پر جو بھی کوئی بد سے بدتر ملحد زندیق منکر اسلام منتخب ہو جائیں اسے مبارک باد دیتے ہیں کسی حلقہ میں سو ووٹ ہوں اور کیا وہ ووٹ کسی ملحد بے دین کو مل جائیں (جو اسی جیسے بے



دینوں سے تو ملتے ہیں) اور انچاس ووٹ کسی متقی پر ہیزگار دین دار کو مل جائیں (جو دینداروں سے ملتے ہیں) تو فاسق فاجر انکیشن جیت لیتا ہے اور کامیاب سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کے کسی ملک کے چھوٹے بڑے عہدہ کے لئے کسی بھی فاسق فاجر کی رائے پر اتنا کرنا درست نہیں جو لوگ اکثریت کے فیصلہ پر ایمان لاتے ہیں (اور اکثریت کا بے دین فاسق فاجر ہونا معلوم ہے) **وَوَلَوْ اَعْجَبَاكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ** پر بار بار دھیان کریں۔ پھر فرمایا **فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا اُولٰٓئِیْ الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** (کہ اے قتل والو! اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں (صفحہ ۳۸ جلد ۷) ”ان مدار الاعتبار هو الخیرۃ والرداءۃ لا الکثرۃ والقلۃ“ (اچھائی و برائی کا مدار اچھائی و برائی ہے نہ کہ کثرت و قلت) یعنی خبیث کے بچنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگرچہ زیادہ ہو اور طیب کو ترجیح دو اگرچہ کم ہو کیونکہ اچھایا برائی ہونے کا مدار اچھائی اور برائی اختیار کرنے پر ہے قلت یا کثرت پر نہیں۔

**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ إِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسْوَكُمْ ۖ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا**

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت سوال کرو گے

**حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَلْ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ** ۝ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ

جس وقت قرآن نازل ہو رہا ہو تو وہ تمہارا ت لئے ظاہر کر دی جائیں گی اللہ نے ان کے بارے میں معافی دے دی اور اللہ بخشنے والا اور حلیم والا ہے۔ ایسی ہی باتیں تم

**مِّن قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ** ۝

سے پہلے بھی لوگ پوچھ چکے ہیں، پھر جلد ہی وہ ان کے منکر ہو گئے۔

**بے ضرورت سوالات کرنے کی ممانعت**

مفسر ابن کثیر نے صفحہ ۱۰۵ جلد ۲ بحوالہ ابن جریر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے اس وقت غصہ کی حالت میں تھے چہرہ انور سرخ ہو رہا تھا، آپ ممبر پر تشریف فرما ہو گئے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ میرا نکاح کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں ہے پھر ایک اور آدمی کھڑا ہوا اس نے کہا میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ خدا ہے۔

یہ منظر دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور (آپ کا غصہ ٹھنڈا کرنے اور آپ کو راضی کرنے کے لئے) یہ پڑھنے لگے ”رَضِينَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا وَبِالْقُرْآنِ اِمَامًا“ (ہم راضی ہیں اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ماننے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ماننے پر اور قرآن کو امام ماننے پر) اس کے بعد عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم لوگ جاہلیت اور شرک میں تھے نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ہمارے باپ کون ہیں۔ یہ سن کر آپ کا غصہ ٹھہر گیا اور یہ آیت ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ إِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسْوَكُمْ“ نازل ہوئی۔

صحیح بخاری صفحہ ۲۶۵ جلد ۲ میں ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطور تمسخر و استہزاء پوچھا کرتے تھے، کوئی کہتا

تھا میرا باپ کون ہے؟ اور کوئی کہتا تھا میری اونٹنی کہاں ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

مفسرین کثیر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ جب آیت وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ مَسْجِلًا۔ نازل ہوئی۔ تو بعض صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہر سال حج فرض ہے آپ نے خاموشی اختیار فرمائی، حاضرین نے دوبارہ سوال کیا تو فرمایا نہیں! (ہر سال فرض نہیں ہے) اور اگر میں ہاں کر دیتا تو ہر سال حج کرنا واجب ہو جاتا اور اگر ہر سال حج کرنا واجب ہو جاتا تو تم اس کی طاقت نہ رکھتے..... اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ میں مذکورہ بالا آیت ہاں لایا اَمْتُوا لِمَا نَزَّلْنَا نَزَّلْنَا۔

اسباب نزول متعدد بھی ہو سکتے ہیں اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آیت کریمہ میں مسلمانوں کی اس بات کی ہدایت فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم سے ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا کرو جن کی ضرورت نہیں ہے، اور جن کے ظاہر کرنے سے سوال کرنے والے کو ناگواری ہوگی اور جواب اچھا نہ لگے گا ایک آدمی نے پوچھ لیا کہ میرا بھکا نہ کہاں ہے آپ نے جواب دیدیا کہ دوزخ میں ہے بات معلوم کرنے کی ضرورت نہ تھی پھر جو جواب ملا وہ گوارہ نہ تھا یوں تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مسائل و احکام دریافت کیا ہی کرتے تھے اور سوال کرنے کا حکم بھی ہے جیسا کہ سورہ نحل اور سورہ انبیاء میں ارشاد ہے فَاسْأَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سو سوال کرو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے) معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا آیت میں جن چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے ممانعت فرمائی ہے وہ ایسی چیزیں ہیں جن کی ضرورت نہ ہو۔

صاحب روح المعانی صفحہ ۳۹ جلد ۷ میں لکھتے ہیں۔

والمراد بها ما لا خير لهم فيه من نحو التكليف الصعبة التي لا يطبقونها والاسرار الخفية التي قد يفتضحون بها فكما ان السؤال عن الامور الواقعة مستتبع لابتداءها كذلك السؤال عن تلك التكليف مستتبع لاجابها عليهم بطريق التشديد لاساءتهم الادب وتركهم ما هو الاولیٰ بهم من الاستسلام لامر الله تعالى من غير بحث فيه ولا تعرض عن الكيفية والكمية اه۔ (اُن آیات میں اشیاء سے وہ معاملات مراد ہیں جن کے پوچھنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے جیسا کہ وہ مشکل ذمہ داریاں جن کی وہ طاقت نہیں رکھتے اور وہ خفیہ جمیع جن کے اظہار سے وہ رسوا ہوتے ہیں پس ان چیزوں کے بارے میں سوال کرنا ان کے ظاہر کرنے کا سبب ہے اسی طرح ان ذمہ داریوں کے بارے میں سوال کرنا بے ادبی اور بغیر کسی بحث و محصص اور کیفیت و کمیت کے بارے میں قیل قال کے بغیر اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے جھکنے کو چھوڑنے کی وجہ سے ان پر تنگی کے طور پر ان احکام کے واجب ہونے کا سبب ہیں)

یعنی آیت بالا میں جن اشیاء کے بارے میں سوال کرنے کی ممانعت فرمائی ہے ان سے وہ سخت احکام مراد ہیں جن کی طاقت نہیں اور وہ پوشیدہ جمیع کی چیزیں مراد ہیں جن کے ظاہر کرنے میں بعض لوگوں کی رسوائی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جس طرح گذشتہ امور کے بارے میں سوال کرنے پر تنبیہ اس بات کو مسلمزم ہے کہ اس کو ظاہر کیا جائے اسی طرح تکلیف شاقہ یعنی سخت احکام کے بارے میں سوال کرنا اس امر کو مسلمزم ہے کہ حکماً ان احکام کو بطور سزا سواہ ادبی کی پاداش میں واجب کرو یا جائے، اور جو طریقہ اختیار کرنا چاہیے تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کو مان لینا اور کیفیت اور کمیت کی بحث میں نہ پڑنا اس کے ترک کرنے کی وجہ سے حکم میں تشدید کر دی جاتی ہے۔

پھر فرمایا وَ اِنْ تَسْأَلُوْا عَنْهَا حَتّٰی يَنْزِلَ الْفُرْقَانُ تَبَدَّلَكُمْ (یعنی نزول قرآن کے وقت سوال کرو گے تو تمہارے سوالوں کا جواب

بذریعہ وحی دیدیا جائے گا) اور سوال کا جواب ملے گا تو ضروری نہیں کہ سائل کے مرضی کے مطابق ہو۔ لہذا سوال نہ کرنا ہی صحیح ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن صفحہ ۴۸۳ جلد ۲ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ان چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے ممانعت فرمائی جن کے جاننے کی حاجت نہیں تھی مثلاً عبد اللہ بن حذافہ نے پوچھ لیا میرا باپ کون ہے؟ اس سوال کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ حسب قاعدہ شرعیہ الولد للفرش حذافہ ہی ثابت بالنسب تھے پھر اگر واقعہ حذافہ کے نطفہ کے علاوہ کسی دوسرے کے نطفہ سے پیدا ہوئے ہوتے اور آپ اس کو ظاہر فرما دیتے تو کس قدر رسوائی ہوتی۔

اسی طرح وہ جو ایک صحابی نے عرض کر لیا ”کیا ہر سال حج فرض ہے؟“ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی اگر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیتے کہ ہاں! ہر سال فرض ہے تو ساری امت کس قدر تکلیف میں مبتلا ہو جاتی۔

پھر فرمایا: ”عَفَا اللَّهُ عَنْهَا“ اس کی ایک تفسیر تو یہ کی گئی کہ اب تک جو تم نے نامناسب سوال کئے ہیں یہ سوال کرنا اللہ نے معاف کر دیا اور بعض حضرات نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ جو احکام تمہیں نہیں دیئے گئے وہ معاف ہیں یعنی جو حکم نہیں دیئے گئے ان کے بارے میں تم سوال نہ کرو۔ ہو سکتا ہے سوال کرنے سے ان کے بارے میں حکم نازل ہو جائے اور جب تک کسی چیز کے بارے میں نفی یا اثبات نا کوئی حکم نہیں ہے اس کے بارے میں تمہیں اختیار ہے اسے کرو یا نہ کرو۔ سوال کر کے اور کرید کر اپنے اوپر کوئی چیز کیوں واجب کراتے ہو؟

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں تم انہیں ضائع نہ کرو اور کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں تم ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے تم ان کا ارتکاب نہ کرو اور تم پر مہربانی فرماتے ہوئے بہت سی چیزوں سے خاموشی اختیار فرمائی اور یہ خاموشی بھولنے کی وجہ سے نہیں ہے لہذا تم ان کے بارے میں سوال نہ کرو۔ (رواہ الدارقطنی وغیرہ کما قال النووی فی اربعینہ وقال حدیث حسن)

گزشتہ قوموں نے سوالات کئے پھر منکر ہو گئے: ..... پھر فرمایا قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ۝ کہ تم سے پہلے لوگوں نے سوال کیے تھے پھر ان کے منکر ہو گئے یعنی جب ان سوالات کا جواب دیدیا گیا تو ان جوابوں سے منتفع نہ ہوئے اور جو حکم ملا اس پر عمل نہ کیا۔ یہود و نصاریٰ کی ایسی عادت تھی پوچھتے تھے پھر عمل نہیں کرتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا یہ سوال کرنا کہ آسمان سے مائدہ نازل ہو۔ یہ تو مشہور ہی ہے مائدہ نازل ہوا تو ان لوگوں سے کہا گیا تھا جو کھا سکتے ہو کھا لو۔ اس سے اٹھا کر نہ رکھنا لیکن وہ لوگ نہ مانے اور گنہگار ہوئے۔ اسی طرح قوم ثمود نے پہاڑ سے اونٹنی نکالنے کا سوال کیا پھر جب اونٹنی نکل آئی تب بھی ایمان نہ لائے اور اونٹنی کو کاٹ ڈالا۔

جو کوئی ضرورت پیش آگئی ہو اس کے بارے میں سوال کرنا درست ہے اور خواہ مخواہ بلا ضرورت سوال کرنے میں اضافت وقت بھی ہے اور لایعنی کا ارتکاب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ۔ (ترمذی) یعنی انسان کے اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ لایعنی چیز کو چھوڑ دے۔ لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ فرائض و واجبات تک نہیں جانتے نماز تک یا اونٹنی لیکن ادھر ادھر کے سوالات کرتے رہتے ہیں۔

علامہ ابوبکر جصاص کا ارشاد: ..... علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے آیت بالا سے اس پر استدلال کیا ہے کہ حوادث و فوازل کے بارے میں جواب و سوال نہ کیا جائے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے بیان نہیں فرمائے تو ہمیں ان کی حاجت نہیں لہذا جو احکام غیر منصوص ہیں ان کے بارے میں غور و فکر کرنے کی ضرورت نہیں ان لوگوں کا یہ کہنا صحیح نہیں احکام

غیر منصوصہ کے بارے میں سوال کرنا آیت کے مفہوم میں داخل نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو ہدی کے اونٹ حرم مکہ لے جانے کی ذمہ داری پیش کی تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کوئی جانور ہلاک ہونے لگے تو اس کا میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ اس کو ذبح کر دینا اور اس کے جوتے کو (جو بطور نشانی کے اس کی گردن میں پڑا ہو کہ یہ ہدی کا جانور ہے) خون سے رنگ دینا۔ حضرت ناجیہ نے ایک صورت حال کے بارے میں سوال کیا جو پیش آسکتی تھی۔ آپ کو اس سوال سے کچھ بھی ناگواری نہ ہوئی اور جواب عنایت فرمادیا۔

شیخ ابوبکر بھٹا نے اور دو تین روایتیں ایسی نقل کی ہیں جن میں آکنے والے واقعات کے بارے میں سوال پیش کرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب دینے کا ذکر ہے اس کے بعد لکھتے ہیں اس طرح کی بہت سی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امور غیر منصوصہ کے بارے میں سوال کرنا ممنوع نہیں پھر لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسجد میں جمع ہوتے اور نئے نئے مسائل کے بارے میں آپس میں مذاکرہ کرتے تھے اور حضرت تابعین کا معمول رہا اور ان کے بعد فقہاء نے اپنا معمول بنایا اور آج تک ایسا ہو رہا ہے اس کے بعد شیخ ابوبکر بھٹا لکھتے ہیں کہ امور غیر منصوصہ کے بارے میں غور و فکر پر تکبر کرنے والے وہی لوگ ہیں جو جاہل ہیں۔ جنہوں نے حدیث کو ایسے معانی پر محمول کیا جن کا انہیں علم نہیں تھا لہذا ان کے بارے میں بولنے سے اور ان کا فقہ مستنبط کرنے سے عاجز رہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”رب حامل فقہ غیر فقہیہ ورب حامل فقہ المی من ہوا فقہ منہ“ (بہت سے حامل فقہ ایسے ہیں جو خود فقہ نہیں اور بہت سے حامل فقہ ایسے ہیں جو اپنے سے زیادہ فقہ تک پہنچا دیتے ہیں)

علامہ بھٹا اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ جماعت جو احکام غیر منصوصہ میں غور و فکر کرنے کا انکار کرتی ہے یہ لوگ اس آیت کا مصداق ہیں **مَثَلُ الَّذِينَ خُمِلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْيَمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا**۔

**مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ، وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا**

اللہ نے مقرر نہیں فرمایا نہ کوئی بحیرہ اور نہ کوئی سائبہ اور نہ کوئی وصیلہ اور نہ کوئی حام، لیکن جن لوگوں نے کفر

**يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ، وَكَثُرُوا لَا يَعْقِلُونَ** ﴿۲۰﴾

اختیار کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں اکثر وہ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔

مشرکین عرب کی تردید جنہوں نے بعض جانوروں کو حرام قرار دے رکھا تھا

اور ان کے نام تجویز کر رکھے تھے اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے

دنیا میں جو گمراہیاں پھیلیں ان میں سب سے بڑی گمراہی شرک ہے اور شرک کی بہت سی انواع و اقسام ہیں جن میں سے بعض اقسام ایسے ہیں کہ ان میں جانوروں کو ذریعہ شرک بنایا گیا۔ جیسا کہ سورہ نساء (۲۰ع) میں گزرا ہے کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ کہا تھا۔

**لَا تَجِدُنَ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ۝ وَلَا ضِلَالَهُمْ وَلَا ضَلَّتْهُمْ وَلَا مَرْنَهُمْ فَلْيَبْكَكُنْ أَذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَا مَرْنَهُمْ فَلْيَغْيِرَنَّ خَلْقَ اللَّهِ**

(میں تیرے بندوں میں سے اپنا مقرر حصہ لوں گا اور میں ان کو گمراہ کروں گا اور میں ان کو آرزوؤں میں پھنساؤں گا اور میں ان کو حکم کروں گا جس کی وجہ سے وہ چار پایوں کے کانوں کو کاٹیں گے اور میں ان کو حکم کروں گا جس کی وجہ سے اللہ کی بنائی ہوئی صورت بگاڑیں گے) شیطان نے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور بہت سے لوگوں کو اپنی طرف لگا لیا شرک و کفر میں ڈال دیا اور مشرکوں نے بتوں کے نام پر جانوروں کے کان بھی کاٹے اور کئی طریقوں سے جانور کو شرک کا ذریعہ بنایا جس طرح بتوں کے نام تجویز کر لیتے تھے۔ اسی طرح جانوروں کے نام بھی مقرر کر لیتے تھے۔

آیت بالا میں اس طرح کے چار ناموں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اول بحیرہ، دوم سائبہ، سوم و صیلہ، چہارم حام۔ صاحب روح المعانی نے صفحہ ۴۲ جلد ۷ میں بحیرہ کی کئی تفسیریں لکھی ہیں ان میں سے ایک قول زجاج کا نقل کیا ہے اور یہ کہ اہل جالبیت یہ کرتے تھے کہ جب کسی اونٹنی سے پانچ مرتبہ بچے پیدا ہو جاتے اور پانچویں مرتبہ مذکر ہوتا تو اس کے کان کو چیر دیتے اور پھر اسے نذبح کرتے تھے اور نہ اس پر سواری کرتے اور پھر اسے نہ پانی سے روکا جاتا اور نہ کسی جگہ چرنے سے منع کیا جاتا تھا اور حضرت قتادہ تابعی سے یوں نقل کیا ہے کہ جب کسی اونٹنی کے پانچ بچے ہو جاتے تو پانچویں بچے کو دیکھتے اگر نر ہوتا تو نذبح کر کے کھا جاتے اور مادہ ہوتا تو کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے وہ چرنا پھرتا تھا اور اس سے سواری وغیرہ کا کام کوئی نہیں لیتے تھے اور بعض اقوال نقل کئے ہیں۔ سائبہ:..... کے بارے میں بھی مختلف اقوال لکھے ہیں۔ محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ سائبہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس کے دس بچے پیدا ہو جاتے اسے چھوڑ دیتے تھے نہ اس پر سواری کرتے تھے اور نہ اس کے بال کاٹتے تھے اور نہ اس کا دودھ دہتے تھے۔ ہاں اگر کوئی مہمان اس کا دودھ لیتا تو اس کی اجازت تھی اور ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ ”سائبہ“ وہ جانور تھا جسے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور بت خانوں میں جو بچاری رہتے تھے، ان کے حوالے کر دیتے تھے اور اس کا گوشت صرف مسافر اور انہی کی طرح لوگ کھاتے تھے۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

وصیلہ:..... و صیلہ کے بارے میں بھی کئی قول نقل کئے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ”وصیلہ“ اس بکری کو کہتے تھے جس کے سات مرتبہ بچے پیدا ہو جائیں۔ ساتویں نمبر پر اگر بچی پیدا ہو جائے تو اس سے عورتیں ذرا بھی منتفع نہیں ہو سکتی تھیں۔ ہاں اگر وہ مر جاتی تو مرد اور عورت سب اسے کھا سکتے تھے اور اگر ساتویں مرتبہ کے حمل سے ایک بچہ اور ایک بچی (نر مادہ) پیدا ہو گئے تو کہتے تھے کہ ”وصلت اخاھا“ (کہ اپنے بھائی کے ساتھ جوڑواں پیدا ہوئی ہے) پھر ان دونوں کو چھوڑ دیتے تھے اور اس سے صرف مرد منتفع ہوتے تھے۔ عورتیں منتفع نہیں ہوتی تھیں۔ اگر یہ مادہ مر جاتی تو عورتیں مرد سب منتفع ہوتے تھے۔

اور محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ ”وصیلہ“ وہ بکری تھی جس کے پانچ بطن سے متواتر دس مادہ پیدا ہو جائیں۔ پھر جب نر مادہ دونوں ایک ہی حمل سے پیدا ہو جاتے تو کہتے تھے کہ یہ اپنے بھائی کے ساتھ جوڑواں پیدا ہوئی۔ لہذا اسے نذبح نہیں کرتے تھے۔ حام:..... کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے۔ حمی حمی سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی بچانے اور محفوظ رکھنے کا ہے۔

فراء کا قول ہے کہ جس سانڈ کے بیٹے کا بیٹا اونٹنی کو حاملہ کر دیتا تھا اس اونٹنی کو حامی کہتے تھے اس پر سواری نہیں کی جاتی تھی آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا اور کہتے تھے کہ اس نے اپنی کمر کی حفاظت کر لی اسے کسی جگہ پانی سے یا چراگاہ سے ہٹایا نہیں جاتا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ جس سانڈ کی پشت سے دس مرتبہ حاملہ ہو کر اونٹنی بچے جن لیتی تھی اسے حامی کہتے تھے اور کہتے تھے کہ اس نے اپنی کمر کی حفاظت کر لی اب اس پر

نہ ابو جہل اور اجائے گا اور نہ کسی پانی اور گھاس کی جگہ سے ہنایا جائے گا۔

یہ سب تحریم اہل جاہلیت کی اپنی خود تراشیدہ تھی اور اس کے احکام و مسائل سب ان لوگوں نے خود تراش رکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے دین اور شریعت سے ان باتوں کا کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ لیکن وہ یوں کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہم یوں کرتے ہیں اور شرک بھی کرتے تھے اور پھر اللہ کی طرف ان کی نسبت بھی کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ ”اللہ نے ان جانوروں کے بارے میں یہ احکام نازل نہیں فرمائے بلکہ ان لوگوں نے خود تجویز کئے اور اللہ پاک پر تہمت رکھ دی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے۔“

وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَقْتُرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ (لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں) تحلیل تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کسی مخلوق کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے طریقہ سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیدے۔ اول تو جانوروں کو خود حرام قرار دیدینا بہت بڑا گناہ ہے پھر اس تحریم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا جبکہ اس نے ان کے حرام ہونے کی کوئی تصریح نہیں فرمائی یہ گناہ درگناہ ہے۔ شیطان کا یہ طریقہ رہا ہے کہ لوگوں سے شرک کرواتا ہے اور پھر اپنے ماننے والوں کو یہ سمجھاتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا طریقہ ہے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ مجھے اس مقام میں وہ سب چیزیں دکھائی گئیں جن کی تم کو خبر دی گئی ہے میں نے یہاں جنت کو دیکھا اور دوزخ کو بھی دیکھا اور میں نے دوزخ میں عمرو بن لُحی کو دیکھا اور یہ وہ شخص تھا جس نے ”سانبہ“ جانوروں کا طریقہ جاری کیا۔ (صحیح مسلم صفحہ ۲۹۶ جلد ۱)

عمرو بن لُحی نے سواہب کا سلسلہ جاری کر دیا تھا اور عرب کے لوگ اسی کی راہ اختیار کئے ہوئے تھے اور اس طریقہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے۔ آیت کریمہ میں اس کی تردید فرمائی ہے اور یہ بھی فرمایا وَ أَخْفَضْنَاهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ کہ ان میں سے اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور رسول کی طرف، تو کہتے ہیں کہ ہمیں وہ کافی ہے جس پر ہم

عَلَيْهِ أَبَاءُنَا أَوْ لَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۲﴾

نے اپنے باپ دادوں کو پایا کیا باپ دادوں کے پیچھے چلیں گے اگر چہ ان کے باپ دادے کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں۔

اہل جاہلیت کہتے تھے کہ ہم نے جس دین پر اپنے باپ دادوں کو پایا وہ ہمیں کافی ہے

اہل جاہلیت نے جو شرک اور کفر کے کام اختیار کر رکھے تھے اور جو تحلیل و تحریم کے احکام جاری کر رکھے تھے ان کے بارے میں ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سند نہ تھی۔ جب ان سے پوچھا جاتا تھا کہ یہ کام تم کیوں کرتے ہو تو یوں کہہ دیتے تھے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی پر پایا ہے اور ہمیں اور کسی ہدایت کی ضرورت نہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کے سامنے پیش کی جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ انہیں دعوت حق دیتا تھا تو وہ اس کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے تھے اور یہ جاہلانہ جواب دیتے تھے کہ ہمیں باپ دادوں کا اقتداء کافی ہے اللہ جل شانہ نے ان کی جاہلیت کا جواب دیتے

ہوئے ارشاد فرمایا اُولَٰئِكَ اَنَابُوا لَہٗمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَلَا یَقْنَدُوْنَ ۝ (کیا اپنے باپ دادوں کے طریقہ پر رہیں گے اگرچہ باپ دادے کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور راہ ہدایت پر نہ ہوں) معلوم ہوا کہ جو باپ دادے ہدایت پر ہوں ان کے راستہ پر چلنا درست ہے۔

اسی کوسورۃ انعام میں فرمایا اُولَٰئِكَ اَلَّذِیْنَ هَدٰی اللّٰہُ فِیْہِذِہُمْ اَقْبَدُ۔ جاہل و کافر اور شرک آباد و اجداد و اسلاف کا اقتدار درست نہیں وہ خود بھی براہ ہیں اور جو ان کا اتباع اور اقتدار کرے گا وہ بھی برا ہوگا۔

اللہ جل شانہ کے نزدیک حق کا معیار "مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ" (یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب) اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم ہے۔ جو لوگ ان دونوں کا اتباع کرتے ہیں وہ لوگ قابل اتباع ہیں اور جو لوگ کتاب اللہ اور طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف چلتے ہیں ان کے اتباع میں سراپا پر باوی اور ہلاکت ہے مدعیان اسلام میں بہت سی بدعتیں اور شرکیہ رسمیں جاری ہیں اور جو لوگ ان میں نکلے ہوئے ہیں ان کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹنے کی دعوت دی جاتی ہے تو آباد و اجداد کے اتباع کا سہارا لیتے ہیں اور مزید گمراہی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ بدعتوں اور شرکیہ رسموں کا ایسا چسکا لگا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف آنے کو تیار ہی نہیں ہوتے۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسُكُمْ ۚ لَا یَضُرُّكُمْ مِّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْۚ اِلٰی اللّٰہِ

اے ایمان والو! اپنی جانوں کی فکر کرو، جو شخص گمراہ ہوگا وہ تمہیں ضرر نہ دے گا جب کہ تم ہدایت پر ہو گے، بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جاتا ہے پھر وہ تم کو ان

مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَاِیْنِیْتُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

سب کاموں سے باخبر کر دے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

### اپنے نفسوں کی اصلاح کرو

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ اپنی جانوں کی فکر کریں اعمال صالحہ میں گدھر ہیں اور گناہ سے بچتے رہیں۔ اگر خود ہدایت پر ہوں گے تو دوسرا کوئی شخص جو گمراہ ہوگا وہ ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

الفاظ کے عموم سے یہ ایہام ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری نہیں، لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وہم کو دور فرمادیا اور فرمایا کہ تم لوگ یہ آیت يَاۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسُكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مِّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ پڑھتے ہو (اور اس کا مطلب غلط لیتے ہو کہ نبی عن المنکر ضروری نہیں تمہارا یہ سمجھنا صحیح نہیں) کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگ جب منکر کو دیکھیں اور اس کی تغیر نہ کریں (یعنی اسے دور نہ کریں) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر عام عذاب بھیج دے گا۔ (تفسیر ابن کثیر ۱۰۹ جلد ۲ از مسند احمد)

مفسر ابن کثیر نے بحوالہ عبدالرزاق نقل کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے آیت شریفہ "عَلٰیكُمْ اَنْفُسُكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مِّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ" کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ یہ وہ زمانہ نہیں ہے (جس میں اپنی ذات کو لیکر بیٹھ جاؤ اور نبی عن المنکر نہ کرو) آج تو بات مانی جاتی ہے۔ (یعنی تبلیغ کا اثر لیا جاتا ہے) ہاں عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ تم امر بالمعروف کرو گے تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے گا۔ یا یوں فرمایا کہ اس وقت تمہاری بات قبول نہ کی جائے گی۔ اس وقت آیت پر عمل کرنے کا موقع ہوگا۔

سنن ترمذی میں ابوامیہ شعبانی کا بیان نقل کیا ہے کہ میں حضرت ابو ثعلبہ خثنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور میں نے کہا اس آیت کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس آیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تھا آپ نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ یہاں تک جب تم دیکھو کہ کجی کا اتباع کیا جاتا ہے اور خواہشات کا اتباع کیا جاتا ہے اور ہر رائے والا اپنی ہی رائے کو پسند کرتا ہے تو اس وقت اپنی جان کی حفاظت کر لینا اور عوام کو چھوڑ دینا کیونکہ تمہارے پیچھے ایسے دن آنے والے ہیں کہ ان میں دین پر تنے والا ایسا ہوگا جیسے اس نے ہاتھ میں آگ کے انگارے پکڑ لئے ہوں۔ ان دنوں میں قتل کرنے والے ایسے پچاس آدمیوں کا ثواب ملے گا جو تمہارا جیسا قتل کرے۔ (قال الترمذی لهذا حدیث حسن)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ آیت میں یہ نہیں بتایا کہ ہر شخص ابھی سے اپنی جان کو لیکر بیٹھ جائے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام نہ کرے۔ اپنی جان کو صلاح و اصلاح کے ساتھ لیکر بیٹھنے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر چھوڑ دینے کا وقت اس وقت آئے گا جب کوئی کسی کی نہ سنے گا اور جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام انجام دے گا اس کو لوگوں کی طرف سے ایسی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ جیسے کوئی شخص ہاتھ میں چنگاری لے لے۔ البتہ اپنے اعمال ذاتیہ اور اپنی اصلاح کی خبر رکھنا ہمیشہ اور ہر حال میں ضروری ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةٌ بَيْنَكُمْ إِذَا أَحْضَرَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنِ ذَوَا عَدْلٍ

اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے جب کہ وصیت کا وقت ہو تو دو دھبی ہوں جو دیندار ہوں

مِّنْكُمْ أَوْ آخَرِينَ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةُ الْمَوْتِ

تم میں سے ہوں یا تمہارے علاوہ دوسری قوم سے ہوں اگر تم سفر میں گئے ہوئے ہو پھر تم کو موت کی مصیبت پہنچ جائے

تُحْسِنُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمِينَ بِاللَّهِ إِنْ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ

اگر تم میں شک ہو تو ان دونوں کو نماز کے بعد روک کر پھر وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اپنی قسم کے عوض کوئی قیمت نہیں لینے اگرچہ قربت دار ہو

وَلَا تَكُنْ مِنْ شَهِادَةِ اللَّهِ إِنَّا إِذَا لَمِنَ الظَّالِمِينَ فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَآخَرِينَ

اور ہم اللہ کی گواہی کو نہیں چھپاتے یا شہدایا کرنے کی صورت میں ہم گنہگاروں میں شامل ہو جائیں گے۔ پھر اگر اس کی اطلاع ملے کہ وہ دونوں گناہ کے مرتکب ہو گئے

يَقُومُونَ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأُولَٰئِ فَيُقْسِمُونَ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ

تو انکی جگہ ایسے آدمی کھڑے ہوں جو ان لوگوں میں سے ہوں جنکے بارے میں پہلے وہ شخصوں نے گناہ کا ارتکاب کیا یہ بعد والے وہ شخص وہاں جو قریب تر ہوں وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم کھائیں کہ واقعی

مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا إِنَّا إِذَا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ذَلِكِ ادْنَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ

ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی کے مقابلہ میں زیادہ درست ہے اور ہم نے تجاویز نہیں کیا اگر ہم ایسا کریں تو بیشک ہم ظلم کرنے والوں میں شمار ہوں گے۔ یہ قریب تر ہے کہ وہ گواہی کو صحیح طریقے پر ادا کریں

عَلَىٰ وَجْهِهَا أَوْ يَخَافُوا أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ آيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا ۗ وَاللَّهُ لَا

یا اس بات سے ڈر جائیں کہ ان کی قسموں کے بعد ان پر پھر قسمیں لوٹا دی جائیں گی، اور اللہ سے ڈرو اور سنو، اور اللہ تعالیٰ



## يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ

فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

## حالت سفر میں اپنے مال کے بارے میں وصیت کرنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص جو قبیلہ بنی سہم میں سے تھا۔ تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ سفر میں نکلا جو شخص بنی سہم میں سے تھا اس کو موت نے آگھیرا اس وقت وہاں کوئی مسلمان نہیں تھا لہذا اس نے اپنے دونوں ساتھیوں یعنی تمیم داری اور عدی بن بداء کو اپنے مال کی حفاظت اور ورثا تک پہنچانے کے لئے وصی بنا دیا (اس وقت یہ دونوں ساتھی نصرانی تھے) اس نے اپنے مال کی فہرست بنا کر سامان میں رکھ دی اور اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ میرا یہ مال میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ ان دونوں نے مال تو پہنچا دیا لیکن میت کے وارثوں نے جب فہرست سے سامان کا میلان کیا تو اس میں ایک چاندی کا جام غائب پایا اس جام پر سونے کا کام بھی تھا، انہوں نے اس جام کا تقاضہ کیا اور معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے تمیم اور عدی کو قسم دلائی ان دونوں نے قسم کھائی کہ اس جام کا نہ ہمیں پتا ہے اور نہ ہم نے چھپایا ہے اس کے بعد وہ جام مکہ معظمہ میں کسی تاجر کے پاس مل گیا، تاجر سے پوچھا گیا کہ یہ جام تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ تاجر نے بتایا کہ ہم نے تمیم اور عدی سے خریدا ہے اس کے بعد قبیلہ بنی سہم والے آدمی کے دو اولیاء کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ اللہ کی قسم ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی کی بہ نسبت درست ہے اور یہ جام ہمارے آدمی کا ہے۔ آیت بالا ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ المائدہ)

بعض روایات میں یوں ہے کہ تمیم داری نے خود بیان کیا کہ وہ جام ہم دونوں نے ایک ہزار درہم میں بیچ دیا تھا۔ پھر ہم دونوں (تمیم اور عدی) نے رقم تقسیم کر لی۔ جب میں نے اسلام قبول کر لیا تو مجھے گناہ گاری کا احساس ہوا لہذا میں مرنے والے کے گھر والوں کے پاس گیا اور پوری صورتحال بیان کر دی اور پانچ سو درہم ان کو ادا کر دیئے اور یہ بھی بتا دیا کہ پانچ سو درہم میرے ساتھی (عدی) کے پاس ہیں۔ وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس شخص کو بھی ساتھ لائے جو تمیم داری کے ساتھ تھا (یعنی عدی بن بداء) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرنے والے کے ورثاء سے گواہ طلب کئے ان کے پاس گواہ نہ تھے لہذا آپ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ اس شخص سے قسم لے لو۔ اس سے قسم لی گئی تو قسم کھا گیا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (درمنثور صفحہ ۳۳۱ جلد ۲)

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ جب کوئی سفر میں ہو اور اس کو موت کے آثار دکھائی دینے لگیں تو وہ دو آدمیوں کو وصی بنا دے یہ دونوں مسلمان دیانت دار ہونے چاہئیں۔ اگر مسلمان نہ ملیں تو دوسری قوم میں سے دو آدمیوں کو وصی بنا دے اور یہ دونوں جب واپسی آئیں تو مرنے والے کے وارثوں کو اس کا مال پہنچا دیں۔ اگر میت کے وارثوں کو شک ہو کہ ان دونوں نے کچھ مال چھپا لیا ہے تو ان دونوں کو نماز کے بعد روک لیں تاکہ وہ قسم کھالیں۔ قسم دلائی جائے کہ ہمارے پاس اور کوئی مال نہیں ہے۔ نماز کے بعد روک کر قسم کھانا تغلیظ یمین (یعنی قسم میں مضبوطی اور تاکید) کے لئے ہے نماز کے بعد روکنا کوئی واجب نہیں۔

یہ لوگ اپنی قسم میں کہیں کہ ہمیں اپنی قسم کے ذریعے کوئی دنیاوی نفع مطلوب نہیں اگر ہماری قسم سے کسی قریبی رشتہ داروں کو دنیاوی نفع پہنچ سکتا ہو تب بھی جھوٹی قسم نہیں کھائیں گے اگر ہم نے جھوٹی قسم کھائی تو ہم گناہ گاروں میں سے ہوں گے پھر اگر بعد میں یہ پتہ چل جائے کہ مرنے والے کا مال اور بھی تھا جو وارثوں تک نہیں پہنچا تو وارثوں میں سے دو شخص اس بات پر قسم کھائیں کہ ہمارا مال ابھی باقی ہے وہ

مال ہمیں ملنا چاہیے یہ بیان دیں کہ ہماری گواہی ان دونوں کی بہ نسبت صحیح ہے۔ ہم نے اپنے بیان میں کوئی زیادتی نہیں کی اگر ہم زیادتی کریں گے اور حد سے آگے نکلیں گے تو ظالموں میں سے ہو جائیں گے یہ دشمن مرنے والے کے اولیاء میں ہوں میت سے رشتہ کے اعتبار سے قریب تر ہوں۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا بِأَنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝

جس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع فرمائے گا چہر ان سے سوال فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا وہ عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں ہے۔ اشیاء پر غیوں کو کذب چلنے والے ہیں۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ إِذْ ثَبَّتْكَ بِرُوحِ

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ بن مریم! یاد کر میری نعمت جو تجھ پر ہے اور تیری والدہ پر، جب کہ میں نے روح القدس کے

الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۖ وَإِذْ عَلَّمْنَاكِ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ

فریضہ تیری ہمد کی تو بات کرتا تھا گیارہ میں اور بڑی عمر میں اور جبکہ میں نے تجھے تعلیم دی کتاب کی اور حکمت کی اور تورات کی

وَالْإِنْجِيلَ ۖ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي

اور انجیل کی، اور جب کہ تو بناتا تھا مٹی سے پرندہ جیسی صورت میرے حکم سے پھر تو اس میں پھونک مار دیتا تھا تو وہ صورت پرندہ بن جاتی تھی میرے حکم سے

وَتُؤْتِي الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَءِيلَ

سے اور تو اچھا کرتا تھا ماورز او اندھے کو اور برص والے کو میرے حکم سے اور جب کہ تو نکالتا تھا مردوں کو میرے حکم سے، اور جبکہ میں نے بنی اسرائیل کو تجھ

عَنْكَ إِذْ جَنَّتْهُمْ بِالْبَيْتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝

سے روکے رکھا جبکہ تو ان کے پاس دلیلیں لے کر آیا ان لوگوں نے کہا جو کافر تھے کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا ہوا جادو۔

### قیامت کے دن رسولوں سے اللہ جل شانہ کا سوال

ان دو آیات میں سے پہلی آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ جل شانہ قیامت کے دن اپنے رسولوں سے سوال فرمائے گا۔ (جنہیں مختلف امتوں کی طرف دنیا میں مبعوث فرمایا تھا) کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا۔ وہ حضرات جواب میں عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں ہے شک آپ خوب غیوں کے جاننے والے ہیں بظاہر اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امت کے خلاف گواہی دیں گے۔ لہذا ان کا یہ جواب دینا کہ ہمیں کچھ خبر نہیں کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے اس کے کئی جواب ہیں جن کو مفسرین کرام نے اکابر سلف سے نقل کیا ہے۔

ایک جواب یہ ہے کہ یہ سوال و جواب قیامت کے دن بالکل ابتداء میں ہوگا اس دن کی بھولنا کی وجہ سے وہ یوں کہہ دیں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں صاحب روح المعانی نے صفحہ ۵۵ جلد ۱ میں یہ جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے پھر اس پر ایک اشکال کیا اور اس کا جواب بھی نقل کیا ہے بظاہر یہ جواب ہی صحیح معلوم ہوتا ہے اور بعض نے فرمایا ہے کہ لَا عِلْمَ لَنَا سے علم حقیقی اور واقعی مراد ہے اور

مطلب یہ ہے کہ ہمیں جو کچھ تم تھوہ ظاہری تھا اور وہ درجہ گمان میں تھا ہم اسے حقیقی علم نہیں سمجھتے باطن میں کسی کا کیا عقیدہ تھا اور اب کیا نیت تھی اس کا ہمیں کچھ علم نہیں حقائق کا آپ ہی کو علم ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا خطاب اور نعمتوں کی یاد دہانی اور ان کے معجزات کا تذکرہ اس کے بعد سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خطاب فرمانے کا ذکر ہے۔ کہ اللہ جل شانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمانے کا کہ تم اور تمہاری والدہ کو جو میں نے نعمتیں دی انہیں یاد کرو۔ جو نعمتیں قرآن مجید میں موجود ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ ان کی والدہ پر یہ انعام فرمایا کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں تھیں تو غیب سے ان کے پاس پھل آتے تھے۔ ۲۔ ان کو پاک دامن رکھا۔ ۳۔ ان کو بغیر باپ کے فرزند عطا فرمایا۔ ۴۔ اس فرزند نے گہوارہ میں ہوتے ہوئے بات کی۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اول تو یہ نعمت فرمائی کہ انہیں حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا فرمایا۔ جو اللہ کی بزرگوار بندگی تھیں اور بنی اسرائیل سے آپ کی حفاظت فرمائی۔ پھر آپ کو گود کی حالت میں بولنے کی قوت عطا فرمائی نیز نبوت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کو توریت و انجیل کا بھی علم عطا فرمایا بنی اسرائیل آپ کے دشمن تھے اس لئے حضرت روح القدس یعنی جبریل علیہ السلام کے ذریعہ آپ کی حفاظت فرمائی اور آپ کو کھلے کھلے معجزات عطا فرمائے جن میں سے ایک یہ تھا کہ آپ مٹی کے گارہ سے پرندہ کی شکل کی ایک چیز بنا لیتے تھے پھر آپ اس میں پھونک مار دیتے تو وہ مٹی کی بنائی ہوئی تصویریں مچ کا پرندہ ہو کر اڑ جاتی تھیں۔

اور ایک معجزہ یہ تھا کہ جو امراض اور اندھے ہوتے تھے یا جو برص کے مریض ہوتے تھے ان پر اپنا ہاتھ پھیر دیتے تھے تو اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ برص و مرض کا اثر چلا جاتا تھا اور ایک معجزہ یہ تھا کہ قبروں پر جا کر مردہ کو آواز دیتے تو مردے زندہ ہو کر نکل آتے تھے اور نابینا بینا ہو جاتا تھا اور ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ لوگ جو گھروں میں کھاتے پیتے تھے یا ذخیرہ کر دیتے تھے آپ اس سے بھی باخبر کر دیتے تھے آپ بنی اسرائیل کو نیکی کی دعوت دیتے اور مذکورہ بالا معجزات آپ سے ظاہر ہوتے تھے۔ باوجود ان معجزات کے بنی اسرائیل آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ کو تکلیف دینے کے درپے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے قتل کا منصوبہ بھی بنالیا۔ اللہ جل شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت فرمائی اور بنی اسرائیل کو تکلیف پہنچانے سے باز رکھا۔ جیسے دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتوں کی عادت تھی کہ وہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کو دیکھ کر جادو کہہ دیا کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امتی بھی پیش آئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کھلے معجزات کو صریح اور کھلا جادو بتا دیا بنی اسرائیل نے معجزات کو نہ مانا اور آپ کی تکذیب کی اور چند افراد نے آپ کے دین کو قبول کیا جن کو حواری کہا جاتا تھا (حواریوں کا ذکر اور ان کا ناماندہ کا سوال ابھی عنقریب انشاء اللہ آتا ہے) جنہیں نہ ماننا تھا انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور کچھ اتنے آگے بڑھے کہ آپ کو اللہ کا بیٹا بتا دیا اور معبود بنالیا حالانکہ آپ نے خوب واضح طور پر فرمایا تھا اِنِّی اللّٰہُ رَبِّیْ وَوَبَّحْتُکُمْ فَاغْبِیْذُوْہُ (کہ بلاشبہ میرا رب اور تمہارا رب اللہ ہے) جگہ جگہ قرآن مجید میں نصاریٰ کی تردید فرمائی ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے اور لائق فکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ جل شانہ نے "بِسْمِ اللّٰہِ" فرمایا ہے اس سے یہ بتا دیا کہ مٹی سے پرندہ کی شکل بنانا اور پھر پھونک مارنے سے اس کا اصلی پرندہ بن کر اڑ جانا اور نابینا اور برص والے کا اچھا ہو جانا اور قبروں سے مردوں کا نکلتا یہ سب اللہ کے حکم سے ہے۔

کوئی شخص ظاہر ہو کیے کہ مخلوق کے بارے میں یہ عقیدہ بنا لے کہ یہ پرندہ کا بنانا 'اُر اُنّا' یا مینا کا اچھا بنانا 'مردہ' کا زندہ ہونا بندہ کا حقیقی قہر ہے۔ خالق اور قادر اور زور ور اور شافی اور مہمّی (زندہ کرنے والا) درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس نے اپنے نبیوں کی نبوت کی دلیل کے طور پر خلاف عادت جو چیزیں ظاہر فرمائیں حقیقت میں ان کے وجود کا انتساب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے اگر وہ نہ چاہتا تو کسی نبی سے کوئی بھی معجزہ ظاہر نہ ہوتا۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْخَوَارِجِ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ إِذْ قَالَ

اور جب میں نے وہی سے ذرا بچہ ہوا، تین دن تک وہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لایا، انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ گواہ ہوا جو میں کہنا شروع کیا، ہم فرما کر کہ میں اور جب

الْحَوَارِيُّونَ يُعِيسِي ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا

حارثوں نے کہا کہ اے یحییٰ بن مریم! کیا آپ کا رب یہ کر سکتا ہے کہ ہمارے اوپر آسمان سے نوان نازل فرمادے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ

اللَّهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٠﴾ قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَّقْتَنَا وَ

اللہ تعالیٰ سے دُور اگر تم مومن ہو۔ کہنے لگے کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم اس بات کو جان لیں کہ آپ نے ہم

نَكُونُ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ

۱۔ چکرا کے قریب میں ایک گڑھ جوڑا گھس بیٹھی ان پر حملہ کرنے والوں نے فوجی اہلکاروں کے ہاتھوں میں آگ لگا دی۔ جوڑے کے ہاتھوں میں آگ لگنے کے بعد انہوں نے فوجی اہلکاروں کے ہاتھوں میں آگ لگا دی۔

تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ ۚ وَارْمُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١٠٠﴾ قَالَ اللَّهُ إِنِّي

دنوں کے لئے اور بعد میں آنے والوں کیلئے عید ہو جائے اور آپ کی طرف سے ایک نئی شادی ہو جائے اور آپ ہمیں عطا فرمائے آپ بہترین عطا فرمائے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں

مُنْزِلَهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدَ مَنكُم فَأَنَّى أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿٥٥﴾

۷۔ شک تم پر جو ان نازل کرنے والا ہوں سو تم سے جو شخص اس کے بعد ناشکری کرے گا تو بے شک میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ ایسا عذاب جانوں میں سے کسی کو بھیجی نہ دوں گا۔

حواریوں کا سوال کرنا کہ مانندہ نازل ہو

یہ پانچ آیات ہیں ان میں سے ایک آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو یہ حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اس کے رسول پر۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ ہمارے فرمانبردار ہونے کے گواہ ہو جائیں لفظ ”اَوْحَيْتُ“ سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ وحی تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر آتی تھی پھر حواریوں پر کیسے وحی آئی جو نبی نہ تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ وحی کا اصل معنی ہے دل میں ڈال دینا جیسا کہ شہد کی مکھی کے لئے بھی لفظ ”اَوْحٰی“، بار و برسا ہے اَوْحِیْتُ کا معنی

اگر یہ لیا جائے کہ بنی اسرائیل کے دلوں میں اللہ نے یہ بات ڈالی کہ ایمان قبول کر لیں تو یہ درست سے اس بات میں کوئی

استعاذیں اور ”اَوْحَيْتُ“ کے اگر یہ معنی لئے جائیں کہ اللہ نے اپنے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ پیغام بھیجا تو یہ بھی صحیح ہے۔

اس کے بعد جا آتات میں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حواریوں کا ”مامدہ“ یعنی خوان اترنے کا سوال کرنا پھر حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کا ان کو جواب دینا اور پھر اللہ جل شانہ سے ماندہ کا سوال کرنا مذکور ہے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جو مجبورے دکھاتے تھے (جن کا ذکر عنقریب ہی گزر رہا ہے) وہ مجھڑے ایک سمجھدار آدمی کے لئے کافی تھے لیکن حواریوں نے مزید سوال کئے اور سوال بھی عجیب کیا اور وہ یہ کہ آسمان سے خوان نازل ہو جائے جس میں پکا پکایا کھانا ہو طرز سوال بھی مناسب نہ تھا۔ انہوں نے یوں نہیں کہا کہ آپ اللہ سے عرض کریں کہ ماندہ نازل فرمادے بلکہ یوں کہا کہ کیا تمہارا رب یوں کر سکتا ہے کہ آسمان سے خوان نازل فرمادے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کا سوال اور طرز سوال ناگوار ہوا اور فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو ”هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ“ کہنے سے ان کا مقصد اللہ کی قدرت میں شک کرنا نہیں تھا۔ بلکہ مطلب یہ تھا کہ آپ اگر سوال کریں تو آپ کا یہ سوال پورا فرمادے گا یا نہیں لیکن ان کے الفاظ نا مناسب تھے اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مواخذہ میں شدت نہیں فرمائی۔ بلکہ ”اَتَقُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ“ فرما کر ناگواری کی طرف اشارہ فرمادیا اور اس میں یہ بھی بتادیا کہ اپنی طرف سے معجزات کی فرمائش کرنا مؤمنین کا کام نہیں بعض سابقہ امتوں نے ایسی فرمائشیں کیں پھر ان کی فرمائشوں کے مطابق معجزہ ظاہر ہوا تب بھی ایمان نہ لائے تو تم خود نے سوال کیا کہ پہاڑ سے اونٹنی نکل آئے اونٹنی پہاڑ سے نمودار ہو گئی تب بھی اسلام قبول نہ کیا بالآخر عذاب میں گرفتار ہوئے اور برباد ہوئے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو تو وہ کہنے لگے کہ ہمارا تو یہ مقصد ہے کہ اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور عین الیقین کے طریقہ پر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے جو کچھ ہم سے فرمایا وہ سب سچ ہے اور یہ اطمینان قلبی ہونے کا ارادہ ایسا ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ”رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُخْرِى الْمَوْتٰى“ کی دعا کر کے ”لَيُطْمَنِّنَ قَلْبِيْ“ کہا تھا۔

حواریین نے یہ بھی کہا کہ اس ماندہ کے نازل ہونے کا یہ بھی فائدہ ہوگا جن لوگوں نے اس کو نہیں دیکھا ہوگا ہم ان کے لئے گواہی دینے والوں میں سے بن جائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ماندہ کے لئے سوال کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملنا..... الحاصل حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں آسمان سے ماندہ اتارے جانے کی درخواست پیش کر دی اور عرض کیا کہ اے اللہ! آسمان سے ماندہ نازل فرمادے جو ہمارے اس زمانے کے لوگوں کے لئے عید ہو اور ہمارے بعد والوں کے لئے بھی۔

اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم پر دست خوان اتارنے والا ہوں اس کے اتر جانے کے بعد تم میں سے جو شخص ناشکری کرے گا اس کو وہ عذاب دوں گا جو جہانوں میں سے کسی کو نہ دوں گا۔

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ ماندہ نازل نہیں ہوا۔ لیکن قرآن مجید کا سیاق یہی بتاتا ہے کہ ماندہ نازل ہوا اور بعض احادیث میں بھی ماندہ نازل ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

تفسیر درمنثور صفحہ ۳۲۸ جلد ۲ میں بحوالہ ترمذی وغیرہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان سے ماندہ نازل کیا گیا تھا اس میں روٹی اور گوشت تھا ان کو حکم تھا کہ خیانت نہ کریں اور کل کے لئے نہ رکھیں لیکن ان لوگوں نے خیانت بھی کی اور خیرہ بھی بنا کر رکھا۔ لہذا وہ بندروں اور سوروں کی صورتوں میں مسخ کر دیئے گئے (حدیث مرفوع

لکن قال الترمذی الوقف اصح)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری بہت بری چیز ہے اس کا بڑا وبال ہے ناشکری کرنے سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں جس کا ذکر جگہ جگہ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

سورۃ ابراہیم میں فرمایا لَنْ شُكِّرُكُمْ لَا زِيْدَ لَكُمْ وَلَنْ يَكْفُرُكُمْ اِنَّ غَذَابِي لَشَدِيْدٌ (اور جب تیرے رب نے اعلان فرمادیا کہ یہ بات ضروری ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو اور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے) قوم سبا کی ہر باوی ڈکوک کرنے کے بعد فرمایا ذٰلِكَ جَزَاؤُنَا لَهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَاُولَئِكَ لَنْ يَكْفُرُوْا۔ کہ ہم نے ان کو بدلہ دیا اس وجہ سے کہ انہوں نے ناشکری کی اور ہم ناشکری کرنے والوں کو ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

سورۃ نحل میں ایک ہستی کا ذکر فرمایا جسے خوب زیادہ نعمتیں ملتی رہیں تھیں۔ فَكَفَرَتْ بِمَا نَعَّمُ اللّٰهُ فَآذَا اللّٰهُ لِبَنَاتِ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا بِضَعُوْنَ۔

گوشت کے خراب ہونے کی ابتداء بنی اسرائیل سے ہوئی..... جن لوگوں نے نزول مائدہ کی فرمائش کی تھی ان لوگوں نے بھی نافرمانی کی یعنی باوجود ممانعت کے کل کے لئے اٹھا کر رکھ دیا اور نافرمانی بہت بڑی ناشکری ہے ان لوگوں سے پہلے بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ایسی حرکت کر چکے تھے ان سے فرمایا تھا کہ من سلوئی جو نازل ہوتا ہے اس کو بعد کے لئے اٹھا کر نہ رکھنا لیکن انہوں نے اس پر عمل نہ کیا لہذا وہ گوشت سڑ گیا اور ہمیشہ کے لئے گوشت کے سڑنے کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَوْلَا بَنُو اِسْرَآئِیْلَ لَمْ یَخْبِثِ الطَّعَامُ وَلَمْ یَخْزُ اللّٰحْمُ وَلَوْلَا حَوَآءُ لَمْ تَخْنِ اَنْثٰی زَوْجِهَا الدَّهْرُ۔ (رواہ مسلم صفحہ ۵۷۲ جلد ۱) یعنی اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو کھانا خراب نہ ہوتا اور گوشت نہ مڑتا اور اگر حواء نہ ہوتی تو کوئی عورت کبھی بھی اپنے شوہر کی خیانت نہ کرتی۔ بنی اسرائیل سے گوشت سڑنے کی ابتداء ہوئی اور حضرت حواء سے شوہر کی خیانت کی ابتداء ہوئی شراح حدیث نے لکھا ہے کہ ان کی خیانت تھی کہ انہوں نے اپنے شوہر حضرت آدم علیہ السلام کو اس درخت کے کھانے پر آمادہ کیا جس کے کھانے سے منع فرمایا گیا تھا۔

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰی اِبْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتُ لِلنَّاسِ اِتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّی الْهٰیِنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور جب اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہوگا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دہمیدو بناؤ؟ وہ عرض کریں گے

قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقِّؕ اِنْ كُنْتَ قُلْتَ فَقَدْ

میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں میرے لئے یہ بات زیادہ نہیں ہے کہ ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے کہا وہ تو وہ آپ

عَلِمْتَؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلٰمُ الْغُیُوْبِؕ مَا قُلْتَ

تو معلوم ہوتا ہے آپ جانتے ہیں جو میرے دل میں ہے اور میں وہ نہیں جانتا جو آپ کے علم میں ہے بے شک آپ غیوب کے جاننے والے ہیں۔ میں نے ان سے سوائے اس

لَهُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِیْ بِہٖ اِنْ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْؕ وَ کُنْتُ عَلَیْہُمْ شَہِیْدًا

کے اور کچھ نہیں کہا جو آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی جو میرا رب ہے اور ہمارا رب ہے اور میں ان کے بارے میں باخبر تھا جب تک میں

مَا دُمْتُ فِیْہُمْؕ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتُ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہُمْؕ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌؕ

ان میں موجود تھا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھایا تو آپ ہی ان کے گواہ تھے اور آپ ہر چیز پر مطلع ہیں۔

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ قَالَ اللَّهُ

اگر آپ ان کو عذاب دیں تو بیشک وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمائیے تو بلاشبہ آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

ہوگا یہ وہ دن جس میں بچوں کو ان کی سچائی نفع دے گی ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ

أَبَدًا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا

وَمَا فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

اور ان میں سے کچھ بھی نہیں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ جل شانہ کا دوسرا خطاب

قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا ان میں سے ایک یہ بھی سوال ہے کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنالو۔ یہ سوال قیامت کے دن اس وقت ہوگا جب کہ قیامت میں اولین و آخرین سب جمع ہوں گے۔

نصاروی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے مدعی ہیں ان کے سامنے یہ سوال ہوگا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے اپنے کو اور اپنی والدہ کو معبود بنانے کی دعوت دی تھی اور تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنالو۔ وہ برملا سب کے سامنے جواب دیں گے کہ میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں۔ آپ ہر طرح کے شریک سے منزہ ہیں، میرے لئے یہ شایان شان نہیں کہ میں شرک کی دعوت دوں اگر میں نے کہا ہوتا تو آپ کو ضرور معلوم ہوتا چونکہ آپ کے علم میں نہیں البتہ میں نے کہا بھی نہیں۔ میرے نفس میں جو کچھ ہے وہ آپ جانتے ہیں اور میں آپ کی تمام معلومات کو نہیں جانتا۔ آپ غیبوں کو جاننے والے ہیں میں نے وہی بات کہی جس کا آپ نے حکم دیا اور فرمایا اور وہ یہ کہ اللہ کی عبادت کرو۔ میرا اور تمہارا رب وہی ہے۔ میں نے ان کو شرک کی دعوت نہیں دی تو حید ہی کی دعوت دیتا رہا۔ میں جب تک ان میں موجود تھا ان کے حالات سے باخبر تھا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا۔ تو آپ ہی ان کے مگران تھے اور آپ پر چیز کی پوری خبر رکھتے تھے۔ میرے بعد انہوں نے کیا کیا اور شرک کی گمراہی میں کیسے پڑے اور عقیدۂ تثلیث (تین خداؤں کا ماننا) ان میں کیسے آیا اس کا آپ ہی کو علم ہے۔

واضح رہے کہ یہ سوال جواب ان لوگوں کے سامنے ہوگا جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ ہم سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ اس سوال و جواب سے واضح طور پر ان پر حجت قائم ہو جائے گی کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر نہیں ہیں۔ وہ ان لوگوں کے سامنے عقیدۂ تثلیث کا باطل ہونا ظاہر فرمادیں گے اور اتمام حجت کے بعد ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ ہی معلوم ہے۔ لیکن نصاریٰ کی ملامت اور سرزنش کے لئے اور اتمام حجت کے واسطے مذکورہ بالا سوال و جواب ہوگا۔

بچ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں یہ بھی عرض کریں گے اَنْ تُعَذِّبْنَهُمْ فَانْتَهَمَ عِبَادُكَ (اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں) وَاَنْ تَغْفِرَ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُورُ الْكَرِيمُ (اور اگر آپ ان کی مغفرت فرماویں تو آپ عزیز و حکیم ہیں مطلب یہ ہے کہ آپ کا ہر فیصلہ عدل و حکمت پر مبنی ہے، یہ آپ کے بندے ہیں۔ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو آپ کو اس کا بھی اختیار ہے اور آپ ان کی مغفرت فرمائیں تو یہ بھی حکمت کے موافق ہوگا۔ آپ عزیز ہیں غالب ہیں جسے عذاب دینا چاہیں وہ نہیں بچ کر نہیں جاسکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ عرض کرنا اللہ کی قدرت عزت و حکمت اور شان غفاریت بیان کرنے کے لئے ہوگا۔

اس سے یہ نہ سمجھایا جائے کہ مشرکین کی مغفرت بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ سورہ نساء کی آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ میں بالتحقیق صاف اور واضح طور پر بیان فرمادیا کہ مشرکین کی مغفرت نہیں ہوگی۔

گمراہوں کی تردید..... بعض گمراہ ایسے نکمے ہیں جو لفظ ”فَلَمَّا تَوَفَّيْنِي“ سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو گئی اور یہ لوگ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء یعنی آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے منکر ہیں۔ یہ لوگ آیت قرآنیہ بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اللّٰہ کے اور بیسیوں حدیثوں کے منکر ہیں۔ جس میں سیدنا عیسیٰ کا قیامت سے پہلے آسمانوں سے اترنا اور اس دنیا میں رہنا اور طبیعی وفات پانا مذکور ہے اول تو لفظ تَوَفَّيْ ضروری نہیں کہ موت ہی کے لئے استعمال ہو۔ قرآن مجید میں نیند کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

سورۃ الانعام میں ہے وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَزَخْتُمْ بِالنَّهَارِ اور سورۃ زمر میں ہے :

اللّٰهُ يَتَوَفَّي الْاَنفُسَ حَيِّن مَّوْتَهَاوَالنَّاسُ لَمْ يَمُوتُوْا فَمَّا هِيَ (ان وہو ان آیتوں میں تَوَفَّي کو من مرعنی نیند کے لئے استعمال فرمایا ہے۔ درحقیقت تَوَفَّي کا معنی ہے کسی چیز کو پورا پورالے لینا۔ یہ منسوب مزندہ اٹھا لینے اور سلا دینے اور موت و پیدائش کیوں کو شامل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ بات قیامت کے میدان میں جو رہتی ہے اور اس وقت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے تشریف آکر زمین میں رہ کر طبیعی موت پا کر دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں گے۔ لہذا ”تَوَفَّيْنِي“ کو موت کے معنی میں لیا جائے تب بھی ان لحدوں کا استدلال صحیح نہیں۔ جو اپنے تراشیدہ عقیدہ کے مطابق قرآن مجید کے معنائیم تجویز کرتے ہیں۔

قیامت کے دن سچائی نفع دے گی..... پھر فرمایا: قَالَ اللّٰهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وگا یہ وہ دن ہے جس میں سچے لوگوں کو ان کی سچائی نفع دے گی جو حضرات صادق فی الایمان صادق فی الاموال صادق فی الاخبار تھے جن میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان میں سے ہر ایک کی امت اجابت ہوگی۔ ان کا سچ ان کو نفع دے گا۔ جس کی وجہ سے وہ ان کی نعمتوں سے بالامال ہوں گے۔ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا (ان کے لئے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے) رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے) ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (یہ بڑی کامیابی ہے) خالق مالک بھی راضی اور ہمیشہ ہمیشہ باغوں میں رہنا اور ان نعمتوں کی وجہ سے دل سے خوش اور مست اور مگن ہوں گے

واقعی اس سے بڑی کیا کامیابی ہوگی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا کہ اے جنت والو! وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اور قبیل ارشاد کے لئے موجود ہیں اور خیر تمام تر تیرے ہی قبضہ میں ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم کیوں کر



راضی نہ ہوں۔ حالانکہ تو نے ہمیں وہ عطا فرمایا ہے جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کیا میں تمہیں اس سب سے افضل چیز عطا نہ کروں؟ وہ عرض کریں گے۔ اے رب! اس سے افضل کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں تم پر اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں۔ سو اس کے بعد کبھی بھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۱۲۱ جلد ۲)

فائدہ..... آیت بالا میں صدق یعنی سچائی کی تعریف فرمائی۔ و حقیقت سچائی بہت بڑی نعمت ہے اور اسی پر نجات اور رفیع درجات کا مدار ہے۔

ایمان میں سچائی نہ ہو تو منافقت ہوتی ہے۔ اعمال میں سچائی نہ ہو تو ریا کاری آجاتی ہے اور اقوال میں سچائی نہ ہو تو جھوٹ صادر ہوتا رہتا ہے مؤمن کو ہر حال اور ہر حال میں سچائی اختیار کرنا لازمی ہے۔ اللہ سے جو وعدے ہیں وہ بھی پورے کئے جائیں۔ ایسے حضرات کی مدح کرتے ہوئے فرمایا۔ رَجُلًا صَدَقُوا مَا غَا هَذَا اللَّهُ غَلَبَهُ۔ (سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۲۳) کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ کر بکھایا جو عہد انہوں نے اللہ سے کیا (مخلوق سے جو عہد ہو اور جو وعدہ ہو اس کو بھی پورا کیا جائے ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ تم میرے لئے اپنی طرف سے چھ چیزوں کے ضامن ہو جاؤ۔ میں تمہارے لئے جنت کا ضامن ہو جاؤں۔ (۱) سچ بولو جب بات کرو، (۲) پورا کرو جب وعدہ کرو، (۳) ادا کیجی کرو جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے، (۴) اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو، (۵) اپنی نظروں کو پست رکھو، (۶) اور اپنے ہاتھوں کو (ظلم اور زیادتی کرنے سے) روک رکھو، (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۱۵ جلد ۱۲ از احمد و بیہقی فی شعب الایمان) تاجروں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء

(سچائی اختیار کرنے والا امانت دار، تاجر نبیوں اور صدیقیوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا) (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۲۳ جلد ۱۲ از ترمذی و دارمی و دارقطنی)

آخر میں فرمایا لِللّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ط وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اللہ ہی کے لئے ملک آسمان کا اور زمین کا جو کچھ ان کے اندر ہے، اور اللہ ہر چیز پر قاور ہے) اس آیت میں پوری سورت کی مضامین کی طرف اجمالی اشارہ فرمایا ہے چونکہ ساری مخلوق اللہ ہی کی ہے اور سارا ملک اسی کا ہے اس لئے اس کو اختیار ہے جس کو چاہے جو حکم دے۔ جس چیز کو چاہے حلال قرار دے جس چیز کو چاہے حرام قرار دے اور مجرموں کے لئے دنیا و آخرت میں جو سزا چاہے تجویز فرمائے جس کو چاہے بخش دے جس کو چاہے سزا دے اس کو کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

تم تفسیر سورۃ المائدہ الحمد للہ اولاً و آخراً ظاہراً و باطناً

کی

سورۃ انعام

۱۶۵ آیتیں ۲۰ رکوع

﴿الْأَنفَا ۱۶۵﴾ ﴿۶۱﴾ سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ اَمْكِيْثًا (۵۵) ﴿رُكُوْعَانِهَا ۲۰﴾

سورۃ انعام کی ہے اس کی ایک سو پینسٹھ آیتیں اور تیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو اور بنایا تاریکیوں کو، اور روشنیوں کو، پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰى اَجَلًا ۝ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَہٗ ثُمَّ

اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں، وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ۱۔ ہے، پھر اجل مقرر فرمائی اور اس کے پاس ایک اجل مقرر ہے،

اِنَّہُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ۝ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَہْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا

پھر تم شک کرتے ہو، اور وہ اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں وہ جانتا ہے باطنی حالات کو اور ظاہر حالات کو، اور وہ جانتا ہے

تَكْسِبُوْنَ ۝ وَمَا تَاْتِيْہُمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّہُمْ اِلَّا کَانُوْا عَنْہَا مُعْرِضِيْنَ ۝ فَقَدْ

جو تم عمل کرتے ہو اور جب ان کے رب کی نشانیوں میں سے ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو اس سے اعراض کرتے ہیں، سو بلاشبہ انہوں

کَذَبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَہُمْ ۝ فَسَوْفَ يٰۤاْتِيْہُمْ اَنْبَآؤُا مَا کَانُوْا بِہٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

نے حق کو جھٹلایا جب ان کے پاس آیا۔ سو غریب آ جائیں گی ان کے پاس اس چیز کی خبریں جس کا مذاق بنایا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور ظلمات اور نور کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کی اجل مقرر فرمائی۔

یہاں سے سورۃ انعام شروع ہے یہ سورت کی ہے البتہ بعض مفسرین نے چار آیات کو مستثنیٰ لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ مدنی ہیں حضرت

جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب سورۃ الانعام نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ کہا پھر فرمایا کہ اس سورت کو اتنے فرشتوں نے

رخصت کیا ہے جنہوں نے افق یعنی آسمان کے کناروں کو بھر دیا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ستر ہزار فرشتوں نے اس کو رخصت

کیا۔ (من روح المعانی صفحہ ۶ جلد ۷)

اس سورت میں انعام چہ پاؤں کے بعض احکام بیان فرمائے ہیں اس لیے سورۃ الانعام کے نام سے موسوم ہے اس سورت میں احکام کم ہیں۔ زیادہ تر توحید کے اصول اور توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔ سورۃ فاتحہ کی طرح اس کی ابتدا بھی الْحَمْدُ لِلّٰہ سے فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں وہ بہ تعریف کا مستحق ہے اس کو کسی حمد تعریف کی حاجت نہیں۔ کوئی حمد کرے یا نہ کرے وہ اپنی ذات و صفات کاملہ کے اعتبار سے محموم ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت بیان فرمائی۔

اور فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کہ اس کی عظیم ذات ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا۔ آسمان و زمین سب کی نظروں کے سامنے ہیں جس ذات پاک نے ان کی تخلیق فرمائی ظاہر ہے کہ وہ مستحق حمد و ثناء ہے۔

پھر فرمایا وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ کہ اس نے تاریکیوں کو بنایا اور نور کو بنایا۔ روشنی اور اندھیریاں بھی آسمان و زمین کی طرح نظروں کے سامنے ہیں ان میں بھی انقلاب ہوتا رہتا ہے۔ کبھی روشنی ہے اور کبھی اندھرا۔ یہ انقلاب اور الٹ پھیر بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خوب بہ خود وجود میں نہیں آئیں۔ ان کو وجود دینے والی کوئی ذات ہے اس کو ماننے کیلئے کسی خاص غور و فکر کی ضرورت نہیں سب پر عیاں ہے۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کے ساتھ خلق اور ظلمات اور نور کے ساتھ لفظ جَعَلَ لانے کے بارے میں بعض مفسرین نے یہ نکتہ بتایا ہے کہ آسمان و زمین اجسام و اجرام ہیں اپنے وجود میں کسی دوسری مخلوق کی محتاج نہیں اور اندھرا اور اجالہ عوارض میں قائم بالذات نہیں ہیں ان کو محل و مکان یعنی جگہ کی ضرورت ہے، جو لوگ آسمانوں کے وجود کو نہیں مانتے ان کے وجود میں متردد ہیں۔ آیت شریفہ میں ان کی بھی تردید ہو گئی۔

اور جو لوگ دو خدا کو مانتے ہیں یزداں اور اُھر من (یزداں کو خالق خیر اور اُھر من کو خالق شر بتاتے ہیں پھر ان دونوں کو نور اور ظلمت سے تعبیر کرتے ہیں) آیت شریفہ سے ان کی بھی تردید ہو گئی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا اِنَّ الْبَشَرَ لَكٰفِرُوْنَ بِلِقَآئِ رَبِّہُمْ یَوْمَہُمْ (پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں) یعنی خالق جل مجدہ جس نے اتنی بڑی کائنات کو پیدا فرمایا اس کے لیے شرک و تجویز کرتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں جو بہت بڑی حماقت اور سفاهت ہے۔

پھر فرمایا هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ طِیْنٍ (اللہ ہی ہے جس نے تم کو کچھڑ سے پیدا فرمایا) انسان کی ابتدائی تخلیق مٹی سے ہے اس لیے کبھی کی اصل مٹی ہے۔ آدم علیہ السلام بلاوا۔ طے مٹی سے پیدا ہوئے اور ان کی نسل اپنے باپ کے توسط سے مٹی سے پیدا ہوئی۔ قرآن مجید میں خَلَقَکُمْ مِنْ تُرَابٍ بھی فرمایا (سورۃ مؤمن) یعنی تم کو مٹی سے پیدا فرمایا اور خَلَقَکُمْ مِنْ طِیْنٍ بھی فرمایا (سورۃ انعام) یعنی تم کو کچھڑ سے پیدا کیا اور اِنَّا خَلَقْنٰہُمْ مِنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ بھی فرمایا (سورۃ صافات) یعنی ہم نے ان کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا اور خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ بھی فرمایا (سورۃ رحمن) اس نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا جو ٹھیکری جیسی تھی اور یہ بھی فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَآءٍ مُّسْنُوْنَ (اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو بجتی ہوئی سڑی ہوئی مٹی سے۔ (سورۃ حجر)

بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو زمین کے مختلف حصوں سے مٹی جمع فرمائی۔ اس مٹی میں پانی ڈال دیا گیا تو طین (کچھڑ) ہو گئی۔ پھر وہ کچھڑ بڑی رہی تو سڑ گئی پھر اس سے آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا گیا۔ وہ پتلا سوکھ گیا تو بجنے والی مٹی ہو گئی۔ اس کے بعد اس میں روح پھونکی گئی۔ چونکہ یہ مختلف ادوار اس مٹی پر گزرے اس لئے انسان کی تخلیق بیان کرتے ہوئے کبھی تُرَابٍ کبھی طِیْنٍ کبھی صَلْصَالٍ کبھی حَمَآءٍ مُّسْنُوْنَ فرمایا۔

تخلیق انسانی بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا لَمْ قَطَّسْ اَجَلًا (پھر اجل مقرر فرمائی) اس سے موت کا وقت مراد ہے جو ہر فرد کے لئے مقرر ہے اس سے آگے پیچھے نہ ہوگا جیسا کہ سورۃ منافقون میں فرمایا وَلَنْ نُجْزِيَ النَّفْسَ اِذَا جَاءَتْ اَجَلَهَا (اور اللہ تعالیٰ ہرگز کسی جان کو مہلت نہ دے گا جبکہ اس کی اجل مقرر آجائے)

اس کے بعد فرمایا وَاجَلُّ مُسَمًى عِنْدَهُ (اور ایک اجل اس کے پاس مقرر ہے) اس سے قیامت کے دن صور پھونکے جانے اور قبروں سے اٹھنے کی اجل مراد ہے۔ ہر فرد کی اجل جو مقرر ہے وہ اس کی موت کے وقت پوری ہو جاتی ہے اور ساری دنیا کی اجل مقرر ہے وہ قیامت کے دن پوری ہو جائے گی۔ پہلی اجل کا علم فرشتوں کو ہو جاتا ہے کیونکہ انہیں روح قبض کرنا ہوتا ہے اور دوسری اجل کا علم اللہ تعالیٰ کے ہوا کسی کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ کے علم کے مطابق جب قیامت آنے کا وقت ہوگا تو اچانک آجائے گی۔ پھر فرمایا لَمْ اَنْتُمْ تُمْتَوْنَ (پھر تم شکرتے ہو) پہلی آیت میں توحید کے دلائل بیان فرمائے اور دوسری آیت میں بعث و نشور یعنی قیامت کے دن زندہ ہونے کی دلیل فرمائی۔

پھر فرمایا وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ (یعنی وہ اللہ ہے جو آسمانوں اور زمین میں معبود ہے)۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ معنی وصفی سے متعلق ہے جو اسم جلال یعنی لفظ اللہ سے مفہوم ہو رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آسمانوں و زمین میں صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے اور عبادت کے لائق ہے۔

بعض حضرات نے جارح و رکو الممالک اور المنصرف سے بھی متعلق بتایا ہے جو مخدوف ہے اور مطلب یہ ہے: وَهُوَ الْمَالِكُ وَالْمُنْتَصِرُ وَالْمُذَبِّزُ فِيهِمَا حُسْبٌ مَا يَفْتَضِلُهُ مَشِيئَةُ الْمَنِبَةِ عَلَى الْحُكْمِ الْبَالِغَةِ۔ (اور وہی آسمان و زمین کا مالک اور اپنی حکمت کا مدد کے مطابق آسمان و زمین میں تصرف کرنے والا ہے) (من روح المعانی صفحہ ۸۹ جلد ۷)

اللہ تعالیٰ کو ظاہر اور پوشیدہ ہر چیز کا علم ہے..... پھر فرمایا يَعْلَمُ بَسْرَكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ۝ کہ جو اقوال و اعمال میں اور جو جوئیں اور ارادے ہیں جو تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے۔ تمہارے اعمال کو بھی جانتا ہے۔ خواہ یہ اعمال قلب کے ہوں یا جوارح کے اس کے بعد تکذیب کرے والوں کی عادت بیان فرمائی۔

وَمَا نَتْلِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝ (جو بھی کوئی آیت اللہ کی آیات میں سے ان کے سامنے آتی ہے اس سے اعراض کرتے ہیں) اس سے آیات قرآنیہ مراد ہو سکتی ہیں اور آیات تکوینیہ بھی مراد لی جاسکتی ہیں۔ یعنی قرآنی آیات کو جھٹلاتے ہیں اور آیات تکوینیہ سامنے آتی ہیں جن میں دلائل توحید ہیں ان سے بھی اعراض کرتے ہیں۔

مُكَذِّبِينَ کے لیے وعید..... پھر فرمایا فَكُذِّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَتٌ مُبِينٌ ۝ (اور ان کے سامنے آئے گا ایک واضح دلیل) مطلب یہ ہے کہ جب ان کے پاس حق آیا تو اس کو جھٹلادیا، حق کو جھٹلاتے بھی ہیں اور مذاق بھی بناتے ہیں۔ اس مذاق بنانے اور جھٹلانے کا انجام عقریب حاضر ہو جائے گا اور اپنے اعمال کے نتائج دیکھ لیں گے اور بطور توبخ ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے تمہارے اعمال کا نتیجہ کمافی سورۃ الدخان إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تُمْتَرُونَ ۝ (بے شک یہ وہ ہے جس میں تم شکرتے ہو) اور سورۃ یس میں ہے اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ (آج اس میں داخل ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے)۔

أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَكَّنْهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ يُمْكِنْ لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا

کہا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کر دیا ان کو ہم نے زمین میں ایسا اقتدار دیا تھا جو تم کو نہیں دیا اور ہم نے ان

السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مَذَرَّا زَامًا وَجَعَلْنَا الْآلِهَةَ تَجَرِي مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا

نیا زور و بارشیں برساتیں اور ہم نے نہریں بنا دیں جو ان کے نیچے جاری تھیں پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا

مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۝ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ

اور ان کے بعد ہم نے پیدا کر دیں دوسری امتیں اور اگر ہم اتار دیں آپ پر کاغذ میں لکھا ہوا کوئی نوشتہ پھر وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھولیں

لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝ وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۚ وَلَوْ أَنْزَلْنَا

تب بھی کافر لوگ یوں کہیں گے کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے مگر صریح جادو ہے ، اور وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر فرشتہ اور اگر ہم کوئی

مَلَكًا لَقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُونَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا ۚ وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبَسُونَ ۝

فرشتہ اتار دیتے تو فیصلہ کر دیا جاتا پھر ان کو کوئی مہلت نہ دی جاتی ، اور اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے تو اس کو آدمی ہی بناتے اور ہم ان پر شبہ ڈال دیتے جس شبہ میں وہ اب پڑ رہے ہیں۔

وَلَقَدْ اسْتَهْزِئُوا بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝

اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا گیا پھر جن لوگوں نے استہزاء کیا ان کو اس چیز سے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑا کرتے تھے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝

آپ فرمادیجئے کہ چلو زمین میں پھرو کیونکہ جہان نے دلوں کا کیا انجام ہوا۔

قرآن ماضیہ بالکہ سے عبرت حاصل کرنے کا حکم

نزول قرآن کے وقت عرب کے مشرکین اولین مخاطب تھے وہ قرآن مجید کی بھی تکذیب کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی بری طرح پیش آتے تھے ایذا نہیں بھی دیتے تھے اور مذاق بھی بناتے تھے پڑھے لکھے تو تھے نہیں جو پرانی امتوں کے واقعات کتابوں میں پڑھ لیتے اور تالیف اور تصنیف کا ایسا دور بھی نہ تھا کہ کتابیں مدون ہوئیں لیکن یہ لوگ تجارت کے لیے ملک شام جایا کرتے تھے۔ اس سفر میں مدینہ منورہ کے یہودیوں پر گزر ہوتا تھا۔ شام میں نصاریٰ آباد تھے۔ ان قوموں سے مل کر پرانی امتوں کے واقعات اور قصے سنتے تھے اور خود بھی سابقہ امتوں کی بربادی کے نشانات اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے پہاڑوں سے تراشے ہوئے گھر ان کے سامنے آئے تھے جو تہوک جاتے ہوئے راستے میں پڑتے تھے۔ کہاں گئے ان گھروں کے بنانے والے اور کہاں گیا ان کا کرو فرساری تمکنت اور سارا اقتدار خاک میں مل گیا۔ اصحاب فیل کی بربادی کا واقعہ تو اہل مکہ کے بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔ یہ چیزیں ان کو اللہ تعالیٰ نے یاد دلائیں اور فرمایا کہ تم جو ہمارے رسول اور ہماری کتاب کی تکذیب کرتے ہو کیا تمہیں اس سے کچھ عبرت نہیں کہ جن لوگوں نے یہ حرکتیں کیں ان کو ہم نے برباد کر دیا اور جو اقتدار ہم نے ان کو دیا تھا تمہیں تو وہ بھی حاصل نہیں پھر تم کیسے عذاب سے بچ سکتے ہو؟ ان کی زبردست حکومت بھی تھی اور مالی اعتبار سے بھی ہم نے خوب نوازا تھا۔ ان پر موملا دھاز بارشیں برساتیں ان کے لئے نہریں جاری کیں جو ان کے باغوں اور کھیتوں میں جاری تھیں یہ لوگ اوپر بیٹھ کر ان

سب کا نظارہ کرتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ انہوں نے نعمتوں کی بے قدری کی، بغاوت اور سرکشی پر اتر آئے کفر سے باز نہ آئے۔ برابر گناہوں میں لگے رہے لہذا ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ایک قوم ہلاک ہوئی تو اس کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ اس سے عبرت حاصل کریں۔ سورۃ سبائیں فرمایا وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَّغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝ (ترجمہ) اور جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے اور یہ لوگ نہیں پہنچے اس کے دسویں حصہ کو بھی جو ہم نے ان کو دے رکھا تھا۔ سو جھٹلایا میرے پیغمبروں کو تو کیسا ہوا میرا عذاب؟

مشرکین کو تنبیہ فرمانے اور یہ بتانے کے بعد کہ تم سے پہلے بہت سی امتیں آئیں اور اپنے گناہوں کی وجہ سے برباد ہوئیں۔ ان کے ایک معاندانہ سوال کا ذکر فرمایا پھر اس کی تردید فرمائی۔ معالم التنزیل صفحہ ۸۵ جلد ۲ میں لکھا ہے کہ نصر بن الحارث عبد اللہ بن ابی امیہ اور نوفل بن خویلد نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ اللہ کے پاس سے ایسی کتاب نہ لائیں جس کے ساتھ چار فرشتے ہوں وہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت کریمہ وَلَوْ لَزْنَا غُلَبَاتٍ مَكْنَبًا فِي قِرْطَاسٍ الْمَخِ نَازِلٍ فرمائی یعنی اگر ہم ان پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کر دیں پھر وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھولیں تب بھی ایمان لانے والے نہیں۔ کتاب کو دیکھ کر ہاتھ لگا کر بھی منکر ہی رہیں گے اور یوں کہہ دیں گے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ یہ جو کہہ رہے ہیں کہ کتاب آجائے اور فرشتے آجائیں تو ہم ایمان لے آئیں گے یہ ضد اور عناد ہے ایمان لانا مقصود نہیں ہے۔

مشرکوں کی اس بات کا جواب کہ فرشتوں کو کیوں مبعوث نہیں کیا گیا ..... اس کے بعد مشرکین کے ایک مطالبہ کا تذکرہ فرمایا ارشاد فرمایا وَقَالُوا لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ مَلَائِكَةٌ (اور انہوں نے کہا کہ کیوں نہ نازل ہوا فرشتہ) مشرکین مکہ یہ بھی مطالبہ کیا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس فرشتہ آتا اور ان کی تصدیق کرتا تو ہم ایمان لے آتے۔ اس کے جواب میں فرمایا۔ وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَائِكَةً لَفُضِيَ الْأُمُورُ ثُمَّ لَا نَنْظُرُونَ ۝ (کہ اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو فیصلہ ہو جاتا اور پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جو لوگ اپنی طرف سے کوئی معجزہ تجویز کر کے طلب کرتے ہیں اور پھر وہ معجزہ ظاہر ہو جاتا ہے اور اس کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے تو پھر ان کو ڈھیل نہیں دی جاتی اور بغیر مہلت کے عذاب دیا جاتا ہے۔

قال صاحب معالم التنزيل قال فتادة لو انزلنا ملكا ثم لا يؤمنوا العجل لهم العذاب ولم يؤخروا طرفه عين (صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں یعنی اگر ہم فرشتہ بھیجتے پھر وہ ایمان نہ لاتے تو ان پر فوراً عذاب بھیج دیا جاتا اور وہ پلک جھپکنے کے برابر بھی مہلت نہ دیئے جاتے)

اور بعض مفسرین نے لَفُضِيَ الْأُمُورَ کا یہ مطلب بتایا ہے کہ ہم اگر فرشتہ بھیج دیتے اور وہ اپنی صورت میں ہوتا تو یہ لوگ اس کو دیکھنے کی تاب نہ لاسکتے اور اسے دیکھ کر مر جاتے۔ نقلہ فی معالم التنزیل عن الضحاك۔

پھر فرمایا: وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبَسُونَ اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے تو اس کو آدمی ہی بناتے اور ہم ان پر شبہ ڈال دیتے جس شبہ میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتے تو آدمی ہی کی صورت میں آتا کیونکہ انسانوں کو اتنی طاقت اور تاب نہیں ہے کہ وہ فرشتے کو اس کی اصلی صورت میں دیکھ سکیں۔ جب اس کی صورت انسانی ہوتی تو یہ لوگ پھر معاندانہ باتیں کرتے اور کہتے کہ ہمیں کیا معلوم یہ فرشتہ ہے جو باتیں اب کہہ رہے ہیں کہ یہ صاحب جنوبت کا دعویٰ کر رہے

ہیں ہمارے جیسے ہی آدمی ہیں فرشتہ کو انسانی صورت میں دیکھ کر ایسی باتیں کرتے اور یہی کہہ دیتے کہ یہ تو ہمارے جیسا ہے اس میں کون سی خصوصیت ہے جو نبی بنا دیا گیا۔ لہذا فرشتہ کے رسول بن کر آنے کی صورت میں بھی لوگوں کو جو شبہ ہو رہا ہے وہ شبہ پھر بھی باقی رہتا اور حقیقت میں ان لوگوں کے بہانے ہیں کہ ایسا ہوتا تو ہم مانتے یہ حق کے طالب نہیں ہیں اگر حق کے طالب ہوتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات دیکھ کر جو بشر ہیں اور انہیں میں سے ہیں ایمان لے آتے۔

استبزاء کرنے والوں کے لیے وعید..... پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا وَلَقَدْ اسْتَهْزَئُ بِرَسُولِنَا مِنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ (اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا گیا۔ پھر جن لوگوں نے استہزاء کیا ان کو اس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑا کرتے تھے)

اس میں اول تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی ہے کہ تکذیب کرنے والے جو کچھ آپ کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں مذاق بناتے ہیں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے آپ سے پہلے جو رسول گزرے ہیں ان کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے لہذا آپ بھی صبر کریں جیسا ان حضرات نے صبر کیا پھر انجام یہ ہوا کہ جن لوگوں نے یہ حرکتیں کی تھیں وہ ان کے وبال میں مبتلا ہوئے اور استہزاء اور مخمردہن کی سزا میں ان کو عذاب نے گھیر لیا۔ ان معاندین و مستہزئین کا ایسا ہی انجام ہونے والا ہے۔ قال صاحب الروح فكانه سبحانه ونعالي وعده صلى الله عليه وآله وسلم بعقوبة من استهزاء به عليه السلام ان اصر على ذلك صفحہ ۱۰۱ جلد ۷ (روح المعانی میں ہے گویا اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ کیا ہے کہ جو شخص آپ کے ساتھ استہزاء کرے پھر اس پر مصر رہے یعنی توبہ نہ کرے تو اسے عذاب دے گا)۔

اس کے بعد مکذبین اور معاندین کو مزید تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ۝ کر زمین میں چلو پھرو دیکھو کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا۔ دنیا میں چلیں پھریں دنیا والوں کے کھنڈروں سے اور ان کی ہلاکت و بربادی کے واقعات سے عبرت حاصل کریں۔

قُلْ لِمَنْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ قُلْ لِلّٰهِ ۚ كَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃُ ۚ

آپ فرمادیجئے! کس کی ملکیت ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمینوں میں ہے۔ فرمادیجئے کہ یہ سب اللہ ہی کیلئے ہے اس نے اپنے اور رحمت کرنا لازم فرمایا ہے

لِيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِیْہِ ۚ الَّذِیْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَہُمْ فَہُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَہٗ مَا

وہ ضرور تم کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں، جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا وہ ایمان نہیں لائیں گے، اور اسی کیلئے

سَكَنَ فِی الْاٰیٰتِ وَالنَّہَارِ ۚ وَہُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ قُلْ اَعٰیذُ اللّٰہُ وَلِیًّا فَاِطَرِ السَّمٰوٰتِ

ہے جو ساکن ہے رات میں اور دن میں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ آپ فرمادیجئے! کیا میں اللہ کے سوا کسی کو مددگار بنا لوں جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کا

وَالْاَرْضِ وَہُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ ۚ قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ

اور زمین کا اور وہ کھلاتا ہے اور اسے کھلایا نہیں جاتا۔ آپ فرمائیے! بلاشبہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا وہ شخص ہو جاؤں جو فرمانبردار ہوا، اور آپ ہرگز مشرکین

مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ مَنْ يُصْرِفْ

میں سے نہ ہو جائے۔ آپ فرما دیجئے! کہ بے شک! میں اور اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، اس دن جس سے عذاب بنا دیا گیا سو میرے

عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ ۝ وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْبَیْنُ ۝ وَإِنْ يَمْسَسَكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ

رب نے اس پر رحم فرمایا اور یہ کھلی ہوئی کامیابی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی تکلیف پہنچا دے تو اس تکلیف کا دور کرنے والا اس کے

لَهُ إِلَّا هُوَ ۝ وَإِنْ يَمْسَسَكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۝

علاوہ کوئی نہیں اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچا دے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے

وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ۝

اور وہ حکمت والا ہے باخبر ہے۔

آسمانوں اور زمین میں سب اللہ کا ہے وہ قیامت کے دن سب کو جمع فرمائے گا

ان آیات میں اول تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرمایا گیا ہے کہ آپ ان سے پوچھ لیں کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے یہ کس کا ہے؟ یہ سب کس کی مخلوق ہے؟ اور کس کی ملکیت ہے؟ اور ان سب میں کس کا تصرف ہے؟ پھر فرمایا کہ آپ خود ہی جواب دیدیں کہ سب چیزیں اللہ کی ہیں سب اس کے زیر تصرف ہیں جو بھی کوئی ذرا بہت اختیار اور اقتدار رکھتا ہے وہ سب اسی کا دیا ہوا ہے وہ جب چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ اس نے ان سب کو پیدا فرمایا وہ سب پر مہربان بھی ہے۔ اس نے اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے کہ وہ رحمت فرمائے گا۔

مؤمنین پر تو اس کی رحمت دنیا اور آخرت دونوں میں ہے۔ اور اہل کفر کے ساتھ بھی دنیا میں مہربانی کا معاملہ ہے اور اگر وہ بغاوت چھوڑ دیں اور ایمان قبول کر لیں اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں کی تکذیب سے باز آجائیں تو آخرت میں بھی ان پر رحم ہوگا۔ سورۃ اعراف میں فرمایا قَالَ عَذَابِيْٓ اَصْحٰبُۢ بَدَ مِنْۢ اَنْفُسِهِمْ وَرَحْمَتِيْٓ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَا كُنْهٰ بِهَا لِلَّذِيْنَ يَنْتَقُوْنَ وَيَتَّقُوْنَ الزَّكٰوٰةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰتِنَا يُوْمِنُوْنَ ۝ (فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ میرا عذاب ہے میں جسے چاہوں پہنچا دوں اور میری رحمت ہر چیز کے لئے عام ہے۔ سو میں اپنی رحمت کو لکھ دوں گا ان لوگوں کیلئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ایک توشہ لکھا جو اس کے پاس عرش پر ہے اس میں لکھا ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۱۰ جلد ۲) نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی سورتیں ہیں ان میں سے ایک رحمت مازل فرمائی جو میں اور انسان اور چوپائے اور زہریلے جانور میں لی ہوئی ہے اس میں ایک رحمت کے ذریعہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربانی کرتے ہیں اور رحم کرتے ہیں اور اسی کے ذریعے وحشی جانور تک اپنی اولاد پر مہربانی کرتے ہیں اور ننانوے رحمتیں اللہ نے رکھی ہیں جن کے ذریعے قیامت کے دن وہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ (رواہ البخاری)



پھر فرمایا لِنَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ط الَّذِیْنَ عَصَوْا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ (کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو قیامت کے دن ضرور جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں جن لوگوں نے اپنے نفسوں کو خسارہ میں ڈالا وہ ایمان نہ لائیں گے) اللہ تعالیٰ نے سب کو اپنی مہربانی سے پیدا فرمایا وہ سب کی پرورش فرماتا ہے وہاں کے حساب کتاب سے باخبر فرمایا لیکن جن لوگوں نے اپنے نفسوں کو خسارے میں ڈال لیا فطرتِ اصلیہ کو کھو دیا عقلِ سلیم سے کام نہیں لیا وہ اپنی جانوں کو ضائع کر چکے۔ ان کو ایمان لانا نہیں کوئی تو اپنے مال کو ضائع کرتا ہے ان لوگوں نے اپنی جانوں کو ضائع کر دیا اور ایمان جیسی پونجی کو ہاتھ نہ لگنے دیا اِلَّا ذٰلِکَ هُوَ الْخُسْرٰۤی الْمُبِیْنُ ۝

رات اور دن میں جو کچھ سکونت پذیر ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے..... پھر فرمایا وَلَکُمْ مَّا سَکَنْ فِی السَّیْلِ وَالسَّهَارِ (اور اللہ کے لیے ہے جو سکن ہے رات میں اور دن میں) سَکَنَ ٹھہرنے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے یعنی جو رات اور دن میں ٹھہرا ہوا ہے وہ اللہ ہی کی مخلوق ہے۔ ساکن غیر متحرک ہونے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے یعنی جو چیزیں رات اور دن میں غیر متحرک ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں۔ یہ چیزیں بھی مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں داخل ہیں لیکن پھر بھی الگ سے ان کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ چیزیں ہر وقت مخاطبین کے سامنے ہیں اور خود مخاطبین بھی اس میں شامل ہیں جو کچھ نظر کے سامنے ہو اس کو دیکھ کر زیادہ بصیرت اور عبرت حاصل ہوتی ہے، پھر فرمایا:

وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ کہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ سب اپنے اقوال اور اعمال کی طرف غور کریں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف تو نہیں چل رہے ہیں۔

آپ یہ اعلان کر دیں کہ میں غیر اللہ کو ولی نہیں بنا سکتا..... پھر فرمایا قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَسْتَخِذُ وَلِیًّا (الایہ) جو لوگ مشرک تھے وہ اپنے شرک کو چھوڑنے کو تیار نہ تھے اور وہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ دعوت تو حید چھوڑ دیں اور ہمارے دین میں شامل ہو جائیں اور یہ بات نئی نہیں تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ علی آلہ وسلم سے پہلے جو انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے تھے ان کی امتوں نے بھی یہی بات کہی تھی (کما فی سورۃ ابراہیم) وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِنْ اَرْضِنَاۤءٍ اَوْ نَعُوْذَنَّ فِیْ مَلِکَیْنَا (اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ علی آلہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ان سے فرمادیں کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا ولی بنا لوں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کھلایا نہیں جاتا۔ اس میں مشرکین کی بے وقوفی پر تنبیہ ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ جن کی پرستش کرتے ہیں انہوں نے تو کچھ بھی پیدا نہیں کیا اور نہ اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے یہ تو خود مخلوق ہیں یہ کیسی ناسمجھی کی بات ہے کہ خالق تعالیٰ شانہ کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کی جائے، تم خود بے وقوفی میں مبتلا ہو مجھے بھی اس کی عبادت کی دعوت دیتے ہو اللہ تعالیٰ شانہ خالق بھی ہے اور رازق بھی ہے۔

تم بھی اس کا دیا ہوا کھاتے ہو اور اس کے علاوہ جن کی پرستش کرتے ہو ان کی حاجتیں بھی وہی پوری فرماتا ہے اور اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو کیونکر معبود بنایا جا سکتا ہے وہ کھلاتا ہے اس کو کھلایا نہیں جاتا اسے کھانے کی حاجت نہیں جو لوگ کھاتے ہیں وہ حاجت مند ہیں جو خود حاجت مند ہو اس میں معبود ہونے کی صلاحیت کہاں ہے؟

پھر فرمایا اِنِّیْۤ اٰمِرٌۢ بِاَنْ اَکُوْنُوْۤا اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ (آپ فرمادیجئے! کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اپنے رب کا سب سے پہلا فرمانبردار اور دل و جان سے اس کے احکام کو ماننے والا اور قیمل کرنے والا بن جاؤں..... میرے رب نے مجھ سے یہ بھی فرمایا کہ

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْشِرِينَ ۝ (آپ ہرگز مشرکین میں نہ ہو جائیں) لہذا میں تو حید پر رہوں گا اور شرک اختیار نہیں کر سکتا تم بھی شرک چھوڑ دو اور تو حید پر آ جاؤ۔

أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ جو فرمایا یہ اس اعتبار سے کہ آخر الامم کے اولین مسلم اور فرمانبردار آپ ہی ہیں نیز شریعت پر عمل کرنے میں بھی آپ اول ہیں۔

قال صاحب الروح لان النبی علیہ السلام مامور بما شرعه الا ما كان من خصائصه علیہ الصلوٰۃ والسلام وهو امام امتہ و مقتداہم و ینبغی لكل امران ینكون هو العامل اولا بما امر به لیكون ادعی للمثال. (صفحہ ۱۱۰ جلد ۷)

اس کے بعد فرمایا قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ (آپ فرمادیجئے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے) بڑے دن سے قیامت کا دن مراد ہے اس دن کا عذاب بہت بڑا ہے فَنَنْبُضُ رُفْغَهُ یَوْمَیْنِذٍ فَقَدْ رَٰحِمَهُ۔ جس سے اس دن عذاب ٹل گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرمادیا وَ ذٰلِكَ الْقَوْرُ الْمُبِیْنُ ۝ اور اس دن کا عذاب ٹل جانا واضح اور کھلی کامیابی ہے۔

ضرر اور خیر صرف اللہ تعالیٰ ہی پہنچا سکتا ہے..... اس کے بعد فرمایا وَاِنْ یُسْأَلْكَ اللّٰهُ (الایہ) کہ اے مخاطب! اگر اللہ تجھے کوئی ضرر دکھ یا تکلیف پہنچا دے تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ کوئی خیر (صحت و غنا وغیرہ) پہنچا دے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں (فَلَا رَآدَ لِفَضْلِہِ) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسے چھوڑ کر جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔ انہیں تو خیر و شر پہنچانے کی کچھ بھی قدرت نہیں ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ع سے سراٹھا کر جو اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتے تھے اس میں یہ بھی تھا۔  
اَللّٰهُمَّ لَا مَنَاعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطٰی لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۸۲ جلد ۱)  
(اے اللہ! جو کچھ آپ عطا فرمائیں اس کا کوئی روکنے والا نہیں اور جو کچھ روک لیں اس کا کوئی دینے والا نہیں اور کسی مالدار کو اس کی مالداری آپ کے مقابلے میں نفع نہیں دے سکتی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا آپ نے فرمایا اے لڑکے! تو اللہ کا دھیان رکھ! اللہ تیری حفاظت فرمائے گا۔ تو اللہ کا دھیان رکھ تو اسے اپنے آگے پائے گا اور جب تو سوال کرے تو اللہ ہی سے سوال کر! اور جب تو مدد مانگے تو اللہ ہی سے مدد مانگ اور اس کا یقین رکھ کہ اگر ساری امت اس مقصد سے جمع ہو جائے کہ تجھے کچھ نفع پہنچا دے تو اس کے سوا کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر ساری امت اس مقصد سے جمع ہو جائے کہ تجھے کچھ ضرر پہنچا دے تو اس کے سوا کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے۔ (رواہ الترمذی قبیل ابواب مشقہ الحجۃ ۱۲۔)

نفع اور ضرر مقدر ہے اور سب اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے وہ جسے محروم کر دے اسے کوئی کچھ نہیں دے سکتا اور وہ جسے دکھ تکلیف اور نقصان پہنچائے اسے اس کے علاوہ کوئی نہیں ہٹا سکتا۔

پھر فرمایا وَ هُوَ الْقَاسِمُ فَوْقَ عِبَادِهِ (اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور حکمت والا ہے باخبر ہے وہ جسے جس حال میں رکھے اسے اختیار ہے وہ حکیم ہے سب کچھ اس کی حکمت کے موافق ہے اور وہ خبیر بھی ہے سب کے احوال و اعمال کا اسے علم ہے جس کے

ساتھ جو بھی معاملہ ہے حکمت کے موافق ہے اور علم کے مطابق ہے۔

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۚ قُلِ اللّٰهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ وَ اَوْحٰى اِلٰى هٰذَا

آپ فرمائیے۔ سب سے بڑھ کر کون سی چیز ہے؟ آپ فرمادیتے ہیں کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور میری طرف یہ قرآن ہی کے

الْقُرْآنِ لِأُنْذِرْكُمْ بِهِ ۚ وَمَنْ يَبْلُغْ ۙ اَيْتَكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ الْهٰةً

ذریعہ بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ تمہیں اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے اسے ڈراؤں۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ

اُخْرٰى ۚ قُلْ لَا اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ الْاِلٰهُ وَ اِنِّىۤ اَمْرٌۢ ۙ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۱۰ الَّذِيْنَ اتَّيْنَهُمْ

دوسرے معبود ہیں؟ آپ فرمادیتے ہیں کہ میں تو ایسی بات ہی نہیں دیتا آپ فرمادیتے کہ صرف وہی ایک معبود ہے اور بلاشبہ میں ان سے ہزار ہوں جن کو تم شریک بناتے ہو جن لوگوں کو

الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَ ۚ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ ۚ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱

ہم نے کتاب دی وہ رسول کو پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنی جانوں کو ضائع کر دیا سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اللہ کی گواہی سب سے بڑی گواہی ہے

تفسیر لباب القول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نضام بن زید، قروم بن کعب اور بحر بن عمرو (مشرکین) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے اے محمد! کیا اللہ کے سوا کسی دوسرے کو معبود جانتے ہو؟ آپ نے فرمایا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) میں اسی کو دے کر بھیجا گیا ہوں اور اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً نازل فرمائی۔ کہ آپ فرمادیتے کسی چیز شہادت کے اعتبار سے بڑی ہے۔ پھر خود ہی جواب دیتے کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اس سے بڑھ کر کسی کی گواہی نہیں اس نے مجھے اپنا بیٹا میرا کر بھیجا ہے اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی دعوت دینے کا حکم فرمایا ہے میں اس کی دعوت پر قائم ہوں اور اسی کا پابند ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جو معجزات اور آیات عطا فرمائے تھے ان سے آپ کے رسول برحق ہونے کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعثت اور رسول ہونے کی گواہی ہے۔ مزید فرمایا وَأَوْحٰى اِلٰى هٰذَا الْقُرْآنِ لِأُنْذِرْكُمْ بِهِ وَمَنْ يَبْلُغْ (اور میری طرف یہ قرآن وحی کے ذریعہ اتارا گیا تاکہ میں تمہیں اس کے ذریعہ ڈراؤں کہ اللہ کی توحید کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرو گے تو عذاب میں مبتلا ہو گے تمہارے علاوہ اور جس جس کے پاس یہ قرآن پہنچے ان سب کو میں توحید کی دعوت دیتا ہوں) اس میں اس بات کا اعلان ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اپنے زمانے کے مخالفین ہی کی طرف مبعوث نہیں تھے بلکہ تا قیامت جس جس شخص کو آپ کی بعثت کا علم ہوتا رہے اور قرآن پہنچتا رہے وہ سب آپ کی دعوت کے مخاطب ہیں اور سب پر آپ کی رسالت کا اقرار کرنا فرض ہے۔

سورہ سبائیں فرمایا وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُخَافَةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا لیکن اکثر نہیں جانتے)

صحیح مسلم صفحہ ۸۶ جلد ۱ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَمَةِ يَهُودِيٍّ وَلَا نَصْرَانِيٍّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يَأْمُرْ بِالذِّی اُرْسِلْتُ بِهِ كَمَا مِنْ اصْحَابِ النَّارِ

(متم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اس امت میں سے جس کسی کو میرے نبی ہونے کی خبر پہنچے گی اور وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے گا جو دین لے کر میں بھیجا گیا ہوں تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا۔۔۔۔۔ وہ یہودی ہو یا نصرائی۔)

پھر فرمایا اَلْبَنۡكُمۡ لِتَشۡهَدُوۡنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ الْیَہۡۃُ الْاٰخِرٰی (کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں) پھر فرمایا قُلۡ لَا اَشۡہَدُ (آپ فرمادیجئے! میں اس بات کی گواہی نہیں دیتا) قُلۡ اِنَّمَا هُوَ اِلٰہٌ وَّ اِنۡنِیۡ بِرِیۡءٍ مِّمَّا تُشۡرِکُوۡنَ (آپ فرمادیجئے کہ معبود صرف ایک ہے اور بلاشبہ میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں)

یہود و نصاریٰ کی ہٹ دھرمی ..... اس کے بعد یہود و نصاریٰ کی ضد اور ہٹ دھرمی بیان فرمائی اور فرمایا اَلَّذِيْنَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتٰبَ يَغْرِفُوْنَهُ كَمَا يَغْرِفُوْنَ اِبْتِغَاءَ هُمْ (کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ ان کو پہچانتے ہیں کہ واقعی اللہ کے نبی ہیں جیسے وہ اپنے میوں کو پہچانتے ہیں) کیونکہ توریت اور انجیل میں آپ کی آمد کی خبر اور بشارت پڑھ چکے ہیں اور جو صفات و علامات آپ کے بارے میں بتائے گئے تھے انہیں دیکھ چکے ہیں۔ پہچاننے کے باوجود منکر ہو رہے ہیں اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (جن لوگوں نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے حق کا انکار کیا اور آپ کی نبوت کو نہ مانا یہ لوگ اپنی جانوں ہی کو تباہ کر بیٹھے یہ ایمان نہ لائیں گے)۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿١١﴾ وَيَوْمَ

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو ائمہ پر ہتھان باندھے۔ اس کی تینوں کوجھٹانے، بے شکم بات یہ ہے کہ ظلم کرنے، والے کامیاب نہیں ہوتے، اور جس ان ہم

نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۝ ثُمَّ لَمْ

ان سب کو جمع کریں گے پھر ان لوگوں سے ہم کہیں گے جنہوں نے شرک کیا کہاں ہیں تمہارے شریک جن کے بارے میں تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟ پھر نہ ہوگا ان کا

تَكُنْ فِتْنَتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ۝ أَنْظِرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ

فریب اس کے سوا کہ وہ کہیں گے قسم سے اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے۔ دیکھو کیسا جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور وہ سب کچھ

وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ

عائب ہوا جو وہ جھوٹ بنایا کرتے تھے، اور ان میں بعض وہ ہیں جو آپکی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے اٹال دیئے ہیں کہ وہ اسکو

يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقُرْءًا وَإِنْ يَرَوْا كَلَّ آيَةً لَا يُؤْمِنُوا بِهَا حَتَّى إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ

سبھی اوردان کے کانوں میں بھاری پن کر دیا۔ اور اگر ہر لوگ ہر طرف کی نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے، یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے

يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٥٠﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْعُونَ عَنْهُ ؕ وَإِنْ

بظنہ کر تے ہیں، جنہوں نے کفر کیا، وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بچپن کے لوگوں کی لکھی ہوئی باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں اور وہ لوگ اس سے منع کرتے ہیں اور اس سے دور ہوتے ہیں، اور وہ لوگ

## يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٦﴾

ہلاک کرتے مگر اپنی ہی جانوں کو اور سمجھتے نہیں ہیں۔

### قیامت کے دن مشرکین سے سوال فرمانا اور ان کا مشرک ہونے سے انکار کرنا

مشرکین کا یہ طریقہ تھا کہ شرک بھی کرتے تھے اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ پاک کے باغی مت بنو۔ توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار نہ کر دو کہہ دیتے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے اور جو آیات بینات نبیوں کے واسطے سے ان تک پہنچی تھیں انہیں جھٹلا دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے۔ یہ ظالم سمجھتے ہیں کہ ہم منہ زوری کر کے جو گمراہی پر مشتمل ہوئے ہیں اور نبی کی بات کو قبول نہیں کرتے یہ کامیابی کی بات ہے۔ ان کا یہ سمجھنا جبالت اور سفاکت پر مبنی ہے۔

إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٦﴾ (بلاشبہ بات یہ ہے کہ ظالم کامیاب نہ ہوں گے) یہ منہ زوری اور ہٹ دھرمی ان کے کام نہ آئیگی آخرت میں و انکی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ظالموں کی ناکامی اور بربادی کا تذکرہ فرما کر آخرت کا ایک منظر بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا: وَنُؤْمِنُ بِخَشْرِهِمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا آتِنِمْ شُرَكَاءَهُمْ الَّذِينَ كُنتُمْ تُزْعِمُونَ ﴿٦﴾ (اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کے بارے میں تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ بھی معبود ہیں..... یہ سن کر وہ شرک سے منکر ہو جائیں گے اور وہاں بھی فریب کاری سے کام لیں گے۔ انکا فریب یہی ہوگا کہ وہ کہیں گے کہ وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مِنْ شِرْكِهِمْ كَيْفَ (کہ اللہ کی قسم ہم تو شرک کرنے والے نہ تھے) وہاں کا عذاب دیکھیں گے تو جھوٹ بول کر عذاب سے بچنے کی کوشش کریں گے۔ جیسا کہ دنیا میں بعض مرتبہ اپنے افعال و اعمال کا انکار کر کے دنیاوی حاکموں کے سامنے چھٹکارا پالیتے تھے۔ آخرت کے دن اللہ تعالیٰ قاضی ہوگا وہ علیم ذمیر، سمیع بصیر ہے اس کے سامنے جھوٹ نہ چل سکے گا لیکن یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی سے اپنے قصور کا انکار ہی کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٦﴾ (دیکھو اپنی جانوں پر کیسا جھوٹ بولا اور وہ سب کچھ غائب ہو جاوہ جھوٹ بنایا کرتے تھے) قیامت کے دن مشرکین کے اقوال مختلف اوقات میں مختلف ہوں گے۔ اولاً تو صاف صریح جھوٹ بول دیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے کہ شاید اسی جھوٹ سے کام چل جائے اور عذاب میں داخل ہونے سے چھٹکارہ ہو جائے پھر جب ان کے خلاف گواہیاں ہوں گی اور خود ان کے اعضاء بھی ان کے خلاف گواہی دیں گے تو اپنے جرم کا اقرار کر لیں گے (فَاَعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ)

مشرکین کا قرآن سے منتفع نہ ہونا اور یوں کہنا کہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں..... اس کے بعد فرمایا وَمِنْهُمْ مَنْ يُسْمِعُ الْبَلَدَ (اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں) وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ (اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے کر دیئے کہ وہ اس کو سمجھیں یعنی یہ پردے انہیں قرآن سمجھنے نہ دیئے) وَفِيْ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (اور ان کے کانوں میں بھاری پن کر دیا) جس کی وجہ سے ٹھیک طرح سے سن بھی نہیں سکتے) اور اس محرومی کی وجہ یہ ہے کہ جو کان لگاتے ہیں تو سننے اور سمجھنے کے لئے..... نہیں لگاتے بلکہ بطور تمسخر اور استہزاء کے کان لگاتے ہیں۔

وَأَنْ يَرَوْا كَلِمَةَ إِلَهِ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا (اور اگر ساری نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے) کیونکہ ضد پر اترے ہوئے ہیں اور ہٹ دھرمی پر کمر باندھ رکھی ہے حتیٰ اذا جاءوا لِفِتْاجٍ لَوْ نَشَاءُ لَقَوْلُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (یہاں تک کہ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑے کرتے ہیں قرآن مجید جو کتاب مبین ہے دلائل سے بھری ہوئی ہے فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مرتبہ کو پہنچی ہوئی ہے اس کے بارے میں کافروں کو کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں) دلائل کے سامنے عاجز ہیں لیکن ماننے کا ارادہ نہیں ہے بات نہیں بن پڑتی تو پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں بتا دیتے ہیں۔

پھر فرمایا وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْهَوْنَ عَنْهُ (وہ لوگ آپ کے پاس آنے سے روکتے ہیں اور خود بھی دور ہوتے ہیں) دوسرے جرم کے مرتکب ہیں۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ ایذا پہنچانے والوں کو روکتے ہیں اور آپ تک پہنچنے نہیں دیتے اور خود بھی دعوتِ توحید سے دور رہتے ہیں۔ اگر یہ معنی مراد ہوں تو اس سے آپ کے چچا ابوطالب اور دوسرے اقربا مراد ہیں ان کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ لوگ آپ کو تکلیف پہنچائیں لیکن آپ کے دین کو کبھی قبول نہ کرتے تھے۔

قال صاحب معالم التنزيل صفحه ۹۱ جلد ۲ نزلت فی ابی طالب کان ینہی الناس عن اذی النبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہوسلم ویمنعہم وینی عن الایمان بہ وفی تفسیر ابن کنیر صفحه ۱۲۷ جلد ۲ قال سعید بن ابی ہلال نزلت فی عمومۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا عشرۃ وکانوا اشد الناس فی العلانیۃ و اشد الناس علیہ فی السر۔ (تفسیر معالم التنزیل کے مصنف فرماتے ہیں یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ دوسروں کو حضور ﷺ کی ایذا رسانی سے منع کرتا تھا اور خود آپ ﷺ پر ایمان لانے سے گریزاں تھا اور تفسیر ابن کنیر میں ہے کہ حضرت سعید بن ابی ہلال فرماتے ہیں یہ آیت حضور ﷺ کے چچاؤں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کہ دس تھے وہ اعلانیہ طور پر تو لوگوں پر شدید تھے مگر اندرونِ حال حضور ﷺ پر شدید تھے)۔ (سعید بن ہلال کہتے ہیں کہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں کے بارے میں نازل ہوئی۔ آپ ﷺ کے دس چچا تھے جو بظاہر آپ ﷺ کے ہمدرد لیکن حقیقت میں آپ کے مخالف تھے)

آخر میں فرمایا وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَهَاسِفُونَ (یہ لوگ اپنی گمراہی اور افتراء اور کذب بیانی کی وجہ سے اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور وہ سمجھتے نہیں کہ اس طریق کار کا کیا انجام ہوگا)۔

وَلَوْ تَرَى إِذْ وَقَفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا لَیْسَتْ نَارُ وَلَا نُكْذِبُ رَبَّنَا وَنَكُونُ

اور آپ اگر اس وقت دیکھیں جب وہ کھڑے کئے جائیں گے دوزخ پر تو انھیں گے ہائے! ہماری برہمنی کاش ہم واپس کر دیے جاتے اور اپنے رب کی آیت کو نہ جانتے اور اللہ کو مان

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ بَلْ بَدَأَ لَهُمْ مَا كَانُوا يُخْشَوْنَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا

والوں میں سے جو جاتے! بلکہ بات یہ ہے کہ وہ جس چیز کو اس سے پہلے چھپایا کرتے تھے وہ ظاہر ہو گئی اور اگر وہ واپس کر دیے جائیں تب وہ بھی وہ کام کریں گے

عَنْهُمْ لَكَرْبَنَ ۝ قَالُوا إِنَّا الْأَحْيَاءُ الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝ وَلَوْ تَرَى إِذْ

جس سے وہ منع کئے گئے اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں اور انہوں نے کہا کہ بس یہی ہے ہماری دنیاوی زندگی اور ہم نہیں ہیں مٹنے والے اور اگر آپ اس وقت جب کھڑے

وَقِفُّوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۖ قَالَ أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ

کئے جائیں گے اپنے حضور کے، رب تعالیٰ شانہ کا سوال ہوگا کیا یہ حق نہیں ہے؟ جواب میں کہیں گے کہ ہاں! ہمارے رب کی قسم یہ حق ہے! رب تعالیٰ شانہ فرمائیں گے کہ چھو عذاب

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝

اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے۔

کافروں کا دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو کرنا

ان آیات میں اللہ جل شانہ، نے کافروں کا حال بیان فرمایا ہے اور روز محشر کا ایک منظر بتایا ہے فرمایا کہ اگر آپ ان لوگوں کا وہ حال دیکھیں جب وہ دوزخ پر کھڑے کئے جائیں گے تاکہ اس میں داخل کئے جائیں اور اپنی آنکھوں سے وہاں کا عذاب دیکھ لیں گے تو کہیں گے کہ کاش ہم دنیا میں واپس کر دیئے جاتے اور اب وہاں جا کر اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلاتے۔ آپ یہ دیکھیں گے تو عجیب منظر ہوگا۔

اللہ جل شانہ، کا ارشاد ہے کہ یہ بات نہیں ہے کہ ایمان کی رغبت اور محبت کی وجہ سے دنیا میں واپس جانے کی آرزو کر رہے ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ جو کچھ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے تھے یعنی کفر اس کا نتیجہ سامنے آگیا۔ دنیا میں جانے کی آرزو اس لئے کر رہے ہیں کہ عذاب نار سے خلاصی ہو جائے۔

اگر دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو پھر بغاوت کریں گے..... مزید ارشاد ہوگا وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ اور اگر ان کو دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے تو پھر وہی کریں گے جس سے منع کیا گیا ہے۔ وَانَّهُمْ لِكَاذِبُونَ (بلاشبہ وہ اپنی اس بات میں جھوٹے ہیں کہ ہم آیات کی تکذیب نہ کریں گے اور مومن بن جائیں گے)

وَقَالُوا إِن هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝ (اور یوں کہتے ہیں کہ اچی اور کوئی زندگی نہیں ہے بس یہی دنیا والی زندگی ہے) انہوں نے رسولوں کی بات کو نہ مانا جب مانیں گے۔ پھر فرمایا وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ ذُوقُوا عَذَابَ أَلْفِیٍّ قَالُوا لَئِنْ لَّمْ يَرْجِئْنَا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝ (اگر آپ اس منظر کو دیکھیں جبکہ وہ قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور اس وقت اللہ جل شانہ وعظم نوالہ..... کا سوال ہوگا کہ کیا حق نہیں ہے؟ اس پر وہ جواب میں کہیں گے ہاں ہمارے رب کی قسم یہ حق ہے) لیکن اس وقت کی تصدیق کچھ کام نہ دے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ (کہ اپنے کفر کی وجہ سے عذاب چکھ لو۔)

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا لَیْسَ بِهَٰذَا إِلَّا نَارُ الْعَذَابِ ۖ

اس میں شک نہیں کہ وہ لوگ خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا یہاں تک کہ جب ان کے پاس اچانک قیامت آجائے گی تو کہیں گے کہ ہائے ہماری خسرت اس

مَا قَرَّنَا فِيهَا ۚ وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ ۖ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ۝ وَمَا الْحَيَاةُ

پر جو ہم نے دنیا میں کوتاہی کی اور اپنے بوجھوں کو اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ خبردار! ہر اے وہ بوجھ جسے وہ اٹھا رہے ہوں گے اور انہیں

## الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۚ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۵﴾

دنیا، اتنی زندگی مگر ایک لعب اور ہوا اور البتہ آخرت والا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو پیہر کا رے اختیار کرتے ہیں کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟

ان آیات میں اول تو اللہ جل شانہ نے یہ فرمایا کہ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا۔ یعنی قیامت کے دن کا انکار کیا اور اس دن کے آنے کو نہ مانا تو وہ خسارہ میں پڑ گئے اور انہوں نے اپنا نقصان کیا، اور نقصان بھی کیسا؟ دنیا میں تو کچھ مال ہی کا نقصان ہو جاتا ہے آخرت کے اعتبار سے انہوں نے اپنی جانوں ہی کا نقصان کر دیا اور اپنی جانوں کو عذاب میں ڈالنے کا ذریعہ بن کر بالکل ہی جانوں کو کھو بیٹھے روز قیامت کا انکار کر دیا اور انکار کرتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب اچانک قیامت آجائے گی تو کہیں گے کتنی بڑی حسرت کی چیز ہے جو ہم نے دنیا میں تقصیر کی، دنیا میں لگے رہے اسی کو سب کچھ سمجھا اور آخرت کی حاضری کو نہ مانا۔ اس وقت یہ لوگ اپنے گناہوں کے بوجھ اپنے اوپر لا دے ہوئے ہوں گے اور کفر اور دیگر اعمال کی سزا اور پاداش سے بچنے کا کوئی راستہ نہ دگا۔ موت کے وقت توبہ کے سب دروازے بند ہو گئے اور گناہوں کا بوجھ اتار کر بھیجنے کا کوئی راستہ نہ رہا۔ اب تو ان گناہوں کی سزا بھگتنی ہی ہوگی۔

خبردار! خوب سمجھ لیں کہ جو بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں وہ بہت برا بوجھ ہے جو ان کے دائمی عذاب کا ذریعہ بن رہا ہے۔ پھر فرمایا کہ وَمَا الْحَيٰوةُ فِي الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ (دنیا الی زندگی بس لعب و لہو ہے) یعنی باطل ہے اور غرور ہے نہ اس کو وہام ہے نہ اس کے منافع اور لذتوں کو بقا ہے، اس کے ذریعہ حقیقی حاجت پوری نہیں ہوتی۔ حقیقی حاجت آخرت کی حاجت ہے، دنیا میں جس طرح بچے آپس میں مل کر کھیلتے ہیں کھانے کی دکان بھی کھولتے ہیں اور جھوٹ موٹ کو کھاتے ہیں پھر تھوڑی دیر میں ماں باپ سے کھانا۔ مانگنے لگتے ہیں، اگر ان سے کہا جائے کہ تمہارا تو بھل کھلا ہوا تھا اس میں کیوں نہیں کھاتے اس کا کیا ہوا؟ تو اس کا جواب یہی ہے کہ وہ تو ایک کھیل تھا حقیقت نہیں تھی۔ پیٹ تو حقیقی کھانے سے بھرتا ہے، پیاس حقیقی پینے سے بجھتی ہے۔ دنیا چونکہ لہو و لعب ہے اس لئے اس ہے آخرت کی حاجتیں پوری نہ ہوں گی وہاں تو مجرم شخص یہ کہے گا۔ مَا اَعْنٰی عَنِّيْ مَالِيْہٗ هٰذَا غَنٰی سُلْطٰنِيْہٗ (مجھے فائدہ نہ دیا میرے مال نے برابر ہو گیا میرا اقتدار ہاں اسی دنیا میں جو حصہ اللہ کی رضا میں لگا دیا وہ حدود دنیا داری سے نکل گیا وہ آخرت میں کام دے گا۔ بشرطیکہ ایمان پر موت آئی ہو۔

پھر فرمایا وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ اتَّقَوْا (اور البتہ دار آخرت بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو شرک اور کفر سے بچتے ہیں) لہذا دار آخرت ہی کے لیے کوشش کرنا لازم ہے، یہاں فنا ہے وہاں بقا ہے، یہاں ذرا سا مزہ ہے وہاں اہل تقویٰ کے لئے مستقل دائمی لذت اور آرام ہے۔ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۵﴾ (کیا تم نہیں سمجھتے) کفر و شرک کو چھوڑ کر ایمان اور اعمال صالحہ کیوں اختیار نہیں کرتے؟ سمجھ سے کام لیں تو کفر و شرک کی قباح واضح ہو جائے اور ایمان اور اعمال صالحہ کا آخری نفع سمجھ میں آجائے۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لِيَحْزُنَكَ الَّذِي يَقُولُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظَّٰلِمِيْنَ بَايٰتٍ

ہم جانتے ہیں کہ بے شک آپ کو ان کی باتیں رنجیدہ کرتی ہیں۔ سو یہ سنی بات ہے وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے اور لیکن ظالمین کلمہ کرنے والے اللہ کی آیتوں پر

اللّٰہِ يَمْحَدُوْنَ ﴿۶﴾ وَلَقَدْ كَذَّبْتَ رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبْرٌ وَّاَعْلٰی مَا كَذَّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰی

انکار کرتے ہیں اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کو بھیجا گیا سو انہوں نے جھٹلاتے جاتے پر اور ایذا نہیں پہنچتے پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے



اَنَّهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَّبَإِ الْمُرْسَلِينَ ۝ وَإِنْ كَانَ كَبُرَ

پاس ہماری مدد آگئی اور اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں اور البتہ پیغمبروں کی لافض خبریں آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں اور اگر آپ کو ان کا اعراض کرنا

عَلَيْكَ اِحْزَانُهُمْ فَإِنْ اسْتَلَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفْسًا فِي الرَّضِ اَوْ سُلْمًا فِي السَّمَاءِ فَتَاتِيَهُمْ

ہمراں نذر رہا سے تو اگر آپ سے ہو سکے تو آپ زمین میں کوئی سر تک یا آسمان میں کوئی زینہ تلاش کر لیں پھر آپ

بِأَيَّةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهَدْيِ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ

ان کے پاس جو چیز لے آئیں تو آپ ایسا کر دیجئے اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر متوجہ کر دیتا۔ لہذا آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے۔ بات کو وہی قبول کرتے ہیں

الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۚ وَالْمَوْتُ يَنْبَعَثُهُمْ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

جو سنتے ہیں اور مردوں کو اللہ زندہ فرمائے گا پھر اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور انہوں نے کہا کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر

آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْزِلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

کوئی پریشانی کیوں نہیں اتاری گئی۔ آپ فرمادیجئے کہ بلاشبہ اللہ اس پر قادر ہے کہ نشانی نازل فرمائے لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

مشرکین مکہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں

معالم التنزیل صفحہ ۹۳ جلد ۲ میں لکھا ہے کہ اخنس بن شریق کی ابو جہل سے ملاقات ہو گئی۔ اخنس نے ابو جہل سے کہا کہ۔ اس وقت

یہاں تیرے اور میرے سوا کوئی نہیں تو مجھے جی بات بتاؤ کہ محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دعوے میں سچے ہیں یا جھوٹے؟

ابو جہل نے کہا اللہ کی قسم اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن ہمارے جھٹلانے کی وجہ

سے یہ ہے کہ جب بنو نضی (جو قریش کا ایک قبیلہ تھا جس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے) کہ پاس علمبرداری بھی چلی جائے اور

ستقایہ (یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت) بھی چلی جائے اور کعبہ شریف کی کلید برداری بھی چلی جائے اور مجلس شوریٰ کی سرداری بھی

انہی کو پہنچ جائے اور نبی بھی انہیں میں سے ہو جائے تو باقی قریش کے لئے کیا بچے گا؟

اور بعض روایات میں ہے کہ ابو جہل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ پر ہمت نہیں دھرتے اور نہ آپ کو جھٹلاتے

ہیں ہم اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جس کی دعوت لے کر آپ تشریف لائے، اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ شانہ، نے فرمایا کہ ان کو آپ

کی نبوت و رسالت میں اور آپ کے دعوے کے سچے ہونے میں کوئی شک نہیں یہ آپ کو سچا سمجھتے ہیں لیکن اللہ کی آیات سے ضد ہے اللہ کی

آیات ان کے اعتقادات اور ان کے شرک کے خلاف کھول کھول کر بیان کر رہی ہیں اس لئے ان کے مخالف ہیں اور ان کو جھٹلاتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلی..... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو سلی دیتے ہوئے فرمایا..... وَلَقَدْ كَذَّبْتَ رَسُولَ

عَلَىٰ قَبْلِكَ فَصَبْرٌ وَاحٍ لَّنَا وَلِبَاسٌ لَّكَ وَأَنْتَ لَا تَهْتَفُ بِهِنَّ نَظَرُنَا..... (اور آپ سے پہلے رسولوں کو بلا یا یا چاہے انہوں نے کافریں ہی

تکذیب و ایذا رسانی پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آگئی)..... اس میں دو باتیں ہیں اول تو یہ کہ ان لوگوں کا جھٹلانا اور

دکھ اور تکلیف دینا کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے جو انبیاء کرام علیہم السلام آئے ان کے ساتھ بھی ایسا ہوا۔ ان حضرات نے صبر کیا

آپ بھی صبر کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء سابقین کے پاس ہماری مدد آگئی۔ انشاء اللہ آپ کے پاس بھی ہماری مدد آجائے گی۔  
وَلَا تُضِلُّنَا لِلْكَافِرِينَ لَكُمْ (اور اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں) اس کی تفسیر اور ربط بیان کرتے ہوئے صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا کہ إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا (بے شک ہم ضرور ضرور اپنے رسولوں کی مدد کریں گے) اور فرمایا كُتِبَ اللَّهُ لَا غَلِبَنَّ أَتَاوَزُ سُلْبِي (اللہ نے لکھ دیا کہ میں ضرور بالضرور غالب ہوں گا اور میرے رسول)۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ سارے رسولوں کے بارے میں ہے جیسے انبیاء سابقین کی مدد ہوئی آپ کی بھی مدد ہوگی۔ اللہ کے کلمات کو یعنی اس کے فیصلوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔

پھر فرمایا وَلَقَدْ جَاءَتْكَ مِنْ كِبَائِي الْمُرْسَلِينَ (اور البتہ آپ کے پاس پیغمبروں کی خبریں آپ کی آپ کی ہیں یعنی انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات آپ کو معلوم ہیں ان کی امتوں نے ان کے ساتھ دشمنی اور ایذا رسانی کا معاملہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور ظالمین اور معاندین ہلاک اور برباد ہوئے آپ صبر کریں اور مدد کا انتظار کریں۔

وَأَنَّ كَانَ كِبَرُ عَيْنِكَ إِغْوَا ضَلُّهُمْ (الایہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بہت حرص تھی کہ میری قوم اسلام قبول کر لے وہ لوگ ایمان قبول نہیں کرتے اور بطور عناد طرح طرح کے معجزات کی فرمائش کرتے تھے کہ یہ معجزہ دکھاؤ اور یہ کام کر کے بتاؤ آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ ان کی فرمائش کے معجزات ظاہر ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی فرمائش پوری نہ کی جاتی تھی۔ خود قرآن کریم ان کے پاس بہت بڑا معجزہ تھا اور دوسرے بھی معجزات سامنے آتے رہتے تھے لیکن وہ کہتے رہے کہ ایسا ایسا ہو جائے تو ہم مان لیں گے۔ فرمائشی معجزات کا ظہور نہ ہوتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبیدہ خاطر ہوتے تھے یعنی طبعی طور پر آپ کو ملال ہوتا تھا، اللہ جل شانہ، نے آپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر آپ کو ان کا اعراض کرنا گراں گزر رہا ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ یا کوئی زینہ آسمان میں جانے کا تلاش کر لیں پھر آپ ان کے پاس معجزہ لے کر آئیں تو آپ ایسا کر لیجئے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر آپ زمین میں نیچے اتر کر یا آسمان کے اوپر جا کر ان کا فرمائشی معجزہ لا سکتے ہیں تو آپ ایسا کر لیجئے ان کی فرمائش کے مطابق معجزہ پیدا کرنا لازم نہیں ہے آپ کو اگر اصرار ہے تو آپ خود ہی فرمائشی معجزہ دکھا دیجئے لیکن اللہ کی مشیت کے بغیر تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے آپ صبر ہی سے کام لیں اور تکوینی طور پر سب کو مسلمان ہونا بھی نہیں اس لئے اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ سب مسلمان ہو جائیں۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَى (اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع فرمادیتا) فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ (تو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے) جو کچھ ہے اللہ کی حکمت کے مطابق ہے۔ آپ اللہ کی حکمت اور قضا و قدر پر راضی رہیں۔

پھر فرمایا إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ (حق کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو قبول کرنے کے ارادہ سے سنتے ہیں) وَالْمَوْنَى يَنْفَعُهُمُ اللَّهُ (اور مردہ لوگ یعنی کافر جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن اٹھائے گا) ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ (پھر اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے) اور اپنے عقیدہ اور عمل کی سزا پالیں گے۔

پھر فرمایا وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ (اور ان لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں اتاری گئی نشانی ان کے رب کی طرف سے) نشانیاں تو بہت تھیں لیکن جو اپنی تجویز کردہ نشانی چاہتے تھے اس کے بارے میں انہوں نے یہ بات کہی، اس کے جواب میں فرمایا۔ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْزِلَ آيَةً (آپ فرمادیجئے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ نشانی نازل فرمائے) وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا

لَعَلَّكُمْ ۝ (لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے) اللہ تعالیٰ ان کا پابند نہیں کہ ان کے کہنے کے مطابق معجزات پیدا فرمائے، فرمائش کے معجزہ پیدا فرمانا اس بات کی دلیل نہیں کہ اس کی حکمت کے مطابق قدرت نہیں ہے اسے قدرت سب کچھ ہے لیکن اس کی تخلیق اس کی حکمت کے مطابق ہوتی ہے اور یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ فرمائش کے مطابق اگر معجزہ ظاہر ہو جائے اور پھر بھی نہ مانے تو پھر جھیل نہیں دی جاتی۔ ان کو صرف عناد ہے قبول کرنا ہی نہیں اور اپنا بھلا برا نہیں جانتے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا ظَيْرٍ يَّطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أَمٌّ أَمْثَلُكُمْ مَا فَطَرْنَا فِي

اور جو بھی کوئی جانور زمین میں چلنے والا ہے اور جو بھی کوئی پرندہ ہے جو اپنے بازوؤں سے اڑتے ہیں سب تمہاری ہی طرح کی امتیں ہیں۔ ہم نے کتاب میں کوئی چیز

الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ ۝

نہیں چھڑائی۔ پھر سب اپنے رب کی طرف تعلق رکھنے والے ہیں اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو اٹھایا وہ بہرے ہیں۔ صم ہے۔

يَشَاءُ اللَّهُ يُضِلَّهُ ۖ وَمَنْ يَشَأْ يُجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ

اگر عذاب میں سے کوئی چیز چاہے گمراہ کر دے اور نہ چاہے سیدھے راستے پر ڈال دے۔ آپ فرمائیے کہ تم بتاؤ۔ اگر تم پر اللہ کا عذاب

أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ ۚ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ

آجائے یا تمہارے پاس قیامت آجائے کیا اللہ کے سوا کسی کو پکارو گے اگر تم سچے ہو، بلکہ تم ان کو پکارتے ہو پھر وہ اگر چاہے تو ان

مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ وَتَكْسُونَ مَا تَشْرِكُونَ ۝

مصلحت کو دہر کر دیتا ہے جس کی طرف تم اسے پکارتے ہو اور تم جو شرک کرتے ہو اسے بھول جاتے ہو۔

چوپائے اور پرندے تمہاری طرح امتیں ہیں اللہ سب کو محشور فرمائے گا

ان آیات میں اول تو یہ بتایا کہ زمین پر جو بھی چلنے والے چلتے ہیں اور جو بھی پرندے اپنے بازوؤں سے اڑتے ہیں سب تمہاری طرح امتیں یعنی مختلف جماعتیں ہیں۔ ان کے احوال محفوظ ہیں۔ ان سے متعلقہ امور مقرر ہیں ان کی جو مصلحتیں ہیں ان کے مطابق زندگیوں گزار رہے ہیں سب کو اللہ کی تقدیر اور تدبیر شامل ہیں۔

قال صاحب الروح اسم امثالكم في ان احوالها محفوظة وامورها معينة ومصالحها مرعية جارية على سنن السداد منتظمة في سلك التقديرات الالهية والتدبيرات الربانية (صفحة ۱۳۳ جلد ۷) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ تمہاری طرح کی امتیں اس طرح ہیں کہ ان کے حالات محفوظ ہیں اور ان کے معاملات معین ہیں اور ان کی مصلحتوں کی رعایت کی جارہی ہے جو صحیح طریقہ سے چل رہی ہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیرات اور تدبیرات کے نظام میں پابند ہیں۔

پھر فرمایا..... مَا فَطَرْنَا فِي الْكِتَابِ (ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی) لوح محفوظ میں ساری کائنات اور اس کے احوال لکھے ہوئے ہیں اس میں کوئی چیز ایسی نہیں صرف جو لکھی نہ ہو، جو جانور اور پرندے موجود ہیں اور آئندہ ہونگے تقدیر ان سب کو بھی شامل ہے۔ انسان اور جنات جو مکلف ہیں تقدیر انہی پر مشتمل نہیں۔ بلکہ دوسری مخلوق کو بھی شامل ہے۔

پھر فرمایا **ثُمَّ إِلَیْ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ** (پھر اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے) یعنی موت کے بعد قیامت کے دن سب جمع ہوں گے اور اپنے اعمال کا بدلہ پائیں گے، معاندین ایسے معجزات کی فرمائش کرتے تھے جن کو اپنے پاس تجویز کرتے تھے اور موت کے بعد زندہ ہونے کے بھی منکر تھے اور ان کو یہ اشکال ہوتا تھا کہ اتنی مخلوق ہے اور اتنے انسان ہیں یہ سب مریں گے پھر جیٹیں گے ان کی یادداشت کیسے رہے گی۔

اس کا استبعاد رفع فرمادیا کہ صرف سارے بنی آدم بلکہ جتنی بھی مخلوق ہے چہند پرند تمام چوپائے حیوانات سب تمہاری طرح سے امتیں اور جماعتیں ہیں اور سب لوح محفوظ میں مندرج ہیں اور ان کی تعداد بنی آدم سے بہت زیادہ ہے۔  
لوح محفوظ میں اندراج سے کوئی چیز چھوٹی ہوئی نہیں ہے۔ تمہارا اور ان سب کا زندہ کرنا کوئی مشکل بات نہیں۔ خالق تعالیٰ شانہ، کے علم سے کوئی چیز نکل نہیں سکتی ایک ایک فرد کا اسے علم ہے وہ ساری مخلوق سے پوری طرح باخبر ہے۔ یاد رکھنے کے لئے اُسے لکھنے کی ضرورت نہیں پھر بھی سب کچھ کتاب میں لکھ دیا ہے۔

جو تو میں مکلف ہیں انسان اور جنات ان کا تو حساب ہوتا ہی ہے۔ جانوروں کو بھی آپس میں بدلے دلائے جائیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم ضرور بالضرور اہل حقوق کے حقوق ادا کرو گے۔ یہاں تک کہ بے سینگوں والی بکری کو سینگوں والی بکری سے بدلہ دلایا جائے گا۔ (اگر سینگ والی نے دنیا میں اسے مارا ہوگا)۔ (رواہ مسلم صفحہ ۳۲۰ جلد ۲)

تکذیب کرنے والے بہرے اور گونگے ہیں..... پھر فرمایا **وَالَّذِينَ كَذَبُوا بآيَاتِنَا ضُْمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ** (اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا گونگے اور بہرے ہیں اندھیروں میں ہیں) کفر کی تمام انواع کے اعتبار سے الظلمت (اندھیریاں) جمع کے صیغہ کے ساتھ فرمایا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہل کی ظلمت اور عناد کی ظلمت اور تقلید باطل کی ظلمت مراد ہو۔  
کما قال الروح من بَشَاةِ اللَّهِ يُضِلُّهُ (جسے اللہ چاہے گمراہ کرے) **وَمَنْ يَشَأْ يُجْعَلْهُ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ** (اور جسے چاہے صراط مستقیم پر ڈال دے) اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ کے ذمے جو کام ہے کرتے رہیں یعنی حق کی دعوت دیتے رہیں۔ ہدایت دینا اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے آپ کے ذمے ہدایت دینا نہیں ہے آپ کا کام پہنچا دینا ہے۔

مصیبت میں صرف اللہ کو پکارتے ہو..... اس کے بعد ارشاد فرمایا **قُلْ أَزْءَ يُتَكْتَمُ إِنَّكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتُكْتَمُ السَّاعَةُ أَعْمَرَ اللَّهُ تَذَعُونَ** (کہ آپ ان سے دریافت فرمائیے کہ تم لوگ جو توحید سے ہٹ رہے ہو اور شرک پر جھے ہوئے ہو۔ اگر تمہارے پاس عذاب دنیاوی پہنچ جائے یا قیامت آجائے کیا اللہ کے سوا کسی کو پکارو گے؟)

ایسا نہیں ہے بلکہ مصیبت پڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہو اور صرف اسی سے دفع مصائب کا سوال کرتے ہو اس وقت معبودان باطلہ کو بھول جاتے ہو۔ اگر تم سچے ہو کہ معبودان باطل کی عبادت سے نفع پہنچتا ہے تو ان کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف آڑے وقت میں کیوں متوجہ ہوتے ہو، معلوم ہوا کہ یہ جھوٹے معبود جو تم نے بنائے ہیں کسی بھی نفع اور ضرر کے مالک نہیں پھر ان کو پکارنا اور ان کی عبادت محض حماقت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟..... پھر فرمایا **بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُنْشِرُونَ** (بلکہ تم اللہ ہی کو پکارتے ہو، پھر وہ اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے جس کے دور کرنے کے لئے اسے پکارا اور مصیبت کی وقت ان کو بھول جاتے ہو جن کو شریک ٹھہراتے ہو۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَآخَذْنَاهُمْ بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ۝ فَلَوْلَا

اور ہم نے آپ سے پہلے امتوں کی طرف رسول بھیجے سو ہم نے اس کو سختی کے ذریعہ اور تکلیف کے ذریعہ پکڑا تاکہ وہ عاجزی کریں سو کیوں انہوں نے

إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَلَمَّا

عاجزی نہ کی۔ جب ان پر ہمارا عذاب آیا لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو حسین کر کے دکھایا۔ سو جب وہ اس نصیحت کو بھول

نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۖ إِذَا فِرْجَا بِمَا أَوْتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَعَثَةٌ ۖ فَذَا

گئے جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ اس چیز پر اترے جو ان کو ملنا کی گئی تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا۔ سو اس وقت امید

هُم مُّبْلِسُونَ ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

ہو کر رہ گئے سو ان لوگوں کی جزا کاٹ دی گئی۔ جنہوں نے ظلم کیا اور سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

سابقہ امتوں کا تذکرہ جو خوشحالی پر اترانے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے

ان آیات میں پچھلی امتوں کا حال بتایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ہم نے ان کے پاس رسول بھیجے انہوں نے ان کو جھٹلایا لہذا ہم نے ان کو سختی اور دکھ تکلیف کے ذریعہ پکڑ لیا لفظ الباساء والضراء کے عموم میں وہ سب تکلیفیں داخل ہیں جو عام طور پر اہل دنیا کو انفرادی اور اجتماعی طور پر وقتاً فوقتاً پہنچتی رہتی ہیں۔

قحط، بھوک، مہنگائی، وبائی امراض جانوں اور مالوں کا نقصان یہ سب چیزیں ان دونوں لفظوں کے عموم میں آجاتی ہیں۔ جب ان چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی تاکہ عاجزی کریں اور گڑگڑائیں اور اپنے کفر سے توبہ کریں تو وہ الٹی چال چلے اور بجائے تضرع و زاری کے اور توبہ اور عاجزی کے اپنی گمراہی اور مصیبت میں ہی لگے رہے ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں اچھا کر کے دکھایا اور بتایا کہ تم جس طریقہ پر ہو خوب اور بہتر ہے۔ جب مصائب اور تکلیف کے باوجود حق کو اختیار نہ کیا اور کفر سے باز نہیں آئے اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور تبلیغ کو بھول بھلیا کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یعنی بہت زیادہ نعمتیں دیدیں اور مال و متاع سے نواز دیا، خوب آرام و راحت سے عیش و عشرت کی زندگی گزارنے لگے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے نعمتوں پر اترانے لگے اور ایسے اترانے کہ نعمتیں دینے والے کو بھول گئے۔

یعنی یہ خیال ہی نہ رہا کہ جس ذات پاک نے یہ نعمتیں عطا فرمائی اس کے حضور میں جھکیں..... جب یہ حال ہو گیا تو اللہ پاک نے اچانک ان کی گرفت فرمائی اور عذاب میں مبتلا فرما دیا اور اب بالکل ہی رحمت سے ناامید ہو گئے اور اس طرح سے ظالموں کی جزا گئی اور ان کا کوئی فرد باقی نہیں رہا۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو سب جہانوں کا رب ہے) اس نے دکھ تکلیف میں مبتلا کر کے رجوع کرنے کا موقع دیا پھر نعمتوں سے نواز لیکن وہ کسی طرح باز نہ آئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے موافق ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسری امت پیدا فرمادی۔ ایک امت ہلاک ہوئی تو دوسری امت نے وہی طرز اختیار کیا جو ان سے پہلی امت کا تھا۔

شکر کا مطلب اور شکر کی اہمیت ..... کسی فرد یا جماعت کے پاس جو بھی کوئی نعمت ہو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور اس کا شکر گزار ہو۔ دل سے بھی شکر گزار ہو اور اپنے اعضاء و جوارح کو بھی فرماں برداری میں لگائے اور نافرمانی سے بچائے تاکہ صحیح معنوں میں شکر گزار بن جائے۔ اگر کسی فرد یا قوم یا جماعت کے پاس کوئی نعمت ہو تو نہ اس پر اترائے اور نہ نعمت دینے والے کو بھولے اور نہ نافرمانی اختیار کرے، اصل نعمت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے ساتھ ہو۔ اگر نعمتیں ہوں اور گنہگاری بھی ہو تو وہ نعمتیں نہیں رہتیں کیونکہ ان کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ وہ گرفت اور عقاب و عذاب کا سبب بن جاتی ہیں۔

نعمتیں ہوں اور ان کے ساتھ اعمال صالحہ ہوں تو یہ اللہ کا مقبول بندہ ہونے کی دلیل ہے اگر نعمتیں ہوں اور نافرمانی ہو اور یہ سمجھے کہ میں اللہ کا مقرب بندہ نہ ہوتا تو یہ نعمتیں مجھے کیوں ملتی ہیں حماقت اور بیوقوفی کی بات ہے جو اللہ تعالیٰ کے نظام تکوینی سے بے خبری پر مبنی ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی بندے کو دیکھو کہ گناہوں کے باوجود اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی محبوب چیزیں دے رہا ہے تو یہ استدراج ہے (جس کا معنی یہ ہے کہ ڈھیل دیکر نعمتیں عطا فرما کر اسے گناہوں میں ترقی کا در زیادہ موقع دیا جا رہا ہے تاکہ وہ زیادہ عذاب میں مبتلا ہو) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت بِالْاٰیٰتِ فَلَمَّا نَسُوْا مَاذٰکُمْ لَیْلَۃٌ اٰخِرَتِکَ تَلَاوٰتِ فرمائی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۳)

یہ انسان کی کیسی نا سمجھی ہے کہ نہ نعمت سے صحیح راہ پر آتا ہے اور نہ نعمت اور عذاب سے عبرت حاصل کرتا ہے۔ سورہ اعراف میں فرمایا وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّا اَخَذْنَا اَهْلَهَا بِالْبَاسِ اَوِ الضَّرَآءِ اَلْعَلٰیْمِ یَضُرُّوْنَ ثُمَّ بَدَلْنَا مَکَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوْا وَاَقْلٰوْا فَاَذْمَسْنَا اَبْنَآءَ نَا الضَّرَآءِ وَالسَّرَّآءِ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (اور ہم نے جس کی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف کے ذریعہ ضرور پکڑا تاکہ وہ لوگ گمراہ بنیں۔ پھر ہم نے بدل دیا سختی کو آسانی سے یہاں تک کہ وہ زیادہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے باپ دادوں کو بھی تکلیف اور خوشی پہنچی ہے تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ بے خبر تھے)

مصائب اور آفات سے عبرت لینے کی بجائے گناہوں پر اصرار کرتے رہنا اور عبرت لینے کی بجائے یہ کہہ کر خود فریبی میں مبتلا ہونا یہ تو دنیا میں ہوتا رہتا ہے ہمارے آباؤ اجداد بھی تکلیف میں مبتلا ہوئے اسی طرح ہم پر بھی مصیبت آگئی ہے یہ اور زیادہ حماقت کی بات ہے مصائب کا سبب گناہوں پر اڑے رہنا اور یہ کہنا کہ یہ تو دنیا میں ہوتا ہی آیا ہے بڑی بدنختی ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذٰلِکَ۔

فرح محمود اور مذموم ..... فرح عربی میں خوش ہونے کو کہتے ہیں اور اس کی دو صورتیں ہیں ایک اس بات کی خوشی کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو نعمت عطا فرمائی کرم فرمایا مہربانی فرمائی، اور زبان اور قلب کے اقرار اور شکر کے ساتھ اطاعت و فرمانبرداری کے کاموں میں لگے رہیں یہ فرح اور خوشی محمود ہے۔

سورہ یونس میں فرمایا قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْنَفِرْ خَوْفًا وَخِیْرًا مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ (آپ فرمادیجئے کہ اللہ کے فضل اور رحمت پر خوش ہوں۔ وہ اس سے بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں)

اور فرح کی دوسری صورت یہ ہے کہ نعمتوں پر اترانے لگے۔ خالق کو یاد نہ کرنے نعمتوں میں مست ہو جائے اور یہ سمجھے کہ یہ سب چیزیں میرے ہنر سے حاصل ہوئیں۔ اوپر جو قُلْ خُوبٰیخَا اَوْتُوْا فرمایا اس سے یہی اترانے والا نعمتیں دینے والے کو بھلا دینے والا فرح مراد ہے

۔ قارون کی قوم نے اس سے کہا لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ (کہ تو مت اتر، بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا) اس پر قارون نے جواب میں کہا اِنَّمَا اُوْبِيْنُهُ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِي (کہ مجھے جو کچھ ملا ہے میرے علم کی وجہ سے ملا ہے) دینے والے کو بھولا، اپنے کمال کا مدعی ہوا۔ لامحالہ اپنے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا مالدار اور تنگدستی کے ذریعہ آزمائش ہوتی ہے تنگ دستی میں راہ حق پر اعمال صالحہ پر باقی رہنا اور گناہوں سے بچنا اتنا مشکل نہیں جتنا مالدار کی میں حق پر جتنا اور دین پر چلنا دشوار ہوتا ہے۔

حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ علی آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔ (مشکوۃ الصالح ص ۴۴۲ ج ۲)

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ علی آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تمہارے بارے میں تنگدستی کا خوف نہیں لیکن مجھے تمہارے بارے میں اس بات کا خوف ہے کہ دنیا خوب دے دی جائے جیسے تم سے پہلے لوگوں کو دے دی گئی تھی پھر تم اس کی رغبت میں آپس میں مقابلہ کرنے لگو جیسے ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے کا مقابلہ کیا پھر وہ تمہیں ہلاک کر دے جیسے انہیں ہلاک کیا۔ (رواہ البخاری ص ۹۵۱ ج ۱، و مسلم ص ۳۰۷ ج ۲)

قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللَّهُ سَعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِ اللَّهِ يَأْتِيَكُمْ

آپ فرما دیجئے کہ اگر اللہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تم کو یہ چیزیں

بہ ۱۰ اَنْظُرْ كَيْفَ نَصَرَفَ الْاٰیٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْذَفُوْنَ ۝ قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ اَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ

دیدے۔ دیکھ لیجئے! ہم کس طرح دلائل بیان کرتے ہیں پھر وہ اعراض کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے! اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے

بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلِكُ اِلَّا الْقَوْمَ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ

بے خبری میں یا خبرداری میں تو کیا ظالموں کے علاوہ اور کوئی ہلاک کیا جائے گا۔ اور ہم پیغمبروں کو صرف خوش خبری سنانے والے

وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَبُوْا

اور ڈرانے والے بھیجے رہے ہیں۔ سو جو شخص ایمان لایا اور اصلاح کر لی سو ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ ٹھگنیں ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات

بَايْتَنَا يَسْتَكْبِرُوْنَ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ قُلْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَايِنُ اللَّهِ وَلَا اَعْلَمُ

کو بٹھایا ان کو اس سبب سے عذاب پہنچ جائے گا کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔ آپ فرما دیجئے! کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میں غیب کو

الْغَيْبِ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعْ اِلَّا مَا يُوْحٰی اِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰی

جاننا دلوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو اسی کا اتباع کرتا ہوں جسکی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ آپ فرما دیجئے کیا برابر ہو سکتا ہے اندھا

وَالْبَصِيْرُ ۗ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

اور دیکھنے والا کیا تم غور نہیں کرتے۔

## اگر اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے کی قوت سلب فرمالیں تو کون دینے والا ہے

ان آیات میں انداز اور تبصیر ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری سننے اور دیکھنے کی قوت کو ختم کر دے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے جس سے نہ دیکھ سکو نہ سن سکو تو بتاؤ اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں دیدے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے سوا ایسا کوئی نہیں۔ پھر اللہ کو چھوڑ کر کسی غیر کو معبود بنانا کہاں کی عقلندی ہے؟ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک بے خبری میں بھی آسکتا ہے اور خبرداری میں بھی۔ اگر عذاب آجائے تو ظالم ہی ہلاک ہو گئے لہذا ظلم کرنے والے ظلم سے باز آجائیں۔ سب سے بڑا ظلم شرک اور کفر ہے اس کو بھی چھوڑ دیں اور دوسرے مظالم سے بھی رک جائیں پھر فرمایا کہ پیغمبروں کو خوش خبری کے لئے ڈرانے کے لئے بھیجا جاتا رہا ہے ان کی بشارت کو جس نے قبول کیا اور ان کی بتائی ہوئی وعیدوں پر یقین کر کے جس نے نافرمانیوں کو چھوڑ ایمان قبول کیا اور اپنے احوال و اعمال کو درست کیا۔ سو ایسے لوگوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ انہیں کوئی غم ہوگا اور جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور نبیوں کی دعوت پر ایمان نہ لائے ان کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب پہنچے گا۔

نبوت کے لوازم میں مالدار یا غیب دان ہونا نہیں ہے..... لوگ یہ سمجھتے تھے کہ نبی مال و دولت کے اعتبار سے ہم سے زیادہ ہونا چاہیے۔ چونکہ اہل دنیا کے نزدیک دنیا ہی بڑی چیز ہے اس لئے نبوت اور رسالت کا مدار بھی مال زیادہ ہونے پر سمجھتے تھے ایسے لوگوں کی جاہلانہ بات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ (آپ ان سے فرمادیجئے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں) خزانے پاس ہونا نبوت، رسالت اور مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں ہے۔ جس بات کی دعوت دی جارہی ہے اس میں غور کرو اور ان دلائل کو سمجھو جو اثبات رسالت کیلئے پیش کئے جارہے ہیں۔ مالدار ہونے کو نبوت کا معیار بنانا جاہلانہ بات ہے۔ کچھ لوگ یوں کہتے تھے کہ غیب کی باتیں بتاؤ تو ہم آپ کو سچا جانیں ان کو بھی جواب دیدیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کرادیا کہ وَلَا تَعْلَمُ الْغَيْبُ (میں غیب نہیں جانتا) غیب کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے۔ وہ جسکو چاہتا ہے عطا فرمادے اور غیب دانی نبوت و رسالت کی یا مقبولیت عند اللہ کی شرط نہیں ہے۔

بہت سے لوگوں کو آج بھی دیکھا جاتا ہے کہ مرشدین صالحین اور مصلحین سے رجوع نہیں کرتے کیونکہ وہ لوگ غیب کی خبریں نہیں بتاتے، اور جو شیعہ بے باز گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں، انکل، بچو، کانہوں کی طرح کچھ باتیں بتاتے رہتے ہیں۔ ان باتوں میں کوئی بات ٹھیک نکل جاتی ہے تو ان ہی لوگوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، اور ان کو اللہ کا مقبول بندہ سمجھ لیتے ہیں ان میں بعض لوگ صاحب کشف بھی ہوتے ہیں۔ کشف شرعاً بالکل معتبر نہیں اور نہ یہ بزرگی کی دلیل ہے، کشف بعض مرتبہ فاسقوں بلکہ جانوروں اور دیوانوں کو بھی ہوتا ہے اسکو مقبولیت عند اللہ کی دلیل سمجھنا غلط ہے، ایمان اور اعمال صالحہ اور تقویٰ پر مدار مقبولیت ہے جو لوگ دنیا دار ہیں، بے نمازی ہیں، فسق و فجور میں مبتلا ہیں ان کو مرشد بنانا اور ان کا معتقد ہونا بہت بڑی گمراہی ہے۔

پھر فرمایا وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ (آپ فرمادیجئے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں) لہذا میرے اندر فرشتوں والی صفات تلاش نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اسی میں ہے کہ انسانوں کا نبی انسان ہی ہو۔ انسانوں میں گھل مل کر اور ان کی حاجات کو اور صفات کو جان کر احکام سکھائے قول سے بھی تربیت کرے اور عمل سے بھی۔

مشرکین کو اعتراض تھا کہ مَا لِهَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ (اس رسول کا کیا حال ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے) یہ ان لوگوں کا جاہلانہ اعتراض تھا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ کھانا کھانے کا طریقہ اور بازار کے احکام سکھانے کی



بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر نبی کھانا نہ کھائے اور بازار میں نہ جائے تو متعلقہ احکام کون بتائے۔ منصب نبوت کے متعلق جو ان کے غلط اشکالات یا معاندانہ اعتراضات تھے۔ مذکورہ بالا آیت میں ان سب کی تردید فرمائی۔

إِنِّ اتَّبِعُ إِلَّا مَایُوحٰی اِلَیَّ (آپ فرمادیں کہ صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے) میں وحی الہی کا پابند ہوں جو حکم الہی ہوتا ہے اس پر خود بھی عمل کرتا ہوں اور تمہیں وہی بتاتا ہوں آخر میں فرمایا قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ط (آپ فرمادیتے کیا برابر ہو سکتا ہے ناجینا اور بینا) یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ تمہارے پاس اللہ کی آیات آگئیں، کلام اللہ سنایا جاتا ہے جس کی بلاغت تمہارے نزدیک مسلم ہے اور جس کے مقابلہ میں تم جھوٹی سی سورت نہیں لا سکتے اور بھی معجزات ہیں جنہیں دیکھتے رہتے ہو۔ خدا اور عناد کو چھوڑو، بصیرت کی آنکھوں سے دیکھو اور غور و فکر کرو۔ اَفَلَا تَنْفَعُکُمْ زُنُہ (کیا تم غور نہیں کرتے) اگر غور کریں تو حق قبول کرنے کا راستہ نکل آئے اور سب اعتراضات دفع ہو جائیں۔

علم غیب کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ..... اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے ہماری مخلوق سے زیادہ علم دیا اور علوم نبویہ کا آپ کے برابر کسی مخلوق کو علم نہیں ہے آپ کا علم تمام اولین و آخرین سے زیادہ ہے۔ اور یہ علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے۔ جس کو سورہ آل عمران میں فرمایا وَمَا کَانَ اللّٰهُ یُظْهِرُکُمْ عَلَی الْغِیْبِ وَلَکِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ اور سورہ جن میں فرمایا عَلَی الْغِیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلَیْ غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رُّسُوْلٍ لِّکِنْ تَمَامِ کَانَات اور غیر کائنات کو علم محیط ہونا یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے اس لئے عالم الغیب علی الاطلاق صرف اللہ ہی ہے وہ عالم غیب بھی ہے اور عالم الشہادۃ بھی۔ جیسا کہ سورہ آلہ سجده اور سورہ حشر میں فرمایا اور سورہ نمل میں فرمایا: قُلْ لَا یَسْعٰی لَکُمْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغِیْبِ اِلَّا اللّٰهُ بعض لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے کہتے ہیں کہ موت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام علوم نبوی عطا کر دیئے گئے تھے۔ یہ لوگوں کا دعویٰ بے دلیل ہے اور جھوٹ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایسی باتیں بتائیں کہ قیامت کے دن ایسا ایسا ہوگا اور مجھے اس کا علم اس وقت دیا جائے گا۔ مثلاً فرمایا کہ حوض کوثر پر میرے پاس بہت سے لوگ آئیں گے اور ان میں سے بہت سے لوگوں کو ہنادیا جائے گا۔ میں کہوں گا کہ یہ میرے آدمی ہیں فرشتے کہیں گے کہ آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے دین میں کیا نئی باتیں نکالی تھیں۔

ان نئی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں نے قرآن وحدیث کے خلاف اپنے عقیدے بنا لئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کے برابر بتا دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنے لگے۔

حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا میں جو شفاعت کے لئے سجدہ میں سر رکھوں گا تو اللہ کی وہ حمد بیان کروں گا جو ای وقت اللہ میرے دل میں ڈالیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۸)

اس سے صاف واضح ہے کہ موت کے وقت سے پہلے بھی سب علوم نہیں دیئے گئے۔ محبت کے دعویدار قرآن وحدیث کی تصریحات بھی نہیں مانتے۔ ہذا من العجائب۔

وَ اَنْذِرْہِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْا اِلٰی رَبِّہُمْ لَیْسَ لَہُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ

اور آپ اس کے ذریعے ان لوگوں کو ڈرائیے جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کئے جائیں گے کہ نہ ان کا کوئی

وَلَوْ لَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۵﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوَةِ وَالْعَشِيِّ

مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا۔ تاکہ نہ لوگ ذر جائیں اور ان لوگوں کو دور مت کیجئے جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام، جو جاتے

یُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۚ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ

ہیں اس کی رضا کو، ان کا حساب آپ کے ذمہ کچھ بھی نہیں۔ اور آپ کا حساب بھی ان کے ذمہ کچھ بھی نہیں کہ آپ ان

فَقَطْرَدَهُمْ فَتَكُونُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۶﴾ وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ

کو دور کریں پھر آپ ظالموں میں سے ہو جائیں اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمایا ہے تاکہ وہ کہیں کیا ہمارے

مَنْ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا ۚ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿۷﴾ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ

درمیان سے یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا۔ کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جائے والا نہیں ہے؟ اور جب آجائیں وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں

بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا

ہماری آیات پر تو ان سے کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہو۔ تمہارے رب نے اپنے ذمہ رحمت کو مقرر کر لیا ہے کہ جو شخص تم میں سے جہالت کی وجہ کوئی

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهَا وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۸﴾ وَكَذَلِكَ نَفْصِلُ الْآيَاتِ

گناہ کر لے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنا حال درست کر لے تو بلاشبہ وہ غفور ہے، رحیم ہے۔ اور اسی طرح ہم تفصیل سے آیات کو بیان

### وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلَ الْمُجْرِمِينَ ﴿۹﴾

کرتے ہیں تاکہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جائے۔

صبح و شام جو لوگ اپنے رب کو پکارتے ہیں انہیں دور نہ کیجئے

ان آیات میں اول تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا کہ آپ قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈرائیے جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے جب اس وقت وہاں ان کا کوئی مددگار اور سفارش کرنے والا نہ ہوگا آپ ان کو تبلیغ کریں حق پہنچائیں اس امید پر کہ کفر اور معاصی سے بچ جائیں۔

قال صاحب الروح وجوزان يكون حالا عن ضمير الامراي انذرهم راجياتقوهم. صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ امر کی ضمیر سے حال ہو یعنی انہیں ڈرائیے اس حال میں کہ آپ ان کے پرہیزگار بن جانے کے بارے میں پُر امید ہوں۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ جو لوگ اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں ان کو دور نہ کیجئے۔

فقراء صحابہ کی فضیلت اور ان کی دلداری کا حکم..... معالم التنزیل ص ۹۹ ج ۲ میں ہے کہ حضرت سلمان فارسی اور خطاب بن الارت رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ اقرع بن حابس تمیمی اور عیینہ بن حصن فزاری اور

دوسرے لوگ جو مؤلفۃ القلوب میں سے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (یہ لوگ اپنے قبیلوں کے رؤساء تھے) جب یہ آئے تو دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال صہیب، ہمار، خباب اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما ہیں یہ وہ صحابہ تھے جنہیں دنیاوی اعتبار سے کمزور سمجھا جاتا تھا۔ آنے والے رؤساء نے جب ان کو آپ کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا تو ان پر حقارت کی نظریں ڈالیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اچھا ہوتا آپ ممتاز جگہ پر بیٹھے اور ان لوگوں کو ہم سے دور کر دیتے۔ ان کے کپڑوں سے بو آ رہی ہے ان سے ہم محفوظ ہو جاتے ان حضرات کے اس وقت اتنی کپڑے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے کپڑے موجود نہ تھے۔ ان رؤساء نے کہا کہ ان کو ہٹا دیں اور اپنے سے دور کر دیں تو ہم آپ کے ساتھ بیٹھیں گے اور کچھ حاصل کریں گے آپ نے فرمایا میں مؤمنین کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا تو آپ یوں کیجئے کہ ہمارے لئے کوئی مجلس خاص مقرر فرما دیجئے تاکہ عرب لوگ ہماری فضیلت جان لیں آپ کے پاس عرب کے وفد آتے ہیں۔ ہمیں اس بات سے شرم آتی ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں ان لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا دیکھیں، جب ہم آیا کریں تو آپ ان کو اٹھا دیا کریں پھر جب ہم فارغ ہو جائیں تو آپ چاہیں تو ان کے ساتھ تشریف رکھیں آپ نے فرمایا ہاں! یہ کر سکتا ہوں کہنے لگے اس بات کی توثیق کے لئے ہمیں کچھ لکھ کر دیجئے آپ نے کاغذ منگولایا اور حضرت علیؓ کو لکھنے کے لئے بلوایا۔ حضرت سلمان فارسی اور خباب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس وقت ہم ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی وقت جبریل علیہ السلام آیت کریمہ وَلَا تَخْضَرُوا الْوَجْهَ لِذُنُوبِكُمْ لے کر نازل ہوئے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کاغذ اپنے دست مبارک سے پھینک دیا۔ اور ہم لوگوں کو بلایا، ہم حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا سَلِّمَ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (تم پر سلام ہو تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم فرما لیا) اس کے بعد ہم آپ کے ساتھ بیٹھے رہتے تھے اور آپ جب چاہتے ہمیں چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے (سورۃ کہف کی) یہ آیت نازل فرمائی وَاصْبِرْ نَفْسُكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدْوَةِ وَالْعَیْشِ یُرِیدُونَ وَجْهَهُ (اور آپ انکے ساتھ جم کر بیٹھے رہیے جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے اور اس کی رضا کو چاہتے ہیں) اسکے بعد رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ بیٹھے رہتے تھے۔ اور ہم آپ سے بہت قریب ہو کر بیٹھتے تھے اور اب یہ ہوتا تھا کہ انھیں کا وقت ہوتا تو ہم پہلے اٹھ جاتے تھے تاکہ آپ بالکل گھبرا جائیں۔

جب یہ ماجرا ہوا تو آپ نے فرمایا الحمد لله الذی لم یمتنی حتی امرنی ان اصبر نفسی مع قوم من امتی (سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے اس وقت تک موت نہ دی جب تک مجھے یہ حکم نہ فرمایا کہ اپنی امت میں سے ایک جماعت کے ساتھ جم کر بیٹھوں) پھر ہم لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا۔ معکم المعجا ومعکم الممات (تمہارے ہی ساتھ میرا جینا ہے اور تمہارے ساتھ میرا مرنا ہے)

اللہ جل شانہ، نے ان لوگوں کی رعایت اور دلداری کا حکم فرمایا جو دین اسلام قبول کر چکے تھے اور اپنے رب سے لو لگانے رہتے تھے۔ ان کی رعایت اور دلداری منظور فرمائی اور مکہ کے رؤساء نے جو یہ کہا کہ ان کو ہٹا دیا جائے تو ہم آپ کے پاس بیٹھیں گے ان کی درخواست رد فرمادی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان کی دلداری کا خیال فرمایا تھا (جو اس مشفقانہ جذبہ پر مبنی تھا کہ لوگ اپنے ہو گئے ہیں، اگر ان کو مجلس میں بعض مرتبہ ساتھ نہ بٹھایا تو محبت اور تعلق میں کمی کرنے والے نہیں ہیں۔ اور یہ رؤساء جو علیحدہ مجلس کے لئے درخواست کر رہے ہیں ان کی بات مان لی جائے تو ان کا بہانہ بھی ختم ہو جائے اور ممکن ہے کہ ہدایت قبول کر لیں) اس خیال کی بھی اللہ تعالیٰ نے تائید فرمائی۔ اس سے جہاں ان حضرات صحابہؓ کی فضیلت معلوم ہوئی جن کو غریبی کی وجہ سے رؤساء عرب نے حقیر سمجھا تھا۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جو

لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں انکی رعایت اور لداری ان لوگوں سے مقدم ہے جو ابھی تک منکر اسلام ہیں۔

یہ جو فرمایا مَاعَلَيْكَ مِنْ حَسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حَسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ (ان کا حساب آپ کے ذمہ کچھ بھی نہیں اور آپ کا حساب انکے ذمہ کچھ بھی نہیں کہ آپ ان کو دور کر دیں پھر آپ ظالموں میں سے ہو جائیں) اس کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ فقراء صحابہؓ جو آپ کے پاس آتے ہیں اور ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں ان کا باطن ٹوٹنا آپ کے ذمہ نہیں ہے۔ آپ ان کے اخلاص کی تفتیش نہ کریں۔ ظاہر حال کے مطابق انکے ساتھ معاملہ کریں اور ان کو اپنے پاس بٹھائیں اور فیض یاب کریں اور اپنے سے دور نہ کریں اور ان کے مقابلہ میں ان لوگوں کو ترجیح نہ دیں جنہوں نے ایمان قبول کیا ہی نہیں۔ دور کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ ان میں اخلاص نہ ہوتا جب آپ کے ذمہ ان کے اخلاص کی تفتیش نہیں تو آپ ان کو کیوں دور کرتے ہیں اور آپ کا حساب بھی ان کے متعلق نہیں کہ وہ آپ کی تفتیش کریں، بلکہ اس کا احتمال بھی نہیں ہے کہ امت اپنے پیغمبر کے باطن کے احوال معلوم کرے کیونکہ ایمان کے ساتھ یہ بات جمع نہیں ہو سکتی۔ محتمل کو متیقن کے ساتھ برابر قرار دیکر امت کی تفتیش حال باطنی کی نفی فرمادی۔

وانما وظيفتك حسب ما هو شان منصب الرسالة النظر الى ظواهر الامور واجراء الاحكام على وجهها وتفويض البواطن وحسابها الى اللطيف الخبير، وظواهر هؤلاء دعاء ربهم بالغدوة والعشى اه الى ان قال (وما من حسابك عليهم من شيء) عطف على ما قبله، وحينئذ به مع ان الجواب قد تم بذلك مبالغة في بيان كون انتفاء حسابهم عليه السلام بنظمه في سلك مالا شبهة فيه اصلا وهو انتفاء كون حسابه عليه الصلوة والسلام اه (يعني آپ کے منصب رسالت کے ثبوت پر ان کی یہ بات مکمل ہو گئی تھی اس جملے کا اضافہ کیا گیا تاکہ اس امر کا بیان مبالغہ کے ساتھ ہو جائے کہ اوگوں کے حساب کی ذمہ داری حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ہے۔ اور اسے بھی دوسرے جملہ میں (جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حساب کی ذمہ داری کی نفی لوگوں سے کی گئی) کی لڑی میں پرو دیا جائے یعنی جیسے اس سے شبہ نہ رہے)

یہ تقدیر اس صورت میں ہے جبکہ حسابہم اور علیہم کی ضمیریں الَّذِينَ يَذْعَبُونَ دَبْهُم کی طرف راجع ہوں اور بعض مفسرین نے ان ضمیروں کو رؤسائے مشرکین کی طرف راجع کیا ہے اور آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ یہ لوگ ایمان لائیں یا نہ لائیں آپ غریاء مسلمین کے مقابلہ میں ان کی پرواہ نہ کریں کیونکہ ان کے حساب کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے جیسا کہ آپ کی ذمہ داری ان پر نہیں۔ اگر یہ ذمہ داری آپ پر ہوتی یعنی ان کے مسلمان نہ ہونے پر آپ سے مواخذہ ہوتا تو اس صورت میں آپ ان کی وجہ سے غریاء مسلمین کو مجلس سے ہٹا سکتے تھے اور جب ایسا نہیں تو غریاء کو مجلس سے ہٹانا بے انصافی ہے۔ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونُ مِنَ الظَّالِمِينَ میں اسی بے انصافی کو بیان فرمایا۔ متکبرین کی سزا اور مال و دولت پر گھمنڈ کر نیوالوں کو تنبیہ..... جن لوگوں کے پاس مال و دولت ہو یا کسی قسم کا چھوٹا بڑا اقتدار حاصل ہو۔ ان میں ایک یہ برامض بھی ہوتا ہے کہ وہ غریبوں مسکینوں کو حقیر سمجھتے ہیں انہیں اس لائق بھی نہیں سمجھتے کہ وہ پاس بیٹھیں۔ حتیٰ کہ وہ سلام بھی کریں تو جواب دینے میں خفت و ذلت محسوس کرتے ہیں یہ تکبر ہے اور تکبر انسان کی بدترین خصلت ہے۔ یہ صفت انسان کو حق قبول کرنے سے اور کفر کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے سے روکتی ہے۔ اور آخرت میں اس کا بڑا عذاب ہے۔

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ متکبروں کو قیامت کے دن انسانوں کی صورت میں جمع کیا جائے گا ان کے جسم اتنے چھوٹے ہوں گے جیسے بیونیاں ہوتی ہیں ان پر ہر طرف سے ذلت چھائی ہوگی۔ ان کو دوزخ کے جیل خانے کی طرف چلایا جائے گا جس کا نام بولس ہے۔ ان کے اوپر آگوں کو جلانے والی آگ چڑھی ہوگی۔ ان کو دوزخیوں کے جسم کا نچوڑ پلایا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۳)

مال و دولت پر گھمنڈ کرنا اور اس کی وجہ سے تکبر کرنا اور دوسروں کو حقیر جاننا بہت بڑی حماقت ہے۔ مالدار ہونا، انسان کا کوئی کمال نہیں۔ یہ تو انسان کے وجود سے علیحدہ خارجی چیز ہے۔ انسان کے اپنے ذاتی جو عمدہ اخلاق ہیں جن میں تو اضع بھی ہے ان سے انسان میں فضیلت آتی ہے۔ اگر مال ہو اور مال اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرے اور اللہ کا شکر گزار بندہ بنے تو یہ بھی بلند اخلاق میں شمار ہوتا ہے۔ فی نفسہ مالدار ہونا کوئی انسان کی فضیلت اور کمال کی چیز نہیں۔ اہل دنیا میں جو یہ رواج ہے کہ مالدار اور صاحب اقتدار ہی بڑا سمجھا جاتا ہے خواہ کافر اور ملحد اور زندیق اور فاسق و فاجر ہی ہو یہ دنیا والوں کی حماقت اور جہالت ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان محبوب ہے، ایمان والے محبوب ہیں، تقویٰ محبوب ہے، اعمال صالحہ محبوب ہیں اس کے ہاں انہیں چیزوں سے فضیلت حاصل ہوتی ہے اور فضیلت کی شان انہی بندوں کو حاصل ہے جن میں تقویٰ ہے (إِنَّا أَكْرَمُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ تَفَكُّمًا) جو غریب صحابہؓ تھے ان کی اللہ تعالیٰ نے قدر دانی فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ان کو اپنے پاس سے مت بناؤ۔ اور خود ان کے پاس جم کر بیٹھا رہا کرو۔ اور جن دنیا داروں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس بٹھا کر تبلیغ کرنا چاہتے تھے ان کی شرط کی طرف توجہ نہیں فرمائی حالانکہ آپ کا جذبہ شفقت پر مبنی تھا کہ یہ لوگ کسی طرح ایمان قبول کر لیں۔

### غنی اور فقیر کا فرق آزمائش کے لئے ہے

پھر فرمایا وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا ط (اور ہم نے اسی طرح آزمائش میں ڈالا ہے بعض کو بعض کے ذریعہ تاکہ وہ کہیں کیا یہ لوگ ہیں جن پر ہمیں چھوڑ کر اللہ نے احسان فرمایا) اس میں یہ بتایا کہ اس دنیا میں غنی اور فقیر کا جو فرق رکھا گیا ہے اور دوسری حیثیتوں میں جو امتیاز ہے اس میں حکمت ہے اور وہ حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمائش میں ڈالا ہے جو غنی ہے وہ فقیر کو حقیر سمجھتے ہیں۔

اس طرح دوسری طرح کی چھوٹائی بڑائی پائی جاتی ہے اس کی وجہ سے بڑے بننے والے چھوٹوں کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں یہ ایک آزمائش ہے جن لوگوں کو کسی طرح کی برتری حاصل ہے وہ بجائے نعمت دینے والے کا شکر ادا کرنے کے ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہیں جو اس نعمت سے محروم ہیں اگر چھوٹے لوگ نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ نعمت دینے والے کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کا شکر ادا کرتے۔ لیکن مال و دولت اور اختیار اقتدار کے نشہ میں دوسروں کو حقیر جاننے کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں اور اس طرح سے امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں اگر سب ہی برابر ہوتے تو کوئی کسی کو حقیر نہ جانتا۔

جو لوگ مال و دولت اور اقتدار والے ہیں ان کے تکبر کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے کو ہر خیر کا مستحق سمجھتے ہیں۔ غریبوں اور مسکینوں کو دینی برتری ملنے کا بھی اہل نہیں سمجھتے اور وہ کہتے ہیں کہ کیا یہ پٹھڑ جن کے پاس ایک وقت کا کھانے کو نہیں اس لائق ہیں کہ ان کو ہدایت مل جائے اور ہم ہدایت سے محروم رہ جائیں۔ جس دین کو انہوں نے اختیار کیا ہے اگر یہ ہمارے دین سے بہتر ہوتا تو یہ لوگ اسے کیوں اختیار کرتے۔

سورۃ احقاف میں فرمایا وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوا إِلَيْهِ ط (اور کافروں نے مؤمنین کے بارے میں کہا کہ اگر یہ چیز بہتر ہوتی جو انہوں نے اختیار کی ہے تو یہ ہم سے آگے نہ بڑھ جاتے) دولت مند ہر طرح کی دینی و دنیاوی برتری کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے ہمارے دین کے خلاف دوسرا دین اختیار کیا۔ اگرچہ دلائل و واضحہ کے اعتبار سے وہ حق ہے لیکن چونکہ ہم نے اختیار کیا اس لئے وہ قابل قبول نہیں اس طبقہ کے لوگوں نے اپنا یہ حق خود تجویز کر لیا ہے اور اپنے خالق اور مالک کے قانون تکوینی اور تشریعی کو نہیں دیکھتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ جس نے ہمیں مال دیا وہ دوسروں کو ہدایت عطا فرما سکتا ہے۔ مالدار ہی دین حق پر ہوں اور غریب ہی باطل پر ہوں یہ کوئی قانون تکوینی نہیں ہے۔ جسے اللہ نے مال و دولت عطا فرمایا ہے وہ غریبوں کو حقیر جاننے کے بجائے منہم حق کی طرف رجوع کرے اور وہ طریقہ تلاش کرے جو اس کے رب کو پسند ہے اور ناشکری و نافرمانی سے پرہیز کرے اور جب حق کی بات پہنچ جائے تو اسے فوراً قبول کرے۔ چونکہ غریبوں نے حق قبول کر لیا ہے اس لئے ہم اسے قبول نہیں کرتے۔ بلکہ ہم اسے حق سمجھتے ہی نہیں مالداروں کا یہ خیال سراپا تکبر ہے جو حاکمیت پر مبنی ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشَّاكِرِيْنَ (کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب نہیں جانتا) یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ شکر گزار بندے کون ہیں۔ غریبوں کے پاس مال نہیں پھر بھی شکر گزار ہیں اور اس شکر گزاری کی صفت ان کے لئے حق بات کے اعتبار کرنے اور حق پر جسے کا ذریعہ بن گئی۔ جن لوگوں کے پاس مال و دولت ہے وہ ناشکرے ہیں۔ اپنے کبر اور کفران نعمت کو نہیں دیکھتے۔ ان غریبوں کو دیکھ کر نفرت کر رہے ہیں۔ جن پر اللہ نے فضل فرمادیا اور ہدایت کی نعمت سے نوازا دیا۔

زمانہ نبوت میں ایسے متکبر تھے جن کا ذکر آیت شریفہ میں ہوا آج بھی ایسے لوگ ہیں جو اپنے مال و دولت کے نشہ میں دین سے وابستہ رہنے والوں کو حقیر سمجھتے ہیں یہ لوگ اسلام کے دعویدار بھی ہیں لیکن اسلام پر چلنے والوں اور اسلامی اعمال اختیار کرنے والوں کو اور اسلامی امور سے نسبت رکھنے والوں کو حقیر جانتے ہیں۔ کہ ان کے کپڑے پھٹے ہیں، رہنے کو گھر کچا ہے، بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔

مسجد و مدرسہ سے تعلق رکھنے والے مالداروں کی نظروں میں حقیر ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمان ہیں، اسلام کے سب سے پہلے مؤذن حضرت بلالؓ کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھنے کو تیار ہیں لیکن اپنے بچے کو مؤذن تو کیا بناتے اذان دینے والے کو حقیر جانتے ہیں۔ اور مسجد کی رونیاں کھانے والے کہہ کر اس کی آبرو گھٹاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ مسجد کی رونیاں کھانا حرام کھانے سے کہیں برتر و بہتر ہے یہ جو رشوت اور سوولے کر دولت جمع کی ہے اور حرام محکموں میں ملازمت کر کے جو کیش جمع کیا ہے جب آخرت میں وبال بنے گا اور مسجد کا مؤذن بخشا ہوا جنت میں جائے گا اس وقت تکبر اور مالدار کی کا اور نفرت کرنے کا نتیجہ سامنے آجائے گا۔

مالدار کی اور غریبی مقبولیت عند اللہ کا سبب نہیں ہے..... جیسے مالدار ہونا فضیلت کا اور اللہ کی نزدیکی کا سبب نہیں اسی طرح غریب مسکین ہونا بھی اللہ کی نزدیکی یا فضیلت یا برتری کا سبب نہیں ہے۔ اللہ کی نزدیکی اور اللہ کے ہاں فضیلت اور برتری ایمان اور اعمال صالحہ سے انراض کی پابندی سے، گناہوں کو چھوڑنے سے ہے۔ جس طرح بہت سے مالداروں میں تکبر ہے اور اللہ کی یاد سے غافل ہیں، انراض و اجبات کے تارک ہیں اسی طرح بہت سے غریب اور مسکینوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ خواہ مخواہ مالداروں پر حسد کر کے مرے جارہے ہیں اور بہت سے ان میں سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں اور کفر کے کلمات کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کو دیا اور ہم کو نہ دیا۔ ایسی غریبی بھی وبال ہے اور باعث مؤاخذہ اور باعث عذاب ہے امیر ہو یا غریب سب پر لازم ہے کہ شریعت کے احکام کی پابندی کرے، بلند اخلاق اختیار کرے، گناہوں سے بچے، متقی بنے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو زندگی گزارنے کا ایک طریقہ بتایا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسے شخص کو دیکھے جو مال میں اور شکل و صورت میں اس سے بڑھ کر ہے تو اپنے سے نیچے والے کو بھی دیکھ لے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۰۷)

دنیاوی چیزوں میں اپنے سے نیچے کو دیکھو تا کہ عبرت ہو اور یہ سمجھ میں آئے کہ اللہ نے ہمیں ہزاروں لاکھوں افراد سے بہتر بنایا ہے اور بہت زیادہ دیا ہے اور دین میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھو جو اپنے سے زیادہ دیندار ہے۔ جو لوگ اللہ کی یاد میں لگے رہتے ہیں ان کے برابر ہونے بلکہ ان سے آگے بڑھنے کی حرص کرے۔

**مساکین صالحین کی فضیلت**..... آیت شریفہ میں جن مسکینوں کی فضیلت بتائی ان کی تعریف میں فرمایا **يَزِدْهُمْ مَالًا** بِالْعَدْوٰى وَالْفَيْسِ يُؤْتُوْنَ وَجْهَهُ ط (کہ یہ لوگ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی رضامندی کے طالب ہیں) جو غریب اس صفت سے متصف ہیں ان کو بلاشبہ ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے یہ فضیلت حاصل ہے لیکن اعمال کی وجہ سے غریبی کی وجہ سے نہیں۔ ایمان اور اعمال صالحہ ہوں اور غریبی بھی ہو تو اس کا یہ فائدہ پہنچ جائیگا کہ مالداروں سے پہلے جنت میں چلے جائیں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ ضعیفہاء مہاجرین کے پاس بیٹھ گیا (جن کے پاس مال نہ تھا اور کپڑوں کی اس قدر کمی تھی کہ) ان میں سے بعض بعض کے ذریعہ آپس میں پردہ کرتے تھے (یعنی اس ترتیب سے بیٹھتے تھے کہ ایک کی نظر دوسرے کی ران وغیرہ پر نہ پڑے) ایک شخص ان میں سے قرآن مجید پڑھ رہا تھا وہ اسی حال میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے آپ قریب میں تشریف لا کر کھڑے ہو گئے آپ کے تشریف لانے پر قرآن پڑھنے والا خاموش ہو گیا۔ آپ نے سلام کیا۔ پھر فرمایا تم کیا کر رہے تھے ہم نے عرض کیا کہ ہم کان لگا کر اللہ کی کتاب کو سن رہے تھے آپ نے فرمایا

الحمد لله جعل من أمتي من أمرت ان اصبر نفسي معهم

(کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ بنادیئے جن کے ساتھ مجھے جم کے بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا جس پر حاضرین نے حلقہ بنا لیا اور سب کے چہرے آپ کی طرف متوجہ ہو گئے آپ نے فرمایا کہ اے مہاجرین کے مسکینو! تم اس بات کی خوش خبری قبول کر لو کہ تمہیں قیامت کے دن نور تمام (پورا نور) عطا کیا جائے گا تم مالداروں سے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہو گے اور یہ آحاد ان پانچ سو سال کا ہوگا۔ (رواہ ابوداؤد ص ۱۶۰ ج ۲)

پھر فرمایا **وَإِذَا جَاءَ لَكَ الْبَلَدِينَ يُؤْمِنُونَ بِإِنشَاقِ قُلِّ سَلَّمَ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ** (اور جب آئیں آپ کے پاس وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیات پر تو آپ سلام علیکم کہیں اور یہ بھی کہیں **كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ط** (کہ تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم قرار دیا ہے)

جن حضرات کا اوپر ذکر تھا انہیں اپنے سے دور نہ کرو اس میں ان کی ولداری کا حکم فرمایا کہ آپ ان کے لئے سلامتی کی دعا کریں اور ان کو بتادیں کہ تمہارا رب رحیم ہے اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر دیا۔ تمہارے ایمان اور اعمال صالحہ کا اجر ضائع نہیں ہوگا۔

پھر فرمایا **أَنَّهُ مَنِ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا بِيَحْثَالِهِ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ** (کہ تم میں سے جس نے کوئی گناہ کر لیا نادانی کے ساتھ پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی سو وہ بخشنے والا رحیم ہے)

لفظ جہالت جس کا ترجمہ ہم نے نادانی سے کیا اس سے علمی جہالت مراد نہیں۔ علمی جہالت مراد ہے۔ جان بوجھ کر گناہ کرنے والا بھی

اس میں داخل ہے کیونکہ جو بھی گناہ ہوتا ہے وہ عملی جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کو گناہ جانتے ہوئے گناہ کرنا اور اس کے مواخذہ پر نظر نہ رکھنا یہ ایک طرح کی جہالت ناوانی اور حماقت ہے۔

پھر فرمایا تَحْذِیْلُكَ نَفِیْصٌ اَلِیْسَ وَلِتُسْتَبِیْنَ سَبِیْلَ الْمُتَحِیْرِ مِیْنِ ۵ (اور اسی طرح ہم آیات کی تفصیل بیان کرتے ہیں تاکہ مجرمین کا راستہ واضح ہو جائے) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں آی وَلِتُسْتَبِیْنَ سَبِیْلَهُمْ نَفْعٌ مَا نَفْعٌ مِنَ التَّفْصِیْلِ یعنی آیات کے بیان کرنے کے متعدد فوائد ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ مجرمین کا راستہ کیا ہے یعنی ان کا کیا انجام ہونے والا ہے۔

قُلْ اِنِّیْ نَهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ قُلْ لَا اَتَّبِعُ اَهْوَآءَ كُمْ ۚ

آپ فرمادیجئے! بے شک میں اس بات سے منع کیا گیا ہوں کہ انکی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔ آپ فرمادیجئے! میں تمہاری خواہشوں کا اتباع نہیں کرتا۔

قَدْ ضَلَلْتُ اِذَا ۙ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ۝ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَبِّیْ ۚ وَ

ایسا کروں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ ہوں گا۔ آپ فرمادیجئے کہ بے شک میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں

كَذَّبْتُمْ بِهٖ ۚ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعِیْجُلُوْنَ بِهٖ ۚ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۚ یَقْضُ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرٌ

اور تم نے اسے جھٹلادیا ہے۔ میرے پاس وہ نہیں ہے جس کی تم جلدی کرتے ہو۔ کسی کا حکم نہیں ہے سوائے اللہ کے، وہ حق کو بیان فرماتا ہے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں

الْفَصِلِیْنَ ۝ قُلْ لَوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعِیْجُلُوْنَ بِهٖ لَقَضٰی الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۚ

سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ آپ فرمادیجئے! اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝

اور اللہ ظالموں کو خوب جانتے والا ہے۔

### گمراہوں کا اتباع کرنے کی ممانعت

ان آیات میں چند امور مذکور ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند باتوں کا اعلان کروایا ہے۔ اولاً تو یہ فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے فرمادیں کہ میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں۔ میں معبودان باطلہ کی عبادت نہیں کر سکتا جنہیں تم پکارتے ہو، مجھ سے یہ امید نہ رکھنا کہ میں کبھی تمہارے باطل کا ساتھ دیدوں اور تمہاری خواہشوں کا اتباع کروں۔ (العیاذ باللہ) خدا بخوشہ میں ایسا کروں تو تمہاری طرح میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ ہوں گا یہ وہی مضمون ہے جس کا سورہ کافرون میں اعلان فرمایا۔

ثانیاً اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ آپ اعلان فرمادیجئے کہ میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں مجھے پورا یقین ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں، رسول ہوں اور میں جس بات کی دعوت دے رہا ہوں وہ صحیح ہے دلائل واضحہ میرے دعویٰ کی سچائی پر قائم ہیں جس پر مجھے مکمل یقین ہے اور کسی طرح کا شک و شبہ نہیں۔ میں تمہاری باتوں کا کیسے ساتھ دے سکتا ہوں؟ مجھے تو اپنے دعوے کی صحت پر دلیل کے ساتھ یقین ہے اور تم اس کی تکذیب کر رہے ہو۔ تکذیب ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہو کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر کوئی عذاب لا کر دکھاؤ ہمارے



انکار اور تکذیب کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آیا؟

عذاب بھیجنا اللہ کے اختیار میں ہے، میرے اختیار میں نہیں، حکم اللہ ہی کا ہے، تکوینی اور تشریعی حکم کا صرف وہی مالک ہے، عذاب بھیجے نہ بھیجے میرے اختیار میں کچھ نہیں اور یہ ضد کرنا کہ عذاب آجائے تب ہی آپ کے دعوے کو سچا مانا جائے جہالت و حماقت کی بات ہے۔ حق دلائل سے واضح ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حق بیان فرمادیا۔ دلائل ہوتے ہوئے حق کو نہ ماننا اور عذاب آجانے ہی کو ثبوت حق کا ذریعہ سمجھنا یہ تمہاری اپنی اچھ ہے۔ اور تمہارا خیال غلط ہے اللہ تعالیٰ تمہارے ہوا و ہوس کا پابند نہیں کہ تم جو کہو وہ کرے، جسے حق قبول کرنا ہو اس کے لئے واضح طور پر حق کا بیان ہو جانا کافی ہے (بَقِصُّ الْحَقِّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ۝)

ثالث یہ فرمایا کہ آپ اعلان فرمادیں کہ جس چیز کی تم جلدی مچاتے ہو یعنی عذاب لانے کی تو یہ میرے پاس نہیں اگر میرے پاس ہوتا تو میرے تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ یعنی عذاب آگیا ہوتا۔ وہ تو اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ تم واضح حق نہیں جانتے عذاب چاہتے ہو اور ظلم کر رہے ہو، حق قبول نہ کرنا ظلم ہے اور اللہ کو ظالموں کا پتہ ہے اور وہ دنیا میں عذاب نہیں بھیجتا تو یہ نہ سمجھ لینا کہ آخرت میں بھی عذاب نہیں۔

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ

اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ ان کو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور تری میں ہے، اور نہیں گرتا ہے

مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلْمِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ

کوئی پتہ مگر وہ اس کو جانتا ہے کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہیں ہے کوئی تر چر اور خشک مگر وہ کتاب

مُبِينٌ ۝ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ

بین میں ہے۔ اور وہی ہے جو تمہیں قبضہ میں لیتا ہے رات کو جانتا ہے جو کچھ کرتے ہو دن میں، پھر وہ تمہیں دن میں اٹھاتا ہے

لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسْتَقَرٌّ ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

تاکہ پوری کر دی جائے معیار مقرر۔ پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے۔ پھر وہ تمہیں ان کاموں کی خبر دے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

۷

اللہ تعالیٰ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، برو بحر میں جو کچھ ہے وہ سب اس کے علم میں ہے

پہلی آیت میں اللہ جل شانہ کے علم کی وسعت قدرے تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ اجمالی طور پر علم الہی کو بہت سی جگہ بیان فرمایا ہے اور وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ (کا عموم ہر چیز کے علم کو شامل ہے اس کا عموم موجودات، معدومات، ممکنات، ہمتعات سب کے علم کو شامل ہے اور سورہ تغابن میں فرمایا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تَغْلِبُونَ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ ۖ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ اور سورہ یونس میں فرمایا وَمَا يَغْرُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ اور سورہ مادہ میں فرمایا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ اور سورہ طلاق میں فرمایا وَإِنَّ اللَّهَ فَذْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا یعنی اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ سورہ نمل میں فرمایا قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ط وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ آیت

بالا میں بیان فرمایا کہ نیب کی کنجیاں صرف اللہ ہی کے پاس ہیں انہیں صرف وہی جانتا ہے۔ خشکی اور سمندر میں جو کچھ ہے سب کو جانتا ہے۔ ہزاروں قسم کی مخلوق ان کی اجناس اور انواع و اصفان اور ان کے افراد سے ان سب کا علم ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ جو بھی کوئی پتہ گرتا ہے اسے اس کا بھی علم ہے اور زمین کی اندھیریوں میں (زمین کے اندر ساتویں زمین کی منہنی تک) اور زمین کے اوپر جو بھی کوئی چیز ہے تریا خشک ہو اور جہاں بھی ہو وہ سب کتاب مبین یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رطب سے مراد وہ ہے جو اگتا ہے اور یابس سے مراد وہ ہے جو اگتا نہیں بعض علماء نے فرمایا کہ رطب و یابس سے تمام اجسام مراد ہیں اس لئے کہ اجسام کی دو ہی قسمیں ہیں یعنی رطب و یابس، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ رطب سے جی یعنی زندہ اور یابس سے بے جان چیزیں مراد ہیں

مفسرین کی ایک جماعت نے کتاب مبین سے لوح محفوظ کو مراد لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے اور ابدی ہے اسے جاننے یا د رکھنے کے لئے کتاب کی ضرورت نہیں۔ لوح محفوظ میں لکھنے کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ جو کچھ وجود میں آتا رہے فرشتوں کو اس کا علم ہوتا رہے کہ یہ سب معلومات الہیہ میں سے ہے اور ایک یہ حکمت بھی ہے کہ جو لوگ مکلف ہیں وہ یہ یقین کر لیں کہ ہمارے اعمال میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو لکھنے سے رہ گئی ہو۔ اس کتاب کو لوح محفوظ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ تحریف سے اور شیاطین کے وہاں پہنچنے سے محفوظ ہے کوئی اسے بدل نہیں سکتا۔ (روح المعانی ص ۷۷۷ ج ۷)

علم غیب صرف اللہ کے لئے ہی مخصوص ہے وہ جس مخلوق کو جتنا علم عطا فرما دے اسی قدر علم حاصل ہو جاتا ہے آلات کے ذریعہ جو علم ہو وہ علم غیب نہیں۔ بعض بے علم لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ بارش آنے کا علم پہلے ہو جاتا ہے یا رحم مادر میں جو ہے اس کے نریا مادہ ہونے کا علم ماہروں کو ہو جاتا ہے اس لئے یہ بھی علم غیب ہوا، یہ جاہلانہ بات ہے۔ بارش کا جو پتہ چل جاتا ہے وہ آلات کے ذریعہ ہوا کا رخ دیکھ کر پتہ چلاتے ہیں اور وہ بھی حتمی نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کا علم ہمیشہ سے ہے اور آلات کے بغیر ہے جب آلات نہیں تھے جب بھی وہ سب کچھ جانتا تھا۔ اسی طرح مادہ منویہ کے تجربات سے اور ایکسرے وغیرہ سے نریا مادہ کا معلوم ہو جانا یہ بھی علم غیب نہیں اللہ تعالیٰ کو علم کے لئے نہ آلات کی ضرورت ہے اور نہ تجربات کی اسے تو ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے معلوم ہے کہ ان کی کتنی نسل ہوگی اور ان کی نسل میں کس کس مرد اور کس کس عورت سے کون کون پیدا ہوگا۔

پھر فرمایا وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم بِاللَّيْلِ (اللہ وہی ہے جو تمہیں اٹھا لیتا ہے رات کو) اس سے سلا دینا مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نیند کو طاری فرمادیتا ہے جو ایک گوندہ روح قبض کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا النَّسُومُ أَخْوَالُ الْمَوْتِ (مکتوبہ الصالح ۵۰۰) کہ نیند موت کا بھائی ہے۔ یہ سلا نا اور جگا دینا سب اللہ ہی کی قدرت اور مشیت سے ہے جو دوبارہ زندہ ہونے کا نمونہ ہے وَيَعْلَمُ مَا جَوَّرْ خُتَمٌ بِالنَّهَارِ ط اور وہ جانتا ہے جو دن میں تم اعمال کرتے ہو، چونکہ عام طور پر رات ہی کو سوتے ہیں اور دن میں کام کرتے ہیں اس لئے نیند کو رات کی طرف اور کب عمل کو دن کی طرف منسوب فرمادیا ورنہ جو لوگ دن کو سوتے ہیں اور رات کو کام کرتے ہیں انکا بھی ہر عمل اللہ کی مشیت و ارادہ سے ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ سونا اور جاگنا انفرادی موت و حیات ہے اور وقوع قیامت اجتماعی موت ہے۔

اور اس کے بعد زندہ ہو جانے کا نام بعث و نشور ہے۔ دنیاوی زندگی گزر رہی ہے کبھی خواب ہے کبھی بیداری، خواب عارضی موت ہے اور ہر شخص کو حقیقی موت بھی آتی ہے اس حیات دنیوی کے لئے باری تعالیٰ شانہ کے علم میں ایک مدت مقرر ہے جب یہ مدت پوری ہو جائے

گی تو مقرر اجل آجائیگی۔

ثُمَّ يَنْفَعُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى پھر وہ تمہیں دن میں اٹھاتا ہے یعنی بیدار کرتا ہے تاکہ وقت مقررہ پورا کر دیا جائے دنیا کی بیداری اور خواب اور موت و حیات اور کتاب اعمال کو بیان فرمانے کے بعد قیامت کی حاضری کا ذکر فرمایا ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (پھر اس کی جانب تم کو لوٹ کر جانا ہے پھر تم کو بتا دیا جو تم کرتے تھے) مطلب یہ کہ دنیاوی زندگی کا گزرنا یونہی نہیں ہے، اس میں جو اعمال کرتے ہو قیامت کے دن وہ سامنے آئیں گے اور ان کا نتیجہ بھی سامنے آئے گا ہر شخص کو وہاں کی فوز و فلاح اور کامیابی کے لئے فکر مند ہونا چاہیے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ

اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ تمہارے اوپر نگرانی کرنے والے بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم سے کسی کو موت آجاتی ہے تو اس کو ہمارے فرشتے

رُسُلَنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ۝ ثُمَّ رُدُّوْا إِلَىٰ اللّٰهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۚ اَلَا لَہٗ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ

فصل کر لیتے ہیں، اور وہ کوئی نہیں کرتے، پھر وہ اللہ کی طرف لوٹا دیے جائیں گے جو ان کا مالک حقیقی ہے، خبردار اسی کے لئے حکم ہے اور وہ حساب لینے والوں میں سب سے جلدی حساب

الْحُسَيْنِ ۝ قُلْ مَنْ يُخَيِّبُكُمْ مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ لِّئِنْ اٰجَلْنَا

لینے والا ہے، آپ فرمائیے کہ کون تم کو نجات دیتا ہے؟ اور سمندر کی اندھیریوں سے، تم اسے جیکے جیکے عاجزی کے ساتھ پکارتے ہو بلاشبہ اگر میں اس مصیبت

مِّنْ هٰذِهِ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُخَيِّبُكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝

سے نجات دے دی تو ہم ضرور ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے، آپ فرمادیجئے اللہ ہمیں مصیبت سے نجات دیتا ہے اور ہر بے چینی سے، پھر تم شرک کرتے ہو۔

اللہ غالب ہے وہ نگرانی کر نیوالے فرشتوں کو بھیجتا ہے اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے۔

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں پر غالب ہے اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا وہ اپنے بندوں کے بارے میں جو کچھ ارادہ فرمائے اس سے کوئی روک نہیں سکتا۔

پھر فرمایا وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً اور وہ تم پر نگران بھیجتا ہے اس سے اعمال لکھنے والے فرشتے مراد ہیں جیسا کہ سورۃ الانفطار میں فرمایا

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝ يَعْلَمُونَ مَا تَعْمَلُونَ ۝ (اور تمہارے اوپر نگران ہیں جو عزت والے کاتب ہیں وہ جانتے

ہیں، جو تم کرتے ہو) بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے کاتبین کے علاوہ دوسرے فرشتے مراد ہیں جو آگے پیچھے جاتے رہتے ہیں اور

بندوں کی حفاظت کرتے ہیں جیسے سورہ رعد میں فرمایا لَّهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ يَّبِيْنِ يَذِيْهِنَّ وَمِنْ خَلْفَيْهٖ يَخْفِظُوْنَہٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ۔ اگر عموم لفظ سے

دونوں قسم کے فرشتے مراد لئے جائیں تو اس میں بھی کوئی بعد نہیں۔ اعمال لکھنے والے فرشتے حسنات اور سیئات لکھتے ہیں جس میں اقوال

اور اعمال سب آجاتے ہیں۔

سورہ قی میں فرمایا مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْہٖ رَقِيْبٌ عَقِيْبٌ ۝ (انسان جو بھی کسی بات کا تلفظ کرتا ہے تو اس کے پاس نگران موجود

ہے تیار)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے پاس رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے آگے پیچھے آتے جاتے ہیں۔ اور فجر اور عصر کی نماز میں ان کا اجتماع ہو جاتا ہے پھر وہ فرشتے جو رات کو تمہارے پاس رہے تھے اوپر چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ ان سے دریافت فرماتے ہیں حالانکہ وہ اپنے بندوں کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ جواب میں عرض کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا اور جب ہم ان کے پاس گئے تھے تو اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۲ ج ۱۱ از بخاری و مسلم)

پھر فرمایا حَتَّىٰ اِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کے پاس موت آ جاتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے قاصد اس کو اٹھا لیتے ہیں) یعنی زندگی بھر جو فرشتے بندوں کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں وہ کارِ مغموضہ انجام دیتے رہتے ہیں پھر جب زندگی کی مدت ختم ہو جاتی ہے اور مقرر اجل آ پہنچتی ہے تو وہ فرشتے روح قبض کر لیتے ہیں جو اس کام پر مقرر ہیں۔

صاحب الروح المعانی نے ص ۱۱۶ ج ۷ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہاں رُسُلُنَا سے ملک الموت کے اعوان یعنی مددگار مراد ہیں وَهُمْ لَا يَفْطِنُونَ (اور یہ فرشتے جو روح قبض کرنے پر مقرر ہیں کچھ بھی کوتاہی نہیں کرتے) ثُمَّ رُدُّوْا اِلَی اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ (پھر وہ واپس کئے جاتے ہیں اللہ کی طرف جو ان کا حقیقی اور واقعی مالک ہے)

اَلَا لَهُ الْخُحُومُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِینَ (خبردار! اسی کے لئے حکم ہے وہی فیصلے فرمائے گا، وہ حساب لینے والوں میں سب سے پہلے حساب لینے والا ہے) جن لوگوں کا حساب لیا جائے گا۔ ان کے مختلف احوال اور مختلف اعمال ہونگے۔ کسی کا حساب جلدی اور کسی کا دیر سے ختم ہوگا لیکن اگر اللہ تعالیٰ سب ہی کا حساب ذرا سی دیر میں فرمانا چاہے تو فرما سکتے ہیں فَاِنَّهٗ لَا يَسْغُلُهٗ حِسَابٌ عَنْ حِسَابٍ وَلَا شَانُ عَنْ شَانٍ۔

پھر فرمایا قُلْ مَنْ يُنَجِّكُم مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (آپ فرمادیجئے کون ہے جو تم کو نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ظلمات البر والبحر سے شائد یعنی سختیاں اور مشکلات و مصائب مراد ہیں۔ جب انسان سختیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جو لوگ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور انہیں پکارتے ہیں وہ لوگ بھی مصیبت کے وقت سب کو چھوڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ تَدْعُوْهُ نَصْرًا وَخَفِيَّةً میں بیان فرمایا کہ تم آڑے وقت میں عاجزی کے ساتھ پوشیدہ طور پر اللہ ہی کو پکارتے ہو اور یوں کہتے ہو لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهِ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ (اگر ہمیں اس مصیبت سے نجات دیدے تو ہم ضرور بالضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے) یعنی ہمیشہ شکر میں لگے رہیں گے۔

قُلْ اللّٰهُ يُنَجِّكُم مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ (اللہ تمہیں اس مصیبت سے اور بے چینی سے نجات دیتا ہے) ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْكِرُوْنَ (پھر تم شرک کرنے لگتے ہو) مصیبت میں خالص اللہ کو پکارتے ہو۔ اور شکر گزاری کے وعدے کرتے ہو پھر جب اللہ تعالیٰ مصیبت دور فرما دیتا ہے تو سب وعدے بھول جاتے ہو اور شرک کرنے لگتے ہو۔

سورہ یونس میں فرمایا فَلَمَّا اَنْجَيْنٰهُمْ اِذَا هُمْ يَتَّبِعُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (سو جب ان کو اللہ نے نجات دیدی تو وہ اچانک زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگتے ہیں) سورہ عنکبوت میں فرمایا:

فَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلَلِیْثِ دَعَوْا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لِّهٖ الدِّیْنِ فَلَمَّا اَنْجٰهُمْ اِلَی الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِکُوْنَ (لِکْفُرُوْا بِمَا اَنْتُمْ عَلٰیہُمْ) وَلَیْسَ مَعَهُمْ اَفْسُوْفٌ یَّعْلَمُوْنَ (پھر جب کشتی میں سوار ہو جاتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں اور اسی کی عبادت کو خالص کر کے پھر جب

انہیں خشکی کی طرف نجات دیدیتا ہے تو اچانک شرک کرنے لگتے ہیں تاکہ وہ ناشکری کریں ہماری دی ہوئی نعمتوں کو اور تاکہ وہ فائدہ اٹھائیں سو وہ عنقریب جان لیں گے) یہ مشرک انسان کا مزاج ہے کہ مصیبت میں اللہ کی طرف اور آرام میں غیر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ

آپ فرما دیجئے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیج دے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا بھڑا دے

شِيْعًا وَيَذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ۚ أَنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ﴿٥٠﴾

تم کو مختلف جماعتیں کر کے اور پکھا دے ایک کو دوسرے کی سختی، آپ دیکھ لیجئے کہ ہم کیسے مختلف پہلوؤں سے آیات کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھ جائیں

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۚ قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ﴿٥١﴾ لِّكُلِّ نَبِيٍّ مُّسْتَقَرٌّ ۖ وَ

اور آپ کی قوم نے اسے جھٹلایا حالانکہ وہ حق ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ میں تم پر وارنہ بنا کر مقرر نہیں کیا گیا۔ ہر ایک خبر کا وقت مقرر ہے

سَوَاءٌ تَعْلَمُونَ

اور عنقریب تم جان لو گے۔

اللہ اس پر قادر ہے کہ اوپر سے نیچے سے عذاب بھیج دے یا آپس میں جنگ کرا دے

انسانوں کو بحر و بر میں جو تکلیفیں پہنچ جاتی ہیں اور جن مصائب میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کے دفعیہ کے لئے پورے اخلاص کے ساتھ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگتے ہیں۔ پھر مصیبت ٹل جاتی ہے تو ساری دعائیں بھول جاتے ہیں یہ تو ان مصیبتوں کا حال ہے جن میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بے شمار مصیبتیں ایسی ہیں جو پہنچتی ہی نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ اوپر سے عذاب بھیج دے، پتھر برسا کر ہلاک کر دے، بہت زیادہ بارش بھیج دے یا سخت چیخوں کی آوازیں آجائیں، اور اسے اس پر بھی قدرت ہے کہ بندوں پر نیچے سے عذاب بھیج دے، سیلاب آجانا، زمین میں دھنس جانا، یہ نیچے سے عذاب آنے کی صورتیں ہیں اور اوپر نیچے دونوں جہتیں بیان فرمادیں جن سے عذاب آنے کا تصور ہو سکتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کو ہر چھ جہت سے عذاب بھیجنے کی قدرت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں یہ بھی منقول ہے: اللھم احفظنی من بین یدی ومن خلفی وعن یمنی وعن شمالی ومن فوقی واعوذ بک بعظمتک ان اغتال من تحتی یعنی الخسف۔

(اے اللہ! میری حفاظت فرما! میرے سامنے سے اور میرے پیچھے سے اور میرے دائیں سے اور میرے بائیں سے اور میرے اوپر سے اور میں آپ کی عظمت سے اس کی پناہ لیتا ہوں کہ اپنے نیچے سے ہلاک کر دیا جاؤں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱۰)

اس روایت میں ان اغتال من تحتی کی تفسیر خسف یعنی زمین میں دھنسا دیئے جانے سے کی ہے اور اس سے اللہ کی پناہ مانگی ہے۔

سورہ ملک میں فرمایا: آمَنْتُمْ مِّنْ فِی السَّمَاءِ أَنْ یَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضُ فَإِذَا هِیَ تَمُورُ ۖ أَمْ آمَنْتُمْ مِّنْ فِی السَّمَاءِ أَنْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ۖ فَسْتَغْلَمُونَ كَيْفَ تَذِیْرٍ (کیا تم اس سے نڈر گئے جو آسمان میں ہے کہ تم پر بھیج دے پتھر برسائے دالی ہو تو عنقریب تم

کو معلوم ہو جائیگا کیسا ہے میرا ڈرانا)

اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ (یا بھڑا دے تم کو گروہ گروہ کر کے اور چکھادے بعض کو بعض کی سختی) یہ حاصل ترجمہ ہے، مفسر ابوالبرکات نفی اپنی تفسیر مدارک التنزیل ص ۱۷ ج ۲ میں لکھتے ہیں:

او یخلطکم فرقا مختلفین علی اہواء شتی کل فرقة منکم مشایعة لامام، ومعنی خلطہم ان ینشب القتال بینہم فیخلطواو یشتبکوا فی ملاحم القتال.

یعنی اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تمہارے مختلف فرقے بنا دے جن کے اہواء و افکار مختلف ہوں۔ ہر فرقہ اپنے اپنے پیشوا کے پیچھے چلتا ہو اور خلط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے درمیان جنگ کھڑی ہو جائے اور قتل و قتل کے معرکہ میں خلط ملط ہو جائیں اور ایک فریق دوسرے فریق میں گھس جائے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ تمہارے بہت سے فرقے بنا کر آپس میں جنگ کرا دے اور بعض کو بعض کی قدرت و طاقت اور دشمنی کا مزہ چکھادے۔ یہ بھی ایک سزا ہے نہ تو آسمان سے آتی ہے نہ زمین سے نکلتی ہے۔ انسانوں کے اپنے افکار اور تصورات اور معتقدات کی بنا پر فرقے بن جاتے ہیں اور آپس میں لڑائیاں ہوتی ہیں۔ اور یہ عذاب بہت بڑا عذاب ہے پہلی امتوں پر بھی اتارا ہے اور اس امت پر بھی اس کے مظاہرے رہتے ہیں۔

حضرت زید بن اسلم (تابعی) نے بیان کیا کہ جب آیت بالانزال ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الاتم رجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض بالسیوف (تم لوگ میرے بعد کافر مت ہو جانا جس کی وجہ سے ایک دوسرے کو تلوار سے قتل کیا کرو گے) حضرت حسن (تابعی) نے فرمایا کہ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ مشرکین کے لئے ہے۔ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ (درمنثور ص ۲۰ ج ۳)

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی معاویہ کی مسجد پر گزرے۔ وہاں آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے لمبی دعا کی اور اس کے بعد فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا۔ مجھے دو چیزیں عطا فرمادیں اور ایک کی قبولیت سے منع فرمادیا۔ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت کو قحط سے ہلاک نہ فرمانا دعا قبول ہوگئی اور میں نے یہ سوال کیا کہ میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ فرمانا۔ میری یہ دعا قبول ہوگئی اور میں نے سوال کیا کہ آپس میں ان کی لڑائی نہ ہو تو اس بات کو قبول نہیں فرمایا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۲ ج ۲)

کبھی کبھار کہیں سیلاب آجائے کچھ لوگ غرق ہو جائیں یا قحط سے کچھ لوگ مر جائیں یہ دوسری بات ہے قحط سے یا غرق سے پوری امت ہلاک نہ ہوگی۔ اس کی دعا اللہ جل شانہ نے قبول فرمائی ہے۔ پھر فرمایا اَنْظُرْ کَيْفَ نَصَرَفَ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝ (آپ دیکھ لیجئے ہم کیسے آیات کو مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ سمجھیں) اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ مختلف طریقوں سے تفصیل کے ساتھ دلائل فرمائے تاکہ سمجھنے والے غور و فکر کریں اور سمجھنے کا ارادہ کریں تو سمجھ لیں۔

وَكَذَّبَ بِهٖ فَوُضِعَ الْوَاحِشُ ۝ (اور آپ کی قوم نے اس عذاب کی تکذیب کی حالانکہ وہ حق ہے) قُلْ لِّسْتُ عَذَابِكُمْ بِوَكِيلٍ ۝ (یعنی اگر وہ یوں کہیں کہ عذاب کب آئے گا تو آپ جواب دیدیں کہ میں تمہارے اوپر دار و غد بنا کر مقرر نہیں کیا گیا۔ عذاب کا لانا میرے بس میں نہیں ہے اللہ جب چاہے گا لے آئے گا۔

پھر فرمایا لَنْكُلَّ نَبَاً مُّسْتَقَرًّا وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ (برایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور غریب تم جان او گے) مطلب یہ ہے کہ جو خبریں دی گئی ہیں یہ محض خبریں ہی نہیں ہیں ان کے وقوع اور حصول کا وقت مقرر ہے جو اللہ کے علم میں ہے مقرر وقت آجائے گا تو اس کا ظہور ہو جائے گا اور تمہیں تکذیب کی سزا معلوم ہو جائے گی۔

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي

اور اسے مخاطب! جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات کے بارے میں عیب جوئی کرتے ہیں تو ان سے کنارہ ہو جا ایساں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسری

حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۝ وَإِمَّا يَنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ وَمَا عَلَى

بات میں لگ جاؤں۔ اور اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آ جائے کہ بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو اور جو لوگ احیاط

الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَلَكِنْ ذَكَرُوا لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ وَذَرِ الَّذِينَ

کرتے ہیں ان ظالموں کے حساب میں سے کچھ بھی نہیں ہے لیکن نصیحت ہے تاکہ وہ ذرے نکلیں، اور چھوڑ دے ان لوگوں کو

اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لِبَآءًا وَ لَهَوًا وَعَرَّتْهُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَ ذَكَرَ بِهِ أَنْ تَبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا

جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے اور دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈالا ہے اور قرآن کے ذرا بھول کر نصیحت کیجئے تاکہ کوئی شخص اپنے اعمال کی

كَسَبَتْ ۚ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ ۚ وَإِنْ تَعْدِلْ كُلُّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذُ مِنْهَا ۚ

جہ سے نہ بچس جائے جس کے لئے اللہ کے علاوہ کوئی حمایتی اور شفا کرنے والا نہ ہوگا۔ اور اگر انفس ہر طرح سے جان کا بدلہ دے تو اس سے نہ لیا جائے گا۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا ۖ لَهُمْ شَرَابٌ مِنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال کی جہ سے بچس گئے۔ ان کے لیے پیتا ہے گرم پانی سے اور درد ناک عذاب ہے کفر کرنے کی جہ سے۔

ان مجلسوں میں بیٹھنے کی ممانعت جن میں اسلام کا مذاق بنایا جا رہا ہو

بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ مسلمین اور مشرکین ایک جگہ بیٹھتے تھے۔ مشرکین کو قرآن مجید کا احترام نہ تھا بیٹھتے بیٹھتے اہل ایمان کے سامنے قرآن کا مذاق بنانے لگتے تھے اور امور دین پر طعن کرنے لگتے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جب تم ان ظالموں کو دیکھو تو ان سے اعراض کرو اور کنارہ کشی اختیار کرو۔ ہاں! جب اپنی اس حرکت بد کو چھوڑ دیں اور دوسرے کسی کام میں، عمل میں مشغول ہو جائیں تو پھر ان کے ساتھ بیٹھ سکتے ہو۔ اگر وہ استہزاء اور تمسخر کر رہے ہوں اور تم بھولے سے ان کے پاس بیٹھے رہو تو جب یاد آجائے اٹھ جاؤ اور ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو۔

یہ مضمون سورۃ نساء میں گذرا ہے۔ وہاں اس آیت کا حوالہ دیکر فرمایا وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتَ اللَّهِ

يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مِنْهَا حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ (سورۃ نساء آیت ۱۳۰)

اہل کفر سے اگر بالکل ہی دور رہیں تو ان کو حق بات کیسے پہنچائی جائے اور نصیحت اور موعظت کا راستہ کیسے نکالا جائے۔ اس کے لئے

منے کی ضرورت ہوتی ہے، اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا وَمَا عَلٰی الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَلٰكِنْ ذِكْرًا لِّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ اور جو لوگ احتیاط کرتے ہیں ان پر ظالموں کے حساب میں کچھ بھی نہیں ہے لیکن نصیحت ہے تاکہ وہ ڈرنے لگیں (اگر دینی اور دنیاوی ضرورت سے ان کے پاس جانا ہو جائے تو جو لوگ ایمان میں مضبوط ہیں اور منکر کو منکر جانتے ہوئے اپنی ذات کو محفوظ رکھ سکتے ہوں ان پر ان ظالموں کے حساب یعنی باز پرس اور طعن کرنے کے گناہ کا کوئی اثر نہ ہوگا جو تسخر و استہزاء میں مشغول ہوں، یہ لوگ ان کے پاس جائیں ان کو نصیحت کریں ممکن ہے نصیحت ان لوگوں کے حق میں کارگر ہو جائے اور طعن و تشنیع اور عیب جوئی سے پرہیز کریں۔ جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔

صاحب روح المعانی ص ۸۴ ج ۷ نے ابو جعفر سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ فَلَا تَقْعُدُوا بَعْدَ الذِّكْرِی مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ ۝ نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کہا کہ مشرکین جب قرآن کریم کا استہزاء کرنے لگیں اور ہم اسی وقت وہاں سے اٹھ جائیں۔ پھر تو ہم مسجد حرام میں نہیں بیٹھ سکتے۔ اور بیت اللہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے (کیونکہ مشرکین تو اپنی حرکت سے باز آنے والے نہیں) اس پر آیت وَمَا عَلٰی الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ نازل ہوئی۔ جس میں یہ بتا دیا گیا کہ تم اپنے اعمال میں لگے ہوئے ہو ان کی مجلس میں شریک نہیں ہونو تم پر ان کے اعمال کی ذمہ داری نہیں۔ اور جب اختلاط ہو جائے تو ان کی نصیحت اور خیر خواہی سے غافل نہ ہونا۔ ممکن ہے نصیحت اثر کر جائے۔

لہو و لعب والوں کو چھوڑ دیجئے جنہیں دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ڈالا..... اس کے بعد فرمایا: وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِیْنَهُمْ لِبَآءًا لَّهُوَ (الآیۃ) پہلی آیت میں اس بات کا ذکر تھا کہ جو لوگ آیات کا تسخر و استہزاء کر رہے ہیں ان سے اعراض کرو اور ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔

اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ ان سے اعراض کرنا کوئی مجلسوں میں شرکت کرنے پر ہی منحصر نہیں ہے۔ بلکہ مستقل یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے دین کو (یعنی ترک کرنے اس دین اسلام کو جو ان کے لئے اللہ پاک نے بھیجا ہے) لہو و لعب بنالیا ہے، ان کو چھوڑ سے رکھو ان کو دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ اسی کی لذتوں میں مشغول ہیں اور آخرت سے غافل ہیں لیکن اس اعراض اور ترک تعلقات کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو تبلیغ نہ کی جائے۔ اس قرآن کے ذریعہ ان کو تبلیغ کرتے رہو۔ تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کی وجہ سے عذاب میں نہ پھنس جائے اور ہلاک نہ ہو جائے۔

دنیا میں جو لوگ ہدایت سے دور ہیں حق قبول نہیں کرتے آخرت میں ان کیلئے اللہ کے سوا کوئی دوست و سفارش کرنے والا نہ ہوگا۔ رسول کا کام تو دعوت دینا اور واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔ تاکہ اس کی دعوت کو قبول کر کے آخرت کی پکڑ اور عذاب سے محفوظ ہو جائیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اس ہدایت کو نہیں مانتا تو وہ اس کی اپنی حماقت ہے۔

میدان قیامت میں نہ کوئی مددگار ہوگا نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا اور اس وقت جو لوگ عذاب کی مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ وہ چاہیں گے کہ کچھ لے دے کر چھوٹ جائیں، اول تو وہاں فدیہ یعنی جان کا بدلہ دینے کیلئے کچھ نہ ہوگا اور بالفرض ہو بھی اور ہر طرح کا عوض دے کر جان چھڑانا چاہے تو کوئی عوض اور بدلہ قبول نہیں کیا جائے گا جیسا کہ سورہ مائدہ میں فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوا لَوَ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهُ مَعًا لَیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیَمَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ ۝ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (اور بھی کئی جگہ قرآن مجید میں اس طرح کی باتیں فرمائی ہیں۔)



پھر فرمایا اُولَٰئِكَ الَّذِیْنَ اٰتٰیہُمْ اَمْثَلُ مَا كَسَبُوْا (کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے عذاب میں پھنس گئے) لَقِیْمٌ شَرَّابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ (ان کے لئے پینا ہے گرم پانی سے) جو بہت گرم ہوگا۔ سورہ محمد میں فرمایا وَ سُقُوْا مَّاءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَفْعَاۗءُہُمْ (اور ان کو گرم پانی پیا جائے گا جو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا ان کی آنتوں کو) وَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ تَبَسُّمًا کَاۡنُوْا اِنْ کَفَرُوْۤا عَنْہُ (اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا ان کے کفر کرنے کی وجہ سے)

فائدہ..... مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو ایسی مجلسوں اور محفلوں میں جانا اور شریک ہونا ممنوع ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یا کتاب اللہ کی یا دین خداوندی کی یعنی اسلام کی تکذیب کی جاتی ہو یا ان کا مذاق اڑایا جاتا ہو۔ جن ملکوں میں مسلمان رہتے اور بستے ہیں ان میں ایسے ممالک بھی شامل ہیں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور دشمنان اسلام اپنی اسلام دشمنی میں دین اسلام کا مذاق اڑانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب اللہ کا تمسخر کرنے سے باز نہیں آتے، اس کے لئے مجلس منعقد کرتے ہیں ڈرامے تیار کرتے ہیں، مسلمانوں کو بھی شرکت کی دعوت دیتے ہیں۔

مسلمان جہالت اور حماقت سے ان میں شریک ہو جاتے ہیں اور منساری سمجھ کر گوارا کر لیتے ہیں اسی طرح بعض دشمنان اسلام ایسے مضامین اور ایسی کتابیں شائع کر دیتے ہیں جن میں اسلام اور قرآن کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ کالج اور یونیورسٹیوں کے بے علم اسٹوڈنٹس ریسرچ وغیرہ کے عنوان سے ان کو پڑھتے ہیں۔ حالانکہ ایسے اجتماعات میں شرکت اور ایسے رسائل کا پڑھنا حرام ہے۔ اپنے دین کا مذاق اپنے کانوں سے سننا یا اپنی آنکھوں سے ایسے رسائل پڑھنا نہایت بے غیرتی کی بات ہے، اگر کہیں غلطی سے کسی ایسے اجتماع میں شرکت کر لی جس میں دین اسلام کی کسی بھی چیز کا استہزاء کیا جا رہا ہو تو علم ہو جانے پر اسی وقت وہاں سے اٹھ کر چلے جائیں اور فَلَا تَفْعَلُوْا بَعْدَ الَّذِیْ تَکْرٰہُوْا مَعَ الظَّالِمِیْنَ پر عمل کریں۔

البتہ بعض ایسی صورتیں سامنے آ جاتی ہیں کہ دشمنوں کی باتوں کا تذکرہ نا ضروری ہوتا ہے اور ان کو منہ توڑ جواب دینا لازم ہوتا ہے ایسی نیت سے وہاں پہنچنا جائز ہے مگر اسی شخص کے لئے جو ان کا جواب دے سکے۔

آج کل مصیبت یہ ہے کہ مسلمان اسلام کو تو پڑھتے نہیں۔ بیس بیس سال دنیاوی علوم کی ڈگریاں حاصل کرنے میں لگا دیتے ہیں لیکن اسلام کے عقائد اور ارکان سے اور قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اس لئے دشمن کے اعتراضوں کو پیتے چلے جاتے ہیں، ان کے جواب دینے سے عاجز ہوتے ہیں اور بعض تو ان کی باتوں سے متاثر ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں میں اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات جگہ پکڑ لیتے ہیں اور جہالت کی وجہ سے احساس کمتری کا یہ عالم ہوتا ہے کہ دشمنوں کے اعتراض سننے رہتے ہیں اور کافروں پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔

ایسے لوگوں کے لئے بالکل اختلاط اور میل ملاپ حرام ہے۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ اسلامیات کی ڈگری لینے مستشرقین کے پاس جاتے ہیں اور وہ ان کے سامنے اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اور اعتراضات ہی کا سبق دیتے ہیں اور انہوں نے جو کچھ پڑھایا ہے اس کے مطابق جواب ملنے سے ڈگری ملتی ہے پھر مسلمان طلباء میں آ کر اپنی باتوں کی تبلیغ کرتے ہیں جو دشمنان دین سے سیکھ کر آئے۔ ایسی یونیورسٹیوں میں داخل ہونا بالکل حرام ہے۔

قُلْ اَنْدَعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰی اَعْقَابِنَا بَعْدَ

آپ فرمائیے کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا جو ہمیں نفع نہیں دیتا اور جو ہمیں ضرر نہیں دیتا، اور کیا ہم اس کے بعد الٹے پاؤں لوٹا دیے جائیں جبکہ

إِذْ هَدَيْنَا اللَّهَ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِينُ فِي الْأَرْضِ حَيْرَانًا ۖ لَهُ أَصْحَابٌ

اللہ نے ہمیں ہدایت دی، مگر ہم اس شخص کی طرح ہو جائیں جسے شیاطین نے جنگل میں بے راہ کر دیا ہو۔ اس حال میں کہ حیران ہو کر بھٹکتا پھر رہا ہو۔ اس کے ساتھی

يَذْعُونَ إِلَى الْهُدَىٰ ائْتِنَا ۚ قُلْ إِنَّ هُدَىٰ اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۖ وَأُمِّرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ

ہیں جو اسے لائے ہیں کہ ہدایت کی طرف آ جا ہمارے پاس۔ آپ فرما دیجئے بے شک اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اور ہم کو تسلیم ہوا ہے کہ ہم سارے جہانوں کے پروردگار

الْعَالَمِينَ ۝ وَأَنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتَقُوا ۖ وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝

کے فرمانبردار ہو جائیں۔ اور یہ کہ نماز کو قائم کرو اور رب العالمین سے ڈرو اور جتنی ہے جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۖ

اور وہی ہے جس نے حق کے ساتھ آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا اور جس دن وہ فرمائے گا کہ ہو جا سو وہ ہو جائے گا، اور اس کا فرمان حق ہے

وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ ۚ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّيْءِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ۝

اور اسی کے لیے ساری حکومت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا۔ وہ جانتے والا ہے غیب کی چیزوں کو اور ظاہر چیزوں کو اور وہ حکمت والا ہے خبر رکھنے والا ہے۔

### صرف اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے

تفسیر درمنثور ج ۲ میں نقل کیا ہے کہ مشرکین نے اہل ایمان سے کہا کہ تم ہمارے راستہ کا اتباع کرو اور محمد ﷺ کا راستہ چھوڑو۔ اس پر آیت کریمہ قُلْ اِنَّهُ غَوَا مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا لَا يَضُرُّنَا نَازِلٌ هُوَ لٰی۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بطور مثال ایک شخص کی حالت بیان فرمائی ہے جو کہ راستہ سے بھٹک گیا اور جو لوگ اس کے ساتھ ساتھ تھے اسے صحیح راستہ کی طرف ہمارے ہیں اور جنگل میں جہاں وہ راہ گم کر چکا تھا وہاں شیاطین بھی موجود ہیں انہوں نے اسے پریشان کر رکھا ہے وہ اسے اپنی خواہشوں پر چلانا چاہتے ہیں اس حالت میں وہ حیران کھڑا ہے۔ اگر شیاطین کی طرف جاتا ہے تو وہ ہلاکت میں پڑتا ہے۔ اگر اپنے ساتھیوں کی آواز پر جاتا ہے تو ہدایت پا جاتا ہے اور شیاطین سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اہل ایمان کو کافروں نے واپس گمراہی کی طرف لوٹ جانے کی دعوت دی اور بت پرستی کی ترتیب دی۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ تم ان کو جواب دیدو کیا اللہ کو چھوڑ کر جو پوری طرح نفع و ضرر کا مالک ہے ہم ان کو پکاریں جو کچھ بھی نفع و ضرر نہیں دے سکتے اور کیا اللہ کی طرف سے ہدایت مل جانے کے بعد اسلئے پاؤں واپس ہو جائیں؟ ایسا نہیں ہوگا۔ خدا نخواستہ العیاذ باللہ! اگر ہم ایسا کر لیں تو ہماری وہی مثال ہو جائیگی جیسے کوئی شخص جنگل میں راہ بھٹکا ہوا کھڑا ہوا ہے شیاطین نے حیران ہا کان کر رکھا ہے وہ اسے اپنی گمراہی میں ڈالنا چاہتے ہیں اور اس کے ساتھ اسے ہدایت کی طرف ہمارے ہیں۔ خدا نخواستہ اگر ہم کافروں کی بات مان لیں تو ہماری وہی حالت ہو جائے گی جو اس حیران پریشان شخص کی حالت ہوتی ہے جس کا اوپر ذکر کر لیا گیا۔

قُلْ اِنَّ هُدٰى اللّٰهُ هُوَ الْهُدٰى ط (آپ فرمادیجئے کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے) جب ہمیں اللہ نے ہدایت کی نعمت سے نوازا دیا تو اب ہم کفر و شرک کی طرف کیوں جائیں؟ وَ اٰمُرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ رب العالمین ہی کے

فرماں بردار ہیں) وَأَنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ نماز قائم کرو اور رب العالمین سے ڈرو) وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ (اور وہی رب العالمین ہے جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے) جب اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اس وقت سب کے فیصلے ہو جائیں گے۔ ہم اس کی عبادت کو کیسے چھوڑ دیں اور اس کی توحید سے کیسے منہ موڑیں۔

پھر فرمایا وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ط (اور ہمارا رب وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ یعنی بالکل ٹھیک طریقے پر پیدا فرمایا) وَيَوْمَ يَقُولُ نَحْنُ فَيَكُونُونَ ۝ (اور جس دن اللہ تعالیٰ فرمادے گا کہ ہو جائیں ہو جائیگا) یعنی قیامت کے دن کا حشر و نشر کچھ بھی مستبعد نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا نحن فرمادینا ہی اس کے وجود میں آ جانے کے لئے کافی ہے۔

قَوْلُهُ الْحَقُّ (اس کا فرمادینا حق ہے) وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ (اور جس دن صور پھونکا جائے گا ساری حکومت اسی کی ہوگی) کوئی بھی مجازی یا اختیار باقی نہ رہے گا۔ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہری چیزوں کا) وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ۝ (اور وہ حکمت والا، خبر رکھنے والا ہے) حکمت کے مطابق اور اپنے علم کے مطابق جزا و سزا دیگا۔ اور صور پھونکے جانے میں تاخیر ہونا اس کی حکمت کے مطابق ہے، جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا صور پھونکنے کا حکم فرمادے گا۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ أَتَتَّخِذُ آبَاكَ أَصْنَامًا إِيَّاهُ ۖ إِنَّكَ أَلَمَّا عَلَّمْتَهُ ۖ قَالَ لَوْ كُنْتُ عَلِيمًا لَأَبْرَأْتُكَ مِنَ الْفُلُكَيْنِ ۚ

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تو بتوں کو معبود مانتا ہے؟ باشرہ میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں۔

وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ۝

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں کی اور زمین کی مخلوقات دکھائیں۔ تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى الْكُوكَبَ ۖ قَالَ هَذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أَحِبُّ الْآفِلِينَ ۚ

پھر جب اس پر رات کی تاریکی چھا گئی تو ایک ستارہ دیکھا، کہا یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ ستارہ غروب ہو گیا تو یوں کہا کہ میں غائب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا،

فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِعًا ۖ قَالَ هَذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۚ

پھر جب چاند و پہلا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہا کہ میرا رب مجھے ہدایت نہ دے گا تو

لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۚ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِعَةً ۖ قَالَ هَذَا رَبِّي ۖ هَذَا أَكْبَرُ ۚ

میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا، پھر جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے،

فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يُقَوْمُ إِنِّي بَرِحْتُ ۖ مِمَّا تَشْرِكُونَ ۚ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ

پھر جب سورج غروب ہو گیا تو کہا اے میری قوم! میں ان چیزوں سے ہٹی ہوں، جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو، بے شک میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف موڑا جس

لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا ۚ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۚ وَحَاجَّتْهُ

نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، میں سب کو چھوڑ کر اسی کی طرف ہٹ جانے والا ہوں، اور میں شرکوں میں سے نہیں ہوں، اور اس کی قوم نے ہمت بازی

قَوْمَهُ ۚ قَالَ اتَّحَاجُّونِي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَسِنَ ۚ وَلَا آخَافُ مَا تُشْرِكُونَ

کی تو میں نے جواب میں کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں بحث بازی کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت عطا فرمادی اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اس کا شریک بناتے ہو

بِهِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا ۚ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۝ وَكَيْفَ

تصور ہاں جو کچھ میرا رب چاہے، میرے پروردگار کا علم ہر چیز کو احاطہ کرتے ہوئے ہے، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ اور میں کیونکر ان سے ڈروں

أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنْتُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنْزَلْ بِهِ عَلَيْكُمْ

جنتیں تم نے شریک بنایا ہوا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک بنالیا ہے جس کی کوئی دلیل تم پر اللہ نے

سُلْطَانًا ۚ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا

نازل نہیں فرمائی۔ سو دونوں فریقوں میں کون امن کا مستحق ہے اگر تم جانتے ہو۔ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق

إِيمَانَهُمْ يَظْلِمُ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ ۝

کی آمیزش نہ کی انہیں کے لئے امان ہے اور وہی راہ یافتہ ہیں۔

چاند سورج اور ستاروں کی پرستش کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے بعد آئیوالے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے باپ ہیں ان کی قوم بابل کے آس پاس رہتی تھی جو آج کل عراق کا ایک شہر ہے اس وقت وہاں کا بادشاہ نمرود نامی ایک شخص تھا وہ خدا کی کا دعویٰ کرتا تھا۔ ساری قوم بت پرست تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد جس کا نام آزر تھا وہ بھی بت پرست تھا اور ساری دنیا کفر و شرک میں مبتلا تھی۔ ایسے موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی وہ خالص موحّد تھے۔ اللہ پاک کی توحید کی طرف انہوں نے اپنے باپ اور قوم کو دعوت دی اور اس بارے میں انہوں نے بہت تکلیف اٹھائی۔ نمرود سے آپ کا مناظرہ ہوا۔ (جن کا ذکر سورہ بقرہ کی آیت اَلَمْ نَرَاٰی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرَٰهٖمَ فِیْ رَبِّہٖ مِیْنَ غَرَجَ کَہے) اپنی قوم کو انہوں نے طرح طرح سے سمجھایا اور قائل کیا لیکن قوم نے ایک نہ مانا اور بت پرستی پر جسے رہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا۔ جس کا واقعہ سورہ انبیاء (کو غ ۵) میں اور سورہ صافات (کو غ ۳) میں مذکور ہے۔

اپنے والد سے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خطاب فرمایا یہاں اس کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اَتَّخِذُ اَصْنَامًا الْهٖۡۃَ ۚ (کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے) اِنِّیْۤ اَرَاکَ وَفَوْضَکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں) سورہ مریم میں ہے اِذْ قَالَ لَا یَبِیْہٖ تَابَتْ لِمَ نَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یَغْنٰی غَدَکَ شَیْطٰنًا (جبکہ ابراہیم

نے بت پرستی کو اپنا معبود بنالیا تھا کہ تیرے بتوں کی چیزیں کب برباد ہوں گی اور تیرے بتوں کی فائدہ دہندگی کب ختم ہوگی) اپنے باپ کو صراطِ مستقیم کی دعوت دی اور بتایا کہ شیطان کی عبادت نہ کرو اور یہ بھی فرمایا تم جس دین پر ہو اس پر قائم رہنے سے اللہ پاک کی طرف سے عذاب پہنچ جائے گا۔ ان کے باپ نے ساری سنی ان سنی کردی اور کوئی بات نہ مانی اور سختی کے ساتھ جواب دیا۔ کہ

لَسُنْ لَمْ تَنْتَبِهْ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا (اگر باز نہ آیا.... تو تجھے ضرور بالضرور سنگسار کر دوں گا۔ یعنی پتھر مار کر ہلاک کر دوں گا اور تو مجھے چھوڑ کر علیحدہ ہو جا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو مختلف عنوانات سے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اس کے ذیل میں ستارہ پرستوں سے بھی خطاب فرمایا..... علامہ ابن کثیر دمشقی البدایہ والنہایہ ص ۱۰۴ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ دمشق اور اس کے آس پاس کے لوگ کو اکب سبوعہ (سات ستاروں) کی عبادت کیا کرتے تھے۔ دمشق کے سات دروازے تھے اور ہر دروازے پر ایک ایک ستارہ کی تصویر لگا رکھی تھی۔ ان کی عبادت کرتے تھے اور وہاں میلے لگاتے تھے اور بھینٹ اور نذرانے چڑھاتے تھے (کو اکب سبوعہ سے شمس، قمر، زحل، عطارد، مریخ، مشتری اور زہرہ مراد ہیں)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جو قرآن مجید میں مذکور ہے اپنے علاقے سے ہجرت کرنے کے بعد دمشق کے آس پاس کہیں پیش آیا واقعہ یہ ہے کہ ان کو ایک چمکدار ستارہ نظر آیا۔ صاحب روح المعانی نے ص ۱۹۸ ج ۷ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ ستارہ مشتری تھا اور حضرت قتادہؓ کی طرف یوں منسوب کیا ہے کہ یہ ستارہ زہرہ تھا۔ بہر حال جو بھی ستارہ ہو خوب چمکدار اور روشن تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے دیکھ لیا تو اس وقت جو ستارہ پرست موجود تھے ان سے بطور فرض بحیثیت ایک الزام دینے والے مناظر کے یوں فرمایا کہ یہ میرا رب ہے خود تو موجد تھے، غیر اللہ کو رب نہیں مانتے تھے لیکن ان کو آخر میں قائل کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا۔ وہ ستارہ کچھ دیر بعد چھپ گیا تو آپ نے فرمایا کہ چھپ جانیاں اور غروب ہونے والوں سے میں محبت نہیں کر سکتا۔ جو چھپ گیا وہ کہاں اس قائل ہو سکتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

ابھی صاف بات نہ کہی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا اس کے بعد چاند نظر آیا جو بہ نسبت ستاروں کے بڑا تھا اور خوب زیادہ روشنی والا تھا۔ اس کو دیکھ کر اسی پہلے انداز کے مطابق فرمادیا۔ کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر وہ بھی غروب ہو گیا تو اس مرتبہ فرمایا کہ اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں گمراہوں میں سے ہو جاتا۔ جب ستارہ غروب ہوا تھا تو فرمایا تھا کہ میں چھپ جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یعنی جو غائب ہو جائے اور ذاتی طور پر ایک حال پر باقی نہ رہ سکے میں اسے معبود نہیں مان سکتا، بات کو اپنے اوپر رکھ کر کہا جو گمراہوں کو دعوت دینے کا لیغ طریقہ ہے اس میں ان لوگوں پر تعرض بھی کہ تم عجیب ہو جسے اپنے اوپر اختیار نہیں اس کو معبود بنائے ہوئے ہو، چونکہ پہلی مرتبہ ستارہ کے غروب ہونے پر لوگ کسی درجہ میں قائل ہو چکے تھے اس لئے چاند غروب ہو جانے پر بات کا رخ بدل دیا۔

اس مرتبہ لَا أُحِبُّ الْأَفْلَیْنِ نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا لَئِنْ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ اس میں بھی بات کو اپنے اوپر رکھا اور فرمایا میرا رب مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں گمراہوں میں سے ہوتا۔ اس میں اشارۃً یہ بیان فرمادیا کہ تم لوگ ستارہ پرستی کی وجہ سے گمراہ ہو چکے جب سورج نکلا وہ اپنی چمک اور روشنی سے چاند سے بڑھ کر تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان لوگوں سے کہا کہ یہ میرا رب ہے یہ پہلے دونوں چمکدار ستاروں سے بڑا ہے۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی دنیا میں رہتے تھے اور روزانہ آفتاب کو بھی دیکھتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ آفتاب سے بڑا دوسرا کوئی ستارہ اپنے وجود مادی اور چمک دمک کے اعتبار سے نہیں ہے، اور اس کے بعد کوئی بڑا ستارہ طلوع ہونے والا نہیں ہے لہذا انہوں نے هَذَا رَبِّي کے ساتھ هَذَا أَكْبَرُ بھی کہہ دیا اور چونکہ یہاں پہنچ کر بحث ختم ہونے والی تھی اور تیسری مرتبہ ستارہ پرستوں کو قائل کرنے کا موقع تھا اس لئے سورج کے غروب ہونے کا انتظار فرمایا، جب سورج غروب ہو گیا تو بہت زوردار طریقہ پر فرمادیا۔

يَا قَوْمِ اِنِّى بُرِّىءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ (اے میری قوم! جن چیزوں کو تم شریک بناتے ہو میں ان چیزوں سے بری ہوں بیزار ہوں)  
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حاضرین کو بتایا کہ جن چیزوں کو تم معبود بناتے ہو ان کو تم نے حقیقی معبود کی خدائی میں شریک کر رکھا ہے۔ تمہارا یہ طریقہ غلط ہے جن چیزوں کو تم پوجتے ہو یہ اسی خدا وحدہ لاشریک کی مخلوق ہیں جس کی مشیت اور ارادہ سے انکا وجود ہے اور جس کی مشیت و ارادہ سے یہ آتے جاتے ہیں نکلنے اور چھپتے ہیں۔

نیز یہ بھی بتا دیا کہ میں شرک سے بری ہوں جس میں تم لگے ہوئے ہو تمہیں بھی شرک سے بیزار ہو جانا چاہیے کیونکہ خالق جل مجدہ کے علاوہ کسی کو پوجنا راہ ہدایت کے خلاف ہے۔ اس بات کی طرف لَبَّنُ لَمْ يَهْدِنِ رَبِّىْ لَا كُؤُنَ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۝ (فرما کر اشارہ کر چکے تھے کہ یہ اور اشارہ کے بعد تصریح کا راستہ اختیار فرمایا اور واضح طور پر فرمادیا کہ اِنِّىْ وَجْهًى لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ خَبِيًْٓٔا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُمْشِرِ كِيْنَ ۝ میں نے اپنا رخ پھیر دیا اس ذات پاک کی طرف جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ میں باطل معبودوں کی طرف متوجہ نہیں ہوں میں ان سے منہ موڑے ہوئے ہوں اور شرک کرنے والا نہیں ہوں۔

قوم کی حجت بازی کا جواب..... باوجودیکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ پرستوں کو دلیل سے عاجز کر دیا اور بتا دیا کہ جس کے قبضہ قدرت میں ان چھوٹے بڑے ستاروں کا تصرف ہے جس کے حکم سے یہ طلوع اور غروب ہوتے ہیں صرف وہی عبادت اور پرستش کے لائق ہے اور کسی بھی مخلوق کی عبادت کرنا یہ خالق و مالک کے ساتھ شرک کرنا ہے جو عقلی طور پر بھی بدترین چیز ہے اور اپنے بارے میں موصوفہ ہونے اور شرک سے بیزار ہونے کا اعلان فرمادیا تب بھی ان کی قوم نے حجت بازی جاری رکھی۔ وہ کہنے لگے کہ تم یہ کیسے کہتے ہو یہ چیزیں عبادت کے لائق نہیں۔ ہم تو اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے دیکھتے آئے ہیں تم ہم سے ہمارا دین چھڑوانا چاہتے ہو حالانکہ تم کو بھی ہمارے دین میں آجانا چاہئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا اَنۡتَ حَاجُوۡنِىۡ فِىۡ اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ (کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت دی) جب مجھے ہدایت مل گئی جس کو میں پوری بصیرت سے ہدایت سمجھتا ہوں تو اب معبود حقیقی کو کیسے چھوڑوں اسی نے مجھے ہدایت دی اور اسی سے میں ہر طرح کی خیر کی امید رکھتا ہوں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے معبودوں سے ڈرایا ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واضح طور پر فرمادیا کہ وَلَا اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِہ (کہ جن چیزوں سے مجھے ڈارتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا) کیونکہ خود بے جان ہیں نفع و ضرر کے مالک نہیں۔ مزید فرمایا اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ رَبِّىْ شَآءَ تَمَّارَہے یہ معبودان باطلہ کچھ بھی ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکتے ہاں میرا رب اگر چاہے تو ایسا کر سکتا ہے کہ کوئی نقصان یا تکلیف پہنچ جائے۔ میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوۡنَ ۝ (کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) دلیل سے عاجز ہو جانے کے بعد اور یہ جاننے کے بعد کہ تمہارے معبودان باطلہ کچھ بھی نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتے شرک پر اڑے ہوئے ہو تمہاری سمجھ میں آجانا چاہئے اور نصیحت قبول کرنی چاہئے۔

قال صاحب الروح ۲۰۵ ج ۱ ای نعروضون بعد ما او ضحتہ لكم عن التامل فى ان الهيتكم بمعزل عن القدرة على شئ ما من النفع او الضرر فلا تتدكرونها غير قادر على اضراى. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کیا تم میرے واضح کر دینے کے بعد بھی اس بات پر غور کرنے سے بھاگتے ہو کہ تمہارے معبود کسی قسم کا کچھ بھی نفع یا نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے کیا اب بھی تم نہیں سمجھتے کہ وہ مجھے نقصان دینے پر قادر نہیں۔

پھر فرمایا وَكَيْفَ اخَافَ مَا اَشْرَحُكُمْ میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شرک بنایا ہے۔ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنْتُمْ اَشْرَحُكُمْ بِاللّٰهِ مَا لَكُمْ يَنْزِلُ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا (حالانکہ تم نہیں ڈرتے اس بات سے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شرک بنالیا جن کے شریک بنونے کی اللہ نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی) تمہارے معبود تو بے قدرت ہیں۔ میں ان کی طرف سے بے خوف ہوں اور پرہیزگار ہوں۔ میں ان سے کیوں ڈروں۔ تم پر لازم ہے کہ معبود حقیقی سے ڈرو جسے نفع و ضرر پہنچانے کی پوری قدرت ہے اور تم نے اس کے جو شریک تجویز کر لئے ہیں یہ سب اپنے پاس سے تجویز کئے ہیں جس کی کوئی سند اور دلیل اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ اپنی اس حرکت بد کی وجہ سے تمہیں معبود حقیقی سے ڈرنا لازم ہے۔

قال صاحب الروح ص ۲۰۲ ے ای کیف اخاف انا ماليس في حيز الخوف اصلا وانتم لا تخافون غائلة ما هو اعظم المخوفات واهولها واشراكمم بالله تعالى الذي فطر السموات والارض ماهو من جملة مخلوقاته. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس چیز سے کیسے ڈروں جو کہ بالکل ڈرنے کے قابل نہیں ہے اور تم اس شر سے نہیں ڈرتے۔ جو کہ سب سے زیادہ ڈرنے کی چیز ہے اور سب سے زیادہ اندوہناک ہے اور وہ ہے تمہارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو بنایا جو اس کی مخلوقات میں سے ہیں)

فَاَيُّ الْقَرۡيَنَیۡنِ اَحَقُّ بِالۡاٰمِنِ اِنْ خُتِمَ نَعْلَمُوۡنَ (سودوں و فریقوں میں کون سا فریق امن کا مستحق ہے اگر تم جانتے ہو) مطلب یہ ہے کہ میں تو معبود حقیقی کا پرستار اور عبادت گزار ہوں اور تم نے اس کے ساتھ شریک بنا رکھے ہیں تم نور کو لو کہ انا نئی امن و ایمان کون ہے میں ہوں یا تم ہو؟ مجرم تو تم ہو، شرک کرتے ہو اور معبود حقیقی سے نہیں ڈرتے اور مجھے باطل معبودوں سے ڈراتے ہو۔ اپنی صحیح سمجھ سے کام لیتے تو تمہارا علم تمہیں صحیح راہ پر ڈال دیتا۔

پھر فرمایا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاٰمَنُ وَهُمْ مُّسْتَعِدُّوْنَ ۝ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے ساتھ ان کا مکالمہ اور مباحثہ بیان فرمانے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک مستقل قانون بتا دیا اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں ظلم یعنی شرک کی ملاوٹ نہ کی تو ان کے لیے یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ اسن سے رہیں گے اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ وہ ہدایت پر ہیں۔ اہل ایمان کے بارے میں باسنا ہونے کی بشارت دے دی جو ایمان اللہ کے ہاں معتبر ہے اس کے علاوہ جو عقائد و اعمال ہوں ان کے بارے میں کوئی کیسا ہی ہدایت پر ہونے کا دعویدار ہو وہ ہدایت پر نہیں۔ اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی تو خدا کو مانتے ہیں لہذا ہم بھی عذاب سے بے خوف ہونے کے مستحق ہیں۔ اور ہدایت پر ہیں اس آیت میں جواب دے دیا کہ ان لوگوں کا اللہ کو ماننا اور اللہ پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول و معتبر نہیں ہے جو اپنے ایمان میں شرک کو ملاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے شریک تجویز کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ایمان معتبر ہے جس میں اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کی کتابوں پر آخرت کے دن پر اور ان تمام چیزوں پر ایمان لائے جو اللہ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ بتائی ہیں خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد تو آپ پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مؤمن ہو ہی نہیں سکتا۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۖ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ

اور یہ ہماری جست و خیز جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی۔ ہم جس کو چاہیں مرتبوں کے اعتبار سے بلند کرتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب

حَكِيمٌ عَلَيْهِمْ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ ۚ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَأَيُّوبَ ۚ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝

حکمت والا ہے ہم پر ان کے لئے اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور ایک کو ہم نے ہدایت دی۔ اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی

وَذُرِّيَّتَهُ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَأَيُّوبَ ۚ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝

اور ان کی ذریت سے داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو۔ اور ہم اسی طرح نیک کاروں کو جزا دیتے ہیں۔

ذِكْرًا وَيُحْيِي ۚ وَاعْيَىٰ ۚ وَالْيَاسَ ۚ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَإِسْمَاعِيلَ ۚ وَالْيَسَعَ ۚ وَيُونُسَ ۚ وَلُوطًا ۚ

اور ذکر کیا کو اور بچھڑا کو اور عیسیٰ کو اور الیاس کو، سب صالحین میں سے ہیں۔ اور اسماعیل کو اور الیسع کو اور یونس کو اور لوط کو۔

وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ

اور سب کو ہم نے فضیلت دی جہانوں پر۔ اور ان کے کچھ باپ اور کچھ اولاد اور کچھ بھائیوں کو اور ہم نے ان کو چن لیا اور ان کو ہدایت دی

إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ مِّنْ عِبَادِهِ ۚ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحِطَّ

سیدھے راستے کی طرف۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ اس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اگر یہ حضرات شرک اختیار کر لیتے

عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اتَّيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا

تو جو اعمال کیا کرتے تھے وہ سب ضبط ہو جاتے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کو ہم نے کتاب دی اور حکمت اور نبوت عطا کی، سو اگر زمانہ موجودہ کے لوگ نبوت کا انکار

هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ

کر دیں تو ہم نے اس کے لیے بہت سے لوگ ایسے مقرر کر دیے ہیں جو اس کا انکار کرنے والے نہیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی سو آپ

فِيهِمْ أَقْتَدَهُ ۚ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۚ إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝

ان کی ہدایت کا اقتداء کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ میں تو اس پر تم سے کسی معاوضہ کا سوال نہیں کرتا یہ تو صرف نصیحت ہے جہانوں کے لیے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ اور ان کی اقتداء کرنے کا حکم

اور پر حجت بیان کی جو ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ پرستوں کو پیش کی اور انہیں بتایا کہ غروب ہونے والا معبود نہیں ہو سکتا اور یہ کہ میں تمہارے معبودان باطلہ سے نہیں ڈرتا۔ یہ دلیل اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بتادی اور ان کے دل میں ڈال دی۔ جس سے انہوں نے قوم کو سمجھایا اور قائل کر دیا اور جواب سے عاجز کر دیا وَتَلَقَّ حُجَّتًا مِّنْ رَبِّكَ لَوْ كُنْتَ تُدْرِكُ الْيَوْمَ الْأَوَّلَ لَآتَاكَ مِن قَبْلِكُ وَلَقَدْ كَفَرَ يَتْلُو تَحْفَافًا لِّمَا هُوَ بِحُجَّتِكَ أَلَّا تَكُونَ مِنَ الْمَكْذُوبِينَ ۚ

نَزَّاعٍ ذَرَجَتْ مِّنْ نَّشَاءٍ ۚ (ہم درجات کے اعتبار سے جس کو چاہیں بلند کر دیتے ہیں) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سب ہی درجات عالیہ والے تھے اور ان میں اللہ پاک نے بعض کو بعض پر رفعت و فضیلت دی ہے جیسا کہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْ بَيْنِهِمْ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَلُ ۚ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ مُّعْجَزٌ لِّقَوْمٍ يَعْتَبِرُونَ ۚ



اپنی قوم سے بڑے بڑے مقابلے کئے اور نمرود کے ساتھ بحث و مناظرہ کیا جس سے وہ لاجواب ہو کر رہ گیا۔ اور ان کے بعد جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے سب ان کی نسل میں ہیں آپ ابوالانبیاء ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم، جمیع الانبیاء والمرسلین۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے بعد ان کے بیٹے اسحق اور ان کے بیٹے یعقوب علیہما السلام کا ذکر فرمایا اور فرمایا کَلَّا هَذَا نَبَاكَ بِمَنْ نَعْنِي ان سب کو ہدایت دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنی اولاد کو تعلیم دی۔ ان حضرات نے اس کو اپنا یا اور باقی رکھا اور اپنی اولاد کو بھی اسی کی وصیت کی۔

پھر فرمایا وَتَوْخَّاهُ هَذَا مِنْ قَبْلُ اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی، حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے زمانہ کے طوفان میں ہلاک ہونے کے بعد زمین پر جو دوبارہ آبادی ہوئی وہ ان کی اولاد سے پھیلی۔ روح المعانی ص ۱۱ جلد ۷ بحوالہ نجم طبرانی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! انبیاء کرام علیہم السلام میں سب سے پہلے کون تھے؟ تو فرمایا نوح علیہ السلام تھے ان کے اور آدم علیہ السلام کے درمیان دس قرن کا فاصلہ تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کو سب سے پہلا نبی بتایا۔ یہ اولیت اضافیہ پر محمول ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے نبی ہونے کی تصریح حدیث میں موجود ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۱۳)

حضرت نوح علیہ السلام کا نام جو نوح مشہور ہے اس کو بعض حضرات نے نجی یعنی غیر عربی بتایا ہے۔ علامہ کرمانی نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ سریانی ہے سریانی زبان میں اس کا معنی ساکن کا ہے لیکن حاکم نے مستدرک میں فرمایا ہے کہ ان کا نام عبد الغفار تھا۔ اور ان کا نام نوح اسی لئے مشہور ہوا کہ وہ خوف و خشیت کی وجہ سے اپنے نفس کے بارے میں زیادہ روئے والے تھے۔

اگر نوح لفظ نجی ہو تو اس لئے غیر منصرف نہ ہوا کہ متحرک الاوسط نہیں ہے۔ پھر فرمایا وَصْنٌ ذُرِّيَّتِهِ ذَاوُدُ وَسُلَيْمٰنُ وَأَيُّوبُ وَيُوسُفُ وَمُوسٰى وَهَارُونُ۔ اور ابراہیم کی ذریت سے ہم نے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو طریق حق کی ہدایت کی حضرت داؤد علیہ السلام وہی ہیں جنہوں نے جالوت کو قتل کیا تھا اور اللہ نے ان کو نبوت اور حکومت عطا فرمائی تھی، ان کے بعد ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہوئے اور نبی بھی۔ انہوں نے بیت المقدس کی تعمیر کی تھی، اور حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں ابن جریر نے کہا ہے کہ وہ ابن موسیٰ ابن روم ابن عیسیٰ ابن اسحاق تھے۔

اس کے اعتبار سے حضرت اسحاق علیہ السلام ان کے جد رابع ہوئے۔ مؤرخ ابن عساکر سے منقول ہے کہ ان کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام تو مشہور ہی ہیں۔ وہ حضرت اسحق علیہ السلام کے پوتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پڑپوتے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم۔ (رد الواعظ ص ۴۹ ج ۱)

پھر حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر فرمایا اور ان دونوں کا تذکرہ قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے اس کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے (هَازُونَ اٰخِي اسْتَذْبَاهُ آذُوهُ) لیکن حقیقی بھائی تھے یا ماں شریک اس میں دونوں قول ہیں۔ موسیٰ اور ہارون دونوں غیر عربی لفظ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ان کو بچپن میں درختوں کے درمیان ڈال دیا گیا تھا جہاں پر پانی بھی تھا۔ قطعی زبان میں پانی کو مؤ اور درخت کو شہا کہا جاتا ہے اس لئے ان کو مؤ شہا کہا جانے لگا پر عربی میں شہ سے بدل گیا چونکہ الف مقصورہ کی صورت میں لکھا اور

پڑھا جاتا ہے اس لئے اس پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا۔ قانون نحوی کے اعتبار سے غیر منصرف ہونا چاہئے۔ لفظ ہارون کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ عبرانی زبان میں اس کا معنی محب کا ہے یعنی جو سب کو محبوب ہو۔

اس کے بعد فرمایا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (اور اسی طرح ہم اچھے کام کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں) یعنی جیسے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اور ان کے بعد والے حضرات کو نوازا اور ان کے اعمال پر ان کو اچھا بدلہ عطا کیا ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں اور ہماری یہی عادت ہے۔ (روح المعانی بزیادۃ)

اس کے بعد فرمایا وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ یہ بھی وَوَعِدْنَا کے ماتحت ہے یعنی یہ حضرات بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد تھے۔ انہوں نے اللہ پاک سے دعا کی تھی کہ مجھے ذریت طیبہ عطا فرمائیں۔ باوجود ان کی بیوی کے بانجھ ہونے کے اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا جس کا نام یحییٰ رکھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بتول بھی ان کی والدہ کے دعا مانگنے پر پیدا ہوئیں۔ انہوں نے نذرمانی تھی کہ میرے لڑکا پیدا ہو تو میں بیت المقدس کی خدمت میں لگا دوں گی لیکن وہاں لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مریم رکھا اور یہ لڑکی جلدی جلدی بڑی ہوتی چلی گئی۔ اور پھر اس کے لطن سے بغیر کسی مرد کے واسطہ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہ سارا واقعہ سورہ آل عمران کے چوتھے پانچویں رکوع میں گزر چکا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں سے تھے اور ان کا یہ نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے صرف والدہ کے توسط سے ملتا ہے۔ اس اعتبار سے وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ کے عموم میں وہ بھی شامل ہیں اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ ذریت کا لفظ بیٹیوں کی اولاد کو شامل ہے۔ وفيہ خلاف بین العلماء (راجع روح المعانی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر فرمایا ان کو بعض حضرات نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بتایا ہے۔

پھر فرمایا كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِينَ (یہ حضرات صالحین میں سے تھے) یعنی صالحیت میں کامل تھے۔ ہر وہ کام جس کا کرنا مستحسن ہو اور ہر اس کام سے بچنا جس سے بچنے کا حکم ہو یہ سب صالحیت کے مضمون میں شامل ہیں۔

سب سے بڑے صالحین حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں۔ پھر فرمایا وَأِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيُوسُفَ وَهُدٰى۔ اگر اس کو ومن ذریتہ کے بعد ذکر کئے جانے والے حضرات پر معطوف کیا جائے تو یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے نہیں تھے۔ نیز حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے نہیں تھے۔

اس اشکال کے رفع کرنے کے لئے یہاں أَرْسَلْنَا يٰٓأَيُّهَا عِيسَىٰ يٰٓهٰذِنَا محذوف مان لینے سے یہ اشکال ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ اور ان کی نسل سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ جن کے لیے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام دونوں نے یوں دعا کی تھی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (الذیۃ)۔ حضرت اسماعیل کے بعد لمیع کا تذکرہ فرمایا۔ ان کو ابن الخطوب بن العجوز بتایا گیا ہے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ کلمہ مخفی ہے اس پر الف لام خلاف قیاس داخل ہوا۔ وقرء حمزۃ والکسائی اللیسع علی وزنۃ نَعِیْمٌ اور ایہ قول یہ ہے کہ یوشا کا مرب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت یونس علیہ السلام کے والد کا نام مَتَّى تھا یہ غیوی علاقہ کے رہنے والے تھے اور وہاں کے رہنے والوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ان کا تذکرہ سورہ انبیاء (ع ۶) میں اور سورہ صافات (ع ۵) میں اور سورہ نون و القلم (ع ۲) میں قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا

ہے ہم اس کو انشاء اللہ سورۃ صافات کی تفسیر میں بیان کریں گے۔ پھر حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا آپ لوط بن ہاران بن آذر ہیں حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے بیٹے تھے ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پر انہوں نے بھی لبیک کہا۔ اور ان کے ساتھ اپنے وطن سے ہجرت کر کے ملک شام میں تشریف لے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا اور چند بستیوں کی طرف مبعوث فرمایا جن کا تذکرہ سورۃ اعراف (رکوع ۹) میں اور سورۃ شعراء وغیرہ میں فرمایا ہے تفصیل جاننے کے لیے سورۃ اعراف کا مطالعہ فرمائیں۔

پھر فرمایا وَكَلاَّ فَضَّلْنَا غُلٰی الْعٰلَمِیْنَ اور ہم نے ان سب کو جہانوں پر فضیلت دی۔ چونکہ خاتم النبیین ﷺ ان سب سے افضل ہیں اس لئے مفسرین لکھتے ہیں علی عالمی عصر ہم یعنی اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں پر ان کو فضیلت دی۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔ پھر فرمایا وَمِنَ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّیَّاتِهِمْ وَاٰخُوَانِهِمْ یعنی اوپر جن حضرات کا ذکر ہوا ان کے آباء اور ان کی ذریعوں اور ان کے بھائیوں میں سے بھی بہت سوں کو ہدایت دی۔ یہ معنی اس صورت میں ہے جبکہ ہدینا محذوف مانا جائے اور فَضَّلْنَا سے بھی متعلق ہو سکتا ہے جس کا معنی یہ ہوگا کہ ان حضرات کے آباء اور ذریعات اور اخوان میں سے بھی بہت سوں کو فضیلت دی۔

قال صاحب الروح ومن ابتدائية والمفعول محذوف ای وهدینا من اباء ہم وانباء ہم و اخوانہم جماعات كثيرة او معطوف علی کلا فضلنا ومن تبعیضیة ای فضلنا بعض اباء ہم الخ. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اور من ابتدائیہ ہے اور مفعول محذوف ہے یعنی ہم نے ان اباء واجداد اور ان کے بیٹوں اور ان کے بھائیوں میں سے بہت سی جماعتوں کو ہدایت دی اور عطف کلا فضلنا پر ہے اور من تبعیضیہ ہے یعنی ان کے بعض اباء کو)

پھر فرمایا وَاجْتَنِبْنٰهُمْ وَهَدٰیْنٰهُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (اور ہم نے ان کو جن لیا اور ان کو ہدایت دی) اس میں مضمون سابق کی تقریر اور تاکید ہے۔ پھر فرمایا ذٰلِكَ هُدٰی اللّٰهُ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ یہ صراط مستقیم کی ہدایت اللہ کی ہدایت ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کی ہدایت فرمادے، اس میں یہ بتایا کہ ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے کسی کو گھمنڈ نہیں ہونا چاہئے کہ میں صاحب ہدایت ہوں۔ حضرات انبیاء ہوں یا اولیاء سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں سب کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اور صراط مستقیم پر باقی رکھا۔

پھر فرمایا وَلَوْ اَشْرَكُوْا الْحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل کیا کرتے تھے وہ سب ثواب کے اعتبار سے باطل ہو جاتے) کیونکہ شرک اور کفر تمام اعمال کو باطل کر دیتا ہے..... حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے شرک اور کفر کا صدور نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان سے گناہ بھی سرزد نہیں ہوتے کیونکہ وہ معصوم ہیں، بطور فرض یہ بات فرمائی اور اس سے دوسروں کو سبق مل گیا کہ جب انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ حال ہے تو دوسرا کوئی شخص جو شرک ہوگا اس کے اعمال صالحہ (جو بظاہر دیکھنے میں اعمال صالحہ ہیں) کا ثواب کیسے مل سکتا ہے کافر اور شرک کے اعمال باطل ہیں اور اگر کسی نے اسلام کے زمانہ میں اعمال کئے اور پھر مرتد ہو گیا تھا اس کے اعمال بھی باطل ہیں۔

پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اَتٰیْنٰهُمْ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوَّةَ (یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب دی اور حکم دیا اور نبوت عطا کی) اس میں جو لفظ الكتاب ہے اس سے جنس مراد ہے۔ جس جس نبی کو جو کتاب ملی عموماً جنس میں ان سب کا ذکر آ گیا اور الحكم جو فرمایا اس

سے حکمت یعنی حقائق الاشیاء کی معرفت مراد ہے اور لوگوں کے درمیان صحیح صحیح فیصلے کرنا بھی مراد لے سکتے ہیں کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں کے درمیان فیصلے بھی فرماتے تھے۔ ان حضرات کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ یہاں لفظ نبوت وارد ہوا ہے لفظ رسالت نہیں ہے نبی تو ہر پیغمبر ہے لیکن رسول کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ رسول وہ ہے جسے نئی شریعت اور نئی کتاب دی گئی ہو۔

لفظ نبوة لا کر سب کو مضمون بالا میں شریک فرمایا۔ پھر فرمایا فَبَانِ بُكْفَرُ بِهَا هَوَالَاءُ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَفَرِينَ (سو اگر یہ لوگ یعنی اہل مکہ اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ ان حضرات کی نبوت کا انکار کریں) جس میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کا انکار بھی ہے کیونکہ ان حضرات کی نبوت کی خبر رسول اللہ ﷺ نے اور قرآن مجید نے دی ہے) سو ہم نے اس کے لیے ایسے لوگوں کو مقرر کر دیا ہے جو اس کے منکر نہیں۔ یعنی انبیاء سابقین علیہم السلام کی نبوت پر ایمان لانے والے اور خاتم الانبیاء اور آخری کتاب قرآن مجید پر ایمان لانے والے لوگوں کو کثیر تعداد میں ہم نے مقرر کر دیا ہے ایمان لانے والے کثیر تعداد میں ہیں۔

حضرات مفسرین نے فرمایا اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَفَرِينَ کی تفسیر میں دیگر اقوال بھی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں جتنے بھی اہل ایمان ہیں وہ سب مراد ہیں اس قول میں جامعیت ہے جو اولین اور آخرین تمام اہل ایمان کو شامل ہے۔

پھر فرمایا وَلَنَبْلُوَنَّ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهْدَاهُمُ اقْتَدِهْ ط یہ وہ حضرات ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی۔ سو آپ ان کی ہدایت کا اتباع کریں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اصول ایمان یعنی توحید اور ایمان بالملائکہ اور ایمان بکتاب اللہ و رسلہ اور ایمان بالیوم الآخر میں ان حضرات کی اقتداء کا حکم ہے۔

نیز حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی جو صفات تھیں (عبادت زہد، شکر، تواضع اور تضرع) ان چیزوں میں ان کا اقتداء کرنا مراد ہے۔ ان حضرات نے اپنی قوموں کے انکار اور اذیاد، رسائی پر صبر کیا۔ حلم سے کام لیا آپ بھی اس کو اختیار کریں۔ سورہ ص کے سجدہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرات شوافع کے نزدیک سورہ ص میں سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے۔ صحیح بخاری (۷ ج ۲) میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورہ ص کی تلاوت کرتے ہوئے آیت سجدہ پر سجدہ کیا۔ تو حضرت مجاہد تابعی جو ان کے شاگرد ہیں انہوں نے دریافت کیا کہ آپ نے کس دلیل سے یہاں سجدہ کیا تو انہوں نے فرمایا کیا تم یہ آیت نہیں پڑھتے۔

وَمَنْ ذَرَّيْتَهُ ذَاوُدَ وَ سُلَيْمَنَ إِلَى قَوْلِهِ تَعَالَى أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهْدَاهُمُ اقْتَدِهْ ط حضرت داؤد علیہ السلام حضرات میں سے جن کی اقتداء کا تمہارے نبی کو حکم دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے وہاں سجدہ کیا (لہذا ہم بھی سجدہ کرتے ہیں) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سورہ ص کا سجدہ واجب ہے۔

پھر فرمایا قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ط کہ میں اس پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔ (یہ جو تبلیغ اور دعوت کا کام ہے یہ سب اللہ کی رضا کے لئے ہے اس کا ثواب مجھے اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ سورہ سبأ میں فرمایا قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ط اِنْ أَجْرِي إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ) آپ فرمادیتے کہ میں نے تم سے جو معاوضہ طلب کیا تو وہ تمہارے ہی لیے ہے پس میرا اجر صرف اللہ پر ہے اور وہ ہر چیز کی اطلاع رکھتا ہے) مطلب یہ ہے کہ میں تم سے کسی معاوضے کا طلب گار نہیں ہوں۔ بالفرض میں نے تم سے کبھی طلب کیا تو مجھے نہیں چاہئے وہ تم خود ہی رکھ لو۔

آخر میں فرمایا اِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ (یہ قرآن جو میں تمہیں سناتا ہوں یہ جہانوں کے لیے محض ایک نصیحت ہے) اس میں

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عمومی کا ذکر ہے۔ جب قرآن سارے جہانوں، سارے جنات اور سارے انسانوں کے لئے ہے اور کسی خاص قوم کے لیے مخصوص نہیں ہے تو قرآن لانے والا بھی ان سب کے لئے اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہے۔

قال صاحب الروح واستدال بالایۃ علی عموم بعثتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (صاحب روح العالیٰ فرماتے ہیں اور اس آیت میں حضور ﷺ کی بعثت کے عام ہونے پر استدلال کیا ہے)

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۚ قُلْ مَنۡ أَنزَلَ

اور لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی جیسے پہچانی تھی جبکہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی بھی چیز نازل نہیں فرمائی، آپ فرمادیجئے کہ کس نے اتاری

الْكِتَابِ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسٰى نُورًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ

وہ کتاب جسے موسیٰ نے لکرائے جو نور تھی اور لوگوں کے لیے ہدایت تھی۔ تم نے اسے الگ الگ درتوں میں کر رکھا ہے جنہیں تم ظاہر کرتے ہو اور بہت کچھ

كَثِيرًا ۚ وَعَلَّمْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوا ۖ اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ ۚ قُلِ اللّٰهُ ذَرَهُمْ فِيۢ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ۝

اچھپاتے ہو اور تم کو وہ باتیں بتائی گئی ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے نہیں جانا۔ آپ فرمادیجئے کہ اللہ نے نازل فرمایا۔ بحران کو چھوڑ دیجئے اپنی غیبت میں کھیلنے لگیں گے۔

### یہودیوں کی ضد اور عناد کا ایک واقعہ

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ لوگوں نے اللہ کو ایسا نہیں پہچانا جیسا کہ پہچانا چاہئے تھا بہت سے لوگ تو ذات باری تعالیٰ کے منکری رہے اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو مانا ان میں سے بہت سوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا دیئے اور اللہ کی صفات کمالیہ علم و قدرت وغیرہ کو ماننے کی طرح نہ مانا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے موافق حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں بہت سے لوگ ان کے منکر ہو گئے۔

اِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ط (جبکہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں کیا) حضرت مجاہد تابعی

نے فرمایا اس سے مشرکین مکہ مراد ہیں جنہوں نے یہ بات کہی، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے یہودی مراد ہیں۔ درمنثور ص ۲۹ ج

۳ میں ہے کہ مالک بن صفیر ایک یہودی تھا۔ وہ آنحضرت ﷺ سے جھگڑا کرنے لگا، یہ علماء یہود میں سے تھا اور بھاری بدن والا تھا۔

آپ نے اس سے فرمایا کہ میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی کیا تو توریت میں یہ مضمون پاتا

ہے کہ اللہ تعالیٰ بھاری جسم والے عالم سے بغض رکھتا ہے یہ سن کر وہ غصہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں

فرمایا وہ ضد میں آکر یہ بات کہہ گیا۔ اور الفاظ کے عموم سے توریت شریف کے نازل ہونے کی بھی نفی ہو گئی اس کے ساتھی جو موجود تھے

انہوں نے احساس بھی دلایا کہ فسوس ہے تو ایسی بات کہہ رہا ہے، کیا موسیٰ علیہ السلام پر بھی کچھ نازل نہیں ہوا؟ اس نے پھر وہی اپنی بات دہرا

دی کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ یہ عناد کی حد ہے کہ ضد میں آکر انسان اپنے

مذہب عقائد کی انکار کر دیتے اور اپنے دین و ایمان کا بھی منکر ہو جاتے۔

بعض لوگ بہت ہی نڈر ہوتے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں لیکن اللہ کی بطش شدید اور مواخذہ سے نہیں ڈرتے۔ جوش

غضب میں کفر یہ باتیں کہہ جاتے ہیں۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ (کہ انہوں نے اللہ کی ذات و صفات کو ایسا

نہیں مانا جس طرح ماننا تھا) اللہ کی ناراضگی اور گرفت کا اندیشہ انہیں بالکل نہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ اللہ نے کتابیں نازل فرمائی ہیں پھر بھی جرات جہلانہ کر کے یہ کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا ان لوگوں کی تردید میں فرمایا۔ **قُلْ مَنْ أَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ** (آپ فرمادیجئے کس نے اتاری وہ کتب جسے موسیٰ لائے جو نور تھی اور لوگوں کے لئے ہدایت تھی)۔ اس میں بطور استغناء مقرریری ان لوگوں سے سوال فرمایا جو منکر ہو رہے تھے اور عناد میں یوں کہہ گئے کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ ان سے سوال فرمایا کہ اب تک تو تم یہ کہتے اور مانتے رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت شریف نازل فرمائی اور اب کہہ رہے ہو کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا کیا یہ حق اور حقیقت کا انکار نہیں ہے؟

ساتھ ہی علماء یہود کے ایک بدترین کردار کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ **تَجْعَلُونَهُ قَرَأٰطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفَوْنَ كَثِيرًا** کہ تم نے توریت کو بجائے اٹھی مجموعی کچھ کتاب بنانے کے مختلف اوراق میں رکھ چھوڑا ہے۔ جس میں سے کچھ ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو) جب ان کے عوام کچھ بات پوچھنے کے لیے آتے تھے تو صندوق وغیرہ میں ہاتھ ڈال کر کوئی سا بھی ایک ورق نکال لیتے تھے اور مسائل کے مطلب کے مطابق پڑھ کر سنا دیتے تھے۔ تاکہ اس سے کچھ مال مل جائے نیز توریت شریف میں جو حضور اقدس ﷺ کی نعت و صفت بیان کی گئی تھی جسے وہ جانتے تھے اپنے عوام سے اس کو چھپاتے تھے۔ توریت شریف کے احکام جو اس وقت تک ان کے پاس موجود تھے۔ ان کو بھی چھپاتے تھے اور ان کے بجائے دوسرا حکم بتا دیتے تھے۔ جیسا کہ زانیوں کے رحم کے بیان میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

پھر فرمایا **وَعَلَّمْتُم مَّا لَمْ تَعْلَمُوْا اَلَا اِنَّكُمْ وَاٰلَآئِكُمْ** (اور تم کو وہ باتیں بتائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے) **قُلْ اللّٰهُ اَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي نَزَّلَ فِيْهِ نُوْرًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ** (اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی، اس کی تفسیر میں اور ترکیب نحوی میں متعدد اقوال ہیں جو صاحب روح المعانی نے ذکر کئے ہیں اقرب ترین تفسیر ہمارے نزدیک وہ ہے جو صاحب بیان القرآن نے اختیار کی۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جس توریت کی یہ حالت ہے کہ اس کو اولاً تم مانتے ہو دوسرے بوجہ نور اور ہدائی ہونے کے ماننے کے قابل بھی ہے۔ تیسرے ہر وقت تمہارے استعمال میں ہے گواستعمال شرم ناک ہے لیکن اس کی وجہ سے گنجائش انکار تو نہیں رہی۔ چوتھے تمہارے حق میں وہ بڑی نعمت اور منت کی چیز ہے۔ اس کی بدولت عالم بنے بیٹھے ہو۔ اس حیثیت سے بھی اس میں گنجائش انکار کی نہیں۔ یہ بتاؤ کہ اسکو کس نے نازل کیا ہے اور چونکہ اس سوال کا جواب ایسا متعین ہے کہ وہ لوگ بھی اس کے سوا کوئی جواب نہ دیتے اس لئے خود ہی جواب دینے کے لیے حضور کو حکم ہے کہ **قُلْ اللّٰهُ** کہ آپ ہی کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب مذکور کو نازل فرمایا ہے۔

پھر فرمایا **ثُمَّ دَرَّاهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ** (پھر ان کو چھوڑ دیجئے اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں گے) مطلب یہ ہے کہ جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی یہ لوگ اسے مانتے بھی ہیں اور پھر عناد میں یوں بھی کہہ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ ان سے یہ سوال فرمانے کے بعد کہ توریت کس نے نازل فرمائی خود ہی جواب دیجئے کہ اللہ نے نازل فرمائی۔ پھر یہ جواب سنا کر ان کو چھوڑ دیجئے یعنی ان کے پیچھے نہ لگئے آپ کا فرض منصبی بتا دینا ہے منوانا نہیں ہے وہ اپنی خرافات میں لگے رہیں گے۔ اپنا انجام دیکھ لیں گے اور انہیں پتہ چل جائے گا کہ حسن عاقبت مومنین متقین کے لیے ہے۔ **قَالَ ابْنُ كَثِيْرٍ اَيُّ ثَمَّ دَعَاهُمْ فِيْ جَهْلِهِمْ وَ ضَلَالِهِمْ يَلْعَبُوْنَ** حتیٰ یاتیہم من اللہ الیقین فسوف یعلمون الہم العاقبة ام لعباد اللہ المتقین۔ (علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں یعنی پھر ان کو ان کی جہالت اور گمراہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں یقین آئے گا تو عنقریب جان لیں گے کہ حسن انجام ان کے لئے ہے یا اللہ تعالیٰ کے متقین بندوں کے لئے ہے۔)

فائدہ..... رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میری امت پر وہ دور آئے گا جو بنی اسرائیل پر آیا تھا جو بنی اسرائیل نے کیا۔

یہ لوگ وہ وہ سب کچھ کریں گے (حذو النعل بالنعل) (مشکوٰۃ المصابیح: ۳۰) آپ کی اس پیشین گوئی کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے مسلمان بنی اسرائیل کے طور طریقے اختیار کئے ہوئے ہیں اور بہت سے وہ لوگ جو مذہب کی طرف منسوب ہیں وہ پیری مریدی کی گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں ان کا وہی کسب دنیا والا ڈھنگ ہے جو بنی اسرائیل کے لوگوں کا تھا۔ خود ہدایت سے دور، اتباع سنت سے ابعد۔ مریدوں کو کیا ہدایت دیں؟ صرف جلب زر کے لیے گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں اور قبروں کے مجاور بنے ہوئے ہیں۔

جو دنیا کے طلب گاروں پیروں کا حال ہے وہی جھوٹے مدعیان علم کا طریقہ ہے جنہیں جاہ و مال کی طلب ہے۔ ایسے لوگ جانتے بوجھتے ہوئے صحیح مسئلہ بتانے سے گریز کرتے ہیں تاکہ عوام سے نہ کٹ جائیں۔ اہل حق سے مناظرہ کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں اور اپنے باطل دعوے کو باطل سمجھتے ہوئے حجت بازی کرتے رہتے ہیں اور قرآن و حدیث سے اپنے مطلب کے موافق تخریف کر کے استدلال کر لیتے ہیں۔ جیسے ایک مدعی علم نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے بھرے مجمع میں کہہ دیا کہ قرآن مجید میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ نہیں ہے۔

اس پر ایک حافظ صاحب اٹھ کر چل دیئے تو اسٹیج سے کہنے لگا کہ دیکھو وہ چلا وہابی! حافظ صاحب موصوف نے کہا کہ میں اس لئے جا رہا ہوں کہ تو نے غلط بیانی کی ہے کہ قرآن مجید میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ نہیں ہے حالانکہ قرآن مجید میں موجود ہے۔

مقرر کہنے لگا کہ قرآن میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہاں ہے؟ حافظ صاحب نے کہا قرآن مجید لاؤ میں نکال کر بتا دوں۔ قرآن مجید لایا گیا۔ حافظ صاحب نے نکال کر دکھا دیا (سورہ صافات رکوع ۲) اور سورہ محمد رکوع ۲ میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ موجود ہے جب قرآن مجید میں نکال کر دکھا دیا تو مقرر کہنے لگا کہ یہ وہابیوں کا قرآن ہے۔ ان لوگوں نے اپنے پاس سے لکھ دیا ہوگا۔

اپنی بات کی چٹ میں ایسی جسارت کرنا بالکل اسی طرح کی ہے جیسے مالک بن صفی یہودی نے نفسیات کی وجہ سے یوں کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔

روافض میں تو یہ بات بہت ہی زیادہ رواج پذیر ہے کہ خود سے جو اپنا دین تراش لیا ہے اس کے مقابلے میں احادیث شریفہ کی تصریحات کو تو کیا مانتے۔ قرآن مجید کے صریح اعلانات کے منکر ہیں۔ اپنی بات رکھنے کے لیے قرآن کی تخریف کے قائل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے سورہ توبہ میں ساتھیں مہاجرین اولین اور ان کے تبعین بالا حسان کے لیے جو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ کا اعلان فرما دیا۔ یہ لوگ اس سے راضی نہیں اور مہاجرین و انصار کو کافر کہتے ہیں جب ان کے سامنے قرآن مجید کی آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح و ستائش ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ قرآن مجید میں تخریف ہوئی ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یوں کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بداد ہو گیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ نہ تھا کہ یہ لوگ بعد میں کافر ہو جائیں گے۔ (العیاذ باللہ)

کیسی ڈھنائی اور ہٹ دھرمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن اپنی خود تراشیدہ بات کو غلط کہنے کو تیار نہیں۔ جتنے بھی گمراہ فرقے گزرے ہیں یا اب موجود ہیں سب کا یہی حال ہے۔

وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ

اور یہ کتاب ہے جو ہم نے نازل کی ہے بڑی برکت والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ اور تاکہ آپ کہہ والوں کو اور اس کے آس پاس کے رہنے والوں

حَوْلَهَا وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿۵﴾

کو ڈرا لیں، اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں۔

## قرآن مجید مبارک کتاب ہے سابقہ کتب کی تصدیق کرتی ہے

یہ ہونے یہ جو کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا اس سے قرآن مجید کا انکار بھی لازم آگیا۔ لہذا قرآن مجید کے نازل فرمانے کا مقصد ہی تذکرہ فرمایا۔ اور قرآن مجید کی دو صفات بیان فرمائیں اول یہ کہ مبارک ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اللہ کی دوسری کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔

صاحب روح المعانی ص ۲۲۱ ج ۷ مبارک کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای کثیر الفائدة و النفع لا شتماله علی منافع الدارین و علوم الاولین و الاخرین یعنی یہ کتاب بہت زیادہ فائدہ والی ہے اس لئے کہ اس میں دونوں جہاں کے منافع ہیں اور اولین اور آخرین کے علوم ہیں۔

قرآن مجید کی دوسری صفت یہ بیان کی کہ اس سے پہلے جو اللہ کی کتابیں ہیں ان سب کی تصدیق کرنے والا ہے، اس میں یہودیوں کو تنبیہ ہے کہ اس کتاب سے منحرف نہ ہوں جو کتاب تمہارے پاس ہے یہ کتاب اس کے معارض نہیں ہے بلکہ اس کی تصدیق کرتی ہے۔ تو ریت شریف پر بھی ایمان لاؤ اور اس کتاب پر بھی۔ پھر فرمایا وَلْيُنْذِرْ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا اور تاکہ آپ ڈرائیں ام القریٰ کے رہنے والوں کو اور جو اس کے آس پاس کے رہنے والے ہیں۔ ام القریٰ مکہ معظمہ کا ایک نام ہے۔ نزول قرآن کے زمانہ میں چونکہ آس پاس کی بستیوں میں یہ بڑی بستی تھی اور اپنی ضرورتوں کے لئے لوگ یہاں آتے جاتے تھے۔ اس لئے اس کو ام القریٰ (بستیوں کی ماں) کے نام سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اس میں قرآن مجید کا مقصد نزول بیان فرمایا اور وہ یہ کہ اس کے ذریعہ اہل مکہ اور وہاں کی آس پاس کی بستیوں کو حق کی دعوت دی جائے اور مخالفت حق سے ڈرایا جائے۔

لَفْظَ وَمَنْ حَوْلَهَا کا مصداق مکہ مکرمہ کے آس پاس کی بستیاں ہیں۔ اور بعض حضرات نے پوری دنیا مراد لی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت تمام جنات اور انسانوں کے لیے ہے۔ اسی لیے دوسری جگہ قرآن مجید میں فرمایا۔ وَأَوْحَىٰ إِلَيْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ لِأُنْذِرْكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ ۖ أُولَٰئِكَ سَاءَ لَكُمْ يَوْمَ تَأْتِي سَاعَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ وَأُولَٰئِكَ سَاءَ لَكُمْ يَوْمَ تَأْتِي سَاعَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ اور یہ لوگ آخرت پر ایمان لاتے ہیں انہیں آخرت کی نجات کا فکر ہے اور وہاں کے عذاب کا ڈر ہے۔ اس لئے ان کا غور و فکر انہیں قرآن پر ایمان لانے پر آمادہ کرتا ہے۔ اور یہ لوگ ایمان لا کر نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ کیونکہ نماز میں بار بار ایمانی تقاضوں پر عمل کا مظاہرہ ہوتا ہے اور نماز ایمان کی سب سے بڑی علامت ہے اور دین کا ستون ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا یوں کہے کہ میری طرف وحی کی گئی۔ حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہیں کی گئی۔ اور اس سے بڑھ کر

شَيْءٌ ۚ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ ۚ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ

زیادہ ظالم کون ہو گا جو یوں کہے کہ میں ایسا کلام نازل کروں گا جیسا اللہ نے نازل کیا اور اگر تو اس منظر کو دیکھے جبکہ ظالم لوگ موت کی سختیوں

الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ

میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ نکالو اپنی جانیں آج تم کو ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی۔ اس وجہ سے کہ تم اللہ



تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْكِبُونَ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فِرَادَىٰ

کے نامہ جہول پائیں لگاتے تھے اور اس کی آیتوں کے ماننے سے تکبر کرتے تھے، اور البتہ تم ہمارے پاس آؤ گے الگ الگ

کَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ وَتَرْكُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ۚ وَمَا نَرَىٰ

جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ اور تم نے اپنے پیٹھ پیچھے وہ چھوڑ دیا جو ہم نے تمہیں عطا کیا تھا، اور ہم نہیں دیکھ رہے

سَعَاءَ لَكُمْ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۚ لَقَدْ تَقَطَّعَ

تمہارے ساتھ تمہارے سفارشیوں کو جن کے بارے میں تم نے خیال کیا تھا کہ وہ تمہارے بارے میں شریک ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا آپس کا

بَيْنَكُمْ وَصَلٌ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۵۱﴾

تعلق منقطع ہو گیا اور تمہارے وہ دعوے گئے گذرے ہو گئے جو تم کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے والوں اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا؟

اس سے پہلی آیت میں بعض یہودیوں کا ذکر تھا جنہوں نے ضد اور عناد کے جوش میں کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں

فرمایا۔ اب اس شخص کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے اور اللہ کی طرف یہ بات منسوب کرے کہ اس نے مجھے نبی بنایا یا کسی اور طرح

سے اللہ پر افتراء کرے مثلاً یوں کہے کہ اللہ نے اپنے شریک بنائے ہیں یا اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا بنالیا ہے یا یوں کہے کہ میں بھی ایسا کلام

نازل کروں گا جیسا اللہ نے نازل کیا..... مفسر ابن کثیر ص ۱۵۷ ج ۲ مَسْأَلٌ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ای

من ادعی انه يعارض ما جاء من عند الله من الوحي

یعنی اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو یہ دعوے کرے کہ اللہ نے جو کچھ وحی بھیجی ہے میں اس کا معارضہ کروں گا اور اسی جیسی عبارت بنا

لوں گا۔

علماء نے فرمایا ہے کہ یہ آیت مسلمہ کذاب کے بارے میں نازل ہوئی جس نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ

شخص تک بندی کے طور پر کچھ جملے بنالیتا تھا اور کچھ شعبہ بازی بھی کر لیتا تھا جب لوگوں کے سامنے قرآن مجید کا چیلنج آیا کہ اس جیسی ایک

سورت بنا کر لاؤ تو اس پر بعض لوگوں نے اپنی جہالت سے کچھ جملے بنائے تھے لیکن خود ہی آپس میں ان کو ناقابل معارضہ تسلیم کر لیا تھا۔

مسلمہ کذاب نے بھی کچھ جملے بنائے تھے وہ بھی ایسے ہی جاہلانہ اور احمقانہ تھے۔ قرآن مجید کے مقابلے میں نہ کوئی لاسکا ہے اور نہ

لا سکے گا..... بعض لوگوں کو قائد بننے اور..... مشہور ہونے اور عوام الناس کو اپنا معتقد بنانے کا شوق ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں نے خاتم

النبین ﷺ کے بعد نبوت کے دعوے کئے۔ آپ کے بعد جتنے بھی مدعیان نبوت گذرے ہیں سب ذلیل و خوار ہوئے..... بعض لوگوں

نے مسیح موعود ہونے کا اور کسی نے مہدی بننے کا دعویٰ کیا۔ جھوٹ کا سہارا کہاں تک لیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کے سب لوگ ذلیل ہو کر ناپید

کافروں کی ذلت موت کے وقت..... جھوٹے مدعیان نبوت کو سب سے بڑا ظالم بتانے کے بعد ظالموں کی ذلت اور بد حالی

اور موت کے وقت کی تکلیف کا تذکرہ فرمایا وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ خِرَاجُ

انفسکم ۱؎ الیوم تجزون عذاب الهون بما كنتم تقولون علی اللہ غیر الحق ۱؎ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهِ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (اور اگر تو دیکھے اس موقعہ کو جب کہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے کہہ رہے ہوں گے کہ نکالو اپنی جانوں کو۔ آج تم کو اس کے بدلہ ذلت کا عذاب دیا جائے گا کہ تم اللہ کے ذمہ وہ بات لگاتے تھے جو ناحق تھی اور تم اس کی آیات کے قبول کرنے سے تکبر کرتے تھے)

یعنی آیات قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور تمہارے نفوس کو آیات کے قبول کرے میں عار اور ذلت محسوس ہوتی تھی۔ اور تم یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کی آیات کے سامنے جھکنا ہماری خود داری کے خلاف ہے۔ جس نے اللہ کے ذمہ جھوٹ لگایا اور یہ کہا کہ اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں فرمائی اور جس نے اللہ کے کلام کا معارضہ اور مقابلہ کرنے کی بات کہی اور جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ان لوگوں کا یہ سب عمل دنیاوی بڑائی اور جاہ افتداء حاصل کرنے اور حاصل شدہ قیادت اور پیشوائی اور بڑائی کی حفاظت کے لئے تھا ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے جو موت کے وقت سے شروع ہوگا۔

کافروں کو موت کے وقت جو عذاب ہوتا ہے اس کا ذکر سورہ محمد میں بھی فرمایا ہے ارشاد فرمایا فَيُخْفِئُ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوْهُهُمْ وَأَذْبَابُ رُحْمٍ (پس کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جانیں نکال رہے ہوں گے، مار رہے ہوں گے ان کے چہروں اور پشتوں کو) موت کے وقت جو کافروں کو عذاب ہوتا ہے اس کی تفصیلات احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہیں..... حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب کافر کے دنیا سے جانے کا اور آخرت کی طرف پہنچنے کا وقت ہوتا ہے تو اس وقت آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے نازل ہوتے ہیں ان کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں۔ وہ اس کے پاس آکر وہاں تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک نظر پہنچتی ہے۔ پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں وہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے خبیث جان! تو نکل اللہ کی ناراضگی کی طرف، وہ روح اس کے جسم میں متفرق ہو جاتی ہے (یعنی جسم میں ادھر ادھر پھرتی ہے کیونکہ نکلنا نہیں چاہتی) حضرت ملک الموت (زبردستی) اس کی جان کو اس طرح نکالتے ہیں جیسے بھیگا ہوا اون سٹخ پر پلٹا ہوا اور طاقت کے ذریعہ اس اون سے نکالا جائے۔ جب اس کی روح ملک الموت نکال لیتے ہیں تو دوسرے فرشتے جو وہاں موجود ہوتے ہیں وہ پلک جھپکنے کے برابر فریادیں کرتے ہیں ان کے ہاتھ نہیں چھوڑتے ان کے ہاتھ سے لے کر ان نائلوں میں رکھ دیتے ہیں جو ساتھ لے کر آئے تھے اور روح سے ایسی بدبو نکلتی ہے جیسے زمین پر سب سے زیادہ سڑی ہوئی نعش سے کبھی بدبو آئی ہو۔ اس روح کو لے کر وہ آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں فرشتوں کی جس جماعت پر بھی گذرتے ہیں تو وہ بوچھٹے ہیں یہ کون خبیث روح ہے؟ وہ اس کا برے سے برانا نام لے کر جس سے وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا جواب دیتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے۔ یہاں تک کہ قریب والے آسمان تک لے جاتے ہیں وہاں پہنچ کر دروازہ کھلواتے ہیں تو وہ دروازہ نہیں کھولا جاتا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سورہ اعراف کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

لَا تُفْتَحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلْبِغَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخَيْطِ (نہیں کھولے جائیں گے ان کے لیے آسمان کے دروازے اور نہیں داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے) اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل نہیں ہو سکتا لہذا کافر بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتے۔

یہ حدیث طویل ہے جس میں اس کے بعد عذاب قبر کا ذکر ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح ۴۲۲ پر بحوالہ مسند احمد مذکور ہے۔ پوری حدیث انشاء اللہ تعالیٰ ہم سورہ اعراف کی مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں لکھیں گے..... معلوم ہو گیا کہ کافر کا عذاب موت کے وقت سے شروع ہو جاتا

ہے اور پھر قبر میں بھی عذاب ہے۔ حشر میں بھی ہے اور اس کے بعد دوزخ میں بھی ہے جو دائمی ہے کافر کے عذاب کی ابتداء تو موت کے وقت سے ہی ہوگی اور اس کی انتہا نہیں ہے۔ ابدال آباد ہمیشہ ہمیشہ عذاب ہی میں رہے گا لبتا اللہ علی الایمان وامانتنا علی الہدی۔ قیامت کے دن ہر ایک علیحدہ علیحدہ آئے گا۔..... اس کے بعد فرمایا وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فَرَادٰی۔ اس میں قیامت کے دن کی حاضری کی حالت بتائی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا (کہ تم ہمارے پاس تنہا آئے ہو) اور ہر ایک اپنے قبیلے سے اور احباب و اصحاب سے اور برجماعت سے علیحدہ علیحدہ ہو کر بالکل تنہا حاضر ہوگا۔ سورۃ مریم میں فرمایا لَقَدْ اٰخَصْنٰهُمْ وَعَدْنٰهُمْ عَذَابًا وَّكَلٰھُمْ اٰتِیَہُ یَوْمَ الْقِیَمَۃِ فَرَادَآ (بے شک اس نے سب کو شمار کر رکھا ہے اور ہر ایک اس کے پاس تنہا آئے گا) دنیا میں جو اپنے قبیلوں، جماعتوں لشکروں اور قوموں اور برادر یوں پر بھروسہ کر کے زندگیاں گزارتے ہیں اور کفر و شرک و معاصی پر آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں ان کے آپس کے یہ تعلقات ختم ہو جائیں گے۔ اور وہاں کوئی کسی کا نہ ہوگا۔ (اَلَا الْمُنٰفِقُوْنَ)

پھر فرمایا کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ (یعنی جیسے ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی حالت میں قیامت کے دن آؤ گے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ قیامت کے دن تم اس حال میں جمع کئے جاؤ گے کہ تن پر کپڑے نہ ہوں گے اور سب بے ختنہ ہوں گے اس کے بعد آپ نے سورۃ انبیاء کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ کَمَا بَدَا نَا اَوَّلَ خَلْقٍ نَّعْبُدُہُ ط وَغَدَا عَلَیْنَا ط اِنَّا کُنَّا فَعٰلِیْنَ ط (جیسا کہ ہم نے ابتداء میں پیدا کیا تھا اسی طرح ہم لوٹائیں گے۔ ہمارے ذمہ یہ وعدہ ہے بے شک ہم اس کے مطابق کرنے والے ہیں) پھر فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائیں جائیں گے (رواہ البخاری ۶۹۳ ج ۲)

سب مال و دولت دنیا ہی میں چھوڑ گئے..... پھر فرمایا وَتَرٰکُمْ مَّا خَوَّلْنٰکُمْ وَّرَآءَ ظُھُوْرِکُمْ ط (اور تم نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا) اوپر یہ بتایا کہ دنیا میں جو جماعت اور قبیلوں پر بھروسہ ہوتا ہے اور جو جماعتیں اپنی مدد کے لئے بنائی جاتی ہیں اور جاہ و قدار کے لیے اپنے ماننے والے بنائے جاتے ہیں یہ سب کچھ آخرت میں کام دینے والے نہیں کیونکہ وہاں ہر ایک فردا فردا آئے گا۔

اب یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہم نے دنیا میں تمہیں جو کچھ (مال و دولت آل و اولاد حشم و خدم) عنایت فرمایا تھا تم وہ سب دنیا ہی میں چھوڑ کر آ گئے۔ دنیا میں لوگ مال کماتے ہیں ایک کے دس بناتے ہیں تھوڑے مال کو بہت زیادہ کر لیتے ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مال میں آخرت کا حصہ رکھتے ہیں۔ اور مال کے شرعی حقوق ادا کرتے ہیں۔ عموماً مال ہی کو مقصود بنا لیتے ہیں۔ اسی کے لئے مرتے ہیں اور اسی کے لیے جیتے ہیں، کماتے ہیں، کھانے کے لیے اور کھاتے ہیں کمانے کے لیے۔ ایسے لوگوں کا مال آخرت میں وبال ہو گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں۔ اور دنیا کے لیے وہ شخص جمع کرتا ہے جس کو عقل نہیں۔ (رواہ احمد و البیہقی فی شعب الایمان کما فی المسئلۃ ص ۴۴۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مرنے والا مر جاتا ہے تو فرشتے آپس میں پوچھتے ہیں (کہ اپنے مال اور اعمال سے) کیا لے کر آیا جو اس نے آگے بھیجا تھا اور دنیا کے لوگ یہ پوچھتے ہیں کیا چھوڑ کر گیا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان فی المسئلۃ ص ۴۴۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن انسان کو اس حالت میں لایا جائے گا کہ گویا وہ

بھیج کا بچہ ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا اس سے اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کہ میں نے تجھے مال عطا کیا۔ اور تجھ پر انعام کیا سو تو نے کیا کیا؟ وہ جواب دے گا کہ اے رب! میں نے اسے جمع کیا اور خوب بڑھایا اور جتنا تھا اس سے خوب زیادہ کر کے چھوڑ آیا۔ مجھے واپس بھیج دیجئے میں سب آپ کے پاس لے آتا ہوں۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہوگا کہ مجھے وہ دکھا جو تو نے پہلے سے یہاں بھیجا تھا پھر وہی عرض کرے گا کہ میں نے جمع کیا اور اسے بڑھایا اور جتنا تھا اس سے زیادہ کر کے چھوڑ آیا لہذا مجھے واپس بھیج دیجئے میں سب آپ کے پاس لے کر آ جاؤں گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ ایسا شخص نکلے گا جس نے کوئی بھی خیر نہیں بھیجی ہوگی لہذا اس کو دوزخ کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ (رواہ الترمذی کتاب النکاح، حصہ ۴۴۳)

پھر فرمایا و ما نری معکم شفعاء کم الذین زعمتم انہم فیکم شر کائنات (ہم نہیں دیکھ رہے ہیں تمہارے ان سفارشیوں کو جن کی نسبت تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں) لَقَدْ تَقَطَّعَ بَیْنُکُمْ وَضَلَّ عَنْکُمْ مَا کُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۝ (البتہ تمہارا آپس کا تعلق منقطع ہو گیا اور جو تم دعوے کیا کرتے تھے وہ آئے گئے ہو گئے)۔

قیامت کے دن اہل دنیا کے آپس کے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ اور جن لوگوں کے بارے میں جھوٹا خیال تھا کہ یہ ہماری سفارش کریں گے ان سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا وہ سب ایک دوسرے سے بیزاری ظاہر کریں گے اور اس وقت علانیہ طور پر واضح ہو جائے گا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے خلاف جو عقائد تھے اور خود ساختہ خیالات سب باطل تھے۔

إِنَّ اللَّهَ فَارِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذَلِكُمُ اللَّهُ فَأَلَيْ

بے شک اللہ دانوں اور گٹھلیوں کا بھانڈا ہے، اور نکالنے والا ہے، اور نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتے والا ہے مردہ کو زندہ سے، یہ اللہ ہے پھر تم کہاں اٹھے چلے

تَوْفُكُونَ ۝ ۵۰ ۝ قَالَ الْإِصْبَاحُ ۚ وَجَعَلَ اللَّيْلُ سَكَنًا وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ حُسْبَانًا ذَلِكُمْ تَقْدِيرُ

جار ہے ہو۔ وہ بھانڈا ہے صبح کا اور اس نے بنایا رات کو آرام کی چیز، اور اس نے چاند اور سورج کو ایک خاص حساب سے رکھا ہے، یہ مقرر کرنا ہے اس کا جو

الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝ ۵۱ ۝ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النَّجْمَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ اللَّيْلِ وَالْبَحْرِ قَدْ فَضَّلْنَا

عالم ہے علم والا ہے، اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو پیدا فرمایا تاکہ تم انکے ذریعہ نشانی اور دریا کی اندھیروں میں ہدایت پاؤ۔ ہم نے آیات

الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ ۵۲ ۝ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ ۚ

کھول کر بیان کر دی ہیں ان لوگوں کیلئے جو جانتے ہیں۔ اور وہ ایسا ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا سو ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ ٹھوڑے سے

قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ۝ ۵۳ ۝ وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ فَأَخْرَجْنَا بِهِ

دلت رہنے کی ہے، ہم نے ان لوگوں کیلئے آیت کھول کر بیان کر دی ہیں جو سمجھتے ہیں۔ جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ ہر قسم کی اگنے والی چیزیں نکالیں، پھر ہم نے نکالا اس سے بڑھ

نَبَاتٍ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا

اولی چیزوں کو۔ ہم نکالتے ہیں اس سے دانے جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں۔ اور کھجور کے درخت یعنی اس کے

قَنَوْنَ دَانِيَةً وَجَنَّتْ مِنْ اَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرَّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۚ اَنْظُرُوا

پھلوں سے خوشے نکالے جو جھکے ہوئے ہیں اور انگوروں کے باغ اور زیتون کے باغ نکالے اور انار جو آپس میں ملتے جلتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو ملتے جلتے نہیں ہیں۔ اس کے پھلوں

إِلَى ثَمَرَةٍ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۶﴾

کی طرف دیکھ لو اور اس کے پکنے کی طرف۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائیں۔

### مظاہر قدرت الہیہ اور دلائل توحید

اس عالم میں اللہ جل شانہ کے جو تصرفات ہیں ان آیات میں ان میں سے بعض تصرفات کا تذکرہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جو بندوں پر نعمتیں ہیں ان میں سے بعض یاد دلائی ہیں۔ ان سب میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانیاں بھی ہیں، اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دانوں اور گھنٹیوں کو پھاڑ دیتا ہے ذرا سا دانہ اور چھوٹی سی گھنٹی ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے کہ کوئی دانہ تخم بن جائے جس سے کھیتی کے پودے نکل آئیں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ دانہ پھٹ جاتا ہے اس سے پودا نکل آتا ہے۔

اسی طرح جب گھنٹی سے کوئی درخت نکالنا منظور ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ گھنٹی پھٹ جاتی ہے اور اس سے بڑے بڑے درخت نکل آتے ہیں۔ جن کے پھلوں سے زمین پر بسنے والے مستفید اور منتفع ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا يَخْرُجُ الْخَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ ط کہ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ط اور وہ مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ ان دونوں باتوں کی تشریح میں جو مختلف اقوال ہیں ان کا ذکر سورہ آل عمران کے رکوع ۳ میں گذر چکا ہے۔ اس کی ایک بہت زیادہ معروف مثال یہ ہے کہ زندہ جانور سے انڈا نکلتا ہے جو بے جان ہوتا ہے پھر اس بے جان اندے سے بچہ نکلتا ہے جو زندہ ہوتا ہے۔ درختوں سے خشک دانے نکلتا اور دانوں سے ہرے بھرے درختوں کا وجود میں آ جانا یہ بھی زندہ کو میت سے اور میت کو زندہ سے نکالنے کا مصداق ہے۔

پھر فرمایا ذَلِكُمْ اللَّهُ فَاتَىٰ تَوْفِكُمْ۔ (یہ قادر مطلق اللہ ہے سو تم کہاں الے پھرے جا رہے ہو) اس کی عبارت کو چھوڑ کر شرک میں کیوں مبتلا ہو۔

پھر فرمایا يَا قَالِبُ الْاِصْبَاحِ (اللہ صبح کا پھاڑنے والا ہے) اس کی مشیت اور ارادہ سے رات کی تاریکی چلی جاتی ہے روشنی پھنکتی ہے جس سے صبح نمودار ہو جاتی ہے وَجَعَلَ الْيَلَّ سَكْنًا (اور اس نے رات کو آرام کی چیز بنایا) دن میں کام کاج کرنے والے محنت کو ٹٹنے والے تنھکے ماندے رات کو آرام کرتے ہیں۔ نیند تو دن کو آ جاتی ہے لیکن رات کی نیند میں جو آرام ہے اور تحکُن اترنے کا جو فطری انتظام ہے وہ دن کی نیند میں نہیں ہے، دن بھر میں زیادہ سو بھی نہیں سکتے۔ کام کاج اور کاروبار کے تقاضے بعض مرتباً آنکھ لگنے بھی نہیں دیتے آنکھ لگ بھی گئی تو کاروبار کا ہجوم پر سوار ہوتا ہے وہ بار بار جگا تا دیتا ہے۔

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ حُسْبَانًا ط (اور اللہ تعالیٰ نے چاند اور سورج کو ایک خاص حساب سے مسخر فرمادیا) ان کی گردش سے رات دن اور ہفتے اور مہینے بنتے چلے جاتے ہیں۔ جن سے عبادات کے اوقات اور معاملات کی تاریخیں معلوم ہوتی ہیں۔ جمعہ کا دن کب ہے رمضان المبارک کب آئے گاج کی تاریخ میں کیا دیر ہے۔ جو کچھ کسی سے قرض لیا ہے اس کی ادائیگی میں کتنی مدت ہے ان سب امور کا جواب چاند اور سورج کی گردش سے معلوم ہوتا رہتا ہے۔

ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ (یہ مقرر فرمانا ہے ایسی ذات پاک کا جو عزیز یعنی غالب ہے اور علیم یعنی پوری طرح سے جاننے والا ہے) پھر فرمایا وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النَّجْوَىٰ لِنَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ (اور اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو پیدا فرمایا تاکہ تم ان کے ذریعہ راہ پاؤ۔ خشکی کی تاریکیوں میں اور سمندر کی تاریکیوں میں) رات کو جب سفر میں ہوتے ہو اور راستہ بھول جاتے ہو یا سمندر میں ہو اور راستہ بھول جاؤ تو ستاروں کی طرف دیکھ کر پتہ چلا لیتے ہو کہ مشرق کدھر ہے اور مغرب کدھر ہے پھر اپنے اسی علم کی روشنی میں آگے بڑھتے ہو اور صحیح راستہ پا کر منزل مقصود کو پہنچ جاتے ہو۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ (بے شک ہم نے نشانیاں بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں) جو آیات مذکورہ کو سمجھتے ہیں اور آیات تکوینیہ میں غور کرتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ (اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا) یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے انسانوں کی ابتداء ہوئی اور نسلاً بعد نسل ان کی اولاد بڑھتی ہوئی چلی آئی ہے جس کا سلسلہ تو والد اس طرح سے ہے کہ اول نطفہ باپ کی پشت میں ہوتا ہے پھر ماں کے رحم میں آ جاتا ہے پھر وہاں سے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے جلتی جاتی ..... تصویر باہر آ جاتی ہے مُسْتَوْدَعٌ سے باپ کی پشت اور مُسْتَوْدَعٌ سے ماں کا رحم مراد ہے۔ باپوں کی پشتیں تو اصل مستقر یعنی ٹھہرنے کی جگہ ہیں کیونکہ مادہ منویہ وہاں اور کہیں سے نہیں آیا۔ اور ماؤں کے رحم کو مُسْتَوْدَعٌ فرمایا کیونکہ ان میں نطفہ مردہ کی طرف سے آتا ہے اور کچھ مدت کے لیے بطور ودیعت وہاں رکھ دیا جاتا ہے۔

بعض مفسرین نے مستقر اور مستودع کے وہ معنی لکھے ہیں جو ہم نے ابھی کئے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ مستودع سے باپ کی پشت اور مستقر سے ماں کا رحم مراد ہے۔ رحم مادر کو مستقر کہنا تو اس اعتبار سے سمجھا آتا ہے کہ رحم میں نطفہ داخل ہونے کے بعد وہاں ٹھہر جاتا ہے اور مختلف ادوار سے گذر کر انسانی صورت میں باہر آ جاتا ہے لیکن باپ کی پشت کو جو مستودع فرمایا یعنی ودیعت رکھنے کی جگہ، اس کے بارے میں صاحب روح المعانی ص ۲۳۶ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ اس کی تقریر اس طرح ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوم میثاق میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ساری ذریت کو نکالا تھا اور پھر عبد السموت پر بیکم کے بعد ان کو واپس کر دیا تھا تو گویا ان کا واپس کرنا ایک طرح و ودیعت رکھنا ہوا اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس ودیعت کو واپس نکال دے گا۔

مستقر و مستودع کی تیسری تفسیر یوں کی گئی ہے کہ مستقر سے زمین پر ٹھہرنا اور رہنا مراد ہے اور مستودع سے قبر مراد ہے۔ یہ تفسیر بھی الفاظ قرآن سے بعید نہیں۔ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ۝ (کہ تحقیق ہم نے آیات بیان کی ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھتے ہیں) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں نجوم کے تذکرہ میں يَعْلَمُونَ فرمایا اور أَنشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ کا تذکرہ فرما کر آخر میں لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ فرمایا کیونکہ نفس واحدہ سے پیدا فرمانا اور پیدا ہونے والوں کے احوال مختلفہ میں تصرف فرمانا زیادہ لطیف اور دقیق ہے

پھر فرمایا وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً (اور اللہ وہی ہے جس نے آسمان سے پانی نازل فرمایا فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا طَهُرًا (اور اللہ وہی ہے جس نے آسمان سے پانی نازل فرمایا فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا طَهُرًا) پھر ہم نے نکالا اس کے ذریعہ ہر چیز کے پودوں کو پھر ہم نے نکالا ان سے ہرے بھرے درختوں کو نَخْلًا مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا ہم اس سے دانے نکالتے ہیں جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ اور کھجور کے درختوں سے یعنی اس کے گھٹوں سے خوشے نکالے جو قریب قریب ہیں وَجَنَّاتٍ مِنْ أَعْنَابٍ اور ہم نے انگوروں کے باغیچے نکالے وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشَابِهًا وَغَيْرَ مُشَابِهٍ ط اور زیتون اور انار نکالے جو آپس میں دیکھنے میں تشابہ ہیں اور غیر متشابہ۔ یہ تینوں

اور رمان دونوں سے متعلق ہے یعنی ان میں سے ایسے پھل ہیں جو دیکھنے میں ایک دوسرے کے متشابہ ہیں اور ایسے بھی ہیں جو ایک دوسرے کے متشابہ نہیں ہیں **اَنْظُرُوْا اِلٰی ثَمَرِہٖ اِذَا اَثْمَرُوْا وَیَنْبَغِیْطُ وَدِکَہٗ اِلٰوَانُ** کے پھلوں کی طرف اور ان کے پکنے کی طرف **اِنَّ فِیْ ذٰلِکُمْ لَا یَسْتَبِیْظُوْمُ یَوْمُنُوْمٌ** (بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اس آیت میں اللہ جل شانہ نے درختوں کے پیدا فرمانے کا ذکر فرمایا ہے جن میں دلائل تو حید ہیں اور بندوں پر انعام بھی۔ آسمان سے پانی کا نازل فرمانا پھر اس کے ذریعہ نیک والے اور تہمت والے پودے نکالنا اور بالوں میں دانوں کا ایک دوسرے پر چڑھا ہوا ہونا اور کھجوروں کے خوشوں کا جھکا ہوا ہونا اور انگور اور زیتون اور انار کے درخت پیدا فرمانا اور کچے پھلوں کے بعد ان کا پک جانا یہ سب تو حید کے دلائل ہیں اور ان میں بندوں کا متغای بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، جو بندے مومن ہیں اور جو دلائل آنے کے بعد حق سے منہ نہیں موڑتے ایمان کو قبول کر لیتے ہیں ان سب کے لیے مذکورہ بالا چیزوں میں دلائل تو حید ہیں۔

**وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَہٗ بَیْنَیْنٍ وَبَنَتْ بِغَیْرِ عِلْمٍ سُبْحٰنَہٗ**

اور ان لوگوں نے جنات اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں حالانکہ اس نے ان کو پیدا فرمایا ہے، اور اس کے لئے انہوں نے بیٹے اور بیٹیاں بغیر علم کے تراش رکھے ہیں، وہ ان باتوں سے

**وَتَعْلٰی عَمَّا یَعْبُدُوْنَ ۝۱۱۱ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَیُّ یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ ۚ وَلَمْ تَكُنْ لَہٗ صَاحِبَۃٌ ۝۱۱۲**

پاک ہے اور برتر ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں، وہ آسمانوں کا اور زمین کا بے مثال پیدا فرمانے والا ہے کہاں ہو سکتی ہے اس کی اولاد حالانکہ اس کی بیوی نہیں ہے،

**وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ ۚ وَہُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۱۱۳ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ ۚ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ۚ فَاعْبُدُوْہٗ ۚ**

اور اس نے پیدا فرمایا ہر چیز کو، اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے، یہ اللہ تمہارا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے

**وہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَکِیْلٌ ۝۱۱۴ لَا تَدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَہُوَ یَدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَہُوَ الْطَیْفُ الْخَبِیْرُ ۝۱۱۵**

اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے نگاہیں اسے محیط نہیں ہو سکتیں اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہے اور وہ بڑا باریک بین خبردار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا فرمایا وہ معبود برحق ہے اولاد ہونا اس کے لیے عیب ہے

اوپر اللہ تعالیٰ شانہ کی الوہیت اور خالقیت پر دلائل قائم کئے ہیں، اب ان آیات میں مشرکین کی بد اعتقادی کی تردید فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے جنات کو یعنی شیاطین کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے جنات کے اور شیاطین کے توجہ دلانے سے بتوں کی عبادت کرنے لگے اور شیاطین کی ایسی اطاعت کرنے لگے جیسی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جاتی ہے نیز شیاطین مشرکین کے پاس بری بری صورتوں میں آتے ہیں اور ان کو خواب اور بیداری میں ڈراتے ہیں لہذا وہ ان کے شر اور ضرر کے بچنے کے خیال سے ان کی تصویریں اور مجسمے بنا لیتے ہیں اور پھر ان کی پوجا کرتے ہیں۔

صاحب روح المعانی نے ص ۱۱۱ ج ۱۱ ص ۱۱۱ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں نقل فرمایا ہے کہ یہ ان زندیقوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور حیوانوں کو پیدا کیا اور ابلیس نے درندے اور سانپ بچھا اور شرور پیدا کئے۔ لہذا جن سے ابلیس اور اس کے اتباع مراد ہیں۔ یہ قول اختیار کیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے لیکن احقر کے نزدیک جنات کی

عبادت بالمعنی المعروف مراد لی جائے تو یہ زیادہ اقرب ہے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔

سورہ جن میں فرمایا **وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِنْ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا** ۵ مشرکین کی یہ کیسی جہالت اور حماقت ہے کہ پیدا تو کیا اللہ نے اور الوہیت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں اور مخلوق کے ساتھ وہ معاملہ کرتے ہیں جو اللہ کے ساتھ کرنا چاہئے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ **خَلَقَهُمْ** کی ضمیر منصوب جن کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے جنات کو کیسے اللہ کا شریک ٹھہرایا حالانکہ ان جنات کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا **وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ** ط کہ ان لوگوں نے اللہ کے لیے گھڑ لئے بیٹے اور بیٹیاں، نصاریٰ نے تو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنایا اور یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور مشرکین مکہ نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنا دیا، ان لوگوں نے جہالت کے سبب یہ سب کچھ تجویز کیا اور انہوں نے یہ نہ جانا کہ ہم جس ذات کی طرف اولاد منسوب کر رہے ہیں اس کے لیے اولاد کا ہونا عیب اور نقص ہے اور اس کی شان اس سے بہت برتر بلند اور بالا ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ اسی کو فرمایا **سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُصِفُونَ** ۵ (کہ اللہ تعالیٰ اس چیز سے پاک ہے۔ اور بلند و بالا ہے جو یہ لوگ اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں) مشرکین کے عقائد شرکیہ اور اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد تجویز کرنے والوں کی تردید فرماتے ہوئے مزید فرمایا **بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا بے مثال پیدا فرمانے والا ہے اس نے عالم سفلی اور عالم علوی کو پیدا فرمایا۔ آسمان و زمین کا مادہ پیدا فرمایا اور آسمان کو سات طبق بنا دیا اور زمین کو پھیلا دیا۔ ایسے خالق اور بے مثال صانع اور مبدع کو اولاد کی کچھ حاجت نہیں۔ کیونکہ اولاد کی ضرورت مدد کے لیے ہوتی ہے۔ آسمان و زمین کی تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ سورہ سہا میں فرمایا:

**مَالَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شَيْءٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ**۔ مزید فرمایا **أَنسَى بَنُوكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةً** ط یعنی اس کی اولاد کیسے ہوگی حالانکہ اس کے ساتھ والی یعنی بیوی نہیں ہے۔ اولاد بیوی سے پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بیوی نہیں اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں احتیاج الی الغیر ہے، جب اس کی بیوی نہیں اور نہ ہو سکتی ہے تو اولاد کیسے ہو سکتی ہے۔ **وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ** اور اس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں وہ مخلوق بھی ہے جسے اللہ کی اولاد بتاتے ہیں۔ خالق اور مخلوق کے درمیان رشتہ و لاوت کہاں ہو سکتا ہے اور مخلوق اپنے خالق کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے لوگوں نے جو اولاد تجویز کی ہے انہوں نے خالق کا مرتبہ نہیں پہچانا اور اپنی جہالت سے اللہ پاک کے لئے اولاد تجویز کر بیٹھے **وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ** ۵ (اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے) اسے مشرکین کے عقائد شرکیہ کا علم ہے، اور وہ ان کے اعمال شرکیہ سے بھی باخبر ہے وہ ان سب کا مواخذہ فرمانے کا اور سزا دے گا۔

پھر فرمایا **ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ** ط (یہ اللہ تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے لہذا تم اس کی عبادت کرو) ان صفات جلیلہ سے جو ذات متصف ہو وہی لائق عبادت ہے۔ مخلوق میں نہ شان ربوبیت ہے نہ شان خالقیت ہے پھر وہ کیسے شریک الوہیت ہو سکتے ہیں۔

**وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ** ۵ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے) تمام چیزوں میں جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے اسے تصرف فرمانے کا پورا پورا اختیار ہے۔ پھر یہ مخلوق کیسے عبادت کی مستحق ہو سکتی ہے؟ جو ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز میں تصرف فرمانے والا ہے صرف وہی عبادت کے لائق ہے اور اس کے علاوہ کوئی بھی ان صفات سے متصف نہیں اور لائق عبادت نہیں۔

پھر فرمایا **لَا تَدْرِيكَ الْبَصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْبَصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ** ۵ (آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرتیں وہ سب نگاہوں کو محیط ہے اور وہ لطیف ہے باخبر ہے) اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ایک خاص صفت بیان فرمائی اور وہ یہ کہ نگاہیں اس کا احاطہ نہیں



کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا احاطہ فرماتا ہے اس صفت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں دنیا میں اس کو نہیں دیکھا جاسکتا۔ جب مویٰ اللطیف نے دیدار الہی کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے لَنْ تُرَٰنِیْ فرمادیا (کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے) وہ نگاہوں کو بھی دیکھتا ہے اور نگاہیں جس چیز کو دیکھتی ہیں وہ ان کو بھی دیکھتا ہے۔ اور جو چیزیں مرئی (دکھائی دینے والی) نہیں ہیں ان کو بھی اس کا علم محیط ہے۔ جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا جیسا کہ سورۃ قیامہ میں فرمایا وَجُودُهُ یَوْمَئِذٍ نَّاصِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاطِرَةٌ (اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے) اللہ تعالیٰ جسم نہیں ہے پھر بھی اسے دیکھیں گے اور جب دیکھیں گے تو وہ کسی جگہ میں نہیں ہوگا اور یہ بات دین سمجھ میں آنے لگی۔ خالق کی رؤیت کو مخلوق کی رؤیت پر قیاس نہ کیا جائے۔

پھر فرمایا وَهُوَ اللطیفُ الخبیرُ (اور وہ لطیف ہے) جسے حواس کے ذریعہ مشاہدہ میں لایا جاسکتا ہے اور (وہ باریک بین ہے) ہر چیز کو دیکھتا ہے) (اور وہ خبیر ہے) جو چیز سے باخبر ہے۔

قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت والی چیزیں آچکی ہیں سو جو شخص دیکھے گا سو وہ اپنے ہی لیے، اور جو اندھا بنے گا اس کا وبال اسی کی جان پر ہوگا

وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ۚ وَكَذٰلِكَ نَصْرَفُ الْاٰیٰتِ وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَنَّ لِقَوْمٍ

اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں اور ہم اسی طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں اور تاکہ یہ لوگ یوں کہیں کہ آپ نے پڑھ لیا ہے اور تاکہ ہم اسے ان لوگوں کے لئے

تَعْلَمُوْنَ ۚ اَتَّبِعْ مَا اَوْحٰی اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۰

بیان کریں جو جانتے ہیں۔ آپ اس کا اتباع کیجئے جس کی آپ کے رب کی طرف سے وحی کی گئی، کوئی معبود نہیں ہے سوا وہی، اور آپ مشرکین سے روگردانی کیجئے،

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكُوْا ۚ وَما جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَما اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝۱۰۱

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے، اور ہم نے آپ کو ان پر نگہبان نہیں بنایا اور آپ ان پر وارنہ نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بصیرت کی چیزیں آچکی ہیں

توحید کے دلائل اور اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ بیان فرمانے کے بعد اب ان دلائل میں غور کرنے کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔ اولاً ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس بصیرت کی چیزیں آچکی ہیں اگر اپنی عقل کو متوجہ کرو گے اور ان بصیرت کی چیزوں میں غور و فکر کرو گے تو حقائق کو پہنچ جاؤ گے۔ لائل توحید بھی سمجھ میں آئیں گے اور توحید بھی سمجھ میں آجائے گی۔

جو شخص غور و فکر کرے گا مینا بنے گا تو اس کا نفع اسی کی جان کو ہوگا۔ اور جو شخص اندھا بنارہے گا دلائل و بصائر میں غور کرنے سے گریز کرے گا تو اس کا نقصان اسی کو ہوگا، پھر رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ کی ذمہ داری صرف پہنچانے کی ہے عمل کروانا آپ کے ذمہ نہیں، آپ ان سے فرمادیں کہ میں تم پر نگہبان نہیں ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہم اسی طرح مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ ان لوگوں پر رحمت پوری ہو جائے اور تاکہ وہ یوں کہیں گے کہ اے محمد (ﷺ) تم نے پڑھ لیا۔ یعنی جو کچھ تم بیان کرتے ہو دوسروں سے سیکھ لیا (اور کہتے ہو کہ اللہ کی طرف سے ہے) اور تاکہ ہم اس کو بیان کریں ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہم مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ آپ ان کو پہنچا دیں اور تاکہ منکرین ضد و عناد کی وجہ سے یوں کہیں کہ آپ نے ان مضامین کو کسی سے پڑھ لیا ہے اور تم دوسروں سے سیکھ کر ہم سے خطاب کرتے ہو۔ (کافی سورۃ النحل اِنَّمَا نَعْلَمُهُ بُشْرًا) اس طرح سے وہ لوگ اور زیادہ مجرم بنتے ہیں اور ان دلائل کے بیان کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ ہم علم والوں کے لیے اچھی طرح کھول کر بیان کر دیں (کیونکہ جو اہل علم ہیں وہ ہی متفق ہوتے ہیں)

پھر فرمایا اَتَّبِعْ مَا اَوْحَى الْيَلْفُ مِنْ رَبِّكَ کہ آپ اس کا اتباع کیجئے جس کی آپ کے رب کی طرف سے آپ کو وحی کی گئی، اس کا آپ فکر نہ کیجئے کہ کون راہ راست پر آتا ہے اور کون نہیں آتا۔ تنکوینی طور پر کچھ لوگ ایسے ہیں جو نہیں مانتے گے اور کچھ ایسے ہیں جو مان لیں گے یہ تنکوینی فیصلے اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق ہیں اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے لیکن سب کچھ اسکی مشیت اور ارادہ حکمت کے موافق ہے آپ اپنا کام کریں یعنی پہنچا دیں وَمَا جَعَلْنَاهُمْ عَلَيْهِمْ حَفِظًا ہم نے آپ کو ان کا نگران نہیں بنایا، عمل کریں نہ کریں یہ جانیں وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۝ آپ ان پر دار و ندبنا کر مسلط نہیں کئے گئے۔ لہذا آپ کو اس فکر میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ منکرین بات نہیں مانتے اور حق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

وَلَا تَسْبُوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسْبُوا اللَّهَ عَدَاوَةً بَغْيٍ عَلِيمٌ كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ

اور ان کو ہر امت کہو جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں سو وہ اللہ کو برا کہیں گے براہ جہالت حد سے گزر کر، ہم نے ایسے ہی مزین کر دیا ہر امت کے

عَمَلِهِمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ

لیے ان کے عمل کو، پھر اپنے رب کی طرف ان کا لوٹنا ہے۔ سو وہ انہیں ان کاموں کو جتنا دے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور انہوں نے اپنی قسموں میں خوب زور لگا کر اللہ کی قسم

لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لِّيُؤْمِنُوا بِهَا قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ

کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آجائے گی تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ فرمادیجئے کہ نشانیاں اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور تمہیں انکی کیا خبر کہ جب وہ نشانی آجائے گی تب بھی

لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَنَقَلْنَا بِأَفْئِدَتِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَ نَذَرْنَا لَهُمْ

یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو پلٹ دیں گے جیسا کہ وہ اس پر پہلی بار ایمان نہ لائے اور ہم ان کو اس حال

فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

میں چھوڑے رہیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں اندھے بنے رہیں۔

مشرکین کے معبودوں کو ہر امت کہو

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ جو لوگ غیر اللہ کو پکارتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں ان کے معبودوں کو برے الفاظ میں یاد مت کرو، چونکہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو اور انہیں تم سے دشمنی ہے اس لئے ضد میں آ کر اپنی جہالت سے اللہ پاک کو برے الفاظ سے یاد کریں گے، ضد و عناد والے کو یہ ہوش نہیں ہوتا کہ میری بات کہاں لگے گی، یوں تو مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کو ماننے کا دعویٰ کرتے اور اس کے بارے میں خالق کائنات ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن جب ضد میں آئیں گے تو صرف یہ دیکھیں گے کہ مسلمانوں

نے ہمارے معبودوں کو برا کہا ہے لہذا ہمیں بھی ان کے معبود کو برا کہنا چاہئے، یہ لوگ ضد اور عناد کے سبب حد ادب کو پھاند جائیں گے۔ اللہ وحدہ لا شریک کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کریں گے، چونکہ یہ حرکت بدن کی تمہارے عمل کے جواب میں ہوگی۔ اس لئے ان کے معبودان باطلہ کو برے الفاظ میں یاد کر کے اس کا سبب نہ بنو کہ وہ لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ سبحانہ و تقدس کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کریں۔

الباب النقول ص ۱۰۳ میں مصنف عبدالرزاق سے نقل کیا ہے کہ کافروں کے بتوں کو اہل ایمان برے الفاظ میں یاد کرتے تھے تو وہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ شانہ کی شان میں نازیبا کلمات کہہ جاتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت **وَلَا تُنْسِبُوا إِلَٰهَ الْكَافِرِينَ نَازِل فرمائی۔** حضرات علماء کرام نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جو کام خود کرنا جائز نہیں اس کا سبب بننا بھی جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے گا؟ فرمایا کوئی شخص کسی کے باپ کو گالی دے گا تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا اور کسی کی ماں کو گالی دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا (اس طرح سے وہ اپنے ماں باپ کو گالی دینے والا بن جائے گا) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۹ از بخاری و مسلم)

پھر فرمایا **كَذٰلِكَ زَيْنًا لِّكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلُهُمْ** (ہم نے اسی طرح ہر امت کے لیے ان کے عمل کو مزین کر دیا) جو لوگ کافر ہیں کفر ہی سے چپکے ہوئے ہیں کفر کو اچھا سمجھتے ہیں دنیاوی زندگی ختم ہوگی تو میدان قیامت میں سب پروردگار عالم جل مجدہ کی طرف لوٹیں گے سو وہ انہیں جتادے گا کہ وہ کیا کام کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کی جزا بھی دے دے گا، یہ مزین کرنا کنوینی طور پر ہے اس سے تشریحی اوامر پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ لوگ کافر ہیں اپنے اختیار سے کفر اختیار کئے ہوئے ہیں۔

جب حقانیت اسلام کے دلائل ان کے سامنے آتے ہیں تو اپنے اختیار سے اسلام سے دور بھاگتے ہیں اور قبول نہیں کرتے۔

کافروں کی جھوٹی قسمیں کہ فلاں معجزہ ظاہر ہو جائے تو ایمان لے آئیں گے..... اس کے بعد فرمایا **وَاقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهَنَّمَ اَيْمَانُهُمْ** (اور انہوں نے بہت زوردار طریقہ پر اللہ کی قسم کھائی کہ ہمارے کہنے کے مطابق فرمائشی معجزہ ظاہر ہو جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے) ان لوگوں کی یہ تاکیدی قسمیں سن کر مسلمانوں کو خیال ہوا کہ جن معجزات کی فرمائش کر رہے ہیں وہ ظاہر ہو جائے تو اچھا تھا تاکہ یہ لوگ ایمان لے آتے لیکن انہیں تو ایمان لانا نہیں ہے معجزات کی فرمائش ایمان نہ لانے کا ایک بہانہ ہے۔

تفسیر ابن کثیر ص ۱۶۲ ج ۲ میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ سے ایمان لانے کے بارے میں بات کی تو کہنے لگے کہ اے محمد (ﷺ) آپ ہمیں بتاتے ہیں کہ موسیٰ کے پاس ایک لانٹھی تھی جسے پتھر میں مارتے تھے تو بارہ چشمے پھوٹ پڑتے تھے اور آپ بنے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ عیسیٰ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور یہ بھی بتایا ہے کہ قوم شمود کے لیے بطور معجزہ ایک اونٹنی ظاہر کی گئی تھی، آپ ہمارے لیے بھی کوئی ایسی ہی نشانی ظاہر کریں آپ نے فرمایا کہ تم کون سی نشانی چاہتے ہو؟ کہنے لگے کہ صفا پہاڑ سونا بن جائے آپ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جائے تو میری تصدیق کرو گے کہنے لگے اگر ایسا ہو گیا تو ہم سب آپ کا اتباع کر لیں گے آپ اللہ جل شانہ سے وعہ کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جبریل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے کہا کہ آپ غور فرمائیجے دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار فرمائیں آپ چاہیں کہ پہاڑ صفا کا سونا بن جائے تو ایسا ہو جائے گا لیکن اگر ان لوگوں نے تصدیق نہ کی تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے دے گا۔ اور اگر آپ چاہیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں تاکہ کفر سے توبہ کر کے ایمان لے آئیں (گو اس میں دیر لگے گی) آپ نے فرمایا کہ میں

ان کو اسی حال میں چھوڑ دیتا ہوں۔۔۔۔۔ (جنہیں توبہ کرنا، توبہ کر کے ایمان لے آئیں) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَأَقْسَمُوا باللہ جہد ایمانہم سے وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ يَجْهَلُونَ تک نازل فرمائی۔

قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ ط (آپ فرماتے ہیں کہ معجزات سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں) وہ چاہے تو ان کی فرمائشوں کے مطابق معجزات ظاہر فرمائے اور اگر اس کی مشیت نہ ہو تو کوئی بھی معجزہ ظاہر نہ ہو وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ یہ اہل ایمان کو خطاب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تمہیں کیا خبر ہے کہ ان کی مطلوبہ نشانی آجائے گی جب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے، ان کی قسمیں جھوٹی ہیں خواہ کیسی ہی زوردار ہوں۔ آخر میں فرمایا۔

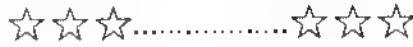
وَنَقَلِبْ أَقْدَبَهُمْ وَابْصُرْ اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پلٹ دیں گے نہ حق کے طالب ہوں گے نہ حق پر نظر کریں گے كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ جیسا کہ یہ لوگ اس قرآن پر پہلی مرتبہ ایمان نہ لائے وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ اور ہم ان کو اس حال میں چھوڑے رہیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں اندھے بنے رہیں۔

قال القرطبي في تفسيره ص ۶۵ ج ۷ هذه آية مشككة، ولا سيما وفيها وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ قيل المعنى وَنَقَلِبْ أَقْدَبَهُمْ وَابْصُرْ يوم القيمة على لهب النار وحر الحمر، كما لم يؤمنوا في الدنيا، ونذرهم في الدنيا أي نهملهم ولا نعاقيهم، فبعض الاب في الآخرة، وبعضها في الدنيا ونظيرها "وَجُودَةٌ يُؤْمِنُ خَاشِعَةً: فِهَذَا فِي الْآخِرَةِ غَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ" في الدنيا.

وقيل: ونقلب في الدنيا: أي نحول بينهم وبين الإيمان لو جاءتهم تلك الآية، كما خلنا بينهم وبين الإيمان أول مرة لما دعوتهم وظهرت المعجزة، وفي التنزيل "وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ" والمعنى كان ينبغي أن يؤمنوا إذا جاءتهم الآية فراوها بابصارهم ورعروها بقلوبهم، فإذا لم يؤمنوا كان ذلك بتقلب الله قلوبهم وابصارهم (كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ) ودخلت الكاف على محذوف أي فلا يؤمنون كما لم يؤمنوا به أول مرة. أي أول مرة انتهم الآيات التي عجزوا عن معارضتها مثل القرآن وغيره۔ علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ آیت مشکل ہے اور خصوصاً یہ حصہ کہ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ ہم قیامت کے دن ان کے دل اور ان کی آنکھیں آگ کے شعلوں اور انگاروں کی تپش پر بدلتے رہیں گے جیسا کہ یہ دنیا میں ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں دنیا میں چھوڑ رہے ہیں یعنی ہم انہیں مہلت دے رہے ہیں اور دنیا میں پوری سزا نہیں دے رہے پس کچھ عذاب آخرت میں ہوگا اور کچھ دنیا میں ہے اس کی مثال یہ آیت ہے وَجُودَةٌ يُؤْمِنُ خَاشِعَةً کہ "کئی چہرے اس دن جھکے ہوئے ہوں گے" تو یہ آخرت میں ہوگا غَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ (کام کرنے والے تھکے ہوئے) یہ دنیا میں ہے۔

اور بعض نے کہا اس کا مطلب ہے ہم انہیں دنیا میں بدلتے رہتے ہیں یعنی ان کے پاس نشانی آتی ہے تو ہم ان کے اور ان کے ایمان کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں جیسا کہ پہلی دفعہ جب آپ نے انہیں دعوت دی اور معجزہ دکھلایا تو ہم ان کے اور ان کے ایمان میں حائل ہو گئے اور قرآن کریم میں ہے وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ (جان لو کہ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے) مطلب یہ ہے کہ جب ان کے پاس نشانی آئی تو انہوں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے دلوں سے پہچانا تو انہیں ایمان

لاتا چاہئے تھا۔ جب یہ ایمان نہیں لائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دینے کی وجہ سے تھا۔ جیسا کہ یہ اس پر پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے۔ اور کاف محذوف پر داخل ہے یعنی پس وہ ایمان نہیں لائیں گے جس طرح پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے یعنی پہلی مرتبہ جب ان کے پاس نشانیاں آئیں جن کے مقابلے سے وہ عاجز تھے جیسا کہ قرآن کریم اور دیگر نشانیاں۔



## (پارہ نمبر ۸)

وَلَوْ أَنَّا نَزَّلْنَاهُمْ الْمَلَكَةَ وَكَفَّهِمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبَلًا مَا كَانُوا

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتار دیں اور ان سے مردے بات کر لیں اور ہم بتیہ کہہ دیں ان پر ہر چیز ان کے آٹھنے سامنے تب بھی وہ ایسے نہیں

لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ﴿۱۱﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ

ہیں کہ ایمان لے آئیں مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اور لیکن ان میں اکثر وہ ہیں جو جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن

نَبِيِّ عَدُوًّا شَيْطَانِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا

مقرر کر دیے ہیں جو شیاطین ہیں انسانوں میں سے اور جنات میں سے ان میں بعض بعض کو ایسی باتوں کا دوسرا ڈالتے ہیں جو بظاہر اچھی لگتی ہیں وہ یہ کام دھوکہ دینے کیلئے کرتے ہیں

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿۱۲﴾ وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفِيدَةُ الَّذِينَ

اور اگر تیرا رب چاہے تو یہ لوگ یہ کام نہ کریں، سو چھوڑ دیجئے ان کو اور ان باتوں کو جو وہ جھوٹ بناتے ہیں۔ اور تاکہ اس کی طرف ان لوگوں کے دل مائل

لَهُ يُؤْمِنُوا بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُقْتَرِفُونَ ﴿۱۳﴾

ہو جائیں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور تاکہ وہ اسے پسند کریں، اور تاکہ وہ مرتکب ہو جائیں ان کاموں کے جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔

## معاندین کا مزید تذکرہ اور شیاطین کی شرارتیں

ان آیات میں معاندین کا مزید عناد بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ فراموشی معجزے طلب کرنا حق قبول کرنے کے لئے نہیں۔ محض باتیں بنانے اور بہانے تراشنے کے لیے ہے۔ اگر ہم ان پر فرشتے اتار دیں اور مردے ان سے باتیں کر لیں اور ہم ہر چیز ان کے سامنے لے آئیں یعنی غیب کی چیزیں ان کے سامنے ظاہر کر دیں مثلاً جنت دوزخ دکھادیں تب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ ایمان لانا مقصود نہیں ہے پھر بھی فرمائش کرتے ہیں جو سراپا جہالت ہے۔

پھر فرمایا وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيِّ عَدُوًّا شَيْطَانِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ (الایۃ) اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے کہ یہ لوگ جو دشمنی میں لگے ہوئے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آپ سے پہلے جو نبی آئے ہم نے ان کے لئے انسانوں میں اور جنات میں سے دشمن بنا دیئے تھے۔

یہ دشمن ایک دوسرے کو ایسی ایسی باتیں بھجاتے ہیں جو بظاہر بہت اچھی مزیں معلوم ہوتی تھیں۔ جیسے کسی بد صورت چیز پر ملمع کر کے بظاہر خوب صورت بنا دی جائے یہ لوگ ایسی باتیں سامنے لا کر اپنے لوگوں کو دھوکہ دیتے تھے تاکہ ایمان قبول نہ کریں۔ جو حال انبیاء سابقین علیہم السلام کے دشمنوں کا تھا وہی ان لوگوں کا حال ہے جو آپ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ لہذا آپ غم نہ کیجئے ایسا ہوتا ہی رہا ہے۔



ہونے کا احتمال ہو ہی نہیں سکتا اس لئے یہ خطاب گو بظاہر آپ کو ہے لیکن دوسروں کو سنانا مقصود ہے کہ کتاب اللہ کی حقانیت میں شک نہ کرو۔ پھر فرمایا **وَتَمُتْ كَلِمَتِي رِضًا وَعَدْلًا لَا ط** (اور آپ کے رب کے کلمات کامل ہو گئے صدق اور عدل کے اعتبار سے) اس میں رب تعالیٰ شانہ کے کلمات یعنی کلمات قرآن کے کامل ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

کلمات سے وہ مضامین مراد ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ قرآن مجید میں بہت سے احکام ہیں جو تفصیل سے بتا دیئے ہیں اور بہت سے احکام رسول اللہ ﷺ کو مفوض کر دیئے ہیں۔ آپ کا بتانا اللہ تعالیٰ کا بتانا ہے، آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔ یہ سب احکام سچے ہیں اور عدل پر مبنی ہیں ان میں انصاف ہے، کسی پر ظلم و زیادتی اور کسی کی حق تلفی ان احکام میں روا نہیں رکھی گئی اور بعض حضرات نے عدل کو اعتدال کے معنی میں لیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے احکام میں اعتدال ہے نہ ہر چیز مباح ہے اور نہ ہر چیز حرام اور ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت میں بہت سی چیزیں حلال اور بہت سی حرام اور ممنوع ہیں۔ کچھ مکروہات بھی ہیں ایسا بھی نہیں کہ سارا دین لوگوں کی خواہش کے مطابق ہو۔ اور ایسا بھی نہیں کہ انسانوں کی خواہشوں اور نفس کے تقاضوں کا بالکل ہی لحاظ نہ کیا گیا ہو۔ اللہ کے دین میں بنی آدم کے نفسوں کے تقاضوں کی بھی رعایت ہے اور کچھ بندشیں بھی ہیں۔ ان بندشوں میں بنی آدم کی خیر مضمر ہے۔ اگر کوئی بھی چیز ممنوع نہ ہو تو انسانوں میں اور چوپایوں میں کوئی فرق نہ رہے، پھر جو احکام ہیں ان میں استطاعت کی قید ہے **فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** بھی فرمایا اور **لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا** بتا کر یہ فرمادیا کہ کسی جان کو وسعت اور طاقت سے زیادہ عمل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ یہ عدل کی تفسیر ہوگی۔

اور 'صَدَقَا' جو فرمایا یہ قرآن کریم کے بیان فرمودہ واقعات اور قصص اور وعدہ اور وعید سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بیان فرمایا بالکل سچ ہے اس میں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش نہیں۔

پھر فرمایا **لَا مُبْدِلَ لِكَلِمَتِهِ** (اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں) اس کا کلام لفظی اور معنوی تحریف سے محفوظ ہے اس نے خود اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ** جب اللہ تعالیٰ نے خود اپنی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے تو اسے کون بدل سکتا ہے اور کس میں طاقت ہے کہ اس میں تحریف کر دے؟ دشمن تک یہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن وہی ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا اس وقت سے لے کر اب تک چودہ سو سال ہو چکے ہیں اور وہ ہو بہو اسی طرح موجود ہے جس طرح نازل ہوا تھا۔

پھر فرمایا **وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ** کہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے، وہ سب کی باتیں سنتا ہے، اسے مخالفوں اور معاندوں کی باتوں کی خبر ہے اور سب باتوں کا علم ہے۔ قرآن کے موافق اور مخالف جو بھی ہیں وہ قیامت کے دن حاضر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سبحانہ اپنے علم کے مطابق سب کے فیصلے فرمائیں گے۔

زمین کے اکثر رہنے والے گمراہ کرنے والے ہیں..... اس کے بعد فرمایا **وَإِنْ تُطِيعُوا أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ** (الآیہ) اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ زمین پر جو لوگ بستے ہیں ان میں اکثر گمراہ ہیں۔ ان اکثریت والوں کی اطاعت کرو گے تو یہ تمہیں راہِ حق سے ہٹا دیں گے۔ معلوم ہوا کہ اکثریت دلیل حقانیت نہیں ہے جیسا کہ سورہ مائدہ میں فرمایا **قُلْ لَا يَنْتَوِي الْخَبِيثَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ وَلَوْ** **أَغْضَبَكْ ظَنُّهُ الْخَبِيثَاتُ** دنیا میں اکثریت گمراہوں کی ہے جو اللہ کی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں ان کی بات مانو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ حق والوں کے پاس اٹھو بیٹھو اور ان سے حق سیکھو۔



سورۃ توبہ میں فرمایا یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَتَحُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور بیکوں کے ساتھ ہو جاؤ) اللہ کے یہاں محبوبیت کا مدار ایمان اور تقویٰ پر ہے اکثریت پر نہیں ہے۔

پھر فرمایا اِنْ يَبْغُضُوا اِلَّا الظَّنَّ اَكْثَرُ اَوْ كَخُصْ اَيْسَ گمان کے پیچھے چلتے ہیں وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُونَ اور محض اکل بچو باتیں کرتے ہیں۔ لہذا اکثریت والوں کی اطاعت اور ان کا اتباع تباہ و برباد کرنے والا ہے۔

پھر فرمایا اِنْ رَّبُّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ ط (بالشبہ آپ کا رب انہی طرح جانتا ہے ان لوگوں کو جو اس کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ وهو اعلم بالمفتدین اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پر چلنے والوں کو۔ وہ قیامت کے دن اپنے علم کے مطابق فیصلے فرمائے گا۔ اہل ضلال و ضلال کی سزا اور اہل ہدایت کو ہدایت کی جزا ملے گی۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوا

سو اس میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اگر تم اس کی آیات پر ایمان آ لے ہو اور تمہارے لئے اس کا کیا باعث ہو سکتا ہے کہ اس میں

مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرَّرْتُمْ

سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو مگر اس نے تمہیں تفصیل سے بتا دیا ہے جو تم پر حرام کیا گیا۔ مگر اس صورت میں کہ تمہیں سخت

اِلَيْهِ ؕ وَاِنْ كَثِيرًا لِّيُضِلُّوْا بِاَهْوَاءِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹﴾

بہجوری ہو۔ بالشبہ بہت سے لوگ اپنی خواہشوں کے ذریعہ بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں اے شک تیرا رب خوب جانتا ہے حد سے آگے بڑھنے والوں کو۔

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهُ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيَجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور چھوڑ دو ظاہری گناہ اور باطنی گناہ۔ اے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں عتریب ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهُ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيْطٰنَ لَيُوْحُوْنَ اِلَى

اور مت کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ اور بے شک وہ گناہ ہے اور بالشبہ شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں

اَوَّلِيَّيْهِمْ لِيَجْاِدُوْكُمْ ؕ وَاِنْ اَطَعْتُمْهُمْ اِنَّكُمْ لَشُرَكَوْنَ ﴿۲۱﴾

دوستوں کے لئے ہیں تاکہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مانا تو بے شک تم مشرک ہو جاؤ گے۔

حلال ذبیحہ کھاؤ اور حرام جانوروں کے کھانے سے پرہیز کرو

درمنثور ص ۳۱ ج ۳ میں ان آیات کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہودی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے بطور اعتراض یوں کہا کہ جس جانور کو ہم قتل کر دیں (یعنی ذبح کر دیں) اسے تو آپ کھا لیتے ہیں اور جس جانور کو اللہ تعالیٰ قتل کر دے (یعنی اسے موت دے دے اور وہ بغیر ذبح کے مر جائے) آپ اس کو نہیں کھاتے۔

ایک روایت یوں بھی ہے جسے ابن کثیر نے ص ۱۶۹ ج ۲ میں نقل کیا ہے کہ فارس کے لوگوں نے قریش مکہ کو آدمی بھیج کر یہ سمجھایا کہ تم

محمد ﷺ سے یوں بحث کرو کہ آپ اپنے ہاتھ میں چھری لے کر جس جانور کو ذبح کرتے ہیں وہ تو آپ کے نزدیک حلال ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے ذبح کرنے کی چھری سے ذبح کرتے ہیں وہ آپ کے نزدیک حرام ہے۔

امام ترمذی نے تفسیر سورۃ الانعام میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ہم جسے خود قتل کرتے ہیں اسے کھا لیتے ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ قتل کرتا ہے اسے نہیں کھاتے (یہ انہوں نے بطور اعتراض کے کہا) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ **فَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ** ۵ نازل فرمائی (قال الترمذی هذا حدیث حسن غریب)

پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ یہ اعتراض یہود نے کیا تھا اور دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ اہل فارس کے سمجھانے اور بجھانے پر قریش مکہ نے کیا تھا۔ مفسرین کثیر کہتے ہیں کہ یہودیوں سے اس اعتراض کا صادر ہونا بعید ہے کیونکہ وہ خود میتہ یعنی غیر ذبیحہ کو نہیں کھاتے تھے اھ لیکن اس بات کی وجہ سے روایت کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ معترض اندھا تو ہوتا ہی ہے جسے اعتراض کرنا ہو وہ کہاں سوچتا ہے کہ یہ بات مجھ پر بھی آسکتی ہے۔ اعتراض کرنے والے جاہلوں نے صرف موت کو دیکھ لیا اور ذبیحہ اور غیر ذبیحہ کے درمیان جو فرق ہے اس کو نہیں دیکھا لہذا اعتراض کر بیٹھے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ سبحانہ، و تعالیٰ نے ہر جانور کے کھانے کی اجازت نہیں دی۔ قرآن میں اجمالاً ارشاد فرمایا کہ پاکیزہ جانور حلال ہیں اور نجی جانور حرام ہیں۔

سورۃ اعراف میں ارشاد ہے **يُجَلِّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ** ط کہ رسول اللہ ﷺ پاکیزہ چیزوں کو حلال اور نجی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں نیز بھیمۃ الانعام کے کھانے کے اجازت دے دی سوائے ان جانوروں کے جن کا استثناء فرمادیا **اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُبْتَلَىٰ عَلَيْكُمْ** اور مزید تفسیر کا بیان رسول اللہ ﷺ کی طرف سے فرمادیا۔ آ۔ نے حلال اور حرام جانوروں کی تفسیر بتادی لیکن جن جانوروں کو حلال قرار دیا ہے ان کے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ ان کو ذبح کر دیا جائے۔

ذبح کا مطلب یہ ہے کہ گلے کی رگیں کاٹ دی جائیں جن سے جانور سانس لیتا ہے اور کھانا پیتا ہے۔ اور جن میں خون گذرتا ہے۔ ذبح کرنے سے بھی کسی جانور کا کھانا اس وقت حلال ہوگا جبکہ ذبح کے وقت **بِسْمِ اللَّهِ** پڑھی گئی ہو۔ (یعنی اللہ کا نام ذکر کیا گیا) ذبح کرنے والا جو اللہ کا نام لے کر ذبح کرے مسلمان یا کتبی یعنی یہودی یا نصرانی ہو۔ ان کے علاوہ اور کسی کا ذبیحہ حلال نہیں۔ ذبح کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جانور کے اندر جو خون ہے وہ رگیں کٹنے سے نکل جاتا ہے خون کا کھانا پینا حرام ہے۔ جب خون نکل گیا تو اب گوشت بغیر خون کے رہ گیا لہذا ذبیحہ کھانا حلال ہو گیا۔

اعتراض کرنے والوں نے فرق کو تو دیکھا نہیں اور اس بات کو سمجھا نہیں کہ ذبح کرنے میں کیا حکمت ہے اور ذبح کرنے سے جانور کیوں حلال ہوتا ہے اور اپنی موت مرجانے سے کیوں حرام ہوتا ہے یہ خون نکلنے والی بات ان کی سمجھ میں نہ آئی جو ذبیحہ اور غیر ذبیحہ میں فرق کرنے والی چیز ہے۔

اگر کوئی مسلم یا کتبی کسی جانور کو لاشی مار مار کر ہلاک کر دے اگرچہ بسم اللہ پڑھ لے تو وہ جانور حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ لاشیوں سے مارنے سے خون نہیں نکلا جو گلے کی رگوں سے نکل جاتا ہے ایسے جانور کا نام "موفوذہ" ہے جس کا ذکر سورۃ مائدہ کے شروع میں گزر چکا۔

جب معترضین نے اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیات بالا نازل فرمائیں اور مسلمانوں کو خطاب فرمایا کہ جس حلال جانور پر اللہ کا نام لیا گیا ہو یعنی اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا اسے کھاؤ اور جس جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا اسے مت کھاؤ، دشمنوں کی باتوں

میں نہ آئے اور ان کے اعتراض کو کوئی وزن نہ دیا۔ اللہ نے تمہیں حلال حرام کی تفصیل بتادی، اللہ کے حلال کئے ہوئے جانور نہ کھانا اوروشمنوں کی باتوں میں آجانا اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے۔

اِنَّ كُفْرًا مَّا وَاِنْ اَطَعْتُمْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ۝ اور اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو شرک کرنے والے ہو جاؤ گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی بات ماننے کے بجائے دوسروں کی بات مان کر شرکوں کے زمرہ میں آ جاؤ گے۔

جس جانور کو اللہ کا نام لے کر مسلم یا کتابی نے ذبح کیا ہو بشرطیکہ وہ جانور حلال ہو اس کے کھانے کی اجازت دے دی اور جو جانور میتہ ہو (یعنی اپنی موت مر گیا ہو یا جسے اللہ کا نام لیے بغیر ذبح کیا گیا ہو) اس کے کھانے کو حرام قرار دے دیا گیا اور اسے فسق یعنی حکم عدولی بتایا۔ ہاں حالت مجبوری میں غیر باغ و لا عابد کے ساتھ مشروط کر کے مکرور کھانے کی اجازت دے دی۔

وَ اِنْ كَفَرُوا بَصُلُّوا بِهٖمْ اَمْ يَكْفُرُوْنَ ۝ اور بلاشبہ بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشات کے ذریعہ گمراہ کرتے ہیں یعنی جو کبھی کوئی بغیر سند بات ان کے خواب و خیال میں آ جاتی ہے اس کے ذریعہ لوگوں کو بہکا دیتے اور گمراہ کرتے ہیں اللہ کے حکم کے پابند نہیں ہوتے۔ اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حدت آگے بڑھ جاتے ہیں۔

اِنَّ رَيْبًا هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُغْتَبِلِيْنَ ۝ (بے شک تیرا بے حد سے نکلنے والوں کو خوب جانتا ہے) وہ ان کو سزا دے گا۔ ظاہری اور پوشیدہ تمام گناہوں سے بچنے کا حکم..... وَ ذَرَوْا ظَٰهِرَ الْاَثَمِ وَاِبْطِئْهُ ط (اور چھوڑ دو ظاہری گناہ اور باطنی گناہ) اس میں ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے گناہ چھوڑنے کا حکم فرمایا ہے۔ جو گناہ ظاہری طور پر علانیہ ہو وہ بھی چھوڑ دو اور جو پوشیدہ ہو اسے بھی چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو جانتا ہے اور وہ گناہوں کی سزا دینے پر پوری طرح قادر ہے گناہ گار یہ نہ سمجھیں کہ تنہائی میں جو گناہ کر لیا اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر نہیں ہے۔

اِنَّ الْاٰدِنِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاَثَمَ سَيَجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ بلاشبہ جو لوگ گناہ کرتے ہیں انہیں عنقریب ان کے اعمال کی جزا دے دی جائے گی۔

وَ اِنَّ السَّاطِنِيْنَ لَيُؤْخَذُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَآءِهِمْ لِيُجَادِلُوْهُمْ اور بلاشبہ شیاطین اپنے دوستوں کی طرف دھوکے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔ اہل فارس مشرک تھے اور قریش مکہ بھی مشرک تھے انہوں نے مشرکین مکہ کو یہ بات سمجھائی کہ تم محمد ﷺ پر یہ اعتراض کرو اور یہودیوں نے آپس میں ایک دوسرے کو سمجھایا کہ تم یہ اعتراض لے کر جاؤ اور مسلمانوں سے جھگڑا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتا دیا کہ تم ان کی باتوں میں نہ آؤ۔ اگر تم نے ان کا کہا مانا تو تم مشرک ہو جاؤ گے یعنی مشرکوں والا کام کر لو گے۔ یعنی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی اور غیروں کی اطاعت کر کے شرک کرنے والے بن جاؤ گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ کر دوسروں کے حکم کو ماننا اور ان کو تسلیل و تحریف کا مختار سمجھنا مشرکوں کا کام ہے (فی معالم التنزیل قال الزجاج فیہ دلیل علی من احل شینا مما حرم اللہ او حرم ما احل اللہ فهو مشرک) (معالم التنزیل میں ہے کہ زجاج کہتے ہیں اس آیت میں اس امر کی دلیل ہے کہ جس شخص نے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کے حلال ہونے کا اعتقاد کیا یا اللہ کی حلال کردہ چیزوں کے حرام ہونے کا اعتقاد کیا تو وہ مشرک ہے)

مسئلہ..... اگر ذبح کرتے وقت قصد اللہ کا نام لینا چھوڑ دیا تو اس جانور کا کھانا حلال نہیں اگر چہ ذبح کرنے والا مسلم یا کتابی ہو۔ اور جس جانور پر ذبح کرنے والا بسم اللہ پڑھنا بھول گیا اس کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ ذبح کرنے والا مسلم یا کتابی ہو نہ بود اور میتہ جانوروں کے بارے میں متعدد مسائل سورہ مائدہ کے پہلے رکوع کی تفسیر کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔

أَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اس کے لیے ایسا نور مقرر کیا کہ جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے جیسا کہ اس شخص کی

مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

طرح یہ نکلتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں ہے ان سے نکلنے والا نہیں، کافر جو عمل کرتے ہیں وہ ان کے لیے اسی طرح

یَعْمَلُونَ ۝ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكْبَرًا مُّجْرِمِينَ لِيَمْكُرُوا فِيهَا وَمَا يَنْكُرُونَ

مزمین کر دینے لگے۔ اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے بڑوں کو مجرم بنا دیا۔ کہ وہ اس میں مکر کریں اور صرف اپنی ہی

إِلَّا بِأَنفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝

جانوں کے ساتھ مکر کرتے ہیں اور شعور نہیں رکھتے۔

مومن زندہ ہے اس کے لئے نور ہے اور کافر اندھیروں میں گھرا ہوا ہے

علامہ بغویٰ معالم التنزیل ص ۱۲۸ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت دو خاص آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ پھر ان دو آدمیوں کے

تعیین میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ جَعَلْنَا لَهُ نُورًا سے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب (رسول اللہ ﷺ کے چچا) مراد ہیں اور

مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ سے ابو جہل مراد ہے واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ ابو جہل نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پر گھوڑے کی لید پھینک دی تھی۔ حضرت

حمزہ کو اس کا پتہ چلا جو شکار کر کے ہاتھ میں کمان لئے ہوئے آرہے تھے اور ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ابو جہل کی حرکت کا علم ہوا تو

غصہ میں پھر گئے اور ابو جہل کے پاس آکر اس کے سر پر کمان مار دی وہ عاجزی کرنے لگا۔ اور کہنے لگا کہ تم دیکھتے نہیں ہو کہ یہ کیسا دین لے

کر آئے ہمیں بے وقوف بتاتے ہیں اور ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں اور ہمارے باپ دادوں کے مخالف ہیں۔ اس پر حضرت حمزہؓ نے

فرمایا کہ تم سے بڑھ کر بے وقوف کون ہو گا تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہو۔ پھر انہوں نے اسی وقت اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ اس پر آیت کریمہ اَوْ مَنْ تَحٰنَ فَنُبَيِّنُهَا فَاٰخِيْنٰهُ ط نازل ہوئی۔ سبب نزول

جو بھی ہو۔ آیت کا عموم ہر کافر اور ہر مومن کو شامل ہے۔

جو لوگ پہلے کافر تھے وہ کفر کی وجہ سے مردہ تھے۔ جس نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ زندوں میں شمار ہو گیا اور اسے نور ایمان مل گیا۔ وہ اسی

نور ایمان کو لے کر لوگوں میں پھرتا ہے اور یہ نور ایمان اسے خیر کا راستہ بتاتا ہے اور اعمال صالحہ کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا جو مردہ تھا اسے ہم نے زندہ کر دیا ایمان کا نور دے دیا وہ اس جیسا کہاں ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں ہے۔

برا نہیں میں گھرا ہوا ہے وہاں سے نکلنے والا نہیں۔

پھر فرمایا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ جس طرح اہل ایمان کے لیے ایمان مزمین کر دیا گیا ہے اسی طرح

کافروں کے لیے ان کے اعمال کفریہ مزمین کر دیے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لائے اور وہ اپنی حرکت کو گناہ سمجھ

رہے ہیں۔

ہر بستی میں وہاں کے بڑے مجرم ہوتے ہیں..... اس کے بعد فرمایا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ اَكْبَرَ

منجبر منہا ط (اور اسی طرح ہم نے ہر ہستی میں وہاں کے بڑوں کو مجرم بنادیا) مطلب یہ ہے کہ جیسے اہل مکہ میں دنیاوی اعتبار سے بڑے لوگ مجرم بنے ہوئے ہیں اسی طرح ہم نے ہر ہستی میں آپ سے پہلے ایسے لوگ مقرر کئے ہیں جو ان لوگوں کے سردار تھے اور گناہوں میں پیش پیش تھے۔

لِيُنْكَرُوا فِيهَا، تاکہ یہ لوگ منکر کریں یعنی اللہ کی ہدایت نہ پھیلے دیں اور اس کے خلاف شرارتیں کریں۔ وَمَا يَنْفَكُرُونَ إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ وَمَا يَنْفَكُرُونَ اور ان کا منکران کی جانوں ہی کے ساتھ ہے۔ اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ اسلام کے خلاف شرارتیں کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اس کا وبال انہیں پر پڑتا ہے۔

صاحب معالم التنزیل لِيُنْكَرُوا فِيهَا کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اہل مکہ نے مکہ کے اطراف و جوانب میں براستہ پر چار چار آدمی بٹھا دیے تھے تاکہ وہ لوگوں کو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے سے روکتے رہیں۔ جو شخص باہر سے آتا اور مکہ میں داخل ہونا چاہتا تھا اس سے یہ لوگ کہتے تھے کہ دیکھنا اس شخص سے بچ کر رہنا کیونکہ وہ جادوگر ہے جھوٹا ہے۔

در حقیقت ہر ہستی اور ہر علاقہ کے رئیس اور چودھری اور اہل اقتدار اور اہل مال ہی عوام الناس کو ہدایت پر نہیں آنے دیتے۔ نہ خود ہدایت قبول کرتے ہیں نہ اپنے عوام کو حق قبول کرنے دیتے ہیں۔ جیسا کہ پورے عالم میں اس کا مظاہرہ ہے۔

وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّى نُؤْتَى مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ

اور جب انکے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو ایسی چیز نہ دی جائے جیسی کہ اللہ کے رسولوں کو دی گئی۔

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ

اللہ جانتا ہے جہاں اپنے پیغام کو بھیجے۔ عقریب ان لوگوں کو اللہ کے یہاں ذلت اور سخت

شَدِيدٌ كَمَا كَانُوا يَنْكُرُونَ ﴿۱۷﴾

عذاب پہنچے گا اس وجہ سے کہ وہ منکر کرتے تھے۔

ولید بن مغیرہ کی اس جہالت کی تردید کہ ہمیں رسالت ملنی چاہئے

معالم التنزیل ص ۱۲۸ ج ۲ میں آیت بالا کا سبب نزول یوں لکھا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اگر نبوت واقعی کوئی چیز ہے تو میں تم سے زیادہ اس کا اہل ہوں کیونکہ میری عمر بھی تم سے زیادہ ہے اور میرا مال بھی کثیر ہے اور دوسرا سبب نزول یہ نقل کیا ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ بنو عبد مناف نے شرافت کے سلسلے میں ہم سے مقابلہ بازی کی یہاں تک کہ ہم گھوڑ دوڑ کے گھوڑے بن کر رہ گئے اب وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم میں ایک نبی ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ اللہ کی قسم ہم اس مدعی نبوت پر ایمان نہ لائیں گے۔ جب تک ہمارے پاس بھی اس طرح وحی نہ آجائے جیسی اس کے پاس آتی ہے۔

اس پر اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی جس میں ولید بن مغیرہ کا بھی جواب ہو گیا اور ابو جہل کا بھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسالت و نبوت سے سرفراز کرنا یہ اللہ جل شانہ کے انتخاب اور اختیار سے متعلق ہے وہ جسے چاہتا ہے اس عہدہ سے سرفراز فرماتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ رسالت اور نبوت کا اہل کون ہے اور اس عہدہ جلیلہ کا تحمل کس میں ہے یہ کہنا کہ میں مستحق رسالت ہوں اللہ تعالیٰ پر

اعتراض کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کو جہل کی طرف منسوب کرتا ہے۔ جنہوں نے یہ اعتراض کیا ہے انہیں اللہ کے میاں ذلت پہنچے گی اور انہیں سخت سزا ملے گی۔

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ

۱۰۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ فرمائے اس کے سینہ کو ہدایت کے لیے کھول دیتا ہے اور جس کے بارے میں یہ ارادہ فرمائے کہ اس کو گمراہ

يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصْعَدُ فِي السَّمَاءِ ۚ كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ

فرمائے اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے۔ گویا کہ وہ بڑی تکلیف کے ساتھ آسمان میں چڑھ رہا ہے ایسے ہی ان لوگوں پر اللہ

الرَّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۵﴾

مذاب بھیج دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

صاحب ہدایت کا سینہ کشادہ اور گمراہ کا سینہ تنگ ہوتا ہے

آیت قرآنیہ سکر اور آیات تکوینیہ دیکھ کر بہت سے لوگ مسلمان ہو جاتے تھے اور اکثر کفر سے چمٹے رہتے تھے اس آیت میں اللہ رب العزت تعالیٰ شانہ نے یہ بتایا کہ اللہ جل شانہ جس شخص کو ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ اس کے دل میں اسلام کی طرف سے کوئی شک اور شبہ باقی نہیں رہتا۔ اور بلا پس و پیش سچے دل سے پورے اخلاص کے ساتھ قبول کر لیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ جسے گمراہی میں باقی رکھنا چاہے اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے اسلام کی دعوت سن کر اس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور اسلام قبول کرنے کی بات سامنے آتی ہے تو یہ اسے ایسا دو بھر اور دشوار معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ بڑی مصیبت کے ساتھ آسمان پر چڑھ رہا ہو۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت بالا تلاوت فرمائی پھر ارشاد فرمایا کہ جب نور سینہ میں داخل ہو جاتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا ایسی کوئی نشانی ہے جس کے ذریعہ اس کو پہچان لیا جائے۔ آپ نے فرمایا ہاں اس کی نشانی یہ ہے کہ دار الغرور (دنیا) سے دور رہے اور دار الخلود (ہمیشہ رہنے کی جگہ) کی طرف رجوع کرے اور موت سے پہلے اس کی تیاری کر لے۔ (رواہ الترمذی فی شعب الایمان کما فی المسند، ص ۴۶)

سینہ کی تنگی کا مطلب بتاتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو دل میں انقباض ہونے لگے اور گھبراہٹ محسوس ہو اور اگر بتوں کی عبادت کا ذکر آئے تو دل میں خوشی کی کیفیت طاری ہو۔ (ذکرہ فی معالم التنزیل)

معلوم ہوا کہ مومن کو اپنے ایمان پر شاداں فرحاں خوب خوش رہنا چاہئے ایمان اور ایمانیات کی وجہ سے دل میں خوشی کی لہریں دوڑتی رہیں۔

پھر فرمایا كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرَّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ اللہ ایسے ہی عذاب بھیج دیتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔

علماء تفسیر نے رجس کے کئی معنی کئے ہیں۔ روح المعانی میں اولاً عذاب اور خذلان کا ترجمہ کیا ہے۔ پھر حضرت مجاہد تابعیؒ سے نقل

کیا ہے کہ الرجس مالا خیر فیہ یعنی جس میں کوئی خیر نہ ہو وہ رجس ہے۔ پھر علامہ غیب الدہقان سے نقل کیا ہے کہ الرجس الشیء القدر یعنی گھناؤنی چیز۔ اور زجاج سے نقل کیا ہے ہو اللعنة فی الدنیا والعذاب فی الاخرة۔ یہاں پر سب معانی مراد ہو سکتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ پاک گمراہ شخص کا سینہ تنگ کر دیتا ہے اسی طرح ان لوگوں پر جس ذل دیتا ہے جنہیں ایمان لانا نہیں ہوتا۔

وَهَذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ۖ قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَذْكُرُونَ ﴿٦٠﴾ لَهُمْ

اور یہ آپ کے رب کا سیدھا راستہ ہے۔ یہ تنگ ہم نے واضح طور پر ان لوگوں کے لیے آیات بیان کر دی ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ ان کے لیے دارالسلام عند ربہم وهو ولیہم بما کانوا یعملون ﴿٦٠﴾ و یوم یحشرہم جمیعاً ۚ

سلامتی کا گھر ہے ان کے رب کے پاس، اور وہ ان کے اعمال کرتے ہیں ان کے سبب اللہ ان کا مددگار ہے۔ اور جس دن ان سب کو جمع کرے گا۔

یُبْعَثُ الْجَنِّ قَدْ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ ۚ وَقَالَ أُولَیئُہُمْ مِنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا

اے جنات کی جماعت تم نے انسانوں میں سے غیر تعدد کو اپنا تابع کر لیا۔ اور انسانوں میں جو ان کے دوست تھے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب

اسْتَمْتَعْ بِعُضْنَا بِبَعْضٍ وَبَلَعْنَا اَجَلَنَا الَّذِیْ اَجَلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوٰیكُمْ

ہم میں بعض نے بعض سے لطف حاصل کیا۔ اور ہم پہنچ گئے اس مقررہ ميعاد کو جو آپ نے ہمارے لیے مقرر فرمائی۔ فرمان خدا ہدی ہوگا کہ دوزخ تمہارا

خَلِیْدِیْنِ فِیْہَا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ ۚ اِنَّ رَبَّكَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿٦١﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ

نجانہ ہے۔ اس میں ہمیشہ رہو گے۔ سوائے اس کے جسے اللہ چاہے، بے شک تیرا رب حکمت والا ہے علم والا ہے۔ اور اسی طرح ہم بعض

الظَّالِمِیْنَ بِعُضْنَا بِمَا کَانُوا یَکْسِبُوْنَ ﴿٦١﴾

ظالموں کو بعض کا ولی بناتے ہیں کہ سب ان کے اعمال کے ثمرہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا راستہ سیدھا ہے

مؤمن اور کافر کا فرق بیان فرمانے کے اعداد صراط مستقیم کی دعوت دی جا رہی ہے۔

(دین اسلام) تیرے رب کا راستہ ہے جو سیدھا راستہ ہے اس میں کوئی کجی اور ٹیڑھاپن نہیں ہے اس کی دعوت بھی واضح ہے، جو لوگ نصیحت حاصل کرنے والے ہیں ان کے لیے واضح طور پر آیات بیان کر دیں۔ پھر صراط مستقیم پر چلنے والوں کے لیے دو انعام ذکر فرمائے۔ اول یہ کہ ان کے لیے اس کے رب کے پاس دارالسلام ہے۔

اہل ایمان کے لیے دارالسلام کا وعدہ..... دارالسلام کا معنی ہے سلامتی کا گھر۔ اور اس سے جنت مراد ہے جنت میں ہر طرح کے مصائب اور تکالیف سے سلامتی ہوگی۔ نہ جسمانی کوئی تکلیف ہوگی نہ روحانی۔ نہ آپس میں بغض ہوگا نہ کینہ ہوگا نہ حسد ہوگا نہ دشمنی ہو

گی، اور نہ نعمتوں کے ختم ہونے یا چھیننے کا اندیشہ ہوگا۔ جب جنت میں داخل ہوں گے تو فرمایا جائے گا اذْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ اٰمِیْنِ ۝ کہ داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ امن و امان کے حالت میں۔ اہل جنت کو اللہ کی طرف سے سلام آئے گا۔ جس کا تذکرہ کرتے ہوئے سورۃ یٰسین میں فرمایا سَلَمٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَجِیْمٍ ۝ فرمایا ہے۔ الحاصل! جنت! السلام ہے وہاں سلامتی ہی سلامتی ہے۔ جعلنا اللہ من اہلہا۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے..... دوسرے انعام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَهُوَ الَّذِیْ یُعَلِّمُ النَّاسَ لَیْسَ بِاللَّہِ مَا کَانَ یَعْمَلُوْنَ ۝ یعنی اللہ ان کا ولی ہے بسبب ان کے عمل کے جو وہ کرتے تھے۔

صاحب معالم القرآن ص ۱۳۰ ج ۷ میں لکھتے ہیں یٰسٰ لَا ہُمْ فِی الدُّنْیَا بِالْتَّوْفِیْقِ وَفِی الْاٰخِرَةِ بِالْحِزَّاءِ یعنی اللہ تعالیٰ دنیا میں ان کا ولی یعنی دوست ہے اور مددگار ہے جس نے ایمان کی توفیق دی اور آخرت میں بھی ان کا دوست ہوگا وہ انہیں ایمان کا بدلہ دے گا۔

قیامت کے دن جنات سے اور انسانوں سے سوال..... اس کے بعد قیامت کے دن جو سوالات ہوں گے ان میں سے ایک سوال کا ذکر فرمایا وَیَوْمَ نَخْشِرُہُمْ جَمِیْعًا کہ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو یعنی جنات اور انسانوں کو محشر میں جمع فرمانے گا اور جنات سے اللہ تعالیٰ کا یوں خطاب ہوگا یٰۤاَیُّهَا النَّفْسُ الَّتِیْ حَکَمَتْ بَیْنَ یَدَیْنِیْہِیْمَا اَلَمْ یَكُنْ لَّکِ اٰیٰتٌ مِّنْ قَبْلِ ہٰذَا اَلَمْ یَخْلُقْکَ مِنْ نَّارٍ مِّنْ قَبْلِ ہٰذَا اَلَمْ یَجْعَلْ لَّکَ سَمِیْعًا ۝ کہ میں تیرے بندوں میں سے حصہ مقررہ اپنا بنا لوں گا) یہ بھی کہا تھا لَا تَجِدُنَّ لَہُمْ صِرَاطًا لِّلْمُسْتَقِیْمِ ۝ ثَمَّ

لَا تَجِدُنَّہُمْ مِنْ نِّسْنِ اٰدِیْمِہُمْ وَمِنْ خَلْفِہُمْ وَغَنَ اٰمَانِہُمْ وَغَنَ شِمَالِہُمْ وَلَا تَجِدُ اَکْثَرُہُمْ شَاکِرِیْنَ ۝ (کہ میں ان کے لیے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ پھر ان کے پاس ان کے سامنے اور پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے آؤں گا اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے)

انہیں نے جو کہا تھا وہ برابر اپنی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اس کی ذریت بھی اس کی کوششوں میں اس کی معاون و مددگار ہے۔ اور انسانوں کی غفلت کی وجہ سے شیاطین اپنی محنت میں کامیاب ہیں انہوں نے اکثر انسانوں کو اپنا بنا لیا ہے اور صراط مستقیم سے ہٹا کر گمراہ کر دیا شیاطین انہیں سے اللہ جل شانہ فرمائیں گے کہ انسانوں میں سے کثیر تعداد کو تم نے اپنا بنا لیا۔ اور ان کو صراط مستقیم سے ہٹا دیا۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ کا یہ خطاب تو بخ کے طور پر ہوگا یعنی بطور ڈانٹ ڈپٹ ان سے یہ خطاب ہوگا۔ انسانوں کا جواب اور اقرار جرم..... وَفَیْ اُولٰٓئِکَہُمْ مِّنَ الْاَنْسِ رَبَّنَا اسْمَعْ بِغَضَبِنَا یٰبَعْضُ وَبَلَّغْنَا اٰجَلَنَا الَّذِیْ اٰجَلْنَا لَنَا (اور شیاطین کے دوست جو انسانوں میں سے تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم میں بعض سے بعض نے انقاع کیا) یعنی انسان جنات سے اور جنات انسانوں سے مشغع ہوئے۔

صاحب روح المعانی ص ۲۶ ج ۸ نے حضرت حسن اور ابن جریج وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ انسانوں کا جنات سے نفع حاصل کرنا یوں تھا کہ جب ان میں سے کوئی شخص سفر پر جاتا اور جنات کا خوف ہوتا تو جس منزل پر اتارنا ہوتا تو یوں کہتے کہ اَعُوْذُ بِسَبِّہِذَا الْوَادِی (کہ میں اس وادی کے سردار کی پناہ لیتا ہوں) اللہ کی پناہ لینے کی بجائے شیاطین کی پناہ لیتے تھے۔ اور شیاطین کا انسانوں سے نفع حاصل کرنا یہ تھا کہ جب یہ لوگ اَعُوْذُ بِسَبِّہِذَا الْوَادِی کہتے تھے تو جنات خوش ہوتے اور کہتے تھے کہ دیکھو انہوں نے ہم کو پناہ دینے پر قادر سمجھا اور جو پناہ اللہ سے مانگنی چاہتے تھے ہم سے مانگنی۔ انسانوں کا گروہ آپس میں ایک دوسرے سے نفع حاصل کرنے کا اقرار کرنے کے بعد یوں کہے گا



کہ وبلغنا اجلنا الذی آجلت لنا ط (اور ہم پہنچ گئے اس مقرر میعاد کو جو ہمارے لیے آپ نے مقرر فرمایا تھی) اس اجل یعنی مقررہ میعاد سے بعض حضرات نے موت اور بعض نے قیامت کا دن مراد لیا ہے انسانوں کا گروہ یہ بات بطور اقرار جرم کہے گا جس میں اظہار ندامت بھی ہے کہ ہم نے ایسا کیوں کیا! حسرت بھی ہے کہ اگر ایسا نہ کرتے تو اچھا ہوتا۔

قال الناز مٹو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ دوزخ تمہارے ٹھہرنے کی جگہ ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اٹلیس کو خطاب کر کے بتا دیا تھا لَا تَلْنَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبْعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِينَ ۝ (کہ میں ضرور دوزخ کو ٹھہروں گا تجھ سے اور ان تمام لوگوں سے جو تیرا اتباع کریں گے) یہ اعلان اسی وقت فرمایا تھا جب اٹلیس نے تکبر کیا اور اس نے بنی آدم کو بہکانے کی قسم کھا کر اپنا مضبوط ارادہ ظاہر کیا ..... اللہ تعالیٰ نے اس کے دعوے پر اسے اور اس کے ماننے والوں کو دوزخ میں بھیجے گا فیصلہ صادر فرمایا اسی کے مطابق آج دوزخ میں شیطان کے ماننے والوں میں ٹھکانہ ہوگا۔

خلدین فیہا (یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے) اَلَا مَسَاءَةٌ لِلّٰہِ (مگر یہ کہ جو اللہ چاہے) یعنی وہ چاہے تو دوزخ سے نکال سکتا ہے۔ مگر کافروں کو نہیں نکالے گا جیسا کہ دوسری آیت میں خلدین فیہا ابدا فرمایا۔

اِنَّ رَبَّنَا حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ (بے شک تیرا رب حکمت والا جاننے والا ہے) پھر فرمایا وَكَذٰلِكَ نُوَلِّیْ نَفْعُ الظَّالِمِیْنَ نِعْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (اور اس طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا ولی بناتے ہیں بسبب ان کے اعمال کے جو وہ کرتے تھے) نُوَلِّیْ نَفْعُ الظَّالِمِیْنَ کی تفسیر ..... نُوَلِّیْ کا یہ ترجمہ جواب بھی لکھا گیا حضرت قتادہ سے منقول ہے۔ صاحب معالم الترمیل نے ان سے نقل کیا ہے نَجْعَلُ نِعْمًا اَوْلِیَاءَ نِعْمٍ کہ ہم ظالموں کو آپس میں ایک دوسرے کا دوست بناتے ہیں۔ یہ معنی بھی صحیح ہے دنیا میں ہر وقت اس کا مظاہرہ ہے اور اسی دوستی کی وجہ سے آپس میں مل کر اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی میں ایک دوسرے کی معاونت کرتے رہتے ہیں۔

اور بعض حضرات نے نُوَلِّیْ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ظالموں کو ایک دوسرے سے قریب کر دیں گے۔ یعنی قیامت کے دن ایک ہی قسم کے لوگوں کی جماعتیں بنادی جائیں گی۔ پھر یہ جماعتیں دوزخ میں چلی جائیں گی۔ جیسا کہ سورۃ صافات میں فرمایا:

اٰخَشَرُوا الْاٰدِیْنَ ظَلَمُوْا وَاٰزَوْا جَهَنَّمَ ۝ وَمَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْذُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ ۝ (ظالموں کو اور ان کے ہم مشربوں کو اور ان معبودوں کو جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے جمع کرہ پھر ان کو دوزخ کا راستہ دکھاؤ اور سورۃ زمر میں فرمایا وَبَسِّیْ الْاٰدِیْنَ كُفَرُوْا اِلٰی جَهَنَّمَ زَمْرًا (اور جن لوگوں نے کفر کیا انہیں گروہ گروہ بنا کر دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا)

آیت کا ایک اور معنی بھی بعض مفسرین نے لکھا ہے۔ صاحب معالم الترمیل نے لکھا ہے اِی تَسْلُطُ بَعْضُ الظَّالِمِیْنَ عَلٰی بَعْضٍ کہ بعض ظالموں کو بعض دوسرے ظالموں پر مسلط کر دیتے ہیں اور ایک ظالم کو دوسرے ظالم کے ہاتھ سے سزا دے دیتے ہیں۔

یَعۡشَرُ الْجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اَلَمْ یَاۡتَکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَقۡضُوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیْ وَیُنۡذِرُوۡنَکُمۡ

۱۰۰۰ جنوں اور انسانوں کے گروہ کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے وہ میرے احکام بیان کرتے تھے اور تم کو اس دن

لِقَاءِ یَوْمِکُمۡ ہٰذَا قَالُوۡا شَہِدْنَا عَلٰۤی اَنۡفُسِنَا وَغَرَّبۡنَا الْحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا وَشَہِدُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ

کی ملاقات سے ڈراتے تھے، وہ جواب دیں گے کہ ہم جانوں پر گواہی دیتے ہیں، اور ان کو دنیا الی زندگی نے دھوکہ دیا۔ اور وہ اپنی جانوں پر گواہی

أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ۝ ذَلِكَ أَن لَّمْ يَكُنْ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَفِلُونَ ۝

دین کے کہ بلاشبہ وہ کافر تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ تیرا رب ہستیوں کو مٹانے کے سبب ہلاک کرنے والا نہیں ہے اس حال میں کہ وہاں کے لوگ بے خبر ہوں۔

وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مَّا عَمِلُوا ۖ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ۝ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ

اور ہر ایک طبقہ ان کے اعمال کے سبب درجات میں۔ اور تیرا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو کام وہ کرتے ہیں۔ اور تیرا رب غنی ہے رحمت والا ہے

ذُو الرَّحْمَةِ ۖ إِنَّ يَشَاءُ يَذْهَبَكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ مَنۢ بَعْدَكُمْ مَّا يَشَاءُ ۚ كَمَا أَنشَأَكُم مِّنۢ

آپ کو چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور تمہارے بعد تمہارے پیچھے جس کو چاہے آباد کر دے جیسا کہ اس نے تمہیں دوسری

ذُرِّيَّةٍ قَوْمٍ آخَرِينَ ۝ إِنَّ مَا تُوْعَدُونَ لَأَتِي ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝ قُلْ يَتَقَوْمُ

قوم کی نسل سے پیدا فرمایا۔ بلاشبہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور آنے والی چیز ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے۔ آپ فرما دیجئے

اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ ۖ إِنَّهُ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ مَن تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۖ

اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو بلاشبہ میں عمل کر رہا ہوں، سو عنقریب جان لو گے کہ کس کے لیے ہے اس عالم کا انجام کار،

إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝

بے شک کامیاب نہیں ہوتے ظالم لوگ۔

جن والنس سے سوال! کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے؟ اور ان کا اقرار جرم

ان آیات میں اول تو اللہ جل شانہ نے اپنے اس خطاب کا ذکر فرمایا جو جنات کی جماعت سے اور انسانوں سے قیامت کے دن ہوگا۔ دونوں جماعتوں کے مجرمین کا فرین جو میدانِ حشر میں موجود ہوں گے ان سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے جنات اور اے انسانو! کیا تمہارے پاس تم میں سے پیغمبر نہیں آئے جو تمہیں میرے احکام بتاتے تھے اور تمہیں آج کے دن کی حاضری اور اعمال کے نتائج سامنے آنے سے باخبر کرتے تھے اور تمہیں ڈراتے تھے کہ دیکھو ایک دن ایسا آنے والا ہے تم اس کے لیے فکر مند ہو جاؤ اور ایمان لاؤ۔

اول تو مجرمین اقرار جرم سے گریز ہی کریں گے۔ اور اپنے کفر و شرک کا انکار ہی کریں گے جیسا کہ دوسری آیت میں ان کا قول واللہ ربنا ما کننا مشرکین ذکر فرمایا ہے۔ پھر بعد میں اپنے ہاتھ پیروں کی گواہی سے اور اپنے نبیوں کی گواہی کی وجہ سے مجبور ہو کر اقرار کر لیں گے۔ جس کا تذکرہ اوپر آیت بالا میں فرمایا۔

قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنْفُسِنَا وَهٰكُنَّ لَكُم مَّا كُنَّا نَعْمَلُ ۚ کہ اپنی جانوں کے مقابلہ میں ہم گواہی دے رہے ہیں کہ واقعی ہم مجرم تھے اور واقعی ہم کافر تھے۔ درمیانِ کلام ان لوگوں کی گمراہی کا اور کفر و شرک پر جننے کا سبب بھی ذکر فرمایا۔

وَعَرَّئَهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ یعنی دنیا والی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ دنیاوی زندگی کو انہوں نے اصل سمجھا اور اس کے منافع اور ثمرات اور شہوات و لذات ہی کے پیچھے پڑے رہے۔ ایمان کی دعوت دینے والوں اور یومِ آخرت کی یاد دہانی کرانے والوں کی باتوں پر دھیان نہ دیا۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رُبُّكَ مُهْلِكًا النَّفْسَ یعنی یہ رسولوں کا بھیجنا اس وجہ سے ہے کہ تیرا رب بستیوں کو یعنی ان کے رہنے والوں کو ان کے ظلم کے سبب اس طرح ہلاک نہیں فرماتا تا کہ وہ لوگ اپنے ظلم کے انجام سے بے خبر ہوں۔

اللہ جل شانہ بغیر بھیجتا ہے جو لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں۔ تو حید اختیار کرنے والوں کا اچھا انجام اور مشرکوں و کافروں کا برا انجام بتاتے تھے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ سب کچھ بتا دینے کے بعد جب لوگ باز نہیں آتے تو اللہ پاک کی طرف سے ان لوگوں کی ہلاکت کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ ہلاکت کا سبب بھی بتا دیا کہ وہ ظلم ہے۔ ہر گناہ ظلم ہے اور کفر بھی ظلم ہے اور سب سے بڑا ظلم ہے۔

اعمال کے اعتبار سے لوگوں کے درجات مختلف ہیں..... پھر فرمایا وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مَّسَامٌ غَمْلُهَا (اور ہر ایک کے لیے اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے مختلف درجات ہیں) ثواب والوں کے بھی مختلف درجات ہیں اور عقاب والوں کے بھی، اور جس نے جو کچھ کیا اپنے اپنے عمل کے اعتبار سے جزا اور سزا پالے گا۔

وَمَا رَّبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ (اور تیرا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو وہ کرتے ہیں) اس میں یہ بات بتادی کہ حساب لینے والا اور جزا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے علم سے کسی کا کوئی عمل باہر نہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میرے سارے اعمال کا بدلہ کیسے ملے گا۔ کے خبر ہے کہ میں نے کیا کیا کیا؟ خوب سمجھ لیں کہ جسے جزا دینا ہے اسے سب کچھ معلوم ہے۔

اللہ تعالیٰ غنی ہے رحمت والا ہے..... پھر فرمایا وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ (تیرا رب غنی ہے بے نیاز ہے، رحمت والا ہے) اسے کسی چیز کی اور کسی کے عمل کی حاجت نہیں۔ ہاں! ساری مخلوق اس کی محتاج ہے وہ اپنی مخلوق پر رحم کرتا ہے اس نے مخلوق کو جو بھی بخشا، ان کو رزق بھی بخشا ہے اور ان کی حاجتیں بھی پوری فرماتا ہے، دنیا میں تو سب ہی پر اس کی رحمت ہے اور آخرت میں اہل اطاعت کے لیے مخصوص ہے۔

اللہ چاہے تو تمہیں ختم کر کے دوسرے لوگوں کو لے آئے..... اِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ (اگر پروردگار عالم جل مجدہ چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور تمہارے بعد دوسروں کو اپنی زمین پر آباد فرما دے) کَمَا اَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرٍ مِنْ (جیسا کہ اس نے تمہیں ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا فرما دیا) آج وہ تمہارے دادے پر دادے کہاں ہیں جن کی نسل سے تم ہو۔ جس طرح تدریجی طور پر پرانی ایک نسل کے بعد دوسری نسل لانے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ اسی طرح سے وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ دفعتاً سب کو ختم کر دے پھر اس کی جگہ دوسروں کو آباد کر دے وہ تو بے نیاز ہے تم تو بے نیاز نہیں ہو تم اپنی بھائیوں اس کے محتاج ہو اور حاجات پوری کرنے کے لیے تمہیں اس کی رحمت کی ضرورت ہے۔

دنیا میں بھی تم اس کے محتاج ہو اور موت کے بعد بھی۔ لہذا اپنی ضرورت سے ایمان قبول کر دو اور اعمال صالحہ اختیار کرو۔ قیامت ضرور آنے والی ہے..... پھر فرمایا اِنَّمَا تُوْعَدُونَ لَابَاطَ (بلاشبہ جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور آنے والی چیز ہے) یعنی قیامت اور حساب و کتاب اور عذاب و ثواب اور جنت و دوزخ کی جو خبریں تمہیں دی جا رہی ہیں اور تمہیں جو یہ بتایا جا رہا ہے کہ مؤمنین کی جزا ہے اور کافروں کی یہ سزا ہے یہ سب کچھ ہونے والا ہے سامنے آ جانے والا ہے۔ دیر لگنے کی وجہ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ یونہی باتیں ہیں۔

وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ (اور تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے) اور موت سے اور قیامت کے دن پیش آنے والے حالات سے جان

چھڑا کر کہیں جائیں سکتے۔ سورہ مریم میں فرمایا لَقَدْ اَحْصَيْنٰهُمْ وَعَذَّبْنٰهُمْ عَذَابًا مُّكْتَلَفًا اَتِيَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَرْدًا ۝ (اللہ تعالیٰ نے سب کو خوب اچھی طرح شمار میں رکھا ہے اور سب اس کے پاس ایک ایک ہو کر حاضر ہوں گے) بہت سے جاہل قیامت کا انکار کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ ہزاروں سال ہو گئے اب تک تو قیامت آئی نہیں یہ اتنا قانہ بات ہے خالق و مالک جل مجدہ کا وعدہ سچا ہے اس کے علم میں اس کا وقت مقرر ہے، اپنے وقت مقرر پر آنے لگی۔ کسی چیز کے وجود میں آنے میں دیر لگنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود نہ ہوگا۔

اپنی اپنی جگہ عمل کرتے رہو انجام کا پتہ چل جائے گا..... پھر فرمایا قُلْ يٰ قَوْمِ اَعْمَلُوا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ غَاصِلٌ ۭ (آپ فرما دیجئے کہ اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو میں بھی اپنے طور پر عمل کرتا ہوں) میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ کفر و شرک کا انجام برا ہے اس وقت تم نہیں مانتے فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ (سو عنقریب تم جان لو گے کہ اس عالم میں انجام کار کس کے لئے نفع مند ہوا) جب آنکھیں مچیں گی اس وقت آنکھیں کھلیں گی کہ نفع والا ہم اپنے کو سمجھ رہے تھے لیکن اب پتہ چلا کہ نفع والے ایمان اور اعمال صالحہ والے تھے لیکن وہاں سمجھ میں آتا ہے فائدہ ہوگا اسی دنیا میں سمجھ لیں اور ایمان لے آئیں تو نفع والے ہو جائیں اور آخرت کے خسارہ سے بچ جائیں گے۔

ظالم کامیاب نہیں ہوتے..... اِنَّهٗ لَا يَفْلِحُ الظَّالِمُوْنَ (بلاشبہ بات یہ کہ ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے) اس میں قاعدہ کلمیہ کے طور پر بتا دیا کہ ظالمین یعنی کافر، مشرک کامیاب نہ ہوں گے۔ کفر و شرک والے سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے فائدہ میں ہیں لیکن وہ حقیقت میں نقصان میں جا رہے اور خسارے میں پڑ رہے ہیں قیامت کے دن جب تباہ حال ہوں گے اسی وقت حقیقت حال کا پتہ چلے گا۔

کیا جنات میں سے رسول آئے ہیں؟..... فائدہ آیت شریفہ میں یہ جو فرمایا اَلَمْ یَا تَخُنْمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں بھی رسول انہی میں سے آتے رہے ہیں کیونکہ یہ خطاب انسانوں اور جنوں دونوں جماعتوں کو فرمایا ہے۔

حضرات مفسرین نے اس بارے میں علماء سلف کے مختلف اقوال نقل کئے۔ مفسر ابن کثیر نے ص ۷۷ ج ۲ بحوالہ ابن جریر، نجاک بن مزاحم سے نقل کیا ہے کہ جنات میں بھی رسول گذرے ہیں اور لکھا ہے کہ ان کا استدلال اسی آیت کریمہ سے ہے پھر لکھا کہ آیت اس معنی میں صریح نہیں ہے ہاں محتمل ہے۔ کیونکہ مِنْكُمْ کا معنی مِنْ جُمَّلِکُمْ بھی ہو سکتا ہے جس کا معنی ہوگا کہ مجموعہ انس و جن سے رسول بھیجے گئے جیسا کہ سورہ رحمن میں فرمایا یُنْزِلُ مِنْهُمْ الذُّلُوْلُوْا وَالْمَوْجَانُ ۝ اس میں مِنْهُمْ کی ضمیر بحرین کی طرف راجع ہے۔ حالانکہ الذُّلُوْا اور مرجان صرف شور سمندر سے نکلتے ہیں۔ اس اعتبار سے مِنْهُمْ یعنی مِنْ جُمَّلِکُمْ ہو اور رُسُلٌ مِّنْكُمْ سے بھی یہ معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔

مفسر ابن کثیر نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ جنات میں رسول نہیں آئے اور اس قول کو مجاہد اور ابن جریج وغیرہ واحد من السلف والختلف کی طرف منسوب کیا ہے اور روح المعانی ص ۲۸ ج ۸ میں بعض حضرات کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رُسُلٌ مِّنْكُمْ میں جو لفظ رُسُل آیا ہے یہ لفظ عام ہے یعنی حقیقی رسولوں کو اور رسولوں کے رسولوں کو شامل ہے، مطلب یہ ہے کہ جو حضرات اللہ کے رسول تھے (ﷺ) وہ اپنے طور پر دین حق کے پہنچانے کے لیے جن افراد کو امتوں کے پاس بھیجا کرتے تھے ان کو بھی رسول فرمایا یعنی جنات کی طرف جنات میں سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو مبلغ بھیجا کرتے تھے ان پر یہ لفظ رسولوں کا فرستادہ ہونے کے اعتبار سے صادق آتا ہے، رسول تو بنی آدم ہی میں سے تھے لیکن رسولوں کے ارسال فرمودہ نمائندے جنات میں سے بھی تھے۔

یہ تو معلوم ہے کہ بنی آدم سے پہلے اس دنیا میں جنات رہتے اور بستے تھے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ قوم بھی احکام خداوندی کی

مکلف ہے۔ جب یہ قوم مکلف ہے تو تبلیغ احکام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس رسول نہ بھیجے ہوں سمجھ میں نہیں آتا۔ بلکہ اِن مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ کا عموم اس بات کو بتاتا ہے کہ بنی آدم سے پہلے جنات میں انہیں میں سے رسول آتے ہوں گے۔ بنی آدم کے زمین پر آباد ہوجانے کے بعد جنات کو انہیں انبیاء اور رسل کے تابع فرما دیا ہو جو بنی آدم میں سے آتے رہتے تو یہ ممکن تو ہے لیکن قطعی ثبوت کے لیے کوئی دلیل نہیں۔

بہر حال جو بھی صورت ہو اس بات کو سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت خاتم النبیین سرور دو عالم ﷺ رسول الغفلین ہیں اور رہتی دنیا تک جس طرح انسانوں کی طرف مبعوث ہیں جنات کی طرف بھی مبعوث ہیں۔

سورۃ اہتاف کے آخر کروع میں حضرت خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں جنات کی حاضری کا تذکرہ پھر ان کا اپنی قوم کی طرف جانا اور ان کو اسلام کی دعوت دینا اُجِیْبُوْا ذِیْعِی اللّٰہِ وَاٰمِنُوْا بہ مذکور ہے۔

اور سورۃ الرحمن میں جنات سے بار بار خطاب ہونا اور آنحضرت ﷺ کا جنات کو سورۃ الرحمن سنانا اور ان کی دعوت پر ان کی جانے سکونت پر تشریف لے جا کر تعلیم دینا۔ اور تبلیغ فرمانا (جس کا احادیث شریف میں ذکر ہے) اس سے یہ بات خوب ظاہر اور بہت واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ جنات کی طرف بھی مبعوث ہیں جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ بنی آدم کے دنیا میں آباد ہوجانے کے بعد جنات کی ہدایت کے لیے بھی وہی رسول مبعوث تھے جو بنی آدم کی طرف بھیجے گئے ان کے اس قول کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ جب جنات کی جماعت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دے کر واپس ہوئی تو انہوں نے اپنی قوم سے جو باتیں کہیں ان میں یہ بھی تھا۔ یَنْقُومُنَا اِنَّا سَمِعْنَا کُتُبًا اَنْزَلَ مِنْ مَّبْعَدِ مُوسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ان کا اپنی قوم سے یہ کہنا کہ ہم نے ایسی کتاب سنی جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس کے سامنے ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنات تو ریت شریف پر عمل کرتے تھے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں خود ان میں سے کوئی رسول ہوتا تو وہ اسی کا اتباع کرتے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ مِمَّا ذَرَا مِنْ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا

اور ان لوگوں نے اللہ کے لیے ایک حصہ کھیتیوں اور مویشیوں میں سے مقرر کر دیا جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں، سو انہوں نے اپنے خیال سے

لِلّٰہِ بَزَعِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَکَآئِنَاۤ اِمَّاۤ اِلَی اللّٰہِ وَمَا

ہوں کہا کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لیے ہے سو جو ان کے معبودوں کے لیے ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا

كَانَ لِلّٰہِ فَهُوَ یَصِلُ اِلَی شُرَکَآئِهِمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ۝

اور جو اللہ کے لیے ہے سو وہ ان کے شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے لوگ برا فیصلہ کرتے ہیں۔

مشرکین نے کھیتیوں اور جانوروں کو شرک کا ذریعہ بنایا

مشرکین میں جو طرح طرح سے شرک پھیلا ہوا ہے۔ جسکی کئی صورتیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اپنے شرکاء یعنی اپنے باطل معبودوں کے نام پر کچھ مال نذر کر دیتے تھے۔ اور بہت سا مال ان پر بھیجتے کہ طور پر چڑھاتے تھے انکے ناموں پر جانوروں کے

کان کاٹ دیتے تھے اور ان کے نام سے بہت سے جانوروں کو آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ مشرکین میں اب بھی ایسے طریقے رائج ہیں۔ آیت بالا میں مالیاتی سلسلہ کے ایک شرک کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے کھیتیاں اور مویشی پیدا فرمائے ہیں اور یہ سب اسی کی ملکیت ہے۔ مشرکین یہ کرتے تھے کہ ان میں سے کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کر دیتے تھے کہ اسے صرف مسکین اور محتاج اور مسافر کھائیں گے اور کچھ حصہ اپنے معبودانِ باطلہ کے لیے مقرر کر دیتے تھے۔ اس کے مصارف بھی انہوں نے تجویز کر رکھے تھے۔ اب ہوتا یہ تھا کہ جو حصہ اللہ کے لیے مقرر کیا تھا اس میں کچھ حصہ اگر معبودانِ باطلہ کے حصہ میں مل گیا تو اسے تو ملا ہی رہنے دیتے تھے۔ اور اگر معبودانِ باطلہ والے حصہ میں کچھ حصہ اس حصہ میں مل جاتا جو اللہ کے لیے مقرر کیا تھا تو اسے جھٹ الگ کر لیتے تھے۔ پہلی حماقت اور ضلالت تو یہ کہ اللہ کے علاوہ معبود تجویز کر لئے پھر دوسری گمراہی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا فرمودہ چیزوں میں بہت سாமال معبودانِ باطلہ کے لیے نامزد کر دیا۔ پھر تیسری گمراہی یہ کہ اپنے بتوں اور باطل معبودوں کو خالق و مالک جل مجدہ کے مقابلہ میں فضیلت دے دی کہ اللہ تعالیٰ کا حصہ اگر ان کے حصہ میں مل جائے تو ملا ہی رہے۔ اور ان کے لیے جو حصہ مقرر کر لیا تھا اس میں سے اگر اللہ تعالیٰ کے حصہ میں کچھ مل جائے تو فوراً جدا کر لیتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا يَسْخَمُونَ کہ یہ لوگ برا فیصلہ کرتے ہیں۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ امت حاضرہ کا بھی کچھ ایسا ہی طریقہ کار ہے کہ جو وقت عبادت ذکر و تلاوت کے لیے مقرر کرتے ہو اس وقت میں دنیوی کام تو کر لیتے ہو اور جو وقت دنیا کے لیے مقرر کیا ہے اس میں سے ذکر و تلاوت میں لگانے کو تیار نہیں ہوتے۔

وَكَذَلِكَ زَيْنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتَلَ أَوْلَادَهُمْ شُرَكَائِهِمْ لِيُردُّوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ

اور اسی طرح مشرکین کے لیے ان کے شرکاء نے اولاد کا قتل کرنا مزین کر دیا تاکہ وہ ان کو ہلاک کر دیں اور تاکہ وہ ان پر ان کے

دینہم ۛ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ

دین کو رلا دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ سو آپ ان کو اور جو کچھ وہ افتراء کرتے ہیں اسے چھوڑ دیں۔ اور ان لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق یوں کہا کہ یہ مویشی ہیں

وَحَرَّتْ حَبْرٌ لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ نَّشَاءُ بَرِّهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّسَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَا

اور کھیتی ہے جس پر پابندی ہے اس کو بس وہی لوگ کھائیں گے جن کو ہم چاہیں۔ اور کچھ جانور ایسے ہیں جن کی پشتیں حرام کی گئی ہیں۔ اور کچھ جانور ایسے

يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ ۖ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۶﴾ وَقَالُوا

ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے عنقریب وہ انہیں سزا دے گا۔ بسبب اس کے کہ وہ افتراء کرتے ہیں، اور انہوں نے کہا

مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَرْوَاجِنَا وَإِنْ يَكُنْ مَيْتَةً

کہ جو کچھ ان جانوروں کے پیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں کیلئے خالص ہے اور ہماری بیویوں پر حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ اور اگر وہ مردار ہو تو وہ سب اس میں

فِهِمْ فِيهِ شُرَكَاءُ ۖ سَيَجْزِيهِمْ وَصَفَهُمْ ۖ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۱۷﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا

شریک ہیں۔ سو وہ انہیں عنقریب اس بات کی سزا دے گا جو بیان کرتے ہیں، بے شک وہ حکمت والا علم والا ہے، بے شک وہ لوگ خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے

أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَ حَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا

اپنی اولاد کو بے وقوفی سے بغیر علم کے قتل کیا اور اللہ نے انہیں جو رزق عطا فرمایا اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے اسے حرام قرار دے دیا یہ ٹک۔ وہ لوگ گمراہ ہوئے اور

وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۵۰﴾

وہ ہدایت پر چلنے والے نہیں ہیں۔

مشرکین کا اپنی اولاد کو قتل کرنا اور کھیتوں اور جانوروں کے بارے میں

اپنی طرف سے تحریم اور تحلیل کے قواعد بنانا

اس دنیا میں ہادی عالم رحمۃ للعالمین ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے پوری دنیا جہالت، ضلالت، سفاہت و کفر و شرک سے بھری ہوئی تھی۔ عرب کے لوگ مشرک بھی تھے اور جاہل بھی، ان میں جہالت اور جاہلیت دونوں پوری طرح جگہ پکڑے ہوئی تھی طرح طرح کی شرکیہ رسمیں نکال رکھی تھیں۔

جانوروں اور ان کے بچوں اور کھیتوں کے بارے میں طرح طرح کے افعال قبیحہ میں مبتلا تھے اور یہ افعال اور رسوم انہیں شیاطین الجن اور شیاطین الانس نے سمجھا رکھی تھیں جن میں بعض کا ذکر فلیتکون اذان الانعام میں اور بعض کا ذکر مَا أَهْلَ بِهِ لِبَغْيِ اللَّهِ میں اور بعض کا ذکر مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ مَبْجُورَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ (الآیۃ) میں اور بعض کا ذکر آیت وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا میں گنہگار کے ان آیات میں بھی ان کے چند افعال قبیحہ اور رسوم ذمیدہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔

اول تو یہ فرمایا کہ بہت سے مشرکین کو ان کے شرکاء یعنی شیاطین نے اس پر آمادہ کر دیا کہ اپنی اولاد کو قتل کریں اور ان کے اس عمل کو ان کی نظر میں مزین اور مستحسن کر دیا۔ اہل عرب بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور رزق کی تنگی کے ڈر سے بھی اولاد کو قتل کر دیتے تھے جیسا کہ وہ رکوع کے بعد یہ مضمون آ رہا ہے۔

شیاطین نے ان کی نظروں میں اولاد کے قتل کرنے کو ایسا مزین کر دیا تھا کہ وہ اس عمل میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے اور ذرا سی بھی مامتان کے دل میں نہیں آتی تھی جو قتل اولاد سے مانع ہو۔ شیاطین نے ان کو اس کام پر ڈالاکہ ان کو برباد کریں اس میں سب سے بڑی بربادی یہ ہے کہ آخرت کے عذاب کے مستحق ہوئے اور ایک طرح سے دنیاوی بربادی بھی ہے کیونکہ جب اولاد زندہ نہ چھوڑی جائے گی تو آئندہ نسلیں بھی نہ چلیں گی اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے اس میں نسل انسانی کی بربادی بھی ہے۔

لِيُرْذُوهُمْ (تاکہ انہیں برباد کریں) کے ساتھ وَلِيَلْبَسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ بھی فرمایا (تاکہ وہ ان پر ان کے دین کو رلامادیں)

معالم التنزیل ص ۱۲۴ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ لید خلوا علیہم الشک فی دینہم وکانوا علی دین اسماعیل علیہ السلام فرجعوا منہ بلبس الشیاطین۔ (تاکہ وہ انہیں اپنے دین کے بارے میں شک میں ڈالیں پنا چودہ طرف۔ مائیل اللہ کے دین پر تھے شیطان کی تلمیذ کی وجہ سے اس سے ہٹ گئے)

مطلب یہ ہے کہ ان کو شیاطین نے ان کے دین کے بارے میں شک میں ڈال دیا یہ لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر تھے۔ شیاطین کی تلمیذ کی وجہ سے اس دین کو چھوڑ بیٹھے۔ اس کے بعد مشرکین عرب کی ایک اور مشرکانہ حرکت کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ انہوں نے

میشیوں اور کھیتوں کے بارے میں پابندیاں لگا رکھی تھیں وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فلاں فلاں مویشی اور فلاں کھیتی کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں، وہ کہتے تھے کہ ان کو صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں جو کوہم چاہیں۔ اپنے خیال باطل کے موافق انہوں نے حرام حلال کے کچھ قوانین بنا رکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے جو چیز سب کے لیے حلال فرمائی اس کو بعض کے لیے حرام قرار دے دینا ظلم اور تعدی ہے اور اللہ تعالیٰ کے قوانین میں دخل دینا ہے اس کی قباحت بیان فرمائی۔ ..... مشرکین عرب نے یہ بھی کر رکھا تھا کہ بعض جانوروں کو سواری کے لیے استعمال کرنا حرام قرار دے رکھا تھا جس کی کچھ تفسیر آیت کریمہ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ مِنَ بَنِي جُودَةَ وَلَا سُلَيْمَةَ وَلَا وَصِيلَةَ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ یہ لوگ ان جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان پر سوار ہونے اور بار برداری کرنے کو حرام سمجھتے تھے اسی کو وَالْأَنْعَامَ حَرَمْتَ ظُهُورُهَا میں بیان فرمایا۔

کچھ جانور ایسے بھی تھے۔ جن کے بارے میں انہوں نے یہ طے کر رکھا تھا کہ جب ان کو ذبح کریں گے ان کے ذبح کے وقت اللہ کا نام نہیں لیں گے اور ایسی باتوں کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ حالانکہ یہ سب ان کے اپنے خود تراشیدہ خیالات تھے اسی کو فرمایا۔ وَالْأَنْعَامَ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءَ عَلَيْهِمْ پھر ان کی سزا کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ سَنَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ (اللہ تعالیٰ ان کو عنقریب سزا دے گا اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں)

مشرکین عرب نے جو حرام حلال کے خود ساختہ قوانین بنا رکھے تھے ان میں سے یہ بھی تھا کہ بعض جانوروں کے پیٹوں میں جو حبل ہوتا تھا اس کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب بچہ زندہ پیدا ہو جائے اور اگر بچہ مردہ پیدا ہو جاتا تو کہتے کہ اس کو مرد و عورت سب کھا سکتے ہیں۔ یعنی دونوں فریق کو اس کے کھانے کی اجازت ہے اس تحلیل اور تحریم کا قانون بھی انہوں نے خود ہی تجویز کر رکھا تھا جسے وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا میں بیان فرمایا۔ ان کے ان باطل خیالات کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا سَنَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ط (وہ انہیں عنقریب اس بات کی سزا دے گا جو وہ بیان کرتے ہیں بے شک وہ حکمت والا ہے علم والا ہے)

آخر میں فرمایا: قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفِيًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ط (بے شک خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے بغیر علم کے قتل کیا) وَحَسِرُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ غَيْرَ آئٍ عَلَى اللَّهِ (اور انہیں اللہ نے جو رزق عطا فرمایا اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے اسے حرام قرار دے دیا) قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ط (بے شک یہ لوگ گمراہ ہوئے اور ہدایت پر چلنے والے نہیں ہیں) اور جو مشرکین کے شرکیہ خیالات اور رسوم و اعمال اور خرافات مذکور ہوئے آخر میں ان کی گمراہی اور آخر دی سزا کا اجمالی تذکرہ فرمادیا کہ یہ لوگ بالکل خسارہ میں پڑ گئے دنیا میں گمراہ ہوئے اور آخرت کے عذاب کے مستوجب ہوئے ان کا کوئی حق نہیں تھا کہ اپنی اولاد کو قتل کریں۔ گو یہ باپ تھے لیکن اللہ تعالیٰ سب کا خالق و مالک ہے۔ قتل کرنے والے اور مقتول بچے سب اسی کی ملکیت ہیں۔ قاتلین نے اللہ کی مخلوق کو ناحق قتل کرنے کا پاپ اپنے ذمہ لیا۔

نیز انہوں نے اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو حرام قرار دیا اور اس تحریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ سب عذاب آخرت میں مبتلا ہونے کی باتیں ہیں۔

فائدہ..... لفظ شرکاء مشرکین کے معبودان باطلہ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے کیونکہ مشرکین نے ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا اور عبادت میں شریک کیا (العیاذ باللہ) اور شیاطین الجن اور شیاطین الانس کو بھی شرکاء فرمایا ہے۔ جن کے کہنے پر مشرکین چلتے ہیں اور یہ سمجھتے



ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کرتے ہیں۔

سورۃ الانعام میں ایک خطاب کا ذکر فرمایا جو مشرکین سے کیا جائے گا وَمَا نُرِيْكُمْ شُفَعَاءَكُمْ اِلَّا الَّذِيْنَ رَزَعْنٰهُمْ اَنْهُمْ فِيْكُمْ شُرَكَآؤُا ط لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ اور سورہ یونس میں فرمایا وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ اِيَّا نَا تَعْبُدُوْنَ ۝

قال البغوی فی معالم التنزیل سمیت الشیاطین شرکاء بانہم اطاعوہم فی معصیۃ اللہ واضیف الشرکاء الیہم لانہم اتخذوہا۔ (بغویٰ معالم التنزیل میں کہتے ہیں کہ شیاطین کو شرکاء اس لئے کہا کہ مشرکین نے اللہ کی نافرمانی میں ان کی اطاعت کی تھی اور شرکاء کی نسبت مشرکین کی طرف اس لئے کی کہ مشرکین ہی نے انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا تھا)۔

فائدہ..... آیت بالا سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ تمام اشیاء واجناس کی تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اسی نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا اور ان کے لیے استمتاع اور انتفاع کے لیے مختلف اشیاء پیدا فرمائیں اسے اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہے جس کے لیے حلال قرار دے اور جس کے لیے چاہے حرام قرار دے۔ بندوں کو کسی چیز کے حرام یا حلال قرار دینے کا اختیار نہیں جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خدائی اختیارات کو اپنے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں اس لئے اس مشرکانہ افعال میں شمار فرمایا اسمبلیوں میں قانون خداوندی کے خلاف جو لوگ قانون پاس کرتے ہیں وہ بھی مجرم ہیں۔

اہل بدعت مشرکین کی راہ پر..... مشرکین نے جو یہ تجویز کر رکھا تھا کہ فلاں چیز مردوں کے لیے حلال ہے اور عورتوں کے لیے حرام ہے اسی طرح کارسم و رواج آج بھی بہت سے اہل بدعت میں پایا جاتا ہے۔ ایک بزرگ کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے جو نیاز دی جاتی ہے اس سے آپ منع کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ (قطع نظر اس بات کے کہ یہ بہت سی بدعات بر مشتمل ہے اور دوسری نیازوں کا بھی یہی حال ہے) اس میں جو یہ قانون ہے کہ اس میں سے لڑکے نہیں کھا سکتے صرف عورتیں ہی کھا سکتی ہیں یہ وہی پابندی ہے جو مشرکین عرب نے جانوروں کے بارے میں تجویز کر رکھی تھی جو چیز اللہ تعالیٰ نے سب کے لیے حلال کی اس کو بعض کے لیے حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ کے قانون کی سخت خلاف ورزی ہے اور شرک ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَ جَنَّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرِ مَّعْرُوْشٰتٍ وَالتَّخْلَ وَالزَّرْعَ

اور وہ وہی ہے جس نے باغیچے پیدا فرمائے جو چڑھائے جاتے ہیں پھیریوں پر، اور ایسے بھی ہیں جو پھیریوں پر نہیں چڑھائے جاتے، اور پیدا فرمائے کھجور کے درخت اور کھیتی جس میں

مُخْتَلِفًا اُكْلُهُ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرَّیْحَانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرِ مُتَشَابِهٍ ۝ کُلُوْا مِنْ ثَمَرِہٖ اِذَا اَثَرَ ۝ وَاتَّقُوا

مختلف قسم کے کھانے کی چیزیں ہیں اور پیدا فرمایا زیتون کو اور انار کو جو ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور غیر مشابہ بھی ہیں۔ کھاؤ ان کے پھلوں سے جبکہ پھل لائیں اور کٹائی کے

حَقَّہٗ یَوْمَ حَصَادِہٖ ۝ وَلَا تَسْرِفُوْا ۝ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةٌ

دن اسکا حق دے۔ اور فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا اور اس نے چوپایوں میں سے ایسے جانور پیدا فرمائے جو بوجھ اٹھانے

وَقَرَشَاءُ ۝ کُلُوْا مِنْ ثَمَرِہٖ اِذَا اَثَرَ ۝ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ۝ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝

والے ہیں، اور ایسے جانور بھی جو زمین سے لگے ہوئے ہیں۔ اللہ نے جو تمہیں عطا فرمایا اس میں سے کھاؤ، شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا بوا دشمن ہے۔

## باغات اور کھیتیاں اور چوپائے انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے بڑے انعامات ہیں

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے اپنے ان انعامات کا تذکرہ بیان فرمایا جو اپنی مخلوق پر پھلوں اور کھیتوں کے ذریعے فرمائے ہیں۔  
 اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو طرح کے باغ پیدا فرمائے کچھ باغ ایسے ہیں جو مرد و شات ہیں یعنی ان کی بیلئیں جو چھپریوں پر  
 چڑھائی جاتی ہیں۔ جیسے انگوروں کی اور بعض سبزیوں کی بیلئیں، اور بہت سے باغ ایسے ہیں جن کی شاخیں اور پرنس چڑھائی جاتیں۔ اس  
 دوسری قسم میں کچھ درخت ایسے ہوتے ہیں جن کا تنا ہوتا ہے ان کی بیل ہی نہیں ہوتی جیسے زیتون، انار، انجیر، کھجور، آم اور جیسے گیہوں وغیرہ  
 جو اپنے مختصر سے تنے پر کھڑے رہتے ہیں اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کی بیلئیں تو ہوتی ہیں لیکن انہیں چھپریوں پر چڑھایا نہیں جاتا جیسے  
 کدو، خربوزہ، تر بوزہ وغیرہ اللہ تعالیٰ نے کسی درخت کو تنے والا بنایا اور کسی کو بیل والا اس سب میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔

جو سبزیاں بیل والی ہیں عموماً وہ بھاری ہوتی ہیں جیسے تر بوزہ وغیرہ۔ کھیتی کے بارے میں فرمایا: وَالزَّرْعُ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ کہ اللہ تعالیٰ  
 نے کھیتی پیدا فرمائی جس میں طرح طرح کے کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک ہی آب و ہوا اور ایک ہی زمین سے نکلنے والے غلوں میں کئی  
 قسم کا تفاوت ہوتا ہے پھر انکے فوائد اور خواص اور ذائقے بھی مختلف ہیں۔ صاحب معالم التنزیل ص ۳۵ ج ۲ پر لکھتے ہیں: ثمرة وطعمه  
 منها الحلو والحامض والجيد والردی۔

یعنی کھیتوں کے پھل مختلف ہیں کوئی میٹھا ہے، کوئی کھٹا ہے، کوئی بڑھیا ہے، کوئی ردی ہے۔ پھر فرمایا: وَالزَّيْتُونُ وَالرُّمَّانُ مُتَشَابِهًا  
 وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے زیتون اور انار پیدا فرمائے ان میں سے ایک جنس کے پھل دیکھنے میں دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں  
 لیکن مزے میں متشابہ نہیں ہوتے رنگ ایک اور مزہ مختلف ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: تَكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ الخ کہ اس کے پھلوں میں سے کھاؤ۔ جب وہ پھل لائے۔ وَأَتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ  
 اور کشتائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس حق سے پیداوار کی زکوٰۃ مراد ہے جو بعض صورتوں میں عشر یعنی ۱۰٪ اور بعض صورتوں  
 میں نصف العشر ۲۰٪ واجب ہوتی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ چونکہ آیت کریمہ مکہ ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی اس لئے  
 اس سے زکوٰۃ کے علاوہ جتنا جوں پر خرچ کرنا مراد ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ شروع میں کھیتی کاٹنے کے وقت غیر معین مقدار غریبوں کو دینا واجب تھا۔ پھر  
 یہ وجوب زکوٰۃ کی فرضیت سے منسوخ ہو گیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مذکورہ بالا آیت مدنیہ ہے (اگرچہ سورۃ مکہ ہے) اس صورت  
 میں پیداوار کی زکوٰۃ مراد لینا بھی درست ہے۔ (من روح المعانی ص ۳۸ ج ۸)

پیداوار کی زکوٰۃ کے مسائل سورۃ بقرہ کی آیت: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اَنفِقُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنْ  
 الْاَرْضِ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

پھر فرمایا وَلَا تُسْرِفُوا (اور حد سے آگے مت بڑھو) بے شک حد سے آگے بڑھنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا) عربی میں اسراف حد  
 سے آگے بڑھنے کو کہتے ہیں۔ عام طور پر سے اس لفظ کا ترجمہ فضول خرچی سے کیا جاتا ہے اور چونکہ اس میں بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے  
 اس لیے یہ معنی بھی صحیح ہے۔

اور فضول خرچی کے علاوہ جن افعال اور اعمال میں حد سے آگے بڑھا جائے ان سب کے بارے لفظ اسراف مستعمل ہوتا ہے۔ اگر

سارا ہی مال فقرا کو دے دے اور تنگ دستی کی تاب نہ دے تو یہ بھی اسراف میں شمار ہوتا ہے۔

صاحب روح المعانی نے ص ۳۸ ج ۸ پر حضرت ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شامس کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے ایک دن کھجوروں کے باغ میں پھل توڑے اور کہنے لگے کہ آج جو بھی شخص آئے گا اسے ضرور دے دوں گا ایک آتے رہے اور یہ دیتے رہے حتیٰ کہ شام کے وقت ان کے پاس کچھ بھی نہ بچا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

حضرت ابو مسلم نے فرمایا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ کٹائی سے پہلے پیداوار میں سے مت کھاؤ کیونکہ اس سے فقراء کے حق میں کمی آئے گی۔ حضرت ابن شہاب زہری نے آیت کا مطلب یہ بتایا کہ پیداوار کو گناہوں میں خرچ نہ کرو۔ پھر اس انی کو ذکر فرمایا جو انسانوں پر ولایتیوں کے ذریعہ فرمایا ہے اول تو یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ جانور ایسے پیدا فرمائے جو مولہ ہیں یعنی بار برداری کا کام کرتے ہیں اور ان کے قد بھی بڑے ہیں اور دوسری قسم کے جانور وہ ہیں جن کے قد چھوٹے ہیں گویا کہ دوزمین پر نیچے ہونے میں ان پر ابھرتے ہیں لا ادا جاسکتا۔ جیسے کہ بھیڑ بکری اور دنب، ان چھوٹے قسم کے جانوروں پر سامان تو نہیں لا ادا جاسکتا لیکن ان کے دوسرے فائدے ہیں۔ ان کا دودھ پیاجا سکتا ہے گوشت کھایا جاتا ہے۔ اور بڑے جانوروں کی نسبت ان کا گوشت عمدہ ہوتا ہے اور ان کے بالوں سے اوزن بننے پٹنے اور بچانے کے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا:

كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمْ اللَّهُ وَلَا تَبْغُوا خَطَايَا الشَّيْطَانِ (اللہ نے جو رزق دیا ہے اسے کھاؤ) اور اللہ کے قانون میں دخل نہ دو۔ جو اللہ کی شریعت میں حلال ہے اسے حلال رہنے دو۔ اور جو حرام ہے اسے حرام رہنے دو اور اپنے باپ دادوں کی طرح شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کرو) جانوروں اور کھیتیوں کے سلسلہ میں جو انہوں نے روم قیچہ شریک نکال رکھی تھیں انہیں اختیار مت کرو۔ اِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ ب شک شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

تُسْنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الصَّانِ اثْنَيْنِ ۚ وَمِنَ الْمَعْرِاثَيْنِ ۚ قُلْ ۤاِنَّ الدَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمْرٌ

انچ طرح کے ترا اور مادہ پیدا فرمائے کیا بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو، آپ فرمائیے کہ اللہ نے ان دونوں نرؤں کو حرام

الْاُنثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنثَيَيْنِ ۚ نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

قرار دیا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس بچہ کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہوئے ہوں، تم مجھے کسی دلیل سے بتاؤ اگر سچے ہو۔

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۚ قُلْ ۤاِنَّ الدَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمْرٌ اَلْاُنثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ

اور اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو پیدا فرمائے آپ فرمائیے کیا اللہ نے ان دونوں نرؤں کو حرام قرار دیا ہے یا دونوں مادہ

عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنثَيَيْنِ ۚ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ وَصَّيْكُمْ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّن

کو یا اس بچہ کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہوئے ہیں۔ کیا تم حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں اس کی وصیت فرمائی۔ سو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جس

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

نے اللہ پر جھوٹا بیعتان باندھا، تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے بے شک اللہ ظالموں کو راہ نہیں بتاتا۔

جانوروں کی آٹھ قسمیں ہیں ان میں مشرکین نے اپنے طور پر تحریم اور تحلیل کر دی

مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ان جانوروں کی آٹھ قسمیں پیدا فرمائیں جنہیں تم استعمال کرتے ہو جن کا دودھ پیتے ہو، گوشت کھاتے ہو۔ ان میں سے دو قسمیں بھیڑ سے پیدا فرمائیں یعنی نراور مادہ، اور دو قسمیں بکری سے پیدا فرمائیں یعنی نراور مادہ، اور دو قسمیں اونٹ کی پیدا فرمائیں یعنی نراور مادہ، اور دو قسمیں گائے کی پیدا فرمائیں۔ یعنی نراور مادہ اب ان جانوروں کی تحلیل و تحریم تم نے اپنے پاس سے کر لی تم نے کوئی شرط اور قید لگا کر نرہ کو حرام قرار دے دیا۔ کبھی ان کے جوڑوں یعنی مادہ جانوروں کو حرام قرار دے دیا۔ پھر اپنی اس حرکت کو اللہ جل شانہ کی طرف منسوب کرتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ تحلیل و تحریم اللہ کی طرف سے ہے۔ بتلو اللہ نے ان کے نرہ کو حرام قرار دیا ہے یا ان کی مادوں کو یا اس چیز کو جس پر مادوں کے رحم مشتمل ہوتے ہیں یعنی نراور مادہ دونوں کو اس تحریم کی نسبت تم نے اللہ کی طرف کیسے کی؟ اگر تم سچے ہو تو اس کی دلیل لاؤ، کیا تم اس وقت موجود تھے جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیان کے مطابق ان کو حرام قرار دیا اور تم سے فرمایا کہ یہ چیزیں حرام ہیں؟ ظاہر ہے کہ نہ اللہ نے ان کو حرام قرار دیا اور نہ تمہارے پاس اس کی دلیل ہے اور نہ اللہ تعالیٰ نے تم کو بتایا ہے کہ یہ چیز تم پر حرام ہے۔ تم نے خود ہی شرطیں اور قیدیں لگا کر بعض جانوروں کو بعض صورتوں میں بعض افراد کے لیے حرام قرار دیا اور ساتھ ہی اس کو اللہ کی طرف منسوب کر دیا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بولے؟ یہ جھوٹا شخص بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے جو صریح ظلم ہے اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو آخرت میں جنت کی راہ نہیں دکھائے گا کیونکہ دنیا میں کفر اختیار کر کے دوزخ کے مستحق ہو گئے۔

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا

آپ فرما دیجئے جو کچھ میری طرف وحی بھیجی گئی میں اس میں کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا۔ سوائے اس کے کہ مردار ہو یا میتا ہوا خون ہو یا سور کا

مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۖ فَمِنْ اضْطَرَّ غَيْرَ بَاغٍ

گوشت ہو۔ کیونکہ بلاشبہ وہ ناپاک ہے یا ایسی چیز کو حرام پاتا ہوں جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو جو شخص حالت اضطراری میں ہو اس حال میں کہ باغی

وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ

اور حد سے آگے بڑھنے والا نہیں سو تیرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناکھ والا جانور حرام کر دیا اور گائے اور بکری میں

وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ

سے ہم نے ان پر ان دونوں کی چھبیاں حرام کر دیں۔ سوائے انکے جو ان کی پشت پر بالکی آنکھوں پر لگی ہوئی ہو یا جو بڑی کے ساتھ مل جائے یہ ہم نے انکی بغالت کی وجہ سے انکو جزا دی۔

ذَلِكَ جَزَيْنَهُمْ بِغَيْرِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَدِيقُونَ ۝ فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ ۖ

اور بے شک ہم سچے ہیں۔ سو اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیں کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے۔

وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ۝

اور اس کا عذاب مجرموں سے نہیں ٹالا جائے گا۔

## کیا کیا چیزیں حرام ہیں

مشرکین عرب نے جانوروں کے کھانے پینے اور استعمال کرنے میں جو اپنی طرف سے تحریم و تحلیل کا معاملہ کر لیا تھا جس کا اوپر کی آیات میں ذکر ہو چکا ہے۔ اس کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میرے رب نے میری طرف جو جی بھیجی ہے میں اس میں صرف ان چیزوں کو حرام پاتا ہوں۔

اول: مردار (جو جانور خود اپنی موت سے مر جائے)

دوم: دم، مسفوح یعنی بننے والا خون (یہ قید اس لئے لگائی کہ ذبح شرعی کے بعد جو خون گوشت میں لگا رہ جاتا ہے اس کا کھانا جائز ہے۔ نیز تلی اور جگر کا کھانا جائز ہے، یہ دونوں اگرچہ خون ہیں لیکن منجمد ہونے کی وجہ سے دم مسفوح نہیں رہے)

سوم: خنزیر کا گوشت۔ اس کے بارے میں فَاتَهُ رَجُسٌ فرمایا کہ وہ پورا کا پورا کج معجزہ ناپاک ہے۔ اس کا گوشت چربی ہڈی بال کوئی چیز بھی پاک نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نجس العین ہے اس لئے ذبح کر دینے سے بھی اس کی کوئی چیز پاک نہ ہوگی۔ برخلاف دوسرے جانوروں کے اگر وہ بلا ذبح بھی مر جائیں تب بھی ان کے بال اور ہڈی پاک ہیں۔

چہارم: وہ جانور جس پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ چار چیزوں کی حرمت بیان فرما کر حالت اضطراری میں ذرا سا کھا لینے کی اجازت دے دی جس سے دو چار لقمے کھا کر وقتی طور پر جان بچ جائے اور وہاں سے اٹھ کر حلال کھانے کی جگہ تک پہنچ سکے۔

ان چیزوں کی توضیح اور تشریح سورہ بقرہ کی آیت اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ ط (رکوع ۲۱) اور سورہ مائدہ کی آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ (رکوع اول) کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

آیت بالا میں یہ بتایا ہے کہ کسی چیز کی حرمت وحلت کا فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہو سکتا ہے اور وحی صرف انبیاء کرام علیہم السلام پر ہی آتی تھی۔ آنحضرت ﷺ آخر الانبیاء تھے۔ اس لئے اللہ کی وحی کا انحصار صرف آپ پر ہو گیا اور آپ پر اس وقت تک جو وحی آئی تھی اس کے موافق صرف مذکورہ بالا چار چیزیں حرام تھیں بعد میں دوسری چیزوں کی حرمت بھی نازل ہوئی جو سورہ مائدہ میں مذکور ہیں۔

حلت اور حرمت کا اصول اجمالی طور پر سورہ اعراف میں يُحَلِّلُ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ فرما کر بیان فرمادیا ہے۔ لہذا کوئی شخص آیت بالا سے یہ استدلال نہیں کر سکتا کہ مذکورہ بالا چار چیزوں کے علاوہ باقی سب حلال ہیں کیونکہ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا اور اس کے بعد بہت سے احکام نازل ہوئے۔

یہودیوں پر ان کی بغاوت کی وجہ سے بعض چیزیں حرام کر دی گئی تھیں..... پھر بعض ان چیزوں کا تذکرہ فرمایا جو یہودیوں پر حرام کر دی گئی تھیں اور امت محمدیہ کے لیے حلال ہیں۔ ان حرام کردہ چیزوں میں اول تو وہ جانور تھے جو ناخن والے ہیں۔ ناخن والے جانوروں سے وہ جانور مراد ہیں جن کا پنجہ یا کھر پھٹا ہوا نہ ہو۔ جیسے اونٹ اور شتر مرغ، مرغابی اور بطخ۔

حضرت ابن عباسؓ، حضرت سعید بن جبیرؓ، حضرت قتادہؓ اور حضرت مجاہدؓ نے اس کی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ اونٹ کے بارے میں گذر چکا ہے کہ ملت ابراہیمیہ میں یہ حلال تھا پھر حضرت اسرائیلؑ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کو اپنے نفس پر حرام قرار دے دیا تھا۔ پھر روایتی طور پر ان کی اولاد میں اونٹ کی حرمت چلی آئی۔

پھر شریعت موسویہ میں بھی بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام رہا قال النسفی فی المدارک فلما نزلت التوراة علی موسیٰ حرم علیہم فیہا لحوم الابل والبانہا لتحریم اسرائیل ذالک علی نفسہ۔ (راجع تفسیر قولہ تعالیٰ

كُلِّ الطَّعَامِ كَانَ جَلًا لَيْسَ اِسْرَآءِ بَلِ الْآيَةِ (تفسیر مدارک میں علامہ نسفی فرماتے ہیں پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی تو اس میں بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام کر دیا گیا تھا کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ چیزیں اپنے اوپر حرام کی تھیں) پھر فرمایا وَمِنْ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرْمًا عَلَيْهِمْ شَحْوْمُهُمَا اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا اَوِ الْحَوَايَا (فیل جمع حاویہ کنراویہ و زوبا و وزنه فواعل۔ واصلہ حواوی فقلبت الواو الی ہی عین الکلمۃ همزة لا نہا ثانی حرفی لبن۔ اکتفامدۃ مفاعل ثم فلت الهمزة المكسورة یاء ثم ففتح لثقل الكسرة علی یاء فقلبت الباء الاخرة الفالفتح کھا بعد فتحة فصارت حوايا او قلبت الواو همزة مفتوحة ثم الباء الاخرة الفالهمزة یاء لوقوعها بین الفین کما فعل بخطابا۔) بعض نے کہا حوايا۔ حاویہ کی جمع ہے جیسے زوايا، زاویہ کی جمع ہے بروزن فواعل اور اصل میں حواوی تھا پھر واو جو بین کلمہ ہے اسے ہمزہ سے تبدیل کیا گیا کیونکہ وہ بین کا دوسرا حرف ہے تو اس طرح وہ مدہ بن گیا۔ پھر ہمزہ مکسورہ کو یاء سے تبدیل کیا پھر آخری یا کو متحرک مائل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے تبدیل کیا تو وہ حوايا بن گیا یا داو کو ہمزہ مفتوحہ سے تبدیل کیا پھر آخری یاء کو الف سے تبدیل کیا پھر دو الفوں کے درمیان ہونے کی وجہ سے یاء کیا گیا جیسا کہ خطایا کے ساتھ کیا گیا) (ذکر صاحب الریح ص ۴۸ ج ۸) اَوْ مَا اَخْتَلَطَ بِعَظْمٍ۔ گایوں اور بکریوں کا گوشت تو یہودیوں کیلئے حلال تھا البتہ ان کی چربیوں حلال نہ تھیں۔ صرف وہ چربی حلال تھی جو ان کی پشت پر ہو یا ان کی آنتوں میں لگی ہوئی ہو یا جو ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔

پھر فرمایا ذَلِكْ جَزَاءُ مَا كَفَرْتُمْ بِهِمْ۔ کہ ہم نے ان کو یہ سزا ان کے ظلم و زیادتی کی وجہ سے دی وَاِنَّا لَصَدِيقُونَ اور بلاشبہ ہم سچے ہیں یہ مضمون سورۃ نساء میں بھی گزر چکا ہے وہاں ارشاد ہے فَبَطَلْهُمْ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادَوْا خَرُّمًا عَلَيْهِمْ طَبِيبٌ اُحْلَتْ لَهُمْ (سوہم نے یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ان پر حرام کر دیں یا کیزہ چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بغاوت کرنا اور گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرنا پاکیزہ چیزوں سے محرومی کا سبب ہے یہودیوں پر تو تشریعی طور پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دی تھیں لیکن خاتم النبیین ﷺ پر نبوت ختم ہو جانے کی وجہ سے اب تشریعی طور پر کوئی حلال چیز حرام نہیں ہو سکتی لعدم احتمال النسخ البتہ نگوینی طور پر طیبات سے محرومی ہو سکتی ہے۔ اور نبوتی رہتی ہے جس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اس کے اسباب مختلف بن جاتے ہیں۔ اسکے بعد فرمایا فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَبِّكُمْ ذُوْرُ حَمِيٍّ وَّاسِعَةٍ ط یعنی اگر وہ آپ کی تکذیب کریں اور تکذیب کے لیے بہانہ بنائیں کہ اگر آپ سچے ہیں اور ہم مجرم ہیں تو ہم پر اللہ کا عذاب کیوں نہیں آتا تو آپ ان کو جواب دے دیں کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق جب چاہتا ہے عذاب بھیجتا ہے اس کی طرف سے سزا دینے میں ڈھیل دیا جانا اس بات کی دلیل نہیں کہ تمہارا مؤاخذہ نہ ہوگا۔ جب اس کا عذاب آتا ہے تو وہ ٹالنا نہیں جاسکتا۔ مجرمین جب گرفتار عذاب ہوتے ہیں تو ان کا چھٹکارہ نہیں ہوتا۔

سَيَقُولُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكْنَا وَلَا اٰبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ

جن لوگوں نے شرک کیا وہ غلط یہ یوں کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے،

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذٰقُوْا اٰسَآءَ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ

اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب کچھ لیا۔ آپ فرما دیجئے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے۔ سو تم اسے

فَتَخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ فِلِلّٰهِ الْحُجَّةُ

ہمارے سامنے ظاہر کرو۔ تم صرف گمان کے پیچھے چلتے ہو اور صرف اگلے سے باتیں کرتے ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی کے لیے ہے

الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَّيْكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۰﴾ قُلْ هَلَمْ شَهِدَآءُكُمْ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ

ہے۔ اور یہ آیت تو تم سے کہہ دیت ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ میں نے یہ آیت کو ان لوگوں کو جو اس آیت کو سنیں کہ یہ ہے کہ

اللَّهُ حَرَّمَ هَذَا فَإِنْ شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدُ مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا

اللہ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ اور جو کوئی اس سے پیروی کرے گا اس کے ساتھ ہم شہادت نہیں دیں گے۔ اور آپ ان لوگوں کی خواہش کا اتباع نہ کریں جنہوں نے ہماری آیت کو چیلایا

وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ يَرِيبُهُمْ يَعْدِلُونَ ﴿۱۱﴾

اور جو غیر متحکم ہیں۔ ایمان نہیں لائے اور وہ سب لوگوں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

### مشرکین کی کٹ جاتی

انسان کا کچھ ایسا مزاج ہے کہ گناہ بھی کرتا ہے اور اس کے ساتھ جہت بازی بھی، اور وہ چاہتا ہے کہ اپنی رائے اور اپنی طبیعت کے مطابق کام بھی کرتا رہوں اور جو شخص گناہ گاری پر مذہب کرے جواب دے کہ اس کا منہ بھی بند کر دوں، اور اس کے لیے طرح طرح کی دلیلیں تراشتا ہے اور جہتیں نکالتا ہے۔ مشرکین کو جب بتایا گیا کہ تم خالق و مالک جل مجدہ کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ حالانکہ وہی خالق و مالک اور رازق ہے اور تم اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تحریم کی رستیں جاری کرتے ہو اور حلال چیزوں کو حرام قرار دیتے ہو تو اس کے جواب میں مشرکین نے یہ جہت نکالی کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے۔ ہم نے اور ہمارے باپ دادوں نے جو شرک کیا اور جو حلال چیزوں کو حرام قرار دے دیا یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوا، اگر وہ ہمارے اس عقیدہ و عمل سے ناراض ہوتا تو ہمیں کیوں کرنے دیتا۔

ان کی دلیلیں کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے ان عقائد اور اعمال سے ناراض ہے تو ہمیں ان کاموں کو کرنے ہی نہ دینا۔ اس کے جواب میں فرمایا۔ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان لوگوں نے جہت نکالی اور رسولوں کی تکذیب کی یہاں تک کہ ہمارا عذاب چکھ لیا اسی طرح یہ لوگ بھی تکذیب کر رہے ہیں ان کو بھی عذاب کا منتظر بننا چاہیے۔ ان لوگوں نے جو اپنے عمل اور عقیدہ کے بارے میں دلیل دی ہے کہ اللہ راضی نہ ہوتا تو ہمیں شرک پر کیوں قائم رہنے دیتا اس کے جواب میں فرمایا۔

قُلْ هَلْ عَسَدْتُمْ مَنِ عَلِمَ فَنُخِرَ بْجُودًا لَّمَّا (آپ فرما دیجئے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے تم ہمارے لیے ظاہر کرو) یہ استفہام اذکاری ہے مشابہ یہ ہے کہ تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے جس پر تمہاری جہت کی بنیاد ہو۔ اِنْ تَبْغُضُونَ اِلَّا الظَّنَّ تم صرف گمان کے پیچھے چلتے ہو۔ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُضُونَ اور اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ تم انکل سے بات کرتے ہو۔

یہ جو تم نے دلیل دی ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی نہ ہوتا تو ہمیں دین شرک پر کیوں قائم رہنے دیتا اور تم اپنی طرف سے چیزوں کو کیوں حرام قرار دیتے؟ یہ دلیل جابلہ نہ ہے محض تمہارا ایک خیال ہے اور محض ایک انکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دنیا میں ابتلاء اور امتحان کے لیے بھیجا اور امتحان اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ عمل کرنے والوں کو احکام دے دیے جائیں اور اوامر و نہی پہنچا دیئے جائیں ان کو عمل کرنے کا اختیار بھی ہو اور نہ کرنے کا بھی۔ اگر انسان کو کوئی طور پر مجبور کر دیا جاتا کہ خواہی مخواہی فلاں عمل ضروری کرے اور عمل کرنے نہ

کرنے کا اختیار نہ ہوتا جگہ نقل کرنے پر مجبور ہونا تو ابتلا، اور امتحان کیسے ہوتا؟

اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ ہوا کہ اس نے عقل اور ہوش دے دیا مگر کرنے کی قوت دے دی اور کرنے نہ کرنے کا اختیار بھی دے دیا۔ اب جو شخص شرک اختیار کرتا ہے اور اپنے پاس سے تحلیل و تحریم کرتا ہے وہ اپنے اختیار سے کرنے کی وجہ سے ماخوذ ہے۔ - و تا تو سب کچھ اللہ کی مشیت دار وہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو کچھ وہ خود میں آئے اللہ اس سے راضی بھی ہے۔ راضی ان اعمال سے ہے جن کے بارے میں اپنی کتابوں اور رسالوں کے ذریعہ صاف صاف بتا دیا کہ یہ عقائد اور اعمال میری رضا کے ہیں، جو عقائد غلط ہیں اور جو افعال ممنوع ہیں وہ ان سے راضی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حجت بالذبح ہے..... پھر فرمایا قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ (آپ فرما دیجئے! کہ اللہ ہی کے لیے حجت بالذبح ہے) یعنی اللہ ہی کی حجت اپوری ہے اور تمہاری کٹ تجھی غلط ہے۔

فلنؤثّر لہذا تخم اجمعین o (اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت پر لے آتا) لیکن چونکہ حق اور باطل دونوں کے وجود میں آنے اور باہمی ایک دوسرے کے مقابل چلنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں اس لئے اس نے ایصال الی المطلوب والی ہدایت سے سب کو نہیں نوازا، البتہ راہ حق بتانے والی ہدایت سب کے لیے عام ہے۔

پھر فرمایا قُلْ هَلَمْ شَهِدَآءُكُمْ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَذَا (آپ فرمادیجئے کہ اپنے گواہوں کو کہو کہ جن کا تم اتباع کرتے ہو اور جن کی باتوں پر چلتے ہو اور ان سے کہو کہ اس بات کی گواہی دیں کہ یہ چیزیں جو تم نے حرام قرار دے رکھی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے لیکن وہ گواہی نہیں دے سکتے۔

فَإِنْ تَطَهَّرُوا فَلَا تَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ ۖ سَبَّ الْفَرِثُ أَكْرِيَهُ لَوْ كَانُوا يَدْرُسُونَ ۚ

کیونکہ ان کی گواہی محض جھوٹ ہوگی وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يُعْتَدِلُونَ ۝ (آپ ان لوگوں کی خواہش کی اتباع نہ کریں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اپنے رب کے برابر دوسروں کو ٹھہراتے ہیں) اس میں ایسی خواہشوں کا اتباع کرنے والوں کا یعنی کافروں اور مشرکوں کے اتباع سے منع فرمایا۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّيَ عَلَيْكُمْ إِلَّا تَشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ

آپ فرما: نتیجہ کہ آدم میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر بتاؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں، یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہراؤ اور

بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِمَّنْ إِمْلَاقٍ ۚ نَحْنُ نَرْتَرُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرُبُوا

اپنے والدین کے ساتھ احسان کرو اور اپنی اولاد کو نیک دینی کے ذریعے نقل نہ کرو۔ ہم تم کو بڑی باتیں کہیں گے اور ان کو بھی ۔ اور مست قریب جاؤ۔

اَلْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطْنٌ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۗ

بے حیائی کے کاموں کے جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور مست قتل کرو اس جان کو جسے اللہ نے حرام قرار دیا مگر حق کے ساتھ ۔

ذَلِكُمْ وَصَّكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٥٠﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ

یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم قتل سے کام نہ لو۔ اور مت قریب جاؤ، بیشک کمال کے مٹرائی طریقہ سے جو اچھا بنو۔ یہاں تک



يَبْلُغْ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا تَكِلُفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَإِذَا

کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائے۔ تاپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ بھل کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ اور جب تم

قَلْتُمْ فَأَعِدُّوا ۖ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَيَعْهَدُ اللَّهُ أَوْفُوا ۖ ذَلِكُمْ وَضَعْنَا لَعَلَّكُمْ

بات کرو تو انصاف کرو اگرچہ وہ تمہارا قریب وار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو، یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ نے تمہیں تاکید کی حکم دیا

تَذَكَّرُونَ ۚ وَإِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ

تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اور بلاشبہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اس کا اتباع کرو۔ اور مت اتباع کرو دوسرے راستوں کا سو وہ راستے تمہیں

بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذَلِكُمْ وَضَعْنَا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

اللہ کے راستے سے ہٹا دیں گے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں تاکید کی حکم دیا تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

### دس ضروری احکام

معالم التنزیل ص ۱۴۰ میں لکھا ہے کہ مشرکین نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا چیزیں حرام کی ہیں وہ بتائے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں قُلْ تَعَالَوْا أَنُفِّلْ مَا حَرَّمَ رَبُّنَا عَلَيْكُمْ إِلَّا نَشْرَ نَحْنُ لَا إِلَهَ إِلَّا

ان آیات میں دس چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں بعض اوامر ہیں اور بعض نواہی ہیں جن چیزوں کو بہ صورت امر بیان فرمایا چونکہ ان کے مقابل چیزیں حرام ہیں اس لئے یوں فرمایا کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں

(۱) اَوَّلُ يَهْدِيكُمْ رَبُّكُمْ إِلَىٰ سَبِيلٍ مُّسْتَقِيمٍ ۚ ذَلِكُمْ وَضَعْنَا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

(۲) يَهْدِيكُمْ رَبُّكُمْ إِلَىٰ سَبِيلٍ مُّسْتَقِيمٍ ۚ ذَلِكُمْ وَضَعْنَا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

(۳) اَوَّلُ يَهْدِيكُمْ رَبُّكُمْ إِلَىٰ سَبِيلٍ مُّسْتَقِيمٍ ۚ ذَلِكُمْ وَضَعْنَا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

کہ یہ بچے کہاں سے کھائیں گے؟ ان کو ساتھ کھلانے سے تنگ دستی آجائے گی یہ نہیں سمجھتے تھے کہ رازق اللہ تعالیٰ شانہ ہے وہ خالق بھی اور رازق بھی ہے اس نے پیدا کیا تو رزق بھی دے گا اسی کو فرمایا نَحْنُ نَزَّلُ الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ ۚ

کرنے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ عرب کے بعض علاقوں اور بعض خاندانوں میں جس کسی شخص کے یہاں لڑکی پیدا ہو جاتی تو وہ مارے شرم کے لوگوں کے سامنے نہیں آتا چھپا چھپا پھرتا تھا۔ جیسا کہ سورہ نحل میں فرمایا يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَبِهِ ۚ

تو اسی وقت اسے زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اسی کو سورہ التہٰہ میں فرمایا اِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (اور جبکہ زندہ دفن کی ہوئی بچی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے قتل کی گئی)

بے حیائی کے کاموں سے بچو..... (۴) بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ۔ جو ظاہر ہیں اور جو باطن ہیں اس میں ہر طرح کی بے حیائی کے کاموں کی ممانعت آگئی زنا اور اس کے لوازم، اور ننگا رہنا، ستر دکھانا، لوگوں کے سامنے ننگے نہانا۔ ان چیزوں کی ممانعت الفاظ قرآنیہ سے ثابت ہوگئی۔

سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے طریقہ زندگی والی ہیں۔ اول حیا،

دوسرے عطر لگانا، تیسرے مسواک کرنا، چوتھے نکاح کرنا۔

سنن ابی داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ کھلے میدان میں غسل کر رہا ہے۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ شرم والا ہے چھپا ہوا ہے شرم کرنے کو پسند فرماتا ہے۔ سو تم میں سے جب کوئی شخص غسل کرے تو پردہ کرے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ حیا و ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہیں سو جب ان میں سے ایک اٹھایا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲)

نا جائز طور پر خون کرنے کی ممانعت ..... (۵) کسی جان کو قتل نہ کرو جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔ ہاں اگر حق کے ساتھ قتل کیا جائے تو اس کی اجازت ہے۔ آج کل قتل کی گرم بازاری ہے ایک مسلمان کو دوسرا مسلمان دنیاوی دشمنی کی وجہ سے یا دنیا کے حقیر نفع کے لیے قتل کر دیتا ہے قتل مسلم کا وبال بہت زیادہ ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ آسمان زمین والے سب مل کر اگر کسی مؤمن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈال دے گا۔ (مشکوٰۃ ص ۳۰۰)

مسلمان کی تو بہت بڑی شان ہے جو کافر مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہیں جنہیں ذمی کہا جاتا ہے اور جن کافروں سے حفاظت جان کا معاہدہ ہو جائے ان کو بھی قتل کرنا حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری امت پر تلوار لے کر نکلا جو نیک اور بد کو مارتا چلا جاتا ہے اور ان کے قتل سے پرہیز نہیں کرتا اور جو معاہدہ والے کا عہد پورا نہیں کرتا تو ایسا شخص مجھ سے نہیں اور نہ میں اس سے ہوں۔ (رواہ مسلم کمانی المشکوٰۃ ص ۳۱۹ ج ۲)

ان امور کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا ذَلِكُمْ وَصَّيْكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے تاکید حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو اور عقل سے کام لو)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی مسلمان آدمی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہے اس کا خون کرنا حلال نہیں ہے ہاں اگر تین کاموں میں سے کوئی ایک کام کرے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ (۱) شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کر لے (تو اسے سنگسار کر دیا جائے گا)۔ (۲) جو کسی کو (عدا) قتل کر دے (جس کا قتل کرنا جائز نہ ہو) اسے قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔ (۳) جو شخص دین اسلام کو چھوڑ دے اور مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو جائے۔ (رواہ مسلم ص ۵۹ ج ۲)

یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ ..... (۶) یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ سوائے اس صورت کے جو اچھی ہو۔ یعنی جس میں یتیم کی خیر خواہی اور بھلائی ہو۔ یتیم کے مال کو ناحق نہ ازاؤ۔ اور ظلم نہ کھاؤ جس کا ذکر سورہ بقرہ (۲۶) اور سورہ نساء (۱) میں ہو چکا ہے۔

ناپ تول میں انصاف کرو ..... (۷) انصاف کے ساتھ ناپ تول کو پورا کرو۔ بہت سے لوگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اپنے لیے ناپ تول کریں تو ناپ تول پوری کر کے لیں اور دوسروں کو ناپ تول کر دیں تو کم ناپیں اور کم تولیں۔ اسی کو فرمایا: وَنَلِّ لِلْمُظْلَمِينَ اِذَا اُنْكَسَلُوا عَلٰی النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَاِذَا اُنْكَسَلُوْهُمْ اَوْ زُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ (ہلاکت ہے کمی کرنے والوں کے لیے جو لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب لوگوں کو ناپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں)۔

اَلَا يَنْظُرُوْنَ اِنَّهُمْ مُّبْعُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ (کیا یہ لوگ یہ یقین نہیں رکھتے کہ اٹھائے جائیں گے بڑے دن کے لیے جس میں لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے) کم ناپے اور کم تولنے کا رواج حضرت شعیب علیہ

السلام کی قوم میں تھا انہوں نے انہیں بہت سمجھایا نہ مانے اور الٹا حضرت شعیب علیہ السلام پر اعتراضات کرنے لگے اور کثرت جہتی پر اتر آئے پھر اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا: دینے اور ایک چیخ کے ذریعے سے سب ہلاک: دہ گئے۔ جیسا کہ سورۃ: ہود میں مذکور ہے۔

ناپ تول میں می کرنے کا وبال..... حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ناپ تول کرنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ تم لوگ ایسی دو چیزوں میں مبتلا کئے گئے جن کے بارے میں تم سے پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۲۵۰ از ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔ اس حرکت بد کی وجہ سے گزشتہ امتوں پر عذاب آچکا ہے۔ منوط امام مالک میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ: جس قوم میں خیانت کا رواج ہو جائے اللہ ان کے دلوں میں رعب ڈال دے گا۔ اور جس قوم میں زنا کاری پھیل جائے ان میں موت زیادہ ہوگی اور جو ناپ تول میں کمی کریں گے ان کا رزق منقطع ہو جائے گا اور جو لوگ ناحق فیصلے کریں گے ان میں قتل و خون عام ہو جائے گا۔ اور جو لوگ عہد کی خلاف ورزی کریں گے ان پر دشمن مسلط کر دینے جائیں گے۔

ساتھ یہ بھی فرمایا لَا تَكْلَفْ نَفْسًا إِلَّا وَشَعَهَا کہ ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ عمل کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ لہذا ان احکام کے بجالانے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔

قال البغوی فی معالم التنزیل ص ۱۴۲ ج ۲ مفسر الم یكلف المعطى اکثر مما اوجب علیه ولم یكلف صاحب الحق الرضا باقل من حقه حتی لا تنصیق نفسه عنه بل امر کل واحد منهما بما یسعه مما لا حرج علیه فید (بغوی) معالم التنزیل میں کہتے ہیں یعنی دینے والے کو واجب سے زیادہ دینے کا مکلف نہیں بنایا گیا اور صاحب حق کو اپنے حق سے کم پر راضی ہونے کا مکلف نہیں بنایا گیا بلکہ دونوں کا معاملہ وسعت پر ہے کسی پر بھی تنگی نہیں)

فائدہ..... جس طرح ناپ تول میں کمی کرنا حرام ہے اسی طرح وقت کم دینا تنخواہ پوری لینا یا کام کئے بغیر جھوٹی خانہ پری کر دینا یا رشوت کی وجہ سے اس کام کو نہ کرنا جس کی ملازمت کی ہے۔ یہ سب حرام ہے اور جن حکموں میں ملازمت کرنا حرام ہو ان کی تنخواہ بھی حرام ہے اگرچہ ڈیوٹی پوری دیتا ہو۔

انصاف کی بات کرنا..... (۸) جب تم بات کہو تو انصاف کی بات کہو۔ اور یہ نہ دیکھو کہ ہماری انصاف کی بات کس کے مخالف پڑے گی۔ گواہی دینا ہو تو حق کے موافق گواہی دو۔ انصاف کرنا: و تو حق کے موافق فیصلہ کرو اگر تمہارا قریبی عزیز: و اور اس کے مخالف تجی گواہی دینی پڑے اور اس کے خلاف حق کا فیصلہ کرنا پڑے تو کر ڈالو..... اس کی تشریح اور توضیح سورۃ نساء کی آیت بِأَنفُسِ الَّذِينَ أَفْنُوا مَكُونُوا أَقْوَامًا يَشْهَدُونَ لِّلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

اللہ کے عہد کو پورا کرو..... (۹) اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو۔ یہ مضمون سورۃ بقرہ کے تیسرے رکوع اور سورۃ مائدہ کے پہلے رکوع کی تفسیر میں گذر چکا ہے، جو بندے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں ان کا اللہ تعالیٰ سے عہد ہے کہ وہ احکام کی تعمیل کریں گے۔ اوامر کے مطابق چلیں گے۔ اور جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے اجتناب کریں گے لہذا ہر مومن بندہ اپنے عہد پر قائم رہے۔ اور اَلَمْ تَسْأَلُوا اللہ کا جو عہد لیا تھا وہ تو سارے ہی انسانوں سے لیا گیا تھا اور سب ہی نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔ پھر اس اقرار کو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے یاد دلایا لہذا ہر انسان پر لازم ہے کہ اس عہد کی پاسداری کرے۔ اور اپنے عقیدہ اور عمل سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرے اور اس دین کو قبول کرے جو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔

ان امور کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا ذَلِكُمْ وَضَعْنَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُذَكَّرُونَ (یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکید کی حکم دیا)

ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو)

صراطِ مستقیم کا اتباع کرو..... (۱۰) بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اس کا اتباع کرو اور دوسرے راستوں کا اتباع نہ کرو کیونکہ یہ راستے تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے ہٹا دیں گے، اللہ تعالیٰ شانہ نے قرآن نازل فرمایا اور آنحضرت ﷺ کو قرآن کا مبلغ اور معلم اور فہم (بیان کرنے والا) بنایا۔ اور آپ کی اطاعت فرض کی، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع یہ سیدھا راستہ ہے جو صحابہ کرام اور تابعین عظام سے لے کر ہم تک پہنچا ہے جو لوگ دین اسلام کے قبیح نہیں جیسے یہود و نصاریٰ اور جو لوگ دین اسلام کے بدی ہیں لیکن اصحاب ابواء ہیں اپنی خواہشوں کے مطابق دین بناتے ہیں اور الحاد و زندقہ کی باتیں کرتے ہیں۔ ایسے لوگ رسول اللہ ﷺ کے راستے پر نہیں ہیں

ان لوگوں کے راستے پر جو شخص چلے گا وہ صراطِ مستقیم سے ہٹ جائے گا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی راہ پر نہ رہے گا، آخرت میں اسی کی نجات ہے جو آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے راستے پر ہو۔

صراطِ مستقیم کے علاوہ سب راستے گمراہی کے ہیں..... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے اور اس کے دائیں بائیں خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ مختلف راستے ہیں ان میں سے ہر راستہ پر شیطان ہے جو اس کی طرف بلاتا ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی **وَإِنْ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ** (الایہ) (رواہ احمد والاسانی والدارمی لکھنؤ ص ۳۰) پھر ارشاد فرمایا **ذَلِكُمْ وَهْـدُكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے تاکید کی حکم دیا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو تقویٰ اختیار کرنے میں ہر بات آگنی اوامر کی بھی پابندی کی جائے اور جن چیزوں سے منع فرمایا ان سے بھی اجتناب کیا جائے۔ برے اعمال، عقائدِ باطلہ، افکارِ باطلہ، کفر شرک سب سے بچنا تقویٰ کے مفہوم میں داخل ہے۔

فائدہ..... آیات بالا میں دس باتوں کا حکم دیا ہے۔ یہ دس باتیں بہت اہم ہیں جن میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سب کی رعایت کرنے کا حکم دیا ہے اور آخر میں صراطِ مستقیم سے ہٹنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی وصیت کو دیکھنا چاہے جس پر آپ کی مبرہت تو یہ آیات **فَلْيَتْلُوْا اَنْزِلَ مَا خَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ** سے لے کر **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** تک پڑھ لے۔ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الانعام)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ سورۃ انعام میں یہ آیات حکمت ہیں جو ام الکتاب ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے آیات بالا تلاوت کیں۔ (ابن کثیر ص ۱۸۷ ج ۲)

**ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً**

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جس سے اچھے عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو گئی۔ اور جس میں ہر چیز کا تفصیلی بیان ہے اور جو ہدایت ہے اور رحمت ہے

**لَعَلَّهُمْ يَلْقَاءَ رَبَّهُمْ يُؤْمِنُونَ ۝ وَهَذَا كِتَابُنَا أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ**

تاکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کا یقین کریں۔ اور یہ کتاب ہم نے نازل کی جو بابرکت ہے سو اس کا اتباع کرو اور قوت ریزو تاکہ تم

**تَرْحَمُونَ ۝ أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَنْزَلَ الْكِتَابُ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا صَوْرًا وَإِنْ كُنَّا عَنْ**

پر رحمت ہو۔ اس واسطے کہ کبھی تم کہنے لگو کہ کتاب جو اتنی سچی سو انہیں دو فرقوں پر جو ہم سے پہلے تھے اور ہم ان کے

دَرَسْتِهِمْ لَعْفَلِينَ ﴿۷۰﴾ أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ ۚ

پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے یا تم یوں کہنے لگتے کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم ان لوگوں سے بڑھ کر زیادہ ہدایت پر چلنے والے ہوتے۔

فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ ۚ فَمَن أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِآيَاتِ اللَّهِ

سو تمہارے رب کی طرف سے دلیل اور ہدایت اور رحمت آ گئی ہے سو اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو اللہ کی آیات

وَصَدَفَ عَنْهَا ۚ سَنَجْزِي الَّذِينَ يَصْدِفُونَ عَنَّا سُوءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يَصْدِفُونَ ﴿۷۱﴾

کو جھٹلائے اور ان سے روکے ہم عذیب ان کو بڑے عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیات سے روکتے ہیں اس سبب سے کہ وہ روکا کرتے تھے۔

### توریت شریف کامل کتاب تھی رحمت اور ہدایت تھی

نہ ترتیب ذکر کی کے لیے ہے مطلب یہ ہے کہ مذکورہ باتوں کے بعد یہ بات جان لو کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی تھی اور اس میں ان لوگوں کے لیے نعمت کی تکمیل ہے جو نیکو کار ہیں جو اس کتاب پر اچھی طرح عمل کریں اور یہ کتاب ایسی تھی جس میں ہر چیز تفصیل سے بیان کی تھی جو موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے متعلق تھی۔ اور وہ کتاب ہدایت بھی تھی اور رحمت بھی۔ اس کتاب سے توریت شریف مراد ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل گئی تھی تاکہ بنی اسرائیل اس کتاب پر ایمان لائیں اور آخرت کی تصدیق کریں۔

قرآن مبارک کتاب ہے..... اس کے بعد قرآن مجید کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے یہ کتاب نازل کی جو مبارک ہے یعنی دین و دنیا کے اعتبار سے اس میں خیر ہی خیر ہے لہذا تم اس کا اتباع کرو اور تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اہل عرب کی کٹ جتنی کا جواب..... اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جو یہ کتاب نازل کی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ تم یوں نہ کہنے لگو کہ ہم سے پہلے دو جماعتوں پر کتاب نازل ہوئی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ پر) اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے وہ ہماری زبان میں نہ تھی لہذا ہم اس سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرما کر اس عذر کو ختم کر دیا اور یہ بھی ممکن تھا کہ تم یوں کہتے کہ ہمیں کتاب نہیں دی گئی۔ اگر ہم پر یہ کتاب نازل ہوتی تو ہم خوب اچھی طرح عمل کرتے اور ہم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی عمل کرنے میں ان سے بڑھ کر ثابت ہوتے۔ اور ان کے مقابلہ میں زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔

اللہ جل شانہ نے فرمایا فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے یعنی قرآن کریم اور وہ ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی (اب اس پر عمل کرنا اور ہدایت پر چلنا تمہارا کام ہے)

اس کے بعد فرمایا فَمَن أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَصَدَفَ عَنْهَا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور جو شخص اس پر عمل کرنا چاہے اس کو عمل سے روکے اور باز رکھے (اللہ کی کتاب نازل ہونے کے بعد اس پر عمل کرنے کی بجائے تکذیب کرنا خود بھی عمل نہ کرنا اور دوسروں کو روکنا یہ خود کی ہلاکت اور عذاب میں ڈالنے کا سبب ہے۔

سَنَجْزِي الَّذِينَ يَصْدِفُونَ عَنَّا سُوءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يَصْدِفُونَ ۚ جو لوگ ہماری آیات سے روکتے ہیں ہم ان کے اس عمل کی وجہ سے انہیں برا عذاب دیں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے اہل عرب کی اس کٹ جتنی کو ختم فرما دیا کہ ہم سے پہلے اہل کتاب کو کتاب دی گئی تھی ہم ان کی لغت کو نہیں جانتے تھے۔ اب جب اہل عرب کی لغت میں کتاب نازل ہو گئی تو یہ عذر ختم ہو گیا۔

اسی طرح یہ بات کہ ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم ایسا ایسا کرتے اور یوں عمل کر کے جو ہر دکھاتے اور خوب بڑھ چڑھ کر ہدایت میں آگے بڑھتے اس بارے میں بھی ان پر حجت پوری ہوگئی، شاید کوئی شخص یہ اشکان پیش کرے کہ قرآن تو عربی زبان میں نازل ہوا جو قومیں عربی زبان نہیں جانتیں ان کی حجت کا کیا جواب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل عرب کی زبان میں نازل فرماتا یہ ان کے ساتھ خصوصی انعام ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی اور زبان میں نازل فرمادیتا اور سارے انسانوں کو اس کے اتباع کا حکم دیتا جن میں اہل عرب بھی تھے تو یہ بھی صحیح ہوتا، ساری مخلوق اس کی مملوک ہے وہ کسی کا پابند نہیں اس نے عربی میں قرآن مجید نازل فرمایا اور خاتم النبیین ﷺ کو عرب سے مبعوث فرمایا اور سارے عالم کے انسانوں کو اپنے آخری رسول اور آخری کتاب پر ایمان لانے کا مکلف فرمایا۔

قرآن مجید کو **هٰذِهِ بِلِسَانٍ** (سب لوگوں کے لیے ہدایت) فرمایا، اور **سید المرسلین** ﷺ کے بارے میں فرمایا **"وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا"** (اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر) اس سے آپ کی عمومی بعثت کا اعلان فرمادیا۔ سارے انسانوں کو آپ کی دعوت پہنچ چکی ہے۔ اب جو شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر ایمان نہ لائے اپنا برا خود کرے گا اس لئے کہ تم یوں کہنے لگتے کہ ہم سے پہلے دو فرقوں پر کتاب نازل کی گئی تھی اور ہم پر اگر اللہ تعالیٰ عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں اپنی آخری کتاب نازل فرماتا اور عربوں کو حکم دیتا کہ تم اس کا اتباع کرو تو اس پر بھی کسی کو کچھ اعتراض کرنے کی گنجائش نہ تھی۔ جب اللہ جل شانہ نے سارے انسانوں کو قرآن کے اتباع کا حکم دے دیا تو سب پر لازم ہے کہ اس کے احکام کو سیکھیں۔

قرآن مجید کو پڑھیں اور پڑھائیں پورے عالم میں۔ میسوں زبانیں ہیں جس جس نے اسلام قبول کر لیا وہ سب پڑھتے پڑھاتے ہیں اور اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی تفسیریں زیادہ تر غیر عرب ہی نے لکھی ہیں۔

**هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ ۖ**

یہ لوگ بس اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا آپ کا رب آجائے یا آپ کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آجائے

**يَوْمَ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ أَمْنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ**

جس دن آپ کے رب کی نشانیوں میں سے ایک نشانی آجائے گی۔ تو کسی شخص کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جو پہلے سے ایمان نہیں لایا تھا یا جس نے اپنے ایمان میں

**فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا ۚ قُلِ انتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ۝**

کوئی نیک عمل نہ کیا ہو آپ فرمادیجئے کہ تم انتظار کرو۔ ہم انتظار کر رہے ہیں۔

جب مغرب سے سورج طلوع ہوگا کسی کا ایمان اور توبہ قبول نہ ہوں گے

پہلی آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس جو واضح حجت آچکی ہے قرآن نازل ہو چکا ہے جو ہدایت ہے اور رحمت ہے، اور اس آیت میں یہ فرمایا کہ حق واضح ہونے کے بعد اور ہدایت سامنے آجانے کے بعد اب کسی انتظار کی ضرورت نہیں حق قبول کر دو اور ہدایت پر آؤ۔ اب بھی حق قبول نہیں کرتے تو کیا انتظار ہے (ان کا ڈھنگ ایسا ہے) جیسے اسی انتظار میں ہیں کہ فرشتے ان کے پاس آجائیں یا اللہ تعالیٰ ہی ان کے پاس پہنچ جائے یا اللہ تعالیٰ کی کسی بڑی نشانی کے انتظار میں ہیں، لیکن جس دن اس کی ایک نشانی ظاہر ہو جائے گی تو کسی کافر کو اس وقت اس کا ایمان لا نفع نہ دے گا، اور جو کوئی صاحب ایمان بد اعمالیوں میں مبتلا ہو جس نے اپنے ایمان میں کوئی مکمل خیر نہ

کیا ہو اس کی بھی توبہ قبول نہ ہوگی۔

اور جب اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان بالغیب معتبر ہے جب آنکھوں سے دیکھ لیا تو اس کے بعد ایمان معتبر نہ ہوگا جب قیامت ہوگی تو اس وقت سب مؤمن ہو جائیں گے مگر اس وقت ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ پچھتم سے سورج نکلنا بہت بڑی نشانی ہے۔ اس وقت جو شخص ایمان لائے گا قبول نہ ہوگا۔ جو شخص گناہوں میں مبتلا ہو اور موت کے فرشتے نظر آنے لگیں اس وقت کی توبہ قبول نہیں اس سے پہلے جو توبہ کی جائے وہ مقبول ہے پچھتم سے سورج نکل آنے کے بعد جس طرح کسی کا ایمان قبول نہیں اسی طرح توبہ بھی قبول نہیں ہوگی۔

صحیح بخاری ص ۶۶ ج ۲ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ پچھتم سے سورج طلوع نہ ہو۔ سو جب سورج (پچھتم سے) نکلے گا اور لوگ اسے دیکھ لیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے اور اس وقت کسی شخص کو ایمان نفع نہ دے گا اس کے بعد آپ نے آیت بالا تلاوت فرمائی۔

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مغرب کی طرف ایک دروازہ بنایا ہے جو اتنا چوڑا ہے کہ اس کی دونوں جانبوں کے درمیان ستر سال تک چل سکتے ہیں یہ دروازہ توبہ کا دروازہ ہے۔ جب تک اس کی جانب سے سورج نہیں نکلے گا اس وقت تک بند نہ کیا جائے گا (اور اس وقت تک توبہ قبول ہوتی رہے گی) اللہ عزوجل نے یَوْمَ یَاتِئُنَّ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ ط میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہجرت منقطع نہ ہوگی جب تک توبہ منقطع نہ ہوگی۔ اور توبہ منقطع نہ ہوگی جب تک پچھتم سے سورج نہ نکلے گا۔ (رواہ ابو داؤد والدارمی) پچھتم سے سورج کا نکلنا قیامت کے قریب ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظاہر ہونے کے اعتبار سے سب سے پہلی نشانی پچھتم سے سورج کا نکلنا اور دلیہ الارض کا ظاہر ہونا ہے جو چاشت کے وقت لوگوں پر ظاہر ہوگا۔ ان دونوں میں سے جو بھی ظاہر ہوگی دوسری نشانی اس کے بعد قریب ہی زمانہ میں ظاہر ہو جائے گی۔ (رواہ مسلم ص ۴۰۴ جلد ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں جب ان کا ظہور ہوگا تو کسی شخص کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو۔ اور جس نے اپنے ایمان میں کسی خیر کا کام نہ کیا ہوگا (۱) پچھتم سے سورج کا نکلنا۔ (۲) دجال کا ظاہر ہونا۔ (۳) دلیہ الارض کا نکلنا۔ (رواہ مسلم ص ۸۸ جلد ۱)

دلیہ الارض کے بارے میں انشاء اللہ تعالیٰ سورۃ النمل کی آیت وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ (الایۃ) کے ذیل میں احادیث نقل کی جائیں گی۔ آخر میں فرمایا قُلِ اَنْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ اس میں تہدید ہے کہ وضوح حق کے بعد ایمان نہیں لاتے تو کب ایمان لائیں گے؟ جب پچھتم کی طرف سے سورج نکلنے والی نشانی ظاہر ہوگی کیا اس وقت ایمان لائیں گے لیکن اس وقت ایمان لانا مقبول نہ ہوگا لہذا اس سے پہلے ابھی ایمان لے آؤ۔ اگر ایمان نہیں لاتے تو انتظار کرتے رہو ہم بھی انتظار کرتے ہیں بالآخر وہ دن آجائے گا کہ کفر کی وجہ سے اہل کفر عذاب نار میں گرفتار ہوں گے اور مؤمن جنت میں جائیں گے۔

فائدہ ..... جیت دریا میں پر ایمان رکھنے والے بعض لوگ مغرب سے سورج نکلنے کو محال سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی جہالت کی باتیں ہیں۔ اللہ جل شانہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے سورج کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور اسی نے اس کو مسخر فرمایا ہے اور اسی نے سورج کا نظام مقرر

فرمایا ہے کہ وہ اس طرف سے نکلے اور اس طرف سے چھپ جائے اسے یہ بھی قدرت ہے کہ سورج کو غروب والی جہت پر پہنچا کر واپس اسی جانب لے آئے جدھر سے وہ گیا ہے اس حقیقت کو فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ میں بیان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ہی اس کو مشرق سے نکالتا ہے اور مغرب میں چھپا دیتا ہے۔ بلکہ دونوں جہات کا نام مشرق و مغرب اسی طلوع و غروب کی وجہ سے رکھا گیا اگر اللہ تعالیٰ شام آفتاب کی گردش کا نظام ایسا مقرر فرماتے کہ جس جانب میں غروب ہوتا اس جانب سے نکلا کرتا تو طلوع ہونے والی جانب کو مشرق اور اس کی مقابل جانب کو مغرب کہا جاتا۔

فائدہ..... مفسر ابن کثیر ص ۱۹۲ جلد ۲ نے بحوالہ ابن مردودہ حضرت عبداللہ بن ابی اؤفے سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ پچھم سے سورج نکلنے سے پہلے ایک رات تین راتوں کے برابر ہو جائے گی۔ لوگ گھبرا اٹھیں گے کہ صبح ہوتی ہی نہیں۔ اور چینیے لگیں گے۔ گھبرا کر مسجدوں کی طرف چلے جائیں گے۔ اچانک پچھم کی جانب سے سورج نکل آئے گا اور آسمان کے درمیان تک پہنچ کر واپس ہو جائے گا اور اس کے بعد اپنے اسی مطلع سے نکلے گا جہاں سے نکلا کرتا تھا۔

مفسر ابن کثیر نے روایت نقل کر کے کوئی کلام نہیں کیا صرف اتنا کہہ دیا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور صحاح ستہ میں نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب۔

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق کر دی اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، بس ان کا معاملہ

إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يَنْبِئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۱۵﴾

اللہ ہی کے حوالے ہے۔ پھر ان کے وہ کام ان کو بتا دے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

دین میں تفریق کرنے والوں سے آپ بری ہیں

انسان میں سب سے بڑی بیماری تو یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو نہ مانے یا مانے لیکن اس کے ساتھ شرک کرے اور اس نے جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اپنا دین بھیجا اس کی تکذیب کرے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اور اس کے دین کو جھٹلائے۔ اور دوسری گمراہی یہ ہے کہ وہ اللہ کو بھی مانے اس کے بھیجے ہوئے دین کے ماننے کا دعویٰ کر بھی ہو لیکن اللہ کے دین میں اپنی طرف سے ایسی باتیں داخل کر دے جو اللہ تعالیٰ کے دین میں نہیں ہیں۔ شیطان کی یہ بہت بڑی چالاکی ہے۔ بہت سے لوگ جو یوں کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے دین کو قبول کیا جو اس نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ بھیجا۔ ان میں بعض لوگوں پر شیطان اپنا یہ داؤ چلاتا ہے اور ان کو ایسے افکار و آراء اور ادہام و ہوا پر ڈال دیتا ہے جن کی وجہ سے وہ خداوند قدوس کے بھیجے ہوئے دین کے دائرہ سے باہر ہو جاتے ہیں، وہ اپنے خیال میں دین کے دائرہ میں ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں دین سے خارج ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں لیکن وہ بارگاہ خداوندی سے مردود ہوتے ہیں، اس امت سے پہلے جو امتیں گذری ہیں انہوں نے ایسی حرکتیں کیں۔ یہود و نصاریٰ کی گمراہی معروف ہی ہے۔ یہودیوں کا دعویٰ تھا اور اب بھی ہے کہ ہم اللہ کے مقرب بندے ہیں لیکن اللہ کے دین کو چھوڑ کر جس کی بنیاد ہی توحید پر ہے مشرک ہو گئے اور حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بتا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔



نہر سیدنا حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہ لانے نیز نصاریٰ بھی دین حق سے ہٹ گئے اور انہوں نے اپنے دین میں شریک ملا دیا۔ انہیں میں سے کسی نے حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کے بارے میں یہ عقیدہ بنالیا کہ ابن مریم اور اللہ ایک ذات کا نام ہے اور بعض لوگوں نے انہیں اللہ کا بیٹا بتایا۔ اور بعض لوگوں نے یوں کہا معبود تین ہیں یعنی اللہ کے ساتھ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ بھی معبود ہیں۔ پھر بعض یہود نے انہیں عقیدہ تکفیر پر ڈال دیا اب وہ اس بات کے معتقد ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قتل (العیاذ باللہ) ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گیا، ان کے نزدیک اتوار کے دن چرچ میں جانے سے بعض گناہ پوپ کے سامنے بیان کر دینے سے اور بعض یوں ہی عام طور سے معاف ہو جاتے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

مشرکین عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہونے کے مدعی تھے سب کو معلوم ہے ان کا دین تو حید خالص پر مبنی تھا۔ انہوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں آگ میں ڈالے جانے تک منظور کیا مگر تو حید کی دعوت نہ چھوڑی۔ لیکن ان کے دین کے ماننے والوں نے (جن میں مشرکین عرب بھی تھے) بت پرستی شروع کر دی اور عین کعبہ شریف میں بت رکھ دیئے۔ جب ان کے سامنے تو حید کی دعوت رکھی گئی تو ان کو اچنبھا معلوم ہوا اور کہنے لگے أَجْعَلُ الْآلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ اور جب ان پر بت پرستی کی تکلیف کی گئی اور بتایا گیا کہ یہ شرک ہے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے تو کہنے لگے کہ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے نزدیک کرتے ہیں)

کبھی کہتے تھے هَؤُلَاءِ شَفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ (ہم نے جو یہ معبود بنا رکھے ہیں یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کر دیں گے) یہ ساری باتیں خود تراشیں شرک کیا گمراہ ہوئے (اور پھر بھی اسی خیال میں غرق کہ اللہ ہم سے راضی ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں یعنی اس کے وجود کا یقین رکھتے ہیں ان میں بہت سے لوگوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو نہیں مانا اور جنہوں نے مانا انہوں نے اللہ کے دین میں اللہ کی ناراضگی کی باتوں کو شامل کر دیا اور دین حقیقی میں تفریق کی صورتیں نکال دیں اور بہت سی جماعتوں میں بٹ گئے۔

صاحب روح المعانی (ص ۶۸ ج ۸) نے حضرت ابن عباس اور قتادہ سے نقل کیا کہ آیت بالا یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہر فرقے نے کچھ لیا اور کچھ چھوڑ دیا۔

پھر لکھتے ہیں کہ یہ لوگ مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہر فرقے نے اپنا مستقل پیشوا بنالیا اسی کے پیچھے چلے اور اسی کی تائید و حمایت میں لگے رہے اللہ جل شانہ نے اپنے رسول ﷺ کو خطاب فرما کر فرمایا لَسْتُ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ آپ ان سے بری ہیں آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کے بارے میں آپ سے سوال نہ ہوگا إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ (ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ ہے) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ فرما دے گا اور گمراہوں کو سزا دے گا۔

اہل بدعت کی توبہ نہیں..... صاحب روح المعانی ص ۶۸ ج ۸ نے سنن ترمذی اور حلیہ البو نعیم اور شعب الایمان للبیہقی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ! جن لوگوں نے اپنے دین سے جدائی اختیار کی اور فرقے فرقے بن گئے یہ بدعتوں والے لوگ ہیں اور وہ لوگ ہیں جو اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں اور جو اس امت کے گمراہ لوگ ہیں ان کے لیے کوئی توبہ نہیں۔ اے عائشہ! ہر گناہ والے کے لیے توبہ ہے سوائے اہل بدعت اور اصحاب اہوا کے۔ کیونکہ ان کے لیے توبہ نہیں، میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس روایت کے پیش نظر اب یوں کہا جائے گا کہ مشرکین کا حال بیان

کرنے کے بعد اہل بدعت کا حال بیان فرمایا کہ اہل بدعت کا حال اہل شرک سے بعید نہیں ہے۔

گمراہ فرقوں کا تذکرہ..... شیطان اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ انسانوں کو کیسے گمراہی پر لگاؤں تو ایمان قبول کرنے نہیں دے گا۔ وہ جو لوگ مؤمن ہیں ان کے دلوں میں ایمان کی طرف سے شکوک ڈالتا ہے۔

پھر جو لوگ استقامت کے ساتھ ایمان پر رہیں اور شکوک و شبہات سے متاثر نہ ہوں ان کو ایسی ایسی باتیں بجا دیتا ہے جو ایمان کے خلاف ہوتی ہیں۔ پہلی امتوں کے ساتھ جو اس نے حرکتیں کی۔ اس امت کے ساتھ اس کا وہی طرز عمل ہے۔ اہل ایمان کے دلوں میں ایسی چیزیں ڈالتا ہے جو گمراہی کی چیزیں ہیں اور ان چیزوں کے اختیار کرنے سے ایمان جاتا رہتا ہے جتنے ملحد اور زندقہ اس امت میں گزرے ہیں اور اب موجود ہیں ایمان کا نام لیتے ہوئے بھی کفر اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور چونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو صحیح راہ پر سمجھتے ہیں اس لئے توبہ بھی نہیں کرتے، جو لوگ اپنے امام کے اندر اللہ تعالیٰ کا حلول مانتے ہیں اور جو لوگ قرآن کی تحریف کے قائل ہیں اور جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا بتاتے رہے۔ اور جو لوگ خاتم النبیین ﷺ پر نبوت ختم ہونے کے منکر ہیں اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل کو حجت نہیں مانتے اور جو لوگ عقیدہ بدائع کے قائل یہ سب لوگ سیدنا محمد ﷺ کے دین سے بری ہیں۔ اسلام سے خارج ہیں اور آنحضرت ﷺ ان سے بیزار ہیں۔

پھر اگر کوئی شخص ایسی بدعت اعتقاد یہ میں مبتلا نہ ہو جو اسلام سے نکال کر کفر میں داخل کر دے۔ تو شیطان اسے اعمال بدعت میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اہل بدعت نے طرح طرح کی بدعتیں نکال رکھی ہیں۔ اور ان بدعات کی وجہ سے بہت سے فرقے بنے ہوئے ہیں جو لوگ بدعت کے اعمال میں مبتلا ہیں ان کو بھی توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ کیونکہ اعمال بدعت کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور جس عمل کو نیکی سمجھتے ہیں اس سے توبہ کیوں کرنے لگے۔

بدعت اعتقادی ہو یا عملی اس کے ایجاد کرنے والوں کو اور اس پر عمل کرنے والوں کو اصحاب الایواء کہا جاتا ہے۔ اھلواء ہنومی کی جمع ہے ہر خواہش نفس کو عربی میں ہوا کہتے ہیں جو لوگ بدعتیں نکالتے ہیں وہ قرآن حدیث کی طرف رجوع نہیں کرتے جو اپنی سمجھ میں آتا ہے اور جو اپنا نفس چاہتا ہے اسے دین میں داخل کر لیتے ہیں۔ انہیں لاکھ سمجھاؤ کہ یہ عمل قرآن و حدیث سے ثابت نہیں لیکن وہ برابر اسی میں لگے رہتے ہیں۔ سنتوں پر چلنے سے ان کے دل خوش نہیں ہوتے۔ بدعتیں ان کے اندر رچ بس جاتی ہیں۔ ان بدعتوں کی وجہ سے بہت سے فرقے وجود میں آجاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت پر ضرور ایسا زمانہ آئے گا جیسا بنی اسرائیل پر آیا تھا (پوری طرح ان کے مطابق عمل کریں گے) جیسا کہ ایک جو تادمہ دوسرے جو تادمہ کے موافق بنایا ہوا ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا تھا تو میری امت میں سے بھی ایسے لوگ ہوں گے جو ایسا کریں گے۔ (پھر فرمایا) کہ بنی اسرائیل کے ۲ فرقے ہو گئے تھے۔ اور میری امت ۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ یہ سب فرقے دوزخ میں ہوں گے۔ سوائے ایک ملت کے! اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ ملت کون سی ہے جو جنت والی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مَا اَنَا عَلَيْهِمْ وَ اَصْحَابِیْ (کہ جس ملت اور دین پر میں اور میرے صحابہ ہیں وہ جنت والی ہے) (رواہ الترمذی)

اب سارے فرقے غور کریں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کس دین پر تھے؟ اور جو لوگ اس طریقہ سے بٹے ہوئے ہیں وہ اپنا انجام سوچ لیں۔ اور خاص طور پر وہ لوگ غور کریں جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسلمان ہی نہیں مانتے۔ اور جو لوگ ان میں کیڑے ڈالتے ہیں اور ان

کی بشری کمزوریوں کو تاریخ کی کتابوں سے نکال کر اچھالتے ہیں (جبکہ تاریخی روایات بے سند ہوتی ہیں)

أَمَّا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يَنْبِئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ (انکا معاملہ بس اللہ ہی کے حوالہ ہے وہ انہیں جتادے گا جو کام وہ کرتے تھے) فائدہ..... بعض لوگ جنہیں قرآن وحدیث کا علم نہیں اور اجتہاد و استنباط کی شرعی ضرورت سے ناواقف ہیں وہ لوگ ائمہ اربعہ کے چاروں مذہبوں کو چار فرقتے بتاتے ہیں اور اپنی جہالت سے ان مذاہب کے ماننے والوں کو انہیں بہتر فرقوں میں شمار کرتے ہیں جو گمراہ ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ائمہ اربعہ کے مقلدین سب ایک ہی فرقہ ہیں اور ایک ہی جماعت ہیں اور اسی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کے امام کا ادب سے نام لیتے ہیں اور ایک مذہب کے مقلدین دوسرے مذہب کے علماء کو رجحہ اللہ علیہ کی دعا کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ ان میں اعتقادات میں اختلاف نہیں فروقی مسائل میں اختلاف ہے چونکہ یہ اختلاف حضرات صحابہ میں بھی تھا اس لئے نجات پانے والی جماعت (جس کے بارے میں مائنا علیہ اصحابی فرمایا) اس سے خارج نہیں ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والے اور صحابہ کرامؓ کے طریق کو اپنانے والے عموماً مذاہب اربعہ ہی کے قبیعین رہے ہیں اور ہیں۔

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امْتَالِهَا ۖ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا

جو شخص نیک کام کرے سو اسے اس جیسے دس حصے ملیں گے اور جو شخص برائی کا کام کرے تو اسے صرف اس کے برابر ہی

مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

سزا ملے گی۔ اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہوگا۔

ایک نیکی پر کم از کم دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے

اس آیت میں نیکیوں کی جزا اور برائیوں کی سزا کا قانون بتایا ہے اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے اس نے اپنے بندوں پر یہ کرم فرمایا کہ ایک نیکی کرنے پر اس جیسی کم از کم دس نیکیاں کرنے کا ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور اپنی کتاب میں اس کا اعلان عام فرمادیا۔ اور جو شخص کوئی گناہ کر لے تو اس میں اضافہ نہیں ہے بلکہ ایک گناہ پر ایک ہی گناہ کی سزا ملے گی۔

پھر یہ کوئی ضروری نہیں کہ گناہ پر سزا مل ہی جائے۔ توبہ واستغفار سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکیوں سے بھی معاف ہوتے رہتے ہیں۔ اور نیکی کا جو دس گناہ ثواب بتایا ہے یہ کم سے کم ہے اس سے زیادہ بھی ثواب ملتا ہے۔

سورۃ بقرہ میں (رکوع ۳۶) اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا ثواب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کی ایسی مثال ہے جیسے ایک دانہ ہو اس دانہ سے سات بالیں نکلیں اور ہر مال میں سودانے ہوں پھر اخیر میں وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے چند در چند اضافہ فرماتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سات سو پر بھی منحصر نہیں اس سے زیادہ بھی اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اضافہ فرمادیتا ہے متعدد صحابہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کی راہ میں خرچہ بھیج دیا اور وہ اپنے گھر ہی میں رہا تو اسے ہر درہم کے بدلہ سات سو درہم کا ثواب ملے گا اور جس نے اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کیا اس کے لیے ہر درہم کے بدلہ سات لاکھ درہم کا ثواب ہوگا پھر آپ نے آیت کریمہ وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ تلاوت فرمائی۔ (رواہ

ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے نیکیوں اور برائیوں (کے قانون) کو لکھ دیا ہے سو جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے پھر اسے نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے پاس سے ایک پوری نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر ارادہ کرنے کے بعد اس نیکی کو بھی کر لیا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے اس جیسی دس نیکیاں سات سو گنا تک (بلکہ) اس سے بھی زیادہ چند در چند کر کے لکھ دیتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے پھر وہ (اللہ کے ذمے سے اسے چھوڑ دیتا ہے) اور اپنے ارادہ پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر برائی کا ارادہ کرنے کے بعد اس پر عمل بھی کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک گناہ لکھ دیتا ہے۔ (رواہ البخاری ص ۱۶۱ مسلم ص ۸۷ ج ۱)

دوسری روایت میں ہے کہ جب گناہ کا ارادہ کر کے چھوڑ دیتا ہے اور گناہ کو نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا تَزْنُ عَنْهُ مِنْ جَوَائِزٍ یٰۤاٰیُّہَا بَشَرُ اس کے گناہ چھوڑنے کی وجہ سے نیکی لکھی گئی کیونکہ اس نے گناہ میری وجہ سے چھوڑا ہے۔ (رواہ مسلم ص ۸۷ ج ۱)

قُلْ اِنِّیْ ہَدٰی رَبِّیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیْمًا مِّلَّةَ اِبْرٰہِیْمَ حَنِیْفًا ۚ

آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ میرے رب نے مجھے سیدھے راستہ کی ہدایت دی ہے یہ مستحکم دین ہے جو ابراہیم کی ملت ہے جو حق کی راہ

وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۚ قُلْ اِنَّ صِرَاطَیْ وَ نُسُکِیْ وَ حَیَاتِیْ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اختیار کرنے والا تھا اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔ آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری سب عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنے سب اللہ ہی

الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں ماننے والوں میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔

میری سب عبادتیں اور مرنا جینا سب اللہ ہی کے لیے ہے

مشرکین کی تردید فرمانے کے بعد اللہ جل شانہ نے نبی اکرم ﷺ کو خطاب فرمایا کہ آپ اپنے بارے میں ان لوگوں کو بتادیں کہ میرے رب نے مجھے ہدایت دی ہے سیدھا راستہ بتا دیا ہے اور مجھے اسی پر چلا دیا ہے۔ یہ سیدھا راستہ ہے مضبوط دین ہے مستحکم ملت ہے اور اسی ملت پر ابراہیم علیہ السلام بھی تھے وہ تمام دینوں سے کٹ کر توحید ہی کو اختیار کئے ہوئے تھے اور توحید ہی کی دعوت دیتے تھے (اس میں مشرکین پر تعریض ہے کیونکہ وہ بھی ملت ابراہیم کے دعویدار تھے لیکن شرک میں غرق تھے۔ حالانکہ ابراہیم علیہ السلام موحد تھے مشرک نہیں تھے)۔

اس کے بعد اس ہدایت کی تفصیل بیان فرمائی۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ کو نوازا ہے اور فرمایا۔

قُلْ اِنَّ صَلَاحِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ کہ آپ یہ بھی فرما دیجئے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری دوسری تمام عبادتیں اور میرا جینا میرا مرنے سب اللہ ہی کے لیے ہے جو رب العالمین ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

اس میں دو باتیں بتائی گئیں۔ اول یہ کہ ہر کام اللہ کی رضا کے لیے ہونا چاہئے۔ دوم یہ کہ مومن کی زندگی بھی قیمتی ہے اور موت بھی قیمتی ہے۔ اللہ ہی کے لیے جئے اور اللہ ہی کے لیے مرے پوری زندگی اللہ کے احکام کی پابندی میں گزارے اور فرائض و واجبات کے علاوہ بھی انہیں کاموں میں لگائے جن سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور جب مرنے لگے تو ایمان ہی پر مرے اس کی یہ موت قیمتی ہو جائے گی

کیونکہ موت ہی آخری نعمتوں کے درمیان حائل ہے۔ جب مؤمن بندہ موت کی پل سے پار ہو جائے اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اگر عامۃً مٹانہ زندگی گزارتے ہوئے کسی جہاد شرعی میں شریک ہو گیا اور دشمنان دین کے ہاتھوں شہید ہو گیا تو شہادت کی وجہ سے اس کی موت اور زیادہ قیمتی ہو جائے گی۔

بر مؤمن بندہ اپنی موت اور زندگی کو قیمتی سمجھے اور اپنے مقام کو پہچانے اور قیمتی زندگی کو ضائع نہ کرے۔ مؤمن اپنا سب کچھ جان اور مال اوقات حیات اور اپنی موت اللہ ہی کی رضا کے لیے خرچ کرے کیونکہ اللہ رب العالمین ہے پروردگار ہے اس کا حق اس سے بہت زیادہ ہے کہ تھوڑی سی زندگی اس کی راہ میں خرچ ہو جائے۔

وَبِذَلِكَ أَمَرَثُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝ (اور مجھے اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔ یہ ادایت اس امت کے اعتبار سے ہے یعنی میں امت موجودہ میں جو آخر الامم ہے سب سے پہلا مسلم ہوں اور اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوں)۔

دیگر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی اپنی امتوں میں سب سے پہلے مسلم اور فرمانبردار تھے۔ وھذا اَشْأَنُ كُلِّ نَبِیٍّ بِالنِّسْبَةِ الِیْ اُمَّتِهِ (روح المعانی ص ۸ جلد ۸) اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ میں صرف دعوت دینے والا ہی نہیں عمل کرنے والا بھی ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا تھا **لَنْتُحِبَّكَ نَبْتُ الْبَنَاتِ** وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ اور جب اس کی یہ ہے کہ ہر نبی ایمان لانے کا اور اپنی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنے کا مکلف ہوتا تھا۔ اور امت کی نسبت ایمان اور اعمال میں اسے ادایت حاصل ہوتی تھی قربانی کی دعائیں بھی آیت ہالا کے الفاظ اِنَّ صَلَاحِیْ سَ لَیْکَ الْمُسْلِمِیْنَ تک وارد ہوتے ہیں لیکن اس میں اول المسلمین نہیں بلکہ **مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ** ہے۔ چونکہ امت کو دعا کی تعلیم دینا تھا اور قربانی کے وقت پڑھنا تھا اس لیے اول المسلمین کی بجائے خود بھی **وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ** پڑھا۔ (کما روی ابوداؤد ص ۳۹ ج ۲)

**قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغَیْ رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا ۚ**

آپ فرمادیجئے کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی رب تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور جو بھی کوئی شخص کوئی شے کرے اس کا وبال اسی پر ہے

**وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ مَّرْجِعُکُمْ فَيَنْبِئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝**

اور نہ اٹھے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے سو وہ تمہیں وہ چیز یا جہاد یا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔

**میں اللہ کے سوا کوئی رب تلاش نہیں کر سکتا**

یہاں پھر مشرکین سے خطاب کرنے کا حکم فرمایا اور یہ نہ صرف مشرکین بلکہ وہ تمام لوگ اس کے مخاطب ہیں جو اعتقادی یا عملی طور پر غیر اللہ کو رب بناتے ہیں اور ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں جو رب جل شانہ کے ساتھ ہونا چاہئے۔ ارشاد فرمایا **قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغَیْ رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ** (آپ فرمادیجئے کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا رب تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے)

یہ استفہام انکاری ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں تو ایسا نہیں کر سکتا ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ سب کا رب ہے، اپنی بے وقوفی سے تم جن چیزوں کو رب بنائے ہوئے ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کا بھی رب ہے۔ اپنی جیسی مخلوق کو بلکہ اپنے سے بھی کمتر چیزوں کو معبود بنانا حماقت اور سفاہت ہے۔ میں تمہاری حماقت کا کیسے ساتھ دے سکتا ہوں؟ پھر فرمایا **وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی**۔ یعنی جو

شخص کوئی بھی عقیدہ رکھے گا یا کوئی بھی گناہ کرے گا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ کوئی دوسرا کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ جو لوگ دنیا میں کہتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ ہمارے گناہوں میں شریک ہو جاؤ اور ہمارے غیر اسلامی رسم و رواج میں شریک ہو جاؤ اس کا وبال ہم پر ہوگا یہ اس لیے کہہ دیتے ہیں کہ انہیں اللہ کی وعیدوں پر یقین نہیں ہے۔ قیامت کے دن کوئی کسی کا وبال اپنے سر نہیں لے گا اور کوئی جان کسی کی طرف پہنچ بدلہ نہیں دے گی، پھر آخرت کی حاضری یا بددائی اور فرمایا۔

لَمْ يَلِكُمْ مِنْ جَعَلِكُمْ فَيَنْبِتْكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ فَخَلَفُونَ ۝ پھر تم کو اپنے رب کی طرف لوٹ جانا ہے سو وہ تمہیں جتنا دے گا جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے ہو۔ وہاں ان لوگوں کی نجات ہو جائے گی جو اللہ کے دین پر تھے اور سب پر عیاں ہو جائے گا کہ حق بات کون سی تھی اور کس کی تھی۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ خَلِيفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ

اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور درجات کے اعتبار سے تم میں ایک کو دوسرے پر فوقیت دی تاکہ وہ تمہیں ان چیزوں کے بارے میں

فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

آزمائے جو تم کو عطا فرمائیں، بے شک آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بلاشبہ وہ ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور ایک کو دوسرے پر فوقیت دی

سورۃ الانعام ختم ہو رہی ہے اس میں بار بار دین حق کی دعوت دی، تو حید کی طرف بلایا، مشرکین کی بنے دینی بیان فرمائی، اور ان کے عقائد باطلہ اور شرکیہ رسم و رواج کی تردید فرمائی اور وہ حید پر دلائل قائم کئے۔ اب آخر میں اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتوں کی تذکیر فرمائی اور وہ یہ کہ اللہ نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا پہلی امتیں چلی گئیں ایک دوسرے کے بعد آتی رہیں۔ اب تم ان کے بعد زمین میں آئے ہو۔

زمین میں تمہیں اقتدار سونپ دیا اور سب کو ایک حالت میں نہیں رکھانی بھی ہیں فقیر بھی ہیں، قوی بھی ہیں ضعیف بھی ہیں، حاکم بھی ہیں محکوم بھی ہیں۔ یہ اقتدار سپرد کرنا اور فرق مراتب رکھنا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائے کہ جو کوئی فوقیت کسی کو مال کے اعتبار سے یا منصب و مرتبہ یا کسی بھی حیثیت سے دی۔ کہ وہ اس کو کس کام میں لگاتا ہے انصاف کرتا ہے یا ظلم کرتا ہے، بیکسوں پر رحم کھاتا ہے یا انہیں ستاتا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتا ہے یا نہیں۔

یہ سب چھوٹے بڑے طبقات قیامت کے دن حاضر ہوں گے، ظالم مظلوم کے درمیان انصاف ہوگا۔ ظالموں کو سزا ملے گی، حقوق العباد کی ادائیگی نیکیوں کے ذریعہ ہوگی، جو حقوق اللہ ضائع کئے اللہ جل شانہ چاہے۔ ان کی اضاعت پر عذاب دے چاہے معاف فرمادے وہ سراج العقاب ہے، اور بلاشبہ وہ غفور ہے۔

قال القرطبي (ص ۱۵۸ ج ۱) فی تفسیر قال اللہ تعالیٰ (وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ خَلِيفَ الْأَرْضِ) "خلاف جمع خلیفہ، تکرار جمع کریمہ، وکل من جاء بعد من مضی فهو خلیفہ ای جعلکم خلفا للامم الماضیہ والقرن السالفة. (وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ) فی الخلق والرزق والقوة والبسطة والفضل والعلم. (درجہ) نصب باسقاط الخافض، ای الی درجات (لِيَبْلُوَكُمْ) نصب بلام کئی. والا بتلاء الاختبار، ای لیظهر منکم ما یکون غایتہ الثواب والعقاب، ولم یزل بعلمہ غنیاً، فابنوی الموسر بالغنی و طلب منه

الشکر، وابتلی المعسر بالفقر واطلب منه الصبر وبقال (لَبِّلُواكُمْ) ای بعضکم ببعض، ثم خوفهم فقال (إِنْ رَبَّكَ سَرِيعَ الْعِقَابِ) لمن عصاه. (وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ) لِمَنْ اطاعه، وقال "سَرِيعَ الْعِقَابِ" مع وصفه سبحانه بالامهال ومع ان عقاب النار في الآخرة، لان كل ات قريب فهو سريع على هذا، كما قال تعالى اَوْ مَا أَمَرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ وقال ! "وَيَرَوْنَهُ بَعِيدًا وَنَرَاهُ قَرِيبًا" ويكون ايضاً سريع العقاب لمن استحقه في دار الدنيا فيكون تحذيراً للمواقع الخطيئة على هذه الجهة والله اعلم. (علامہ قرطبی) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْخَلِيفَةَ فِي الْأَرْضِ اس میں خَلِيفَ جمع ہے خلیفہ کی جیسا کہ کَوْنُہُمْ جمع ہے کونیمہ کی اور بروہ جو ایک کے گزر جانے کے بعد آئے وہ خلیفہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پچھنی امتوں کا خلیفہ اور سابقہ زمانوں کا پیش رو بنایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ اور تم میں سے بعض کو بعض پر بلند کیا یعنی خلق میں، رزق میں قوت و صلاحیت میں اور علم و فضل میں "ذَرَجَاتٍ" حرف جر کے حذف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی الی درجات "لَبِّلُواكُمْ" یہ لام کی وجہ سے منصوب اور ابتلا کا معنی امتحان ہے یعنی تاکہ تم سے وہ اعمال ظاہر کر دے جن کا انجام انعام یا سزا ہے اور اللہ تعالیٰ تو اس طرح آزمائش کر کے علم حاصل کرنے سے غنی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خوشحال کا امتحان خوشحالی سے لیا اور اس سے شکر کا تقاضا کیا اور تنگدست کا امتحان بے سرو سامانی سے کیا اور اس سے صبر مطلوب ہے، اور بعض نے کہا "لَبِّلُواكُمْ" کا مطلب یہ ہے تمہیں ایک دوسرے کے ذریعہ آزمائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ڈرایا کہ بے شک تیرا رب جلدی سزا دینے والا ہے، نافرمانی کرنے والے کو، اور وہ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ہے اس کے لیے جس نے اس کی اطاعت کی اور باوجودیکہ حق تعالیٰ کی صفت مہلت دینا بھی ہے اور سزا آخرت میں ہوگی فرمایا جلد سزا دینے والا، اس لئے کہ ہر آنے والی قریب ہوتی ہے اور وہ اس طرح پر جلدی آنے والی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا أَمَرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ اور قیامت کا معاملہ تو بس آنکھ چپکنے کی طرح ہے یا اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور فرمایا يَرَوْنَهُ بَعِيدًا وَنَرَاهُ قَرِيبًا۔ کہ وہ اسے دور سمجھتے ہیں حالانکہ ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔ اور جو دنیا میں سزا کا مستحق ہے اس کے لئے بھی جلد سزا دینے والا ہے۔ اس لحاظ سے گناہ کے مواقع کے لئے یہ جملہ دھمکی ہے۔

وقال صاحب الروح ص ۱۷ ج ۵ (وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْخَلِيفَةَ فِي الْأَرْضِ) ای يخلف بعضكم بعضا كلما مضى قرن جاء قرن حتى تقوم الساعة ولا يكون ذلك الا من عالم مدبر، والى هذا ذهب الحسن او جعلكم خلفاء الله تعالى في ارضه تنصرفون فيها كما قيل، والخطاب عليهما عام وقيل: الخطاب لهذا الأمة، وروى ذالك عن السدي ای جعلكم خلفاء الامم السالفة (وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ) فی الفضل والغنى كما روى عن مقاتل (ذَرَجَاتٍ) كثيرة متفاوتة (لَبِّلُواكُمْ فِي مَا اتَّكُم) أى ليعملكم معاملة من يسلككم لينظر ما ذا تعملون مما يرضيه وما لا يرضيه (وَإِنْ رَبَّكَ) تجريد الخطاب لرسول الله صلى الله عليه وسلم مع اضافة اسم الرب اليه عليه الصلوة والسلام لا براز مزيد اللطف به صلى الله عليه وسلم (سَرِيعَ الْعِقَابِ) أى عقابه سبحانه الاخرى سريع الاتبان لمن لم يراع حقوق ما آتاه لان كل ات قريب، او سريع التمام عند ارادته لتعالیه سبحانه عن استعمال المبادئ والالات اهـ۔ (صاحب روح المعانی) فرماتے ہیں وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْخَلِيفَةَ فِي الْأَرْضِ یعنی تم میں سے بعض بعض کا خلیفہ بناتے ہیں۔ جب ایک دور گزرتا ہے تو دوسرا آجاتا ہے یہاں تک کہ قیامت آجائے گی، اور یہ سب ایک صاحب علم اور صاحب تدبیر کی طرف سے ہی ہو رہا ہے۔ حضرت حسن کی یہی رائے ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے جس میں تصرف کرتے ہو۔ جیسا کہ بعض نے کہا کہ دونوں پر خطاب عام ہے۔ بعض نے

کہا خطاب اس امت سے ہے اور حضرت سدی سے مروی ہے یعنی تمہیں گزشتہ امتوں کا خلیفہ بنایا اور بعض کو بعض پر فضیلت و خوشحالی میں بلندی عطا فرمائی ہے جیسا کہ حضرت مقاتلؓ سے مروی ہے "درجات" بہت سارے مختلف درجوں میں "يَسْلُوْكُمْ فِيْ مَا اَنْتُمْ" یعنی تمہارے ساتھ آزمائش کا معاملہ کرے کہ دیکھے تم اس کو راضی کرنے والے کام کرتے ہو یا ناراض کرنے والے "وَ اِنَّ رَبَّكَ" رب کی انصافت کر کے خالص حضور ﷺ کو خطاب کرنا آپ ﷺ کو مزید الطافات سے نوازنے کی طرف اشارہ ہے۔ "سَرِّفِ الْعُقَابُ" یعنی اللہ تعالیٰ کی اخروی گرفت اس کے لئے جلدی آنے والی ہے جس نے اس کی طرف سے ملنے والے احکام کے حقوق ادا نہ کئے۔ کیونکہ ہر آنے والی چیز قریب ہے، یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ جب ارادہ فرماتے ہیں تو وہ بہت جلدی سے تمام ہونے والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اسباب و آلات کے استعمال کی محتاجی سے پاک ہیں۔

فائدہ..... دنیا میں جو اللہ تعالیٰ نے فرق مراتب رکھا ہے اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ جس کسی کے پاس کوئی نعمت ہے وہ اس نعمت پر شکر ادا کرے اور جو اس سے کم حیثیت کے لوگ ہیں ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور بار بار مراقبہ کریں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہمیں تنگدست بے اختیار اپنا بیچارہ لولہ لنگڑا بنا دیتا۔ اگر اس طرح غور کریں گے تو نہ دوسروں کو حقیر جانیں گے اور نہ اللہ کی ناشکری کریں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسے شخص کو دیکھے جو مال اور شکل صورت میں اس سے بڑھ کر ہے تو اس کو بھی دیکھ لے جو اس سے کم ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴ ج ۲) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تم اس کو دیکھو جو تم سے کم ہے اور اس کو نہ دیکھو جو تم سے زیادہ ہے ایسا کرو گے تو تم پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ان کو حقیر نہ جانو گے۔ (رواہ مسلم ص ۴۰ ج ۲)

اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ جس شخص میں دو باتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اسے صابر اور شاکر لکھ دے گا۔ دین میں اسے دیکھے جو اس سے بڑھ کر ہے پھر اس کا اقتداء کرے اور دنیا میں اسے دیکھے جو اس سے کمتر ہو پھر اللہ کی حمد بیان کرے کہ اللہ نے اسے اس شخص پر فضیلت دی ہے، ایسے شخص کو اللہ شاکر اور صابر لکھ دے گا۔ اور جس نے اپنے دن میں ایسے شخص کو دیکھا جو اس سے کم ہے اور دنیا میں اسے دیکھا جو اس سے بڑھ کر ہے پھر اسے اس بات سے رنج ہوا کہ دنیا میں مجھے اتنا اتنا نہیں ملا تو اللہ اسے نہ شاکر لکھے گا اور نہ صابر لکھے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸ از ترمذی)

وَلَقَدْ تَمَّ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْاِنْعَامِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَاٰخِرًا وَاَبَدًا



کی

سورۃ اعراف

۲۰۶ آیتیں ۲۳ رکوع

﴿الْأَنْعَامُ ۲۰۶﴾ ﴿سُورَةُ الْأَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ (۴)﴾ ﴿رُكُوعًا ثَمَانِيًا ۲۳﴾

سورۃ اعراف کی میں نازل ہوئی ہے اس کی ۲۰۶ آیتیں ہیں اور ۲۳ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شرح اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الْقَصِّ ۝ كُتِبَ إِلَيْكَ الْكِتَابُ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِنْهُ لِتُنذِرَ بِهِ وَذِكْرَى

الْقَصِّ، یہ کتاب ہے جو آپ کی طرف اتاری گئی۔ سو آپ کے سینہ میں کوئی تنگی نہ ہو، تاکہ آپ اس کے ذریعہ ذرا میں اور ایمان والوں کے

لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۚ

لیے نصیحت ہے، اس چیز کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف اتاری گئی، اور اسکو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کا اتباع نہ کرو، تم کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ وَكَمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا فَجَاءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا أَوْ هُمْ قَائِلُونَ ۝

اور کتنی ہی بستیوں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ سو ان پر ایسے وقت میں ہمارا عذاب آیا جب کہ ان رات گزار رہے تھے یا انکی حالت میں عذاب آیا کہ ان سو پہر کے وقت سوتے ہوئے

فَمَا كَانَ دَعْوُهُمْ إِذْ جَاءَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝

تھے سو جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو ان کی پکار اس کے علاوہ کچھ نہ تھی کہ باطل پر ہم ظالم تھے۔

یہ کتاب مؤمنین کے لیے نصیحت ہے

ان آیات میں اولاً تو یہ فرمایا کہ آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی گئی ہے تاکہ آپ اسکے ذریعہ لوگوں کو ذرا میں، ایمان کی دعوت

دیں، اور جو لوگ نہ مائیں ان کو بتائیں کہ اس کتاب پر ایمان نہ لانے سے عذاب میں مبتلا ہوں گے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: فَلَا يَكُنْ

فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ کہ آپ کے سینہ میں ذرا بھی تنگی نہ ہو۔ مخاطبین آپ کی دعوت کا جو تکذیب سے مقابلہ کریں اس کی آپ ذرا

پر واہ نہ کریں آپ اپنا کام کرتے رہیں۔ اس کے بعد لوگوں سے خطاب فرمایا کہ جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل

ہوا ہے اس کا اتباع کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کو دلی نہ بناؤ۔ تمہارے سامنے ہدایت کی باتیں آتی ہیں مگر تمہارا حال یہ

ہے کہ کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

پھر فرمایا کہ ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر دیا جن پر ہمارا عذاب رات کے وقت میں آیا اور بعض کے پاس ایسے وقت عذاب پہنچا

جب کہ وہ قیلو کہ کر رہے تھے یعنی دو پہر کے وقت سو رہے تھے، جو لوگ ہدایت سے روگردانی کرتے ہیں اور حق کو قبول نہیں کرتے ان پر دنیا میں بھی عذاب آتا ہے اور آخرت میں بھی ماخوذ ہوں گے اور عذاب دائمی میں مبتلا ہوں گے، ان لوگوں پر جب عذاب آیا تو بس یہی کہنے لگے کہ ہم ظالم تھے، عذاب آجانے کے بعد اپنے ظلم کا اعتراف اور اقرار کرنے سے عذاب واپس نہیں ہوتا البتہ ابادہ و اقرار ظلم کے وہ لوگ بدلاک ہو گئے۔

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۖ فَلَنَقْصُصَنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَمَا

سوچن لوگوں کی طرف رسول بھیجے گئے ہم ان سے ضرور سوال کریں گے اور ہم پیغمبروں سے ضرور پوچھیں گے، سو ہم ان کے رویہ و علم کے مطابق بیان کر دیں گے اور

كُنَّا غَائِبِينَ ۖ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۖ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْبٰفِلِحُونَ ۝

ہم غائب نہ تھے، اور اس دن وزن واقع ہونے والا ہے۔ سو جن کے وزن بھاری ہوئے ایسے لوگ کامیاب ہوں گے

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ۝

اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کا نقصان کر لیا اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔

### قیامت کے دن رسولوں سے اور ان کی امتوں سے سوال اور اعمال کا وزن

ان آیات میں آخرت کے سوال و جواب اور عقائد و اعمال کے تولے جانے کا پھر اوزان کے ہلکا بھاری ہونے کا اور اس کے مطابق کامیاب اور ناکام ہونے کا ذکر فرمایا۔ قیامت کے دن امتوں سے سوال ہوگا کہ تمہارے پاس رسول آئے تھے تو تم نے ان کو کیا جواب دیا تھا کہانی سورۃ القصص وَیَوْمَ نَبْدِئُهُمْ فِیْقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ۝

اور حضرات رسل عظام و انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی سوال ہوگا کہ کیا آپ حضرات نے ہمارا پیغام پہنچایا اور یہ بھی سوال ہوگا کہ امتوں نے اس کا کیا جواب دیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا (اور متعدد نصیحتیں فرمائیں) اور آخر میں فرمایا کہ میرے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم یہ گواہی دیں گے کہ آپ نے (اللہ کا پیغام) پہنچایا اور اپنی ذمہ داری پوری کی اور (امت کی) خیر خواہی کی، آپ نے اپنی انگوٹھے کے پاس والی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھایا اور پھر لوگوں کی طرف جھکایا اور تین بار اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض کیا اَللّٰهُمَّ اَشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اَشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اَشْهَدْ اے اللہ! تو گواہ ہو جا، اے اللہ! تو گواہ ہو جا، اے اللہ! تو گواہ ہو جا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی؟ وہ عرض کریں گے کہ اے رب! میں نے واقعہ تبلیغ کی تھی، ان کی امت سے سوال ہوگا کہ انہوں نے تمہیں احکام پہنچائے تھے؟ وہ کہیں گے نہیں ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا تمہارے دعویٰ کی تصدیق کے لوگوں میں سے کون سے ہیں؟ جواب دیں گے کہ حضرت یونس علیہ السلام ہیں۔ یہ اس لیے کہ یونس علیہ السلام نے اپنی امت کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس کے بعد تم کو لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ بے شک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی امت کو تبلیغ کی تھی اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا اَشْهَادًا عَلٰی النَّاسِ

وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا يَتَّبِعُهُ الْبَغَاةُ وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا يَتَّبِعُهُ الْبَغَاةُ

۶۳۵ ج ۲ کی روایت ہے، اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی باتیں بھی انکاری ہوں گی اور کہیں گی کہ ہم کو تبلیغ نہیں کی گئی، ان کے نبیوں سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے کہ ہم نے تبلیغ کی تھی، ان سے گواہ طلب کئے جائیں گے تو وہ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کو گواہی میں پیش کر دیں گے۔ چنانچہ یہ حضرات عرض کریں گے کہ ہم پیغمبروں کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں ان سے سوال ہوگا کہ تمہیں اس معاملے کی کیا خبر؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہمارے پاس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے خبر دی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو تبلیغ کی۔ لہذا ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ (درمنثور ص ۱۴۳ ج ۱)

پھر فرمایا۔ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ سو ہم ان کے روبرو ضرور بیان کر دیں گے علم کے مطابق، اور ہم غائب نہ تھے) مفسر ابن کثیر ص ۲۰۱ ج ۱۲ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بوضع الكتب يوم القيامة فينكلم بما كانوا يعملون

کہ اعمال نامہ رکھ دیئے جائیں گے وہ تمام اعمال کو ظاہر کر دیں گے پھر وَمَا كُنَّا غَافِلِينَ ۝ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی انہ  
تَعَالٰی بِخَيْرِ عِبَادِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَا قَالُوا اَوْبَمَا عَمَلُوا مِنْ قَلِيلٍ وَكَثِيرٍ وَجَلِيلٍ وَحَقِيرٍ لَآنَ تَعَالٰی شَهِيدٌ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ  
الفتح۔

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے اقوال اور اعمال سب بتا دے گا چھوٹے اعمال ہوں یا بڑے اعمال ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔

اعمال کا وزن، بھاری اوزان والوں کی کامیابی..... اللہ رب العزت ہمیشہ سے ساری مخلوق کے اعمال سے واقف ہے اگر قیامت کے میدان میں صرف اپنی معارف کی بناء پر اعمال کی جزاء و سزا دے تو ان کو اس کا بھی حق ہے، لیکن میدانِ حشر میں ایسا نہ کیا جائے گا بلکہ بندوں کے سامنے ان کے اعمال نامے پیش کئے جائیں گے وزن ہوگا۔ گواہیاں ہوں گی، اور مجرمین انکار بھی ہوں گے اور دلیل سے جرم کا اثبات بھی کیا جائے گا تاکہ سزا بھگتتے والے یوں نہ کہہ سکیں کہ ہم کو ظلمنا بلا وجہ عذاب میں ڈالا گیا۔ اسی کو فرمایا وَالْوِزْنَ بِالنَّحْيِ اور اس دن وزن کرنا حق ہے سو جن کی تو لیں بھاری پڑیں وہی لوگ باحراہ ہوں گے، اور جن کی تو لیں ہلکی پڑیں سو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کا نقصان کیا، اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے وزن اعمال کا ذکر یہاں اعراف میں بھی ہے اور

سورۃ مؤمنون رکوع ۶ میں بھی ہے اور سورۃ القارعہ میں بھی ہے وہاں فرمایا ہے: فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۖ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۚ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ (سو جس کے وزن بھاری ہوئے وہ خوشی کی زندگی میں ہوگا اور جس کے وزن ہلکے ہوئے تو اس کا ٹھکانہ ہادیہ یعنی دوزخ ہے)..... حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز (اعمال تولنے کی) ترازو رکھ دی جائے گی (اور وہ اس قدر لمبی چوڑی ہوگی کہ) اگر اس میں سارے آسمان وزمین رکھ کر وزن کئے جائیں تو سب اس میں آجائیں۔ اس کو دیکھ کر فرشتے بارگاہ خداوندی میں عرض کریں گے کہ یہ کس کے لیے تو لے گی؟ اللہ جل شانہ فرمائیں گے کہ میں اپنی مخلوق میں سے جس کے لیے (حساب کرنے کے واسطے) تول قائم کروں (اس کے لیے یہ تو لے گی) یہ سن کر فرشتے عرض کریں گے کہ اے اللہ! آپ پاک ہیں جیسا عبادت کا حق ہے ہم نے ایسی عبادت آپ کی نہیں کی۔ (التزغیب والترہیب ص ۳۲۵ ج ۴ رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا (قیامت کے روز) ترازو پر ایک فرشتہ مقرر ہوگا (اعمال کو وزن کرنے کے لیے) انسان اس ترازو کے پاس لائے جاتے رہیں گے، جو آئے گا ترازو کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا۔ پس اگر اس کے تول بھاری ہوئے تو وہ فرشتہ ایسی بلند آواز سے پکار کر اعلان کر دے گا جسے ساری مخلوق سنے گی کہ فلاں ہمیشہ کے لئے سعادت مند ہو گیا، اب اس کے بعد بد نصیب نہ ہوگا اور اگر اس کے تول ہلکے رہے تو وہ فرشتہ ایسی بلند آواز سے پکار کر اعلان کر دے گا جسے ساری مخلوق سنے گی کہ فلاں ہمیشہ کے لیے نامراد ہو گیا۔ اب کبھی اسکے بعد خوش نصیب نہ ہوگا۔ (الترغیب والترہیب ص ۱۳۲۵ از بزار و تہجدی)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب ”موضح القرآن“ میں لکھتے ہیں کہ ہر شخص کے عمل وزن کے موافق لکھے جاتے ہیں ایک ہی کام ہے اگر اخلاص و محبت سے حکم شرعی کے موافق کیا اور بر محل کیا تو اس کا وزن بڑھ گیا اور دکھاوے یا ریس کو کیا یا موافق حکم منکریا یا ٹھکانے پر نہ کیا تو وزن گھٹ گیا آخرت میں وہ کاغذ ملیں گے جس کے نیک کام بھاری ہوئے تو برائیوں سے درگزر ہوا اور (جس کے نیک کام) ہلکے ہوئے تو پکڑا گیا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ قیامت کے روز اعمال کو جسم دے کر حاضر کیا جائے گا اور یہ جسم تلیں گے اور ان جسموں کے وزنوں کے ہلکایا بھاری ہونے پر فیصلے ہوں گے۔ کاغذوں کا تلنا یا اعمال کو جسم دے کر تولانا جائنا بعید نہیں ہے اور اعمال کو بغیر وزن دیئے یونہی تول دینا بھی قادر مطلق کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔

آج جبکہ سائنس کا دور ہے اور ایجادات روز افزوں ترقی پر ہیں اعمال کا تول میں آجانا بالکل سمجھ میں آ جاتا ہے۔ یہ عاجز بندے جن کو اللہ جل جلالہ و عم نوالہ نے تھوڑی سی سمجھ دی ہے تھر ماسٹر کے ذریعے جسم کی حرارت کی مقدار بتا دیتے ہیں اور اسی طرح کے بہت سے آلات ہیں جو اجسام کے علاوہ دوسری چیزوں کی مقدار معلوم کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں تو اس وحدہ لا شریک کی قدرت سے یہ کیسے باہر مانا جائے کہ عمل تول میں نہ آسکیں۔ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ اعمال کو حسی و جوئی نہیں رکھتے اور وجود میں آنے کے ساتھ ہی فنا ہوتے رہتے ہیں پھر آخرت میں کیونکر جمع شدہ ملیں گے؟ اس شبہ کی موجودہ دور میں کوئی حیثیت نہیں رہی کیونکہ اب تو ٹیلی ویژن اور وی سی آر نے بتا دیا کہ حرکات سکنت اور آواز کو ریکارڈ کیا جاسکتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے الفاظ و کلمات اور حرکات و سکنت کو گرفت میں لا کر اکٹھا کرنے اور ریکارڈ میں لانے کی طاقت دی ہے تو وہ خود اس پر ضرور قادر ہے کہ اپنی مخلوق کے اعمال و افعال کا مکمل ریکارڈ تیار رکھے۔ جس میں سے ایک ذرہ اور شوشہ بھی غائب نہ ہو۔ اور حسی طور پر قیامت کے روز ان کا وزن سب کے سامنے عیاں اور ظاہر ہو جائے۔ لَا تُحْزِنُ يَ الْفُتُورُ

اللہ سُبْحٰنَہٗ مَا تَكُنُّ نَفْسٌ مَّا تَكُنُّ نَفْسٌ ط إِنَّ اللہَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝  
صاحب تفسیر مظہری علامہ سیوطیؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ مؤمنین کے اعمال کا صرف وزن ہوگا، یا کافروں کے اعمال بھی تولے جائیں گے؟ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ صرف مؤمنین کے اعمال تولے جائیں گے (کیونکہ) کافروں کی نیکیاں تو اکارت جائیں گی۔ پھر جب نیکی کے پلڑہ میں رکھنے کے لیے کچھ نہ رہا تو ایک پلڑا سے کیا تولا جائے گا اس جماعت نے فَلَا تَقْضُ لَہُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَزَنًا سے استدلال کیا ہے۔

دوسری جماعت کہتی ہے کہ کفار کے اعمال بھی تولے جائیں گے (لیکن وہ بے وزن نکلیں گے ان کا استدلال آیت وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِنُہٗ فَاولٰئِکَ الدِّیْنُ خَسِرُوْا اَنْفُسَہُمْ فِیْ جَہَنَّمَ خٰلِدُوْنَ سے ہے اور جن کی تول ہلکی نکلی سو یہ وہ لوگ ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان،

یہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے استدلال ھُمْ فِيهَا خَالِدُونَ سے ہے (یہ سورۃ مؤمنوں کی آیت ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ہلکی تول نکلنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کے اعمال بھی تولے جائیں گے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مؤمن کوئی بھی دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا۔

اس کے بعد صاحب تفسیر مظہری علامہ قرطبی کا قول نقل فرماتے ہیں کہ ہر ایک کے اعمال نہیں تولے جائیں گے (بلکہ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ) جو لوگ بغیر حساب جنت میں جائیں گے یا جن کو دوزخ میں بغیر حساب میدان حشر قائم ہوتے ہی جانا ہوگا۔ ان دونوں جماعتوں کے اعمال نہ تولے جائیں گے اور ان کے علاوہ باقی مؤمنین و کفار کے اعمال کا وزن ہوگا۔

صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ علامہ قرطبی کا یہ اشارہ دونوں جماعتوں کے مسلکوں اور دونوں آیتوں (آیت سورۃ کہف اور آیت سورۃ مؤمنوں) کے مطالب کو جمع کر دیتا ہے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ (بیان القرآن میں) سورۃ اعراف کے شروع میں ایک تمہید منفید کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ پس اس میزان میں ایمان و کفر بھی وزن کیا جائے گا اور اس وزن میں ایک پلہ خالی رہے گا۔ اور ایک پلہ میں اگر وہ مؤمن ہے تو ایمان اور اگر کافر ہے تو کفر رکھا جائے گا۔ جب اس تول سے مؤمن و کافر متمیز ہو جائیں گے (تو) پھر خاص مؤمنین کے لیے ایک پلہ میں ان کے حسنات اور دوسرے پلہ میں ان کے سینات رکھ کر ان اعمال کا وزن ہوگا اور جیسا کہ درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اگر (مؤمن کے) حسنات غالب ہوئے تو جنت اور اگر سینات غالب ہوئے تو دوزخ اور اگر دونوں برابر ہوئے تو اعراف تجویز ہوگی پھر خواہ شفاعت سے قبل سزا خواہ سزا کے بعد مغفرت ہو جائے گی (اور سینات غالب ہونے والے مؤمن بندے اور اعراف والے جنت میں داخل ہو جائیں گے)

کفار کی نیکیاں بے وزن ہوں گی..... سورۃ کہف کے آخری رکوع میں ارشاد ہے کہ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيَّهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاءِ رَبِّهِمْ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝

آپ فرما دیجئے کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بڑے گھائے میں ہیں (یہ) وہ لوگ ہیں جن کی کوشش اکارت گئی دنیاوی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ اچھے کام کر رہے ہیں..... (یہ) وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب کی آیتوں کے اور اس کی ملاقات کے، سوا کارت گئے ان کے عمل پس ہم قیامت کے دن ان کے لیے تول قائم نہ کریں گے۔ یعنی سب سے زیادہ ٹوٹے اور خسارہ والے حقیقت میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے برسا برس دنیا میں گزارے اور محنت و کوشش کر کے نفع کماتے رہے اور دنیا جوڑ کر خوش ہوئے اور یہ یقین کرتے رہے کہ ہم بڑے کامیاب اور بامراد ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ضرور ایسا ہوگا کہ بعض بھاری بھر کم موٹے بدن والے آدمی اس حال میں آئیں گے کہ اللہ کے نزدیک ان کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا (پھر فرمایا کہ تم لوگ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا کو پڑھ لو)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۸ از بخاری و مسلم)

صاحب تفسیر مظہری فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافروں کے اعمال کا کوئی اعتبار یا قدر و منزلت نہ ہوگی۔ پھر حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی روایت حضرت ابو ہریرہؓ نقل فرمایا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین و کفار جو دنیا کی زندگی میں اپنے خیال میں نیک کام کرتے ہیں مثلاً پانی پلانے کا انتظام کرتے ہیں اور مجبور کی

مذکر گزر رہے ہیں، یا اللہ کے ناموں کا در در کہتے ہیں الٰہی غیر ذالک۔ اس قسم کے کام بھی آخرت میں ان کو نجات نہ دلائیں گے۔  
سادھو اور سنیاسی جو بڑی بڑی ریاضتیں کرتے ہیں اور مجاہدہ کر کے نفس کو مارتے ہیں، اور یہود و نصاریٰ کے راہب اور پادری جو نیکی کے خیال سے شادی نہیں کرتے ان کے اس قسم کے تمام افعال بے سود ہیں، آخرت میں کفر کی وجہ سے کچھ نہ پائیں گے۔ کافر کی نیکیاں مردہ ہیں۔ وہ قیامت کے روز نیکیوں سے خالی ہاتھ ہوں گے۔

پھر صاحب تفسیر مظہری آیت کے ان الفاظ کی دوسری تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یا یہ معنی ہیں کہ ان (کافروں) کے لیے ترازو نصب ہی نہ کی جائے گی اور تولنے کا معاملہ ان کے ساتھ ہونا ہی نہیں کیونکہ ان کے عمل وہاں اکارت ہو جائیں گے لہذا سیدھے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

آیت کے الفاظ مذکورہ کے تیسرے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ کفار اپنے جن اعمال کو نیک سمجھتے ہیں قیامت کے ترازو میں ان کا کچھ وزن نہ نکلے گا (کیونکہ وہاں اسی نیک کام کا وزن ہوگا جو ایمان کی دولت سے مشرف ہوتے ہوئے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے دنیا میں کیا گیا تھا)۔

وَلَقَدْ مَكَنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٦﴾ وَلَقَدْ

اور بلاشبہ ہم نے تمہیں زمین میں رہنے کی جگہ دی، اور ہم نے تمہارے لیے اس میں زندگی کا سامان پیدا کیا تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ اور بلاشبہ ہم نے

خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ ۖ فَسَجَدُوا ۖ اِلَّا اِبٰلٰٓسَ ۚ

تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں۔ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو سو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے

لَمْ يَكُنْ مِنَ السَّٰجِدِيْنَ ﴿٧﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اُمِرْتَ ۖ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ

وہ سجدہ کرنے والوں میں نہیں تھا۔ اللہ کا فرمان ہوا کہ تجھے کس چیز نے اس بات سے روکا کہ تو سجدہ کرے جبکہ میں نے تجھے حکم کیا، اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں،

خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ ﴿٨﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ

مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو پیدا کیا گھڑ سے۔ فرمایا پس تو یہاں سے اتر جا، سو تجھے کوئی حق نہیں کہ اس میں تکبر کرے

فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصَّٰغِرِيْنَ ﴿٩﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْ اِلٰى يَوْمٍ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٠﴾ قَالَ

سو تو نکل جا! بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے، وہ کہنے لگا کہ مجھے اس دن تک مہلت دیجئے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔ فرمایا بے شک تو

اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿١١﴾ قَالَ فَيَمًا اَعُوَيْتَنِيْ لَا قُعْدَنَ لَهُمْ صِرَاطَكَ

ان لوگوں میں سے ہے جنہیں مہلت دی گئی، وہ کہنے لگا سو اس وجہ سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور ضرور ان لوگوں کے لیے آپ کے سیدھے راستے

الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١٢﴾ ثُمَّ لَا تَنْتَهُهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ

پر بچھوں گا، پھر ضرور آؤں گا ان کے پاس ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں

شَمَائِلِهِمْ ۚ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ﴿۱۵﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا ط

جانب سے اور ان کی باتیں جانب سے، اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے فرمایا تو یہاں سے نکل جا ذلیل اور خوار ہو کر،

لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۶﴾

اس میں شک نہیں کہ جو شخص ان میں سے تیری راہ پر چلے گا تو میں ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

بنی آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور شیطان کی ملعونیت کا تذکرہ

یہ متعدد آیات ہیں پہلی آیت میں (جو بعد میں آنے والی آیات کی تمہید ہے) فرمایا کہ ہم نے تمہیں زمین میں جگہ دی اور نہ صرف جگہ دی بلکہ تمہارے لیے معیشت کا سامان بھی پیدا کیا کھانے پینے کی چیزیں پیدا فرمائیں۔ سپنے اور اوڑھنے بچھانے کے لیے کپڑے پیدا کئے۔ زمین کو نرم پیدا کیا اس کو کھود و بنیادیں ڈالو، عمارتیں بناؤ درخت لگاؤ، کھیتیاں بوؤ جانوروں کو چارہ کھلاؤ اور خود بھی کھاؤ۔ طرح طرح کا سامان تمہارے لیے پیدا کر دیا۔ ان سب نعمتوں کو استعمال کرو اور خالق کائنات جل شانہ کا شکر ادا کرو، لیکن تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

اس تمہید کے بعد جس میں یہ بتا دیا کہ پیدا کرنے والے کا شکر کرنا لازم ہے مزید دو نعمتوں کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے تمہیں (تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو) پیدا کیا پھر تمہاری صورت بنائی (اولا مٹی کا وہ مادہ جمع کیا جس سے حضرت آدم کو پیدا فرمایا تھا۔ پھر اس مادہ سے ان کی صورت بنائی جو آدم کی صورت بنی وہی صورت ان کی ذریت کی بھی ہوگئی۔

یہی وہ صورت ہے جس کے بارے میں سورہ واتین میں فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ اور حدیث میں فرمایا إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ پھر اس صورت میں روح پھونک دی۔ کیا تو وہ ایک مجسمہ کی شکل تھی پھر جیسے ہی اس میں روح پھونک دی وہ جیتی جاگتی دیکھتی بھالتی عقل اور سمجھ رکھنے والی ایک جاندار چیز بن گئی اس جاندار کو چیزوں کے نام سکھا دیئے پھر فرشتوں پر پیش کیا کہ تم ان چیزوں کے نام بتاؤ وہ نہ بتا سکے۔ اس طرح آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت ظاہر ہوگی۔

ابلیس کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار اور اللہ رب العزت پر اعتراض کرنا..... پھر فرشتوں سے فرمایا ان کو سجدہ کرو (جیسا کہ سورہ بقرہ میں گزر چکا) سب فرشتوں نے سجدہ کر لیا (یہ سجدہ تعظیماً تھا سجدہ عبادت نہیں تھا) وہیں ابلیس بھی تھا۔ یہ تھا تو حیات میں سے لیکن زیادہ عبادت کرنے کی وجہ سے وہیں فرشتوں کے ساتھ آسمان میں رہتا تھا۔ اس کو بھی حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کر، اس نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ حکم عدولی کی بلکہ باری تعالیٰ شانہ نے جب سوال فرمایا کہ میں نے تجھے ان کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو تو نے سجدہ کیوں نہ کیا؟ اس پر وہ کٹ جھتی کرنے لگا اور اللہ تعالیٰ کے حکم ہی کو غلط بتا دیا وہ کہنے لگا کہ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ (کہ میں اس سے بہتر ہوں) جو بہتر ہے اسے حکم دینا کہ اپنے سے کم تر کو سجدہ کرے یہ تو حکمت کے خلاف ہے۔ پھر بہتر ہونے کی یہ دلیل بیان کی کہ مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا اور آگ مٹی سے بہتر ہے لہذا میں اس سے افضل ہوں اس نے غلط دلیل دی کیونکہ آگ کی طبیعت میں فساد ہے اور اس کا زیادہ تر کام یہی ہے اور مٹی کی طبیعت میں تعمیر ہے اس میں آباد کاری کی طبیعت ہے تو اضع ہے اس کے اندر غذا میں معادن ہیں، اشجار ہیں اور بہت سی خوبی کی صفات ہیں۔

ابلیس کا نکالا جانا..... ابلیس کو اس کی انا (میں) لے ڈوبی۔ اگر وہ واقعہ آدم علیہ السلام سے افضل ہوتا تب بھی احکم الحاکمین کا حکم بجالا ضروری تھا۔ لیکن اللہ کے حکم کو غلط قرار دیا اور حجت بازی پر اتر آیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ

لَتَجْزِيَنَّهُا (تو یہاں سے اتر جاتیرے لیے یہ درست نہیں تھا کہ تو اس میں تکبر کرے) فَاصْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصَّغِيرِيْنَ ۝ (تو نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے) مِنْهَا اور فِيْهَا کی ضمیر کس طرف راجع ہے اسکے بارے میں صاحب روح المعانی (ص ۹۰ ج ۸) لکھتے ہیں۔

یہ ضمیر جنت کی طرف راجع ہے اور ابلیس پہلے سے وہاں رہتا تھا پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد دنیا کا ایک باغچہ ہے جو عدن میں تھا حضرت آدم علیہ السلام وہیں پیدا کئے گئے تھے (ابلیس کو وہیں سجدہ کرنے کا حکم ہوا) اس نے سجدہ نہ کیا اور تکبر کیا تو وہاں سے نکل جانے کا حکم فرمایا۔

پھر لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے سماء یعنی آسمان کی طرف ضمیر راجع کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ ایک جماعت کا قول ہے لیکن اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ ابلیس کے مردود اور ملعون ہونے کے بعد حضرت آدم اور ان کی بیوی کو جنت عالیہ میں ٹھہرایا گیا اور اس کے بعد ابلیس نے وسوسہ ڈالا اور ان کو بہکایا۔ اگر وہ اس سے پہلے ہی آسمان سے اتار دیا گیا تھا تو پھر اس نے کیسے وسوسہ ڈالا۔ اور یہ اشکال اس صورت میں بھی ہوتا ہے جبکہ سجدہ کا واقعہ عدن والے باغ میں مانا جائے، سجدہ کا انکار کرنے کے بعد عدن والے باغ سے نکال دینے کے بعد اس نے کیسے وسوسہ ڈالا؟ سیدھی اور صاف بات جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہی ہے کہ ابلیس عالم بالا میں یعنی اوپر ہی رہتا تھا اور سجدہ کا حکم جو ہوا وہ بھی وہیں عالم بالا ہی میں ہوا تھا۔ جب ابلیس نے سجدہ نہ کیا تو ابلیس وہاں سے نکال دیا گیا اور آدم و حوا علیہما السلام کو جنت میں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا۔ ابلیس عالم بالا سے نکالا تو گیا لیکن ابھی زمین پر نہیں آیا تھا کہ اس نے دونوں میاں بیوی کے دل میں وسوسہ ڈالا اور ان کو بہکا کر شجرہ ممنوعہ کھلانے پر آمادہ کر دیا وسوسہ کس طرح ڈالا اس کا کوئی جواب یقینی طور پر نہیں دیا جاسکتا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جنت کے دروازہ پر کھڑے ہو کر دور سے آواز دے دی تھی۔ اس بارے میں اور بھی اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔ صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے بہر حال ابلیس ذلت کے ساتھ نکالا گیا ملعون ہوا۔ اللہ کی رحمت سے دور ہوا۔ اس پر پھٹکار پڑی۔ دھتکارا گیا۔

ابلیس کا زندہ رہنے کے لیے مہلت طلب کرنا ..... چونکہ اسے یہ پہلے سے معلوم تھا کہ یہ نئی مخلوق زمین میں آباد کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے اور انہیں خلافت ارضی سونپی جائے گی اور اسے جو ملعونیت کا داغ لگا وہ بھی نئی مخلوق کی وجہ سے لگا اس لئے اس نے اول تو اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ مجھے مہلت دی جائے یعنی میری عمر اتنی لمبی کر دی جائے کہ جس دن لوگ قبروں سے اٹھیں گے اس وقت تک جیتا رہوں اللہ تعالیٰ نے یوں تو نہیں فرمایا کہ قبروں سے اٹھنے کے دن تک تجھے مہلت ہے البتہ یوں فرمایا فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِنِّیْ یَوْمَ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ (سورۃ حجر اور ص ۷ میں یہی الفاظ ہیں)

ابلیس کا قسم کھانا کہ بنی آدم کو گمراہ کرتا رہوں گا ..... جب اللہ تعالیٰ شانہ نے لمبی عمر دینے کا وعدہ فرمایا تو ابلیس نے اپنے کینہ اور دشمنی کا اظہار کیا۔ بنی آدم سے اپنی ملعونیت کا بدلہ لینے کا اعلان کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ میں آپ کی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں ان سب کو ضرور ضرور گمراہ کروں گا (یہ الفاظ سورۃ ص میں ہیں) اور یہاں سورۃ اعراف میں اس کا قول ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔ فَبِمَا اَعُوْذُنِیْ لَا قُعْدَنُّ لَهُمْ صِرَاطًا الْمُسْتَقِیْمَ ۝ (کہ اس سبب سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا میں آپ کے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا اور ان کی راہ ماروں گا اس نے مزید کہا: لَا یَسْتَهُمُ مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شَاکِرِیْنَ ۝ (کہ ان کے پاس ضرور آؤں گا ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں جانب سے اور ان کی



پائیں جانب سے اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے) ابلیس نے بنی آدم کو بہکانے کے لیے چار جہات کا ذکر کیا کیونکہ ان چار جہات سے کوئی کسی کے پاس آ سکتا ہے۔ مطلب اس کا یہ تھا کہ بقدر امکان جہاں تک ہو سکے گا میں ان کو بہکانے کی کوشش کروں گا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جنت فوق (اوپر کی جانب) سے رحمت مانع ہوتی ہے اس لئے ادھر سے شیطان کے آنے کا راستہ نہیں اور نیچے کی جانب سے بھی نہیں آ سکتا اس لیے ان دونوں جہتوں کو چھوڑ دیا۔ یہ ابلیس کی دوسری ڈھٹائی ہے کہ گمراہی کی نسبت اب بھی اس نے اپنی طرف نہیں کی بلکہ اس نے یوں کہا کہ اے اللہ! آپ نے مجھے گمراہ کیا میں ان کی راہ ماروں گا۔

سورۃ نحل میں ہے کہ اس نے انسانوں کو بہکانے کے لئے قسم کھاتے ہوئے یوں کہا **لَا زَيْنَ لَّهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَا غَوْبَهُمْ** اَجْمَعِينَ اور سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ ابلیس نے کہا **هَذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ** (کیا یہ ہے جسے آپ نے میرے مقابلہ میں عزت دے دی) **لَسْتُ أَخْزَنُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا خُتْبَتُكَ ذَرِيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا** (اگر آپ نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دی تو بجز قدرِ قلیل کے میں اس کی ساری ذریت کو اپنے قابو میں کر لوں گا)۔

ابلیس تو اپنی قسم کو نہیں بھولا اپنی ضد اور ہٹ پر قائم ہے۔ بنی آدم کو بہکانے اور غلامانے اور گمراہ کرنے میں اس نے اور اس کی ذریت نے کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی بنی آدم کو کفر پر شرک پر اللہ کی نافرمانی پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔ گمراہ زیادہ ہیں اہل ہدایت کم ہیں۔ صالحین مخلصین بہت کم ہیں اس نے پہلے ہی **إِلَّا عِبَادَ لَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ** کہہ کر مخلصین کا استثناء کر دیا تھا اور جو اس نے **وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ** کہا تھا اس کے قول کو بنی آدم نے اس کا اتباع کر کے سچ کر دکھایا۔

**قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا** اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو یہاں سے نکل جا ذلیل و خوار ہو کر (یہ حکم دوسری بار ہے اس سے پہلے بھی یہ حکم ہو چکا تھا۔ لیکن وہ سجدہ نہ کرنے اور تکبر کرنے کی بنیاد پر تھا اور یہ دوبارہ اس کی اس بات پر ہے کہ اس نے بنی آدم کو اور غلامانے کی قسم کھائی) اللہ جل شانہ نے یہ بھی فرمایا۔

ابلیس اور اس کا اتباع کرنے والوں کے لئے دوزخ کے داخلہ کا اعلان ..... **لَمَنْ يَبْعَثْ مِنْهُمْ لَا مُلْتَقَنَ جَهَنَّمَ** **مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ** (بنی آدم میں جو تیرا اتباع کریں گے تم سب سے میں دوزخ کو بھر دوں گا) ابلیس نے قسم کھا کر اپنی بات بتادی کہ میں ان سب کا تاس ماروں گا راہ حق سے ہٹاؤں گا۔ اور اللہ تعالیٰ شانہ نے اعلان فرمایا کہ تجھے اور تیرے ماننے والوں سب کو دوزخ میں ڈال دوں گا۔ ابلیس کی بات اور حکم الحاکمین جل شانہ کا اعلان لوگوں کے سامنے ہے لیکن پھر بھی شیطان ہی کا اتباع کرتے ہیں **لَا جَعَلْنَا اللَّهُ مِنْهُمْ**۔

**وَيَا دِمَ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ**

اور اے آدم! رہ تو اور تیری عورت جنت میں، پھر کھاؤ جہاں سے چاہو اور پاس نہ جاؤ اس درخت کے

**فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ** ۵ **فَوَسَّوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوَاتِحِهِمَا**

پھر ہو جاؤ گے گنہگار۔ پھر بہکانا ان کو شیطان نے تاکہ ان دونوں کے جسم کا وہ حصہ ظاہر کر دے جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھا یعنی وہ حصہ جو حرام کر رکھے کا تھا۔

**وَقَالَ مَا نَهَاكُمْ رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ**

اور کہنے لگا کہ اس درخت سے تمہارے رب نے تمہیں اسی لیے روکا ہے کہ تم دونوں اسے کھا کر فرشتے بن جاؤ گے یا ہمیشہ اسی میں رہنے

الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَ قٰسَمَهُمَا اِنِّىْ لَكُمْمَّا لَيْنَ التّٰصْحِيْنَ ۝ فَاٰتٰهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا

والے ہو جاؤ گے۔ اور اس نے انکے سامنے قسم کھائی کہ بلاشبہ میں تمہاری خیر خواہی کرنے والوں میں سے ہوں۔ سو فریب دے کر ان دونوں کو نیچے لے آیا۔ سو جب ان دونوں

اِذَا الشَّجَرَةُ بَدَتْ لَهَا سَرٰتِئُهَا وَ طَلْفًا اِخْفٰ مِنْ عَلَیْهَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ ۝ وَ نَادٰیٰهَا

نے اس درخت کو کچھ لیا تو ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے سیتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے، اور ان دونوں کو ان کے

رَبِّهُمَا اَلَمْ اَنْهٰكُمَا عَنْ تِلْكَ الشَّجَرَةِ وَاَقُلْتُ لَكُمَا اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

رب نے پکارا کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہ کیا تھا۔ اور کیا میں نے تم سے یہ نہ کہا تھا کہ بلاشبہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے۔

قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا سَکَّةً وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

وہ دونوں کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ کو ظلم کیا۔ اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ فرمائیں گے اور رحم نہ کریں گے تو ضرور ہم تباہ کاروں

الْخٰسِرِيْنَ ۝ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ

میں سے ہو جائیں گے، فرمایا تم اتر جاؤ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہیں اور تمہارے لئے زمین میں رہنے کی جگہ ہے، اور نفع حاصل

اِلٰی حِيْنٍ ۝ قَالَ فِیْهَا تَحْيَوْنَ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝

تک رہنا ہے ایک وقت تک، فرمایا تم اسی میں جیو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے نکالے جاؤ گے۔

کرتا ہے ایک وقت تک، فرمایا تم اسی میں جیو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے نکالے جاؤ گے۔

حضرت آدم اور ان کی بیوی کا جنت میں رہنا

اور شیطان کے ورغلانے سے شجرہ ممنوعہ کو کھانا پھر وہاں سے دنیا میں اتارا جانا

شیطان تو مردود اور ذلیل ہو کر نکالا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ جنت میں رہو اور خوب بارودک نوک

اس میں سے کھاؤ پس اتنی پابندی ہے کہ فلاں درخت کے پاس نہ جانا اس میں نمی کو موکد فرمایا کہ کھانا تو کیا اس کے پاس بھی نہ جانا

اللہ تعالیٰ شانہ نے ان دونوں سے پہلے فرمایا تھا کہ یٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّکَ وَلِزَوْجِکَ فَلَا یُخْرِجُکُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی ۝

شیطان اس فکر میں تھا کہ خود تو جنت سے نکلا ہی ہے ان کو بھی وہاں سے نکلوائے چنانچہ وہ تاک میں لگا رہا اور ان کے دلوں میں یہ دوسوسہ ڈالا

کہ دیکھو تمہیں اس درخت کے کھانے سے جو منع فرمایا ہے اس کا اصلی سبب یہ ہے اس درخت میں سے جو شخص کھالے گا وہ فرشتہ بن جائے

گا اور اسے یہاں ہمیشہ رہنے کی دولت مل جائے گی۔ اور اس نے قسم کھائی کہ میں تمہاری خیر خواہی کی بات کر رہا ہوں جھوٹی قسم کھائی اور

فرشتہ بن جانے کی اور ہمیشہ رہنے کی بات ان کے سامنے رکھی وہ اس کی باتوں میں آگئے اور فریب خوردہ ہو کر اس درخت میں سے کھا

بیٹھے، ابھی ٹھیک طرح سے کھانے بھی نہ پائے تھے اس درخت کو کچھا ہی تھا کہ ان کے جسم سے کپڑے گر گئے اور ایک دوسرے کی

شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اپنی شرم کی جگہوں کو ڈھکنے کے لیے جنت کے پتے لے کر اپنے جسموں پر جوڑنے لگے (جس سے اسی وقت ظاہر ہو

گیا کہ یہاں ہمیشہ رہنا تو کجا اس درخت کو کھا کر یہاں کے کپڑے تک جسم پر نہیں رہ سکتے)۔

حضرت آدم و حواء کا گناہ پر نام ہونا اور توبہ کرنا..... اللہ جل شانہ نے دونوں کو پکارا کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا بلاشبہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے دونوں حضرات سچے مؤمن تھے بغیر کسی جیل و جنت کے اپنا قصور مان لیا اور گناہ کا اقرار کر لیا۔ اور مغفرت طلب کی اور رحمت کی درخواست پیش کر دی اور کہا: بَنَّا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنَّ لَنَا تَغْفِرًا وَتَرَحُّمًا لَنُكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ (اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہماری بخشش نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے) اللہ جل شانہ نے انکی توبہ قبول فرمائی، جیسا کہ سورہ بقرہ میں فرمایا ہے: فَصَلَّىٰ اذْمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ طَابَتْ لَهُ الثَّوَابُ الرَّحِيمَ ۝

حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کی خطا تو معاف ہوگئی لیکن چونکہ انسان کی تخلیق اسی لیے تھی کہ اسے زمین کی خلافت سونپی جائے گی اور زمین پر اسے آنا ہی تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے جنت سے اتار کر دنیا میں بھیج دیا قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ. تم یہاں سے اتر جاؤ تم میں بعض بعض کے دشمن ہوں گے۔ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ اور تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک وقت تک نفع حاصل کرنا ہے چنانچہ زمین میں آگئے اور بو و باش شروع ہوگئی۔

ہر شخص آتا ہے اور مدت مقررہ تک رہتا ہے اور کچھ نفع حاصل کرتا ہے پھر مر جاتا ہے اور زمین کے اندر چلا جاتا ہے۔ پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو اسی زمین سے سب نکل کھڑے ہوں گے اور حساب و کتاب کے لیے جمع ہوں گے اسی کو فرمایا: فِيهَا تَخْبُونَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُونَ ۝ حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کے قصہ اور انہیں کی شرارت اور شقاوت کے واقعات کے متعلق بہت سی چیزیں سورہ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکی ہیں اور وہاں فوائد ضروریہ متعلقہ واقعہ حضرت آدم علیہ السلام لکھ دیئے گئے ہیں من شاء فليراجع۔

يَبْنِيٰ آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُؤَارِي سَوَاتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ

اے آدم کی اولاد! بے شک ہم نے تمہارے لیے لباس اتار دیا جو تمہاری شرم کی جگہوں کو چھپاتا ہے اور وہ سب زینت ہے اور تقویٰ کا لباس

خَيْرٌ ذَٰلِكَ مِنْ آيَةِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝ يَبْنِيٰ آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا

یہ بہتر ہے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں اے آدم کی اولاد! تمہیں شیطان ہرگز فتنہ میں نہ ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے

اَخْرَجَ اَبَوْنِيكُم مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوَاتِيَهُمَا ۚ اِنَّهُ يَرِيكُمْ هُوَ وَ

ہاں باپ کو جنت سے ایسی حالت میں نکالا کہ وہ ان کا لباس اتر وارہا تھا۔ تاکہ دکھا دے ان دونوں کو ان کی شرمگاہیں بے شک وہ اور اس کی قوم تمہیں

قَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْهُمْ ۚ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ اَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

ایسے طور دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔ بے شک ہم نے بنا دیا شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست جو ایمان نہیں لاتے۔

لباس اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس سے پردہ پوشی بھی ہے اور زینت بھی

گذشتہ رکوع میں شیطان کی انسان دشمنی کا ذکر ہے اس نے بہت جم کر یہ اعلان کیا تھا کہ میں اولاد آدم کو بہکاؤں گا اور ورغلاؤں گا اور ان میں سے بہت تھوڑے ہی بندے خدائے پاک کے شکر گزار ہوں گے، اور اس کا بھی ذکر ہے کہ اس نے حضرت آدم و حواء علیہما السلام کو

جنت سے نکلوا دیے۔ اب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے خطاب ہو رہا ہے جس میں انعامات خداوندیہ کا بھی ذکر ہے اور اولاد آدم کو تنبیہ بھی ہے کہ شیطان کی طرف سے چوکنے رہیں۔

اذل تو اولاد آدم کو اللہ جل شانہ نے اپنی ایک بہت بڑی نعمت یاد دلائی اور وہ نعمت لباس ہے، اس کو لفظ اَنْزَلْنَا سے تعبیر فرمایا لباس کا مادہ روئی وغیرہ محض اللہ کا عطیہ ہے جیسے بحکم خداوندی آسمان سے بارش اترتی ہے ایسے ہی لباس کا مادہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے پیدا ہوتا ہے اگر وہ پیدا نہ فرمائے تو بندے کچھ نہیں کر سکتے۔ پھر لباس کے دو فائدے بتائے۔ اذل یہ کہ وہ شرم کی جگہوں کو ڈھانکتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ بتایا کہ لباس سے انسان کی زینت حاصل ہوتی ہے اور اس کے ذریعے انسان حسین اور جمیل بن جاتا ہے۔

سورہ نحل میں لباس کا فائدہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَجَعَلْ لَّكُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمْ الْحَرَّ وَ سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمْ بِأَسْكُنُمْ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایسے کرتے بنائے جو گرمی سے تمہاری حفاظت کرتے ہیں اور ایسے کرتے بنائے جو تمہاری لڑائی میں تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔ (علماء نے فرمایا ہے کہ تَقِیْكُمْ الْحَرَّ جو فرمایا یہ برسبیل کفایت ہے یعنی گرمی کا ذکر فرمایا چونکہ سردی اس کے مقابل ہے اس لئے ایک کے ذکر کرنے سے دوسرے کا تذکرہ بھی ہو گیا)۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ سردی سے بچنے کا ذکر سورہ نحل کے شروع میں فرمایا ہے وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالٰی: وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ اس لئے دوسری جگہ ذکر نہیں فرمایا بہر حال لباس اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اس سے ستر بھی چھپتا ہے، سردی گرمی سے بھی حفاظت ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ انسان حسین و جمیل بھی نظر آتا ہے یہ لباس پہلے تو روئی اور اون تک ہی منحصر تھا لیکن اب تو بہت سی چیزوں سے بنایا جاتا ہے۔ یہ سب اشیاء واجناس اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتیں ہیں جن سے لباس بھی بنایا جاتا ہے اور دوسرے کاموں میں بھی آتی ہیں۔ جسم چھپانے والے لباس کی نعمت کا ذکر فرمانے کے بعد ایک عظیم لباس کی طرف توجہ دلائی اور ارشاد فرمایا وَلِبَاسُ السَّقْوٰی ذٰلِكَ خَيْرٌ اور تقویٰ کا لباس یہ بہتر چیز ہے۔ تقویٰ گناہوں سے بچنے کا نام ہے جو شخص گناہوں سے بچنے اور اعمال صالحہ فراموشی و واجبات کی بجا آوری کرے منکرات سے بچے۔ وہ شخص تقویٰ والا ہے انسان میں جتنے عیوب ہیں ان سے تقویٰ بچاتا ہے فواحش و منکرات سے دور رکھتا ہے بے حیائی سے باز رکھتا ہے۔

جس میں تقویٰ ہوگا وہ ستر ڈھانکنے کی بھی کوشش کرے گا اور جس میں تقویٰ نہیں وہ زینت کے لیے لباس پہنے گا لیکن ستر عورت کا اس میں کوئی جذبہ نہ ہوگا اسی لیے دیکھا جاتا ہے کہ جن قوموں میں ایمان نہیں ان میں تقویٰ بھی نہیں تقویٰ نہیں تو ستر پوشی کا بھی اہتمام نہیں۔

حیاء انسان کا فطری تقاضا ہے..... چونکہ تقویٰ ہی ستر پوشی کرواتا ہے اس لئے تقویٰ کے لباس کی اہمیت بیان فرمادی۔ پہلے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ستر ڈھانکنا انسانیت کا فطری تقاضا ہے اس لیے تو حضرت آدم اور حوا علیہما السلام نے جب شجرہ ممنوعہ کھالیا اور ان کے جسم سے کپڑے گر گئے تو فوراً جنت کے پتے جوڑ کر ستر ڈھانکنے لگے حالانکہ دونوں آپس میں میاں بیوی تھے۔ شیطان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ انسانوں کو فواحش و منکرات میں مبتلا کرے اور نگاہا پہننا و پہننے کی ترغیب دے اس نے ننگوں کے کلب کھلوادی دیئے اور ایسے لباس رواج پائے جس میں عریانی ہے اور جن اعضاء کو چھپانا چاہئے تھا ان کا ابھار ہے۔ اگر کسی کی کسی ہوئی پتلون نہ ہو تو اس بات سے شرماتا ہے کہ اپنی سوسائٹی میں جاؤں گا تو لوگ یہ سوچیں گے کہ دیکھو یہ کیسا دقیا نوسی ہے اس کا دھڑ بھی ظاہر نہیں ہو رہا ہے۔ عورتوں کا عریان لباس، چست لباس اور باریک لباس اسی بے حیائی کا نتیجہ ہے جسے شیطان اور اس کے اہل کار رواج دینے پر کمر باندھے ہوئے ہیں۔

باریک لباس جس سے جسم نظر آئے اس کا پہننا نہ پہننا برابر ہے جو مرد، عورت ایسا لباس پہنے وہ شرعاً ننگوں میں شمار ہے اور خاص

کر عورتوں کے لیے اس بارے میں وعید شدید وارد ہوئی ہے۔

ان عورتوں کے لئے وعید جو کپڑا پہنے ہوئے بھی تنگی ہوں..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخیوں کی دو جماعتیں ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا (کیونکہ وہ میرے بعد ظاہر ہوں گے) (اول تو وہ لوگ جن کے پاس بیلوں کی دھموں کی طرح کوڑے ہوں گے ان سے لوگوں کو مارا کریں گے۔ اور دوسری جماعت ایسی عورتوں کی ہوگی جو کپڑے پہنے ہوئے بھی تنگی ہوں گی، مردوں کو مائل کرنے والی اور خود ان کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی۔ ان کے سر خوب بڑے بڑے اونٹوں کے گوبانوں کی طرح ہوں گے جو جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو سونگھیں گی۔) (رواہ مسلم ص ۲۰۵)

اس حدیث میں ایسی عورتوں کے بارے میں پیش گوئی فرمائی جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی پھر بھی تنگی ہوں گی یعنی ایسے باریک کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی جس سے کپڑے پہننے کا فائدہ نہ ہو اور ایسا چست کپڑا جو بدن کی ساخت پر کس جائے یہ بھی ایک طرح سے تنگاپن ہے۔

عریاں لباس کی مذمت..... نیز بدن پر کپڑا ہوتے ہوئے تنگے ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بدن پر صرف تھوڑا سا کپڑا ہو اور بدن کا بیشتر حصہ خصوصاً وہ اعضاء کھلے رہیں جن کو باحیا عورتیں چھپاتی ہیں بہت سی عورتیں یورپ اور امریکہ کے بے دین لیڈیوں کی تقلید میں ایسے لباس میں باہر آ جاتی ہیں جو عریانی والا لباس ہوتا ہے۔ گھنٹوں تک فراک جس میں آستین بھی نہیں پنڈلیاں تنگی سر پر دوپٹہ نہیں اور فراک کا ایسا کاٹ کہ نصف کمر اور نصف سینہ کھلا ہوا ہوتا ہے یہ سب عریانی ہے۔

قرآن مجید میں تو لباس کی صفت بتاتے ہوئے یوں فرمایا لِبَاسًا يُؤَدِّي سُنُوَاتُكُمْ وَرِيشًا ط یعنی ایسا لباس جو شرم کی جگہوں کو ڈھانک دے اور زینت ہو۔ اب تو ننگا ہونے کو زینت سمجھا جاتا ہے اور تنگے پہناوے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ قرآن پر ایمان لانے والے مرد عورتیں غور کریں کہ قرآن کیا بتاتا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں۔

اسلام میں ستر کے ڈھانکنے کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ تنہائی میں ننگا رہنے کی اجازت نہیں۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تنگے ہونے سے بچو کیونکہ تمہارے ساتھ ایسے افراد ہیں جو تم سے جدا نہیں ہوتے (یعنی فرشتے) لہذا تم ان سے شرم کرو، ان کا اکرام کرو۔ البتہ بیت الخلاء میں جانے کے وقت اور جب انسان اپنی بیوی کے پاس جائے اس وقت (بقدر ضرورت) برہنہ ہونے کی اجازت ہے۔ سنن ترمذی میں یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو اپنی شرم کی جگہ کی حفاظت کر۔ الایہ کہ اپنی بیوی یا مملوکہ (یعنی حلال باندی) سے استمتاع کے لیے استعمال کرنے۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر کوئی شخص تنہائی میں ہو تو شرم کی جگہ کھولنے میں کیا حرج ہے اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔ کہ اس سے شرم کیا جائے۔

مرد کا مرد ہے اور عورت کا عورت ہے کتنا پردہ ہے اور عورت کا اپنے محرموں سے کتنا پردہ ہے اور مرد کا اپنی محرم عورتوں سے کتنا پردہ ہے۔ یہ سب تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ اور عورت کا نا محرموں سے پردہ ہے وہ تو سب کو معلوم ہی ہے۔

پھر فرمایا ذٰلِكَ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ کہ یہ لباس کا پیدا فرمانا اللہ کی نشانیوں میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم اور کرم عظیم کا پتہ چلتا ہے لوگ اگر اس میں غور کریں تو اللہ کی نعمتوں کو پہچان سکتے ہیں اور نصیحت حاصل کر سکتے ہیں اس کے بعد نبی آدم کو متنبہ فرمایا کہ شیطان کے بہکانے میں نہ آ جانا ارشاد ہے۔

بنی آدم کو تنبیہ کہ شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے..... يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ (اے بنی آدم! ہرگز شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے) كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ (جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا) یعنی ان سے ایسا کام کروادیا جو ان گئے جنت سے نکالے جانے کا سبب بن گیا۔ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا (وہ اتروا رہا تھا ان کا لباس تاکہ انہیں دکھادے ان کی شرم کی جگہیں) اس میں بنی آدم (اولاد آدم) کو نصیحت فرمائی ہے کہ وہ ہوشیار رہیں شیطان کے بہکاوے میں نہ آئیں۔

شیاطین کی حرکتیں..... پھر فرمایا إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ بے شک وہ اور اس کی جماعت تمہیں ایسے طور سے دیکھتی ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔ شیاطین عموماً انسانوں کو نظر نہیں آتے وسوسے ڈالتے ہیں اور طرح طرح کی حرکتیں کرتے ہیں جو دشمن نظر نہ آئے اس سے بچاؤ مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے تنبیہ فرمائی کہ تم انہیں نہیں دیکھتے وہ تمہیں دیکھتے ہیں لہذا ان سے ہوشیار رہو۔

قال صاحب الروح ص ۱۰۵ ج ۸ لان العدو اذا اتى من حيث لا يري كان اشد واقوى.  
شیطان وسوسے ڈالتا ہے اور گناہ کراتا ہے اور کفر و شرک پر ڈالتا ہے اور اس کے علاوہ بھی اس کی بہت سی حرکتیں ہیں جن کا ذکر احادیث شریفہ میں آتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اولاد آدم میں جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے تولد کے وقت شیطان اسے چھوتا ہے اور وہ شیطان کے ہاتھ لگانے سے جیچ اٹھتا ہے سوائے مریم اور اس کے۔ يُنِىَّ (عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ) كَمَا كَانَتْ رُوحُهَا فِي بَطْنِ مَرْيَمَ (رواہ البخاری ص ۳۸۸ ج ۱)

حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قضاء حاجت کی جگہیں (شیاطین کے) حاضر ہونے کی جگہیں ہیں۔ اس لئے جب تم میں سے کوئی شخص قضاء حاجت کے لیے جائے تو (اللہ تعالیٰ سے ان کلمات کے ساتھ) یوں دعا مانگے: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ (میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں شیاطین سے ان کے مردوں سے اور عورتوں سے)۔ (رواہ ابوداؤد ص ۱۲ ج ۱)  
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی انسان بیت الخلاء میں داخل ہو تو اس کی شرمگاہ اور شیاطین کی آنکھوں کے درمیان پردہ یہ ہے کہ (داخل ہونے سے پہلے) بِسْمِ اللَّهِ کہہ لے۔ (رواہ الترمذی وقال بذا حدیث غریب و اسنادہ لیس بقوی)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وضو کا ایک شیطان ہے جسے ولہان کہا جاتا ہے اس لیے تم پانی کے (متعلق) وسوسہ ڈالنے والے سے بچو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۳۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے جب کوئی شخص سونے لگتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ لگاتے ہوئے لوری دیتا ہے کہ ابھی رات لمبی ہے سو جا۔ پس اگر وہ بیدار ہوا اور بیدار ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اس کے بعد اگر اس نے وضو کیا تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اس کے بعد جب نماز پڑھ لیتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ خوش طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتا ہے ورنہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کی طبیعت گندی ہوتی ہے اس پرستی چھائی ہوتی ہے۔ (رواہ البخاری ص ۵۳ ج ۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک آدمی کا ذکر ہوا کہ وہ صبح تک سوتا رہا اور نماز کے لیے نہ اٹھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص ایسا ہے جس کے کانوں میں شیطان نے پیشاب کر دیا۔ (صحیح بخاری ص ۳۳ ج ۱)

شیطان کس پر قابو پاتا ہے..... پھر فرمایا اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ اَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ (بے شک ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے) اگر ایمان بالکل نہیں تو دوستی کی ہے اور اگر ایمان ہے لیکن ساتھ ساتھ عصیان بھی ہے تو اسی حد تک شیطان کی دوستی بھی ہے۔ رہے کامل مؤمن تو ان سے شیطان کی دوستی نہیں ہے ان پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا۔

سورہ نحل میں فرمایا اِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهُ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُوْنَ ۝ (یقیناً ان لوگوں پر اس کا قابو نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس کا قابو انہیں پر چلتا ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہیں)۔

وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحْشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا اٰبَاءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرْنَا بِهَا ۚ قُلْ اِنْ

اور جب کوئی کام فحش کر لیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اس پر پایا ہے اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے، آپ فرمادیجئے! کہ بے شک

اللّٰهُ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ۚ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۚ

اللہ نیک کا۔ میں کا حکم نہیں دیتا کیا تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے۔ آپ فرمادیجئے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے۔

وَ اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَ اذْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ كَمَا بَدَاكُمْ

اور یہ کہ تم ہر جگہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھو۔ اور اس طور پر اللہ کی عبادت کرو کہ اس عبادت کو اللہ ہی کیلئے خالص کرنے والے ہو۔ جیسا اس نے تمہیں شروع میں پیدا

تَعُوْدُوْنَ ۝ فَرِيقًا هٰدٰى وَ فَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۚ اِنَّهُمْ اَتَّخَذُوا الشَّيَاطِيْنَ

فرمایا اسی طرح تم دوبارہ لوٹو گے۔ ایک جماعت کو ہدایت دی اور ایک جماعت ایسی ہے جس پر گمراہی مقرر ہو چکی ہے۔ بلاشبہ ان لوگوں نے

اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنایا اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ بے شک وہ راہ راست پر ہیں۔

جاہلوں کی جہالت جو فحش کام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں ان کا حکم دیا ہے

شیطانوں کی تعلیم و تلمیذ کی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ حال تھا جو اوپر بیان فرمایا اور جو لوگ نبی ﷺ کے پیروں میں ہیں ان کا اب بھی یہی حال ہے کہ فواحش کے مرتکب ہوتے ہیں اور بے حیائی کے کام کرتے ہیں، جب انہیں سمجھایا جاتا ہے کہ یہ کام برا ہے تو وہ اپنی بد عملی اور بے حیائی کے جواز کے لیے یوں کہہ دیتے ہیں کہ اجی! ہمارے باپ دادے ایسا ہی کرتے آئے ہیں کیا ہمارے باپ دادوں کو اچھے برے کی تمیز نہ تھی (اس کا جواب سورہ مائدہ میں دے دیا گیا اور وہ یہ کہ اَوَلَوْ كُنَّا اَبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُوْنَ) (کیا اپنے باپ دادوں کی اقتداء کریں گے اگرچہ وہ کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں) اور ایسے منجھے بھی ہیں جو فحش کام کرتے ہیں اور یوں کہہ دیتے ہیں کہ وَاللّٰهُ اَمَرْنَا بِهَا کہ اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے یہ کتنی بڑی ڈھنائی ہے کہ برے کام کریں اور اللہ کے ذمہ لگا دیں کہ اس نے، ان کا حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ (بے شک اللہ تعالیٰ برے کام کا حکم نہیں دیتا) اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (کیا تم

اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں) بلا سدا نکل چکے باتیں کرتے ہو۔

پھر فرمایا **قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ** (آپ فرمادیجئے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے اور یہ کہ تم ہر مسجد کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھو) اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جنہوں نے اپنی جہالت سے یوں کہا کہ اللہ نے ہمیں فحش کاموں کا حکم دیا پہلے تو سبلی طور پر ان کی تردید فرمائی کہ اللہ فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا، پھر ایجابی طور پر ان کی تردید کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے ان کو تو نہیں کرتے اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان کو کرتے ہو اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب بھی کرتے ہو۔ یہ سراپا گمراہی ہے۔ اب تم سن لو کہ اللہ تعالیٰ نے کن چیزوں کا حکم دیا ہے اول تو یوں فرمایا **أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ** کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے ہر معاملہ میں انصاف کو سامنے رکھو۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرو کیونکہ یہ بہت بڑی بے انصافی ہے کہ خالق و مالک قادر و رازق کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک کر دیا جائے۔

انصاف میں سب احکام شرعیہ یعنی اللہ کے حقوق کی ادائیگی اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی دونوں باتیں داخل ہو گئیں..... **مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ** ہر طرح کے اخلاص کو شامل ہے غیر اللہ کی عبادت اخلاص فی العبادۃ کے خلاف ہے اور عبادت میں ریا کاری کرنا اخلاص فی رضاء اللہ کے خلاف ہے غیر اللہ کی عبادت شرک جلی اور ریا کاری شرک خفی ہے۔

پھر فرمایا **وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ** کہ تم ہر مسجد کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھو یعنی صرف معبود برحق ہی کی عبادت کرو۔ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ مزید فرمایا **وَأَذْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ** یعنی اللہ کی اس طور پر عبادت کرو کہ عبادت کو اللہ ہی کے لیے خالص کرنے والے ہو اس میں بھی مضمون سابق مذکور ہے اور توحید فی العبادت کی تاکید ہے۔

پھر فرمایا **كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ** یعنی اس نے جس طرح تمہیں ابتدا پیدا فرمایا تھا.. اسی طرح تم دوبارہ لوٹ جاؤ گے۔ اس سے مشرکین کا یہ وسوسہ دور فرمایا کہ اس دنیا میں رہیں گے اور مرجائیں گے آباؤ اجداد کے طریقے پر رہے تو کیا حرج ہے؟ انہیں بتادیا کہ یہاں ہمیشہ رہنا نہیں ہے مرو گے پھر جیو گے اور کفر و شرک پر عذاب ہوگا۔

پھر فرمایا **فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ** کہ اللہ نے ایک جماعت کو ہدایت دی اور ایک جماعت ایسی ہے جس پر گمراہی مقرر ہو چکی ہے۔

پھر فرمایا: **إِنَّهُمْ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُّسْتَعِينُونَ** (بلاشبہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو دوست بنالیا اور یہ گمان کر رہے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں) اول تو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائے پھر شیاطین کو دوست بنایا جن کا کام ہی گمراہ کرنے کا ہے پھر اپنے بارے میں یہ خیال کہ ہم ہدایت پر ہیں یہ سب گمراہی درگمراہی ہے۔

**يٰۤاٰدَمُ خُذْ وَاٰزِيۡتَكَمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوۡا وَاشْرَبُوۡا وَلَا تُسْرِفُوۡاۤ اِنَّهٗ**

اے اولادِ آدم! تم مسجد کی حاضری کے وقت اپنی آرائش لے لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے آگے مت بڑھو، بے شک

**لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيۡنَ ۚ قُلْ مَنۡ حَرَّمَ زِيۡنَةَ اللّٰهِ الَّتِيۡ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖۙ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ**

اللہ حد سے لگنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ آپ فرمادیجئے! اللہ نے اپنے بندوں کے لیے جو زینت نکالی ہے اور جو کھانے پینے کی چیزیں پیدا فرمائی ہیں



قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ كَذَلِكَ نَفْصِلُ

انہیں کس نے حرام قرار دیا، آپ فرمادیجئے کہ یہ چیزیں دنیاوی زندگی میں اہل ایمان کے لیے ہیں۔ قیامت کے دن ان کے لیے خالص ہوں گی۔ ہم اسی طرح ان لوگوں کے لیے

### الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۵﴾

آیات بیان کرتے ہیں جو جانتے ہیں۔

بے حیائی کی مذمت، اور طواف و نماز کے وقت ستر عورت کا خصوصی حکم

مشرکین عرب طرح طرح کے شرکیہ عقائد و افعال اور بے شرعی کے اعمال میں مبتلا تھے ان کی یہ بے شرعی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ کعبہ شریف کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے مرد بھی ننگے اور عورتیں بھی ننگی۔ البتہ عورتیں یہ کرتی تھیں کہ اپنی شرم کی جگہ پر چھوٹا سا چھتیزا لپیٹ لیتی تھیں اور طواف کرتے ہوئے یوں کہتی ہوئی جاتی تھیں: **اليوم يبدو بعضه او كله وما بدامنه لا احله**

ان کی اس حرکت سے منع کرنے کے لیے آیت کریمہ **خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ** اور اس کے بعد والی آیت **قُلْ مَنْ حَرَّمَ** **زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي اخْرَجَ لِعِبَادِهِ** نازل ہوئی۔ (رواہ مسلم ابن عباس)

علامہ ابو بکر حصص نے احکام القرآن ص ۲۱ ج ۳ میں لکھا ہے کہ یہ لوگ اپنے اس خیال خام میں مبتلا تھے کہ جن کپڑوں میں گناہ کئے ہیں ان میں طواف کرنا صحیح نہیں اور بعض حضرات نے بتایا کہ یہ لوگ ثقافاً لایا کرتے تھے کہ جیسے ہم کپڑوں سے ننگے ہو گئے اسی طرح سے ہمارے اوپر کوئی گناہ بھی باقی نہیں رہا۔ (شیطان اپنے لوگوں کو کیسی کیسی پٹی پڑھاتا ہے)

اسباب النزول للواحدی ص ۲۲۲ میں ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے نقل کیا ہے کہ اہل عرب نے اپنے دین میں یہ بات نکال رکھی تھی کہ منی سے واپس ہو کر جب طواف کرتے تھے تو دونوں کپڑے اتار کر رکھ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آیت شریفہ **يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ** سے لفظ **يَعْلَمُونَ** تک آیات نازل فرمائیں۔

لفظ **خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ** کا عموم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طواف کے لیے مسجد میں جائیں (جو صرف مسجد حرام میں ہوتا ہے) یا نماز کے لیے جائیں (خواہ کسی بھی مسجد میں پڑھیں) تو لباس پہن کر جائیں۔ ستر عورت جس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں اس کا اہتمام کرنا تو فرض ہی ہے (خواہ گھر میں نماز پڑھے) لیکن ستر عورت سے زیادہ جو لباس زینت کے لیے پہنا جاتا ہے اس کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔

لباس زینت کا حکم..... میلے کھیلے بد بودار کپڑے پہن کر نماز پڑھنے لگے تو یہ نماز کی شان کے خلاف ہے اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ جو کپڑے پہن کر بازار میں اور احباب و اصحاب میں جانے سے دل منقبض ہوتا ہو اور نفس اپنی بے آبروئی محسوس کرتا ہو ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ ستر عورت بھی ہو اور نطافت بھی ہو مرغوب لباس ہو (جو خلاف شرع نہ ہو) ایسے لباس میں نماز پڑھیں۔ لفظ **يَعْلَمُونَ** میں ان سب امور کی طرف اشارہ ہے۔

فضول خرچی کی ممانعت..... پھر فرمایا **وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ** (اور کھاؤ اور پیو اور حد سے آگے نہ بڑھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے آگے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا) حد سے آگے بڑھنے میں فضول خرچی، خلاف شرع لباس پہننا، حرام چیزیں کھانا اور استعمال کرنا سب داخل ہے چونکہ مشرکین طواف کرتے وقت ننگے ہو کر طواف کرتے تھے اور اس

وقت کپڑے پہنے کو گناہ سمجھتے تھے نیز انہوں نے اور بھی بہت سی چیزیں اپنے اوپر حرام کر رکھی تھیں جن کی کچھ تفصیل سورۃ انعام میں گذر چکی ہے اس لئے ان کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جو عزت اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا فرمائی (جس میں لباس بھی شامل ہے) اور اس کے علاوہ کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں پیدا فرمائیں ان کو کس نے حرام قرار دیا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو حلال قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کو تحلیل و تحریم کا اختیار ہے تم نے اپنی طرف سے تحریم کر کے اللہ کے قانون میں جو دخل دیا ہے یہ گمراہی کا کام ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اہل ایمان کے لیے ہیں ..... پھر فرمایا قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ آپ فرمادیجئے کہ یہ طہیات اور پاکیزہ چیزیں جو اللہ پاک نے پیدا فرمائیں ہیں دنیاوی زندگی میں اصلہ مؤمنین کے لیے ہیں گو کافر بھی ان کو استعمال کر لیتے ہیں اور قیامت کے دن خالص مؤمنین کے لیے ہوں گی۔ آخرت میں کافروں کے لیے ان کا ذرا سا حصہ بھی نہیں ہے دنیا میں بھی نعمتوں کے حقدار اہل ایمان ہی ہیں ان کے طفیل میں کافر بھی استعمال کر لیتے ہیں۔

قال صاحب الروح ای ہی لهم بالاصالة لمزيد كرامتهم على الله تعالى والكفرة وان شاركوهم فيها فبا تبيع فلا اشكال في الاختصاص المستفاد من اللام وانتصاب (خالصة) على الحال من الضمير المستتر في الجار والمجرور والعامل فيه متعلقه وقرانافع بالرفع على انه خبر بعد خبر او هو الخبر وللذين متعلق به قلم تأكيد الخلو والاختصاص. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: یعنی ان کے لئے نعمتیں ہیں اصل کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے مرتبہ کی وجہ سے اور کافر اگرچہ نعمتوں میں ان کے شریک ہیں مگر مؤمنوں کے تابع ہو کر لہذا لام سے مؤمنین کی جو خصوصیت معلوم ہوتی ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اور خالصہ جار مجرور میں پوشیدہ ضمیر سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا عامل اس کا متعلق ہے امام نافع نے خالصہ کو مرفوع پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ دوسری خبر ہے یا یہ کہ خالصہ خبر ہے۔

اور بعض حضرات نے آیت کا یہ معنی بتلایا ہے کہ دنیا میں جو نعمتیں ہیں اہل ایمان ان سے مشفع ہوتے ہیں لیکن ان میں کدورتیں ملی ہوئی ہیں دکھ تکلیف اور رنج و غم بھی ساتھ لگا ہوا ہے آخرت میں ان کو جو نعمتیں ملیں گی وہ خالص نعمتیں ہوں گی ان میں کسی قسم کی کدورت نہ ہوگی۔

قال صاحب معالم التنزيل ص ۱۵۷ ج ۲ فيه حذف تقديره هي للذين آمنوا وللمشركين في الحياة الدنيا فان اهل الشرك يشاركون المؤمنين في طيبات الدنيا وهي في الآخرة خالصة للمؤمنين لا حظ للمشركين فيها وقيل هي خالصة يوم القيامة من التغيض والغم للمؤمنين فانها لهم في الدنيا مع التغيض والغم. (صاحب معالم التنزيل فرماتے ہیں۔ اس عبارت میں حذف ہے تقدیر اس طرح ہے هي للذين آمنوا وللمشركين في الحياة الدنيا کہ یہ نعمتیں دنیا کی زندگی میں مؤمنوں کے لئے بھی ہے اور کافروں کے لئے بھی۔ کیونکہ دنیا میں تو مشرک بھی مؤمنوں کے ساتھ ان پاکیزہ نعمتوں میں شریک ہیں۔ اور وہی فی الآخرة خالصة للمؤمنين اور وہ آخرت میں خالص مؤمنین کے لیے مشرکین کا ان میں وہاں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا قیامت کے دن مؤمنین کیلئے یہ نعمتیں دکھ اور رنج سے خالی ہوں گی کیونکہ دنیا میں تو یہ نعمتیں دکھ اور رنج کے ساتھ ملتی ہیں)

در حقیقت کافر اس لائق نہیں ہے کہ کوئی بھی نعمت اسے دی جائے اور کسی بھی نعمت سے مشفع ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا بے حیثیت ہے اس لئے کافروں کو بھی دے دیتا ہے حضرت اہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی کوئی حیثیت رکھتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ ملاتا۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ کانی مشکوٰۃ ص ۴۴۱)

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ ۖ وَإِلَٰثُكُمْ وَالْبَغْيَ ۖ بَغْيِ الْحَقِّ ۚ وَأَنْ تُشْرِكُوا

آپ فرمادیجئے کہ میرے رب نے فحش کاموں کو جو ظاہر ہوں اور جو چھپے ہوئے ہوں۔ اور گناہ کو اور ظلم کو جو ناحق ہوتا ہے حرام قرار دیا ہے

بِإِلَٰهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا ۚ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ

اور اس بات کو حرام قرار دیا کہ اللہ کے ساتھ شریک کریں جس کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی اور یہ بھی حرام قرار دیا کہ تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جنہیں تم نہیں جانتے

فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۚ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ يَبْنِي أَدَمَ ۚ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ

اور ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہے سو جب ان کی اجل آگئی تو اس سے ذرا دیر بھی پیچھے نہ بنیں گے اور مقدم بھی نہ ہوں گے، اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس میرے رسول آئیں

مِّنْكُمْ يَقْضُونَ عَلَيْكُمْ أَيْتِي ۚ فَمَنْ أَتَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

جو تمہارے سامنے میری آیات بیان کریں سو جس نے ٹھوکی اختیار کیا اور اصلاح کی سو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا وہ لوگ دوزخ والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فحش کاموں اور ظاہری گناہوں کو حرام قرار دیا ہے

اور یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا پھر فرمایا کہ میرے رب نے انصاف کا حکم فرمایا ہے اس نے فواحش سے بچنے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

یہاں بطور تاکید پھر اس مضمون کا اعادہ فرمایا جس میں قدرے تفصیل بھی آ رہی ہے ارشاد فرمایا ہے قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ ۖ (آپ فرمادیجئے کہ میرے رب نے فحش چیزوں کو حرام قرار دیا ہے تمام فحش باتیں اور فحش کام خواہ ظاہری طور پر ہوں خواہ پوشیدہ طور پر۔ ننگے ہو کر طواف کرنا، لوگوں کے سامنے ستر کھول کر آ جانا، عورتوں کو بے پردہ پھرانا، علانیہ طور پر فحش کام کرنا سب اسی ما ظہور میں داخل ہے اور وما بطن (خفیہ طور) میں وہ سب فحش کام اور فحش کلام داخل ہیں جو پردہ پوشیدہ طور پر کئے جاتے ہیں۔ زنا اور اس کے دواعی جو چھپ کر ہوتے ہیں ان سب کے حرام ہونے کی تصریح ان لفظوں میں ہو گئی۔ (میاں بیوی والے تعلقات چونکہ حلال ہیں اس لئے فحش ممنوع میں داخل نہیں ہیں)۔

پھر فرمایا وَإِلَٰثُكُمْ وَالْبَغْيَ ۖ بَغْيِ الْحَقِّ اور اللہ نے گناہ کو بھی حرام قرار دیا اس میں ہر گناہ کی ممانعت آگئی وَالْبَغْيَ ۖ بَغْيِ الْحَقِّ اور اللہ نے ظلم و زیادتی کرنے کو حرام قرار دیا جو ناحق ہی ہوتا ہے۔

پھر فرمایا وَأَنْ تُشْرِكُوا بِإِلَٰهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا۔ اور اللہ نے یہ بھی حرام قرار دیا کہ تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرو۔ جو لوگ شرک کرتے تھے وہ اپنے باپ دادوں کی تقلید کو حجت بناتے تھے اور بعض جہالت کے مارے یوں بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی عبادت کرتے ہیں یہ ہمیں اللہ کے نزدیک پہنچادیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں فرمایا مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا کہ یہ تمہارا شرک کرنا وہ چیز ہے جس کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی

تمہارے پاس کوئی دلیل حجت اور سند نہیں۔ نیز فرمایا: **وَإِنْ تَقُولُوا أَعْلَىٰ اللَّهُ مَا لَا تَعْلَمُونَ** اور اللہ نے یہ بھی حرام کیا کہ تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جو تم نہیں جانتے۔ چونکہ اپنے برے کاموں کے بارے میں یوں بھی کہہ دیتے تھے کہ اللہ نے ہمیں ان کا حکم دیا اس لئے تنبیہ فرمائی کہ تم اپنی جہالت سے جو باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہو یہ بھی اللہ نے حرام قرار دیا۔

ہر امت کے لیے ایک اجل مقرر ہے..... پھر فرمایا: **وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ** (کہ ہر امت کے لیے ایک اجل مقرر ہے) سب ایک مدت مقررہ تک کھاتے پیتے رہیں گے اور جس امت پر عذاب آتا ہے اس کا بھی وقت مقرر ہے۔

قال فی معالم التنزیل (ص ۸۵ ج ۲) مدة اكل وشرب وقال ابن عباس وعطاء والحسن یعنی وقتا لنزول العذاب بهم فاذا جاء اجلهم وانقطع اكلهم لا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون ای لا يتقدمون. (معالم التنزیل میں ہے ان کے کھانے پینے کی مدت مقرر ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت حسنؓ فرماتے ہیں ان پر عذاب کے نازل ہونے کا وقت مراد ہے پس جب ان کا مقررہ وقت آجائے گا اور ان کا رزق ختم ہو جائے گا تو نہ ایک گھڑی مؤخر ہوں گے اور نہ مقدم۔)

جب ان کی اجل آچنیچے گی تو ذرا بھی دیر مؤخر نہ ہوں گے اور مقدم ہونے کا تو موقع رہا ہی نہیں، صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی جب لوگوں نے عذاب کا سوال کیا یعنی یوں کہا کہ اگر آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو اللہ ہم پر عذاب کیوں نہیں بھیجتا اور ہلاک کیوں نہیں کر دیتا۔

بنی آدم کو خطاب کہ رسولوں کا اتباع کرنا..... اس کے بعد پھر بنی آدم سے خطاب فرمایا اور مؤمنین اور کافرین کے انجام سے باخبر فرمایا ارشاد ہے: **يَا بَنِي آدَمَ اِمَّا يَنْتَهِكُم رُسُلٌ مِنْكُمْ يَفْضُلُونَ عَلَيْكُمْ الْبَيِّنَاتِ وَيُحْذَرُونَ** اے آدم کی اولاد! اگر تمہارے پاس میرے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیات بیان کریں یعنی میرے فرائض اور احکام بتائیں (کما فسرہ ابن عباس) تو جن لوگوں کے پاس میرے رسول آئے اور انہوں نے ان کی بات مانی اور شرک اور کفر سے بچے اور اپنے اعمال کو درست کیا تو (آخرت) میں ایسے لوگوں پر کوئی خوف نہ ہوگا اور رنجیدہ بھی نہ ہوں گے۔

کافروں، متکبروں کے لئے عذاب..... **وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ** اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے اعراض کیا اور ان کے قبول کرنے میں اپنی ہتک سمجھی اور اپنے کو بڑا سمجھا تو یہ لوگ دوزخ والے ہیں اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

**وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا** جو فرمایا اس میں ان کافروں کی شرارت نفس کا بیان ہے جو اللہ پر ایمان لانے اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرنے اور اس کے احکام ماننے میں اپنی ذلت محسوس کرتے ہیں اور نہ ماننے میں اپنی بڑائی سمجھتے ہیں۔

سورۃ الصافات میں فرمایا **إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ** (بلاشبہ ان کا یہ حال تھا کہ جب انکو **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کی دعوت دی جاتی تھی تو تکبر کرتے تھے) اور سورۃ قیامہ میں فرمایا **فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّى** **وَلَكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى** **ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَمْتَطِي** (سو نہ اس نے تصدیق کی نہ نماز پڑھی لیکن جھٹلایا اور منہ پھیر کر چل دیا پھر اکڑتا ہوا اپنے گھروالوں کی طرف چلا گیا) بڑا بننے والوں کا تکبر نے ناس کھویا اور ان کے قبیحین کو بھی لے ڈوبا۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۖ أُولَٰئِكَ يَنَالُهُم نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتَابِ

سو اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا لکھا ہوا حصہ مل جائے گا۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ رَسُولُنَا يُتَوَفَّوْنَهُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَا مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا

یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے فرستادہ آگئی جان قبض کرنے کیلئے آئیں گے تو وہ کہیں گے کہ وہ کہاں ہیں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے؟ جواب میں

ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ۖ قَالَ أَذْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ

کہیں گے کہ وہ سب ہم سے غائب ہو گئے اور اس وقت یہ لوگ اپنے بارے میں اقرار کر لیں گے کہ ہم کافر تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ دوزخ میں ان جماعتوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ

مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ فِي النَّارِ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا حَتَّىٰ إِذَا دَارَكُوا

جو جنات میں سے اور انسانوں میں سے تم سے پہلے ہو گزریں۔ جب ایک جماعت داخل ہوگی تو اپنی جسی دوسری جماعت پر لعنت کرے گی۔ یہاں تک کہ جب سب دوزخ میں

فِيهَا جَمِيعًا ۖ قَالَتْ أَخْرِصْهُمْ وَلَاوْلَهُمْ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا

جمع ہو جائیں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا لہذا انہیں خوب زیادہ بڑھتا چڑھتا دوزخ کا

مِنْ النَّارِ قَالَ لِكُلِّ ضِعْفٌ وَلَكِنْ لَا تَعْلَمُونَ ۖ وَقَالَتْ أُولَهُمْ لَاخْرِصْهُمْ فَمَا كَانَ

عذاب دہجئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ سب ہی کا دو گنا ہے لیکن تم جانتے نہیں ہو، اور جو پہلے لوگ تھے وہ پچھلے لوگوں سے کہیں گے کہ

لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۸﴾

پھر تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں۔ سو پچھ لو عذاب اپنے اعمال کے بدلہ میں۔

**موت کے وقت کافروں کی بد حالی اور دوزخ میں ایک دوسرے پر لعنت کرنا**

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا اس کی آیات کی تکذیب کرے۔ طرز تو سوال کا ہے لیکن بتانا یہ ہے کہ ایسے لوگ ظلم میں سب ظالموں سے بڑھ کر ہیں۔

پھر یہ فرمایا کہ جو ان کا رزق مقدر ہے اور جو ان کی عمر مقرر ہے وہ تو اس دنیا میں ان کو مل جائے گی۔ ہاں موت کے وقت اور موت کے بعد ان کا برا حال ہوگا اور برا انجام ہوگا۔ موت کے وقت جو فرشتے ان کی جانیں قبض کرنے لگیں گے ان سے سوال کریں گے کہ اللہ کو چھوڑ کر جن کو تم اپنی حاجتوں کے لیے پکارتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ اس موقع پر مذکورہ سوال کا باعث یہ ہو سکتا ہے کہ اب تم دنیا سے جا رہے ہو موت آرہی ہے اللہ کو چھوڑ کر جن کو پکارا کرتے تھے اس وقت تم انہیں کیوں نہیں پکارتے اگر وہ مدد کر سکتے ہیں تو تمہیں موت سے بچالیں۔ یہ سوال سرزنش کے لیے ہوگا تا کہ موت کے وقت انہیں اپنے شرک اور کفر کی قباحات اور شاعت معلوم ہو جائے۔ وہ بے بسی کے عالم میں جواب دیں گے کہ جن لوگوں کو ہم پکارا کرتے تھے۔ وہ سب غائب ہو گئے۔ اور ساتھ ہی وہ اقرار کریں گے کہ واقعی ہم کافر تھے۔ اس طرح کا سوال قیامت کے دن بھی ہوگا جیسا کہ سورہ انفعا (روم ۱) میں گزر چکا ہے برزخ کے عذاب

میں مبتلا کر جب قیامت کے دن انھیں گے اور سوال جواب و حساب و کتاب کے بعد کافروں کے بارے میں دوزخ میں جانے کا فیصلہ ہوگا تو ہمتیں بن بن کر دوزخ میں جاتے رہیں گے کچھ جماعتیں پہلے داخل ہوں گی اور کچھ بعد میں، جو لوگ بعد میں داخل ہوں گے ان سے اللہ کا فرمان ہوگا کہ تم سے پہلے جنات میں سے اور انسانوں میں سے جو جماعتیں دوزخ میں جا چکی ہیں تم بھی دوزخ کے عذاب میں ان کے ساتھی ہو جاؤ۔

اسی کو فرمایا قَالَ اذْخُلُوا فِيْ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْجَنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ..... پھر فرمایا کَلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَعْنَتْ اَخْتَهَا ۝ کہ جب ایک جماعت دوزخ میں جائے گی تو اپنی جیسی دوسری جماعت پر لعنت کرے گی۔ دنیا میں جو آپس میں ایک دوسرے سے تعلق تھا اور باہمی تعاون تھا وہ سب ختم ہو جائے گا اور ہر بعد والی جماعت اپنی جیسی پہلی جماعت پر لعنت کرے گی اور وہاں بغض کی شان پیدا ہوگی۔

اور بعد میں داخل ہونے والے اپنے سے پہلے داخل ہونے والوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا لہذا انہیں بڑھتا چڑھتا دوزخ کا عذاب دیجئے۔

یہ تفسیر اس صورت میں ہے کہ اَخْرَجْنَاهُمْ سے اتباع مراد لیے جائیں اور اَوَّلْنَاهُمْ سے ان کے سردار مراد لیے جائیں اور ساتھ یہ بھی مانا جائے کہ سرداران قوم دوزخ میں اپنی قوم سے پہلے جائیں گے۔ جیسا کہ معاملہ التزیل اور تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے اور بعض حضرات نے اَخْرَجْنَاهُمْ سے نیچے درجے کے لوگ اور اَوَّلْنَاهُمْ سے سرداران قوم مراد لئے ہیں اور اس میں دخول نار کی اولیت اور اخرویت کو ملحوظ نہیں رکھا۔ یہ قول روح المعانی میں لکھا ہے۔

دنیا میں تو اپنے بڑوں کی بات مانتے تھے اور ان کے کہنے پر چلتے تھے اللہ کی طرف سے جو ہدایت پہنچانے والے ہدایت کی طرف ہلاتے تھے تو انہیں کو برا کہتے تھے اور اپنے بڑوں ہی کی باتوں پر چلتے تھے اور انہیں سے چپکے رہتے تھے اور جب آخرت میں عذاب دیکھیں گے تو گمراہ کر نیوالوں پر لعنت کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ان کو ہمارے عذاب سے بڑھ کر خوب زیادہ عذاب ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا لِكُلِّ ضِعْفٍ وَلٰكِنْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ہر ایک کے لیے خوب زیادہ عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے۔ یعنی تم میں سے ہر ایک کو جس قدر عذاب ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ اسے کہا ہی نہیں جاسکتا۔ پھر یہ عذاب ایک حالت پر نہیں رہے گا بلکہ اس میں اضافہ ہوتا جائے گا جیسا کہ سورہ نحل میں فرمایا۔

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذُنُوْبُهُمْ فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ۝ (جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا ہم ان کو عذاب پر عذاب بڑھادیں گے بسبب اس کے کہ وہ فساد کرتے تھے)

فسر صاحب الجلالین الضعف بمعنی المضعف قال الشیخ الجمل فی حاشیہ اشارہ الی ان المراد بالضعف هنا تضعیف الشیء و زیادتہ الی ما لا ینتہی لا الضعف بمعنی مثل الشیء مرة واحدة۔ (صاحب جلالین نے ضعف کی تفسیر مضعف سے کی ہے شیخ جلالین کے حاشیہ میں تحریر کرتے ہیں کہ صاحب جلالین نے اس تفسیر سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں ضعف سے مراد کسی شے کی لامتناہی زیادت ہے ضعف سے مراد دو گنا نہیں ہے)

اس میں یہ بات بھی آگئی کہ جب وہ نولہ تفریق کا عذاب بہت زیادہ ہے تو دوسروں کا عذاب دیکھ کر کیا تسلی ہو سکتی ہے جب خود بھی سخت عذاب میں مبتلا ہیں۔

پھر فرمایا وَقَالَتْ اُولٰٓئِهٖمْ لَا خَرْهٖمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ کہ پہلے لوگ بعد والوں سے کہیں گے کہ جب اس کی سزا کا یہ حال ہے تو پھر ہم پر کوئی فوقیت نہ ہوگی نہ عذاب کی تخفیف ہمارے لیے ہے نہ تمہارے لیے فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۝ (سو تم اپنے اعمال کے بدلہ عذاب پکھلو)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتِّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ

بِجَنَّةٍ ۚ جَن لُّوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ

الْجَنَّةَ حَتّٰی يَلْبِغَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَّهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ

جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سونے کے ناکہ میں داخل ہو جائے۔ اور ہم ایسے ہی مجرموں کو سزا دیتے ہیں۔ ان کے لیے دوزخ کا

مِهَادٌ ۚ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِيْنَ ۝

بچھونا، وہ گاؤں اور ان کے اوپر سے اوڑھنے کا سامان ہوگا اور ہم اسی طرح ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں۔

مکذبین و متکبرین جنت میں نہ جاسکیں گے اُن کا اوڑھنا، بچھونا آگ کا ہوگا

پہلی آیت میں مکذبین یعنی آیات کے جھٹلانے والوں اور متکبرین یعنی آیات الہیہ کے ماننے سے تکبر کرنے والوں کے مردود ہونے کی ایک حالت بتائی اور وہ یہ کہ ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے۔

حدیث شریف میں مؤمن اور کافر کی موت کا تذکرہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ جب حضرت ملک الموت علیہ السلام مؤمن کی روح کو قبض کرتے ہیں تو وہ ایسی آسانی سے نکل آتی ہے جیسے (پانی کا) بہتا ہوا قطرہ مشکیزہ سے باہر آ جاتا ہے جب وہ اس روح کو لے لیتے ہیں تو ان کے پاس جو دوسرے فرشتے جنتی کفن اور جنتی خوشبو لئے ہوئے بیٹھے ہوتے ہیں پل بھر بھی ان کے ہاتھ میں اس کی روح کو نہیں چھوڑتے پھر وہ اسے جنتی کفن اور جنت کی خوشبو میں رکھ کر آسمان کی طرف لے کر چل دیتے ہیں جب اس روح کو لے کر آسمان کی طرف چڑھنے لگتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت پر ان کا گذر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ کون پاکیزہ روح ہے؟ وہ اس کا اچھے سے اچھا نام لے کر جواب دیتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ یہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے۔

اسی طرح پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھولتے ہیں۔ چنانچہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے (اور وہ اس روح کو لے کر اوپر چلے جاتے ہیں) حتیٰ کہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ ہر آسمان کے مقربین دوسرے آسمان تک رخصت کرتے ہیں (جب ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کی کتاب علیین میں رکھ دو۔ اور اسے زمین پر واپس لے جاؤ کیونکہ میں نے ان کو زمین ہی سے پیدا کیا اور اسی میں اس کو لوٹا دوں گا۔ اور اسی سے اس کو دوبارہ نکالوں گا۔ چنانچہ اس کی روح اس کے جسم میں واپس کر دی جاتی ہے (اس کے بعد قبر میں جو سوال و جواب ہوگا صحیح جواب کے بعد قبر میں جو اس کا اکرام ہوگا اس کا تذکرہ فرمایا) پھر کافر کی موت کا تذکرہ فرمایا۔ اور فرمایا کہ بلاشبہ جب کافر بندہ دنیا سے جانے اور آخرت کا رخ کرنے کو ہوتا ہے تو سیاہ چہروں والے فرشتے آسمان سے اس کے پاس آتے ہیں جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں۔ اور اس کے پاس اتنی دور تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے۔ ہر ملک الموت تشریف لاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ اے نبی! اللہ تعالیٰ کی

طرف نکل۔ ملک الموت کا یہ فرمان سن کر روح اس کے جسم میں ادھر ادھر بھاگی پھرتی ہے۔ لہذا ملک الموت اس کی روح کو جسم سے اس طرح نکالتے ہیں جیسے یونیاں بھوننے کی سیخ بھیکے ہوئے اون سے صاف کی جاتی ہے (یعنی کافر کی روح کو جسم سے زبردستی اس طرح نکالتے ہیں جیسے بھیگا ہوا اون کا نئے دار سیخ پر لپٹا ہوا اور اس کو زور سے کھینچا جائے) پھر اس کی روح کو ملک الموت (اپنے ہاتھ میں) لے لیتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے پل جھپکنے کے برابر بھی ان کے پاس نہیں چھوڑتے اور ان سے فوراً لے کر اس کو ٹائٹوں میں لپیٹ دیتے ہیں (جوان کے پاس ہوتے ہیں) اور ٹائٹوں میں ایسی بد بو آتی ہے جیسے کبھی کسی بدترین سڑی ہوئی مردہ نعش سے روئے زمین پر بدبو پھوٹی ہو، وہ فرشتے اسے لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی پہنچتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ کون غضبیت روح ہے؟ وہ اس کا برے سے برا نام لے کر کہتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے۔ حتیٰ کہ وہ اسے لے کر قریب والے آسمان تک پہنچتے ہیں اور دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں مگر اس کے لیے دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا تَفْتَحْ لَهُمُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَحْمِلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ط (ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ کبھی جنت میں داخل ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکہ میں نہ چلا جائے)

اس حدیث سے لَا تَفْتَحْ لَهُمُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ کا مطلب واضح ہو گیا کہ کفار کی ارواح کو آسمان کی طرف فرشتے لے جاتے ہیں تو ان کے لیے دروازے نہیں کھولے جاتے اور ان کو وہیں سے پھینک دیا جاتا ہے (مفصل حدیث امشاق المصاحح ص ۱۴۲ اور ص ۱۴۳ پر مذکور ہے۔ ص ۱۴۳ منہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کی تفسیر میں یہ بھی منقول ہے کہ کافروں کے اعمال اور پر نہیں اٹھائے جاتے اور نہ ان کی دعا اور پراٹھائی جاتی ہے (تفسیر ابن کثیر ص ۱۲۱ ج ۱) یہ جو فرمایا وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَحْمِلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ط (اور یہ لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل نہ ہو جائے)

یہ تعلیق بالحال کے طور پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ یہ لوگ جنت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ حضرت علامہ بیضاوی لکھتے ہیں: ذالک مما لا یكون و کذا ما یتوقف علیہ۔

مَنْ فَوْقَهُمْ غَوَاشٍ (اور ان کے ڈھانپنے والی چیزیں بھی دوزخ سے ہوں گی) یعنی ان کا اوڑھنا کچھونا سب آگ ہی آگ ہوگا۔ پھر فرمایا وَ نَحْمِلُ لَیْلِ نَجْزِی الظَّالِمِینَ ۝ (اور اس طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں) ظالموں سے کافر مراد ہیں کیونکہ کفر سب سے بڑا ظلم ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہم کسی جان کو تکلف نہیں بناتے مگر اس کی طاقت کے موافق یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَ نَرْعَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ ۖ

میں ہمیشہ رہیں گے اور جو کچھ ان کے سینوں میں کدورت ہو گی ہم اسے نکال دیں گے۔ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهٰذَا ۖ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَاءَتْ

اور وہ کہیں گے کہ سب تعریف اللہ ہی کیلئے ہے جس نے ہمیں یہاں پہنچا دیا۔ اور ہم راہ پانے والے نہ تھے اگر ہم کو ہدایت نہ دیتا یا شاید ہمارے پاس



رُسُلُ رَبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ وَنُودُوا أَنْ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي ارْتَبْتُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۷﴾

ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے اور ان کو آواز دی جائے گی کہ یہ جنت ہے جو تمہیں دی گئی ان اعمال کا بدلہ جو تم کیا کرتے تھے۔

اہل ایمان کو جنت کی خوشخبری اور جنت میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا

ان آیات میں اہل ایمان کی جزا کا ذکر فرمایا جو اعمال صالحہ میں مشغول رہتے ہیں۔ اور ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ جنت والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ درمیان میں بطور جملہ مقررہ فرمایا کہ ہم کسی شخص کو ایسا حکم نہیں دیتے جو اس کی قوت و طاقت سے باہر ہو جس شخص کو حکم دیا گیا وہ اس کو کر سکتا ہے۔

یہ مضمون پہلے بھی لَا يَكْفِيكَ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَسْعَهَا کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔ اہل جنت جن نعمتوں میں ہوں گے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ ان کا ذکر ہے۔

یہاں ایک خاص نعمت کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ دنیا میں ان کے دلوں میں جو تھوڑا بہت کینہ تھا اور جو کچھ کدورت تھی ان کے سینوں سے اسے باہر نکال دیا جائے گا۔ جنت کا ماحول بغض، کینہ، کپٹ لڑائی بھڑائی کو برداشت کرنے والا نہیں۔ جنت میں جانے والے سب میل محبت سے آمنے سامنے مسہریوں پر ہوں گے۔ (کما قال تعالیٰ عَلٰی سُوْرٍ مُّتَقَبِّلِيْنَ)

صحیح بخاری (ص ۴۶۰ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں جو پہلی جماعت داخل ہوگی ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے۔ پھر جو لوگ ان کے بعد داخل ہوں گے ان کے چہرے ایسے روشن ہوں گے جیسے کوئی بہت روشن ستارہ ہو۔ ان سب کے دل ایک شخص کے دل کی طرح ہوں گے نہ ان کے درمیان کوئی اختلاف ہوگا اور نہ آپس میں کچھ بغض ہوگا (یہ جو فرمایا کہ ان کے دل ایک ہی شخص کے دل پر ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے قلوب میں ایسی یگانگت ہوگی کہ گویا سب شخص واحد ہیں۔ ان کے درمیان باہمی کسی طرح کی کوئی رنجش نہ پائی جائے گی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مؤمنین دوزخ سے چھوٹ جائیں گے (یعنی پل صراط سے پار ہو جائیں گے) تو ان کو جنت دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک دیا جائے گا اور آپس میں ایک دوسرے پر دنیا میں جو کوئی ظلم اور زیادتی ہو گئی تھی اس کا بدلہ دیا جائے گا (تاکہ جنت میں رنجش اور کدورت کے ساتھ داخل نہ ہوں) یہاں تک کہ جب (حقوق کی ادائیگی سے) صاف ستھرے ہو جائیں گے تو انہیں جنت میں داخلہ کی اجازت ہو جائے گی (یہ بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا) قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے یہ لوگ اپنے جنت والے گھر کو اس سے زیادہ پہچاننے والے ہوں گے جو ان کا گھر دنیا میں تھا۔ (رواہ البخاری ص ۹۷۷)

اہل جنت کی نعمتوں کا اجمالی تذکرہ فرمانے کے بعد ان کے تشکر کا تذکرہ فرمایا کہ جنت میں جنتی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یوں کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَا اَنْ هَدَانَا لِلّٰهِ (سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہم کو یہاں تک پہنچا دیا اور ہم راہ پانے والے نہ تھے اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتا)

دنیا میں جو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمال صالحہ کی ہدایت دی یہ اس کا فضل ہے۔ اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو کسی کو بھی ہدایت نہ ملتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس دنیاوی ہدایت کو دخول جنت کا ذریعہ بنادیا۔ اللہ کے ذمہ کسی کا کچھ واجب نہیں ہے۔

ایمان اور اعمال صالحہ پر جو اس کی دنیاوی و اخروی عطائیں اور بخششیں ہیں یہ سب اس کا فضل ہے۔ اہل جنت اسی فضل کا مذاکرہ کریں گے اور یوں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں نہ پہنچاتا تو ہم یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی کہیں گے لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (بلاشبہ ہمارے رب کے پیغمبر حق لیکر ہمارے پاس آئے) ہم نے دنیا میں ان کی تصدیق کی اور اب ان کی باتوں کا سچ ہونا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

پھر فرمایا وَتُؤَدُّونَ أَنْ تَلَاحُظُوا الْجَنَّةَ أَوْ تَتَمَوَّعَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ندادی جائے گی کہ یہ جنت تم کو ان اعمال کے بدلہ دی گئی جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اعمال کی قدر دانی فرمائی اور تم کو جنت میں داخل فرمایا۔ فَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ

اور جنت والے دوزخ والوں کو پکاریں گے ہمارے رب نے جو ہم سے وعدہ فرمایا تھا وہ ہم نے حق پایا سو کیا تم نے بھی اسے حق پایا مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوا نَعَمْ ۖ فَادْنُ مَوْدِّنَ بَيْنَهُمْ أَنْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ (جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ فرمایا تھا وہ کہیں گے کہ ہاں! پھر ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان اعلان کرے گا کہ اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر)

الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۖ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَفُورُونَ ۝ (جو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اس میں کجی تلاش کرتے تھے اور وہ لوگ آخرت کے منکر تھے۔

اہل جنت کا اہل دوزخ کو پکارنا اور دوزخیوں پر لعنت ہونے کا اعلان ہونا

اہل جنت دوزخیوں کو آواز دیں گے اور ان کو خطاب کرتے ہوئے یوں پکاریں گے کہ ہمارے رب نے ہم سے ایمان اور اعمال صالحہ پر جو عنایات اور مہربانی اور بخششوں کا وعدہ فرمایا تھا دنیا میں ہم نے بغیر دیکھے اس سب کی تصدیق کر دی تھی۔ آج ہم نے یہاں ان سب وعدوں کے مطابق انعامات پائے جو وعدے ہم سے فرمائے گئے تھے ان سب کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب تم کہو کہ کفر پر جو تمہارے رب نے تم کو اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ وعیدوں سے آگاہ فرمایا تھا کیا وہ وعیدیں سچی نکلیں اور اللہ تعالیٰ نے جو کفر کی سزا سے دنیا ہی میں باخبر فرمایا تھا ان خبروں کو تم نے صحیح پایا؟

اس پردہ لوگ جواب دیں گے "نَعَمْ" کہ ہاں! ہم نے ان سب باتوں کو صحیح پایا۔ واقعی کتابوں اور رسولوں کے واسطے سے جو اللہ تعالیٰ نے عذاب کی خبریں دی تھیں وہ سب ٹھیک نکلیں۔ جب وہ لوگ اس کا اقرار کر لیں گے کہ ہمیں جو کچھ بتایا گیا تھا وہ سب سچ تھا ہم نے نہ مانا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اس پر ایک پکارنے والا دونوں فریق کے درمیان کھڑے ہو کر پکارے گا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ظالموں پر جو اللہ کی راہ سے یعنی دین حق سے روکتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بھیجا تھا نہ خود قبول کرتے تھے نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے اور اسی پر بس نہیں کرتے تھے بلکہ بزم خود اس میں کجی تلاش کرتے تھے یعنی ایسی باتیں ڈھونڈتے تھے جن کے ذریعہ دین حق میں عیب نکالیں اور اعتراض کریں۔

یہ لوگ نہ دین حق کو مانتے تھے نہ یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے ان کی ان حرکتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے ملعون ہو گئے ان پر

اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھونکار پڑ گئی اور وزخ کے دائمی عذاب میں گرفتار ہو گئے۔

یہ جو فرمایا کہ "وَيَسْغَوْا فِيهَا عُنْفًا" کہ اللہ کے دین میں کجی تلاش کرتے ہیں یہ ان کی انتہائی ضد اور عناد کی ایک صورت بیان فرمائی۔ مشرکین مکہ ایسا ہی کرتے تھے دین اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات اٹھاتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں سے واسطہ پڑا وہ لوگ یہ جانتے ہوئے بھی کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں آپ کی نبوت و رسالت کا اقرار نہیں کرتے تھے اور ایسی ایسی باتیں نکالتے تھے جو حقیقت میں قابل اعتراض نہ تھیں لیکن بطور اعتراض عوام کے سامنے لاتے تھے تاکہ وہ اسلام قبول نہ کریں۔

آج تک یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار اس کام میں لگے ہوئے ہیں کہ اسلام میں عیب نکالیں حتیٰ کہ وہ مشرک جو گائے کا پیشاب پیٹتے ہیں وہ بھی اپنے آپ کو پوتر اور مسلمانوں کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ انہیں مسلمانوں کی پاکیزہ شریعت پاکیزہ زندگی پر اعتراض ہے اور اپنے پیشاب پینے سے ذرا بھی نفرت نہیں۔ جن قوموں میں غسل جنابت نہیں وہ بھی اپنے آپ کو مسلمانوں سے اچھا سمجھتی ہیں۔ اور جن قوموں میں زنا کاری عام ہے اور نکاح کرنا عیب ہے انہیں اسلام پر یہ اعتراض ہے کہ اس میں تعدد و ازدواج کی اجازت ہے یہ کیسی الٹی سمجھ ہے کہ وہ بتیاں تو جتنی چاہے رکھے لیکن ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا جو اللہ کی شریعت میں حلال ہے اس پر اعتراض ہے۔

یہود و نصاریٰ نے آج کل مستشرقین تیار کر رکھے ہیں یہ لوگ بظاہر اسلامی علوم میں اپنا اشتغال رکھتے ہیں اور نادان مسلمان خوش ہیں کہ کافر ہمارا دین پڑھ رہے ہیں وہ لوگ قرآن وحدیث کا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ خود کافر ہیں بلکہ اہل اسلام جو ان کے یہاں اسلامیات کی ڈگری لینے جاتے ہیں ان کو اسلامی عقائد میں مذہب کر کے مرتد بنا دیتے ہیں ان سادہ لوح طلباء کو یہ پتہ بھی نہیں ہوتا کہ ہم دین اسلام سے خارج ہو گئے۔ مستشرقین ان کو اسلام اور داعی اسلام ﷺ پر اعتراضات بھجواتے اور سمجھاتے ہیں ان لوگوں کے پاس چونکہ علم نہیں ہوتا، علماء اسلام کی کتابوں اور صحبتوں سے محروم ہوتے ہیں اس لئے جواب دینے سے قاصر ہوتے ہیں اور خود بھی اسلام کے بارے میں بد عقیدہ ہو جاتے ہیں۔ مستشرقین ایسے ایسے اعتراضات بھجواتے ہیں جن کے منہ توڑ جوابات دیئے جا چکے ہیں اور علماء اسلام ان کو مناظروں میں شکست دے کر بارہا ذلیل کر چکے ہیں یہ لوگ اپنے دین کو باطل جانتے ہوئے اسی پر جے بولتے ہیں اِنْ هُمْ اِلَّا كَاٰلَا نُعَامٍ اُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ

وَبَيَّنَّهُمَ حَبَابٌ ۚ وَ عَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُوْنَ ۚ كُلًّاۢ بِسِيْمَتِهِمْ ۚ وَ نَادَوْا۟ اَصْحٰبَ

اور دونوں کے درمیان پردہ حائل ہو گا اور اعراف پر بہت سے لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو اس کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے اور وہ جنت والوں

الْجَنَّةِ اَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ۚ لَمَّ يَدْخُلُوْهَا وَ هُمْ يَطْمَعُوْنَ ۝۱۰ وَاِذَا صُرِفَتْۢ اَبْصَارُهُمْ تَلَقَّآ۟

کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلام ہو۔ یہ لوگ جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اور امید کر رہے ہوں گے، اور جب ان کی نظریں وزخ والوں کی طرف

اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ۝۱۱ وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ ۚ رِجَالًا

پھیر دی جائیں گی تو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں ظالم قوم کے ساتھ شامل نہ فرمائیے۔ اور اعراف والے بہت سے آدمیوں کو پکاریں گے جنہیں

يَعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمَتِهِمْ ۚ قَالُوْا مَا اَغْنٰی عَنْكُمْ جُوعُكُمْ وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۱۲

وہ ان کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے کہ تمہارے کام نہ آئی تمہاری جماعت اور نہ تمہارا تکبر کرتا۔

أَهْوَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ

کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم نے قسم کھا کر کہا تھا کہ اللہ ان پر رحمت نہیں فرمائے گا ان کو یوں حکم ہو گیا کہ داخل ہو جاؤ جنت میں تم پر کوئی خوف نہیں

وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿۵﴾

اور نہ تم رنجیدہ ہو گئے۔

اصحابِ اعراف کا اہل جنت کو سلام پیش کرنا اور اہل دوزخ کی سرزنش کرنا

اہل جنت اور اہل دوزخ دو جماعتیں ہوں گی اور ہر جماعت اپنے اپنے مقام اور مستقر پر ہوگی۔ ان دونوں کے درمیان پردہ حائل ہو گا۔ یہ پردہ ایک دیوار کی صورت میں ہو گا جس کو وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ سے تعبیر فرمایا۔ اس پردہ کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کو خطاب کرنے کا موقع دیا جائے گا جس کا ذکر اوپر وَنَادَى أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ میں ہوا اور غفریب ہی دوسری آیت میں دوزخیوں کا جنتیوں سے خطاب کرنے کا اور ان سے پانی طلب کرنے کا ذکر آ رہا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اہل جنت اور اہل دوزخ کے درمیان کچھ جھردے ہوں گے جن سے ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے اور بات کر سکیں گے۔ صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ پردہ ایسا ہو گا جو جنت کا اثر اہل دوزخ کی طرف اور دوزخ کا اثر اہل جنت کی طرف نہیں پہنچنے دے گا۔ البتہ آپس میں ایک دوسرے کی آواز پہنچے گی۔

پھر اس بات کا جواب دیتے ہوئے کہ دیوار درمیان میں حائل ہوتے ہوئے آواز کیسے پہنچے گی تحریر فرماتے ہیں کہ امور الاخرۃ لا تُقَاسُ بأمور الدنیا (یعنی آخرت کی چیزیں دنیاوی چیزوں پر قیاس نہیں کی جاتیں) یہ تو صاحبِ روح المعانی نے درست فرمایا لیکن اب تو دنیا میں بھی لامتناہی نظام نے یہ ثابت کر دیا کہ آواز پہنچنے اور باتیں کرنے کے لیے درمیان میں کسی چیز کا حائل ہونا اور ایک دوسرے سے بعید ہونا مانع نہیں۔

ایک شخص ایشیا میں بیٹھ ہوئے بے تکلف امریکہ کے کسی بھی فرد سے بات کر سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اعراف پر بہت سے لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو یعنی اہل جنت و اہل نار کو ان کی نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے۔ لفظ أَعْرَافٌ عرف کی جمع ہے ہر چیز کے بلند حصے کو عرف کہا جاتا ہے۔

آیت بالا میں جس اعراف کا ذکر ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان جو دیوار ہوگی جسے حجاب سے تعبیر فرمایا ہے وہ اعراف ہوگی۔ آیت بالا میں اس کی تصریح ہے کہ اعراف میں بہت سے لوگ ہوں گے جو اہل جنت کو پہچانتے ہوں گے اور اہل دوزخ کو بھی اور یہ پہچاننا ہر ایک کی علامتوں سے ہو گا۔ میدانِ حشر میں بھی اہل جنت اہل دوزخ سے متعارف ہوں گے۔

اہل جنت کے چہرے سفید روشن ہوں گے اور اہل دوزخ کے چہرے سیاہ ہوں گے اور ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور جنت و دوزخ کے داخلہ کے بعد ہر فریق کی صورتوں کا ممتاز ہونا تو ظاہر ہی ہے اعراف والے اہل جنت کو اور اہل دوزخ کو ان کی نشانیوں سے پہچان لیں گے خود تو ابھی جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے البتہ اس کے امیدوار ہو رہے ہوں گے۔ کہ انہیں بھی جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے گا۔

اسی طبع اور آرزو کے حال میں وہ جنت والوں سے خطاب کریں گے کہ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ (تم پر سلام ہو) ان کا یہ کہنا بطور تحیہ یا بطور اخبار کے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں تکلیفوں سے بچا دیا اور آئندہ بھی تکلیفوں سے محفوظ رہو گے۔

یہ اصحاب اعراف کون ہوں گے؟ اس کے بارے میں حضرات مفسرین نے حضرات سلف سے متعدد اقوال نقل کئے ہیں مشہور ترین قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو نیکیوں کی وجہ سے پل صراط سے گزر کر دوزخ سے توجع گئے لیکن ان کی نیکیاں اس قدر نہ تھیں کہ جنت میں داخلہ کا ذریعہ بن جائیں ان کو اعراف پر لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک چھوڑ دیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ شانہ اپنی رحمت و فضل سے ان کو جنت میں داخل فرمادیں گے۔

اعراف والے حضرات اہل جنت سے بھی خطاب کریں گے (جس کا ذکر ابھی ہوا) اور اہل دوزخ سے بھی خطاب کریں گے، جب اہل دوزخ پر نظریں پڑیں گی تو ان کی بد حالی دیکھ کر اللہ پاک سے عرض کریں گے کہ اے اللہ! ہمیں ظالموں میں شمار نہ فرمانا یعنی دوزخ میں داخل نہ فرمانا۔ نیز یہ حضرات دوزخیوں میں ان لوگوں کو بھی دیکھیں گے جنہیں ان کی نشانیں سے پہچانتے ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو اہل کفر کے سردار تھے جنہیں اپنی جماعت پر گھمنڈ تھا اور تکبر کرتے تھے نہ دین حق قبول کرتے تھے اور نہ اپنے ماننے والوں کو قبول کرنے دیتے تھے۔ اور اہل ایمان کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ اور نہ صرف یہ کہ ان کو اپنے طور پر حقیر جانتے تھے بلکہ یوں کہتے تھے کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل ہو ہی نہیں سکتی۔

اصحاب اعراف ان متکبروں سے کہیں گے کہ تمہاری جماعت نے تمہیں کچھ فائدہ نہ دیا جن کے تم چودھری بنے ہوئے تھے، اور جو کچھ تم تکبر کرتے تھے اس نے بھی تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا یہ لوگ (یعنی اہل ایمان) کیا وہی نہیں ہیں؟ جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ ان کو اپنی رحمت میں شامل نہ فرمائے گا۔ دیکھو! وہ کیسے کامیاب ہوئے ان کو جنت میں داخلہ دے دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت فرمائی اور فرمایا:

أَدْخِلُوا الْجَنَّةَ (جنت میں داخل ہو جاؤ) لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ۝ (تم تم پر اب کچھ خوف ہے نہ آئندہ تم بھی رنجیدہ ہو گے) وہ اپنے ایمان کی وجہ سے کامیاب ہو گئے اور تمہارا تکبر تمہیں کھا گیا تم کفر پر اڑے رہے لہذا تمہیں دوزخ میں داخل ہونا پڑا۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ فَيِضُؤْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۖ قَالُوا

اور دوزخ والے جنت والوں کو آواز دیں گے کہ ہمارے اوپر کچھ پانی بہاؤ یا ان نعمتوں میں سے جو اللہ نے تمہیں دی ہیں، وہ جواب میں کہیں گے کہ بلاشبہ

إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهَا عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمْ الْحَيَوةُ

اللہ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام کر دیا ہے، جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنایا اور انہیں دنیا والی زندگی نے دھوکہ دیا۔ سو آج ہم انہیں

الدُّنْيَا فَاَلْيَوْمَ نَنسِفُهُمْ كَمَا نَسَوْا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَذَا ۖ وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ۝

ان کے حال پر چھوڑ دیں گے جیسا کہ وہ آج کے دن کی ملاقات کو بھول گئے اور یہی کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے۔

وَلَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ هَلْ يَنْظُرُونَ

اور اس میں شک نہیں کہ ہم نے انہیں ایک کتاب دی ہے جسے ہم نے علم کی ہدایت و رحمت کے لیے جو ایمان لائے ہیں۔ یہ لوگ بس اس انتظار میں ہیں

إِلَّا تَأْوِيلَهُ يَوْمَ يَأْتِ تَأْوِيلُهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا

کہ اس کا انجام ان کے سامنے آ جائے۔ جس دن اس کا انجام سامنے آئے گا تو وہ لوگ کہیں گے جو اس کو پہلے بھول گئے تھے کہ ہمارے رب کے پیغمبر

بِالْحَقِّ قَهْلُ لَنَا مِنْ شَفْعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلْ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ

حق لے کر آئے ہو کیا ہمارے۔ شفاعت کرنے والے ہیں جو ہمارے لئے سفارش کریں یا ہم واپس لوٹا دیئے جائیں سو ہم اس عمل کے علاوہ عمل کریں جو کیا کرتے تھے۔

قَدْ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ

ان لوگوں نے اپنی جانوں کو تباہی میں ڈال دیا، جو کچھ افتراء پر مبنی تھے وہ سب بے کار پھیل گئی۔

دوزخیوں کا اہل جنت سے پانی طلب کرنا اور دنیا میں واپس آنے کی آرزو کرنا

اہل جنت اور اہل اعراف جو دوزخیوں سے خطاب کریں گے گذشتہ آیات میں اس کا تذکرہ فرمایا۔ اس آیت میں اہل دوزخ کے خطاب کا ذکر ہے وہ اہل جنت سے اپنے عذاب کی تخفیف کے لیے سوال کریں گے اور ان سے اپنے لیے کچھ مانگیں گے، وہ کہیں گے کہ ہمارے اوپر کچھ پانی بہا دو۔ یا دوسری چیزیں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہیں ان میں سے کچھ ہماری طرف بھی بھیج دو۔ اہل جنت جواب دیں گے کہ جنت کا پانی اور جنت کی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے کافروں پر حرام کر دی ہیں۔ ہم تمہارا سوال کیسے پورا کر سکتے ہیں؟ کافروں نے اپنے دین کو (جو اللہ نے ان کے لیے بھیجا تھا) لبو و لعب کھیل تماشا بنا دیا تھا اس کو قبول نہیں کرتے تھے اور اناس کا مذاق بناتے تھے۔ دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈالا اسی کے لیے عمل کرتے رہے اور سب کچھ اسی کو سمجھتے رہے آخرت کے لیے فکر مند نہ ہوئے اور جس دین کے ذریعے آخرت میں نجات ہوتی اسے قبول کرنے سے دور رہے۔

فَالْيَوْمَ نَسْفَعُهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَذَا (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ آج ہم بھی انہیں بھلا دیں گے یعنی ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں گے جو ایسے لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جن کی طرف رحمت کے ساتھ بالکل توجہ نہ کی جائے اور جنہیں ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے چونکہ انہوں نے آج کے دن یعنی یوم قیامت کو بھلا دیا تھا اور ہماری آیات کا انکار کرتے تھے اس لئے ان پر بالکل رحم نہ کیا جائے گا اور ان کی کوئی درخواست قبول نہ کی جائے گی اور ان کو دوزخ ہی میں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا جائے گا۔

وَلَقَدْ جَنَّبْنَاهُمْ بِكُتُبٍ قَصَصْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هَدَىٰ وَرَحْمَةٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (اور ہم نے انہیں کتاب پہنچادی ہے یعنی قرآن مجید جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے خوب واضح طور پر بیان کر دیا۔ (بیان تو سب ہی کے لیے ہے۔ لیکن) ہدایت و رحمت انہیں لوگوں کے لیے ہے جو اس کو سن کر ایمان لے آتے ہیں۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ (الایۃ) قرآن مجید میں مومن بندوں کا ثواب بتایا ہے ان کو بشارتیں دی ہیں اور اہل کفر کو عذاب سے ڈرایا ہے اور یوم قیامت میں جو ان کو عذاب ہوگا اس کی وعیدیں سنائی ہیں۔ مومنین کے حق میں قرآن مجید کے بتائے ہوئے اعمال خیر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ قیامت کے دن نجات پائیں گے اور جنت میں جائیں گے اور کافروں کو جو قرآن مجید نے وعیدیں سنائی ہیں وہ ان وعیدوں کے مطابق اپنا انجام دیکھ لیں گے۔

اسی عاقبت اور انجام کو لفظ تاویل سے تعبیر فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اور دعوت حق کو قبول نہیں کرتے ان کی

حالت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو بس یہی انتظار ہے کہ قرآن نے کافروں کے بارے میں جو وعیدیں بتائی ہیں یعنی عذاب کی خبریں دی ہیں ان کے مطابق ان پر عذاب آجائے۔ جب عذاب میں مبتلا ہوں گے تو وہ لوگ جو قرآن کی دعوت کو بھولے ہوئے تھے اور ایمان سے منحرف تھے یوں کہیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر ہمارے پاس حق لے کر آئے تھے دنیا میں ہم نے حق قبول نہیں کیا جس کی وجہ سے یہاں عذاب میں مبتلا ہوئے۔ اب عذاب سے نکلنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ہماری کوئی سفارش کر دے جس کی سفارش قبول ہو جائے اور ہم عذاب سے بچ جائیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ ہم دنیا میں واپس بھیج دیئے جائیں اور اب وہاں جا کر ان کاموں کے علاوہ دوسرے کام کریں جو گزشتہ زندگی میں کیا کرتے تھے۔ یعنی کفر اور شرک کے عقائد اور اعمال سے پرہیز کریں اور ایمان و ایمانیات میں مشغول ہوں۔

فَذَخِّرُوا أَنْفُسَهُمْ (انہوں نے اپنی جانوں کو تباہ کر ڈالا) وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْقَهُونَ (اور جو جھوٹی باتیں جھوٹے وعدے لئے پھرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے لئے شریک تجویز کرتے تھے اور ان شرکاء کو بارگاہ خداوندی میں شفعاء یعنی سفارشی سمجھتے تھے۔ یہ سب غائب ہو جائے گا اور اس کا باطل ہونا ظاہر ہو گیا۔

سورۃ فاطر میں ہے کہ جب دوزخ میں یہ درخواست کریں گے کہ اے رب! ہمیں دوزخ سے نکال دیجئے اب ہم ان اعمال کے علاوہ دوسرے اعمال کریں گے جو اس سے پہلے کیا کرتے تھے۔ تو اس کے جواب میں ارشاد ہوگا أَوَلَمْ نَعْمَرْكُمْ مَا يَنْذَكُرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرُ وَجَاءَكُمْ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ (کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا وہ نصیحت حاصل کر لیتا اور تمہارے پاس ڈرانے والے بھی آئے لہذا تم کچھ لو، سو ظالموں کے لیے کوئی مذکر نہیں) چونکہ موت کے بعد برزخ سے اور میدان حشر سے دنیا میں واپس آنے کا قانون نہیں ہے اس لئے واپس نہیں ہو سکتے اور کافروں کو ابداً اب تک عذاب چکھنا ہی ہوگا۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔ پھر عرش پر استواء فرمایا  
يُغْشَى اللَّيْلُ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا ۚ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ۚ  
دُعا ہے رات سے دن کو رات اسے طلب کرتی ہے جلدی سے، اور پیدا فرمایا چاند کو اور سورج کو اور ستاروں کو اس حال میں کہ اس کے حکم سے وہ مسخر ہیں

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۚ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۵۲﴾

خبردار! پیدا فرمانا اور حکم دینا اللہ کے لیے خاص ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

آسمان وزمین کی پیدائش، شمس و قمر اور ستاروں کی تسخیر کا تذکرہ

یہاں سے پھر توحید کا بیان شروع ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جو بندوں کے سامنے بڑی بڑی مخلوقات ہیں ان کی تخلیق اور تسخیر کا تذکرہ فرمایا۔ یہ چیزیں توحید کی نشانیاں ہیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔ اللہ جل شانہ آپنا واحد میں ساری کائنات کو پیدا فرمانے پر قادر ہے پھر آسمان وزمین کو چھ دن میں کیوں پیدا فرمایا؟ ہمیں اس کی حکمت معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔

حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ اپنی مخلوق کو تعلیم دینے کے لیے دفعۃً پیدا فرمانے کے بجائے چھ دن میں فرمایا تاکہ وہ سمجھ لیں کہ جب قادر مطلق نے چھ دن میں آسمان و زمین پیدا فرمائے حالانکہ وہ آن واحد میں دفعۃً پیدا فرما سکتا ہے تو مخلوق کو اپنے کام میں ضرور تدریج اور ترتیب کی ضرورت ہوگی۔

قال صاحب الروح وقال غير واحد ان في خلقها مدرجاً مع قدرته سبحانه على ابداعها دفعة دليل على الاختصار واعتبار للنظر (ص ۱۳۳ ج ۸) وفيه ايضاً ان التسجيل في الخلق ابلغ في القدرة والتثبت ابلغ في الحكمة فاراد الله تعالى اظهار حكمته في خلق الاشياء بالتثبت كما اظهر قدرته في خلق الاشياء بكن (ص ۱۳۳ ج ۸) (صاحب روح المعاني فرماتے ہیں: کئی حضرات نے کہا ہے اللہ کو ایک ہی دفعہ میں زمین و آسمان کو پیدا کرنے کی قدرت ہونے کے باوجود اس کا تدبیر سے پیدا کرنے میں کسی کام کو غور سے کرنے کی دلیل اور عقل والوں کے لئے عبرت ہے اور یہ بات بھی ہے کہ پیدائش میں جلدی کمال قدرت کی دلیل ہے اور تدبیر سے پیدا کرنا کمال حکمت کی دلیل ہے تو تدبیر سے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کا مقصود اپنی حکمت کا اظہار ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کُن کے ذریعہ چیزوں کو پیدا کر کے اپنی قدرت ظاہر فرمائی۔

وفي معالم التنزيل (ص ۶۲ ج ۲) قال سعيد بن جبير كان الله عز وجل قادراً على خلق السموات والارض في لمحة واللحظة فخلقهن في ستة ايام تعليماً لخلقهن التثبت والنائي في الامور وقد جاء في الحديث الثاني من الرحمن والعجلة من الشيطان (تفسير معالم التنزيل میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کو ایک لمحہ اور ایک لحظہ میں پیدا کرنے پر قادر تھا۔ لیکن انہیں چھ دنوں میں پیدا کر کے اپنی مخلوق کو تدبیر کی تعلیم دی ہے اور معاملات میں غور و فکر کی تعلیم دی ہے اور حدیث پاک میں بھی آیا ہے کہ غور و تدبیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلدی شیطان کی طرف سے) سورۃ فرقان (ع ۵) اور سورۃ حم سجده (ع ۱۷) اور سورۃ ق (ع ۳) میں سموات اور ارض کے ساتھ وَمَا بَيْنَهُمَا بھی فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا فرمایا اس کی تفصیل سورۃ حم سجده (ع ۲۷) میں بیان فرمائی ہے وہاں انشاء اللہ تعالیٰ اس بارے میں تفصیل سے لکھا جائے گا۔

یہاں یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ دن تو سورج کی حرکت سے وجود میں آتا ہے اس وقت نہ آسمان تھے نہ زمین تھی نہ سورج تھا تو چھ دن کا وجود کیسے ہوا؟ اس کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ ستۃ ايام سے مقدار ستۃ ايام مراد ہے یعنی چھ دن کی مقدار میں تخلیق فرمائی۔

ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ (پھر عرش پر استواء فرمایا) اسْتَوَىٰ قائم ہونے کو اور عرش تخت شاقی کو کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ شانہ نے جو اپنے بارے میں ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ فرمایا اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ فرمایا اس کو سمجھنے کے لیے بعض لوگوں نے مختلف تاویلیں کی ہیں۔ اس کے بارے میں حضرات سلف صالحین صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جو بات منقول ہے وہ یہ ہے کہ انسانی عقل اللہ جل شانہ کی ذات و صفات کو پوری طرح سمجھنے اور احاطہ کرنے سے عاجز ہے لہذا جو کچھ فرمایا ہے اس سب پر ایمان لائیں اور سمجھنے کے لیے کھوج کرید میں نہ پڑیں۔

یہی مسلک بے غبار اور صاف و صحیح ہے حضرت امام مالکؒ سے کسی نے استواء علی العرش کا معنی پوچھا تو ان کو پسینہ آ گیا اور تھوڑی دیر سر جھکانے کے بعد فرمایا کہ استواء کا مطلب تو معلوم ہے اور اس کی کیفیت سمجھ سے باہر ہے اور ایمان اس پر لانا واجب ہے۔ اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔



پھر سائل سے فرمایا کہ میرے خیال میں تو گمراہ شخص ہے اس کے بعد اسے اپنی مجلس سے نکلوا دیا۔ (معالم التنزیل ص ۱۶۵ ج ۲) اس بارے میں سوال کرنے کو بدعت اس لئے فرمایا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی آیات تشابہات تھیں لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے بارے میں کیفیت اور حقیقت سمجھنے کے لیے کوئی سوال نہیں کیا۔ آنحضرت ﷺ نے بھی ان امور کو واضح نہیں فرمایا۔ جس طرح وہ حضرات آیات تشابہات پر اجمالاً ایمان لے آئے اسی طرح بعد والوں کے لیے بھی اسی میں خیر ہے کہ بغیر سمجھے ہوئے ایمان لے آئیں۔

سورۃ آل عمران کے پہلے رکوع میں گزر چکا ہے کہ جن کے دلوں میں ذبیح یعنی کچی ہے وہ فتنہ تلاش کرنے کے لیے تشابہات کے پیچھے لگتے ہیں۔ اور ان کا مطلب معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ فَاسْمَا الْمَذِينِ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ذَبْحٌ فَبِغْوَیْ مَا نَشَآءُ مِنْهُ ابْتِغَاءُ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءُ تَأْوِيلِهِ ط (الایہ)

پھر فرمایا يُغْشِی الْبَلَّ النَّهَارَ (اللہ تعالیٰ ڈھانپ دیتا ہے رات کو دن پر یعنی شب کی تاریکی سے دن کی روشنی کو چھپا دیتا ہے اس کو سورۃ زمر میں یوں فرمایا يُكْوِرُ اللَّيْلُ عَلَى النَّهَارِ وَ يُكْوِرُ النَّهَارُ عَلَى اللَّيْلِ ط (وہ رات کو دن پر لپیٹ دیتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے) اور یہ سب کے سامنے ہے اللہ کے سوا کسی کو قدرت نہیں کہ رات اور دن کے نظام کو بدل دے نیز فرمایا يَطْلُبُهُ حَبِثًا (یعنی کہ رات جلدی جلدی چل کر دن کو طلب کر لیتی ہے) دن آنا فنا گزرتا ہوا معلوم ہوتا ہے یہاں تک کہ رات آ جاتی ہے اور دن غائب ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا وَالسَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ط (یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند اور تمام ستاروں کو پیدا فرمایا اس حالت پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں اور اس کی مشیت و ارادہ کے مطابق چل رہے ہیں۔ ہزاروں سال گزر گئے جو ان کی رفتاریں مقرر فرمادیں اور جو کام ان کے ذمہ لگائے ہیں ان میں لگے ہوئے ہیں صرف خداوند قدوس کے حکم سے چلتے ہیں کسی آلہ یا انجن کے بغیر محض امر الہی ہی کی وجہ سے رواں دواں ہیں۔

آسمان، زمین، شمس و قمر اور ستاروں کی تخلیق بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط (خبردار اللہ ہی کے لیے ہے پیدا فرمانا اور حکم دینا)

قال صاحب الروح (ص ۱۳۸ ج ۸) و فسر بعضهم الامر هنا بالارادة ايضاً و فسر اخرون الامر بما هو مقابل النهي والخلق بالخلق اي له تعالى المخلوقون لانه خلقهم وله ان يأمرهم بما اراد ه (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہاں بعض نے تو امر کی تفسیر ارادہ سے بھی کی ہے اور دوسرے بعض نے نہی کے مقابلہ میں جو امر ہوتا ہے وہ مراد لیا ہے اور خالق کو مخلوق کے معنی میں لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسی کی مخلوقات ہے کہ اسی نے انہیں پیدا کیا ہے اور اسی کو اپنے ارادہ کے مطابق انہیں حکم کرنے کا اختیار ہے)

خالق ہونا اور حاکم ہونا اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے اس کے علاوہ کوئی نہ ادنیٰ چیز کو پیدا کر سکتا ہے اور نہ تکوینی اور تشریعی طور پر اس کے علاوہ کسی کو حکم دینے کا اختیار ہے۔

آخر میں فرمایا تَبَارَكَ لَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ (بارکست ہے اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے) صاحب معالم التنزیل (ص ۱۶۵ ج ۲) نے اولاً تو تبارک کا معنی تعالیٰ اللہ و تعظم لکھا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ برتر ہے باعظمت)

ہے) اور ایک قول یوں بھی لکھا ہے کہ تَبَارَكَ بِمَعْنَى تَقَدَّسَ ہے۔ پھر محققین کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ  
معنی هذه الصفة ثبت ودام بما لم يزل ولا يزال

(یعنی اللہ تعالیٰ شانہ اپنی ذات اور صفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا) تمام اقوال کو سامنے رکھ کر لفظ تَبَارَكَ کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ برتر ہے با عظمت ہے ہر عیب سے پاک ہے وہ اپنی صفات عالیہ سے ہمیشہ متصف ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا اس کی ذات و صفات کو کبھی بھی زوال نہیں۔

**ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۖ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَلَا تَفْسُدُوا فِي**

اُتَم اپنے رب کو پکارو عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو ناپسند فرماتا ہے جو حد سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ اور فساد نہ کرو زمین میں

**الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ۝**

اس کی اصلاح کے بعد اور پکارو اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے۔ بے شک اللہ کی رحمت اچھے کام کرنے والوں سے قریب ہے

### دعا کرنے کے آداب

اللہ تعالیٰ کی خلقت اور حاکمیت بیان فرمانے کے بعد حکم فرمایا کہ اسی کی طرف متوجہ ہو اسی کو پکارو، اسی سے مانگو اسی سے اپنی حاجتوں کا سوال کرو۔ ساتھ ہی دعا کا ادب بھی بتا دیا اور وہ یہ کہ تضرع یعنی عاجزی کے ساتھ دعا کیا کرو دعا میں اپنی عاجزی اختیار کرو اور دل سے مانو کہ واقعی ہم عاجز ہیں، نیز یہ بھی بتایا کہ چپکے چپکے دعا کرو۔ بعض مواقع میں زور سے دعا کرنا بھی ثابت ہے جیسا کہ استسقاء اور قنوت نازل وغیرہ میں زور سے دعا کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن عام حالت میں چپکے چپکے ہی دعا کرنا چاہئے۔

سورہ مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا (جبکہ زکریا نے اپنے رب کو پکارا پوشیدہ طریقہ سے) بات یہ ہے کہ خفیہ دعا کرنے میں حضوری قلب کا موقع زیادہ ہوتا ہے۔ اگر زور سے دعا کی جائے تو اونچی آواز کرنے کی طرف بھی دھیان رہتا ہے اور اس میں توجہ بٹ جاتی ہے۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ! کیا ہمارا رب قریب ہے اگر ایسا ہے تو ہم اس سے مناجات کریں یعنی خفیہ طریقہ پر مانگیں یا وہ دور ہے جسے ہم زور سے پکاریں اس پر آیت کریمہ وَ اِذَا سَأَلْتُمْ عِبَادِي عَنِّي فَاَنۢبِئُوهُمۡ اَنۢبِئُوهُمۡ اَنۢبِئُوهُمۡ اَنۢبِئُوهُمۡ (الایہ) نازل ہوئی۔ (درمنثور ص ۱۹۳ ج ۱)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اَنَا عَسَدُ ظَنِّ عَبْدِ بِي وَاَنَا مَعَهُ اِذَا ذَكَرَنِي“ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۶) میں (میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں وہ میرے بارے میں جو گمان کر لے، اور میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَنَا مَعَ عَبْدِ اِذَا ذَكَرَنِي وَتَحَرَّكَتْ بِي شَفْطَاهُ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۹) (میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے اور جب اس کے ہونٹ میری یاد میں حرکت کرتے ہوں)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ تمہارا رب تم سے بھی زیادہ قریب ہے قیل تمہاری سراریں دلِ نفل کی گاریں تم سے قریب ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۱ از بخاری و مسلم)

پس جب اللہ جل شانہ بندوں سے اس قدر قریب ہے تو دعائیں چیخنے اور پکارنے کی ضرورت نہیں آہستہ دعا کریں اور دل لگا کر مانگیں۔ پھر ارشاد فرمایا اِنَّهُ لَا يُجِيبُ الْمُعْتَبِدِينَ (بے شک وہ حد سے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا) اس میں عمومی طور پر تمام اعمال میں اعتداء اور اسراف اور حد سے آگے بڑھ جانے کی ممانعت فرمادی۔ یہ اعتداء حد سے بڑھ جانا دعائیں بھی ہوتا ہے۔

حضرات مفسرین نے بطور مثال کے لکھا ہے کہ دعا میں ایک اعتداء یہ ہے کہ (مثلاً) اپنے لئے یہ سوال کرے کہ مجھے جنت میں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی منازل عطا کی جائیں۔ اگر گناہ کرنے یا قطع رحمی کی دعا کی جائے تو یہ بھی اعتداء کی ایک صورت ہے۔ سنن ابوداؤد (ص ۱۳۱ ج ۱) میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو یوں دعا کرتے ہوئے سنا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْقَصْرَ الْاَبِیْضَ عَنْ یَمِیْنِ الْجَنَّةِ (اے اللہ! میں آپ سے جنت کی دائیں جانب سفید محل کا سوال کرتا ہوں) یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے بیٹا! تو اللہ سے جنت کا سوال کر اور دوزخ سے پناہ مانگ (اپنی طرف سے سفید محل تجویز نہ کر) میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو طہور (وضو، غسل وغیرہ میں) اور دعا میں اعتداء یعنی زیادتی کریں گے۔

زندگی کے دوسرے شعبوں میں جو حدود شرعیہ سے آگے بڑھ جاتے ہیں اس کی ممانعت بھی آیت کریمہ کے عموم الفاظ میں داخل ہے۔ نیکی تو بہت بڑی چیز ہے لیکن شرعاً اس کی بھی حدود مقرر ہیں کوئی شخص راتوں رات نماز پڑھے اپنی بیوی اور بھائیوں کی خبر نہ لے یا رات دن ذکر و تلاوت میں لگا رہے اور بیوی بچوں کی معاش کے لیے فکر مند نہ ہو اور ان کے لیے اتنی روزی نہ کمائے جس سے واجبات ادا ہوں یہ بھی اعتداء اور زیادتی ہے۔

پھر فرمایا وَلَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (اور زمین کی اصلاح کے بعد زمین میں فساد نہ کرو) اس سے زمین کی ظاہری اصلاح اور باطنی اصلاح دونوں مراد ہو سکتی ہیں۔ ظاہری اصلاح تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارش برسادی درخت نکال دیئے۔ کھیتی لگا دی اور اس میں طرح طرح کے فوائد رکھ دیئے اس کو خراب نہ کرو۔ اللہ کی پیدا فرمودہ چیزوں کو نہ اجاڑ دو۔ اور ان سے انتفاع کی جو جائز صورتیں ہیں ان میں رخ نہ پیدا نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ان سے منتفع ہونے دو۔ اور باطنی اصلاح مراد لی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیجا کتابیں نازل فرمائیں دلائل سے حق کو واضح فرمایا اعمال صالحہ کا حکم دیا اور برے کاموں سے منع فرمایا کثیر تعداد میں انسانوں نے ایمان قبول کیا اب اس سدھار کو خراب نہ کرو، ہدایت کی راہ اختیار کرو، اسی پر خود رہو اور دوسروں کو اسی پر رہنے دو۔ مذکورہ بالا آیات سے چند آداب معلوم ہوئے۔ اول: یہ کہ دعا میں زیادتی نہ کرو۔ دوم: یہ کہ خفیہ طریقہ پر دعا کرو۔ سوم: یہ کہ ڈرتے ہوئے دعا مانگو کہ ممکن ہے قبول نہ ہو۔ چہارم: خوب للچاتے اور امید کرتے ہوئے دعا مانگو پانچواں: ادب وَلَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا سے معلوم ہوا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ فساد فی الارض جو تمام معاصی پر صادق آتا ہے اس سے بھی پرہیز کرو۔ کیونکہ فساد فی الارض بھی دعاؤں کی قبولیت کے روکنے کا ذریعہ ہے۔

صحیح مسلم (ص ۳۲۶ ج ۱) میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جس کا سفر لباً ہوا بال بکھرے ہوئے ہوں۔ غبار سے اٹا ہوا ہو وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر یَا رَبِّ یَا رَبِّ کہتا ہے اور حال یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہو، پینا حرام ہو، اور لباس حرام ہو اور اسے حرام سے غذائی گئی ہو۔ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے اس کی دعا کہاں قبول ہوگی؟

پھر فرمایا اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (بلاشبہ اللہ کی رحمت اچھے کام کرنے والوں سے قریب ہے) اس میں مطلقاً

ایچھے کام کی فضیلت بتادی، جتنے بھی ایچھے کام ہیں وہ سب اللہ کی رحمت شامل حال ہونے کا ذریعہ ہیں۔  
 اسی عموم میں دعا کا احسان بھی ہے۔ دعا کے جو آداب بتائے ہیں ان آداب کی رعایت کرتے ہوئے اگر دعا کی جائے تو اللہ کی رحمت نازل ہوگی اور دعا کی قبولیت کا ذریعہ بن جائیں گے۔

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا

اور اللہ وہ ہے جو اپنی رحمت سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری دینے والی بنا کر بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ بھاری بادل کو اٹھا لیتی

ثِقَالًا سُقْنَهُ لِبَنَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنْزَلْنَاهُ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ

جیں تو اس کو مردہ زمین کے لیے روانہ کرتے ہیں پھر اس کے ذریعہ پانی نازل کرتے ہیں۔ پھر اس کے ذریعہ نکالتے ہیں ہر طرح کے پھلوں سے

كَذَٰلِكَ نُفْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرِجُ نَبَاتًا بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ

اسی طرح ہم زندہ کریں گے مردوں کو، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اور جو اچھی زمین ہے اس کا سبزہ نکلتا ہے اس کے رب کے حکم سے

وَالَّذِي خَبَتْ لَا يُخْرِجُ إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ۝

اور جو زمین خراب ہے اس کا سبزہ نہیں نکلتا مگر ہاتھ اسی طرح لوگوں کے لیے طرح طرح سے آیات بیان کرتے ہیں جو شکر گزار ہوتے ہیں۔

### بارش اور اس کے ذریعہ پیداوار اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت یعنی بارش اور اس کے فوائد کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو اس کی رحمت یعنی بارش سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ ہوائیں بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں جن میں پانی بھرا ہوا ہوتا ہے جو زمین بے آب و گیاہ ہوتی ہے اور سبزی کے اعتبار سے مردہ ہو چکی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو ایسی زمین کی طرف بھیج دیتا ہے وہاں بارش برسی ہے جس سے پانی جمع ہو جاتا ہے سبزہ نکل آتا ہے، کھیتوں اور باغوں میں جان پڑ جاتی ہے جس سے پھل میوے غلے پیدا ہوتے ہیں پھر ان سے انسان اور جانور غذا پاتے ہیں اور منفعہ ہوتے ہیں۔

بارش بنجر زمین پر بھی ہوتی ہے اور پہاڑوں پر برسی ہے لیکن ایسی زمین کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ فرمایا جس میں پانی برسنے کے بعد کھیتیاں اہلہانے لگتی ہیں، اور سبزیوں ترکاریوں کی پیداوار ہوتی ہے کیونکہ یہ انسان اور اس کے پالتو جانوروں کی معاش کا سبب ہے اور مومن کا فرسب ہی اس سے منفعہ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ شانہ نے سب کو اپنا انعام یاودلایا۔

زمین سے پھلوں کے نکالنے کا انعام ذکر فرمانے کے بعد کَذَٰلِكَ نُفْرِجُ الْمَوْتَىٰ فرمایا کہ ہم اسی طرح مردوں کو نکالیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس سے درخت اور پھل پھول نکالے اسی طرح قیامت کے دن مردوں کو زندہ کر کے زمین سے نکالیں گے۔

سورہ خم سجده میں فرمایا وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۖ إِنَّ الْأَرْضَ أَحْيَاها لَمُنْحَى الْمَوْتَى ۖ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اے مخاطب! تو زمین کو دیکھتا ہے کہ

وہ دہلی ہوئی ہے پھر جب ہم اتارتے ہیں اس پر پانی وہ لہلہانے لگتی ہے اور بڑھنے لگتی ہے بلاشبہ جس نے اس کو زندہ فرمایا وہ مردوں کو زندہ کر دے گا بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)

قیامت کے دن جب پہلا صور پھونکا جائے گا اور لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ بارش بھیج دے گا وہ شبنم کی طرح ہوگی اس سے لوگوں کے جسم اگ جائیں گے پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو وہ سب کھڑے ہوئے دیکھتے ہوں گے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۸۱ از مسلم)

آیت کے ختم پر **لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ** فرمایا جس میں نصیحت اور عبرت حاصل کرنے کی طرف متوجہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ہوائیں بھیجتا ہے جو بارش آنے کی خوش خبری دیتی ہیں پھر یہ ہوائیں پانی سے بھرے ہوئے بھاری بادلوں کو مردہ زمین کی طرف لے جاتی ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہاں بارش برتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو تو پانی سے بھرے ہوئے بادل گذرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور ضرورت کی جگہ ایک قطرہ بھی نہ برسے جب پانی برس جاتا ہے تو ہاں زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ سبزیاں کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں۔ پھل اور میوے پیدا ہو جاتے ہیں انسان پر لازم ہے کہ اس سب کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے اور اس ذات پاک کی طرف متوجہ ہو جس کے حکم سے یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ ساتھ ہی مفسرین بحث کو بھی سمجھنے کی دعوت دی کہ وہ زمین سے مردوں کے نکلنے کو مستبعد سمجھتے ہیں وہ نظروں کے سامنے دیکھ لیں کہ زمین بار بار مردہ ہوتی رہتی ہے اور زندہ ہوتی رہتی ہے۔ پھر فرمایا:

**وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْوِجُ نَبَاتَهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ط.....** (اور اچھی زمین کا سبزہ نکلتا ہے اس کے رب کے حکم سے اور جو خراب زمین ہے اس میں سے نہیں نکلتا مگر ناقص، نیکد اس چیز کو کہتے ہیں جو بے فائدہ بھی ہو اور مقدار میں بھی کم ہو۔ بارش تو جگہ جگہ ہوتی ہے اچھی زمین پر بھی برتی ہے اور خراب زمین پر بھی اس کا فیضان ہوتا ہے لیکن اچھی زمین بارش کی وجہ سے باغ و بہار بن جاتی ہے اور خراب زمین میں جو کوئی چیز پیدا ہو جاتی ہے بے فائدہ ہوتی ہے اور تھوڑی سی ہوتی ہے) (بے فائدہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ غذا کے کام نہیں آتی)

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں مؤمن اور کافر کی مثال بیان فرمائی ہے مؤمن کا دل طیب ہے پاکیزہ ہے اس کے سامنے جو اللہ کی ہدایتیں آتی ہیں اور جو قرآن کی آیات سنتا ہے وہ اس کے دل پر اثر کر جاتی ہے اور ان سے متفع ہوتا ہے اور اس کے دل میں خوبیوں اور خوشیوں کی لہریں دوڑ جاتی ہیں۔

اور کافر کے پاس جب ہدایت پہنچتی ہے اور قرآن کی آیات سنتا ہے تو قبول نہیں کرتا اس کا دل خبیث ہے۔ ہدایت سے متفع نہیں ہوتا ذرا بہت ہدایت کا خیال آتا ہے تو اس کو آگے نہیں بڑھتا۔

**كَذَلِكَ نُنْصِرُ الْأَبْرَارَ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ** (یعنی ہم طرح طرح سے آیات بیان کرتے ہیں یہ ان لوگوں کے لیے دلائل ہیں جو شکر گزار ہیں اور قدر شناس ہیں) بیان تو سب کے لیے ہوتا ہے لیکن نفع وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جنہیں اپنے خالق کی نعمتوں کی قدر دانی ہے۔ ان کے قلوب پاکیزہ ہیں خیر کو قبول کرتے ہیں۔ اور ظاہری باطنی نعمتوں کے لیے شکر گزار ہوتے ہیں۔

قال صاحب الروح (ص ۱۳۸ ج ۸) **لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ** نعم اللہ تعالیٰ ومنها تصرف الآيات وشكر ذالك بالتفكر فيها والاعتبار بها، وخص الشاكرين لانهم الممتنعون بذلك، وقال الطيبي ذكر لقوم يشكرون بعد لعلكم تذكرون من باب الترفي لان من تذكر الآء الله تعالى عرف حق النعمة فشكر اھ۔ (صاحب روح المعانی فرماتے

ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے لئے اپنی نشانیاں بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں اور نعمتوں کا شکر ان میں غور و فکر اور سبق آموزی سے کرتے ہیں اور شکر کرنے والوں کو اس لئے خاص کیا ہے کیونکہ نفع اٹھانے والے وہی ہیں۔ علامہ طبری فرماتے ہیں تَذَكُّرُونَ کے بعد يَشْكُرُونَ فرمانا ترقی کے باب سے ہے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرے گا تو وہی نعمت کا حق پہچان کر اس کا شکر بھی ادا کرے گا۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَٰهٍ

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود

غَيْرُهُ ۚ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرِيكَ

نہیں ہے۔ بے شک میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں۔ ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کہا کہ بلاشبہ ہم

فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّي رَسُولٌ مِّنْ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝

مجھے کلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے میری قوم! میرے ساتھ کوئی گمراہی نہیں ہے لیکن میں سارے جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔

أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّ ۖ وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ أَوْعَجِبْتُمْ أَنْ

میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ کیا تم کو اس بات سے تعجب ہے

جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ

کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک شخص کے پاس نصیحت کی باتیں آئیں تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تاکہ تم ڈر جاؤ، اور تاکہ تم

تَرْحَمُونَ ۝ فَكَذَّبُوهُ فَانجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلِكِ وَاعْرَفْنَا

پر رحم کیا جائے۔ سو ان لوگوں نے نوح کو جھٹلایا۔ سو ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دے دی، اور ہم نے ان

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ۝

لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ بلاشبہ وہ لوگ اندھے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا اور قوم کا سرکش ہو کر ہلاک ہونا

امت حاضرہ کی یاد دہانی اور عبرت دلانے کے لیے قرآن مجید میں جگہ جگہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے اور ان کی امتوں کے واقعات ذکر فرمائے ہیں کہیں ایک ہی نبی کا تذکرہ فرمایا اور کہیں متعدد انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ فرمایا۔ کہیں تذکرے مختصر ہیں کہیں مفصل ہیں۔

یہاں سورۃ اعراف میں حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ و تذکیر اور ان کی امتوں کے انکار و تمکذب پھر اس پر ان کی سزا و عقوبت کا تذکرہ فرمایا ہے، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے دشمن فرعون کا

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کا تذکرہ فرمایا۔

سورۃ ہود میں بھی اسی ترتیب سے ان حضرات کے واقعات ذکر فرمائے ہیں پھر اسی ترتیب سے سورۃ شعراء میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے چونکہ عبرت دلانا مقصود ہے اس لیے یہ تکرار نہایت ہی مفید ہے۔ مگر یہ کہ یہ نادانی ہے کہ ان واقعات سے عبرت لینے کی بجائے یوں سوال کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں تکرار کیوں ہے؟ جسے شفقت ہوتی ہے بار بار تنبیہ و تذکرہ کرتا ہے۔

اللہ جل شانہ ارحم الراحمین ہے اس نے اپنے غافل بندوں کی بار بار تذکرہ فرمائی تو اس پر اعتراض کرنا جہالت و حماقت نہیں ہے تو کیا ہے؟ پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی تذکرہ و تبلیغ کا تذکرہ فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے خطاب کر کے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ صرف اللہ ہی معبود ہے اس کے سوا واقعی اور حقیقی معبود کوئی نہیں۔ ان لوگوں نے بت بنا رکھے تھے جن میں سے بعض کے نام سورۃ نوح میں مذکور ہیں۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں توحید کی دعوت دی تو آپس میں کہنے لگے لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑو اور مت چھوڑو و د کو اور سواع کو اور یغوث کو اور یعوق کو اور نسر کو) حضرت نوح علیہ السلام ان کے اندر ساڑھے نو سو سال رہے (جیسے کہ سورۃ عنکبوت کے دوسرے رکوع میں بیان فرمایا ہے) اور ان لوگوں کی تفہیم و تذکرہ میں کوئی کسر اٹھا کر نہ رکھی۔ وہ لوگ بہت بری طرح پیش آتے تھے طرح طرح کے طنز کرتے تھے اور ان کے سردار اور چودھری ان باتوں میں پیش پیش تھے۔ کبھی کہتے تھے کہ تم تو ہمارے جیسے آدمی ہو اور جو تمہارے ساتھ لگے ہیں وہ تو ہماری نظر میں گھٹیا قسم کے لوگ ہیں۔ (سورۃ ہود)

کبھی آپس میں یوں کہتے تھے کہ یہ ہمارے جیسا آدمی ہے یہ تم پر سرداری کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے مقابلہ میں بڑا بن کر رہے (جیسا کہ سورۃ مؤمنون میں ہے يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ) نیز حضرت نوح علیہ السلام دعوت دیتے تھے تو یہ لوگ کہڑے اوڑھ لیتے تھے اور کانوں میں انگلیاں دے دیتے تھے (جیسے کہ سورۃ نوح میں مذکور ہے) اور نہ صرف یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام سے دور بھاگتے تھے بلکہ الٹا انہیں گمراہ بتاتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ میں گمراہ نہیں ہوں میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور مجھے ان باتوں کا پتہ ہے جن کا تمہیں پتہ نہیں۔ تمہیں اس بات سے تعجب ہو رہا ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک نصیحت آگئی اور اس کا واسطہ تم میں کا ایک شخص بن گیا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جس شخص کے واسطے سے تمہارے پاس یہ نصیحت آئی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہیں پروردگار کے عذاب سے ڈرائے جو تکذیب کرنے والوں اور نافرمانوں کے لیے مقرر ہے۔ تم ڈرو اور کفر سے بچو اس میں تمہاری بھلائی ہے یہ رب العالمین جل مجدہ تم پر رحم فرمائے گا۔ ان لوگوں نے جو عذاب آنے کی بات سنی تو اس کو ماننے کی بجائے یوں ہی ایک دھمکی سمجھی اور کہنے لگے کہ فَاتَيْنَا بِمَا بَعَدْنَا إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ (جس عذاب کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو وہ عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو) ان کی تکذیب ضد اور عناد کے باعث پانی کا زبردست طوفان آیا، حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھی جو اہل ایمان تھے اور تعداد میں تھوڑے تھے کشتی میں سوار ہو گئے تھے وہ نجات پا گئے اور سب کا فرغ کر دیئے گئے۔

ان لوگوں نے ہدایت کو نہ مانا۔ نصیحت پر کان نہ دھرا۔ گمراہی کو ہی اختیار کیا اندھے بنے رہے۔ عقل و فہم کو بالائے طاق رکھ کر ضد اور عناد پر تے رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا مفصل قصہ ان شاء اللہ العزیز سورۃ ہود (ع ۴) میں آئے گا۔

فائدہ..... تفسیر درمنثور (ص ۲۱۲ ج ۱) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح

عالیہ السلام کے درمیان دس قرنیں تھیں (ہر قرن سو سال کی ہوتی ہے) اور یہ قرون سابقہ سب ملت اسلام پر تھیں بعد میں اختلاف ہوا۔ اور کفر و شرک کی راہیں لوگوں نے اختیار کر لیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی امت پہلی امت ہے جس نے کفر اختیار کیا اور بت پرستی شروع کی۔

وَإِنِّي عَادِيَاكُمْ هُودًا ۖ قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَهِ غَيْرُهُ ۖ

اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

أَلَا تَتَّقُونَ ۚ قَالَ الْمَلَأَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا

کیا تم ڈرتے نہیں۔ ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا جواب میں کہنے لگے کہ بلاشبہ ہم تجھے بے وقوفی میں دیکھ رہے ہیں۔ اور بلاشبہ ہم

لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَذِبِينَ ۚ قَالَ يَقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَئِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ

یہ سمجھ رہے ہیں کہ تو جھوٹوں میں سے ہے۔ ہود نے کہا اے میری قوم! مجھ میں بے وقوفی نہیں ہے لیکن میں بھیجا ہوا ہوں پروردگار

الْعَالَمِينَ ۚ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ۚ أَوْعَجِبْتُمْ أَن

عالم کا۔ پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کا اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں، امانت دار ہوں، کیا تمہیں اس بات سے تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی

جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَى رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ ۖ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ

طرف سے نصیحت آگئی تم ہی میں سے ایک شخص کے واسطے سے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے، اور یاد کرو جبکہ اس نے تمہیں

خُلَفَاءَ مِّن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً ۚ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ

قوم نوح کے بعد خلیفہ بنا دیا۔ اور جسمانی طور پر تمہارے ذیل ذول میں پھیلاؤ زیادہ کر دیا لہذا تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ تاکہ تم

تُفْلِحُونَ ۚ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۚ

کامیاب ہو جاؤ۔ وہ کہنے لگے تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم تمہارا اللہ کی عبادت کریں اور تمہارے باپ دادا جس کی عبادت کرتے تھے اسے چھوڑ دیں۔

فَأْتَيْنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۚ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّن رَّبِّكُمْ

سو ہمارے پاس وہ چیز لے آ جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو بچوں میں سے ہے۔ ہود نے کہا تم پر تمہارے رب کی طرف

رِجْسٌ وَغَضَبٌ ۖ أَتَجَادِلُونَنِي فِيْ أَسْمَاءِ سَبَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ

سے عذاب اور غصہ نازل ہو چکا۔ کیا تم مجھ سے جھگڑتے ہو ان ناموں کے بارے میں جو نام تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود سے تجویز کر لیے ہیں۔

مَا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۖ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظَرِينَ ۚ

اللہ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نہیں فرمائی سو تم انتظار رکرو۔ بلاشبہ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔



فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَقَطَّعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا

پھر ہم نے ہود کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے نجات دے دی اور ان لوگوں کی جزا کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا

وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۷﴾

اور وہ لوگ ایمان والے نہ تھے۔

حضرت ہود علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور قوم کا ہلاک ہونا

ان آیات میں قوم عاد اور ان کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ ہے قوم عاد بڑی قوت و طاقت والی تھی۔ یہ لوگ بڑے قد آور تھے ان کا ذیل ڈول بھی بڑا تھا۔ ان کے بارے میں سورہ فجر میں فرمایا اَلَيْسَى لَمْ يَخْلُقْ مِثْلَهَا فِي الْبِلَادِ (ان جیسی قوم شہرہاں میں پیدا نہیں کی گئی) عاد ایک شخص تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کی پانچویں پشت میں سے تھا۔ اسی کے نام پر اس کی نسل قوم عاد کے نام سے مشہور ہو گئی۔ حضرت ہود علیہ السلام جو اسی نسل میں سے تھے وہ ان کی طرف مبعوث ہوئے قوم عاد کو اپنی قوت بازو اور طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ جب ہود علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور عذاب سے ڈرایا تو وہ اپنی قوت اور طاقت جتنا نے لگے اور کہنے لگے کہ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (کہ ہم سے طاقت کے اعتبار سے زیادہ سخت کون ہے) ان کو خالق کائنات جل مجدہ کی طاقت پر نظر نہ تھی اسی لیے ایسے بے ہودہ الفاظ کہہ گئے ان کے جواب میں فرمایا۔

اَوَلَمْ يَسِرُوا اِنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً (کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ جس ذات نے انہیں پیدا فرمایا وہ ان سے زیادہ طاقتور ہے) ان لوگوں کو حضرت ہود علیہ السلام نے سمجھایا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اللہ نے تمہیں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد اس دنیا میں بسا دیا۔ اور تمہیں بہت سی نعمتوں سے مالا مال فرمادیا اس نے تمہیں چوپائے دیئے، بیٹے عطا فرمائے، باغات دیئے، چشمے دیئے (اَمَدَّكُمْ بِالْأَنْعَامِ وَبَيْنَیْنِ وَجَنِبِ وَغُلُوبٍ) تم کفر سے باز آؤ ورنہ تم پر بڑا عذاب آجائے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو یہ بھی سمجھایا کہ تم نے جو معبود تجویز کر رکھے ہیں اور ان کے نام تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے رکھ لئے ہیں یہ سب تمہاری اپنی تراشیدہ باتیں ہیں تم ان کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو، خود ہی معبود تجویز کرتے ہو۔ خود ہی ان کے نام رکھتے ہو اور خود ہی ان کی طرف تصرفات کی نسبت کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ خالق و مالک اللہ ہے۔ وہی دین اور عقیدہ قابل قبول ہے جو اس کی طرف سے اس کے رسولوں نے بتایا ہو۔ چونکہ ان لوگوں کو حضرت ہود علیہ السلام کی باتوں پر اعتقاد نہ تھا اور ان کو سچا نہیں سمجھتے تھے اس لئے کہا کہ تم بے وقوف ہو اور یہ بھی کہا کہ ہمارے خیال میں ہمارے معبودوں نے تم پر کچھ کر دیا ہے اسی لیے ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو (اِنْ نَّقُولُ اِلَّا غَضَبٌ لِّبَعْضِ الْهِنَآ بِسُوءِ عَمَلٍ) اور کہنے لگے تمہارے وعظ سے ہم پر کوئی اثر ہونے والا نہیں (سَوَاءٌ عَلَیْنَا اَوْ عَظَّمْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِیْنَ) جب انہوں نے تکذیب کی اور یوں بھی کہا کہ عذاب لا کر دکھاؤ۔ تو حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ بس اب تو تم پر اللہ کا عذاب اور غصہ نازل ہو ہی چکا۔ یعنی اس کے آنے میں دیر نہیں ہے تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں پھر جب اللہ کا عذاب آیا تو حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھی (جنہوں نے ایمان قبول کیا تھا) سب کو اللہ تعالیٰ نے عذاب سے محفوظ رکھا۔ اور باقی پوری قوم کو ہلاک اور تباہ و برباد کر دیا۔ قوم عاد پر جو عذاب آیا تھا سورہ حم سجده، سورہ احقاف، سورہ ذاریات، سورہ حاقہ اور سورہ قمر میں اس کا ذکر ہے۔

سورہ حتم سجدہ میں فرمایا **فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِيْ اَيَّامٍ نَّجَسَاتٍ لِّتَذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** اور سورہ قمر میں فرمایا **اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمٍ نَّخْسٍ مُّسْتَمِرٍّ لِّتَنْزِعَ النَّاسُ كَآثَهُمْ اَعْجَازًا نَّخْلًا مُّتَقَبِّرًا** ۵

اور سورہ حاقہ میں فرمایا **وَاَمَّا عَادٌ فَاهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَّخَّرْنَا عَنْهُمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَ ثَمَانِيَةَ اَيَّامٍ لَاْ حُسُوْمًا فَرَوٰى الْقَوْمُ فِيْهَا صَرْغٰى لَّا كَآثَهُمْ اَعْجَازًا نَّخْلٍ خَاوِيَةً قَهْلًا قَرٰى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ** ۵ (اور لیکن عادیوں کو ہلاک کئے گئے تھنڈی تیز ہوا کے ذریعہ، اللہ نے ان پر اس ہوا کو سات رات اور آٹھ دن الگ تار مخر فرمادیا۔ اسے مخاطب! تو دیکھے قوم کو کہ اس ہوا میں پچھاڑے ہوئے پرے ہیں گویا کہ وہ کھوکھلے تنے ہیں کھجور کے، کیا تو ان میں دیکھتا ہے کہ کوئی باقی رہا)

سورہ ذاریات میں فرمایا **وَفِيْ عَادٍ اِذَا رَّسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَةَ ۝ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلْنٰهُ كَالْعُرْجِ مَيْمِ** (اور قوم عاد میں عبرت ہے جبکہ ہم نے بھیجی ان پر ایسی ہوا جو بالکل خالی تھی وہ جس چیز پر پہنچتی تھی اسے ایسا بنا کر رکھ دیتی تھی جیسے چوراہو)

سورہ احقاف میں ہے کہ جب لوگوں پر عذاب آنا شروع ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی وادیاں کی طرف بادل آرہا ہے (وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے) اور کہنے لگے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا (برسنے والا بادل کہاں تھا) بلکہ وہ تو عذاب ہے جس کی جلدی مچا رہے تھے۔ وہ تو ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے وہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر رہی ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ اس حال میں ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا تھا، ہم اسی طرح مجرمین کو سزا دیتے ہیں (یہ سورہ احقاف کی آیات کا ترجمہ ہے ۱۲)۔

عنصر اربعہ آگ، خاک، آب اور ہوا سب اللہ کے مامور ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں اور اس کی مخلوق کے لیے نفع یا ضرر کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاهْلِكْتُ عَادٌ بِالسَّبُّوْدِ** (کہ صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی اور قوم عاد بورد کے ذریعے ہلاک کی گئی)۔ (رواہ البخاری ص ۱۴۱ ج ۱) صبا وہ ہوا ہے جو مشرق سے مغرب کو چلتی ہے اور بورد وہ ہوا ہے جو مغرب سے مشرق کو چلتی ہے۔

غزوہ احزاب کے موقع پر جب مختلف قبائل اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے مدینہ پر چڑھ آئے تھے اس وقت اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا بھیجی جس نے دشمن کے خیمے اکھاڑ دیئے اور ان کے چولہے الٹ دیئے اور انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

حدیث بالا میں اسی کا تذکرہ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب آسمان میں کوئی بادل دیکھتے تھے تو آپ کا رنگ بدل جاتا تھا اور آپ کبھی اندر جاتے اور کبھی باہر آتے جب بارش ہو جاتی تو آپ کی یہ کیفیت جاتی رہتی تھی۔ میں نے اس بات کو پہچان لیا اور اس بارے میں آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ! میں ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو جیسا قوم عاد نے بادل کو دیکھ کر کہا جو ان کی وادیوں کی طرف آ رہا تھا کہ یہ بادل بارش برسانے والا ہے (لیکن بارش برسانے والا بادل نہ تھا) بلکہ ہوا کی صورت میں عذاب تھا جو ان پر نازل ہوا۔ (رواہ مسلم ص ۲۹۳، ۲۹۵ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی چیز ہے وہ رحمت لاتی ہے اور عذاب بھی لاتی ہے لہذا تم اسے برا نہ کہو۔ اللہ سے اس کی خیر کا سوال کرو اور اس کے شر سے پناہ مانگو **لَا تُسَالِحُوا الْمُسَالِحِ** ص ۱۱۳۰ از ابی داؤد بن ماجہ)۔

وَإِلَىٰ شَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنِّ إِلَهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَ تَكْثُرُ

اور قوم شمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ صالح نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لیے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ تمہارے رب کی

بَیِّنَاتٌ مِّن رَّبِّكُمْ هَذِهِ نَائِلَةُ إِلَهِكُمْ آيَةٌ فَذَرُوا مَا تَكْفُلُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا تَتَّبِعُوا

طرف سے تمہارا پاس نائل آ چکی ہے، یہ اللہ کی آیت ہے جو تمہارا لیے نکالی ہے سو تم اسے اللہ کی زمین میں چھوڑ۔ رکھو کھاتی پھرا کر۔ اور اس کو براہی

بِسُوءٍ فَيَأْخُذْكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ

کے ساتھ باتھ نہ لگاؤ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا، اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں عاد کے بعد زمین میں اپنے جگہ کا ٹھکانہ دے دیا۔ تم اس

فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا فَاذْكُرُوا الْآيَةَ الَّتِي

زمین کے نرم حصہ میں ملامت بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو۔ اللہ کی نعمتوں کو

وَلَا تَعْتَوُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِينَ

یاد کرو اور زمین میں فساد مت کرو۔ ان کی قوم کے جو حکمران سرور تھے انہوں نے ضعیفوں سے کہا

اسْتَضِعُّوا لِمَن آمَنَ مِنْهُمْ اتَّعْلَمُونَ أَن صَالِحًا مَّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ

جو ان میں سے ایمان آئے تھے کیا تم اس بات کا یقین کرتے ہو کہ صالح اس کے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہے؟ انہوں نے جواب دیا بے شک جو کچھ ان کو

بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنُكُمْ بِهِ كَفِرُونَ ۝ فَعَقَرُوا

دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ حکمران مردوں نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ تم جس پر ایمان آئے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔ سو انہوں نے

النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يُصْلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝

بقیہ نکالتا اور اپنے رب کا حکم ماننے سے سرپی کی۔ اور کہنے لگے کہ اے صالح! اگر تم جلیپروں میں سے ہو تو جس چیز کی تم ہمیں ہمکنی دیتے ہو وہ لے آؤ۔

فَاخَذَتْهُمْ الرِّجْفَةُ فَاصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جِثِيمِينَ ۝ فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَاقَوْمِ لَقَدْ

ان کو پکڑ لیا اور انہیں... ہلکے سے ہلکے پکڑ لیا۔ ان سے منہ موڑا۔ اور فرمایا کہ اے میری قوم! بلاشبہ میں

أَبْلَغْتُكُمْ رَسُولًا مِّن رَّبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَكِن لَّا تُحِبُّونَ النَّصِيحِينَ ۝

نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچایا۔ اور تمہاری خیر خواہی کی۔ لیکن تم خیر خواہی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور سرکشی اختیار کر کے قوم کا ہلاک ہونا

حضرت صالح علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے وہ قوم شمود تھی۔ عاد اور شمود دونوں ایک ہی نسل کی اولاد ہیں۔ یہ دونوں...

شخصوں کے نام تھے۔ بنو عاد قوم عاد کے نام سے اور بنو ثمود قوم ثمود کے نام سے معروف و موسوم ہوئے۔ قوم ثمود عرب کے شمال مغرب میں رہتے تھے ان کے مرکزی شہر کا نام حجر تھا۔ جس کو سورہ حجر کے چھٹے رکوع میں بیان فرمایا ہے۔ قوم عاد کی بربادی کے بعد یہ لوگ زمین میں بے اور پھیلے پھولے۔ یہ لوگ بھی قوت اور طاقت والے تھے زمین پر بڑے بڑے مکانات بناتے تھے اور پہاڑوں کو تراش کر اپنے لیے گھر بنا لیتے تھے جس کو تَسْحِدُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَسْجُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا میں بیان فرمایا ہے۔ ان لوگوں کے تراشے ہوئے پہاڑ اور پہاڑوں کے اندر بنائے ہوئے گھر آج تک موجود ہیں۔ جو مدائن صالح کے نام سے معروف و مشہور ہیں اور شہر الحلاء سے چند میل کے فاصلہ پر ہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام نے (جو انہی کی قوم میں سے تھے) ان کو تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں اور فرمایا يَنْقُومُ غَبَدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ غَيْرُ ط (اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے) قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو بے تکے جواب دیئے، سورہ قمر میں ہے کہ وہ یوں کہنے لگے اَبَشْرًا مِّنَا وَاحِدًا نَّسَبُهُ اِنَّا اِذَا لَقِيَ صَلٰى وَسَلَّم وَعَصٰى اَلْقٰى الذِّكْرَ عَلَيْهِ مِنْ مِّنْ سِنَاطٍ بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشْوٰ (کیا ایسے شخص کا ہم اتباع کر لیں جو ہم میں سے ہے اگر ہم ایسا کر لیں تو کھلی گمراہی میں اور دیوانگی میں پڑ جائیں گے کیا ہم سب کے درمیان سے اس پر نصیحت نازل کی گئی؟ ایسا نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ وہ جھوٹا ہے شیخی بگھارتا ہے)

سورہ ہود میں فرمایا کہ جب حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو توحید کی دعوت دی تو وہ کہنے لگے يَا صَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَلِيلًا هٰذَا ط (اے صالح اس سے پہلے تم ہمارے اندر بڑے ہونہار تھے) تم سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں اَتَهْنَأُوْنَ اَنَّا نَعْبُدُ مَا يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ مَرْيَبًا ط (کیا تو ہم کو اس سے منع کرتا ہے کہ پرستش کریں جن کی پرستش کرتے رہے ہمارے باپ دادا اور ہم کو اس میں شبہ ہے جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے یہ شبہ تو میں ڈالنے والا ہے)

حضرت صالح علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لے آئے تھے وہ زیادہ تر دنیاوی اعتبار سے کمزور تھے۔ (عام طور پر یوں ہی ہوتا رہا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت پر آؤ اور وہی لوگ لبیک کہتے ہیں جو دنیاوی اعتبار سے نیچے کے طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں) ان کی قوم میں جو بڑے لوگ تھے یعنی دنیاوی اعتبار سے بڑے سمجھے جاتے تھے انہوں نے غریب مسلمانوں سے کہا کیا تمہیں یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں انہوں نے جواب میں کہا۔

اِنَّا بِمَا اُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُوْنَ (کہ بلاشبہ ہم تو اس پر ایمان لائے جو وہ لے کر بھیجے گئے) متکبرین نے کہا کہ ہم تو اس کو نہیں مانتے اور جس پر تم ایمان لے آئے ہم اس کے منکر ہیں۔ یہ تکبر اور دنیا کی چودھراہٹ اور بڑائی ہمیشہ بڑا بننے والوں کا نام کھودیتی ہے۔ اور حق کو قبول کرنے سے باز رکھتی ہے۔

قوم ثمود کے لوگ بھی بڑے ضدی تھے کہنے لگے کہ ہم تو جب جانیں جب تم پہاڑ میں سے اونٹنی نکال کر دکھاؤ۔ اگر پہاڑ میں سے اونٹنی نکل آئی تو ہم مان لیں گے کہ تم اللہ کے نبی ہو۔ ان کو ہر چند سمجھایا کہ دیکھو اپنے منہ سے مانگا ہوا معجزہ فیصلہ کن ہوتا ہے اگر اونٹنی تمہارے مطالبہ پر پہاڑ سے نکل آئی اور پھر بھی ایمان نہ لائے تو سمجھ لو کہ پھر جلدی ہی عذاب آجائے گا۔

وہ لوگ اپنی ضد پراڑے رہے اور یہی مطالبہ کرتے رہے کہ اونٹنی پہاڑ سے نکال کر دکھاؤ۔ اگر اونٹنی پہاڑ سے نکل آئی تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دو رکعت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اسی وقت ایک پہاڑی پھٹ گئی اور اس کے اندر سے اونٹنی

نکل آئی۔

یہ ماجرا دیکھ کر جند بن عمرو (جو شوہر کا سر ہارتھا) اور اس کے ساتھ تھوڑے سے اور لوگ مسلمان ہو گئے۔ قوم کے جو بڑے لوگ تھے انہوں نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کیا لیکن ان کے بتوں کے جو بچاری تھے انہوں نے ایمان نہ لانے دیا۔ اب تو منہ مانگا معجزہ سامنے آ گیا یہ معجزہ کیا تھا نافعہ اللہ یعنی اللہ کی اونی تھی اسے نافعہ اللہ فرمایا جیسے کعبۃ اللہ کو بیت اللہ کہا جاتا ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ مالک حقیقی سبحی کا اللہ تعالیٰ ہے اور بعض چیزوں کے مجازی مالک بھی ہیں اور اس اونٹنی کا کوئی مالک مجازی نہ تھا اس لئے نافعہ اللہ فرمایا۔ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کو نافعہ اللہ اس لئے فرمایا کہ وہ قوم صالح پر اللہ کی حجت تھی۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اونٹنی جب پہاڑ سے نکلے اس کے ساتھ ہی اس کا بچہ بھی نمودار ہوا تھا جب اونٹنی کو قتل کر دیا (جس کا ذکر آگے آتا ہے) تو اس بچہ نے تین بار آواز نکالی پھر ایک اونچے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ چونکہ یہ اونٹنی دیگر اونٹنیوں جیسی نہ تھی اس لئے اس کا کھانا اور پینا بھی دوسری اونٹنیوں سے مختلف تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا فَلَذُّوْهَا فَهِيَ أَزْهَىٰ لِلَّهِ (اسے چھوڑے رکھو تاکہ اللہ کی زمین سے کھانا پیتی رہے) وَلَا تَمْسُوْهَا بِسَوْءٍ فَيَأْخُذْكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (اور اسے برے خیال سے مت چھو ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑے گا) (یہ اونٹنیوں نے ان سے یہ بھی فرمایا لِصَا شَرِبْ وَلَكُمْ شَرِبٌ نُّوْمٌ مَّعْلُوْمٌ) اس کے لیے پانی پینے کا حصہ مقرر ہے اور تمہارے لیے ایک مقررہ دن کا پینا ہے) یہ اونٹنی جنکوں میں پلتی پھرتی تھی ایک دن چھوڑ کر پانی پیتی تھی جب یہ پانی پینے لگتی تھی تو کنوئیں میں سر لٹکا کر سارا پانی پی جاتی تھی۔

ان لوگوں کو یہ بات سنبھلی اور چونکہ اس اونٹنی کی بیہ سے ان کے مولیشی خوف زدہ ہو کر ہرورور بھاگ جاتے تھے۔ اس وجہ سے ان لوگوں کو اونٹنی کا جوہر ناگوار ہوا۔ ان میں سے دو عورتیں زیادہ مالدار تھیں جن کے بہت مولیشی تھے انہوں نے قوم میں سے دو آدمیوں کو اونٹنی کے قتل کر دینے پر آمادہ کیا۔ یہ دونوں آدمی جن میں ایک کا نام مصدع اور دوسرے کا نام قدار تھا چھپ کر بیٹھ گئے جب اونٹنی ابھر سے گذری تو مصدع نے اس کی پندلی میں تیر مارا پھر قدار نے اس کو فوج کر دیا بستی کے ابگ نکلے اور اس کا گوشت تقسیم کر لیا جب وہ ایسی حرکت کرنے کو نکلے تھے تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو متنبہ کر دیا تھا کہ یہاں نہ کرو۔

دوسرے اشمس میں فرمایا إِذَا نَبَعْتُ أَشَقِيْهَا فَفُضِّلَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَافِعُهَا (جب اٹھ کھڑا ہوا ان کا سب سے بڑا بد بخت، ہوا ان سے اللہ کے رسول نے کہا کہ خبردار اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کے بارے میں اپنی جانوں کو بچا کر رکھو) ان لوگوں نے بات نہ مانی اور بالآخر اونٹنی کو مار ہی ڈالا، جب انہوں نے ایسا کیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا تَمَتَّعُوا فِي ذَاكُمْ فَلَفَتْهُ إِسْهَامٌ ذَلَالٌ وَغَدَّ غَيْسٌ مَّكَذُوبٌ (کہ تم ابگ اپنے گھروں میں تین دن فائدہ اٹھاؤ۔ یہ وعدہ ہے جو چھوٹا ہونے والا نہیں) جب حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا تین دن کے بعد عذاب آ جائے گا تو ان کا مذاق بنانے لگے۔

وہ کہتے تھے کہ يُصْلِحُ الْبَنَاتُ بِمَا نَعَدْنَا إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (کہ اسے صالح وہ عذاب لے آؤ جس کا تم وعدہ کرتے ہو اگر تم پیغمبروں میں سے ہو) وہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کے درپے بھی ہوئے جس کا ذکر سورہ نمل میں فرمایا فَالْوُاقِسُ مَنَامٌ بِاللَّهِ لَنَبِيْنَهُ وَأَهْلِهِ (الآیۃ)

عذاب تو آتا ہی تھا پہلے دن ان کے چہرے پیلے ہو گئے دوسرے دن سرخ ہو گئے تیسرے دن سیاہ ہو گئے۔ اور چوتھے دن ان پر عذاب آ گیا (تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۹ تا ۲۳۰ ج ۲۔ البدایہ والنہایہ ص ۱۳۴ تا ۱۳۵ ج ۱) سورہ اعراف میں فرمایا فَأَخَذْنَاهُمُ الرِّجْفَ

فَاصْبِرُوا فِي دَارِهِمْ جَنِيمِينَ ۝ (ان کو پکڑ لیا سخت زلزلہ نے لہذا وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے)

اور سورہ ہود میں فرمایا وَ اخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَاصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَنِيمِينَ ۝ كَانُوا لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا ط إِلَّا إِنَّ تَمُودَ ذَا كَفَرُوا زُرِّيَهُمْ ط إِلَّا بَعْدَ الزَّلْزَلَةِ ۝ (اور پکڑ لیا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا چیخ نے، سو وہ لوگ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے جیسے ان میں کبھی رہے ہی نہ تھے۔ خبردار ثمود نے اپنے رب کی ناشکری کی، خبردار دوری ہے ثمود کے لیے)

وونوں آیتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ قوم ثمود پر وونوں طرح کا عذاب آیا زلزلہ بھی آیا اور چیخ بھی حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ زلزلہ نیچے سے آیا اور چیخ کی آواز انہوں نے اوپر سے سنی اور بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ زلزلہ سے جب زمین بھٹکتی ہے تو اس سے آواز نکلتی ہے اور یہ آواز بھیا نک ہوتی ہے جسکی وجہ سے سننے والوں کے دل لرز جاتے ہیں اور ہوش کھو بیٹھتے ہیں اس لئے زلزلہ کو صَبْحَة (یعنی چیخ) سے تعبیر کیا۔

سورہ ختم سجده میں بھی قوم ثمود کی سرکشی اور بربادی کا ذکر ہے قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَ اَمَّا تَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعُصَى الْهَادِي فَاخَذَهُمُ الْعَذَابُ فَبُذِلُوا الْكَاذِبُونَ ۝ (اور جو ثمود تھے ہم نے ان کو راستہ بتلایا سو انہوں نے ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو پسند کیا پس ان کو عذاب نے پکڑ لیا جو سراپا ذلت تھا)

اس آیت میں ثمود کے عذاب کو صَاعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ سے تعبیر فرمایا۔ لفظ صاعقہ ایسی سخت آواز کے لیے بولا جاتا ہے جو اوپر سے سنائی دے۔

امام راغب مفسرات میں لکھتے ہیں کہ اس سے کبھی آگ پیدا ہوتی ہے۔ کبھی یہ عذاب بن کر آتی ہے اور کبھی موت کا سبب بن جاتی ہے اس لئے اس کو تینوں معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اھ چونکہ قوم ثمود کی ہلاکت رجفۃ یعنی زلزلہ اور چیخ کے ذریعہ ہوئی تھی اس لئے سورہ ختم سجده میں جو لفظ صاعقہ وارد ہوا ہے بعض حضرات نے اسے مطلق عذاب کے معنی میں لیا ہے لیکن اس میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے کہ رجفۃ، صبحہ، صاعقہ (اوپر سے سنائی دینے والی سخت آواز) تینوں طرح کا عذاب آیا ہو۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (ص ۱۳۶ ج ۲) میں لکھا ہے کہ قوم ثمود کی پوری قوم عذاب میں ہلاک ہو گئی البتہ ان میں ایک عورت تھی جس کا نام کلثمہ تھا وہ حضرت صالح علیہ السلام سے بہت زیادہ عداوت رکھتی تھی اس نے جب عذاب دیکھا تو وہاں سے تیزی سے دوڑی اور عرب کے ایک قبیلہ کو جا کر خبر دی اور ان لوگوں سے پانی طلب کیا پھر پانی پی کر مر گئی۔ پھر ۸۷۱ھ پر بحوالہ مصنف عبد الرزاق ابو خمال کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ اور خمال کی قبر پر گذرے اور فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں! آپ نے فرمایا یہ ابو خمال کی قبر ہے یہ شخص قوم ثمود میں تھا جب ان لوگوں پر عذاب آیا تو یہ شخص حرم مکہ میں تھا حرم میں ہونے کی وجہ سے اس پر عذاب نہ آیا جب حرم سے باہر آیا تو یہ بھی اسی عذاب میں مبتلا ہو کر مر گیا جو اس کی قوم پر آیا تھا اور اسے یہاں دفن کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ سونے کے ایک ٹہنی بھی دفن کر گئی۔ حضرات صحابہ کرام ان سے اترے اور جلدی سے آگے بڑھے قبر کھودی اور اس میں سونے کی ٹہنی نکل آئی۔ یہ واقعہ طائف کو جاتے ہوئے پیش آیا تھا (بقیہ) حضرت امام ابو داؤد نے بھی اپنی سنن میں نقل کیا ہے (راجع آخر حدیث من کتاب الخزان)۔

فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَاقَوْمِ اِنَّكُمْ لَعَادِيَةُ قَوْمٍ فَتُكْفَرُونَ (سورہ نوح علیہ السلام) نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور وہاں سے منہ موڑ کر چلے گئے اور فرمایا کہ اے میری قوم! بلاشبہ میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور تم باری غیر خدا کی لیکن تم خیر خواہی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے) یہ خطاب حضرت صالح علیہ السلام نے کب فرمایا؟ بعض مفسرین نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ جب قوم پر عذاب آنے کے آثار دیکھے

لیے اور محسوس فرمایا کہ عذاب آنے ہی کو ہے تو حضرت صالح علیہ السلام ان کو چھوڑ کر روانہ ہو گئے اور ان سے یہ آخری خطاب فرمایا جو حسرت بھرے انداز میں ہے۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جب ان کی قوم ہلاک اور برباد کی گئی تو ان سے یہ خطاب فرمایا۔ یہ خطاب ایسا ہی ہے جیسا بدر میں مقتول ہونے والے کافروں سے حضور اکرم ﷺ نے خطاب فرمایا تھا جن کی نعشیں ایک کنوئیں میں پڑی ہوئی تھیں یہ فرما کر حضرت صالح علیہ السلام اہل ایمان کو لے کر فلسطین کی طرف چلے گئے اور وہیں قیام پذیر ہوئے، چونکہ قوم ثمود کی بستیوں پر عذاب آچکا تھا اس لئے یہاں رہنا گوارا نہ فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک تشریف لے جا رہے تھے تو اس وادی سے گذرے اس وقت آپؐ چہرہ انور پر کھڑا ڈالے ہوئے تھے۔ آپؐ تیزی سے گذرے اور اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ یہاں سے تم رو تے ہوئے گذرو ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی وہ عذاب پہنچ جائے جو ان لوگوں کو پہنچا تھا۔ نیز آپؐ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ عذاب کی جگہ پر کوئی نہ جائے اور نہ وہاں کے کنوئیں کا پانی استعمال کرے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم نے تو یہاں کے کنوؤں کے پانی کو استعمال کیا ہے اور اس پانی سے آٹا گوندھا ہے آپؐ نے فرمایا کہ پانی گرا دو جو آٹا گوندھا ہے اسے اونٹوں کو کھلا دو! صحیح بخاری ص ۴۷۸ ج ۲۷

(جلد ۲)

وَلَوْظًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ الْعَالَمِيْنَ ۝

اور ہم نے لوٹ کر بھیجا جب انہوں نے اپنا قوم سے کہہ کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو جسے تم سے پہلے جہانوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا۔

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ

بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر شہوت رانی کے لیے مردوں کے پاس آتے ہو بلکہ تم لوگ حد سے گذر جانے والے ہو، اور ان کی

جَوَابَ قَوْمِهِ اِلَّا اَنْ قَالُوْا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ فَاجْنَبْنٰهُ

قوم کا جواب اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ وہ کہنے لگے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ بے شک یہ ایسے لوگ ہیں جو پاکیزہ رہتے ہیں، ہم نے

وَاَهْلَهُ اِلَّا اَمْرًا تَةً ۚ كَانَتْ مِنَ الْغٰیِبِيْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

نجات دی لوٹ کو اور ان کے گھر والوں کو سوائے اس کی بیوی کے کہ وہ رہ جانے والوں سے بھی اور ہم نے ان پر ایک بڑی بارش برسادی۔ سو دیکھ!

عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

کیا انجام ہے مجرمین کا۔

حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو احکام پہنچانا اور قوم کا اپنے افعال سے باز نہ آنا

اور انجام کے طور پر ہلاک ہونا

ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بدکرداری کا اور تھوڑا سا اس سوال و جواب کا ذکر ہے جو حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان ہوا نیز جو ان پر عذاب آیا اس کا بھی ذکر ہے۔ مفصل قصہ سورہ ہود اور سورہ حجر اور سورہ شعراء اور سورہ عنکبوت میں مذکور ہے اور

تھوڑا تھوڑا دیگر مواقع میں بھی ہے۔

یہ لوگ ایمان بھی نہ لائے اور جن برے کاموں میں مبتلا تھے ان سے حضرت لوط علیہ السلام نے روکا تو اٹنے لگے جواب دیتے رہے۔ یہاں سورۃ اعراف میں ان کی طرف ایک بدکرداری کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ مرد، مردوں سے اپنی شہوت پوری کرتے تھے سیدنا لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ یہ بے حیائی کا ایسا کام ہے جسے تم سے پہلے جہانوں میں نہ کسی نے بھی نہیں کیا۔ اس بدکرداری اور بد فعلی کی تم نے بنیاد ڈالی ہے۔ یہ خالق و مالک کی شریعت کے خلاف ہے اور فطرت انسانی کے بھی۔ ان کی دوسری بدکرداری یہ تھی کہ راہزنی کرتے تھے جسے سورۃ عنکبوت میں وَتَقَطَّعُونَ السَّبِيلَ سے تعبیر فرمایا ہے۔

سورۃ شعراء میں فرمایا اَتَاتُونَا الذِّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝ وَتَذَرُونَنَا مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ (کیا تم سارے جہانوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو اور وہ جو اللہ نے تمہارے لیے پیدا کیا یعنی تمہاری بیویاں ان کو چھوڑتے ہو بلکہ تم حد سے گذر جانے والے لوگ ہو) سیدنا حضرت لوط علیہ السلام نے ان لوگوں کو سمجھایا برے کام سے روکا لیکن انہوں نے ایک نہ مانی اور بے ہودہ جواب دینے لگے۔ کہنے لگ کہ اجی! ان لوگوں کو ہستی سے نکالو۔ یہ لوگ پاکیزہ بنتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ خود پاکیزہ بنتے ہیں اور ہمیں گندہ بتاتے ہیں گندوں میں پاؤں پاؤں کا کیا کام؟ یہ بات انہوں نے ازراہ تمسخر کہی تھی۔

سورۃ شعراء میں ہے لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يَلُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ (ان لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جنہیں نکال دیا جاتا ہے) (حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا میں تمہارے اعمال سے بغض رکھنے والا ہوں) وہ لوگ برابر اپنی بے ہودگی اور بے حیائی پر اڑے رہے اور کمال بے ہودگی اور ڈھٹائی کے ساتھ انہوں نے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو اللہ کا عذاب لے آجیسا کہ سورۃ عنکبوت میں فرمایا۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ اِلَّا اَنْ قَالُوا اِنَّا بَعْدَ بَعْدِ اللَّهِ اِنْ كُنْتُمْ مِنَ الْمَصْدِقِينَ ۚ اَخْرَانِ پر عذاب آگیا اور انہیں منہ مانگی مراءیل گئی۔ سورۃ النعام میں فرمایا وَامْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۚ اور سورۃ شعراء اور سورۃ نمل میں بھی ایسا ہی فرمایا یعنی ہم نے ان پر بڑی بارش برسادی اور سورۃ عنکبوت میں فرمایا:

اِنَّا مُنْزِلُونَ عَلَىٰ اَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ (کہ ہم اس ہستی والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں اس سبب سے کہ وہ بدکاری کرتے تھے) یہ کیا عذاب تھا اور کیسی بارش تھی اس کے بارے میں سورۃ ہود میں فرمایا ہے:

فَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا ۚ وَامْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارًا مِّنْ سِجِّيلٍ مُّنْضُودٍ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ط (سوجب ہمارا حکم آیا تو ہم نے زمین کے اوپر والے حصے کو نیچے والا حصہ کر دیا اور ہم نے اس زمین پر کنکر کے پتھروں کی بارش برسادی جو لگا تار گر رہے تھے جو آپ کے رب کے پاس سے نشان لگے ہوئے تھے)

سورۃ حجر میں بھی یہ مضمون ہے وہاں فرمایا ہے

فَاَخَذْنَاهُمُ الصَّيْحَةَ مُشْرِقِينَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا ۚ وَامْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارًا مِّنْ سِجِّيلٍ ط (سو پکڑ لیا ان کو چیخ نے سورج نکلنے نکلتے سو کر دیا ہم نے اس کے اوپر والے حصے کو نیچے والا حصہ اور برسا دیے ہم نے ان پر کنکر کے پتھر)

ان سب آیات کو ملانے سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر تینوں طرح کا عذاب آیا چیخ نے بھی پکڑا، ان کی سر زمین کا تختہ بھی الٹ دیا گیا، اور ان پر پتھر بھی برسا دیے گئے ان بستیوں کو سورۃ برأت (۹۷) میں الْمُؤْتَفِكُٹ سے تعبیر کیا ہے یعنی الٹی بستیاں سورۃ



ہو اور سورۃ ذاریات اور سورۃ عنکبوت میں ہے کہ جب حضرت اوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لیے فرشتے آئے تو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے ان کی مہمانی کا انتظام کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا آپ حضرات کیوں بھیجے گئے۔ سورۃ ذاریات میں ہے

قَالُوا إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۝ لَنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ جَحَازَةً مِّنْ طِينٍ ۝ فَسُومَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ۝ فَأَخْرَجْنَا مِنْ بَيْنِهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ (انہوں نے جواب میں کہا کہ بلاشبہ ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر مٹی کے پتھر برسائیں جن پر نشان لگے ہوئے ہیں تیرے رب کے پاس حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے، سو نکال دیا ہم نے جو ان میں ایمان والے تھے پس ہم نے اس میں ایک گھر کے سوا کوئی گھر مسلمانوں کا نہیں پایا)

حضرت اوط علیہ السلام نے بہت محنت کی، حق کی طرف بلایا اور ایمان لانے کی دعوت دی لیکن قوم سے کوئی شخص بھی مسلمان نہ ہوا اور اپنی بے ہودہ حرکتوں میں لگے رہے البتہ ان کے گھر کے لوگ مسلمان ہو گئے لیکن ان کی بیوی مسلمان نہ ہوئی تھی۔ مسلمان ہونے والی ان کی لڑکیاں تھیں اسی کو فرمایا کہ ایک گھر کے سوا کسی کو مسلمان نہ پایا۔ ان کی بیوی بھی چونکہ مسلمان نہ ہوئی تھی اس لئے وہ بھی ہلاک ہونے والوں میں شامل کر لی گئی۔

اسی کو فرمایا فَاتَّجِسُّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ ط كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ (سو ہم نے نجات دی اوط کو اور اس کے گھر کے لوگوں کو سوائے اس کی بیوی کے۔ یہ باقی رہ جانے والوں میں سے تھی) یعنی جو اہل ایمان بستیوں سے نکال دیے گئے تھے تاکہ عذاب میں مبتلا نہ ہوں انکے عاؤہ جو لوگ تھے وہ انہی میں رہ گئی۔

سورۃ ہود میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت اوط علیہ السلام سے کہا فَاسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْقَئُكُم مِّنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ إِنَّ مَوْجِدَهُمُ الصُّبْحُ ط أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ط (سو تم رات کے ایک حصہ میں نکل جاؤ۔ اور تم میں سے کوئی بھی مڑ کر نہ دیکھے سوائے تمہاری بیوی کے، بے شک اسے عذاب پہنچنے والا ہے جو ان لوگوں کو پہنچے گا۔ ان کی ہلاکت کے لیے صبح کا وقت مقرر ہے کیا صبح قریب نہیں ہے)

مفسرین لکھتے ہیں یا تو ان کی بیوی ان کے گھر والوں کے ساتھ نکلی ہی نہ تھی یا ساتھ تو نکلی لیکن پیچھے مڑ کر دیکھ کر اپنی قوم کی ہلاکت پر افسوس ظاہر کرنے لگی۔ ایک پتھر آیا اور اسے وہیں قتل کر دیا۔ سورۃ ہود اور سورۃ حجر میں جَحَازَةٌ مِّنْ سِجِّيلٍ فرمایا اور سورۃ ذاریات میں جَحَازَةٌ مِّنْ طِينٍ فرمایا۔

دونوں جگہ کی تصریح سے معلوم ہوا کہ جو پتھر ان لوگوں پر برسائے گئے وہ یہ عام پتھر یعنی پہاڑوں کے ٹکڑوں میں سے نہ تھے بلکہ ایسے پتھر تھے جو مٹی سے پکا کر بنائے گئے ہوں جس کا ترجمہ کنکر سے کیا گیا اور مُسُومَةٌ بھی فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ ہر پتھر پر نشان لگا ہوا تھا کہ یہ فلاں شخص پر ہی گرے گا۔ اور سورۃ ہود میں جو مُنْضَوْدٌ ہے اس کا معنی ہے کہ لگا تا پتھر برسائے گئے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے ان بستیوں کا تختہ الٹ دیا۔ اس خطہ کو اوپر اٹھا کر لے گئے اور وہاں سے الٹا کر کے زمین کی طرف پھینک دیا۔

حضرت اوط علیہ السلام جن بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے وہ چار بستیاں تھیں جن کے نام مؤرخین و مفسرین نے سدوم، امورا، عامورا، اور صوبیر بتائے ہیں۔ ان میں سب سے بڑی ہستی سدوم تھی۔ حضرت اوط علیہ السلام اسی میں رہتے تھے۔ یہ بستیاں نہر اردن کے

قریب تھیں۔ ان بستیوں کا تختہ الٹ دیا گیا اور ان کی جگہ بحریت جاری کر دیا گیا جو آج بھی موجود ہے پانی کہیں دوسری جگہ سے نہیں آتا ہے صرف ان بستیوں کی حدود میں رہتا ہے۔ یہ پانی بدبودار ہے جس سے کسی قسم کا انتفاع انسانوں کو یا جانوروں کو یا کھیتوں کو نہیں ہوتا۔

سورۃ صافات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ہے: **وَأَنكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِينَ وَبِالْآيَاتِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ** (اور تم ان پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گزرتے ہو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے)۔

اہل عرب تجارت کے لیے شام جایا کرتے تھے راستے میں یہ بستیاں پڑتی تھیں جن کا تختہ الٹ دیا گیا تھا کبھی صبح کے وقت اور کبھی رات کے وقت وہاں سے گزر ہوتا تھا ان لوگوں کو یاد دلایا کہ دیکھو کافروں، بدکاروں کا کیا انجام ہوا۔ تم وہاں سے گزرتے ہو اور نظروں سے دیکھتے ہو پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے۔

فائدہ..... قرآن مجید کی تصریح سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جس فاحشہ کام یعنی مردوں کے ساتھ شہوت رانی کا عمل کرنے میں لگی ہوئی تھی یہ عمل ان سے پہلے کسی قوم نے نہیں کیا۔ یہ عمل عقلاً و شرعاً و فطرۃً نہایت ہی شنیع اور قبیح ہے اور کبار مرتبے سے۔ اس کی سزا کیا ہے؟ اس کے بارے میں حضرات صاحبین امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ بھی ایک طرح کا زنا ہے اس کی سزا بھی وہی ہے جو زنا کی سزا ہے۔ یعنی بعض صورتوں میں سوکڑے مارنا۔ اور بعض صورتوں میں سنگسار کر دینا (یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا) ان دونوں سزاؤں کی تفصیلات کتب فقہ کی کتاب الحدود میں لکھی ہیں حضرت امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ اور ان کا ایک قول یہ ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ دونوں کو سنگسار کر دیا جائے۔

حضرت امام مالکؒ کا بھی یہی ایک قول ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی کوئی ایسی سزا مقرر نہیں کہ ہمیشہ اسی کو اختیار کیا جائے بلکہ امیر المؤمنین اس کو مناسب جانے تو دونوں کو قتل کر دے۔ اور مناسب جانے تو سخت سزا دے کر جیل میں ڈال دے۔ یہاں تک کہ ان دونوں کی موت ہو جائے یا تو بہ کر لیں۔ اور اگر اس عمل کو دوبارہ کر لیں تو قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھا کہ یہاں ایک ایسا آدمی ہے جس سے لوگ اسی طرح شہوت پوری کرتے ہیں جس طرح عورت سے شہوت پوری کی جاتی ہے اس بارے میں حکم شرعی بتایا جائے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ کو جمع فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ایسا گناہ ہے جسے صرف ایک ہی امت نے کیا ہے ان کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے معاملہ کیا وہ آپ سب کو معلوم ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس کو آگ میں جلا دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ اس فعل بد کی کیا سزا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ آبادی میں جو سب سے اونچی عمارت ہو وہاں سے اونڈھے منہ کر کے پھینک دیا جائے پھر پیچھے سے پتھر مارے جائیں یہ تفصیل فتح القدیر اور بحر الرائق میں لکھی ہے مشکوٰۃ المصابیح (ص ۳۱۳) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاعل اور مفعول کو جلا دیا تھا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں پر دیوار گروا کر ہلاک کر دیا تھا۔

**وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۖ قَالَ يَبْقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِن إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَ تَكْوِيمُ**

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے تمہارے پاس تمہارے

بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْإِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي

رب کی طرف سے دلیل آئی ہے۔ سو ناپ اور تول پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دو، اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد

الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝ وَلَا تَقْعُدُوا

فساد مت کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مؤمن ہو، اور مت بیٹھ جاؤ،

بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصَدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَن آمَنَ بِهِ وَتَبَعُونَهَا عَوَجًا

ہر راستہ میں کہ تم لوگوں کو دھمکیاں دیتے ہو اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہو جو اس پر ایمان لائے۔ اور اس میں کجی تلاش کرتے ہو۔

وَاذْكُرُوا إِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا فَكَثَرَكُمْ ۚ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝

اور یاد کرو جبکہ تم تھوڑے سے تھے سو اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا۔ اور دیکھ لو فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

وَإِنْ كَانَ طَائِفَةٌ مِّنْكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا

اور اگر تم میں سے ایک جماعت اس حکم پر ایمان لائی جسے دے کر میں بھیجا گیا ہوں اور ایک جماعت ایمان نہ لائی تو صبر کرو

حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے اور وہ سب حاکموں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی امت کو تبلیغ فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے ان لوگوں کا ہلاک ہونا

جو امتیں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت قبول نہ کرنے اور ضد و عناد پر کمر باندھنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں ان میں

سیدنا حضرت شعیب علیہ السلام کی امت بھی تھی۔ ان لوگوں میں کفر و عناد تو تھا ہی کیل اور وزن میں کمی کرنا بھی ان میں رواج پذیر تھا بچتے

تھے تو کیل میں یعنی ناپ کروینے میں اور وزن میں کمی کر دیتے تھے۔ اور راستوں میں بیٹھ جاتے تھے اور اللہ کی راہ سے روکتے بھی تھے یعنی

حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت قبول کرنے اور ایمان لانے سے منع کرتے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو تو حید کی دعوت دی اور فرمایا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں،

تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آچکی ہے لہذا تم ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں

فساد نہ کرو اس کے بعد اس کی اصلاح کر دی گئی ہے۔ اور راستوں میں مت بیٹھو جہاں تم لوگوں کو دھمکیاں دیتے ہو اور جو اللہ پر ایمان لے

آئے اسے اللہ کی راہ سے روکتے ہو۔

یہ لوگ راستوں پر بیٹھ جاتے تھے اور جو لوگ ہستی میں آنے والے ہوتے ان کو ڈراتے اور دھمکاتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو شعیب کی

بات مانو گے تو ہم تمہیں مار ڈالیں گے اور ساتھ ہی حضرت شعیب علیہ السلام کے بتائے ہوئے دین میں کجی تلاش کرتے تھے اور سوچ سوچ

کراعتراض نکالتے تھے۔ جس کو وَتَبَعُونَهَا عَوَجًا سے تعبیر فرمایا۔ ”کجی تلاش کرنے“ کا مطلب سورہ اعراف کے پانچویں رکوع میں

بیان ہو چکا ہے حضرت شعیب علیہ السلام نے اللہ کی نعمت یاد دلوائی اور فرمایا ”

وَاذْكُرُوا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثُرَكُمْ (اور یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے اس کے بعد اللہ نے تمہیں کثرت دے دی) نیز فرمایا:  
وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (اور دیکھ لو فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا)  
چونکہ اس سے پہلے دیگر امتیں ہلاک ہو چکی تھیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ اس لیے حضرت  
شعیب علیہ السلام نے انہیں توجہ دلائی کہ گذشتہ ہلاک شدہ امتوں سے عبرت لے لو۔

سورہ ہود میں ہے: وَيَا قَوْمِ لَا يَسْجُرْ مَنكُم مِّثْقَالُ اَنْ يَّصِيْبَكُم مِّثْلُ مَا اَصَابَ قَوْمُ نُوحٍ اَوْ قَوْمُ هُودٍ اَوْ قَوْمُ صَالِحٍ ط  
وَمَا قَوْمٌ لُّوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ (اے میری قوم! مجھ سے ضد کرنا تمہارے لیے اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم پر بھی اس طرح کی مصیبتیں  
آپڑیں۔ جیسے قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر پڑی تھیں۔ اور قوم لوط تم سے دور نہیں ہے)

یہ لوگ برابر ضد اور عناد پر اڑے رہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو بے ہودہ اور بے تکے جواب دیتے رہے جن کا تذکرہ آئندہ  
آیات میں ہے انہوں نے یوں بھی کہا کہ تم تمہیں اپنی ہستی سے نکال دیں گے۔ الا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔ جس کا ذکر ابھی  
ایک آیت کے بعد آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

ان لوگوں کو جب یہ بتایا گیا کہ کفر پر جسے رہو گے تو اللہ کی طرف سے عذاب آ جائے گا۔ اس پر انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ ایک  
جماعت ایمان لے آئی ہے اور ہم لوگ ایمان نہیں لے آئے جو ایمان نہیں لائے ان پر تو کوئی عذاب نہیں آیا۔ اور وہ سب عیش و آرام میں  
ہیں۔ لہذا یہ عذاب کی باتیں بے اصل معلوم ہوتی ہیں۔

اس کے جواب میں حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ عذاب کا فوراً اور جلدی آنا ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جب  
چاہتا ہے عذاب بھیجتا ہے تم ذرا ٹھہرو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے۔

وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ ۝ وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے چنانچہ کافروں پر عذاب آیا اور ان کو زلزلہ کے  
ذریعہ ہلاک کر دیا گیا۔ جیسا کہ اسی رکوع کے آخر میں آ رہا ہے اور اہل ایمان کو بچا دیا گیا جیسا کہ سورہ ہود میں مذکور ہے۔



## (پارہ نمبر ۹)

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَشْعَبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا

ان کی قوم کے سردار جو تکبر کرنے والے تھے کہتے تھے کہ اے شعیب ضرور ضرور ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے اپنی ہستی سے نکال دیں

مَعَكَ مِنْ قَرِينَتَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كِرْهَيْنِ ۖ قَدْ افْتَرَيْنَا

گئے، یا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کیا (ہم تمہارے دین میں واپس آ جائیں گے) اگرچہ دل سے برا جانتے ہوں؟ اگر ہم تمہارے دین میں واپس

عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ بَخَّسْنَا اللَّهُ مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُونُ لَنَا

ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اللہ پر جھوٹی تہمت لگانے والے بن جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے اس سے ہم کو نعمات دی، اور ہم سے یہ نہیں ہو سکتا

أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا ۚ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا ۚ

کہ ہم تمہارے دین میں واپس آ جائیں الا یہ کہ اللہ چاہے جو ہمارا رب ہے۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے

رَبُّنَا افْتَحَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ۖ وَقَالَ الْمَلَأُ

ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا، اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے اور تو فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اور کہا ان کی

الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَإِنْ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَخَسِرُونَ ۖ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا

قوم کے سرداروں نے جو کفر پر تھے کہ اگر تم شعیب کی راہ پر چلنے لگو گے تو بلاشبہ بڑے نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ سو پکڑ لیا ان کو زلزلہ نے سو وہ صبح کے وقت اس حال

فِي دَارِهِمْ جَثِينَ ۖ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا لَمَّ يَغْنَوْا فِيهَا ۚ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا

میں ہو گئے کہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے تھے۔ جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا کہ وہ ان گھروں میں رہے ہی نہیں تھے، جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی

كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ۖ فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَاقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رَسُولَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ

نقصان میں پڑنے والے ہیں۔ سو پشت پھیری ان کی طرف سے اور کہا کہ اے میری قوم بے شک میں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیے اور تمہاری خیر خواہی کی

فَكَيْفَ أَتَى عَلَى قَوْمٍ كَافِرِينَ ۖ

سو پھر میں کفر اختیار کرنے والی قوم پر کیوں رنج کروں؟

## حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا اہل ایمان کو کفر میں واپس آنے کی دعوت دینا اور تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہونا

جو قوم کے سردار ہوتے ہیں وہ متکبر بھی ہوتے ہیں ان متکبر سرداروں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ اے شعیب ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ہیں اپنی ہستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تمہارے دین میں کیسے آ سکتے ہیں جبکہ ہم اسے برا جانتے ہیں۔ خدا نخواستہ اگر تم تمہارے دین میں واپس آ جائیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دی یعنی اگر ہم پھر تمہارا دین اختیار کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارا یہ اعتقاد غلط ہے کہ شعیب اللہ کے نبی ہیں اور جو دین اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہیں یہ حق ہے۔ اس طرح سے تو ہم اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والے ہو جائیں گے۔ کفر کا عقیدہ رکھنا اور کفر کو دین حق سمجھنا یہ اللہ تعالیٰ پر نہمت دھرنا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ یہ دین اللہ تعالیٰ کو پسند ہے العیاذ باللہ اور جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس سے نجات دے دی اور ہم نے سوچ سمجھ کر قبول کر لیا تو اس کو چھوڑ دینا اور زیادہ تہمت کی چیز ہوگئی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھیوں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے لئے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ تمہارے دین میں واپس ہو جائیں، ہاں! اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو تو اور بات ہے (اس میں یہ بتایا کہ ہدایت پانا، اور گمراہ ہونا اللہ تعالیٰ ہی کے مشیت اور قضاء و قدر سے ہوتا ہے اور ایمان پر جمنہ ہمارا کوئی کمال نہیں، جو استقامت ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کی ہوئی ہے)

ہمارا رب علم کے اعتبار سے ہر چیز کو محیط ہے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا (اللہ تعالیٰ سے ہمیں امید ہے کہ وہ تمہارے مکرو فریب سے ہمیں بچا دے گا، ہمیں اپنے محبوب دین پر استقامت سے رکھے گا) ہستی والوں کو یہ جواب دے کرو کہ حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور دعا کی اسے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرما دیجئے اور آپ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والے ہیں۔

قوم کے سرداروں نے اپنے عوام سے یہ بھی کہا کہ اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو تم ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے (اس میں انہوں نے اپنے ان عوام کو بھی حضرت شعیب علیہ السلام کے اتباع سے روکا جنہوں نے ایمان قبول نہیں کیا تھا اور اہل ایمان پر بھی تعریض کی کہ تم نقصان میں پڑ چکے ہو فَأَخَذَتْهُمْ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ۔ (سوان لوگوں کو زلزلہ نے پکڑ لیا۔ سو وہ اپنے گھروں میں صبح کے وقت ادندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے) اس میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا ذکر ہے۔ جیسے قوم شمود کو زلزلہ کے ذریعہ ہلاک کیا گیا اور وہ اپنے گھروں میں ادندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے اور وہیں کے وہیں ہلاک ہو گئے۔ اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا بھی حال ہوا۔ سورہ ہود میں ہے اَلَا بُعْدَ الْمَدِينِ كَمَا بَعْدَتْ لُؤْلُؤُ (خبردار! مدین کے لئے رحمت سے دوری ہے، جیسا کہ قوم شمود رحمت سے دور ہوئی)

پھر فرمایا الَّذِينَ كَذَبُوا شُعَيْبًا كَاَنَّهُمْ يَبْعَثُونَ فِيهَا۔ (جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا گو یا وہ اپنے گھروں میں رہے ہی نہ تھے) الَّذِينَ كَذَبُوا شُعَيْبًا كَاَنَّهُمْ الْخَاسِرِينَ۔ (جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی خسارہ میں پڑنے والے ہوئے) کہ اپنی جانوں کو تباہی میں ڈالا، نہ دنیا کے رہے نہ آخرت ملی۔ اہل ایمان کو وہ خسارہ میں بتا رہے تھے اور حقیقت میں خود خسارہ میں پڑ گئے۔

### فوائد

فائدہ نمبر ۱..... حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحب زادہ کا نام مدین تھا۔ ان ہی کے نام پر اس ہستی کا یہ نام مشہور ہو گیا جس

میں حضرت شعیب علیہ السلام کا قیام تھا۔ سورۃ اعراف، سورۃ ہود اور سورۃ عنکبوت میں حضرت شعیب السلام کی امت کو اصحاب مدین بتایا ہے جن کی طرف وہ مبعوث ہوئے اور سورۃ شعراء میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اصحاب الایکہ کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ ان کو حضرت شعیب علیہ السلام نے ناپ تول میں کمی کرنے سے منع فرمایا۔ دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ دونوں ہی قوموں کی طرف آپ مبعوث ہوئے تھے۔ البتہ بعض مفسرین نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قوم ہو لیکن قرآن کے سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں قومیں علیحدہ علیحدہ تھیں۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اہل مدین کے بارے میں لفظ اخساحم کا اضافہ فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل مدین ہی کے قوم کے فرد تھے اور اصحاب الایکہ کے بارے میں لفظ اخساحم استعمال نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب الایکہ کی طرف مبعوث تو ہوئے لیکن وہ خود ان میں سے نہ تھے، اور دونوں ہی قوموں میں ناپ تول میں کم کر کے دینے کا رواج تھا۔

اصحاب مدین پر کون سا عذاب آیا؟..... یہاں سورۃ اعراف میں اہل مدین کے بارے میں بتایا کہ وہ رجفہ یعنی زلزلہ سے ہلاک ہوئے اور سورۃ عنکبوت میں بھی ایسا ہی فرمایا ہے اور سورۃ ہود میں فرمایا کہ وہ صبحہ یعنی چیخ سے ہلاک ہوئے۔ اس میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ دونوں ہی طرح کا عذاب آیا تھا اور اصحاب الایکہ کے بارے میں سورۃ شعراء میں فرمایا فَكَذَّبُوهُ فَاسْتَاخَذْهُمْ عَذَابَ يَوْمِ الظُّلَّةِ (کہ انہوں نے شعیب کو جھٹلایا لہذا ان کو سایہ والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا) ان کی بربادی اس طرح ہوئی کہ ان کی پوری بستی میں سخت گرمی پڑی جس سے سب بلبلا اٹھے پھر قریب ہی میں انہیں گہرا بادل نظر آیا گرمی سے گھبرائے ہوئے تو تھے ہی اس بادل کے سایہ میں جمع ہو گئے۔ جب سب وہاں پہنچ گئے تو بادل سے آگ برسی اور یہ لوگ ہلاک ہو گئے۔ ایک جنگل کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ جنگل نماستیموں میں رہتے تھے اس لئے ان کو اصحاب الایکہ کہا جاتا ہے۔ اصحاب الایکہ سے حضرت شعیب علیہ السلام کا خطاب فرمانا اور ان کا لئے لئے جواب دینا ان پر عذاب آنا سورۃ شعراء (رکوع ۱۰) میں مذکور ہے۔

### ناپ تول میں کمی کرنے کا وبال

فائدہ نمبر ۲..... حضرت شعیب علیہ السلام نے توحید کی دعوت دیتے ہوئے ان سے بھی فرمایا کہ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ کہ ناپ تول میں کمی نہ کرو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ کہ لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال بیچتے وقت گاہک کو مال کم دینا صرف یہی منع نہیں ہے بلکہ کسی بھی طرح سے کسی کا مال رکھ لینا، حق مارنا حلال نہیں۔ جو لوگ ملازمتیں کرتے ہیں ان میں جو لوگ تنخواہ پوری لے لیتے ہیں کام پورا نہیں کرتے یا وقت پورا نہیں دیتے۔ آیت کا عمومی مضمون ان لوگوں کو بھی شامل ہے۔ ناپ تول کی کمی سورۃ مطففین میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَيَسْأَلُ الْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوا لَهُمْ اَوْزَنُوا لَهُمْ يُخْسِرُونَ۔ (بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے جب یہ لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر دیا تو لے کر دیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔

آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ناپ تول کا کام کرنے والوں سے فرمایا کہ ایسے دو کام تمہارے سپرد کئے گئے ہیں جن کی وجہ سے تم سے پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں (رواہ الترمذی کما فی المسکوٰۃ ۲۵۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس قوم میں خیانت کا رواج پا گیا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دے گا اور جن لوگوں میں زنا کی کثرت ہو جائے گی ان میں موت کی کثرت ہو جائے گی، اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا اور جو لوگ ناحق فیصلے کریں گے ان میں خون ریزی

پھیل جائے گی اور جو لوگ عبد کی خلاف ورزی کریں گے ان پر دشمن مسلط کر دیا جائے گا (رواہ مالک فی الموطا)۔

برگناہ سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ آخرت کی فکر دامن گیر ہو اور وہاں کے مواخذہ اور محاسبہ کا استحضار ہو۔ ناپ تول میں کمی کرنے کا جو گناہ ہے اس کے بارے میں سورہ مطففین میں فرمایا: **اَلَا يَنْظُرُوْنَ اَوَّلَئِكَ اَنَّهُمْ مَبْعُوْنَ** عظیم **يَوْمَ يَفُوْهُ النَّاسُ** **رَبِّ الْعَالَمِيْنَ** (کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے جس دن تمام آدمی رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے) ناپ تول میں کمی کر کے دینے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی بھی ہے اور بندوں کے حقوق مارنے کا گناہ بھی ہے۔ قیامت کے دن دونوں باتوں کا مواخذہ ہوگا، اور بندوں کے جو حقوق مارے ہیں ان کے عوض نیکیاں دینی ہوں گی اور نیکی نہ ہوئی تو اصحاب حقوق کے گناہ اپنے سر لینے ہوں گے۔ جیسا کہ حقوق العباد کی ادائیگی کے بارے میں حدیث میں وارد ہوا ہے۔

عبادات میں کمی اور کوتاہی..... جس طرح حقوق العباد میں تطفیف کی جاتی ہے عبادات میں بھی لوگ ایسا کرتے ہیں۔ لیکن اس کا احساس نہیں ہوتا۔ دنیاوی کوئی نقصان ہو جائے تو رنجیدہ ہوتے ہیں اور عبادات میں کوئی نقصان ہو جائے تو بدل پر اثر نہیں ہوتا۔ موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو عصر کی نماز میں موجود نہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ تمہیں نماز سے کس چیز نے روکا؟ انہوں نے کوئی عذر بیان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "طففت" کہ تو نے نقصان کا کام کیا۔ اس کے بعد امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "الکل شیء وفاء و تطفیف" یعنی ہر چیز کے لئے پورا کرنا بھی ہے اور کم کرنا بھی (موطا جامع الوقت)

مطلب یہ کہ کسی بھی چیز کو قاعدہ کے مطابق مکمل کر دینا وفاء ہے یعنی پوری ادائیگی ہے اور اگر کمی کر دی جائے تو یہ تطفیف ہے یعنی نقصان کی بات ہے۔ نمازوں کو صحیح طریقہ پر نہ پڑھنا رکوع و سجدہ میں سے کٹوتی کرنا یہ سب تطفیف ہے۔

### قوم کی بربادی کے بعد حضرت شعیب رضی اللہ عنہ کا خطاب

فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰ قَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اَسَىٰ عَلٰى قَوْمٍ كَافِرِيْنَ ۝ (پھر ان لوگوں سے منہ پھیر اور کہنے لگے کہ اے میری قوم میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا چکا اور تمہاری خیر خواہی کر چکا۔ سو اب کافروں پر کیسے افسوس کروں) جب حضرت شعیب رضی اللہ عنہ کی قوم کی بربادی ہو گئی تو انہوں نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میری قوم میں نے تو تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کی۔ لیکن تم نے سب سنی ان سنی کر دی۔ برابر کفر پر جسے رہے تو اب میں کافر لوگوں پر کیسے رنج کروں؟ تم نے خود ہی اپنی بربادی کا سامان کیا۔ حضرت شعیب رضی اللہ عنہ نے ان کی بربادی کے بعد بطور حسرت فرضی خطاب فرمایا اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب عذاب آنے کے آثار نمودار ہوئے ہوں اس وقت حضرت شعیب رضی اللہ عنہ نے زندوں ہی کو خطاب فرمایا ہو اور یہ خطاب فرما کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

قوم کی ہلاکت کے بعد حضرت شعیب رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل ایمان کے ساتھ مکہ معظمہ میں قیام فرمایا اور وہیں وفات ہوئی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ابن عسا کر نے نقل کیا ہے کہ مسجد حرام میں صرف دو قبریں ہیں۔ ایک قبر حضرت اسماعیل رضی اللہ عنہ کی جو حطیم میں ہے اور ایک قبر شعیب رضی اللہ عنہ کی جو حجر اسود کے مقابل کسی جگہ پر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (روح المعانی صفحہ ۸ جلد ۹)



وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالصَّرَاءِ لَعَدَّهُمْ يَضَّرِعُونَ ﴿٥﴾

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ اس کے رہنے والوں کو ہم نے سختی اور تکلیف کے ساتھ نہ پکڑا نہ تاکہ وہ عاجزی کریں۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّى عَفَوْا وَقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَاءُ وَالسَّرَاءُ

پھر ہم نے بد حالی کی جگہ خوش حالی بدل دی یہاں تک کہ وہ بڑھتے چلے گئے اور کہنے لگے ہمارے باپ دادوں کو تکلیف اور خوشی پہنچ چکی ہے۔

فَاخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٦﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ

سو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اس حال میں کہ انہیں خبر بھی نہ تھی۔ اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان

مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَاخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٧﴾ أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ

پر آسمان کی اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا۔ کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف

أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿٨﴾ أَوْ آمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضَعًى وَهُمْ

ہیں کہ ہمارا عذاب ان کے پاس رات کے وقت اس حال میں آجائے کہ وہ سو رہے ہیں۔ یا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن پتے آجائے جبکہ

يَلْعَبُونَ ﴿٩﴾ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٠﴾

و کھیل رہے ہوں۔ کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے نڈر ہو گئے۔ سو اللہ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جن کا پر بادہ و ناپی طے پا چکا ہو۔

جن بستیوں میں نبی بھیجے گئے ان کو خوشحالی اور بدحالی کے ذریعہ آزمایا گیا

گزشتہ چند رکوع میں متعدد قوموں کی تکذیب اور تعذیب کا تذکرہ فرمایا۔ ان بستیوں کا حال بنی اسرائیل کو معلوم تھا اور قریش بھی تجارت کے لئے ملک شام کی طرف جاتے تھے وہ بھی ان میں سے بعض بستیوں پر گزرتے تھے اور اگر کسی کو ان کے حالات معلوم نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمادئے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے پڑھ کر سنا دیا۔ ان واقعات سے معلوم ہو گیا کہ دہاں کے رہنے والوں کو تنبیہ کرنے کے لئے پکڑا۔ یہ گرفت سختی اور دکھ و تکلیف کے ذریعہ تھی یا ساء سے سختی اور عام مصائب اور ضراء سے جسم و جان کی تکلیفیں مراد ہیں۔ ان کی یہ گرفت اس لئے تھی کہ یہ لوگ کفر و نافرمانی کی زندگی کو چھوڑ دیں اور اپنے خالق و مالک کے سامنے گڑ گڑائیں اور عاجزی کریں اور کفر سے اور نافرمانیوں سے توبہ کریں۔ لیکن یہ لوگ برابر طغیانی اور سرکشی پر تڑپے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بدحالی کو اچھے حال سے بدل دیا۔ نعمتوں سے نوازا۔ خوشحالی عطا فرمائی۔ تندرستی دی۔ مال دیا، یہاں تک کہ جان و مال میں کثرت ہو گئی، پہلے تو تنگدستی و بدحالی کے ذریعہ آزمائے گئے تھے اب انہیں نعمتیں دے کر آزمایا گیا۔ پہلے امتحان میں توفیل ہونے ہی تھے دوسرے امتحان میں بھی فیل نہ گئے۔ نہ بدحالی میں بتاوا نہ کفر اور راست پر آئے نہ خوشحالی سے عبرت حاصل کی بلکہ الٹا یہ نتیجہ نکالا کہ اسی! یہ خوشحالی اور بدحالی کچھ ایمان اور کفر اور اچھے کاموں اور برے کاموں سے متعلق نہیں ہے۔ یہ دنیا کا الٹ پھیر ہے۔ کبھی خوشحالی کبھی بدحالی، ہمارے باپ دادوں پر بھی یہ دونوں حالتیں گزری ہیں۔ لہذا ہم اپنا دین کیوں چھوڑ دیں۔ ہمارے باپ دادے بھی اپنے دین پر جمے رہے، ہم بھی مضبوط

ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے نہ تنگ دستی اور سختی سے عبرت لی اور نہ خوشحالی اور نعمتوں سے نوازے جانے پر شکر گزار ہوئے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اچانک ان کی گرفت فرمائی۔ نزول عذاب کا پتہ بھی نہ چلا، اور مبتلائے عذاب ہو کر بلاک ہو گئے۔

اگر بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے تو ان کے لئے آسمان وزمین کی برکات کھول دی جاتیں۔ اس کے بعد فرمایا وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرَآئِیْ اٰتَوْا اَلْفَنۡیَا لَفَنَحْنُ عَلَیْہِمۡ بَرَکَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (اور اگر ان بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیز کرتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے) وَلٰکِنْ کَذَّبُوْا فَاَخَذْنَاہُمۡ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (اور لیکن انہوں نے جھٹلایا لہذا ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کی گرفت کر لی) اس آیت میں ایک عمومی نکتہ بتایا ہے اور وہ یہ کہ جب لوگوں میں ایمان ہوگا اعمال صالحہ ہوں گے کفر و شرک اور گناہوں سے پرہیز کرتے ہوں گے تو ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں کھول دی جائیں گی۔ آسمان سے بھی برکتیں نازل ہوں گی اور زمین سے بھی نکلیں گی بہت ہی زیادہ خوشحال زندگی گزاریں گے، اور اگر ایمان نہ ہوگا اور اعمال صالحہ نہ ہوں گے تو گرفت ہوگی نعمتیں چھین جائیں گی اور عذاب آئیں گے۔ شاید کسی کو یہ وسوسہ آئے کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ کافر خوشحال رہتے ہیں نعمت و دولت ان کے پاس وافر مقدار میں ہوتی ہے نزول عذاب کے ذریعہ ان کی گرفت نہیں ہوتی، یہ وسوسہ غلط ہے کیونکہ آیت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ سارے عالم کے کافروں اور نافرمانوں پر ایک ہی وقت میں عذاب آئے گا، اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق دنیا کے مختلف علاقوں میں عذاب آتے رہتے ہیں، جنہیں جاننے والے جانتے ہیں۔ پھر عذابوں کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ زلزلے آنا، آتش فشاں پہاڑوں کا پھٹنا، سیلابوں سے برباد ہونا۔ مٹی کا آ جانا اور کھیتیاں صاف کر دینا، نئے نئے امراض پیدا ہونا۔ یہ سب عذاب کی صورتیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا ایک قانون استدراج کا بھی ہے اور وہ یہ کہ کافروں کو ڈھیل دے دی جاتی ہے وہ نعمتوں میں پڑ کر اور زیادہ بغاوت پر اتر آتے ہیں۔ پھر اچانک پکڑ لئے جاتے ہیں اور موت کے بعد جو مواخذہ اور عذاب ہے وہ اس کے علاوہ ہے جو کافروں کے لئے دائمی ہے۔

اللہ کے عذاب سے نڈر نہ ہوں..... اس کے بعد آنحضرت سرور عالم ﷺ کے زمانے کے کافروں کو تنبیہ فرمائی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے پرانی قوموں پر عذاب بھیجا ان پر بھی عذاب آسکتا ہے۔ کیا یہ لوگ اس بات سے نڈر ہیں کہ ان کے پاس ہمارا عذاب رات کے وقت آ جائے جب کہ یہ سوتے ہوں یا اس بات سے بے خوف ہیں کہ ہمارا عذاب دن کے شروع حصہ میں آ جائے جبکہ یہ لوگ کھیل رہے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کے عذاب سے نڈر نہ ہوں۔ پہلی امتوں سے عبرت حاصل کریں اور نبی اکرم ﷺ کی تکذیب سے باز آئیں۔ پھر فرمایا اَقَامُوا مَکْرَ اللّٰہِ (کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے نڈر بنے ہوئے ہیں) یہ استفہام انکاری ہے، مطلب یہ ہے کہ نڈر نہ بنیں اللہ کا عذاب آنے سے ڈریں اور ایمان قبول کریں فَلَا یَاْمُنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ (کیونکہ اللہ کی تدبیر سے وہی لوگ بے خوف ہو جاتے ہیں جن کو تباہ ہی ہونا ہے) عذاب کی تاخیر سے یہ نہ سمجھیں کہ عذاب نہیں آئے گا، جب عذاب آئے گا تو دیکھتے ہی رہ جائیں گے اور عذاب سے بچ نہ سکیں گے۔ صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۱۸۲ جلد ۲) فرماتے ہیں۔ و مکر اللہ استدراجہ ایاہم بما انعم علیہم فی دنیائہم یعنی مکر اللہ (اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر) سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نعمتیں عطا فرماتا ہے اور عذاب بھیجتے ہیں اس کی طرف سے تاخیر ہوتی ہے۔ اس ڈھیل سے لوگ دھوکہ میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اور زیادہ آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

اَوَلَمْ یَہْدِ لِلَّذِیۡنَ یَرِثُوْنَ الْمَرۡضَ مِنْۢ بَعْدِ اٰہِلِہَا اَنْ تَوۡنَسَآءُ اَصۡبٰہُہُمۡ بِذُنُوۡبِہِمۡ

جو لوگ زمین کے وارث ہوتے ہیں کیا انہیں مذکورہ اقوام کے واقعات نے یہ نہیں بتایا کہ ہم چاہیں تو ان کے گنہگاروں کی وجہ سے ان کو بلاک کر دیں

وَنُطْبِعُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝ تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِهَا ۖ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ

اور ان کے دلوں پر مہر لگانے والے تھے۔ یہ بستیاں ہیں ان کی باتیں خبریں ہم آپ کو سناتے ہیں اور بے شک ان کے پاس ان کے پیغمبر

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ

انہوں نے کہ اب تو جس چیز کو وہ پہلے پہلا چکے تھے اس پر ایمان لانے والے نہ تھے اللہ ایسے ہی مہر کا دیتا ہے کافروں کے دلوں

الْكَاذِبِينَ ۝ وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ ۖ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ۝

پر اور ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں میں عہد کا پورا کرنا نہ پایا اور ہم نے ان میں سے اکثر کو فاسق مانا ہی پایا۔

زمین کے وارث ہونے والے سابقہ امتوں سے عبرت حاصل کریں

بلاک ہونے والی چند امتوں کے جو واقعات گزشتہ چند رکوع میں بیان کئے گئے ان سے عبرت دلانے کے لئے ارشاد فرمایا کہ جو امتیں بلاک کی گئیں ان کی جگہ جو لوگ زمین پر آباد ہوئے کیا ان بعد میں آنے والوں کو ان واقعات سے عبرت حاصل نہ ہوئی اور کیا انہیں اس بات کا علم نہیں کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی ان کے گناہوں کے سبب بلاک کر دیں اور بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ لہذا وہ سنتے ہی نہیں۔ کانوں سے سن لیتے ہیں لیکن قبول کرنے کی نیت سے نہیں سنتے۔ لہذا سنا بے سنا برابر ہو جاتا ہے اور یہ مہر لگانا ایسا ہی ہے جیسا کہ سورۃ نساء میں فرمایا بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ان کے کفر کی وجہ سے مہر لگا دی ہے) اور اسی کو سورۃ صف میں فرمایا فَلَمَّا رَاغَوْا فَبَلَغُوا آثَارَهُمْ فَعَزَّوْا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ (سوجھ بوجھ کر ہر پہلو سے اللہ نے ان کے دلوں کو اور زمین سنا کر دیا) جب انسان کفر کو اختیار کر لیتا ہے اور اسی پر ہمارا بتا ہے اور دلائل واضح کے ہوتے ہوئے حق قبول نہیں کرتا تو اللہ کی طرف سے یہ سزا بھی دی جاتی ہے کہ دل پر مہر لگا دی جاتی ہے جس کی وجہ سے حق قبول کرنے کا موتم ختم ہو جاتا ہے تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِهَا (یہ بستیاں ہیں جن کے قصے ہم آپ کو سناتے ہیں) وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ (اور ان کے پاس ان کے پیغمبر واضح حجتوں سے آئے) فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ (اور وہ ایسے نہ تھے کہ جس چیز کو انہوں نے پہلے جھٹلایا تھا اس پر ایمان لے آتے) ان کے پاس حق آیا تو اس کی تکذیب جو پہلے کر دی تھی اسی تکذیب پر تہہ رہے لہذا ایمان نہ لائے۔ ثُمَّ لَمْ يَكُنْ لِلَّهِ عَلَيْهِمْ قُلُوبٌ لَّئِنْ أَتَوْا بِكُفْرٍ أَوْ كَفَرُوا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ (ایسے ہی اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے) اس مہر لگانے کا سبب اوپر بیان ہوا ہے۔ اس مہر کے سبب اپنے کفر پر اڑے رہتے ہیں۔

کافر اقوام کا یہی طریقہ ہے کہ جب پہلی بار منکر ہو گئے تو ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کے باعث حق کو ہرگز قبول نہیں کرتے۔ اگرچہ دلائل عقیلہ سمیعہ آیات تکوینیہ مکمل کر سامنے آ جائیں۔

پھر فرمایا وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ (اور ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں میں عہد کا پورا کرنا نہ پایا) انسان کا یہ عجیب مزاج ہے کہ جب مہر لگا دیا جاتا ہے تو اللہ کو یاد کرتا ہے اور بہت کچھ شکر بھی اپنے بالوں میں جوڑ دیتا ہے اور یہ وعدہ کرنے لگتا ہے کہ یہ مصیبت دور ہوگئی تو ایمان قبول کر لوں گا اور شرک سے پرہیز کروں گا لیکن مصیبت دور ہونے کے بعد وہ اپنے عہد کو بھول جاتا ہے اور پھر شرک اور کفر پر ہی چار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کی پاسداری نہیں پائی۔

پھر فرمایا: **وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ**۔ (اور بے شک ہم نے ان میں سے اکثر کو فاسق پایا) جو اطاعت و فرمانبرداری سے دور رہے۔ لفظ 'اکثر' سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے ایمان قبول کیا اور اپنے غیب کو پورا کیا۔ مہد کو پرانہ کرنا اور بار بار تکرار دینا اس کا کچھ بیان فرعون اور اس کی قوم کی بدعبدیوں کے ذیل میں درکوع کے بعد مذکور ہے۔ وہو قولہ تعالیٰ **لَبِن كَشَفْتَ غَنَا الرَّجْوِ (الی قولہ) إِذَا هُمْ يَنْكُتُونَ**۔

جو لوگ مصیبتوں کو اللہ کی طرف سے سمجھتے ہی نہیں بلکہ یوں کہتے ہیں کہ دنیا میں ایسا ہی ہوتا رہتا ہے ہمارے باپ دادا بھی تکلیفوں میں مبتلا رہے ہیں۔ ان کا بیان اس رکوع سے پہلے رکوع میں تھا۔ یہ لوگ اللہ کی طرف سے مصائب کو سمجھتے تو وعدہ کرتے، اس رکوع میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو مصائب کے وقت وعدے کرتے ہیں پھر مصیبت عمل جانے کے بعد وعدہ فراموش ہو جاتے ہیں۔

**ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَاهَمُوا بِهَا ۖ**

پھر ہم نے ان کے بعد اپنی آیات کے ساتھ موسیٰ کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا سو انہوں نے ان آیات کے ساتھ ظلم والا عالمہ کیا **فَإِنْظِرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝** **وَقَالَ مُوسَىٰ يُفِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝**

.. تو دیکھ لے فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا؟ اور کہا موسیٰ نے کہ اے فرعون بے شک میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں، **حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ ۖ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ**

میرے لئے بھی شایان شان ہے کہ سچ کے علاوہ اللہ کی طرف کسی بات کو منسوب نہ کروں، میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل لایا ہوں، **بَنِي إِسْرَءِيلَ ۝ قَالَ إِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝**

سو تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ فرعون کہنے لگا کہ اگر تو کوئی نشانی لایا ہے تو اسے پیش کر دے اگر تو سچا ہے۔ **فَأَلْفَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۝ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّظَرِ ۝**

موسیٰ نے اپنی الجلی ذالی تو اچانک وہ بالکل واضح طور پر اڑھو حیات بن گئی اور اپنا ہاتھ نکالا تو دیکھا کہ وہ دیکھنے والوں کو سفید نظر آ رہا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے پاس تشریف لے جانا اور اس کو معجزے دکھانا

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اور ان کو معجزات دے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا جن میں اس کی قوم کے سردار بھی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سب کو تو حید کی دعوت دی اور فرعون سے یہ بھی فرمایا تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے، فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بے تکی جاہلانہ باتیں کیں اور مختلف قسم کے سوالات کئے اس مکالمہ کا ذکر سورۃ طہ اور سورۃ شعراء ۲ میں ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے خطاب کیا اور اپنا نبی ہونا ظاہر کیا تو فرمایا:

**يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ**۔ (اے فرعون بے شک میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں) **حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ** (میرے لئے یہی شایان شان ہے کہ سچ کے علاوہ کسی چیز کی نسبت اللہ کی طرف نہ کروں) **قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ**

مَنْ رَجَعَهُ (میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں) اس دلیل یعنی معجزہ کو سمجھو اور دیکھو کہ میری نبوت کا اقرار کرو۔  
فَارْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَءِیْلَ (اے فرعون بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے) تاکہ یہ قوم قہر کے مظالم سے چھوٹ جائیں اور اپنے  
وطن سابق میں جا کر آباد ہو جائیں۔ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَلَا تَنْفِرْ فَاِنَّ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (فرعون نے کہا اگر تو کوئی نشانی  
لے کر آیا ہے تو اس کو پیش کروے اگر تو سچا ہے) فَالْقَیْ غَصَاۃً فَاِذَا هِيَ تَعْبَانُ مُبِیْنٌ (سوانہوں نے اپنی لائچی ڈال دی سو وہ اچانک  
بالکل واضح طور پر اثر و حاکم بن گئی) یہ ایک معجزہ: وَنَزَعَ يَدَهُ فَاِذَا هِيَ بَنِيۡۃٌ لِّلْمَاطَرِیْنِ (اور انہوں نے اپنا ہاتھ نکالا تو یکایک: یہ منے  
والوں کو سفید نظر آ رہا ہے)

حضرت: وہی اللہ نے اپنا ہاتھ پہلے کریاں میں ڈالا پھر کریاں سے نکالا تو خوب روشن اور چمکدار ہو کر نکلا۔

روح المعانی (صفحہ ۹۶ ج ۹) میں لکھا ہے۔ اُی یسضاء بیاضاً نورانیاً غلب شعاعه شعاع الشمس (کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے  
جو فرعون کو اپنا ہاتھ دکھایا وہ اس وقت اتنا زیادہ روشن ہو گیا تھا کہ اس کی شعاعیں سورج کی شعاعوں پر غالب آ گئیں۔ وہوں معجزے کو دیکھ کر  
فرعون اور اس کی قوم کے سردار ایمان نہ لائے اور سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جاؤ و گرتا نہ لگے، اور جاؤ و گروں کو باکر مقابلہ کرایا جس کے  
نتیجہ میں جاؤ و گرتا ہار مان گئے اور مسلمان ہو گئے جس کا تذکرہ ابھی آئندہ آیات میں آ رہا ہے۔

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هَٰذَا لَسِحْرٌ عَلَیْكَ ۙ یُرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِنْ اَرْضِکُمْ ۖ

میرا دل سے کہا جو فرعون کی قوم میں سے تھے کہ بلاشبہ یہ ایک جادوگر ہے جو چاہتا ہے کہ تمہاری سرزمین سے تمہیں نکال دے سو تم

فَمَا ذَا تَأْمُرُوْنَ ۙ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ۙ یَا تُوْكَ بِکُلِّ

کیا مشورہ دیتے ہو؟ کہتے تھے کہ اس کو اور اس کے بھائی کو قہر سے دے اور شہروں میں قح کر کے والوں کو بھیج دے جو تیرے پاس ہر ماہ

سِحْرِ عَلَیْكَ ۙ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْۤا اِنَّ لَنَا لَآجِرًا اِنْ کُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ ۙ

جادوگر کو لے آئیں، اور جادوگر فرعون کے پاس آئے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب ہوئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا؟

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّکُمْ لَمِنَ الْمُبْقَرِیْنَ ۙ قَالُوْۤا یٰمُوسٰی اِنَّا اَنْ تُلْقٰی وَاِمَّا اَنْ تَکُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ ۙ

فرعون نے کہا ہاں بے شک تم وہ مقررین میں شامل ہو ہو گے۔ ان جادوگروں نے کہا کہ اے موسیٰ تو آپ ڈالیں یا ہم ڈالے والے ہو جائیں، وہی نے کہا کہ تمہی ڈالو،

قَالَ الْتَوٰۤاۤءَ فَلَمَّا الْقَوْۤا سَحَرُوْۤا اَعٰیۤنَ النَّاسِ وَاَسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءَ وَبِیْحَرٍ عَظِیْمٍ ۙ

سو جب انہوں نے ڈالا تو انہوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور بڑا جادو لے کر آئے۔

وَ اَوْحٰیۤنَاۤ اِلٰی مُوسٰی اَنْ اَلِیْ عَصَاکَ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَا فِکُوْنُ ۙ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ تم اپنی لائچی ڈال دو، سو وہ اچانک ان کی بنائی ہوئی جھوٹی چیزوں کو ٹٹنے لگی۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور وہ

مَا کَانَۤا نَعْمَلُوْنَ ۙ فَعَلِبُوْۤا هٰذَا لَکَ وَاَنْقَلِبُوْۤا صٰغِرِیْنَ ۙ وَ اَلْقٰی السَّحَرَةُ سَجْدِیْنَ ۙ

باطل نہ رہا جو انہوں نے بنایا تھا سو وہ اس جگہ سفلوب ہو گئے اور جادوگر سجدہ میں ڈال دیئے گئے

قَالُوا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوسٰى وَهٰرُونَ ۝ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ

جئے تھے کہ نہ ایمان آئے۔ رب العالمین پر جو موسیٰ کا اور ہارون کا رب ہے۔ فرعون نے کہا کیا تم اس سے پہلے اس پر ایمان لے آئے کہ

اٰذَنْ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا الْمَكْرُ مَكْرُتُوْهُ ۚ فِی الْمَدِیْنَةِ لَخَرِجُوا مِنْهَا اَهْلَہَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

میں تمہیں اجازت دوں، بلاشبہ یہ ایک بڑا کرم ہے جو تم سب نے مل کر اس شہر میں کیا ہے تاکہ تم اس کے ذریعہ شہر والوں کو نکال دو سو مگر یہ تم جان لو گے۔

لَا قَطْعَنَّ اَیْدِیْکُمْ وَاَرْجُلُکُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَا صَلْبَبَتْکُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ قَالُوا اِنَّا اِلٰی

شہر و بالضرور میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دوں گا پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ بلاشبہ ہم

رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ وَمَا تَنْقِمُ مِّنَّا اِلَّا اَنْ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لَمَّا جَآءَنَا ۚ

اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں، اور تو جو ہم سے انتقام لے رہا ہے اس کا سب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم اپنے رب کی نشاندہی پر ایمان لے آئے جب وہ ہمارے پاس پہنچا

رَبِّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَتَوَقَّنَا مُسْلِمِیْنَ ۝

موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا جادوگر بتانا اور مقابلہ کے لئے جادوگروں کو بلانا،

اور جادوگروں کا ہار مان کر اسلام قبول کر لینا

جب فرعون اور اس کی جماعت نے یہ فیضان دیکھا اور لاشعریٰ کو دیکھا کہ وہ اثر دہا بن گئی تو انہوں نے ان دونوں معجزوں کو جادو پر محمول کیا،

سورۃ الذاریات میں فرمایا ہے تَحْدِثُ مَا اتٰی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہُمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سِحْرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ۔ (اسی طرح سے ان

سے) (یعنی امت محمدیہ سے) پہلے جو بھی کوئی رسول آیا تو لوگوں نے کہا جادوگر ہے یا دیوانہ ہے) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے

مخالفین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ان کے معجزات کو دیکھ کر ایمان لانے کی بجائے یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ یہ شخص جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔

فرعون اور اس کے ساتھیوں نے سمجھا کہ ابھی تو یہاں شاہی دربار میں یہ دونوں باتیں سامنے آئی ہیں کہ یکا یک ان کا ایک ہاتھ بہت زیادہ

روشن اور چمکدار ہو گیا اور ان کی لاشعریٰ اثر دہا بن گئی اگر انہوں نے اسی طرح کا کوئی مظاہرہ عوام کے سامنے کر دیا تو لوگ انہیں کے معتقد ہو

جائیں گے، اور ہماری ساری حکومت جاتی رہے گی اور اس سرزمین میں انہیں دونوں بھائیوں (موسیٰ اور ہارون) کا راج ہو جائے گا۔

(فرعون کا دعویٰ تو خدائی کا بھی تھا۔ لیکن دنیاوی حکومت ہی کے باقی رہنے کے لالچ پڑ گئے خدائی تو بہت دور کی چیز ہے) لہذا اس سے

پہلے کہ عوام پر ان کا کوئی اثر ہو ان کا علاج کر دینا چاہیے۔ لہذا آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کیا جائے۔ فرعون کے درباریوں نے کہا کہ

جادو کا ٹال جادو سے ہوگا۔ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔ اپنی حدود مملکت سے تمام ماہر جادوگروں کو جمع کر کے مقابلہ کر دیا جائے۔ جب لوگوں

نے یہ دیکھا تو یہ بات فرعون کی بھی سنائی کہ ہاں یہ بڑا ماہر جادوگر ہے جیسا کہ دربار میں ہے۔ قَالُوْا اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۚ لَمَّا جَآءَنَا ۚ

لَمَّا جَآءُو عَلَیْہِمْ۔ درباریوں نے کہا کہ ابھی اس شخص کو اور اس کے بھائی کو مہلت دے دی جائے اور جادوگروں کے فراہم کرنے کا انتظام کیا

جائے، چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام بھی وہاں موجود تھے اور ان کو بھی نبوت دی گئی تھی اور فرعون کی طرف وہ بھی

مبعوث تھے جیسا کہ سورۃ طہ میں ہے اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی اِسی لئے مشورہ میں ان کا نام بھی شامل کر لیا گیا (کہ موسیٰ اور ان کے بھائی کو مہلت دو) چنانچہ اول تو مقابلہ کا وقت مقرر کیا گیا جس کا ذکر سورۃ طہ میں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان لوگوں نے کہا فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَا نُخْلَفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ مَكَانًا سَوٰی۔ (کہ ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر اور جس کی خلاف ورزی نہ ہم کریں گے۔ تم کرنا، کوئی ہمارے میدان مقرر کرلو) قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّلٰتِ وَقَدْ خَلَّيْنَا عَنْكَ الْغَاسِقَ (موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تمہارے لیے میلہ کا دن مقرر ہے اور یہ بات بھی کہ چاشت کے وقت اوگ جمع کیے جائیں) مقابلہ کے لیے دن اور وقت مقرر ہو گیا اور فرعون کے درباریوں نے فرعون سے کہا کہ اپنے اہل کاروں کو شہروں میں بھیج دے جو بڑے بڑے ماہر جادوگر ہوں و لے کر آئیں سورہ شعراء میں ہے فَجَمَعَ السَّحَرَةُ لِبِسْقَابِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هٰذَا اَنْتُمْ مُّخْتَصِمُونَ لَعَلَّكُمْ تَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْهُمُ الْغٰلِبِيْنَ (سورج کیے گئے جادوگر مقرر دن میں جو معلوم تھا۔ اور لوگوں سے کہا گیا کیا تم جمع ہو گے تاکہ ہم جادوگروں کا اتباع کریں اگر وہ غالب ہو جائیں) چنانچہ شہروں میں اہل کار بھیجے گئے اور فرعون کی قلم روست جادوگر جمع کیے گئے اہل دنیا، دنیا ہی کے لیے ہو چا کرتے ہیں ان کو اپنی حکومت کی فکر پڑ گئی۔ اور حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی دعوت تو حید اور اس کی محنت کو حکومت چھیننے اور خود اپنی حکومت قائم کرنے پر متحمل کیا۔ (کما فی سورۃ یونس وَتَكُوْنُ لَكُمْ الْكِبَرِيَّاتُ فِی الْاٰزْوَاجِ) جادوگروں نے بھی (جو اس وقت دنیا کے طالب تھے) اپنی دنیا بنانے کی بات سوچی اور فرعون سے کہا کہ ہم غالب ہو گئے تو کیا ہمیں کوئی بڑا انعام دیا جائے گا اور کیا ہمارے عمل پر کوئی صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا ہاں ضرور ملے گا اور صرف انعام ہی نہیں ملے گا بلکہ تم میرے مقررین میں ہو جائو گے!

مقابلہ کے لیے جادوگر میدان میں آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم اپنی رسیاں اور لائٹھیاں ڈالیں یا پہلے آپ ڈالیں گے (کما فی سورۃ طہ فَالْوَايُ مَوْسٰی اِمَّا اَنْ تَلْقٰی وَ اِمَّا اَنْ تَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اَلْقُوا (پہلے تم ہی ڈالو) چنانچہ ان لوگوں نے اپنی لائٹھیاں اور رسیاں ڈالیں اور فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہنے لگے کہ ہم ضرور غالب ہوں گے (کما فی سورۃ شعراء) ان کی لائٹھیاں اور رسیاں اوگوں کی نظروں کے سامنے سانپ بن کر رہنے لگیں یہ رسیاں کثیر تعداد میں تھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ تم اپنی لائٹھی ڈالو انہوں نے لائٹھی ڈالی تو اثر دھماکا بن گیا۔ ان لوگوں نے نظر بند کی تھی جس کی وجہ سے ان کی لائٹھیاں اور رسیاں سانپ معلوم ہو رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ اثر دھماکا سب کو اٹھنے لگا۔ اور ساحروں نے جو کھیل بنایا تھا جس کے ذریعہ لوگوں کو خوف زدہ کر دیا تھا وہ سب کھیل بنانا ختم ہو گیا۔ اسی کو فرمایا فَادْخُلُوْا مِنْ حٰثِرِ الْعَمَلِ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (سورج ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ لوگ کر رہے تھے، سب باطل ہو گیا) فَغَلَبُوْا هٰذَا لَكُمْ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ (سودہ لوگ وہاں پر مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو گئے)

اب آگے: وہاں کہ جادوگروں نے یہ سمجھ لیا کہ ہم نے جس سے مقابلہ کیا یہ جادوگر نہیں ہے، یہ واقعی اللہ کا رسول ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔ جب حق واضح ہو گیا تو ان سے رہبانہ گیا اور وہ فوراً سجدے میں گر گئے اور یہ اعلان کر دیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے چونکہ ایمانیات کا تصدیقی علم تھا اس لیے انہوں نے اجمالی ایمان کا اعلان کر دیا۔ قرآن مجید میں لفظ سجدوا یا خروا سجدا کے بجائے وَالْقَبْلِ السَّخْرَةَ فرمایا جس میں یہ بتا دیا کہ ان کے دل میں حق نے اس قدر گہر کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کر کے فرعون سے انعام لینے کے متمنی تھے اور ہوا یہ کہ حضرت موسیٰ کی غلامی کے گن گانے لگے قَالَ فِرْعَوْنُ اَمْسِنَتْمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اَذِنَ لَكُمْ۔ (فرعون نے کہا کہ تم میری اجازت سے پہلے ایمان لے

آئے) بادشاہوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ عوام کے قلوب پر بھی حکومت کرنا چاہتے ہیں اور پختہ وفاداری اسی کو سمجھتے ہیں کہ عوام اسی دین پر رہیں جو شاہان مملکت ان کے لیے تجویز کریں۔ اسی بنیاد پر فرعون نے یہ کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم کیسے مسلمان ہو گئے۔

جب فرعون نے دیکھا کہ عوام کو اپنی خدائی اور حکومت کا وفادار رکھنے اور موسیٰ علیہ السلام سے ویر رکھنے کے لیے جو جادو گروں سے مقابلہ کا مظاہرہ کر دیا تھا اس کا نتیجہ برعکس نکلا۔ اور جادو گر ہی موسیٰ پر ایمان لے آئے تو اب تو لینے کے دینے پڑ گئے اور عوام کو اپنی طرف کرنے کے لیے اس نے جادو گروں سے خطاب کیا کہ تم میری اجازت سے پہلے اس شخص پر ایمان لے آئے اِنَّا هَذَا لَمَكْرٌ مَّكْرُؤٌ ثَمُوهُ فِی السُّعُودِ (بلاشبہ یہ ایک مکر ہے جو تم سب نے مل کر اس شہر میں کیا ہے اور میری سمجھ میں آ گیا کہ یہی شخص ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا۔ استاد اور شاگردوں کی ٹٹی بھگت ہے لَتَخْرُجُوا مِنْهَا اَهْلُهَا) (تاکہ تم اس شہر سے اس کے رہنے والوں کو نکال دو) فَسَوْفَ نَعْلَمُ (سو تم سب فتنہ ریب جان لو گے) پھر ان کی سزا کا اعلان کرتے ہوئے فرعون نے کہا لَا قَبْضَ عَلَیْكُمْ اَبْدَیْكُمْ وَاَرْجَلُكُمْ مِنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَا صَلْبَ لَكُمْ اَجْمَعِیْنَ (میں نثر و بغور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا) ظالموں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جب دلیل سے عاجز ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ماروں گا اور قتل کر ڈالوں گا۔ فَالْوَاِیْ اِنَّا اِلٰہِی رَبَّنَا مُنْضَلِبُوْنَ (جادو گروں نے جواب دیا کہ بلاشبہ ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے) مطلب یہ تھا کہ ہمیں تیری دھمکی کی کوئی پرواہ نہیں۔ قتل کر یا کچھ کھجکھاب تو ہم اپنے رب کے ہو گئے اگر تو قتل کر دے گا تو ہمارا کچھ نقصان نہ ہو گا۔ ہمارا رب ہمیں ایمان لانے پر جو انعامات و ظافرمانے گا ان کے مقابلہ میں یہ دنیا کی ذرا سی زندگی اور تیری رضا مندی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جب داؤں میں ایمان جگہ کر لیتا ہے تو دنیا کی ہر مصیبت تیج: د جاتی ہے اور ظالموں سے مقابلہ کرنا اور دلیری کے ساتھ جواب دینا آسان ہو جاتا ہے۔ سورۃ طہ میں جادو گروں کا ایک اور جواب بھی ذکر فرمایا ہے۔ فَالْوَاِیْ نُوْثِرُ لَكَ عَلٰی مَا جَآءَ نَا مِنْ السَّيِّئِ وَالَّذِیْ فُطِرْنَا فَافْضُ مَا اَنْتَ قَاضٍ ط اِنَّمَا نَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیْوَہُ الدُّنْیَا اِنَّا اَمْتَابِرِنَا لِنَغْفِرَ لَنَا خَطَاۡنَا وَاَمَّا اَنْکَرُ هُنَا عَلَیْہِ مِنَ السَّحْرِ ط وَاللّٰہُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی (وہ کہنے لگے کہ ہم ان دلائل کے مقابلہ میں جو ہمارے پاس پہنچ گئے اور اس ذات کے مقابلہ میں جس نے ہمیں پیدا فرمایا تجھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے سو تو فیصلہ کر دے جو بھی تجھے فیصلہ کرنا ہے۔ تو اسی دنیا والی زندگی ہی میں تو فیصلہ کرے گا، بلاشبہ ہم اپنے رب پر ایمان لائے تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف فرمادے اور جو کچھ تو نے جادو کروانے کے بارے میں ہم پر زبردستی کی وہ بھی ہمیں معاف فرمادے اور اللہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے)۔

جادو گروں نے فرعون سے مزید کہا وَمَا تَنْقُمُ مِنْ اِلَآ اَنْ اَمْتَابَاۡنَا رَبَّنَا جَآءَ تَنَا کہ یہ جو تو ہم سے ناراض ہو رہا ہے اور ہم سے انتقام لینے کا اعلان کر رہا ہے اس کا سبب کچھ نہیں ہے نہ ہم نے چوری کی نہ ڈاکہ ڈالا نہ کسی کو قتل کیا بس یہی بات تو ہے کہ جب ہمارے پاس ہمارے رب کی دلیلیں آ گئیں تو ہم ایمان لے آئے۔ یہ بات نہ کوئی عیب کی ہے نہ جرم کی ہے۔ نہ اس پر ہم سزا کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد فرعون کی طرف سے اعراض کر کے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے اور عامیں عرض کیا رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّاَوْثَقْنَا مُسْبِلِیْنِ (کہا اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے) اگر یہ واقعی اپنے قول کے مطابق عمل کرنے لگے تو ہمیں صبر عطا فرما دیجئے اور اتنا زیادہ صبر دیجئے جیسا کہ کوئی چیز اندیل دی جاتی ہے اور ہمیں اس حال میں وفات دیجئے کہ ہم مسلمان ہوں۔ خدا خواستہ ایسا نہ ہو کہ فرعون کی طرف سے قتل کے فیصلہ پر عمل ہونے لگے تو ہم اپنے ایمان والے فیصلہ میں ڈھیلے پڑ جائیں (وَالْعِبَادُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ)۔

صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ فرعون نے جو قتل وغیرہ کی دھمکی دی تھی یہ اس نے کر دیا اور بعض



حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اس پر قادر نہیں ہو سکا۔ تفسیر درمنثور (ص ۲۰۷ ج ۳) میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ ذکر لفسا انہم کانوا اول النهار سحر قوا اخرہ شہداء (کہ جادو گردن کے اول حصے میں جادو گر تھے اور آخر حصے میں شہید تھے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے ان کو شہید کر دیا تھا۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اتَذَرُ مُوسَى وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو یوں ہی چھوڑے رہے گا تاکہ وہ زمین میں فساد کریں اور تجھے اور تیرے پیروں کو

وَالِهَتِكَ ۚ قَالَ سَنَقْتِلُ آبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِ نِسَاءَهُمْ ؕ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿۱۲۷﴾

بھجورے رہیں۔ اس نے کہا کہ ابھی ہم ایسا کریں گے ان کے بیٹوں کو مار ڈالیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم کو ان پر پوری طرح غلبہ حاصل ہے۔

قوم فرعون کے سرداروں نے فرعون کو بھڑکایا کہ تو موسیٰ

اور ان کی قوم کو کب تک یوں ہی چھوڑے رہے گا

تفسیر: فرعون نے جو جادو گروں کو دھمکی دی تھی اس کا علم تو درباریوں کو ہو ہی گیا تھا۔ لیکن ان لوگوں نے بطور خوشامد اور چالپوسی کے فرعون کو ابھارا اور اس سے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو (جو اس کے ماننے والے ہیں خواہ بنی اسرائیل میں سے ہوں خواہ جادو گر ہوں خواہ وہ لوگ ہوں) قوم فرعون میں سے مسلمان ہو گئے تھے) اس طرح چھوڑے رکھے گا کہ وہ زمین میں فساد کرتے رہیں اور تجھ سے اور تیرے تجویز کئے ہوئے معبودوں سے علیحدہ رہیں؟ مطلب ان لوگوں کا یہ تھا کہ اس کا کچھ انتظام کرنا چاہیے۔ ان لوگوں کے ساتھی بڑھتے رہیں گے اور ان کی جماعت زور پکڑ جائے گی جب سر سے پانی اونچا ہلنے لگا تو پھر بغاوت کو دباننا دشوار ہو جائے گا لہذا ابھی سے کچھ کرنا چاہیے۔ فرعون کی سمجھ میں اور تو کچھ نہ آیا اس نے وہی قتل کی سزا تجویز کرتے ہوئے کہا کہ ہم سر دست یہ کریں گے کہ ان کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیں گے تاکہ ہماری خدمت میں لگی رہیں اور ان کے زندہ رہنے سے بغاوت کا کوئی ڈر نہیں۔ بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ جب جادو گر مسلمان ہو گئے تو انہیں دیکھ کر قوم قبط سے بھی چھ لاکھ آدمی مسلمان ہو گئے تھے جو فرعون کی قوم تھی۔ اس سے فرعون کو اور اس کے درباریوں کو فرعون کی حکومت کے بالکل ختم ہو جانے کا پورا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس لئے آپس میں مذکورہ بالا سوال جواب ہوا۔ اخیر میں فرعون کی یہ جوابات ذکر فرمائی۔ وَأَنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چنانچہ ان لوگوں کی کچھ بات آگے بڑھی ہے لیکن ابھی ہم کو طاقت اور قوت کی برتری حاصل ہے ہم نے جو ان کے بیٹوں کے قتل کا فیصلہ کیا ہے واقعی ہم اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ فرعون کے درباریوں نے جو یہ کہا وَيَذَرَكَ وَالْهَتَكَ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے اگرچہ انسا ویکم الاعلیٰ کا دعویٰ کیا تھا اور لوگوں سے اس نے یہ بھی کہا تھا کہ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرِي (کما فی سورۃ القصص) لیکن خود اس نے اپنے لیے معبود تجویز کر رکھے تھے جن کی عبادت کرتا تھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کا یہ اعتقاد تھا کہ ستارے عالم سفلی کے مربی ہیں اور وہ خود نوع انسانی کا رب ہے۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ فرعون نے اپنی قوم کے لیے بت تجویز کیے تھے اور ان سے کہا تھا کہ ان بتوں کی عبادت کرو ممکن ہے کہ یہ اس کی اپنی ہی صورتیں ہوں۔ روح المعانی میں ہے کہ اس نے ستاروں کی ان صورتوں کو الْهَتَكَ سے تعبیر کیا کیونکہ یہ اس کے تجویز کردہ معبود تھے۔

قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ

۱۰۰: دینی نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔ بلاشبہ یہ اللہ کی زمین ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنائے

مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۰۱﴾ قَالُوا أَوْذَيْنَا مِنْ قَبْلُ أَنْ تَأْتِنَا وَ مِنْ بَعْدِ مَا

اور عاقبت متقین کے لئے ہی ہوتی ہے وہ کہنے لگے کہ ہم کو آپ کے آنے سے پہلے تکفیس دی جاتی رہی ہیں اور آپ کے آنے

جَعَلْتَنَا قَالَ عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوُّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۲﴾

کے بعد بھی، انہوں نے جواب میں کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا مددگار دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بنادے، پھر وہ دیکھے گا کیسے عمل کرتے ہو؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو نصیحت فرمانا اور صبر و دعا کی تلقین کرنا

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم یعنی بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر جا کر بس گئے تھے۔ ان کی وفات

کے بعد مصریوں نے بنی اسرائیل کے ساتھ اپنے اور پرانے کا معاملہ شروع کر دیا، بنی اسرائیل غیر ملکی تھے ان کو فرعون کی قوم نے خوب دبا

کر رکھا، ان کو خوب ستاتے تھے بیگاریں لیتے تھے اور طرح طرح کے ظلم ڈھاتے تھے۔ ان کے مجبور و مقبور ہونے کا یہ عالم تھا کہ مصری ان

کے بچوں کو قتل کر دیتے تھے اور یہ افک نہیں کر سکتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام مبعوث ہوئے تو قوم فرعون کی دشمنی اور

زیادہ بڑھ گئی خصوصاً جب فرعون کے بلائے ہوئے جادو گروں سے مقابلہ ہوا اور جادو گر مسلمان ہو گئے تو فرعونیوں کی طرف سے ظلم و ستم کا

مظاہرہ اور بڑھ چڑھ کر ہونے لگا۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم تو مصیبت ہی مصیبت میں ہیں آپ کی

تشریف آوری سے پہلے بھی دکھ ہی دکھ میں مبتلا تھے اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی تکلیف ہی تکلیف ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے فرمایا صبر کرو اور اللہ سے مدد مانگو صبر کا پھل ایساٹھا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے مظالم سے کوئی چھڑکارا دینے والا نہیں صبر کے ساتھ

دعائیں کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے مدد بھی مانگتے رہو۔ یہ نہ سوچو کہ فرعون کی اتنی بڑی حکومت ہے اور اس کا مضبوط تسلط ہے ہم اس کے

چنگل سے کہاں چھوٹ سکتے ہیں، بظاہر تو تم عاجز ہو لیکن اللہ تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے۔ وہ زمین کا مالک ہے۔ اسے اختیار و قدرت ہے وہ

جسے چاہے اس پر تسلط عطا فرمادے۔ دنیا میں حق و باطل کی جنگ رہتی ہے اور جو لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں اچھا انجام انہیں کا

ہوتا ہے۔ تم اللہ سے ڈرتے رہو و تقویٰ اختیار کرو تا کہ حسن عاقبت کے انعام سے نوازے جاؤ۔ تم اپنے رب سے دعا مانگتے رہو۔ اسی سے لو

لگاؤ، غنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک فرمادے گا اور تمہیں زمین کی خلافت عطا فرمائے گا۔ لیکن خلافت ملنے کے بعد تم دوسرے

امتحان میں پڑ جاؤ گے۔ اب تو صبر کا امتحان ہے۔ اس وقت شکر کا امتحان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ زمین پر تسلط ہو جانے کے بعد تم کیا

طریقہ اختیار کرتے ہو اور کیسے اعمال میں لگتے ہو۔ اس خلافت ارضی کو شکر کا ذریعہ بناتے ہو یا گناہوں میں پڑ کر ناشکری میں مبتلا ہوتے

ہو۔ اطاعت اور فرمانبرداری کی ترغیب دینے کے لیے اور گناہوں سے بچنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو بیشکلی آگاہ فرما

دیا تھا کہ دیکھو تمہیں ابھی اقتدار نہیں ملا جب اقتدار ملے گا تو زمین میں فساد نہ کرنا اور اللہ کے نیک بندے بن کر رہنا سورۃ یونس میں ہے

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَنِيجْهُ مِنَ الْقَوْمِ ۖ مُصِرًّا يَصْرَبُونَ وَأَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (اور ہم

نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنے لوگوں کے لیے مصر میں گھر برقرار رکھو اور تم سب اپنے گھروں کو نماز پڑھنے کی

جگہ بناو اور نماز قائم رکھو اور اہل ایمان کو بشارت دو) چونکہ بنی اسرائیل بہت زیادہ مقہور تھے۔ کھلے طور پر نماز نہیں پڑھ سکتے تھے اس لیے حکم فرمایا کہ گھروں ہی میں نماز پڑھتے رہو۔ اس کے بعد سورۃ یونس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا مذکور ہے جو فرعون اور فرعونینوں کے حق میں بدنامی اور ان کی دعا مقبول ہونے کا تذکرہ ہے۔ اس سے تمام اہل ایمان کو سبق مل گیا کہ اگر کسی جگہ کافروں کے ماحول میں ہوں اور مغلوبیت کے ساتھ رہنے پر مجبور ہوں اور دشمن کے سامنے عبادت کرنے میں مشکلات ہوں تو اپنے گھروں میں عبادت کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہیں۔

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصِ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذْكُرُونَ ﴿۳۳﴾

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے فرعون والوں کو قحط سالی کے ذریعہ اور پھلوں میں کمی کے ذریعہ پکڑ لیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

فَإِذَا جَاءَتْهُمْ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَذِهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ

پھر جب آجاتی ان کے پاس خوشحالی تو کہتے تھے کہ یہ تو ہمارے لئے ہوئی ہی چاہئے اور اگر انہیں کوئی بدحالی پہنچ جاتی تو یہی اور ان کے ساتھیوں کی

وَمَنْ مَّعَهُ ۖ إِلَّا إِنَّمَا طَئِرُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوا

نحوست بتاتے تھے۔ خبر دار ان کی نحوست اللہ کے علم میں ہے لیکن ان میں بہت سے لوگ نہیں جانتے اور وہ کہنے لگے

مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۖ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۳۵﴾

تو جب کبھی بھی کوئی نشانی ہمارے سامنے آئے گا تاکہ تو اس کے ذریعہ ہم پر جادو کرے سو ہم تیری تعذیب کرنے والے نہیں ہیں۔

تو م فرعون کی قحط سالی وغیرہ کے ذریعہ گرفت ہونا اور ان کا الٹی چال چلنا

تفسیر: مصر میں فرعونینوں کی حکومت تھی خوب عیش و عشرت اور تنعم میں تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں ایمان کی دعوت دی تو انہوں نے ایمان قبول نہ کیا اور ساتھ ہی بنی اسرائیل پر مزید ظلم و ستم ڈھانے کا فیصلہ کر لیا، اور اللہ تعالیٰ کی بھرپور نعمتیں ہوتے ہوئے شکر ادا کرنے کے بجائے کفر ہی پر جمے رہے۔ لہذا بطور تنبیہ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان پر قحط سالی بھیج دی۔ اہل مصر کو دریاے نیل کے پانی پر بھروسہ رہا ہے وہ سمجھتے رہے ہیں کہ ہمارے کھیتوں کی آب پاشی کے لیے یہ میٹھا اور عمدہ پانی خوب زیادہ کافی اور وافی ہے۔ لیکن وہ لوگ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ پیداوار پانی سے نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے سارے کام کر لیے جاتے ہیں، زمین کو سنبھال دیا جائے اس میں بیج ڈال دیا جائے اور خوب آب پاشی کر دی جائے لیکن ضروری نہیں کہ کھیتی اگ جائے اور اگر اگ جائے تو ضروری نہیں کہ آفات سے محفوظ رہے اور دانے پیدا ہونے تک قائم رہے۔ اور اگر پھر محفوظ ہو جائے اور غلہ بھی پیدا ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ غلہ ضائع ہونے سے محفوظ رہ جائے اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو اس غلہ کو کیڑے مکوڑوں کے ذریعہ ختم فرما دے اور کاشت کرنے والے دیکھتے ہی رہ جائیں۔

سورۃ واقعہ میں فرمایا: اَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ۚ اِنَّكُمْ تَزْرَعُوْنَهُ اَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۚ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ عِطَافًا مَّا يَفْتَحُونَ

اِنَّا لَمَغْرُمُونَ لَٰكِنَّا نَحْنُ مَحْرُومُونَ (بتاؤ تم جو کچھ بوتاے ہو کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے چوراچورا بنادیں۔ پھر تم تعجب کرتے ہوئے رہ جاؤ کہ بلاشبہ ہم پر تاوان پڑ گیا، بلکہ ہم محروم رہ گئے) کیا دھراسب ضائع ہوا جو بیج ڈالا وہ بھی گیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ لیسست السنہ بان لا تمطروا ولكن السنہ ان تمطروا ولا تنبت الارض شينا (قط یہ نہیں کہ بارش نہ ہو لیکن قطع یہ ہے کہ بارش خوب ہو اور زمین کچھ بھی نہ اگائے)۔ (رواہ مسلم ص ۳۹۳ ج ۲)

اللہ جل شانہ نے مصریوں پر قطع بھیج دیا جو کھیتیاں نہ اگنے کی صورت میں ظاہر ہوا اور پھلوں میں بھی کمی فرمادی جسے ونقص من الثمرات سے تعبیر فرمایا۔ ان کے کھیتوں کی پیداوار بھی گئی اور باغوں میں جو پھل پیدا ہوتے تھے ان میں بھی خوب کمی آگئی۔ ان کو اس میں اس لیے مبتلا فرمایا کہ نصیحت حاصل کر لیں اور عبرت لیں۔ سختی کی بجائے قلوب گھٹنے ہوئے چاہئیں۔ انہیں کفر سے توبہ کرنا اور ایمان قبول کرنا تھا لیکن وہ الہی بنی چال چلے اور وہ یہ کہ جب خوشحالی ہوتی تو کہتے تھے کہ ہم تو اسی کے مستحق ہیں۔ ہم اس لائق ہیں کہ ہمارا یہی حال ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا افضل و انعام سمجھ کر شکر گزار ہونے کے بجائے اپنا ہی کمال سمجھتے تھے اور جب کسی طرح کوئی مصیبت پہنچتی جیسے قطع میں مبتلا ہو گئے یا اور کسی طرح کی آفات و بلیات سے دوچار ہوئے تو کہتے تھے کہ ہم تو خوشحالی کے اور آرام و راحت کے مستحق ہیں اور اسی کے لائق ہیں۔ اب یہ جو مصیبت آئی ہے یہ موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کی نحوست ہے۔ ان کی نحوست کی وجہ سے ہم بھی مصیبت میں پھنس گئے اپنے کفر اور ناشکری کو مصیبتوں کا سبب سمجھنے کے بجائے صالحین اور شاکرین اور ذاکرین کے وجود کو اور ان کی دعوت تو حید کو اور ان کے انمال صالحہ کو مصیبت آنے کا سبب بتاتے تھے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا: **اَلَا اَسْمَاطُ لَهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ** (خبردار ان کی نحوست کا سبب اللہ کے علم میں ہے) یعنی اللہ کی طرف سے ہے۔ اسے اسباب اور مسببات کا علم ہے اور جو کچھ مخلوق کو پیش آتا ہے۔ اللہ کی قضاء و قدر سے ہے اور اسی کی طرف سے ہے اسباب کے اعتبار سے یہ نحوست ان کو اس لیے درپیش ہوئی کہ وہ کفر پر جتے ہوئے تھے **وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ** (لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ قوم فرعون کے بعض افراد سمجھتے تو تھے کہ یہ مصیبت کفر کی وجہ سے ہے لیکن اکثریت سے مغلوب تھے۔ نہ حق بات کہہ سکتے تھے اور نہ حق قبول کرتے تھے۔ قوم فرعون کا یہ طریقہ تھا کہ نہ ضریرہ کہ آیات اور معجزات کو دیکھ کر ایمان قبول نہیں کرتے تھے بلکہ جو بھی کوئی معجزہ سامنے آتا تھا موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ تمہارا دھندہ جادو ہے تمہارے جادو کے ذریعہ ایسی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ تم کچھ بھی کراؤ ہم تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔ اس کے بعد مزید غذاؤں کا تذکرہ فرمایا جن کے ذریعہ قوم فرعون کی گرفت ہوئی۔

**فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالذَّمَارِ مِفْصَلَتٍ مَّفْصَلَتٍ مَّا تَكْبَرُوا**

سو ہم نے ان پر طوفان بھیج دیا اور قمل اور مینڈک اور خون، یہ نشانیاں تھیں کھلی ہوئی۔ سو انہوں نے **وَكَاَنُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ** (وہ لوگ مجرم تھے)۔ اور ان پر چھب مذاپ واقع ہوتا تو کہتے تھے کہ اے موسیٰ اپنے رب سے اس بات کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے

**عِنْدَكَ** (تیرے پاس) **كَشَفَتْ عَنْكَ الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَءِيلَ** (فلننا) (ہم تمہارے رجز کو ہٹا دیں گے اور تمہاری تصدیق کریں گے اور تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے) پھر جب ہم ان

**كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بَلِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ** (فانتقمنا منهم فاغرقتهم في اليم) (پھر ہم نے ان کے رجز کو ہٹا دیا تو وہ ہم ضرور تیری تصدیق کریں گے اور تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے) پھر جب ہم ان سے انتقام لے لیا۔ ان کو اس سبب سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو

سے مذاپ کو ایک مدت تک بنامیٹے جس مدت تک ان کو پہنچتا تھا۔ اس وقت مدغشلی کر رہے تھے۔ پھر ہم نے ان سے انتقام لے لیا۔ ان کو اس سبب سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو

يَا تَهُمَّ كَذَّبُوا بِالْآيَاتِ الَّتِي بَارَأْنَا مِنْهَا غُفْلِينَ ﴿١٠﴾ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضَعُونَ

جہاں سمندر میں خرق کر دیا اور وہ ان سے غافل تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو زمین کے مشارق اور مغارب کی وارث بنا

مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا ۚ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۚ

دیا جو ضعیف شمار کئے جاتے تھے۔ اور آپ کے رب کی نیک بات بنی اسرائیل پر پوری ہو گئی۔ اس سبب سے کہ

بِمَا صَبَرُوا ۚ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴿١١﴾

انہوں نے صبر کیا۔ اور ہم نے برباد کر دیا ان کا وہاںوں کو جو فرعون اور اس کی قوم کے لوگ کیا کرتے تھے۔ اور جو کچھ وہ ان کی عمارتیں بنایا کرتے تھے۔

قوم فرعون پر طرح طرح کے عذاب کا آنا اور ایمان کے وعدے کر کے پھر جانا

تفسیر..... فرعون اور قوم فرعون جب برابر بغاوت اور سرکشی پر چڑھے بلکہ عناد اور طغیانی میں ترقی کرتے چلے گئے اور ان پر قحط بھیج کر جو تنبیہ کے لیے اور سرکشی کی سزا کے طور پر ایسی چیزیں بھیج دیں جو ان کے لیے وبال جان بن گئیں۔ السطوفان اور الجراد اور القمل اور الضفادع اور الذم فرما کر ان چیزوں کا تذکرہ فرمایا، لفظ السطوفان فغان کے وزن پر ہے اور یہ عام طور سے پانی کے سیلاب کے لیے مستعمل ہوتا ہے اگر یہی معنی لیے جائیں تو یہ مطلب ہوگا کہ قوم فرعون کی کھیتیوں اور رہنے کی جگہوں میں سیلاب بھیج جس کی وجہ سے وہ لوگ سخت عذاب میں مبتلا ہو گئے۔

طوفان سے کیا مراد ہے؟..... صاحب روح المعانی (ص ۸۳۳) لکھتے ہیں کہ لفظ طوفان پانی کے طوفان کے لیے مشہور ہے اور جس طوفان کا یہاں ذکر ہے اس کی تفسیر متعدد روایات میں جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہیں پانی کے طوفان ہی سے کی گئی ہے اور حضرت عطاءؓ نے فرمایا کہ اس سے موت مراد ہے، مفسر ابن جریر نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مرفوعاً اس کی روایات کی ہے۔ اگر یہی روایت لی جائے تو معنی یہ ہوگا کہ ان لوگوں میں وبا کے طور پر موت کی کثرت ہو گئی۔ وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ اہل یمن کی لغت میں طوفان بمعنی طاعون آتا ہے۔ اور حضرت ابوقلابہ نے فرمایا کہ اس سے چیچک مراد ہے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ چیچک کا عذاب سب سے پہلے انہی لوگوں پر آیا تھا، یہ دونوں قول بھی کثرت موت ہی کی طرف راجع ہے جسے حضرت عطاءؓ اور مجاہد نے اختیار فرمایا۔

ٹڈی اللہ کا لشکر ہے..... والجراد یہ جرادہ کی جمع ہے جو عربی زبان میں ٹڈی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ٹڈی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اکثر جنود اللہ تعالیٰ لا اكله ولا احرمه یعنی یہ اللہ کے لشکروں میں تعداد کے اعتبار سے سب سے زیادہ ہے میں نہ اسے کھاتا ہوں نہ حرام قرار دیتا ہوں، آخر جہ ابو داؤد فی کتاب الأطمعہ (باب فی اکل الجراد) وابن ماجہ فی کتاب الصيد (باب صید الحیثان والجراد) مطلب یہ ہے کہ (اللہ کے لشکروں) میں تعداد کے اعتبار سے زیادہ ٹڈی والا لشکر ہے۔ میں اسے نہ کھاتا ہوں نہ حرام قرار دیتا ہوں۔ اس کے کھانے سے چونکہ لشکر میں کمی آتی ہے اس لیے خود کھانا پسند نہیں کرتا دوسروں کو منع نہیں کرتا۔ واقعی ٹڈی بہت بڑا لشکر ہے۔ بظاہر زمین پر نظر نہیں آتا اور جب اللہ تعالیٰ اپنے اس لشکر کو بھیج دیتا ہے تو میلوں تک یہ لشکر کھیتوں کو صاف کر دیتا ہے۔ اور کسی فوج اور لشکر کے قابو میں نہیں آتا۔ بھگانے سے بھاگتا نہیں اور ختم کرنے سے ختم ہوتا نہیں، سرکوں اور گھروں میں پہنچ جائے تو سب کے لیے آفت جان بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس لشکر کے ذریعہ فرعونوں کی سرکوبی

فرمائی۔ اور ان کو بہت بڑی مصیبت میں مبتلا فرمایا۔

تفسیر کی تفصیل..... وَالْقُمَّلَ، یہ لفظ عام طور سے جوؤں کے معنی میں معروف ہے (کما ذکر المجد فی القاموس) لیکن صاحب روح المعانی نے مفسرین سے اس کے مصداق میں چند قول لکھے ہیں۔ اول یہ کہ اس سے چھوٹی چھوٹی ٹنڈی مراد ہے جس کے ابھی پرند آئے ہوں۔ یہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے وہ چھوٹے چھوٹے کیڑے مراد ہیں جو اونٹ اور دیگر جانوروں کے جسم میں ہو جاتے ہیں۔ یہ کیڑے فرعونوں کے جسموں میں ہو گئے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے چھوٹی چھوٹی جھینوئیاں مراد ہیں، اور حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ اس سے وہ چھوٹے چھوٹے کیڑے مراد ہیں جو گیہوں کے دانوں میں پڑ جاتے ہیں (اور جو ترجمہ میں جو گھن کا کیڑا ذکر ہے یہ ترجمہ اس قول کے موافق ہے)۔

مینڈکوں کا عذاب..... وَالصَّفَادِغَ، یہ صفادغ کی جمع ہے۔ عربی میں صفدغ مینڈک کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کی سزا کے لیے کثیر تعداد میں مینڈک بھیج دیئے تھے۔ ان کے برتنوں میں اور گھروں کے سامانوں میں اور گھر کے باہر میدانوں میں مینڈک بھر گئے۔ جو بھی برتن کھولتے اس میں مینڈک پاتے۔ ان کی ہانڈیوں میں بھی مینڈک بھر گئے تھے۔ جب بھی کھانا کھانے لگتے تو مینڈک موجود ہو جاتے۔ آنا گوندھنے بیٹھتے تو اس میں مینڈک بھر جاتے۔

خون کا عذاب..... وَالذَّمَّ، دم عربی زبان میں خون کو کہا جاتا ہے قوم فرعون پر خون کا عذاب بھی آیا تھا۔ نیل خون سے بھرا ہوا دیا ہو گیا۔ اور ان کے پیٹے کھانے پکانے کے جو پانی تھے وہ بھی سب خون ہی خون ہو گئے۔ جب کسی برتن سے فرعونی قوم کا آدی پانی لیتا تو خون نکلتا اور اسی برتن سے اسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا کوئی فرد پانی لیتا تو پانی ہی نکلتا۔

آیات مُفَصَّلَات (یہ کھلی کھلی نشانیاں تھیں) جن سے صاف ظاہر تھا کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے عذاب ہے جادو نہیں ہے۔ حضرت زید بن اسلم نے فرمایا کہ یہ نو نشانیاں تھیں جو نو سال میں ظاہر ہوئیں ہر سال میں ایک نشانی ظاہر ہوتی تھی۔ (آیت مذکورہ بالا میں پانچ عذاب مذکور ہیں) بعض روایات میں ہے کہ جادو گروں کے واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم فرعون کے پاس ۲۰ سال رہے اور برابر اس قسم کی چیزیں پیش آتی رہتی تھیں جو قوم فرعون کے لیے عذاب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے معجزہ ہوتی تھیں۔

فَاسْتَجَبُوا وَاسْتَمَرُّوا قَوْمًا مَّجْرُمِينَ (سوان لوگوں نے تکبر کی راہ اختیار کی اور ایمان قبول نہ کیا) ایمان قبول کرنے میں اپنی خفت محسوس کی اور کفر پر جبر ہے۔ یہ لوگ مجرمین تھے۔ ان کو ایمان قبول کرنا ہی نہ تھا۔ اس کے بعد فرمایا وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا اِيْمُوْسٰى اِذْ غَلَّآ تِلْكَ بِمَا عٰهَدْتَ عَلٰى (الایۃ)۔ اور جب ان پر عذاب واقع ہوا تو کہنے لگے کہ اے موسیٰ اپنے رب سے اس بات کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کیا ہے اور وہ یہ کہ جب آپ دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا اور مصیبت کو دور فرمائے گا۔ لَئِنْ كَشَفْتُمْ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرٰٓءٰٓءِلَ (اگر تو نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم تیری تصدیق کریں گے اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے)

صاحب روح المعانی نے حضرت حسن قداوہ اور حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس میں انہی عذابوں کا تذکرہ ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا عذابوں میں سے جو بھی عذاب ان پر آتا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ تم اپنے رب سے دعا کر کے اسے ہٹا دو اگر تم نے ایسا کر دیا تو ہم تمہاری تصدیق کریں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ بھیج دیں گے لیکن جب ایک عذاب ہٹ جاتا اور مطمئن ہو جاتے تو کہتے ہم تو ایمان نہیں لاتے اور ہر عذاب کو جادو بتا دیتے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ

الرجز سے مستقل عذاب مراد ہے جو طاعون کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ بہر حال قوم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس شرط پر اسلام لانے کا وعدہ کیا کہ عذاب رفع ہو جائے لیکن رفع ہو جانے کے بعد ایمان نہ لائے۔ قال تعالیٰ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرِّجْزَ الِیَّ اجْلٍ هُمْ بِالْعُوفَةِ اِذَا هُمْ یَنْكُحُونَ (پھر جب ہم نے عذاب کو اس مدت تک بنا دیا جس مدت تک وہ پہنچنے والے تھے تو اچانک وہ عہد کو توڑ رہے ہیں) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ الیٰی اجل سے ان کے غرق کرنے کا وقت مراد ہے جو اللہ کے علم میں متعین تھا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے موت کا وقت مراد ہے۔ قوم فرعون نے کسی عہد کو پورا نہ کیا اور کفر پر جبر ہے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِی الْیَمِّ۔ (پھر ہم نے ان سے انتقام لیا سو ہم نے ان کو سمندر میں ڈبو دیا) بَانْتَهَمْ كَذَّبُوا بِآیَاتِنَا (اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا) وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِیْنَ (اور وہ لوگ ان سے غافل تھے) یعنی جو نشانیاں ان کے پاس آتی تھیں ان سے غفلت برتتے تھے اور ان کے ساتھ بے پرواہی کا معاملہ کرتے تھے نہ فکر مند ہوتے نہ نصیحت حاصل کرتے۔ بنی اسرائیل کے نجات پانے اور قوم فرعون کے غرق ہونے کا تذکرہ (سورۃ بقرہ رکوع ۶) میں گزر چکا ہے نیز سورہ شعراء (رکوع ۴) اور سورہ قصص (رکوع ۱) اور سورہ دخان (رکوع ۱) میں بھی مذکور ہے اور سورہ شعراء میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہونا..... قوم فرعون کی ہلاکت کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوا یَسْتَضِعُّوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بَرَكْنَا فِیْهَا۔ کہ جن لوگوں کے ساتھ ضعف اور کمزوری کا معاملہ کیا جاتا تھا (یعنی بنی اسرائیل جنہیں قوم فرعون نے غلام بنا رکھا تھا اور وہ اس حد تک مقبور تھے کہ ان کے بیٹوں کو زنج کر دیا جاتا تھا) ان کو اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جن میں ہم نے برکت دی۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے شام کی سرزمین مراد ہے۔ فرعون کی گرفت سے نجات پا کر سمندر پار کرنے کے بعد وہ ملک شام آ گئے اگرچہ میدان تیرے میں چالیس سال گم گشتہ راہ ہو کر پھرتے رہے۔ لیکن پھر چالیس سال کے بعد انہیں اس سرزمین میں تمکن اور اقتدار حاصل ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی اللہ پاک نے جو وعدہ فرمایا تھا۔ عَسَىٰ رَبُّكُمْ اَنْ یَّهْدِیَکُمْ عَدُوَّکُمْ وَیَسَخِلَکُمْ فِی الْاَرْضِ وہ پورا فرمادیا۔ وَتَمَثَّلَ لَکُمْ رَبُّکَ الْحُسْنٰی (اور تیرے رب کی نیک بات پوری ہو گئی) یعنی جو ان کی نصرت کا وعدہ تھا وہ پورا ہو گیا جس میں تمکین فی الارض بھی داخل ہے جس کا ذکر سورہ قصص کے پہلے رکوع میں ہے۔ وَنُرِیدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتَضِعُّوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اٰیۃً وَنَجْعَلَهُمُ الْاَوَّلِیْنَ مزید فرمایا بِنَا صَبِرُوا یعنی بنی اسرائیل کو جو سرزمین عطا کی گئی اور نصرت اور تمکین کا وعدہ کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورا ہوا یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے مصیبتوں پر صبر کیا اور تکلیفوں کو جھیلایا۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص بے صبری کے ساتھ مصیبت کا مقابلہ کرے اللہ تعالیٰ اسے بے صبری ہی کی طرف سے فرمادیتا ہے اور جو شخص صبر کے ساتھ مصیبت کا مقابلہ کرے اللہ تعالیٰ اسے چھڑکار دینے کا ضامن بن جاتا ہے۔

یَعْرِشُونَ کی تفسیر..... وَذَمَّرْنَا مَا کَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا کَانُوا یَعْرِشُونَ (اور ہم نے برباد کر دیا ان کا رویوں کو جو فرعون اور اس کی قوم کیا کرتے تھے اور جو اونچی عمارتیں بناتے تھے) مَا کَانَ یَصْنَعُ اور وَمَا کَانُوا یَعْرِشُونَ سے عمارات اور محلات و قصور مراد ہیں اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مَا کَانَ یَصْنَعُ سے فرعون اور اس کی قوم کے اعمال بدمراد ہوں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو زک دینے کے لیے اختیار کرتے تھے اور وَمَا کَانُوا یَعْرِشُونَ سے بلند عمارات مراد ہوں۔ بلند عمارات میں وہ قصر بھی شامل ہے جس کے بنانے کا فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا تھا اور کہا تھا کہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کا پتہ چلاؤں گا۔

(کما ذکرنا علی شانہ من قول فرعون)

یہا من ابن لى صر حال علی ابلیغ الانساب الایہ (سورۃ نافر)

فائدہ..... اَللّٰہِیْ بَارِئًا فِیْہَا۔ سرزمین شام کے لیے فرمایا اس سرزمین کو برکتوں سے نوازنے کا تذکرہ قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی ہے۔ سورہ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں مسجد اقصیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اَللّٰہِیْ بَارِئًا فِیْہَا۔ اور سورہ انبیاء میں فرمایا۔ وَنَجِّنٰہُ وَلَوْ طَالِی الْاَرْضِ اَللّٰہِیْ بَارِئًا فِیْہَا لِلْعٰلَمِیْنَ۔

وَجَوْرْنَا بِبَنیِّ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاتَوَاعَلٰی قَوْمٌ یَّعْکِفُوْنَ عَلٰی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ؕ قَالُوْا

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا سو وہ ایک ایسی قوم پر آئے جو اپنے بتوں پر دھرتا دیئے ہوئے تھے۔ کہنے لگے اے

یٰمُوسٰی اجْعَلْ لَّنَا اِلٰہًا کَمَا لَہُمْ اِلٰہٌ ؕ قَالَ اِنْتُمْ قَوْمٌ تَجْہَلُوْنَ ۝۱۰ اِنَّ هٰؤُلَآءِ مُتَّبَرِّمٰتٌ مَّا ہُمْ

موسیٰ! ہمارے لئے معبود تجویز کر دیجئے جیسا کہ ان کے معبود ہیں۔ انہوں نے کہا یہ شک تم ایسے لوگ ہو کہ جہالت کی باتیں کرتے ہو بلاشبہ یہ لوگ جس شکل میں ہیں

فِیْہِ وَ بَطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۱۱ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْکُمْ اِلٰہًا وَہُوَ فَضَّلَکُمْ

وہ تباہ ہونے والا ہے۔ اور یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ باطل ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ کیا اللہ کے سوا تمہارے لئے کسی کو معبود تاش کروں حالانکہ اس نے

عَلٰی الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۲ وَاِذْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ اِلٍ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ؕ

تمہیں جہانوں پر فضیلت دی، اور جب ہم نے تمہیں نجات دی آل فرعون سے جو تمہیں بری تکلیفیں دیتے تھے

یَقْتُلُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحِیُّوْنَ نِسَآءَکُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ۝۱۳

تمہارے بیٹوں کو بکثرت قتل کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش ہے۔

سمندر سے پار ہو کر بنی اسرائیل کا بت پرست بننے کی خواہش کرنا اور

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کو جھڑکنا

تفسیر..... گزشتہ آیات میں فرعونوں کے دنیاوی عذابوں اور ان کی ضد و عناد اور بالآخر ان کے غرق ہونے کا ذکر تھا، ان آیات میں بنی اسرائیل کی ناشکری اور کج روی کا اور اس مظلومیت کا ذکر ہے جس میں یہ لوگ مصر کے زمانہ قیام میں مبتلا تھے۔ جب یہ لوگ سمندر پار ہو گئے اور فرعون اور اس کے لشکروں کو اپنی نظر سے ڈوبتا ہوا دیکھ لیا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا لازم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور زیادہ چٹنگی کے ساتھ جتنے اور اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت میں مشغول رہتے اور توحید کی دعوت جو برسہا برس سے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ کانٹوں میں پڑ رہی تھی اس کو دل میں جماتے اور پورے سوخ کے ساتھ موحد بننے۔ لیکن انہوں نے عجیب رویہ اختیار کیا۔ جب سمندر سے پار ہو کر آگے بڑھے تو دیکھا کہ کچھ لوگ بتوں کی پرستش میں مشغول ہیں۔ اور وہیں دھرتا دیئے ہوئے ہیں۔ انہیں دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود تجویز کر دو جو ہمارے سامنے مجسمہ کی صورت میں ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا کہ تم لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہو ان کے یہ معبود باطل ہیں ان کا شغل تباہ ہونے والا ہے اور جو عمل کر رہے



ہیں وہ باطل ہے۔ کیونکہ یہ شرک ہے شرک کو تو اللہ تعالیٰ بھی نہیں بخشے گا۔ مشرکوں کی کیوں ریس کرتے ہو تم توحید پر جتنے رہو، تمہیں معبود حقیقی کی عبادت کی تلقین کی گئی ہے جو مجسم ہو کر تمہارے سامنے نہیں آ سکتا۔ کیا اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود تجویز کر دوں جس نے تمہیں تمہارے زمانہ کے جہانوں پر فضیلت دی؟ تم حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی اولاد ہو اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نبی بھیجا جس کے ذریعہ تم نے فرعون سے نجات پائی۔ اب تم ایسی بے وقوفی کی باتیں کرتے ہو کہ اسی رب العالمین جل مجدہ کے ساتھ پتھروں کو شریک بنانے کو تیار ہو۔

فرعون سے نجات دینا اپنی کمال پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے..... وَإِذْ أَنْجَبْنَاكَ مِنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكَ سُوءَ الْعَذَابِ يَفْقَهُونَ آيَاتِنَا كُنْ وَنَسْتَخِيضُونَ نَسَاءَ كُنْ وَبِهِ ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ۔ اس آیت میں بنی اسرائیل کو خطاب فرما کر ان بدترین تکلیفوں کی یاد دہانی فرمائی جو فرعونینوں کی طرف سے بنی اسرائیل کو پہنچا کرتی تھیں۔ یہ آیت تھوڑے سے اختلاف الفاظ کے ساتھ سورہ بقرہ (رکوع ۷) میں گزر چکی ہے۔ (انوار البیان ج ۱) وہاں اس کی تفصیل اور تفسیر ملاحظہ کرنی جائے۔ وہاں یُذَيَّبُونَ فرمایا اور یہاں يَفْقَهُونَ فرمایا ہے۔ یہ لفظ کثرت قتل پر دلالت کرتا ہے اسی لیے ترجمہ یوں لکھا ہے کہ تمہارے بیٹوں کو کثرت کے ساتھ قتل کرتے تھے۔

وَوَعَدْنَا مُوسَى ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَمْنَاهَا بِعَشْرِ فِتْمٍ مِّمَّاتٍ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۖ وَقَالَ

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس راتوں کے ذریعہ ان کی تکمیل کر دی، اور

مُوسَى لِأَخِيهِ هَارُونَ أَخْلِفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿۳۰﴾

موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میرے بعد میری قوم میں میرے خلیفہ بن کر رہنا اور اصلاح کرتے رہنا اور مفسدین کی راہ کا اتباع نہ کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر تشریف لے جانا اور وہاں چالیس راتیں گزارنا

تفسیر..... مصر میں بنی اسرائیل بہت ہی زیادہ مقبور اور مجبور تھے وہاں ان کو حکم تھا کہ ایمان لائیں اور گھروں میں نماز پڑھ لیا کریں۔ جب فرعونینوں سے نجات پا گئے تو اب عمل کرنے اور احکام خداوندیہ کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے شریعت کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف دینے کے لیے پہاڑ پر بلایا اور وہاں تیس دن تک اعتکاف کرنے اور روزے رکھنے کا حکم دیا لیکن تیس راتیں گزارنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مسواک کر لی جس سے وہ خاص قسم کی مہک جاتی رہی جو روزہ دار کے منہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے مزید دس راتیں وہیں گزارنے کا حکم دیا۔ جب چالیس راتیں پوری ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں توریت شریف عطا فرمادی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر جانے کے لیے روانہ ہونے لگے تو اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے پیچھے بنی اسرائیل کی دیکھ بھال کرنا اور ان کی اصلاح کرتے رہنا اور ان میں سے مفسد ہیں ان کا اتباع نہ کرنا یعنی ان کی رائے پر مت چلنا۔ حضرت ہارون علیہ السلام بھی نبی تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ وہ خود بھی اپنی پیغمبرانہ ذمہ داری کو پورا کرنے والے تھے لیکن قوم کے مزاج اور طبیعت کی کجروی کو دیکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو مزید تاکید فرمائی۔ جب دریا پار ہوئے تھے تو بنی اسرائیل نے ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر کہا تھا کہ ہمارے لیے بھی ایسا معبود بنا دو۔ اب خطرہ تھا کہ اس طرح کی کوئی اور حرکت نہ کر لیں اس لیے ان کی نگرانی کے لیے تاکید فرمائی۔ آخر وہی ہوا جس کا

خطرہ تھا۔ ان میں ایک شخص سامری تھا اس نے زیورات کا ایک چھڑا بنایا اور بنی اسرائیل نے اسے معبود بنا لیا، جیسا کہ چند آیات کے بعد یہاں سورۃ اعراف میں آرہا ہے۔ اور سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔ (انوار البیان ج ۱) نیز سورۃ طہ میں بھی مذکور ہے۔

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ ۖ قَالَ رَبِّ ارْنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۚ قَالَ لَنْ نَّرْنِيْ

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کہا: فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ اسے میرے رب مجھے دکھا دیجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں۔

وَلَنْ اِنظُرَ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنْ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِيْ ۚ فَلَمَّا تَخَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ

فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو، سو اگر پہاڑ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے، پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر چل فرمایا

جَعَلَهُ دَكَاً وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّا اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ ثَبَّتُ اِلَيْكَ وَ

تو پہاڑ کو چورا کر دیا۔ اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب ان کو ہوش آیا تو کہنے لگے آپ کی ذات پاک ہے میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔

اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ يٰمُوسٰى اِنِّىْ اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِيْ وَبِكَلَامِىْ ۝

اور میں ایمان لانے والوں میں پہلا شخص ہوں۔ فرمایا، اسے موسیٰ بلاشبہ میں نے اپنی پیغمبری اور اپنی ہم کلامی کے ساتھ لوگوں کے مقابلہ میں تمہیں چن لیا،

فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ ۝ وَكَتَبْنَا لَهُ فِى الْاَلْوَاخِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيْلًا

سو میں نے تمہیں جو کچھ دیا ہے وہ لے لو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔ اور ہم نے موسیٰ کے لئے تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی

لِكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يٰاْخُذُوْا بِحُسْنِهَا ۚ سَاُوْرِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

تفصیل لکھ دی، سو آپ توت کے ساتھ اسے پکڑیں اور اپنی قوم کو حکم دیں کہ اسے اچھے اچھے اعمال کو پکڑے رہیں۔ میں غریب تمہیں نافرمانوں کا گھر دکھا دوں گا۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰتِيْكَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ وَاِنْ يَرَوْا كَلَّ اٰيَةٍ لَا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ

میں غریب اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو برکتی رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر وہ ساری نشانیاں دیکھ لیں تو ان پر ایمان لائیں

وَاِنْ يَرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَرَوْا سَبِيْلَ الْغٰى يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اسے اپنا طریقہ بنالیں۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری

كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَلِقَاءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ

آیات کو جھٹلایا اور ان سے غافل تھے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے اعمال

اَعْمَالُهُمْ ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اکارت ہو گئے۔ ان کو انہیں اعمال کی سزا دی جائے گی جو وہ کیا کرتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار الہی کے لیے درخواست کرنا اور پہاڑ کا چوراہا چوراہو جانا

تفسیر..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے طور پر جانے کا جو وقت مقرر ہوا تھا وہ اس کے مطابق وہاں پہنچے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق ان راتوں کی ابتدا ذیقعدہ کی پہلی تاریخ سے تھی پھر مزید دس راتیں ماہ ذی الحجہ کے شروع کی بڑھادی گئیں اور دس ذی الحجہ کو توریت شریف عطا کی گئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر پہنچے تو اللہ رب العزت جل مجدہ نے ہمسکامی ہوئی اور اسکے بعد ان کو اشتیاق ہوا کہ اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں، لہذا درخواست پیش کر دی کہ اے رب مجھے اپنا دیدار کرا دیجئے، میں آپ کی ذات یقین بھی رکھتا ہوں اور ہم کلام بھی ہوا ہوں اب یہ چاہتا ہوں کہ دیدار بھی کر لوں، اللہ تعالیٰ شانہ کو اہل جنت دیکھیں گے۔ جن میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہوں گے اور ان کی امتیں بھی ہوں گی۔ لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہو سکتا۔ جنت میں جو قوت اور طاقت برداشت دی جائے گی۔ وہ دنیا میں نہیں دی گئی۔ اسی لیے سورۃ انعام میں فرمایا لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن پانچ باتیں بیان کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا (۱)..... بے شک اللہ نہیں سوتا اور اس کی شایان شان نہیں کہ وہ سوئے۔

(۲)..... وہ ترازو کو بلند کرتا ہے اور پست کرتا ہے (یعنی اعمال کا وزن فرماتا ہے۔ جن کا وزن کمال اور نقص اور اخلاص کے اعتبار سے کم و بیش ہوتا ہے)

(۳)..... اس کی طرف دن کے اعمال سے پہلے رات کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں۔

(۴)..... اور رات کے اعمال سے پہلے دن کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں۔

(۵)..... اس کا حجاب نور ہے اگر وہ اس حجاب کو ہٹا دے تو اس کی ذات گرامی کے انوار اس سب کو جلا دیں۔ جہاں تک مخلوق پر اس کی نظر پہنچتی ہے (یعنی ساری مخلوق جل کر ختم ہو جائے)۔ (رواہ مسلم ص ۹۹ ج ۱)

مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے چھپنے چھپانے کے لیے مادی پردے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایسا پردہ نہیں، اس کا پردہ عزت و جلال کا پردہ ہے اگر اس کی ذات عالی کی تجلی ہو جائے تو ساری مخلوق جل کر رہ جائے (قال السنوی والنقدیر لو ازال المانع من رؤیہ وهو الحجاب المسمی نوراً و ناراً تجلی لخلقہ لاحرف جلال ذانہ جمیع مخلوقاته و اللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱ھ) (علامہ نوویؒ فرماتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے دیکھنے سے رکاوٹ ہٹ جائے اور وہ پردہ ہے جسے نور یا نار کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر تجلی فرمائے تو اس کی ذات کا جلال تمام مخلوقات کو جلا دے)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے لیکن تم ایسا کرو کہ پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر پہاڑ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو تم مجھے دیکھ سکو گے، انہوں نے پہاڑ کی طرف دیکھا۔ جب پہاڑ پر اللہ جل شانہ کی تجلی ہوئی تو پہاڑ چوراہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا (بیہوشی میں کتنا وقت گزر اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے) تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ تیری ذات پاک ہے واقعی تو اس دنیا میں دیکھے جانے سے منزہ اور بالا و برتر ہے۔ میں نے جو دیدار کی درخواست کی تھی اس سے توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلے اس بات کا یقین کرنے والا ہوں کہ واقعی آپ کا دیدار نہیں ہو سکتا۔

اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اے موسیٰ میں نے تمہیں لوگوں کے مقابلہ میں پیغمبری اور ہمسکامی کے ساتھ چن لیا (یعنی جو لوگ تمہارے زمانہ میں موجود ہیں ان کے مقابلہ میں تمہیں یہ شرف عطا فرمایا) لہذا جو کچھ میں تمہیں عطا کیا اس کو لے لو اور شکر گزاروں میں سے ہو

جاء۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس راتیں گزر جانے کے بعد توریت شریف عطا فرمائی جو تختیوں میں لکھی ہوئی تھی اس میں احکام شرعیہ تفصیل سے لکھے ہوئے تھے اور ہر طرح کی نصیحتیں بھی تھیں۔ حلال و حرام کو واضح طریقہ پر بیان فرما دیا تھا۔ اور محاسن و مساوی (اچھے برے کاموں) کو تفصیل سے بتا دیا تھا۔ اسی کو فرمایا: وَكُنْتُمْ لَهُ فِي الْاَلْوَا ح مِنْ كُلِّ شَيْءٍ عَوْۢةٌ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ كَتَبَ عَطَاٰ فَرْمَانِے كے ساتھ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ بھی فرمایا کہ اسے قوت اور مضبوطی کے ساتھ لے لو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَامْرُؤُا قَوْمَكَ يَأْخُذُوۡا بِاٰخِسْنِہَا کہ اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ اس کے احکام کو پکڑے رہیں جو اچھے اچھے کام ہیں۔ قال صاحب الروح (ص ۵۹ ج ۹) ومعنی احسنیتھا شتمالھا علی الاحسن فانہ احسن کالصبر بالاضافۃ الی الانتصار۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں احکام کے احسن ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ نیکی پر مشتمل ہوں پھر وہ اپنے کرنے والے کے انتصار کی بناء پر احسن بنتے ہیں)

سَارِیْنٰكُمْ دَارَ الْفَاسِقِیْنَ (میں غمگین تمہیں نافرمانوں کا گھر دکھا دوں گا) نافرمانوں کے گھر سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے مصر مراد ہے جہاں بنی اسرائیل کو (ایک قول کی بناء پر) فرعونوں کی ہلاکت کے بعد جانا نصیب ہوا تھا۔ اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس سے جبارہ عمالقہ کی سرزمین مراد ہے جس کے بارے میں سورہ مائدہ میں فرمایا: یَقْضُوۡمُ اِذْخُلُوۡا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰہُ لَكُمْ (الایہ)۔

حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل عمالقہ کی سرزمین میں داخل ہو گئے اور وہاں انہیں اقتدار حاصل ہوا۔ یہ علاقہ فلسطین کا تھا جو شام میں ہے۔ صاحب روح المعانی نے دار الفاسقین کی تفسیر میں ایک تیسرا قول بھی لکھا ہے اور وہ یہ کہ اس سے عاد و حمور کے منازل اور ان قوموں کے مساکن مراد ہیں جو ان سے پہلے ہلاک ہو چکے تھے۔ اور چوتھا قول حضرت حسن اور حضرت عطا سے یوں نقل کیا ہے کہ دار الفاسقین سے جہنم مراد ہے۔ اگر یہ معنی لیا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ توریت کے احکام پر عمل کرو۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو گے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

جب توریت شریف تختیوں پر لکھی ہوئی یکجا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مل گئی تو آپ ان تختیوں کو لے کر اپنی قوم میں تشریف لائے۔ قوم کا مزاج عجیب تھا۔ اطاعت اور فرمانبرداری سے دور تھے اس لیے سَارِیْنٰكُمْ دَارَ الْفَاسِقِیْنَ کے بعد مزید یوں فرمایا کہ سَاَصْرَفْ عَنْ اَلْبَیْ اَلَّذِیْنَ یَتَكَبَّرُوۡنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ (کہ میں اپنی آیات سے ایسے لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو دنیا میں شرعی احکام پر عمل کرنے سے تکبر کرتے ہیں اور ان کا یہ تکبر ناحق ہے)۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیات سے برگشتہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی جائے گی وہ آیات میں تفکر نہ کریں گے اور تکبر و تجبر کی وجہ سے کوئی عبرت حاصل نہ کریں گے ان کے برگشتہ ہونے اور برگشتہ رہنے کا سبب ان کا تکبر ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے آیات الہیہ سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ وھٰذَا كَقَوْلِهِ تَعَالٰی فَلَمَّا زَاغُوۡا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوۡبُہُمْ۔ اس کے بعد متکبرین کی مزید بد حالی بیان فرمائی۔ وَاِنْ یُرَوْا کُلُّ اٰیۃٍ لَا یُؤْمِنُوۡا بِہَا (اور اگر ہر نشانی کو دیکھ لیں خواہ انبیاء کے معجزات ہوں یا آیات تکوینیہ ہوں۔ وہ ایمان نہیں لاتے)

وَ اِنْ یُرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوۡہُ سَبِیْلًا (اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھتے ہیں تو اسے کو اختیار نہیں کرتے)  
وَ اِنْ یُرَوْا سَبِیْلَ الْغٰی یَتَّخِذُوۡہُ سَبِیْلًا اور اگر اسی کا راستہ دیکھتے ہیں تو اسے اختیار کر لیتے ہیں اور اسی پر چلتے ہیں۔ اس میں متکبرین کو نصیحت ہے کہ وہ تکبر پر رہتے ہوئے آیات الہیہ سے منتفع نہ ہو سکیں گے اور ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی میں لگے رہیں گے۔

پھر فرمایا ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَبُوا بَيِّنَاتٍ وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ (کہ ان لوگوں کا تکبر کرنا اور آیات پر ایمان نہ لانا اور راہ ہدایت سے اعراض کرنا اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان آیات کی طرف سے غافل رہے) لا پرواہی اختیار کی اور ان آیات میں تفکر نہ کیا اور تدریس سے کام نہ لیا۔

آخر میں فرمایا وَالَّذِينَ كَذَبُوا بَيِّنَاتٍ وَلِقَاءَ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ (جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور آخرت کے دن کی ملاقات کو جھٹلایا۔ یعنی آخرت پر ایمان نہ لائے ان کے اعمال اکارت ہو گئے)

دنیا میں جو کام کئے آخرت میں بالکل کام نہ آئیں گے اگرچہ بظاہر نیک کام تھے۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اپنی دنیا بنانے اور دنیاوی ترقی کرنے کے لیے جو کچھ کیا وہ سب برباد ہو گیا کیونکہ آخرت میں یہ چیزیں بالکل کام نہ آئیں گی۔

هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (ان کو ان کے اعمال کا ہی بدلہ دیا جائے گا) کفر پر جواز ہے کہ اس کا بدلہ دائمی عذاب کی صورت میں مل جائے گا۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ أَلَمْ يَرَوْا

اور موسیٰ کی قوم نے ان کے بعد اپنے زیوروں سے ایک بچھڑے کو معبود بنالیا جو ایک ایسا تمثال تھا کہ اس میں سے گائے کی آواز آرہی تھی۔ کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا

أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۚ اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ۝ (وَلَنَا سِقْطٌ فِي آيِدِيهِمْ

کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا اور نہ انہیں کوئی راستہ بتاتا ہے۔ انہوں نے اس کو معبود بنالیا اور وہ تمثال کرنے والے تھے۔ اور جب وہ بچھڑے اور انہوں نے سمجھ لیا

وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا ۚ قَالُوا لَئِنْ لَمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

کہ بلاشبہ وہ گمراہ ہو گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہمیں بخش نہ دے تو ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ۚ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي ۚ

اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف اس حال میں واپس ہوئے کہ وہ غصہ میں اور رنج میں تھے تو انہوں نے کہا کہ تم لوگوں نے میرے بعد میری بری نیابت کی۔

أَعِجَلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ وَالْقَىٰ الْإِلَٰهَ ۚ وَتَلَوَّاهُ بِحُجُرِهِ خِشْيَانًا ۚ وَالْقَىٰ إِلَٰهَهُ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ

کیا اپنے رب کا حکم آنے سے پہلے تم نے جلدی کر لی؟ اور موسیٰ نے تختیوں کو ڈال دیا اور بھائی کے سر کو پکڑ لیا جسے اپنی طرف بھیج رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے

الْقَوْمَ اسْتَزْعِفُونِي ۖ وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي ۖ فَلَا تُشْعِزُنِي الْإِعْدَاءُ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ

میرے ماں جائے بلاشبہ قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں، لہذا مجھ پر دشمنوں کو مت ہموار اور مجھے

الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِإِخْوَتِي ۖ وَادْخُلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝

ظالموں میں شمار نہ کرو۔ موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما اور آپ ارحم الراحمین ہیں۔

بنی اسرائیل کا زیوروں سے پھڑا بنا کر اسکی عبادت کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غضبناک ہونا تفسیر..... بنی اسرائیل مصر میں بت پرستی اور گاو پرستی دیکھتے آئے تھے اسی لیے جب سمندر پار کر کے مصر کے علاوہ دوسرے علاقہ میں آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمارے لیے بھی اسی طرح کا معبود بنا دیجئے جو جسم ہو صورت و شکل مانے سائے ہو۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے لیے طور تشریف لے گئے تو ان کے پیچھے گھومنا سالہ پرستی شروع کر دی۔ جس کا واقعہ یہ ہوا کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلنے والے تھے اس وقت انہوں نے قبطنی قوم سے (جو مصر کے اصلی باشندے تھے) زیور مانگ لیے تھے۔ یہ زیورات ان لوگوں کے پاس تھے۔ ان میں ایک آدمی سامری تھا جو سارا کام کرتا تھا۔ اس نے ان زیوروں کو جمع کر کے پھڑے کی شکل بنا لی اور اس کے منہ میں مٹی ڈال دی (یہ مٹی وہ مٹی تھی جو اس نے حضرت جبرائیل کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے نکالی تھی) اللہ تعالیٰ نے اس مٹی میں ایسا اثر ڈالا کہ اس مجسمے سے گائے کے بچے کی آواز آنے لگی۔ یہ لوگ شرک سے مانوس تو تھے ہی۔ کہنے لگے ہذا الہ موسیٰ فنبسی (کہ یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے سو وہ بھول گئے جو کہ طور پر معبود سے ہم کلام ہونے کیلئے گئے ہیں) حضرت ہارون علیہ السلام جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام خلیفہ بنا کر تشریف لے گئے تھے۔ انہوں نے ان کو سمجھایا کہ تم فتنے میں پڑ گئے ہو تمہارا رب رحمن ہے تم میرا اتباع کرو، اور میرا حکم مانو۔ اس پر بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم برابر اس پھڑے کے پیچھے لگے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل سے اور سامری سے سوال و جواب فرمانا سورہ طہ (رکوع ۵، ۴) میں مذکور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ جل شانہ نے پہلے ہی مطلع فرما دیا تھا۔ تمہاری قوم تمہارے بعد گمراہی میں پڑ گئی ہے اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام توریت شریف کی تختیاں لے کر تشریف لائے اور گھومنا سالہ پرستی کا منظر دیکھا تو بہت سخت غضبناک اور رنجیدہ ہوئے اور فرمایا: بِسْمِ اللَّهِ خَلَقْتُمُونِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتُمُونِي مِنْ نَارٍ (کہ میرے بعد تم نے میری بری نیابت کی) أَعْبَدْتُمُونِي وَأَمَرْتُ بِكُمْ کیا تم نے اپنے رب کا حکم آنے سے پہلے جلد بازی کی۔

وَالْفُصَى الْاَلْوَاخَ وَآخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کا بھی مواخذہ فرمایا تو حید کے خلاف جو منظر دیکھا تو غیرت دینی کے جوش میں توریت شریف کی تختیاں ایک طرف کو ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیے۔ انہیں یہ گمان ہوا کہ ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی تعلیم میں کوتاہی کی، سورہ طہ میں حضرت ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی پکڑنے کا بھی ذکر ہے۔ توریت شریف کی تختیوں کا ڈالنا اور بھائی کے سر کے بالوں کو پکڑنا غضب کی وجہ سے پیش آیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اے میرے ماں جانے آپ میرے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو نہ پکڑیں۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ لہذا آپ مجھ پر سختی کر کے دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں اور مجھے ظالموں میں شمار نہ کریں۔ (میں ان کے کام میں ان کے ساتھ نہیں ہوں لہذا میرے ساتھ برتاؤ بھی وہ نہ ہونا چاہئے جو ظالموں کے ساتھ کیا جاتا ہے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوا کہ واقعی مجھ سے خطا ہوئی (اگرچہ خطا اجتہادی تھی) لہذا بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب! میری مغفرت فرمادے اور میرے بھائی کی بھی، اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرمادے اور آپ ارحم الراحمین ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام گھومنا سالہ پرستی دیکھ کر دینی حمیت کے جوش میں اور غضب و تاسف میں تھے اس لیے اپنے بھائی سے دارو گیر کرتے ہوئے ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ لیے تھے پھر جب احساس ہوا تو اپنے لیے اور بھائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے لگے۔

ظلم اور زیادتی کی معافی مانگنا..... اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی پر زیادتی ہو جائے تو جہاں اس کی تلافی کا یہ طریقہ کہ اس سے معافی مانگ لی جائے۔ یہ طریقہ بھی ہے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے۔ لیکن ہر حال میں اس کو راضی کرنا ضروری ہے، بعض مرتبہ اس سے معافی مانگنے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی اس لیے کہ وہ پہلے ہی دل سے معاف کر چکا ہوتا ہے اور بعض مرتبہ تعلقات کی وجہ سے ناگواری ہوتی ہی نہیں، لیکن جس کی طرف سے زیادتی ہو گئی ہو اسے پھر بھی اپنے لیے اور اس کے لیے دعائے مغفرت کر دینی چاہئے۔

لیس الخیر کا لمعاينة..... امام احمد نے اپنی مسند میں (ص ۲۷ ج ۱) حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خبر دیکھنے کی طرح نہیں ہے (دیکھنے سے انسان جتنا متاثر ہوتا ہے خبر سے اتنا متاثر نہیں ہوتا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ شانہ نے موسیٰ علیہ السلام کو (پہلے ہی) خبر دے دی تھی کہ تمہاری قوم نے مجھڑے کو معبود بنالیا ہے۔ اس وقت تو توریت کی تختیوں کو نہ پھیکا پھر جب اپنی آنکھ سے انکی حرکت کو دیکھا تو تختیوں کو ڈال دیا جس کی وجہ سے ٹوٹ گئیں۔

اللقاء الواح پر سوال و جواب..... یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا بھی احترام کرنا چاہئے تھا۔ توریت شریف کی تختیوں کو ڈال دینا ایک طرح کی سوء ادبی ہے۔ اس کے جواب میں مفسرین کرام نے دو باتیں لکھی ہیں۔

اول..... یہ کہ ان تختیوں کو جلدی میں اس طرح سے رکھ دیا تھا کہ جیسے کوئی شخص کسی چیز کو ڈال دے۔

دوم..... یہ کہ دینی حمیت اور شدت غضب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے بے اختیار ہوئے کہ وہ تختیاں ان کے ہاتھ سے گر پڑیں۔ اگرچہ گری تھیں بلا اختیار لیکن بے احتیاطی کی وجہ سے اس کو لقاء اختیاری کا درجہ دے دیا گیا۔ اس لیے القی الالواح سے تعبیر فرمایا۔ فان حسنات الابراہیم المقربین۔ (کیونکہ نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لیے برائیاں ہیں)۔ (من روح المعانی ص ۶۷ ج ۹)

بنی اسرائیل کا نادم ہونا اور توبہ کرنا..... وَلَمَّا سَقَطَ لَهُمْ أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا (الایہ) جن لوگوں نے گویا سالہ پرستی کر لی تھی انہیں اپنی گمراہی کا احساس ہوا اور توبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس میں سب سے بڑا دخل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دادر گیر اور سختی کا تھا۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ کچھ لوگوں کو ان کے تشریف لانے سے ہی اپنی گمراہی کا احساس ہو گیا ہو۔ یہ لوگ کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہماری بخشش نہ فرمائے تو ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے۔ لیکن ان کی توبہ کی قبولیت کے لیے اللہ پاک کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا کہ اپنی جانوں کو قتل کریں۔ جیسا کہ سورہ بقرہ (رکوع ۶) کی آیت وَاقْتُلُوا مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقْتُلُكُمْ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ۔ کے ذیل میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے (انوار البیان جلد ۱) ان کی توبہ کی صورت یہ تجویز ہوئی تھی کہ جنہوں نے مجھڑے کی پرستش نہیں کی تھی وہ ان کو قتل کریں جنہوں نے یہ حرکت کی تھی چنانچہ ایسا کیا گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذَلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔

بلاشبہ جن لوگوں نے مجھڑے کو معبود بنا لیا انہیں ان کے رب کی طرف سے ضرور غصہ پہنچے گا اور ذلت پہنچے گی دنیا والی زندگی میں۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْا ۝

اور اسی طرح ہم افتراء کرنے والوں کو سزا دیا کرتے ہیں اور جن لوگوں نے گناہ کئے پھر ان کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو

إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَابَ ۝

بلاشبہ آپ کا رب اس توبہ کے بعد ضرور بخش دینے والا ہے۔ مہربان ہے۔ اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو انہوں نے ان تختیوں کو اٹھا لیا

وَفِي سُخْرِيهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ۝

اور ان تختیوں میں جو لکھا ہوا تھا اس میں ہدایت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

پچھڑے کی پرستش کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا غصہ اور دنیا میں ان لوگوں کی ذلت

تفسیر..... جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو چھوڑ دیا اور بارگاہ الہی سے اپنے اور اپنے بھائی کے لیے مغفرت کا سوال پیش کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا جنہوں نے پچھڑے کی عبادت کی تھی کہ انہیں عنقریب ان کے رب کی طرف سے غصہ پہنچے گا اور دنیا والی زندگی میں ذلت پہنچے گی اس غضب اور ذلت سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں۔ حضرت ابو العالیہ نے فرمایا کہ غضب سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ہے جس میں قبولیت توبہ کے لیے ان لوگوں کے قتل کا حکم ہوا اور ذلت سے مراد ہے ان لوگوں کا یہ اقرار کر لینا کہ واقعی ہم نے گمراہی کا کام کیا اور پھر اپنی جانوں کو قتل کے لیے پیش کر دینا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ذلت سے وہ حالت اور کیفیت مراد ہے جو ان لوگوں کو اس وقت پیش آئی جب کہ اس پچھڑے کو جلایا گیا اور سمندر میں پھینک دیا گیا جس کی انہوں نے عبادت کی تھی، اور ایک قول یہ ہے کہ ذلت سے وہ مسکنت مراد ہے جو انہیں اور ان کی اولاد کو دنیا میں پیش آتی رہی اور بحالت سفر برسوں زمین میں گھومتے رہے۔

اور عطیہ عوفی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو یہودی تھے اور آیت کریمہ میں ان کا ذکر ہے۔ غضب اور ذلت سے بنی نصیر کا جلا وطن کر دینا اور بنی قریظہ کا قتل کیا جانا یہودیوں پر جزیہ مقرر کرنا مراد ہے اور یہ بات اس بنیاد پر کہی جاسکتی ہے کہ عبد رسالت میں جو یہودی تھے وہ اپنے آباء و اجداد کے اعمال سے بیزاری ظاہر نہیں کرتے تھے وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُفْسِدِينَ (اور ہم اسی طرح افتراء کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اس سے افتراء علی اللہ مراد ہے۔ سامری اور اس کے ساتھیوں نے پچھڑے کے بارے میں یہ جو کہا تھا هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَى (یہ تمہارا معبود اور موسیٰ کا بھی معبود ہے) یہ بہت بڑا افتراء ہے اس کی سزا سامری کو بھی دی گئی اور ان لوگوں کو بھی دی گئی جو اس کے ساتھی تھے۔ حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ ہر صاحب بدعت ذلیل ہے۔ یہ فرما کر انہوں نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (مطلب یہ ہے کہ دین خداوندی میں جو شخص بدعت نکالے گا وہ دیر سویر ذلیل ہوگا۔ دنیا میں اس کا ظہور نہ ہوا تو آخرت میں ضرور ہی ذلیل ہوگا)

اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے..... وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ (الایہ) (اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کیے) (جن میں ۱۰ سالہ پرستی بھی ہے) پھر ان گناہوں کے بعد توبہ کر لی اور کفر کو چھوڑ کر ایمان لے آئے تو آپ کا رب اس توبہ کے بعد ان کو معاف فرمانے والا اور ان پر رحم فرمانے والا ہے)

واقعی پختہ توبہ کرنے کے بعد ان کی مغفرت ہوگئی۔ کفر و شرک کے بعد اسلام قبول کرنے سے پہلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ ان الیہ اسلام یهدم ما کان قبلہ (بے شک اسلام لانا پہلے کے تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے) (رواہ مسلم عن عمرو بن العاص) اوپر سے گو بنی اسرائیل کا ذکر ہو رہا ہے۔ لیکن آیت کے عمومی الفاظ میں ہمیشہ کے لیے توبہ کی قبولیت کا اعلان فرما دیا اور یہ



بتا دیا کہ اللہ غفور اور رحیم ہے۔

توریت شریف ہدایت اور رحمت تھی ..... پھر فرمایا وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْفَضْبُ أَخَذَ الْأَلْوَاخَ (جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو ہو گیا تو انہوں نے توریت شریف کی تختیوں کو لے لیا) جنہیں غصہ میں ڈال دیا تھا۔ کیونکہ مقصود تو انہیں پر عمل کرنا اور عمل کراتا تھا درمیان میں مشرکین کی حالت دیکھ کر جو غصہ آگیا تھا اس کی وجہ سے تختیوں کو ڈال دیا تھا پھر ان کو اٹھالیا تاکہ تعلیم و تبلیغ کا کام دوبارہ شروع کیا جائے۔

وَفِي نُسُخِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ (اور اس توریت میں جو لکھا ہوا تھا اس میں ہدایت تھی اور رحمت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں)

اور ڈرنے والے وہی ہیں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ وذلک مثل قوله تعالیٰ فی التزویل العزیز ہدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب (الآیۃ)

وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا رَشِيقَاتٍ فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ

اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر مرد ہمارے وقت معین کے لئے چن لئے پھر جب ان کو زلزلہ نے پکڑ لیا تو موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب

لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمْ مِنْ قَبْلُ وَإِيَّايَ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا إِنْ هِيَ إِلَّا

اگر آپ چاہتے تو اس سے پہلے ہی ان کو اور مجھے ہلاک فرما دیتے۔ کیا آپ ہمارے چند بیوقوفوں کی حرکت کے سبب ہمیں ہلاک فرماتے ہیں۔ یہ شخص آپ کی

فِتْنَتُكَ تَضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ أَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

طرف سے آزمائش ہے آپ اس کے ذریعہ جس کو چاہیں گمراہی میں ڈالیں اور جس کو چاہیں ہدایت پر لائیں۔ تو ہی ہمارا ولی ہے۔ لہذا ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما

وَ أَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ﴿۵۰﴾ وَكَتَبْنَا لَكَ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا

اور بخش دینے والوں میں تو سب سے بہتر ہے اور لکھ دیجئے ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی، ہے شک ہم نے

هَذَا إِلَيْكَ قَالَ عَذَابٌ أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ

تیری طرف رجوع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عذاب ہے میں اسے پہنچاتا ہوں جسے چاہوں اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے

فَسَاكُنْ بِهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿۵۱﴾

سو میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو ہماری آیات پر یقین رکھتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ستر افراد کو اپنے ہمراہ لے جانا اور وہاں ان لوگوں کی موت واقع ہو جانا

تفسیر ..... بنی اسرائیل کی عادت تھی کہ بے تکلی بانہیں کیا کرتے تھے اور شبہات نکالتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

فرمایا کہ یہ توریت ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں۔ جو عمل کرنے کے لیے نازل فرمائے ہیں۔ تم ان پر عمل کرو، تو بنی اسرائیل کہنے

لگے کہ ہم کیسے یقین کریں کہ اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سے فرمادے کہ یہ میری کتاب ہے اور میرے احکام ہیں تو ہم مان لیں گے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی منتخب فرمائے تاکہ ان کو ہمراہ لے جائیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام سنوائیں۔ جب یہ لوگ حاضر ہوئے اور کلام الہی سنا تو کہنے لگے ہمیں کیا معلوم کون بول رہا ہے ہم تو جب یقین کریں گے جبکہ بالکل اپنے سامنے اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں۔ یہ ان کی گستاخی کی بات تھی۔ ان لوگوں کو زلزلہ نے پکڑ لیا اور وہیں دھرے رہ گئے۔ جب ان لوگوں کا یہ حال ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی بیہودگی اور بدگمانی کا خیال آیا کہ یہ لوگ پہلے ہی سے بدگمان ہیں اب تو اور زیادہ بری بدگمانی کریں گے اور یوں کہیں گے کہ ہمارے آدمیوں کو لے جا کر وہیں ہلاک کر دیا۔ لہذا بارگاہ الہی میں عرض کیا کہ اے میرے رب اگر آپ چاہتے تو اس سے پہلے ان کو اور مجھے ہلاک فرما دیتے جب آپ نے ایسا نہیں کیا (اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کا اس وقت ہلاک کرنا آپ کو منظور نہیں کیونکہ اس میں میری بدنامی ہے) تو آپ ان کو دوبارہ زندگی عطا فرمائیں تاکہ میں بنی اسرائیل میں مطعون اور بدنام نہ ہو جاؤں۔

”اتَّهَلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں معروض پیش کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ کیا آپ چند بیوقوفوں کی حرکت سے جو ہم میں سے ہیں ہمیں ہلاک فرمادیں گے۔ یعنی امید ہے کہ آپ ایسا نہ کریں گے۔ مزید عرض کیا اِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتٌ کہ یہ جو واقعہ پیش آیا کہ ان لوگوں کو رجفہ یعنی زلزلہ نے اور صعقہ یعنی بجلی کی کڑک نے (کمانی سورۃ البقرہ) پکڑ لیا۔ یہ آپ کی طرف سے ایک امتحان ہی ہے۔ وَ نَضِلُّ فِيهَا مِنَ الْاَشْيَاءِ وَ تَهْدِي مِنْ تَشَاءِ آپ اس کے ذریعہ گمراہی میں ڈالیں جسے چاہیں اور جس کو چاہیں ہدایت پر قائم رکھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر وہ لوگ صحیح سالم اٹھ کھڑے ہوئے جیسا کہ سورہ بقرہ میں فرمایا ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَبِيًّا فَقَالِ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ شانہ سے مزید مغفرت اور رحمت طلب کرتے ہوئے عرض کیا اَنْتَ وَلَيْسَ اَفَاغْفِرُ لَنَا (اے رب آپ ہمارے ولی ہیں لہذا ہماری مغفرت فرمادیجئے) وَ اَرْحَمُنَا اور ہم پر رحم فرمائیے وَ اَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ اور آپ معاف کرنے والوں میں سب سے بہتر ہیں وَ اَكْتَسَبْنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ لَئِنْ اَلَا حُجْرَةً (اور ہمارے لیے اس دنیا میں نیک حالت پر ہونا) لکھ دیجئے اور آخرت میں بھی۔ اِنَّا هَذَا اَلْبَلَاءُ (بلاشبہ ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں)

قَالَ عَذَابِيْ اَصْحَبُ بِهِ مِنْ اَشْيَاءِ۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ میرا عذاب ہے جسے چاہوں پہنچا دوں۔ وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ۔ اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔

فَمَا كُنْهِيَ السَّالِدِينَ يَتَّقُونَ وَ يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ۔ سو عنقریب میں اپنی رحمت کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں اللہ کی رحمت اگرچہ ہر چیز کو شامل ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب پر رحمت فرما سکتے ہیں اور رحمت فرماتے ہیں۔ لیکن سب سے بڑی رحمت جو آخرت کی نجات ہے اور عذاب دائمی سے بچا دینا ہے وہ ان ہی لوگوں کے لیے ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں یعنی کفر و شرک اور ہر قسم کے گناہ سے بچتے ہیں (اس میں قلب اور جوارح کے سب اعمال داخل ہیں) اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں (اس میں احکام متعلقہ اموال داخل ہو گئے)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ادائے زکوٰۃ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لیے فرمایا کہ بنی اسرائیل پر زکوٰۃ کی ادائیگی بہت شاق تھی یہ لوگ حب دنیا میں بہت زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے اس لیے مال خرچ کرنا ان کے نفوس کے لیے بہت دشوار تھا۔

آخر میں فرمایا **وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ**۔ اس میں یہ بتا دیا کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل معتبر نہیں اور رحمت دائرہ اہل ایمان ہی کے لیے مخصوص ہے اور اس میں بنی اسرائیل پر تعریف بھی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی تکذیب کی اور جانتے پہچانتے ہوئے آخر الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے منکر ہوئے۔ اس لیے مصلیٰ **وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ** فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہودی جو اپنے کو مؤمن سمجھتے ہیں اور نبی ﷺ کی کافر نہیں کرتے وہ اللہ کے نزدیک مؤمن نہیں ہیں اور رحمت دائرہ کے مستحق نہیں جو آخرت میں مؤمنین کو نصیب ہوگی۔

فائدہ..... حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اپنی قوم کو اللہ کا کلام سنوانے کے لیے ساتھ لے گئے۔ یہ کتنی مرتبہ ہوا؟ علمائے تفسیر نے اس کے بارے میں تین مرتبہ جانا لکھا ہے۔

اول..... یہ کہ جب توریت شریف لینے کے لیے طور پر جا رہے تھے اس وقت ایک جماعت کو ہمراہ لے گئے تھے اور اس کا ثبوت سورہ طہ کی آیت **وَمَا آخِذُكَ عَنْ قَوْمِكَ يَغْوِي سِيًّا** سے ہوتا ہے۔ دوسرے: جب بنی اسرائیل نے ان کے پیچھے بھڑے کی عبادت کر لی تو اس وقت بارگاہ الہی میں معذرت پیش کرنے اور قبولیت تو بہ کی درخواست کرنے کے لیے ایک جماعت کو اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔ تیسرے: جب ان پر توریت شریف پیش کی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم کیسے مانیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے؟ اللہ ہم سے خود فرمائیں کہ یہ میری کتاب ہے تو ہم تسلیم کر لیں گے۔ لہذا ان کو تسلیم کرانے کے لیے اپنی قوم کے منتخب افراد کو ساتھ لے گئے۔ صاحب روح المعانی (ص ۷۲ ج ۹) نے اس میں لمبی بحث کی ہے اس کو ملاحظہ کر لیا جائے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے سورہ بقرہ کی آیت **فَاخَذْنَاهُمُ الصِّعْقَةَ وَانْتُمْ تَنْظُرُونَ** اور سورہ اعراف کی یہ آیت **فَلَمَّا اخَذْنَاهُمْ الرُّجْفَةَ كَامِلًا** ایک ہی قرار دیا ہے۔ یعنی دونوں جگہ اسی ایک واقعہ کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل نے کہا تھا کہ ہم اس کتاب کو اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک ہم اللہ کو نہ دیکھ لیں۔ ہم نے بھی انہیں کی انتہا نہیں تفسیر لکھ دی ہے واللہ اعلم عند اللہ الکریم۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے..... آیت بالا میں اللہ کی رحمت کے وسیع ہونے کا ذکر ہے اس کی رحمت سب کو شامل ہے۔ دنیا میں جو مخلوق ایک دوسرے پر رحم کھاتی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ رحمت کا اثر ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ کی رحمت سوجھے ہے۔ اس میں سے ایک رحمت دنیا میں اتاری ہے جو جن و انس اور چوپایوں میں اور ہر پیلے جانوروں میں تقسیم فرمادی۔ اسی کے ذریعہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہوتے ہیں اور اللہ نے ننانوے رحمتوں کو قیامت کے دن کے لیے مؤخر فرمادیا ہے۔ اس دن وہ اپنی ان رحمتوں کے ذریعہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ (رواہ البخاری و مسلم کانی مشکوٰۃ ص ۲۰۷)

اللہ کی رحمت بڑی ہے دنیا میں ہر نیک و بد کو شامل ہے یہ اللہ ہی کی رحمت ہے کہ مؤمن اور کافر نیک اور بد بلکہ خدائے تعالیٰ کے منکر اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شان اقدس میں گستاخی کرتے ہیں آرام کی زندگی گزارتے ہیں، کھاتے پیتے اور پہنتے ہیں اور نعمتوں میں ڈوبے ہوئے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے رحم کرے اور جس کو چاہے عذاب دے، یہ اسکی مشیت سے متعلق ہے۔ وہ کسی پر رحم کرنے یا کسی کو عذاب دینے پر مجبور نہیں ہے یعنی اس کی رحمت ماں باپ کی مامتا کی طرح نہیں ہے کہ وہ طبعی طور پر اولاد پر رحم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

صاحب روح المعانی (ص ۷۶ ج ۹) لکھتے ہیں ای شانہا انہا واسعة کل شئی ما من مسلم ولا کافر ولا مطیع ولا عاص الا وهو منقلب فی الدنیا بعمتی..... والمشیة معتبرة فی جانب الرحمة ايضا عدم التصريح بها قيل تعظيما لامر الرحمة وقيل للإشعار بغاية الظهور اه (یعنی رحمت الہی کی شان یہ ہے کہ وہ ہر ایک کو شامل ہے خواہ کوئی مسلمان ہو یا کافر،

فرمانبردار ہو یا نافرمان البتہ دنیا میں رحمت نعمتوں کی شکل میں ہے اور رحمت کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کا اعتبار ہے اور یہاں پر اس بات کی تصریح یہ کہ رحمت الہی کی عظمت کے اظہار کے لیے ہے بعض نے کبار رحمت الہی کے بے انتہاء ظہور کی وجہ سے حرمت نہیں کی

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ

جو لوگ رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جنہیں وہ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا

وَالْإِنْجِيلَ يَلْقَاهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيُؤْتِيهِمْ مِنَ الْغُنَىٰ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ

پاتے ہیں وہ انہیں اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں۔ اور ضعیف

الْخَبِيثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۝

چیزوں کو ان پر حرام قرار دیتے ہیں، اور وہ طوق ہلاتے ہیں جو ان پر تھے۔

نبی امی ﷺ کا ذکر یہود و نصاریٰ توریت و انجیل میں پاتے ہیں

تفسیر: یہ آیت سابقہ آیت کے آخری جملہ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ سے بدل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دائمی رحمت کے مستحق متقی اور اہل ایمان ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں جو اہل ایمان تھے اور اب جو اہل ایمان ہیں ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ رحمت دائرہ لکھ دے گا، اب اہل ایمان وہ لوگ ہیں جو نبی امی آخر الانبیاء ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو لوگ ان کی رسالت اور نبوت کے منکر ہیں وہ کیسا ہی ایمان کا دعویٰ کریں اللہ کے نزدیک ان کا ایمان معتبر نہیں ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی صفات بیان فرمائیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور نبی ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ آپ امی ہیں۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول بھی ہیں اور اللہ کے نبی بھی ہیں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ رسول وہ ہے جو اللہ کی طرف سے مستقل کتاب اور شریعت لے کر آیا ہو۔ اور نبی کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے ہر پیغمبر پر ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے ساتھ کتاب یا شریعت نہ ہو۔

جس نبی کے ساتھ مستقل کتاب اور مستقل شریعت نہ تھی وہ اپنے سے سابق رسول کی کتاب اور شریعت کی تبلیغ کرتا تھا۔ یہ فرق اگر تسلیم کر لیا جائے تو بعض انبیاء کے تذکرہ میں جو رسول اور نبی ایک ساتھ فرمایا ہے اور مشہور ہے کہ وہ مستقل کتاب اور مستقل شریعت والے نہیں تھے (جیسا حضرت اسماعیل علیہ السلام) تو اس میں رسول کا اطلاق لغوی معنی کے اعتبار سے ہوگا۔ الامی اور الرسول اور النبی سے آیت بالا میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔ آپ کو الامی سے ملقب فرمایا۔ عرب کے محاورہ میں امی اسے کہتے ہیں جس نے کسی مخلوق سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو (اور آپ ﷺ نے بھی کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا)۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و قدرت سے آپ کو وہ علوم عطا فرمائے جو کسی کو نہیں دیئے۔ مخلوق میں آپ سے بڑھ کر کوئی بھی صاحب علم نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو علوم دیئے تھے ان ہی میں سے وہ سب خبریں ہیں جو آپ نے عالم کی ابتداء فریض سے لے کر جنت میں سب سے آخر تک داخل ہونے والے شخص کے داخلہ تک بتا دیں اور اہل دوزخ کے احوال بتا دیئے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے احوال اور واقعات بیان کیے جن میں سے کسی ایک کی بھی یہودی تکذیب نہ کر سکے ایسے امی پر کروڑوں اہل علم قربان اس کو فرمایا ہے۔

پتے کہ ناکردہ قرآن درست کتبچانہ چند ملت ہشت

اس سب تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ انہی ہونا آپ کی ذات گرامی کے لیے عیب کی بات نہیں بلکہ سراپا مدح اور خیر و خوبی کی چیز ہے۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی مزید صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْنُونًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ**۔ (نبی امی ﷺ کو وہ لوگ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خاص کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا آپ کے بعثت کی بشارت دینا یہود و نصاریٰ میں معروف و مشہور تھا۔ سورہ صف میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: **يَسْبِقُنِي إِسْرَآءِيلُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا لِّمَنْ يَّبْعُونِي يَأْتِيهِمْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ**۔ (اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں میں میرے سامنے جو توریت ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے) احمد و محمد دونوں رسول اللہ ﷺ کے اسماء گرامی ہیں۔

توریت شریف میں آپ ﷺ کی صفات ..... حضرت عطاء بن یسار تابعی نے بیان فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے ملاقات کی تو میں نے کہا کہ توریت میں جو رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کی گئی ہے وہ مجھے بتائیے، انہوں نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جو آپ کی صفات بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض صفات توریت شریف میں بھی ہیں۔ یعنی یہ کہ اے نبی ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا اور انہیں (یعنی عرب) کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا تو میرا بندہ ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا جو درشت خوار سخت مزاج نہیں ہے اور بازاروں میں شور مچانے والا نہیں اور جو برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا۔ لیکن معاف کرتا ہے اور بخش دیتا ہے اور اللہ اسے نہیں اٹھائے گا جب تک اس کے ذریعے کئی والی ملت کو سیدھا نہ کر دے۔ اس طرح سے کہ وہ لوگ لا الہ الا اللہ کہیں گے اور اس کے ذریعے ان کی اندھی آنکھوں کو کھول دے گا اور بہرے کا نون کو اور غلاف چڑھے ہوئے قلوب کو کھول دے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ بیان صحیح بخاری سے مشکوٰۃ المصابیح (ص ۵۱۴) میں نقل کیا ہے سنن دارمی (ص ۱۴۱) میں بھی یہ مضمون ہے۔ اس میں یوں ہے کہ حضرت عطاء بن یسار نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مذکورہ بالا مضمون کی روایت کی۔

حضرت عبداللہ بن سلام ؑ کی حق شناسی..... حضرت عبداللہ بن سلام ؑ پہلے یہودی تھے اور ان کے علماء میں سے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو دیکھتے ہی انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ چہرہ جھوٹا نہیں ہو سکتا اور آپ کی نبوت کی وہ علامات دیکھ کر جو انہیں پہلے سے معلوم تھیں آپ کو پہچان لیا اور اسلام قبول کر لیا۔ ان کے علاوہ عموماً یہودیوں نے آپ کو پہچان کر اور آپ کی نبوت کو حق جان کر ہٹ دھری پر کمر باندھ لیا اور چند افراد کے علاوہ وہ لوگ مسلمان نہ ہوئے۔ ان کی جہالت و ضلالت نے حضرت عبداللہ بن سلام ؑ کا ساتھ نہ دیا۔ یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس نبی کے ذریعہ کئی والی ملت کو سیدھا فرمائے گا۔ اس سے ملت ابراہیمی مراد ہے جسے مشرکین عرب نے بگاڑ دیا تھا۔

یہودیوں نے آپؐ کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ نبی آخر الزماں ﷺ تشریف لائیں گے اور ہم آپؐ پر ایمان لائیں گے اور آپؐ کے ساتھ مل کر مشرکین سے جنگ کریں گے۔ لیکن جب آپؐ تشریف لائے اور آپؐ کو پہچان بھی لیا کہ واقعی یہ وہی نبی ہیں ہم جن کے انتظار میں تھے تو اس کے باوجود منکر ہو گئے۔ اسی کو فرمایا: فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ۔

نصاری بھی انجیل شریف میں آنحضرت ﷺ کی علامات پڑھتے چلے آ رہے تھے انہوں نے آپ کو پہچان لیا۔ لیکن عام طور سے وہ بھی منکر ہو گئے۔ نصاریٰ نجران کے ساتھ جو مکالمہ ہوا اور آپؐ نے جو انہیں مہلبہ کی دعوت دی اور وہ مہلبہ سے مخرف ہوئے اس سے صاف ظاہر تھا وہ لوگ یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ آپؐ واقعی اللہ کے نبی ہیں ایمان نہ لائے۔

قیصر روم کا اقرار..... ہر قل (قیصر روم) نے بھی یہ مان لیا کہ آپ ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ اسکا ذکر صحیح بخاری (ص ۴۱) باب بدالوحی میں موجود ہے۔ جانتے پہچانتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار یہود و نصاریٰ دونوں قوموں نے کیا۔ دور حاضر کے نصاریٰ کی ڈھٹائی دیکھو کہ موجودہ بائبل میں (جو پہلے سے بھی محرف ہے) بھی انہوں نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں پیشین گوئی پالی تو اس کی تحریف پر اتر آئے۔

### توریت شریف کی پیشین گوئی اور اس میں بائبل شائع کرنے والوں کی تحریف

کتاب استثناء باب ۳۳ میں اس طرح پیشین گوئی موجود ہے۔ خداوند سینا خداوند تعالیٰ کے سینے سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف عطا فرمائی اور کوہ شمعرون سے طلوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا فرمائی (شعیر شام میں ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے) اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہونے کا مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا۔ (فاران مکہ معظمہ کے پہاڑ کا نام ہے) سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا، وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اس کے واسطے ہاتھ پر ان کے لیے آتشیں شریعت تھی۔ وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے۔ اور اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیری باتوں کو مانیں گے۔

چونکہ اس پیشین گوئی میں لفظ فاران موجود ہے جو مکہ مکرمہ کے پہاڑ کا نام ہے اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاران پر جلوہ گر ہونے کا تذکرہ ہے اور یہ دس ہزار وہ صحابہ ﷺ تھے جو حضرت خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ سے فتح مکہ کے موقع پر گئے تھے۔ لہذا تحریف کے بحر میں کو یہ دونوں باتیں بھاری پڑیں۔ اس لیے انہوں نے سابقہ تحریفات میں اضافہ کر دیا (جب تحریف پر ہی دین اور دیانت کی بنیاد رکھ لی تو اب آگے تحریف کرنے میں خوف خدا لاحق نہ ہوا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے) اول تو فاران کا مصداق بدلنے کی کوشش کی اور یہ کہہ دیا کہ یہ بیت المقدس کا نام ہے۔ حالانکہ قدیم و جدید جغرافیہ نویسوں میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ بیت المقدس کا نام فاران ہے۔ خود توریت سامری کے عربی ترجمہ میں لفظ فاران کے سامنے بریکٹ میں لفظ الحجاز موجود ہے (یہ ترجمہ آرکائیون نے ۱۸۵۱ء میں شائع کیا تھا) دوسری تحریف ان مجرموں نے یہ کہہ کر دس ہزار کی جگہ کسی ترجمہ میں ہزاروں لکھ دیا اور کسی میں لاکھوں لکھ دیا اور بعض ترجموں میں پورا جملہ ہی ختم کر دیا۔ بائبل کا انگریزی ترجمہ جو کنگ جیمس ورجن نے ۱۹۵۸ء میں شائع کیا تھا اس میں بھی دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آنے کا ذکر ہے۔ لیکن بعد میں تحریف کے دلیروں نے اس کو بدل کر رکھ دیا۔ تفصیلات کے لیے اظہار الحق عربی اور اس کے تراجم اور سیرت النبی ﷺ از سید سلیمان ندوی کا مطالعہ کیا جائے۔ یہود و نصاریٰ کا عجیب طرز فکر ہے وہ سمجھتے ہیں کہ تحریف کر کے جو لفظ اور معنی ہم اپنی طرف سے مقرر کر دیں گے۔ وہی روز قیامت ہمارے لیے حجت بن جائے گا اور نبی آخر الزماں ﷺ کی نبوت اور رسالت کا انکار کرنے کے لیے جو تدبیریں سوچی جائیں گی وہ بارگاہ خداوندی میں کام دیں گی اور دوزخ سے بچا دیں گی۔ یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ مسئلہ مسلمانوں کو جواب دینے کا نہیں ہے۔ آخرت میں نجات پانے کا ہے۔ یہود نے یقین کر لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

توریت شریف میں آپ کا تذکرہ پڑھتے تھے۔ آپس میں اس کا ذکر بھی کرتے تھے۔ اور جب ان میں سے کوئی شخص مسلمانوں کے سامنے اقرار ہی ہو جاتا تو اسے برا کہتے اور یوں کہتے تھے اَتَّخَذُوا نَبَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ لِيُجَاوِزَهُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ (کیا تم اس سے وہ باتیں بیان کرتے ہو جو اللہ نے تم پر کھول دیں تاکہ یہ لوگ تمہارے رب کے پاس تم پر رحمت قائم کر لیں۔

## ایک یہودی کا اپنے لڑکے کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ دینا

صحیح بخاری (ص ۱۸۱ ج ۱) میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا تو آپ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہوئے آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا (جو وہیں موجود تھا اس کا مقصد مشورہ لینا تھا) اس کے باپ نے کہا کہ ابوالقاسم کی بات مان لو لہذا اس نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ الحمد للہ الذی انقذہ من النار (سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اسے آتش دوزخ سے بچالیا)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۷)

جو یہودی عہد نبوت میں مسلمان ہو گئے تھے اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئے وہ تو توریت شریف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات اور صفات بیان کیا ہی کرتے تھے ان کے بعد علماء یہود میں سے جو لوگ مسلمان ہوئے جن کو تابعیت کا شرف نصیب ہوا وہ بھی توریت سے آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات اور صفات بیان کیا کرتے تھے۔

کعب احبار کا بیان..... کعب احبار پہلے یہودی تھے۔ پھر حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کے زمانہ میں اسلام قبول کیا وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم توریت میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں میرے برگزیدہ بندے ہیں نہ درشت خو ہیں نہ سخت مزاج ہیں وہ بازاروں میں شور مچانے والے نہیں ہیں۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے لیکن معاف کرتے ہیں اور بخش دیتے ہیں انکی پیدائش مکہ میں ہوگی اور ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ (مدینہ منورہ) ہے۔ اور ان کا ملک شام میں ہوگا۔ (ملک شام اولین وہ سرزمین ہوگی جہاں ان کے اصحاب کی حکومت ہوگی) اور ان کی امت کے لوگ خوب زیادہ حمد بیان کرنے والے ہوں گے یہ لوگ اللہ کی حمد بیان کریں گے خوشحالی میں بھی اور سختی میں بھی وہ ہر منزل میں اللہ کی تعریف کریں گے اور ہر بلندی پر اللہ کی بڑائی بیان کریں گے یہ لوگ آفتاب کی نگرانی کریں گے۔ جب نماز کا وقت ہو جائے گا نماز ادا کریں گے آدھی پنڈلیوں پر تہ بند باندھیں گے۔ وہ وضو میں اپنے اطراف یعنی ہاتھ پاؤں دھوئیں گے۔

ان کا مؤذن فضاء آسمانی میں اذان دے گا اور ان کی ایک صف قتل میں اور ایک صف نماز میں ہوگی، دونوں صفیں (اخلاص اور عزیمت میں) برابر ہوں گی۔ رات کو ان (کے ذکر) کی آواز ایسی ہوگی جیسے شہد کی مکھیوں کی جھنناٹ ہوتی ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے یہ روایت بحوالہ مصابیح السنن نقل کی ہے، پھر لکھا ہے کہ دارمی نے تھوڑی سی تغیر کے ساتھ روایت کی ہے۔

مصابیح میں یہ روایت صفحہ ۷۰ پر اور سنن دارمی میں صفحہ ۱۵۵ جلد ۱ پر موجود ہے اس کے بعد صاحب مصابیح نے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ توریت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام کی صفت بیان کی ہے (اس میں یہ بھی ہے) کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن ہو گئے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا یہ بیان سنن ترمذی میں بھی ہے۔

## بعض یہود کا اقرار کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں لیکن قتل کے ڈر سے اسلام نہیں لاتے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہودی حاضر ہوتے رہتے تھے اور بہت سی باتیں پوچھا کرتے تھے (جن کے بارے میں جانتے تھے کہ یہ نبی کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا)

اس میں اپنے سوالوں کا صحیح جواب پاتے اور بار بار ان کے یقین میں پختگی آتی جاتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر جواب ان کو چیلنج کرتا تھا لیکن حق جانتے ہوئے مانتے نہیں تھے اور قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دو یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے آیات

بینات کے بارے میں سوال کیا آپ نے جواب دے دیا تو انہوں نے آپ کے ہاتھ پاؤں چومے اور کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں میرا اتباع کرنے سے کیا چیز روکتی ہے؟ کہنے لگے کہ ہمیں خوف ہے کہ اگر ہم اتباع کر لیں تو ہمیں یہودی قتل کر دیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۷) (یہ جان اور مال کا خوف انہیں اسلام قبول کرنے سے باز رکھتا تھا) جن یہودیوں نے آپ کو آزمایا اور آپ کی نشانیوں کو دیکھا اور دنیوی مفاد کو ٹھوکر ماری انہوں نے اسلام قبول کر لیا لیکن یہ معدود چند ہی تھے۔

ایک یہودی کا آپ ﷺ کو آزمانا پھر مسلمان ہونا..... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی عالم کے چند دینار آنحضرت ﷺ پر قرض تھے وہ تقاضے کے لئے آیا آپ نے فرمایا کہ اے یہودی میرے پاس اس وقت انتظام نہیں ہے جو تیرا قرض ادا کروں اس پر اس یہودی نے کہا کہ اے محمد میں آپ (ﷺ) سے جدا نہ ہوں گا جب تک میرا قرض ادا نہ کریں، آپ ﷺ نے فرمایا تو میں بھی تیرے ساتھ بیٹھا رہوں گا، آپ ﷺ اس کے ساتھ بیٹھے رہے اور اسی دوران آپ ﷺ نے ظہر سے لے کر سب نمازیں ادا کر لیں۔ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اسے دھمکی دیتے تھے اور ڈراتے تھے آپ نے محسوس فرمایا اور استغناء انکاری کے طریقہ پر فرمایا کہ تم کیا کرتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک یہودی نے آپ ﷺ کو روک رکھا ہے (جو ہم سے نہیں دیکھا جاتا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کسی معاہدہ (فی یا مستامن) پر ظلم کروں۔ دوسرے دن جب دن چڑھ گیا تو اس یہودی نے کہا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اور ساتھ یہ بھی کہ میں اپنا آدھا مال اللہ کی راہ میں دیتا ہوں اور میں نے جو کچھ کیا اسی لئے کیا کہ میں آپ ﷺ کو ان اوصاف کے موافق دیکھ لوں جو توریت میں بیان کئے گئے ہیں۔ توریت میں ہے کہ محمد بن عبد اللہ کی پیدائش مکہ میں ہوگی اور ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ ہے اور ان کا ملک شام ہوگا۔ وہ ورثت خواہ رخت مزاج نہیں ہوں گے اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہوں گے وہ فحش کلام کو اختیار نہ کریں گے اور برے الفاظ سے بچیں گے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ میرا یہ مال ہے آپ ﷺ اس میں جس طرح چاہیں حکم فرمائیں۔ (رواہ البیہقی فی دلائل النبۃ کافی المشکوٰۃ صفحہ ۵۲)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا عجیب واقعہ..... حضرت سلمان فارسی بھی جانچ پڑتال کے بعد مسلمان ہوئے یہ فارس کے رہنے والے تھے ان کا گھرانہ مشرک تھا ان کا باپ انہیں کھیت کیاری دیکھنے کے لیے بھیجا کرتا تھا۔ مشغلہ کاشت کاری اور زمینداری تھا۔ مذہباً آتش پرست تھا۔ اس کا نام بودخشان بن مورسلان تھا اور اپنے گاؤں کا چودھری تھا۔ حضرت سلمان اس کو سب سے زیادہ پیارے تھے حتیٰ کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر میں رکھتا تھا اور قدم باہر نہ نکالنے دیتا تھا۔ حضرت سلمان کی پیدائش ہوئی تو ان کا نام مابہ رکھا اور ہوش سنبھالنے پر ان کو بھی آتش پرستی پر لگادیا۔ یہاں تک کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ آتش کدہ کی خدمت میں انہماک سے لگے کہ ہر وقت آگ روشن رکھتے تھے اور آتش کدہ کے پجاری اور مندر کے گکراں بن گئے تھے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ اس طرح بیان کرتے تھے کہ ایک روز میرا باپ مکان بنوانے میں مشغول ہو گیا اور فرصت نہ ہونے کی وجہ سے مجھے کاشت کی خبر لینے کے لئے بھیج دیا اور ساتھ ہی جلد آنے کی بھی وصیت کر دی اور یہ بھی کہا کہ اگر تو نے واپس ہونے میں دیر کی تو تیری جدائی کی فکر میرے لئے سارے فکروں سے بڑھ جائے گی۔ والد کے کہنے پر میں گھر سے نکلا، راستہ میں عیسائیوں کے گر جا گھر پر میرا گزر ہوا اور اس کو دیکھنے کے لئے اندر چلا گیا۔ وہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھ کی نماز پسند آگئی اور میں



کہا کہ ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے میں نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارے دین کا مرکز کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ملک شام میں ہے، میں شام تک وہیں رہا اور سورج چھپنے پر گھر واپس آیا تو باپ نے سوال کیا، اب تک کہاں تھا؟ میں نے باپ کو اپنا پورا حال سنا دیا اور یہ بتا دیا کہ مجھے نصاریٰ کا دین پسند ہے اور ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ باپ نے کہا بیٹا! یہ تم نے غلط سمجھا، ان کا دین ٹھیک نہیں ہے۔ سچا دین وہی ہے جو تیرا اور تیرے باپ دادوں کا دین ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔

جب باپ نے میری گفتگو سنی تو اسے کھٹکا ہوا اور اس ڈر سے کہ کہیں میں ان سے نہ جا ملوں..... مجھے گھر میں بند کر دیا اور پاؤں میں بیڑی ڈال دی۔ میں نے اس قید و بند کی حالت میں عیسائیوں کو خبر بھیج دی کہ جب شام سے سودا گراؤں تو مجھے خبر کر دینا میں ان کے ساتھ تمہارے دین کے مرکز میں پہنچ جاؤں گا۔ چنانچہ کچھ دن کے بعد کچھ شامی تاجر آگئے انہوں نے مجھے خبر کر دی، جب وہ تاجر واپس جانے لگے تو میں نے بیڑیاں کاٹ ڈالیں اور ان کے ساتھ ہو گیا۔ جب میں ان کے ساتھ شام پہنچ گیا تو وہاں کے لوگوں سے کہا کہ بتاؤ تمہارے یہاں عیسائیوں میں سب سے افضل کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ گر جا میں جاؤ، وہاں کا جو پایا اے اعظم ہے وہی سب سے افضل ہے۔ میں گر جا گھر میں جا پہنچا اور اس سے کہا میں تمہارے دین کو پسند کر چکا ہوں، اور چاہتا ہوں کہ تمہاری خدمت میں رہوں اور تعلیم حاصل کروں۔ اس نے کہا بہتر ہے رہنے لگو۔ میں اس کے ساتھ رہنے لگا اور جتے رہتے اس کے کچے چھتے سے خوب واقف ہو گیا۔ یوں تو بڑا بزرگ بنا ہوا تھا۔ مگر تھا بڑا خراب آدمی لوگوں کو صدقہ خیرات کا حکم دیتا اور جب اس کے کہنے سے لوگ صدقات و خیرات لے کر آتے تو ان سب کو اپنے پاس جمع کر لیتا اور مسکینوں کو کچھ بھی نہ دیتا، جب مر گیا تو اس کے معتقد فن کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ میں نے ان سے کہا کہ (اسے فن نہ کرو) یہ تو بڑا خراب آدمی تھا تمہیں صدقہ کرنے کا حکم دیتا تھا اور جب تم اس کے پاس صدقات و خیرات کی رقم جمع کر دیتے تھے تو نہ کسی فقیر کو دیتا نہ کسی مسکین کو، بلکہ اپنے ہی خزانہ میں بھر دیتا تھا لوگوں نے کہا تمہیں کیا پتہ؟ میں نے کہا آؤ تمہیں اس کا خزانہ بتا دوں! یہ سن کر وہ میرے ساتھ ہو لئے، میں نے ان کو اس کا خزانہ دکھایا تو انہوں نے سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے سات منکے رکھے دیکھے۔ منکے دیکھ کر ان کو میری بات کا یقین آ گیا تو بڑے برہم ہوئے اور ان کے دلوں میں اس پادری کی ذرا بھی وقعت نہ رہی اور کہنے لگے کہ خدا کی قسم ہم اسے ہرگز فن نہ کریں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس کی نقش کو سولی پر چڑھا کر پتھر مارتے مارتے چور بنادیا۔

اس کے بعد وہ لوگ اس کی جگہ دوسرے شخص کو لائے جسے انہوں نے گر جا کا پادری بنادیا یہ دوسرا شخص اس پہلے شخص سے بہت افضل تھا اور دنیا سے بہت بے رغبت تھا مجھے اس سے محبت ہو گئی اور ایک عرصہ تک اس کے ساتھ گر جا میں رہا۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو میں نے اس سے کہا کہ اب آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں اور کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ میرے علم میں اب کوئی شخص اصل دین مسیح پر نہیں ہے سوائے فلاں صاحب کے جو شہر موصل میں رہتے ہیں تم ان ہی کے پاس چلے جاؤ، چنانچہ میں موصل پہنچا اور اس شخص کو تلاش کیا جس کا نام اور پتہ مجھے بتایا گیا تھا جب اس سے ملاقات ہو گئی تو میں نے اس کو اپنا قصہ سنایا اور ساتھ رکھ لینے کی درخواست کی اس نے درخواست منظور کر لی اور میں اس کے ساتھ رہنے لگا۔ یہ بھی اچھا آدمی تھا۔ جب اس کی موت آ پہنچی تو میں نے کہا کہ آپ کا میرے متعلق کیا ارشاد ہے؟ بتائیے اب کس کے پاس جاؤں؟ اس نے کہا کہ شہر نصیبین میں فلاں شخص کے پاس چلے جاؤ میں نے نصیبین کا سفر کیا اور اس شخص کو ڈھونڈ لیا جس کے پاس بھیجا گیا تھا اس کو میں نے اپنا قصہ سنایا اور ساتھ رکھ لینے کی درخواست کی۔ اس نے مجھے ساتھ رکھ لیا۔ یہ بھی اچھا آدمی تھا مگر دنیا والی زندگی ہمیشہ کے لئے کسی کو بھی نہیں ملی۔ وہ شخص بھی مرنے لگا تو میں نے کہا اب

میرے لئے کیا ارشاد ہے؟ بتائیے اب کہاں جاؤں؟ اس نے جواب دیا کہ اب تم غمور یا میں فلاں شخص کے پاس چلے جاؤ چنانچہ میں اس کے پاس پہنچا اور ساتھ رہنے کی درخواست کی اس نے مجھے اپنے ساتھ رکھ لیا، یہ بھی اچھا آدمی تھا۔ غمور یا کے دوران قیام میں نے کمانے کا دھندہ کر لیا اور میرے پاس گائے اور بکریاں بھی جمع ہو گئیں۔ جب اس غمور یا والے پادری کو موت نے آگھیرا تو میں نے اس سے کہا بتائیے میں اب کہاں جاؤں؟ اس پر اس نے جواب دیا کہ اے بیٹا! اللہ کی قسم اب میرے علم میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ہمارے دین پر پوری طرح پابند ہو اب تمہیں کس کے پاس بھیجوں؟ بس اب تم نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتظار کرو ان کے تشریف لانے کا زمانہ قریب ہے۔ وہ دین ابراہیم لے کر آئیں گے۔ عرب سے ظاہر ہوں گے وہ ایسے شہر کو ہجرت کریں گے جس کے دونوں طرف کنکریلی زمین ہوگی اور جہاں کھجوروں کے باغ ہوں گے۔ ان کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہدیہ کھائیں گے اور صدقہ نہ کھائیں گے اور یہ نشانی بھی ہے کہ ان کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اب اگر تم سے ہو سکے تو عرب چلے جاؤ، یہ کہہ کر یہ پادری بھی دنیا سے سدھارا۔ میں عرب پہنچنے کی تدبیر سوچنے میں لگا رہا تھی کہ قبیلہ بنی کلب کے کچھ لوگ غمور یا پہنچ گئے جو عرب سے تجارت کے لئے آئے تھے ان سے میں نے کہا کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ مجھے اپنے ساتھ عرب لے چلو اور اس احسان کے بدلہ میں یہ بکریاں اور گائیں لے لو، اس بات کو انہوں نے منظور کر لیا اور مجھے ساتھ لے کر چل دیئے۔ میں نے اپنی بکریاں اور گائیں ان کو دے دیں، وہ مجھے وادی القری لے گئے (جو عرب ہی کا علاقہ ہے) مگر انہوں نے میرے ساتھ غدار کی اور مجھے اپنا غلام ظاہر کر کے فروخت کر دیا، جس شخص کے ہاتھ مجھے بیچا تھا اس نے مجھے مدینہ کے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جو قبیلہ بنی قریظہ میں سے تھا، وہ مجھے مدینہ لے گیا مدینہ کو دیکھتے ہی میں سمجھ گیا کہ بس یہی وہ شہر ہے جہاں میری اصل مراد حاصل ہوگی۔ کیونکہ یہاں کھجوروں کے باغ بھی ہیں اور شہر کے دونوں طرف کنکریلی زمین بھی ہے۔

میں مدینہ میں اپنے آقا کے کام میں لگا رہا اور اسی اثناء میں سید عالم ﷺ کہہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے۔ ایک روز میں ایک درخت پر اپنے آقا کے باغ میں کام کر رہا تھا کہ اس کا چچا زاد بھائی آیا اور کہنے لگا کہ خدائی قبیلہ کو غارت کرے (بنی قبیلہ سے انصار مراد ہیں) ابھی ابھی میں ان کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ ایک شخص کے ارد گرد جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے اور اپنے کو نبی بتاتا ہے۔ یہ سنتے ہی مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور بے ہوشی کا سا عالم ہو گیا۔ حتیٰ کہ میں درخت سے گرنے کے قریب ہو گیا۔ بڑی غلٹ کے ساتھ میں درخت سے اتر کر اپنے آقا کے پاس جا کھڑا ہوا اور اس سے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ اس نے میرے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور کہنے لگا چل تو اپنا کام کر تجھے ان باتوں سے کیا غرض؟ چنانچہ میں واپس ہوا اور اپنے کام میں لگ گیا، میرے دل میں بے چینی اور بیقراری تھی جس نے مجھے مجبور کر دیا کہ صبح جو بات سنی تھی اس کی حقیقت معلوم کروں اور جس شخص کو میرے آقا کے چچا زاد بھائی نے مدعی نبوت بتایا ہے اس کو چل کر دیکھوں اور اس کی نبوت کو ان نشانیوں کے ذریعہ جانچوں جو غمور یا والے پادری نے بتائی تھیں چنانچہ جب شام ہو گئی اور مجھے کام سے فرصت ملی تو میں ایک خان میں تازہ کھجوریں لے کر سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ قبا میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے عرض کیا یہ صدقہ ہے جو آپ اور آپ کے ساتھیوں کے لئے لایا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا میرے سامنے سے اٹھا لو کیونکہ ہم (یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) صدقہ نہیں کھاتے۔ یہ فرما کر آپ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا (جن کے لئے صدقہ حلال تھا) کہ تم کھا لو چنانچہ صحابہؓ نے کھالیا اور آپ ہاتھ روکے ہوئے بیٹھے رہے۔ یہ ماجرا دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک نشانی تو میں نے دیکھ لی اس کے بعد میں چلا گیا اور پھر موقع پا کر کچھ کھجوریں جمع کر کے لایا اس وقت آپ قبا سے روانہ ہو کر مدینہ شہر میں تشریف لے جا چکے تھے میں نے عرض کیا یہ ہدیہ ہے جو آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، یہ سن کر آپ نے اس میں سے کھالیا میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دوسری نشانی

ہے۔ اب میں نے خاتم النبۃ کے دیکھنے کا ارادہ کیا تو تیسری بار پھر حاضر خدمت ہوا اس وقت آپؐ بقیع میں تشریف رکھتے تھے اور آپؐ کے ساتھ صحابہؓ بھی تھے میں نے آپؐ کو سلام کیا اور خاتم النبۃ کے دیکھنے کے لئے گھوم کر آپؐ کے پیچھے پہنچ گیا، جب آپؐ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا دیکھا تو میرا مقصد سمجھ لیا اور غوغا مچا دی اور اپنی مبارک چادر اٹھا کر مجھے خاتم النبۃ دکھلا دی میں اس پر جھک گیا اور اسے چومنا شروع کر دیا اور (چونکہ نشانیاں دیکھ کر آپؐ کی نبوت کا یقین ہو گیا اور اپنی مراد پالی تو فرط خوشی میں) رہنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا سامنے آؤ میں سامنے آیا اور اپنا پورا قصہ سنایا تو آپؐ کو ایسا عجیب معلوم ہوا کہ صحابہؓ کو بھی سنوایا۔

اس کے بعد میں غلامی کے مشغلوں میں پھنسا رہا۔ حتیٰ کہ جنگ بدر میں بھی شریک نہ ہو سکا۔ (اس دوران میں بارگاہ رسالت میں آتا جاتا رہا) ایک روز آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم اپنے آقا سے کتابت کراؤ (یعنی اس سے اپنی جان کو خرید لو) چنانچہ میں نے اس کی کوشش شروع کر دی اور اپنے آقا سے یہ معاملہ کر لیا کہ جب میں کھجور کے ۳۰۰ درخت لگا دوں اور ان کی پرورش کروں حتیٰ کہ ان میں کھجوریں آجائیں جو کھانے کے قابل ہو جائیں اور اس کے ساتھ چالیس اوقیہ سونا بھی لگا دوں تو میں آزاد ہو جاؤں گا۔ (ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا) معاملہ کر کے سید عالمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو۔ چنانچہ صحابہؓ نے ۳۰۰ درخت چندو کر کے میرے لئے جمع کر دیئے، جب پودے جمع ہو گئے تو سید عالمؐ نے فرمایا کہ تمہارے درخت ہم لگانے لگے تم ایک پودا بھی مت لگانا۔ لہذا میں نے ۳۰۰ کیاریاں بنادیں اور آپؐ میرے ساتھ اس یہودی کے باغ میں تشریف لے گئے اور ان کیاریوں میں پودے لگا دیئے۔ ہم آپؐ کو پودے دیتے جاتے تھے اور آپؐ اپنے دست مبارک سے کیاریوں میں دھر دھر کرکھ کر مٹی بھرتے جاتے تھے۔ آپؐ نے جتنے بھی درخت لگائے تھے (جو ۲۹۹ تھے) ان میں سے ایک بھی خراب نہ ہوا اور مزید براں آپؐ کا معجزہ دیکھنے میں آیا کہ اسی سال سب درخت پھل لے آئے، مگر ایک درخت نہ پھلا جسے حضرت عمرؓ نے لگا دیا تھا۔ آپؐ نے اسے اکھاڑ کر دوبارہ اپنے دست مبارک سے لگا دیا۔ آپؐ کا دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ وہ درخت بھی اسی سال پھل لے آیا۔

یہ تو درختوں کا معاملہ ہوا۔ اس کے بعد سونے کی اینٹیں کی مشکل اس طرح حل ہوئی کہ رسولؐ کی خدمت میں ایک کان میں سے تھوڑا سا سونا لایا گیا۔ جو مرغی کے انڈے کے برابر تھا۔ اسے لے کر آپؐ نے فرمایا کہ وہ فارسی غلام کہاں ہے جس نے اپنے آقا سے کتابت کی ہے؟ بلاؤ اسے چنانچہ میں بلایا گیا، جب میں حاضر خدمت ہوا تو آپؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ! جتنا سونا مجھ پر واجب ہے اس کے سامنے اس ڈلی کی کیا حقیقت ہے۔ اس میں اتنا وزن کہاں؟ آپؐ نے فرمایا یقین رکھو۔ اللہ اس سے تمہیں سبکدوش کر دے گا، چنانچہ میں اسے لے کر اپنے آقا کے پاس پہنچا اور اس ڈلی کو ٹکولایا تو اسی سے چالیس اوقیہ سونا ہوا گیا اور مجھے آزادی مل گئی، اب میں آزاد ہو گیا تو اسلام کے کاموں میں حصہ لینے لگا اور آزادی کے بعد سب سے پہلا جو معرکہ پیش آیا یعنی غزوہ خندق اس میں شریک ہوا اسکے بعد رسولؐ کے ساتھ برابر ہر غزوہ میں شریک رہا۔ غزوہ خندق میں خندق بھی انہیں کے مشورہ سے کھودی گئی تھی (از جمع التوائہ و شائلہ الترمذی و طبقات بن سعد ۱۲)۔

اللہ رب العزت جس کو ہدایت سے نوازتے ہیں ہر حال میں اور فضا میں نوازتے ہیں، خدا کی شان حضرت سلمانؓ کو کیا تو آگ کے پجاری تھے اور کیا کپکے موجد اور نبی آخر الزماںؐ کے اونچے درجہ کے صحابی بن گئے۔ ٹھو کریں بہت کھائیں مگر اللہ کے پیارے بن گئے اور صحابہؓ میں ان کو ممتاز درجہ نصیب ہوا۔ آج تک ان کو امت کی طرف سے کروڑوں مرتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعائیں پہنچ چکی ہیں اور خدا ہی جانے کہ قیامت تک کتنی پہنچیں گی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ غلامی کے زمانہ میں وہیں سے کچھ اوپر آقاؤں کے مملوک بن کر رہے اور ہدایت کی طلب اور تلاش میں یہ سب مصیبت اور تکلیف برداشت کرتے رہے بالآخر اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ظل عافیت میں پہنچائی دیا۔ مجموعی طور پر ان سب واقعات اور حالات سے معلوم ہوا کہ یہ وہ نصاریٰ دونوں قومیں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی منتظر تھیں اور آپ کی علامات اور نشانیاں ان لوگوں میں معروف و مشہور تھیں۔

موجودہ انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئی ..... بہت سی تحریفات و تغیرات کے باوجود اب بھی انجیل یوحنا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بعض بشارتیں موجود ہیں۔ باب ۱۴ میں ہے کہ "میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن وہ مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ سب تمہیں یاد دلانے گا۔"

پھر باب ۱۶ میں ہے لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آنے گا۔ لیکن اگر میں جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ (پھر چند سطر کے بعد ہے) لیکن جب وہ روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کے راہ دکھائے گا۔ اس لئے وہ اپنی طرف سے کچھ کہے گا جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگا۔

(پھر چند سطر کے بعد ان کے رفع الی السماء کی پیشین گوئی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں)

"اور پھر تھوڑی دیر میں مجھے دیکھ لو گے اور یہ اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں۔"

(یہ نیل رَفَعَهُ اللہُ الْبَلَدِہ کی طرف اشارہ ہے)

(پھر چند سطر کے بعد دنیا میں تشریف لانے کا ذکر ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: میں نے تم سے یہ باتیں اس لئے کہیں کہ تم مجھ پر اطمینان پاؤ، دنیا میں مصلحتیں اٹھاتے ہو لیکن خاطر جمع رکھو، میں دنیا پر غالب آیا ہوں) (تم نے یہ حوالے لائے انہوں نے یہی کہہ کر اور شائع کردہ انجیل سے نقل کئے ہیں جو عہد نامہ جدید کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا پبلشر نیلسن فورڈ ۱۸۱۵ء میں ایونیووائیٹن (امریکہ) ہے، یہ ایڈیشن ۱۹۷۵ء میں شائع کیا گیا ہے۔)

چونکہ عہد قدیم اور عہد جدید سب انہیں لوگوں کے مرتب کئے ہوئے ہیں۔ اس لئے تحریف کرتے رہتے ہیں اور ترجموں میں بھی اختلاف ہوتا رہتا ہے اور اصل کتاب پاس نہیں جس سے میلان کیا جائے۔ اس لئے تحریف کرنے میں آزاد ہیں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جو یہ منسوب کیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا باپ کہہ کر پکارا اور اسی عنوان سے ذکر کیا۔ یہ سب باتیں ان کے اپنے تراشیدہ عقیدہ تثلیث اور تکفیر کا نتیجہ ہیں۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں۔ تم مجھے دوسرا معبود مانو (العیاذ باللہ) انہوں نے تو یہ فرمایا تھا۔

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ

(اباشہ اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے)

ہم نے جو بائبل سے عبارتیں نقل کی ہیں ان پر حجت قائم کرنے کے لئے لکھ دی ہیں، کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ہم نے ان کی تحریف کردہ کتاب کی تصدیق کر دی۔ ہاں ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو کتاب ہے تحریفات سے پر ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اوصاف میں سے ہیں..... نبی امی ﷺ کی دوسری صفت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: بِأَمْرِهِمْ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيِهِمْ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (وہ اچھائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں) رسول ﷺ نے اس فریضہ کو بھی پوری طرح انجام دیا اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء علماء صلحاء مبلغ و داعی حضرات نے تحریر و تقریر سے اور بڑی بڑی محنتیں کر کے اسفار کی مشقتیں اٹھا کر اس فریضہ کی ادائیگی میں آپ کی نیابت کی ذمہ داری کو پورا کیا۔ احادیث شریفہ کا مطالعہ کیا جائے تو معروف اور منکر کی تفصیلات پوری طرح معلوم ہو جائیں معرفات پر عمل کرنے کے فضائل اور اجر ثواب اور منکرات کی وعیدیں اور برے کاموں کی سزاؤں کی تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

منکرات کی تفصیل کسی قدر ہم نے آیت کریمہ اِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ كَذَلِيلٍ مِّنْ لَّكُم دُورٌ۔

رسول ﷺ محفل طہیبات اور محرم خباثت ہیں..... آنحضرت ﷺ کی تیسری صفت یوں بیان فرمائی: يُسْحَلُّ لَهُمُ الطَّيِّبُ وَ يُحْرَمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثُ۔

(کہ نبی ای ﷺ ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں) اس میں اجمالی طور پر حلال و حرام چیزوں کو بیان فرمادیا۔ پاکیزہ چیزیں شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والحقہ میں حلال ہیں اور خبیث و گندی چیزیں حرام ان کی تفصیلات بہت ہیں، جس شخص کا ذوق صحیح ہو وہ طبعی طور پر ان چیزوں کو پاکیزہ سمجھتا ہے جو حلال قرار دی گئی ہیں اور ان چیزوں کو گندی اور خبیث سمجھتا ہے جو شریعت اسلامیہ میں حرام قرار دی گئی ہیں۔ لہٰذا ہم کی ضمیر بنی اسرائیل کی طرف راجع ہے اس میں بتایا کہ بعض پاکیزہ چیزیں جو ان کی شریعت میں حرام تھیں (جن کا بیان سورہ مائدہ کی آیت) فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ، اور سورہ انعام کی آیت وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ۔ میں فرمادیا) ان کے لئے حلال ہو جائیں گی اسلام قبول کر لیں تو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اختیار کرنے کی وجہ سے ان پاکیزہ چیزوں کو بھی استعمال کر لیں گے جو ان کی شریعت میں حرام قرار دے دی گئی تھیں۔ نبی ای ﷺ کا اتباع کرنے سے جہاں راہ ہدایت پر آنا نصیب ہو گیا وہاں پاکیزہ چیزوں کے استعمال سے بھی بہرہ ور ہوں گے۔ شریعت اسلامیہ میں جن جانوروں کا کھانا حلال بتلایا ہے سب جانتے ہیں کہ وہ پاکیزہ چیزیں ہیں پھر ان میں یہ شرط لگا دی ہے کہ اللہ کا نام لے کر ذبح کئے گئے ہوں۔ خون نکل گیا ہو، جانور اپنی موت نہ مرا ہو۔ یہ سب شرطیں اسی لئے لگائی گئی ہیں کہ پاکیزہ چیز کھائیں۔ خنزیر، مردہ جانور، خون، شراب اور ان جانوروں کو حرام قرار دیا گیا ہے جو غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کئے گئے ہوں کیونکہ یہ سب خبیث اور ناپاک ہیں نیز وہ جانور جو درندے ہیں ان کے کھانے سے بھی منع فرمایا جیسے شیر، چیتا، کتا، بلی، شکر، بھیریا کیونکہ ان کے کھانے سے انسانوں میں درندگی کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

یاد رہے کہ یہاں ان لوگوں کا ذکر نہیں جن کی طبیعتیں اصل انسانی فطری طبائع کو چھوڑ چکی ہیں اور وہ ابلا بلا ہر چیز کھاتے ہیں اور کوئی بھی چیز ان کے نزدیک خبیث نہیں ہے۔ جیسے چائے کے لوگ کہ وہ کسی بھی چیز کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

منکرین حدیث کی تردید..... دور حاضر میں انکار حدیث کا فتنہ بھی اٹھا ہوا ہے یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی وہ حیثیت ماننے کو تیار نہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دی ہے، اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو حلال قرار دینے والا اور حرام قرار دینے والا بتایا ہے اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو یہ عہدہ دیا کہ آپ کی زبان مبارک سے جس چیز کی حلت کا اعلان ہو گیا وہ حلال اور جس کو آپ نے حرام فرمایا وہ حرام ہے۔ لیکن منکرین حدیث کو یہ گوارا نہیں۔ ان کو خداوند قدوس پر یہ اعتراض ہے کہ رسول ﷺ کو صرف چھٹی رساں (ڈاکیہ) کا عہدہ کیوں نہیں دیا؟ اس سے

بڑھ کر اس کی حیثیت کیوں بڑھائی؟ آپ کے ذمہ قرآن کی تفہیم و تشریح کیوں کی؟ آپ کو تحریم و تحلیل کا اختیار کیوں دیا گیا؟ یہ ہیں اپنے خیال میں قرآن کے ماننے اور جاننے والے اللہ تعالیٰ ان اُلمحدوں کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ فرمائے۔

رسول ﷺ کے دین میں وہ احکام نہیں جو بوجہ ہوں..... سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی چوتھی صفت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَيُضَعُّ عَنْهُمْ أَصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔

(کہ وہ ان سے یعنی اہل کتاب سے وہ احکام ہٹاتے ہیں جو ان کے لئے بوجہ تھے اور طوق بنے ہوئے تھے۔ چونکہ آپ آخر الانبیاء ہیں ﷺ) اس لئے سابقہ تمام شریعتیں آپ کے تشریف لانے پر منسوخ ہو گئیں۔ جو بھی کوئی شخص آپ کے دین کو قبول کرے گا وہ ان سب سبوتوں اور آسانوں سے منفع ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری شریعت میں اپنے آخری نبی کے ذریعہ آخرالام کے لئے بھیجی ہیں اور اس امت کو تلقین فرمائی ہے کہ یوں دعا کریں رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَيَّ الْبَاقِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے دعا قبول فرمائی اور آسان شریعت عطا فرمادی۔ یہودیوں کے لئے جو سخت احکام مقرر فرمائے گئے تھے وہ اس شریعت میں نہیں ہیں اور نصاریٰ نے رہبانیت اختیار کر لی تھی جنگلوں میں رہتے تھے اپنے نفوس کو تکلیف دیتے تھے کھانے پینے میں عمدہ چیزوں سے بچتے تھے وہ سب ہماری شریعت میں نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے نفوس پر سختی نہ کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی فرمائے گا۔ کیونکہ کچھ لوگوں نے اپنے نفوس پر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی فرمائی۔ یہ ان لوگوں کی بقایا ہیں جو نصاریٰ کے گرجا گھروں میں اور یہودیوں کے عبادت خانوں میں باقی رہ گئے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۱۳۱ ابوداؤد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں یہودیت اور نصرانیت دے کر نہیں بھیجا گیا ہوں۔ لیکن میں ایسا دین دے کر بھیجا گیا ہوں جو گمراہی سے ہٹا ہوا ہے اور اس پر عمل کرنا آسان ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۳۲ ج ۱۲ بخاری۔)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ الْيُسْرُ (کہ دین آسان ہے) اس کے احکام پر ہر شخص چل سکتا ہے اس میں معذوروں کی رعایت رکھی گئی ہے اور کوئی ایسا حکم نہیں جو طاقت سے باہر ہو، اسی آسانی کی وجہ سے عبادت میں مشقت اٹھانا جو برداشت نہ ہو مثلاً راتوں رات عبادت کرنا یا روزانہ روزہ رکھنا اس سے منع فرمایا۔

تین صحابیوں کا ایک واقعہ..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین شخص رسول ﷺ کی بیویوں کے پاس حاضر ہوئے یہ لوگ آنحضرت سرور عالم ﷺ کی عبادت کا خانگی حال دریافت کر رہے تھے جب انہیں بتا دیا گیا تو انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہنے لگے کہ ہم کہاں اور رسول اللہ ﷺ کہاں؟ آپ کو تو اللہ نے سب کچھ بخش دیا (ہمیں تو زیادہ محنت کی ضرورت ہے) لہذا ان میں سے ایک نے کہا کہ میں تو ہمیشہ راتوں رات نماز پڑھوں گا اور دوسرے نے کہا کہ میں روزانہ روزہ رکھوں گا اور تیسرے نے کہا میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا کبھی بھی نکاح نہیں کروں گا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ جو جنہوں نے ایسا ایسا کہا، خبردار! اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور سب سے بڑھ کر پرہیزگار ہوں..... لیکن میں (نفل) روزے رکھتا ہوں اور بے روزہ بھی ہوتا ہوں اور (رات کو) نماز پڑھتا ہوں سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں سو جس شخص نے میرے طریقہ سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔ (رواہ البخاری)

حضرت عثمان بن مظعون ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں خفی ہونے کی اجازت دے دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں ہے جو کسی کو خفی کرے یا خود خفی ہو، میری امت کا خفی ہونا (یعنی نکاح نہ کر سکنے کی مجبوری میں شہوت کو دبانا) یہ ہے کہ روزے رکھے جائیں۔ عرض کیا ہمیں سیر و سیاحت کی اجازت دیجئے، فرمایا میری امت کی سیاحت فی سبیل اللہ جہاد کرنا ہے۔ عرض کیا ہمیں رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دیجئے۔ فرمایا میری امت کی رہبانیت یہ ہے کہ نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھے رہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۶۹)

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۖ أُولَٰئِكَ

سہ جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور ان کی تکریم کی اور ان کی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ اتارا گیا یہیں

هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۷۰﴾

لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی توقیر اور اتباع کرنے والے کامیاب ہیں

پہلے تو نبی امی ﷺ کے اوصاف بیان فرمائے کہ وہ نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور منکرات سے روکتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں اور پہلے لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں اس کے بعد یہ فرمایا کہ جو لوگ نبی عربی ﷺ پر ایمان لائے اور ان کی تکریم کی اور ان کی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا یہ لوگ پوری طرح فلاح پانے والے ہیں۔ جب شرائع سابقہ منسوخ ہو گئیں اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت و رسالت ختم کر دی گئی تو اب فلاح اور نجات اور ہر طرح کی کامیابی کا واسطہ آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے کوئی شخص کیسا ہی عبادت گزار ہو، ریاضت کرتا ہو، تارک دنیا ہو، واللہ تعالیٰ کے ذکر میں لگا رہتا ہو، بارگاہ الہی میں مقبول بندہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ حضرت خاتم النبیین سیدنا محمد ﷺ پر ایمان نہ لائے۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ خاتم النبیین ﷺ کا دامن تھامے بغیر اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بن جائے اور آخرت کی نعمتیں مل جائیں تو اس کا یہ خیال باطل ہے۔ ایسا شخص دوزخی ہوگا۔

آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نِعِشْتُ اِلَى الْاُخْمَرِ وَالْاَسْوَدِ (رہا احمد فی سند صفحہ ۱۳۵ جلد ۵) (کہ میں ہر گورے اور ہر کالے کی طرف بھیجا گیا ہوں) پس جب خالق کائنات جل مجدہ نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بنا دیا اور آپ پر ایمان لانے کو نجات کی شرط قرار دے دیا تو تمام انسانوں پر فرض ہے کہ آپ پر ایمان لائیں۔ جب کوئی شخص آپ پر ایمان لے آئے آپ کو اللہ کا رسول مان لے تو عقلاً و ظہراً اس کے ذمہ یہ بات فرض ہو گئی کہ آپ کی تعظیم و تکریم بھی کرے اور آپ کی مدد بھی کرے اور آپ کی الائی ہوئی کتاب یعنی قرآن مجید کا اتباع بھی کرے۔ جو شخص ان اوصاف سے متصف ہوگا وہ پوری طرح کامیاب ہوگا۔

رسول ﷺ سے محبت اور آپ کی تعظیم و تکریم کے مظاہرے ..... عقلی بطور پر آنحضرت سرور عالم ﷺ سے بھرپور محبت کرنا آپ کا اسم گرامی ادب سے لینا، آپ کے احکام کو خوش دلی سے قبول کر کے عمل پیرا ہونا اور آپ کے ساتھ بات کرنے میں ادب کے ساتھ پیش آنا یہ تعزیر و توقیر اور تعظیم و تکریم میں داخل ہے۔ بہت سے لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی محبت ہمارے دل میں ہے لیکن انہیں آپ کی صورت، بارک اور آپ کے لباس سے عملاً نفرت ہے۔ نصرائیوں کی صورت اور ان کا لباس اختیار کرتے ہیں اور دعویٰ

یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور محبت والے میں ان لوگوں کا دعویٰ سراسر غلط ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَتَىٰ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝

(تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اس کی اولاد اور سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں) (رواہ فی شرح السنۃ)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جَنَّتْ بِهِ۔

(تم میں کوئی شخص مؤمن نہ ہوگا جب تک کہ اس کی خواہش اس کے مطابق نہ ہو جائے جس کو میں نے لے کر آیا ہوں)۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

جب رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف رکھتے تھے اس وقت مجلس میں بیٹھنے اور بات کرنے میں حاضرین کو ادب اور تعظیم کا لحاظ رکھنا ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ (کہ اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز پر بلند نہ کرو) اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:

وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝

(اور آپ سے بات کرنے میں اپنی آواز نہ نکالو جیسا کہ تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بلند آواز سے بات کرتے ہو، کہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں اور تمہیں اپنی بات بھی نہ ہو)۔

آیت بالا سورۃ حجرات میں ہے اور سورۃ نور میں ارشاد فرمایا: لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔

(تم اپنے درمیان رسول کا بلانا اس طرح نہ کرو جیسا آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو)۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت سرور عالم ﷺ کا بہت زیادہ اکرام کرتے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس طرح بیٹھتے تھے کہ جیسے ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ آپ ﷺ کے سامنے بلند آواز سے نہیں بولتے تھے اور آپ سے کچھ دریافت کرتے تو ادب کے ساتھ معلوم کرتے تھے۔ آپ وضو فرماتے تو صحابہ کرام پانی پیچھے نہیں گرنے دیتے تھے جلدی سے جھپٹ کر اپنے اعضا پر لے لیتے تھے اور بہت زیادہ ادب سے پیش آتے تھے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب قریش نے عروہ بن مسعود کو بطور نمائندہ گفتگو کرنے کے لئے بھیجا تو اس نے قریش کو واپس جا کر بتایا کہ دیکھو میں شاہ فارس کساری کے پاس بھی گیا ہوں اور شاہ روم قیصر کے پاس بھی گیا ہوں اور شاہ حبشہ نجاشی کے پاس بھی گیا ہوں قسم بخدا میں نے کسی بھی بادشاہ کو اپنے لوگوں میں ایسا معظم و مکرم نہیں دیکھا جیسا کہ محمد رسول اللہ ﷺ) کو اپنے اصحاب میں معظم و مکرم دیکھا ہے۔ اگر جنگ کا موقع آگیا تو یہ لوگ کبھی بھی انہیں نہیں چھوڑیں گے (رواہ فی شرح السنۃ)۔

دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد..... آنحضرت سرور عالم ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی تعظیم و تکریم کا رتنا واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کی حدیث کو ادب سے سنے آپ کے طریقہ کا اتباع کرے آپ کا اسم گرامی ادب سے لے کر آپ کا ذکر خود کرے یا دوسرے سے سنے تو درود پڑھے۔ آپ کے اہل اولاد و ازواج اور حضرات صحابہ کی عزت کرے ان کے نام ادب سے لے اور انہیں رضی اللہ عنہ کی دعا سے یاد کرے۔ آپ ﷺ نے جو احکام دیے ہیں ان پر رضا و رغبت کے ساتھ عمل پیرا ہو۔

نَصْرُوهُ کا مطلب..... آیت شریفہ میں وَغَزَّوْهُ کے بعد وَنَصْرُوهُ فرمایا جس میں اہل ایمان کی ایک یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی مدد کرتے ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کے دشمنوں سے جنگ کرتے ہیں اور آپ کے دین کو



تقویت پہنچاتے ہیں اور اپنی کوششوں سے ابقاء دین و احیاء دین میں لگے رہتے ہیں۔ یہ صفت بھی صفات ایمانیہ میں سے ہے جو بھی کوئی مومن ہو جہاں کہیں بھی ہو وہ دین اسلام کو بڑھانے اور پھیلانے اور زندہ رکھنے کیلئے فکر مندر رہے اور عملی طور پر اس کام میں لگے۔ آپ ﷺ کے ساتھ جو نور نازل ہوا اس کا اتباع کرنا لازم ہے..... پھر فرمایا: **وَاتَّبِعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ**۔ (اور اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ اتارا گیا)

اس نور سے قرآن مجید مراد ہے جس کا نور سب پر عیاں ہے۔ پہلے تو **يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ** فرمایا پھر **يَا مَعْزُومٍ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْغَبَاةَ** فرما کر آپ کا مرتبہ بیان فرمایا۔ پھر اہل ایمان کی صفات میں **وَاتَّبِعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ** فرما کر قرآن حکیم پر عمل کرنے کا حکم فرمایا۔

حدیث نبوی ﷺ حجت شرعیہ ہے..... آیت شریفہ کے پورے مضمون کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ دونوں کا اتباع لازم ہے اور جس طرح قرآن کریم حجت شرعیہ ہے حدیث نبوی بھی حجت شرعیہ ہے۔ مستشرقین یہود و نصاریٰ سے متاثر ہو کر بعض پڑھے لکھے جاہل بھی یوں کہنے لگے کہ حدیث حجت نہیں ہے۔ ان لوگوں کا یہ قول باطل ہے۔

اگر حدیث کو نہ مانیں تو دین اسلام پر نہیں چل سکتے..... اگر حدیث نبوی ﷺ کو حجت نہ مانیں تو نماز پڑھنے اور وضو کرنے کا طریقہ بھی معلوم نہ ہو گا قرآن مجید میں نہ نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا ہے نہ بالتصریح پنجوقتہ اوقات بتائے ہیں نہ رکعات کی تعداد بتائی ہے نہ یہ بتایا ہے کہ زکوٰۃ میں کتنا مال دینا فرض ہے، نہ یہ بتایا ہے کہ مال پر کتنا وقت گزر جانے سے زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ کا قول و عمل حجت شرعی نہیں، وہ کفر یہ بات کہتے ہیں۔ دعویٰ ان کا قرآن دانی کا ہے لیکن اگر واقعی قرآن کو جانتے اور سمجھتے تو رسول ﷺ کا مرتبہ پہچان لیتے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ واللہ الہادی الی سبیل الرشاد۔

**قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ**

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ جس کے لئے بادشاہت ہے آسمانوں کی اور زمین کی۔

**لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ**

اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے۔ جو ایمان لاتا ہے

**بِاللَّهِ وَكَلِمَتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۵۱﴾**

اللہ پر اور اس کے کلمات پر اور اس کا اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔

**رسول ﷺ پر ایمان لانے کا حکم اور آپ کی بعثت عامہ کا اعلان**

اس آیت کریمہ میں نبی امی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ تمام انسانوں کو خطاب کر کے فرمادیں کہ بلاشبہ مجھے اللہ نے تم سب کی طرف بھیجا ہے۔ میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے اس میں جو کچھ ہے سب اللہ کی مخلوق و مملوک ہے تم سب بھی اللہ کی مخلوق و مملوک ہو۔ اس کے ملک سے، اور اس کی ملکیت سے مخرج نہیں ہو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی، لہذا اس پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی تصدیق کرو۔ یہ رسول اللہ کا نبی ہے جو

امی ہے، یعنی اس نے کسی انسان سے نہیں پڑھا، وہ خود بھی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اسکے کلمات پر یعنی اس کے احکام کی تصدیق کرتا ہے لہذا اس کا اتباع کرو تا کہ ہدایت پا جاؤ۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا دیگر موضوع میں بھی قرآن مجید میں تذکرہ فرمایا ہے سورہ سبا میں فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا حَكْمَةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔

(اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔)

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ شانہ نے خصوصی امتیازات اور فضائل عطا فرمائے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی بعثت عام ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔

(۱)..... رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی۔ ایک ماہ کی مسافت تک دشمن مجھ سے ڈرتے ہیں۔

(۲)..... پوری زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنادی گئی (کہ مسجد کے علاوہ بھی ہر پاک جگہ نماز ہو جاتی ہے، پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم سے حدیث اصغر اور حدیث اکبر دور ہو جاتے ہیں) سو میری امت کے جس شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے نماز پڑھ لے۔

(۳)..... میرے لئے غنیمت کے مال حلال کر دئے گئے اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کئے گئے۔

(۴)..... اور مجھے شفاعت عطا کی گئی (یعنی شفاعت کبڑی جو قیامت کے دن ساری مخلوق کے لئے ہوگی)

(۵)..... اور مجھ سے پہلے نبی خاص کراپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں عام تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔ (رواہ البخاری صفحہ ۳۸ جلد ۱)

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من ہذہ الامۃ یہودی ولا نصرانی ثم یصوت ولم یؤمن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب النار (رواہ مسلم فی کتاب الایمان)

(قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اس امت میں جس کسی کو بھی میری بعثت کا علم ہو خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی پھر وہ اس حالت میں مرجائے کہ جو دین لے کر بھیجا گیا ہوں اس کو نہ مانا تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا)

چونکہ آپ کی بعثت عامہ ہے اس لئے ہر فرد بشر کے لئے آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں۔ آپ کا دامن پکڑے بغیر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو راضی نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ کتنی ہی عبادت کرتا ہو اس کو وَابْتَغُوا لَعَلَّكُمْ تُفْتَدُونَ میں بیان فرمایا۔ (اس نبی کا اتباع کرو ان کا اتباع کرو گے تو ہدایت پر رہو گے) جو ہدایت اللہ کے یہاں معتبر ہے وہ خاتم النبیین رسول الانس والجان (ﷺ) کے اتباع میں مرکوز ہو۔ اور منحصر ہے اس سے وحدت ادیان کے نظریہ کی بھی تردید ہوگئی۔ جو لوگ اپنی جہالت سے یوں کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے اور کسی بھی طریقہ اور دین کے مطابق اللہ کی عبادت کر لے اس کی نجات ہو جائے گی۔ (العیاذ باللہ) یہ ان لوگوں کی گمراہی کی بات ہے۔ شیطان انسان کو خدا کا منکر رکھنا چاہتا ہے اور اگر کوئی شخص اللہ کو مان لے اور اللہ کے دین پر آنا چاہے تو اسے ایسی باتیں سمجھاتا ہے جن کی وجہ سے وہ اس دین پر نہ آ سکے جو اللہ کے ہاں معتبر ہے۔ وہ اپنے خیال میں دھڑکی بھی رہے اور مذہبی بھی رہے اور پھر آخرت میں نجات نہ پائے اور جہنم میں جائے یہ شیطان کی خواہش رہتی ہے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوسَى أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿۱۰۱﴾ وَقَطَعْنَاهُمْ اثْنَتَى عَشْرَةَ

۱۰۱۔ جو حق کی قوم میں ایک ایسی جماعت ہے جو حق کی ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے واقع انصاف کرتے ہیں۔ اور ہم نے ان کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر

أَسْبَاطًا أُمَمًا ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ أَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ

۱۰۲۔ ایک ایک جماعتیں بنا دیں۔ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وہی بتایا جب ان کی قوم نے پانی مانگا کہ اپنی انہی کو پتھر میں بارہ

فَأَنْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ

۱۰۳۔ اس میں سے بارہ چشمے بھجوتے پڑے۔ ہر قبیلہ نے اپنے پانی پینے کی جگہ جان لی اور ہم نے ان پر

الْغَمَامَ ۖ وَانْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّٰ وَالسَّلْوٰ ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا

۱۰۴۔ بادلوں کا سایہ کیا اور ان پر مَنَّ اور سُلّٰوی اتارا، کھاؤ، پائیزہ چیزیں اس رزق میں سے جو ہم نے تمہیں دیا، اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا

وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۰۵﴾ وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ اسْكُنُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ

۱۰۵۔ لیکن اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور جب ان سے کہا گیا کہ سکونت کرو اس بستی میں اور کھاؤ اس میں سے جہاں سے

سَأَلْتُمْ ۖ وَقُولُوا حِطَّةٌ ۚ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّعْفِ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ ۖ سَنَزِيدُ

۱۰۶۔ چاہو، اور کہو کہ ہمارے گنہ معاف ہوں اور دروازہ میں جھکے ہوئے داخل ہو جاؤ۔ ہم بخش دیں گے تمہاری خطاؤں کو، ہم عذریہ اچھے کام کرنے

الْمُحْسِنِينَ ۖ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ

۱۰۷۔ والوں کو اور زیادہ دیں گے۔ سو ان میں سے جنہوں نے ظلم کیا اس قول کو بدل دیا۔ اس قول کے علاوہ جو ان سے کہا گیا۔ سو ہم نے ان پر

رَجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ عذاب بھیج دیا اس سبب سے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔

بنی اسرائیل میں اچھے لوگ بھی تھے ان پر اللہ تعالیٰ نے بادلوں کا سایہ کیا اور مَنَّ وسلوٰی نازل فرمایا

اور چار آیات کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں اچھے لوگ تھے۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اس زمانے میں توریت اور انجیل پر عمل کیا جب ان کتابوں پر عمل کرنے کا حکم تھا اور منسوخ نہیں کی گئیں تھیں۔

پھر جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ کو انہوں نے توریت و انجیل میں بیان فرمودہ علامات سے پہچان لیا تو آپ پر ایمان لے

آئے اور۔۔۔ عامل بالقرآن ہو گئے۔ پھر دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے رہے اور اسی کے موافق فیصلے کرتے رہے۔ کج بخشی اور کج روی

اختیار نہ کی۔ قرآن مجید میں بعض دیگر مواقع میں بھی ان لوگوں کی تعریف وارد ہوئی ہے۔ سورہ آل عمران میں فرمایا ہے۔

مَنْ أَهْلَ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ۖ

(اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے سیدھی راہ پر۔ وہ اللہ کی آیتوں کو رات کے وقت پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں) سورۃ قصص میں فرمایا:  
وَإِذْ يُسَلِّيٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِإِنَّهُ الْخَلْقُ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ  
 (اور جب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بلاشبہ یہ حق ہے ہمارے رب کا بھیجا ہوا ہم اس سے پہلے حکم  
 بردار ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی قوم میں مسلم اور کافر سب ہوں تو اہل ایمان کے ایمان اور صلاح و نیکی کا معترف ہونا چاہئے اور  
 نیکو کسی قوم کو یوں کہہ دینا کہ سب کافر ہیں، فاسق ہیں جبکہ ان میں ایمان والے اور صالحین موجود ہوں۔ اس سے پرہیز کرنا لازم ہے،  
 مؤمن بندے اعتدال پر قائم رہیں۔

دوسری آیت میں بنی اسرائیل کے قبیلوں کی تعداد بتائی اور فرمایا کہ ہم نے ان کے بارہ خاندانوں کے علیحدہ علیحدہ قبیلے بنادیئے تھے۔  
 اسباط، سبط کی جمع ہے، سبط لڑکے کو کہتے ہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ لڑکے تھے۔ ہر لڑکے کی اولاد ایک ایک قبیلہ تھی اس  
 کے بعد ان انعامات کا ذکر فرمایا جو بنی اسرائیل پر میدان تیرہ میں ہوئے تھے، جب یہ لوگ مصر سے نکلے اور سمندر پار کیا تو انہیں اپنے وطن  
 فلسطین پہنچنا تھا لیکن اپنی شرارتوں اور احکام کی خلاف ورزیوں کی وجہ سے چالیس سال تک میدان تیرہ میں ہی گھومتے رہے۔ اس صحرا  
 نوردی اور گردش کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی۔ جب کوئی تکلیف آتی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ اس مصیبت کو رفع  
 کیجئے۔ اللہ تعالیٰ شانہ کا حکم ہوا کہ اے موسیٰ پتھر میں اپنی لاشی مارو۔ انہوں نے لاشی ماری تو آسمین سے بارہ جیشے پھوٹ پڑے۔ ہر قبیلہ نے  
 اپنے پینے کی جگہ کو پہچان لیا اور پانی لے لیا ضرورتیں پوری کر لیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ خاص قسم کا پتھر تھا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام  
 اپنے قبیلے میں رکھتے تھے۔ جب پانی کی ضرورت ہوتی تھی اس میں لاشی مارتے تھے جس میں سے پانی نکلنے لگتا تھا۔

انہی انعامات میں سے اللہ تعالیٰ نے ایک یہ انعام عطا فرمایا کہ جب بنی اسرائیل نے گرمی سے محفوظ ہونے کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے  
 ان پر بادل بھیج دیئے۔ اسی کو فرمایا: وَضَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ اور تیسرا انعام یہ ہوا کہ ان کے کھانے کے لئے من اور سلوی (بھیروں جیسے  
 جانور) بڑی تعداد میں بھیج دیئے یہ لوگ ان میں سے کھاتے تھے۔ اس کو وَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْثَمَرَ وَالسَّلْوٰی میں بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ  
 شانہ نے ان سے فرمایا کہ ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پاکیزہ اور عمدہ چیزیں کھاؤ انہوں نے حکم عدولی کی اور نعمتوں کی ناشکری کی۔  
 حکم تھا کہ آئندہ وقت کے لئے اٹھا کر نہ رکھیں۔ لیکن نہ مانے اور خلاف ورزی کی اور ناشکری یوں کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے  
 لگے کہ ایک ہی کھانے پر ہم سے صبر نہیں ہوتا۔ ہمیں سبزیاں، کھیرے، پیاز، لہسن اور دال چاہئے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے  
 ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کیا تم اچھی چیز کو چھوڑ کر گھٹیا چیز لینا چاہتے ہو۔ تفصیل کے ساتھ یہ واقعات سورۃ بقرہ (رکوع چھ اور سات)  
 میں بیان ہو چکے ہیں۔ ان لوگوں نے جو جو حرکتیں کیں ان کی سزا پائی۔ اسی کو فرمایا وَمَا ظَلَمُوْنَا (اور ان لوگوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا) یعنی  
 ہمارا کچھ نہیں بگاڑا وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ۔ (لیکن وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے) یعنی ان کی حرکتوں سے ان کا اپنا  
 نقصان ہوتا تھا۔

ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم اور بنی اسرائیل کی نافرمانی..... تیسری اور چوتھی آیت میں ذکر ہے کہ بنی اسرائیل کو ایک  
 بستی میں رہنے کا حکم دیا گیا تھا کہ اس بستی میں خشوع کے ساتھ جھکے ہوئے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے داخل ہونا۔ ان ظالموں  
 نے تو لاؤ عملاً دونوں طرح سے نافرمانی کی اور اس بات کو بدل دیا جس کا حکم فرمایا گیا تھا۔ عملاً تو یہ کیا کہ بجائے جھکے ہوئے داخل ہونے کے  
 بچوں کی طرح گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے جس میں ایک طرح کا استہزاء ہے اور معافی مانگنے کا جو حکم ہوا تھا اس کی خلاف ورزی یوں کی

حِطَّة کی جگہ حَبَّة فِی شَعِیرَةٍ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس بستی سے بیت المقدس مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اریحا مراد ہے۔ مفسر ابن کثیر نے کہا ہے کہ پہلا قول ہی صحیح ہے کیونکہ یہ لوگ مصر سے آکر اپنے علاقہ ارض مقدس میں جا رہے تھے اور اریحا ان کے راستہ میں نہیں پڑتا تھا اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا نہیں ہے بلکہ چالیس سال میدان تیرہ میں حیران و سرگرداں پھرنے کے بعد جب حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانے میں بیت المقدس جانا نصیب ہوا اس وقت کی بات ہے جب ان لوگوں نے حکم کی خلاف ورزی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیج دیا جسے رَجُزُ امِّنَ السَّمَاءِ سے تعبیر فرمایا۔ سورہ بقرہ میں بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ فرمایا اور سورہ اعراف میں بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ فرمایا یعنی یہ عذاب ان کی نافرمانیوں اور ان کے ظلم کی وجہ سے بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نتیجہ کے اعتبار سے اپنی جانوں پر ظلم ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے گرفت ہو جاتی ہے۔ حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں پر عذاب بھیجا گیا تھا طاعون تھا مفسر ابن کثیر نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ الطاعون رجز عذاب عذاب بہ من کان قبلکم (یعنی طاعون رجز ہے جو کہ اسبابا بعد از اس کے ذریعے تم سے پہلی امتوں کو عذاب دیا گیا۔)

من وسلوی اترنے اور پتھر سے چشمے پھونکنے اور ایک بستی میں جھکے ہوئے داخل ہونے اور معافی مانگنے کا حکم پھر بنی اسرائیل کی قوا و فعلا خلاف ورزی پر عذاب نازل ہونا سورہ بقرہ (رکوع ۶، ۷) میں گزر چکا ہے۔ وہاں ہم نے کچھ زیادہ تفصیل لکھ دی ہے اس کی مراجعت کر لی جائے۔

وَسَأَلْنَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ مِاذِ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ

اور آپ اس بستی کے بارے میں ان سے پوچھ لیں جو دریائے قریب آباد تھی، جبکہ وہ لوگ سبت کے دن میں زیادتی کرتے تھے۔ جبکہ ان کے

حَيَاتِهِمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرْعًا وَ يَوْمًا لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَلِكَ نَبْلُوهُمْ

پاس ان کی مچھلیاں سبت کے دن اور پھر کو ظاہر ہو کر آتی تھیں اور جس دن سبت کا دن نہ ہوتا اس دن ان کے پاس نہ آتی تھیں۔ اسی طرح ہم انہیں آزماتے تھے

بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۚ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ

اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے، اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں ہلاک فرمانے والا ہے

أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۚ قَالُوا مَعذِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ فَلَمَّا نَسُوا

یا انہیں عذاب دینے والا ہے سخت عذاب، انہوں نے کہا کہ تمہارے رب کے حضور معذرت پیش کرنے کیلئے اور اس لئے کہ شاید یہ لوگ گناہ سے بچ جائیں۔ سو جب وہ لوگ بھول گئے

مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ

اس بات کو جس کے ذریعہ ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو پکڑ لیا، جنہوں نے ظلم کیا اس

بِئْسَ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا

سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے، پھر جب اس کام کے بارے میں وہ حد سے نکل گئے جس سے منع کئے گئے تھے تو ہم نے ان سے کہا کہ تم ہو جاؤ

قَرَدَةً خَاسِیْنٌ ۝ وَاِذْ تَاَذَنَ رَبُّكَ لِيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَمَةِ مَنْ یَسُوْمُهُمْ

بندر ذلیل، اور آپ کے رب نے یہ بات بتا دی کہ وہ قیامت کے دن تک ضرور ان پر ایسے اشخاص کو بھیجتا رہے گا جو انہیں

سُوء الْعَذَابِ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۝ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

برا عذاب پکھائیں گے، بے شک تیرا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

### سنیچر کے دن یہودیوں کا زیادتی کرنا اور بندر بنایا جانا

بنی اسرائیل کی حرکتیں بھی بہت بُری تھیں ان کا نافرمانی کا مزاج تھا۔ ان پر آزمائش بھی طرح طرح سے آتی رہتی تھی، حکم تھا کہ سنیچر کے دن کی تعظیم کریں اس دن سے متعلق جو احکام تھے ان میں یہ بھی تھا کہ اس دن مچھلیاں نہ پکڑیں۔ لیکن یہ لوگ باز نہ آئے سنیچر کے دن ان کی آزمائش اس طرح ہوتی تھی کہ مچھلیاں خوب ابھرا بھر کر سامنے آ جاتی تھی اور دوسرے دنوں میں اس طرح نہیں آتی تھیں۔ ان لوگوں نے مچھلیوں کے پکڑنے کے حیلے نکالے اور یہ کیا کہ سنیچر کے دن سے پہلے جال اور مچھلی کے کانٹے پہلے سے پانی میں ڈال دیتے تھے۔ چنانچہ مچھلیاں ان میں پھنس کے رہ جاتی تھیں، جب سنیچر کا دن گزر جاتا تھا تو ان کو پکڑ لیتے تھے اور اپنے نفسوں کو سمجھا لیتے تھے کہ ہم نے سنیچر کے دن ایک مچھلی بھی نہیں پکڑی، وہ تو خود بخود جالوں میں اور کانٹوں میں آ گئیں اور جال اور کانٹے تو ہم نے جمعہ کے دن ڈالے تھے۔ لہذا ہم سنیچر کے دن پکڑنے والوں کی فہرست میں نہیں آتے، اسی طرح کا ایک حیلہ انہوں نے مردار کی چربی کے ساتھ بھی کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں پر اللہ لعنت کرے جب اللہ نے ان پر مردار کی چربی حرام قرار دے دی تو اس کو انہوں نے اچھی شکل دے دی (مثلاً اس کو گھسا کر اس میں کچھ خوشبو وغیرہ ملا کر کیمیکل کے طور پر کچھ اور بنادیا) پھر اس کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھا گئے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۲۹۸ جلد ۱)

ان لوگوں میں تین جماعتیں تھیں کچھ لوگ سنیچر کے دن مچھلیاں پکڑتے تھے اور کچھ لوگ ایسے تھے جو انہیں منع کرتے تھے اور ایک جماعت ایسی تھی جو خاموش تھی، جو لوگ خاموش تھے انہوں نے ان لوگوں سے کہا جو منع کرتے تھے کہ آپ لوگ ان کو کیوں نصیحت کرتے ہیں ان کا بات ماننے کا ارادہ نہیں ہے۔ نافرمانی کے باعث اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی گرفت ہونے والی ہے یا تو اللہ تعالیٰ ان کو بالکل ہی ہلاک فرما دے گا یا سخت عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ جو لوگ منع کیا کرتے تھے انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیشی کے وقت ہم معذرت پیش کر سکیں کہ ہم نے نبی عن اکسر کا فریضہ انجام دیا تھا اور ممکن ہے کہ یہ لوگ مان ہی جائیں اپنے رب سے ڈرنے لگیں اور اپنے گناہوں سے بچنے لگیں، لیکن ان لوگوں نے نہ مانا بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی۔ ان پر اس طرح عذاب آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بندر بنادیا، جو لوگ سنیچر کے دن میں زیادتی کرتے تھے وہ تو بندر بنادیے گئے اور جو لوگ انہیں منع کیا کرتے تھے، انہیں نجات دی گئی جن کو اَنْجِیْنُ السَّالِیْنِ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْءِ میں بیان فرمایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ جو لوگ خاموش تھے ان کا کیا حال ہوا؟ ان کے شاگرد حضرت عکرمہ نے عرض کیا میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ وہ عذاب سے بچا لئے گئے۔ کیونکہ انہیں بھی شکار کرنے والوں کا عمل ناگوار تھا اور اسی ناگواری کو انہوں نے اپنے ان الفاظ میں یوں ظاہر کیا تھا لَمْ یَعْظُوْنَ قَوْمًا لَّا یُفْلِحُ لَهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا، اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دینے کا تذکرہ نہیں فرمایا اور ہلاک کرنے کا ذکر بھی نہیں فرمایا، مکرّمہ کی یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بہت پسند آئی اور بہت خوش ہوئے اور انہیں دو چادریں انعام میں عطا کیں۔

(معالم التنزیل ص ۲۰۹ جلد ۲)

سینچر کے دن زیادتی کرنے والوں کو بندر بنا دیا گیا جس کا ذکر یہاں سورۃ اعراف میں بھی اور سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔

(انوار البیان ص جلد ۱)

جس ہستی کے رہنے والے حیلہ باز یہودیوں کا قصہ اوپر مذکور ہوا اس کے بارے میں علماء تفسیر نے کئی قول نقل کئے ہیں۔ ۱۔ ایلہ۔ ۲۔ طبرہ۔ ۳۔ مدین۔ ۴۔ مقتا، متعین طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ عبرت حاصل کرنے کے لئے تعین کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

بنی اسرائیل پر دنیا میں عذاب آتا رہے گا..... بنی اسرائیل اپنی حرکتوں کی وجہ سے بندر بنا دیئے گئے یہ تو اس وقت ہوا اور اس کے بعد ان پر برابر ایسے لوگوں کا تسلط رہا جو ان کو تکلیفیں دیتے رہے اور یہودی بری بری تکلیفوں میں مبتلا ہوتے رہے اس کو وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لِيُبْعِثَنَّ عَلَيْهِمُ (الافیہ) میں بیان فرمایا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہودیوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے پھر بخت نصر کے ذریعہ جو ان کی بربادی ہوئی ہے۔ اور نبی آخر الزماں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور پھر حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں جو ان کی ذلت ہوئی تاریخ دان اس سے ناواقف نہیں ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد بھی دنیا میں مقبور ہی رہے ذلت اور خواری کے ساتھ ادھر ادھر دنیا میں کبھی آباد اور کبھی برباد ہوتے رہے، پچاس سال پہلے نازیوں نے جو ان کا قتل عام کیا تھا تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس سے واقف ہیں۔ حضرت عیسیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بھی یہودی مارے جائیں گے۔ وہ دجال کو قتل کریں گے اور اس وقت دجال کے ساتھیوں کی بربادی ہوگی۔ دنیا کی قومیں ظاہری اقتدار دیکھ کر دجال کے ساتھ ہو جائیں گی جن میں یہودی بھی ہوں گے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اصفہان کے یہودیوں میں سے ستر ہزار یہودی دجال کا اتباع کریں گے جو چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے۔ (صحیح مسلم ص ۴۰۵ ج ۲)

چونکہ حضرت عیسیٰ رضی اللہ عنہ ہزارین شام میں دجال کو قتل کریں گے اور اسکے ساتھیوں سے وہیں معرکہ ہوگا اس لئے نکو بنی طور پر دنیا بھر سے اپنے رہنے کے علاقے چھوڑ چھوڑ کر یہودی شام کے علاقہ میں جمع ہو رہے ہیں اور ان کی جھوٹی حکومت جو نصاریٰ کے بل بوتے پر قائم ہے وہ ان کے ایک جگہ جمع ہونے کا سبب بن گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ مسلمان یہودیوں سے قتال نہ کر لیں مسلمان ان کو قتل کریں گے یہاں تک کہ کوئی یہودی کسی پتھر یا درخت کے پیچھے چھپ جائے گا تو درخت یا پتھر کہے گا کہ اے مسلم اے اللہ کے بندے یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے اسے قتل کر دے البتہ غرقہ کا درخت ایسا نہ کرے گا کیونکہ وہ یہودیوں کے درختوں میں سے ہے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۳۹۶ جلد ۲)

وَقَطَّعْنَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَمْمَاءَ مِنْهُمْ الصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونُ ذَلِكَ وَبَلَّوْنَهُمْ بِالْحَسَنَاتِ

اور ہم نے زمین میں ان کی مشرقی جماعتیں کر دیں۔ ان میں نیک لوگ تھے اور ان میں دوسری طرح کے بھی تھے اور ہم نے ان کو خوشحالیوں اور بدحالیوں کے ذریعہ

وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۵۰﴾ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ

آزایا تاکہ باز آجائیں، پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آگئے جو کتاب کے وارث بنے جو اس گھٹیا چیز کے

عَرَضَ هَذَا الْأَدْنَى وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِثْلُ الَّذِي أَخْذُوا

سامان کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عتریب ہماری مغفرت کر دی جائے گی اور اگر ان کے پاس اسی جیسا اور سامان آجائے تو اسے لے لیتے ہیں۔

أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ أَنْ لَا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ

کیا ان سے کتاب کا یہ عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ کی طرف حق کے سوا کسی بات کی نسبت نہ کرے اور انہوں نے اس کو پڑھ لیا جو کتاب میں ہے

وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ آيَاتِنَا يَتَّقُونَ ۝ وَالَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ بِالْكِتَابِ

اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو ڈرتے ہیں کیا تم سمجھ نہیں رکھتے؟ اور جو لوگ مضبوطی سے کتاب کو پکڑتے ہیں

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۖ إِنَّا لَا نَضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ۝ وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَانَتْ

اور نماز قائم کرتے ہیں بے شک اصلاح کرنے والوں کا ثواب اللہ ضائع نہیں فرماتا، اور جب ہم نے ان پر اکھاڑ دیا پہاڑ گویا کہ وہ سامان ہے

ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ ۖ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ ۖ وَادْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

اور انہوں نے یقین کر لیا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے، جو ہم نے تمہیں دیا مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور اس میں جو کچھ ہے یاد کرو تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

### بنی اسرائیل کی آزمائش اور ان کی حب دنیا کا حل

ان آیات میں اول تو یہودیوں کے اس حال کا تذکرہ فرمایا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں منتشر فرمادیا۔ دنیا کے مختلف علاقوں میں تھوڑے تھوڑے کچھ یہاں کچھ وہاں سکونت اختیار کرتے گئے۔ ان کی جمیعت اور جماعت منتشر رہی۔ اجتماعیت جو اللہ کا انعام ہے اس سے محروم رہے۔ پھر فرمایا مِنْهُمْ الصَّالِحُونَ (ان میں کچھ لوگ نیک تھے) وَمِنْهُمْ ذُنُوبٌ ذَلِلكَ (اور کچھ لوگ دوسری طرح کے یعنی برے لوگ تھے) اچھے لوگ توریت اور انجیل پر قائم رہے اور پھر اللہ کے آخری رسول ﷺ اور آخری کتاب پر ایمان لائے اور برے لوگ شر پسند کفر پر جتھے رہے اور اپنے اس شر پسندی کے مزاج کی وجہ سے آخر الانبیاء ﷺ پر ایمان نہ لائے۔ وَبَلَّوْنَا لَهُمُ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔

(اور ہم نے ان کی آزمائش کی انہیں خوشحالیوں میں بھی رکھا اور بدحالیوں میں بھی، تاکہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشحالی کے ذریعے بھی امتحان ہوتا ہے اور بدحالی کے ذریعے بھی، سمجھدار لوگ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہر حال میں رجوع کرتے ہیں اور آزمائش میں کامیاب ہوتے ہیں۔ لیکن یہودیوں نے کچھ اثر نہ لیا ہر طرح کے امتحان میں فیل ہوئے۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ (الایۃ) پھر ان میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جو ناخلف تھے۔ ان لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ اللہ کی کتاب کے وارث تو بن گئے یعنی جو لوگ ان سے پہلے تھے ان سے کتاب تو پڑھ لی لیکن اس کتاب کو انہوں نے حقیر و دنیا کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیا اور وہ بھی اس طرح سے کہ اللہ کی کتاب میں ادل بدل کرتے تھے اور سوال کرنے والے کی مرضی کے مطابق مسئلہ بتا دیتے تھے۔ اس طرح سے اس سے مال مل جاتا تھا۔ جب دل میں کچھ احساس ہوتا اور اس بات کی ٹیس ہوتی کہ حرام طریقہ پر دنیا حاصل کر لی تو یوں کہہ کر اپنے ضمیر کو مطمئن کر لیتے تھے سَيَغْفِرُ لَنَا (اللہ ہماری مغفرت فرما دے گا) اور چونکہ یہ واقعی اور اصل توبہ نہیں ہوتی تھی اس لئے اپنی حرکت سے باز نہیں آتے تھے۔ سَيَغْفِرُ لَنَا ہم کہہ دیا جس میں گناہ کا اثر رہا ہے اس کے بعد پھر اس سے عیب مایل آگیا تو اب بھی سلا یا جس لوگوں کا نافرمانی کا مزاج ہوتا ہے وہ سچے دل سے توبہ تو نہیں کرتے گناہ کرتے چلے جاتے ہیں اور یوں کہتے رہتے ہیں کہ اللہ معاف فرمانے والا ہے



جابل کی توبہ توبہ رہی گھونٹ گھونٹ پر  
سو بوتلیں چڑھا کر بھی ہوشیار ہی رہا

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بھی ایسے افراد کثیر تعداد میں ہیں جو برابر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں، خاص کر وہ لوگ جنہیں حرام کمانے اور حرام کھانے کی عادت ہے۔ کبھی ذرا سا گناہ کا خیال آتا ہے تو بخشش کا سہارا لے کر برابر گناہ میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ اہل ایمان کا طریقہ نہیں۔ اہل ایمان تو اللہ کے حضور میں سچے دل سے توبہ کرتے ہیں اور گناہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر توبہ کے بعد پھر گناہ ہو جائے تو پھر بھی توبہ کر لیتے ہیں۔ توبہ کا جزو اعظم یہ ہے کہ آئندہ نہ کرنے کا پختہ عہد ہو۔ جب یہ نہیں تو توبہ بھی نہیں، مؤمن کا طریقہ یہ ہے کہ ڈرنا بھی رہے اور امید بھی رکھے۔ خالی امید ہو خوف و خشیت نہ ہو گناہوں کی بہتات ہو، یہ طریقہ صحیح نہیں۔ اسی کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مؤمن اپنے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے کہ جیسے کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے اور اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس کے اوپر نہ گر پڑے اور فاجر آدمی اپنے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے جیسے اس کی ناک پر کبھی مٹیھی ہو اور اس نے اسے ہاتھ کے اشارہ سے دفع کر دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۰۶)

اَلَمْ يُوَخِّذْ عَلَيْهِمْ مِيثَاقَ الْكِتَابِ. (الانبیاء)

کیا ان سے توریت شریف میں یہ عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب نہ کریں گے جو حق نہ ہو؟ انہیں اس عہد کا علم بھی ہے اور توریت شریف کو پڑھتے بھی رہے ہیں۔ جانتے ہو جھٹے اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں اور حقیر دنیا لینے کے لئے اپنی طرف سے مسئلہ بنا کر یوں کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْرُوا بِهِ ثَمَّ قَلِيلًا

(پھر کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیں)

وَالذَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَثْقُونَ (اور آخرت کا گھران لوگوں کے لئے بہتر ہے جو عقائد باطلہ اور اعمال قبیحہ سے پرہیز کرتے ہیں) یہ انہیں اس بات کا بھی ہے۔ لیکن نا سمجھوں والے کام کرتے ہیں ایمان قبول نہیں کرتے اور گناہوں کو نہیں چھوڑتے۔

مصلحین کا اجر ضائع نہیں ہوتا..... پھر فرمایا وَالَّذِينَ يَمَسُكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نَضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ۔ (اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں بے شک ہم اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے)

اس آیت میں عام قانون بیان فرمایا کہ جو شخص اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے گا یعنی اس پر عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا اجر ضائع نہیں فرمائے گا۔ البتہ طرز بیان ایسا اختیار فرمایا ہے جس میں أَجْرُهُمْ کے بجائے: أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ فرمایا۔ جس سے یہ واضح ہو گیا کہ کتاب اللہ کا مضبوطی سے پکڑنا جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ ایمان کی بھی اصلاح ہو یعنی ایمان خالص ہو اتفاق سے بری ہو اور وہ ایمان ہو جو اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر ہے۔ اگر بعض انبیاء علیہم السلام پر ایمان ہو اور بعض پر نہ ہو تو وہ ایمان اللہ کے یہاں معتبر نہیں ہے اور ایسا شخص مصلح بھی نہیں لہذا مستحق اجر بھی نہیں، کتاب کو مضبوط پکڑنے کے ساتھ نماز کو قائم رکھنے کا بھی تذکرہ فرمایا کیونکہ نماز ایمان کے بعد سب سے بڑی عبادت ہے۔ معلوم ہوا کہ تمسک بالکتاب کے ساتھ بالخصوص نماز کو قائم کرنے کا اہتمام بھی لازم ہے۔ نماز کو شرائط اور آداب کا لحاظ

رکھتے ہوئے پابندی سے پڑھیں۔ اگر نماز کی اصلاح ہوگی تو زندگی کے دوسرے اعمال کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔ کما قال تعالیٰ: إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ۔

بنی اسرائیل کے اوپر پہاڑ کا ٹھہر جانا اور ان کا یہ سمجھنا کہ یہ گرنے والا ہے..... اس کے بعد بنی اسرائیل کے ایک اور واقعہ کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت شریف لے کر تشریف لائے تو بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اسے قبول کرو اور اس پر عمل کرو، یہ لوگ کہنے لگے کہ یہ احکام بھاری ہیں ان پر عمل کرنا ہمارے بس کا نہیں، اللہ تعالیٰ نے کوہ طور کو اس کی جگہ سے اٹھا کر ان لوگوں پر معلق کر دیا اور فرمایا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو انہوں نے پہاڑ کو دیکھا کہ سائبان کی طرح ان کے اوپر معلق ہے اور انہیں یہ یقین ہو گیا کہ ہم پر گرنے والا ہے یہ منظر دیکھ کر اس بات کا عہد کر لیا کہ ہم توریت کے احکام کی پابندی کریں گے لیکن بعد میں پھر روگردانی کی اور اپنے عہد سے منحرف ہو گئے۔ سورہ بقرہ (کوع ۸) میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔ وہاں واقعہ ذکر فرمانے کے بعد فرمایا۔ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ۔ (پھر تم نے اس کے بعد روگردانی کی یعنی اس وقت جو پہاڑ گرنے کے ڈر سے عہد کر لیا تھا اس سے پھر گئے اور پھر وہی حرکتیں کرنے لگے جو نافرمانوں اور گنہگاروں کی ہوتی ہیں نیز یہ واقعہ سورہ بقرہ کے رکوع گیارہ میں بھی ہے۔ وہاں یہ الفاظ ہیں: خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا (جو کچھ ہم نے تم کو دیا تو تم کے ساتھ لے لو اور سن لو) اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (ہم نے سن لیا اور مانیں گے نہیں)

تینوں جگہ قرآن مجید کے الفاظ کو ملا کر معلوم ہوا کہ انہوں نے پہاڑ گرنے کی وجہ سے اس وقت تو عمل کرنے کا عہد کر لیا تھا لیکن بعد میں قول و قرار سے پھر گئے اور نافرمانی پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ سن تو لیا ہے لیکن عمل کرنا ہمارے بس کا نہیں ہے۔ کوہ طور کو سائبان کی طرح معلق کر کے عہد لینے اور لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ میں جو بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے ہم نے اس کو سورہ بقرہ رکوع آٹھ میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے رفع کر دیا ہے ملاحظہ کر لیا جائے۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ ۖ

اور جب آپ کے رب نے اواہ آدم کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا اور انہیں ان کی جانوں پر گواہ بنایا

أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۖ شَهِدْنَا ۚ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ۖ

کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں آپ ہمارے رب ہیں، ہم نے اقرار کر لیا، کبھی تم قیامت کے دن کہنے لگو کہ بیشک ہم اس سے غافل تھے

أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا

یا یوں کہو کہ پہلے سے ہمارے باپ وادوں نے شرک کیا اور ہم ان کے بعد میں آنے والی اولاد تھے کیا آپ ہم کو باطل عمل والوں کے فعل کی وجہ

بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ۚ وَكَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۷﴾

سے ہلاک کرتے ہیں اور ہم ایسے ہی واضح طور پر آیات کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ رجوع ہو جائیں۔

## عہدِ اَلْسُنْ بِرَبِّكُمْ کا تذکرہ

احادیث شریفہ میں اس کی تفصیل یوں وارد ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وادی نعمان میں (جو عرفات کے قریب ہے) حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا جو چھوٹی چھوٹی چوٹیوں کی صورت میں تھے اور پشت در پشت ان کی نسل سے جو مخلوق پیدا ہونے والی تھی سب کو پیدا فرمایا اور ان کی وہی صورتیں بنادیں جو بعد میں عالم ظہور میں پیدا ہونے والی تھیں..... پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بولنے کی قوت دی اس کے بعد ان سے عہد لیا اور انہیں ان کے نفسوں پر گواہ بنایا۔ ان سے فرمایا: اَلْسُنْ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) ان سب نے کہا ”بَلٰی“ ہم گواہی دیتے ہیں کہ واقعی آپ ہمارے رب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سے یہ عہد اس لئے لیا گیا کہ قیامت کے دن یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس توحید سے بے خبر تھے یا یوں کہنے لگو کہ اصل شرک تو ہمارے باپ دادوں نے کیا تھا اور ہم ان کے بعد ان کی نسل میں تھے ان کے تابع ہو کر ہم نے بھی ان کے اعمال اختیار کر لئے۔ سو کیا ان گمراہوں کے فعل پر آپ ہمیں بلاکت میں ڈالتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ شانہ نے تمام بنی آدم سے اس بات کا اقرار لے لیا کہ واقعی اللہ ہی ہمارا رب ہے انہوں نے اقرار کر لیا اور اپنی جانوں پر گواہ بن گئے اس لئے قیامت کے دن کسی کے لئے کوئی عذر نہیں رہا اور اس بات کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ کوئی شخص توحید سے منہ موڑ کر اور شرک کے اعمال اختیار کر کے یوں کہنے لگے کہ مجھے تو کوئی پتہ نہ تھا۔ مسند احمد میں ہے کہ سب نے ”بلٰی“ کہہ کر اقرار کر لیا تو اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ میں تمہارے اوپر ساتوں آسمانوں کو اور ساتوں زمینوں کو گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم کو تم پر گواہ بناتا ہوں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تم یوں کہنے لگو کہ ہمیں اس کا پتہ نہ تھا تم جان لو کہ بیشک میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے سوا کوئی رب نہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا میں تمہاری طرف رسولوں کو بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد اور میثاق یاد دلائیں گے اور تمہارے اوپر کتابیں نازل کروں گا۔ اس پر سب نے کہا کہ بیشک ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں اور ہمارے معبود ہیں آپ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں اس موقع پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لیا گیا (جو سورۃ احزاب کی آیت وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَابْنِ نُوْحٍ وَاِبْرٰهٖمَ وَ مُؤَسٰی وَ عِيسٰی ابْنِ مَرْيَمَ میں مذکور ہے)

مذکور بالا حدیث مشکوٰۃ المصابیح (صفحہ ۲۴ جلد ۱) میں مسند احمد سے نقل کی ہے اس سے یہ اشکال رفع ہو گیا کہ عہد کیا تھا وہ ہمیں یاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب عہد لیا تھا اس وقت فرمادیا تھا کہ میں تمہاری طرف اپنے رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد و میثاق یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا۔

جب سے انسان دنیا میں آیا ہے سلسلہ نبوت بھی اسی وقت سے جاری ہے۔ سب سے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے پیغمبر تھے۔ ان کے بعد یکے بعد دیگرے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے رہے جب ایک نبی جاتا تو دوسرا نبی آ جاتا تھا۔

سورۃ فاطرہ میں فرمایا:

وَ اِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ (اور کوئی جماعت ایسی نہیں جن میں کوئی نذیر نہ گزرا ہو)

آخر میں سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی بعثت سارے انسانوں کے لئے سارے زمانوں کے لئے اور سارے جہانوں کے لئے ہے۔

آپ کی دعوت ہر شخص کو پہنچی ہوئی ہے۔ آپ کے دین کی خدمت کرنے والے علماء مبلغ اور داعی سارے عالم میں تحریر و تقریر اور دیگر

ذرائع سے توحید کی دعوت دے چکے ہیں اور دیتے رہتے ہیں اور عہدِ اَلْسُنَّت کی تذکیر پوری طرح ہوتی رہتی ہے اور برابر ہوتی رہی ہے۔ اگر بالفرض کوئی شخص دور دراز پہاڑوں کے غاروں میں رہتا ہو اور اسے دعوت نہ پہنچی ہو تب بھی عقل و فہم خالق و مالک نے اس کو عطا فرمائی ہے اس کا تقاضا ہے کہ اپنے خالق کو پہچانے اور اس کو وحدہ لا شریک مانے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

عقل و فہم بھی ہے اور اَلْسُنَّت بِرَبِّکُمْ کے جواب میں ”بلی“ بھی کہا تھا اس واقعہ کی کیفیت یاد ہو یا نہ ہو اس کا اثر ضرور ہے کہ انسان یہ ضرور سمجھتا ہے کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے مجھے اس کی عبادت ضرور کرنی چاہئے اسی وجہ سے فطری طور پر انسان عبادت کے لئے کسی ایسی ذات کو تلاش کرتا ہے جس کی وہ عبادت کرے۔ شیطان کے ورغلانے سے بہت سے لوگوں نے شرک اختیار کر لیا اور اصحابِ توحید جب انہیں ملامت کرتے ہیں اور شرک کی قباحت ظاہر کرتے ہیں تو وہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ غیر اللہ کی عبادت بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے ہے، یہ جواب وہ اس لئے دیتے ہیں کہ وہ خود بھی شرک کو برا سمجھتے ہیں۔ ان کے دلوں میں یہ عقیدہ ہے کہ ہمیں اپنے خالق کی عبادت کرنی چاہئے۔ اس کی عبادت میں کسی کے شریک کرنے کو برا جانتا یہی اسی عہدِ السنت کا نتیجہ ہے۔ جس کا آیت کریمہ میں اور احادیث شریفہ میں ذکر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے وہ فطرت (اسلامیہ) پر پیدا ہوتا ہے اور اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں، جیسے تم چوپائے کو دیکھتے ہو کہ اس کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے۔ کیا تم اس میں کوئی عضو کٹا ہوا پاتے ہو (نہیں اس کا کوئی عضو ناقص نہیں ہوتا۔ لیکن جن لوگوں کے قبضہ میں ہوتا ہے وہ اس کا کان یا کوئی عضو کاٹ دیتے ہیں۔ اسی طرح فطرتِ اسلامیہ پر پیدا ہونے والے بچہ کو اس کے ماں باپ یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں) اس کے بعد آپ نے آیت کریمہ فَطَرَتِ اللّٰهُ النَّاسَ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْہَا لَا تَبْدِیْلَ لِمَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِکَ الَّذِیْنَ الْقَیْمُ تَلَاوُثٌ فَرَمٰی (مُحَلَّوۃُ الْمَصَانِعِ صَفْحَہ ۱۲۱ از بخاری و مسلم ۱۲) وَكَذٰلِکَ نَفَصِّلُ الْآیٰتِ وَلَعَلَّہُمْ یَرْجِعُوْنَ (اور ہم اسی طرح اپنی آیات واضح طور پر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ رجوع ہو جائیں)

فائدہ..... انسانوں کو ترتیب و اران کے باپوں کی پشتوں سے نکال کر چیونٹیوں کے جٹ میں جو ظاہر فرمایا تھا، آج کل جدید آلات اور ایٹمی توانائی کے ذریعہ جو چیزیں ذرات کی صورت میں بن رہی ہیں اور کمپیوٹر میں بڑی ہو کر سامنے آرہی ہیں۔ انہوں نے بتا دیا ہے کہ بڑی سے بڑی چیز کو ایک نقطہ کی سی شکل دی جاسکتی ہے اور اس میں اس کے سب اعضاء موجود ہو سکتے ہیں۔

وَاسْأَلْ عَلَیْہِمۡ نَبَا الَّذِیۡۤ اٰتٰیہٗۤ اٰیٰتِنَا فَاَنْسَلَخْ مِنْہَا فَاَتَّبَعُہُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ

اور آپ ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے جسے ہم نے اپنی آیات دیں پھر وہ ان سے نکل گیا۔ پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا تو وہ

مِنَ الْغَوِیۡنَ ﴿۵۵﴾ وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰہُ بِہَا وَلَکِنَّا اَخْلَدْنَاۤ اِلَی الْاَرْضِ وَ اَتَّبَعِہٗ ہُوۡلَہٗ ؕ

مگر اہوں میں سے ہو گیا، اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اس کو بلند کر دیتے لیکن وہ بالکل ہی زمین کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا

فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ الْکَلْبِ ؕ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْہِ یَلْہَثْ اَوْ تَتْرُکْہٗ یَلْہَثْ ۚ ذٰلِکَ مَثَلُ

اس کی ایسی حالت ہے جیسے کتے کی حالت ہوتی ہے۔ اگر تو اس پر بوجھ لا دے تب بھی ہانپے اور اگر اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے۔ یہ مثال ہے ان لوگوں

الْقَوْمَ الَّذِينَ كَذَبُوا بَايَتَنَا ۖ فَاقْضِصْ الْقِصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۳۵﴾ سَاءَ مَثَلًا

ن جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ سو آپ قصوں کو بیان کیجئے تاکہ وہ لوگ غور و فکر کریں۔ بری مثال ہے ان

الْقَوْمَ الَّذِينَ كَذَبُوا بَايَتَنَا ۖ وَأَنْفُسَهُمْ كَانُوا يَظْلُمُونَ ﴿۳۶﴾

لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

ایک ایسے شخص کا تذکرہ جو اتباعِ ہوی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی آیات کو چھوڑ بیٹھا

جس شخص کا ان آیات میں ذکر ہے یہ کون شخص تھا اس کے بارے میں تفسیر درمنثور (صفحہ ۱۴۵ جلد ۳) میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔

ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی ہیں اور ان کے علاوہ تابعین میں سے سعید بن مسیب اور مجاہد اور قتادہ کے اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ حضرت قتادہ نے تو یہ فرمایا کہ جس شخص پر ہدایت پیش کی جائے اور وہ اس کے قبول کرنے سے انکار کر دے اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ مثال بیان فرمائی ہے۔ لیکن قرآن مجید کا سیاق بتاتا ہے کہ یہ واقعہ بھی ہے۔ واقعہ بیان فرما کر عبرت حاصل کرنے کے لئے فَاقْضِصِ الْقِصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ جو فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کا واقعی قصہ ہے محض مثال نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس شخص کا اس آیت کریمہ میں واقعہ بیان فرمایا ہے اس کا نام بلعم بن باعوراء ہے۔ یہ شخص جہارین یعنی عمالقہ میں سے تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے اور ان کے شہروں میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا تو بلعم کے چچا کے بیٹے اور قوم کے دوسرے افراد اس کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ موسیٰ قوت و شوکت والے آدمی ہیں اور ان کے ساتھ بہت سے لشکر ہیں وہ ان لشکروں کے ذریعہ ہم پر غلبہ پانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لہذا تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ کو اور اس کے ساتھیوں کو ہم سے دفع کر دے۔ بلعم نے جواب دیا کہ میں تو ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر میں اللہ سے یہ وعدہ کروں کہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو تم سے بٹا دو تو میری دنیا و آخرت دونوں ہی برباد ہو جائیں گی۔ لیکن وہ لوگ برابر اصرار کرتے رہے۔ لہذا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے لئے بدعا کر دی اس طرح اللہ تعالیٰ کی آیات سے نکل گیا۔ آیاتِ الہیہ کے جاننے پر جو اس کی ذمہ داری تھی اس کو پس پشت ڈال دیا اور ان آیات سے بے تعلق ہو گیا اور شیطان اس کے پیچھے لگ گیا جس کی وجہ سے وہ بالکل ہی گمراہ ہو گیا اور بعض روایات میں ہے کہ جب بلعم نے بدعا کرنے سے انکار کر دیا اور لوگ برابر اصرار کرتے ہی رہے تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بدعا کرنی شروع کی لیکن زبان سے اپنی قوم کے لئے بدعا نکل رہی تھی۔ اس کی قوم نے کہا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ کہنے لگا میں کیا کروں میری زبان سے تمہارے ہی لئے بدعا نکلتی ہے اور اگر میں موسیٰ اور اس کی قوم کے لئے بدعا کروں تو وہ قبول نہیں ہوگی بلعم اپنی قوم سے بدیہ کے عنوان سے رشوت لے چکا تھا۔ اب اس نے اپنی قوم کو یہ رائے دی کہ تم اپنی عورتوں کو سنگھار کے ساتھ بنی اسرائیل میں بھیج دو۔ وہ لوگ ان سے زنا کر کے تو ان پر اللہ کی طرف سے عذاب آجائے گا چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا، بنی اسرائیل زنا میں مبتلا ہو گئے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون بھیج دیا، جس میں ستر ہزار بنی اسرائیل مر گئے۔ (تفسیر درمنثور صفحہ ۱۴۷ جلد ۳)

اس روایت میں یہ اشکال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں بنی اسرائیل نے عمالقہ پر حملہ کرنے اور ان کے شہر میں داخل ہونے کا ارادہ ہی نہیں کیا پھر یہ واقعہ کیسے پیش آیا؟ عمالقہ پر حملہ کرنے کا واقعہ تو حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں پیش آیا

تھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت یوں بھی ہے کہ بلعم اہل یمن سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی آیات عطا فرمائیں اور اس نے اس کو چھوڑ دیا اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ شخص بنی اسرائیل میں سے تھا، بہر حال یہ سب باتیں اسرائیلیات ہیں کوئی پائے ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جو حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت امیہ بن ابی الصلت کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور اسے **يَسْمِ اللّٰهَ الرَّحْمٰنَ الرَّحِيْمَ**۔ **يَسْمِ الْفُرْاٰنَ الْحَكِيْمَ**۔ پڑھ کر سنایا تو اس کا ارادہ ہوا کہ اسلام قبول کرے۔ لیکن اسے بدر کے واقعات کی خبر ملی تو اسلام کا ارادہ چھوڑ دیا اور طائف میں جا کر مر گیا۔

یہ روایت درمنثور (صفحہ ۱۴۶ جلد ۲) میں نسائی ابن جریر، ابن المنذر اور طبرانی وغیرہم کے حوالہ سے نقل کی ہے نیز صاحب درمنثور نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ بلعم کو نبوت عطا کی گئی تھی اس نے اپنی قوم سے رشوت لے لی اور ان لوگوں نے یہ شرط کر کے رشوت دی کہ وہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے اور خاموش رہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ یہ بات تو بالکل ہی غلط ہے کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے اس قسم کے امور کا صادر ہونا شرعی اصول کے مطابق ناممکن ہے۔ بہر حال صاحب قصہ جو بھی ہو۔ اس کی تعین پر آیت کی تفسیر موقوف نہیں ہے جس شخص کا یہ واقعہ ہے وہ اللہ پاک کی طرف سے آزمائش میں ڈالا گیا اور وہ ناکام ہوا، اس نے دنیاوی زندگی کو ترجیح دی اور اللہ کی آیات کو چھوڑ دیا اور خواہشات کے پیچھے پڑ گیا لہذا گمراہ ہوا اسی کو فرمایا **وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ**۔

صاحب جلالین لکھتے ہیں کہ جب بلعم بن باعوراء نے رشوت لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لئے بددعا کر دی تو اس کی زبان نکل کر سینے پر آگئی اور اس کا حال ایسا ہو گیا جیسے کتے کا حال ہے کتے پر حملہ کر تب بھی ڈر بان کو نکال کر ہلاتا ہے اور اس کو چھوڑے رہو یعنی حملہ نہ کرو جب بھی وہ اپنی زبان کو ہلاتا رہتا ہے۔ بلعم کا بھی ایسا ہی حال ہو گیا۔ زبان نکلنے کی وجہ سے کتے کی طرح ہلاتا رہتا تھا اور بعض مفسرین سے بلعم کی زبان باہر نکلنے کا ذکر نہیں کیا بلکہ یوں فرمایا ہے کہ آیت شریفہ میں اسے کتے کی ذلت سے تشبیہ دی ہے۔ کتے کو چھڑ کو، مارو، بھگاؤ تب بھی زبان نکالے ہوئے ہلاتا رہتا ہے اور اس سے کچھ نہ کہو تب بھی اس کی زبان باہر ہے اور بل رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خواہش کے اتباع اور طلب دنیا کی وجہ سے شخص مذکور جس کا آیت میں ذکر ہے کتے کی طرح سے ہو گیا کہ ہر حال میں ذلیل ہی ذلیل ہے حسرت اور ذلت میں کتے کی مثال دی گئی ہے۔

آیت شریفہ میں ہر اس شخص کی مذمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی آیات عطا فرمائے اور انہیں چھوڑ کر دنیا کا طلب گار ہو جائے اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ جائے اور کفر کو اختیار کرے اسی لئے فرمایا: **ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا**۔ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے۔ پھر فرمایا:

**فَاَقْصُصْ الْقُصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ** (کہ قصہ بیان کیجئے تاکہ لوگ غور و فکر کریں)

مذکورہ واقعات میں عبرت اور موعظت تو سب ہی کے لئے ہے لیکن خاص کر یہودیوں کے لئے اس اعتبار سے نصیحت اور عبرت حاصل کرنے کا موقع زیادہ ہے کہ انہیں بنی اسرائیل کے پرانے واقعات معلوم تھے اور آنحضرت سرور عالم ﷺ کو یہ واقعات کسی انسان نے نہیں بتائے تھے وہ واقعات آپ نے بتادیئے تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ آپ کو وحی کے ذریعہ بتائے گئے ہیں، یہودیوں کو یہ بات سوچنا چاہئے اگر واقعی سوچیں اور خدا اور ہٹ دھری سے کام نہ لیں تو ان کا ضمیر انہیں ایمان لانے پر مجبور کر دے گا۔

مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِىٰ ۖ وَمَنْ يُضِلِّ ۖ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۷﴾ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ

جسے اللہ ہدایت دے، سو وہی ہدایت پانے والا ہے اور وہ جسے گمراہ کرے تو یہ لوگ ہیں نقصان میں پڑنے والے اور حقیق ہم نے پیدا کیا جہنم

كَثِيرًا مِّنَ الْجِنَّۃِ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَاۤ يَفْقَهُوْنَ بِهَادٍ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَاۤ يُبْصِرُونَ

کے لئے بہت سے جنات کو اور بہت سے انسانوں کو، ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ

بِهَادٍ وَلَهُمْ اِذَا نَالَيْسَمْعُونَ بِهَادٍ اُولَٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۖ اُولَٰئِكَ هُمُ الْغٰفِلُونَ ﴿۸﴾

دیکھتے نہیں، اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بڑھ کر بے راہ ہیں، ایسے لوگ غفلت والے ہی ہیں۔

انسانوں اور جنوں میں ایسے لوگ ہیں جو چوپایوں سے زیادہ گمراہ ہیں

اس سے پہلی آیات میں ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جسے اللہ نے اپنی آیات دی تھیں اس نے عالم ہوتے ہوئے دنیا کی محبت میں ان آیات کو چھوڑ دیا اور خواہشات کے پیچھے لگ گیا، اس آیت میں عمومی طور پر ہدایت اور گمراہی کے بارے میں حقیقت واضح فرمادی (دیگر آیات میں بھی یہ مضمون بیان فرمایا ہے) اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے ہدایت اور گمراہی اور خیر و شر کا خالق ہے۔ اس نے بندوں کو اپنی کتابوں اور رسالوں کے ذریعہ ہدایت اور ضلالت دونوں کے راستے واضح فرمادیے ہیں اور بندوں کو اختیار بھی دیا وہ اپنے اس اختیار کو خیر میں بھی لگا سکتے ہیں اور شر میں بھی، جو اپنے اختیار کو غلط استعمال کرتے ہیں اور گمراہی کے راستے پر چل دیتے ہیں ان کے لئے آخرت میں عذاب شدید ہے، جو لوگ اپنے اختیار کا غلط استعمال کرتے ہیں ان کو جتنا بھی سمجھایا جائے بات سمجھنے کا ارادہ نہیں کرتے اس لئے ہدایت کی بات کو سمجھتے ہی نہیں اور جو ہدایت کی باتیں کان میں پڑتی ہیں ان کو سننے کے طریقہ پر نہیں سنتے، اگر ہدایت اور رشد و حق کی کوئی بات کان میں پڑ جائے تو ساری سنی ان کی کر دیتے ہیں اور ہدایت قبول کرنے کا ارادہ ہی نہیں کرتے، سننے کی قوت تو برباد کر دی دی دیکھنے کی قوت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے، جب دلائل تکوینیہ سامنے آتے ہیں اور معجزات کو نظروں سے دیکھتے ہیں تو قصد او ارادۃ اندھے بن جاتے ہیں اور ہدایت سے دور بھاگتے ہیں۔ گو خالق ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن بندے اپنے اختیار سے خیر و شر اور ہدایت و ضلالت والے بنتے ہیں۔

اُولَٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ جن لوگوں کا اوپر ذکر ہوا ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ اپنی بصیرت و بصارت اور فہم و ادراک سے کام نہیں لیتے۔ ہدایت سامنے ہوتے ہوئے قبول نہیں کرتے اسی لئے یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ گمراہی میں چوپایوں سے بھی بڑھ کر ہیں، جانور اپنی ضرورت کو تو سمجھتا ہے۔ کھانے اور پینے کی ضرورت ہوتی ہے تو اسکے لئے آوازیں نکالتا ہے اور اپنی حاجت پوری کر لیتا ہے۔ جانوروں کی حاجت اتنی ہی سی ہے، ان کے لئے جنت اور دوزخ نہیں ہے اگر جانوروں نے جنت میں جانے اور دوزخ سے بچنے کی فکر نہ کی تو ان سے کوئی ملامت نہیں، لیکن انسان اور جنات جن کے سامنے اصلی اور واقعی ضرورت درپیش ہے۔ یعنی انہیں دوزخ کے دائمی عذاب سے بچنے اور جنت کی دائمی نعمتوں میں رہنے کی حاجت ہے اپنی اس ضرورت کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ پیدا کرنے والے نے نبی بھیجے کتابیں نازل فرمائیں، جنات اور انسانوں کو ان کی واقعی اور اصلی ضرورت بتائی اور یہ بھی بتایا کہ تمہاری حاجت روائی اور کامیابی ایمان میں اور اعمال صالحہ میں ہے اور بربادی اور ناکامی کفر اور معصیت میں ہے۔ اس سب کو جانتے ہوئے بھی دھیان نہ

دینا اور کفر پر جبر رہنا بہت بڑی گمراہی ہے ایسے لوگ گمراہی میں جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ آخر میں فرمایا: **أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ**۔  
(یہ لوگ غفلت والے ہی ہیں) آخرت سے بھی غافل ہیں اور آخرت کی ضرورتوں سے بھی۔

**وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذُرُّوا الذِّیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ أَسْمَآئِهِۦ ۚ**

اور اللہ کے لئے اچھے نام ہیں سو تم اسے ان ناموں سے پکارو، اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج ردی اختیار کرتے ہیں۔

**سَيَجْزُوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾**

غریب ان کو ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

**اللہ تعالیٰ کے لئے اسماء حسنیٰ ہیں ان کے ذریعہ اس کو پکارو**

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں (صفحہ ۳۲۵ جلد ۷) آیت بالا کا سبب نزول بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں ایک شخص نماز میں **رَحْمٰنُ یَّارَ جَبْرِیْمُ** کہہ رہا تھا۔ مکہ مکرمہ کے ایک مشرک نے سن لیا تو کہنے لگا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی یوں کہتے ہیں کہ ہم ایک ہی رب کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ یہ شخص ایسے الفاظ کہہ رہا ہے جن سے دورب کو پکارنا سمجھ میں آ رہا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں ان کے ذریعہ اسے پکارو پکارو لفظ **فَادْعُوْهُ** کا ترجمہ ہے اور بعض حضرات نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ اللہ کو ان ناموں سے موسوم کرو۔ دونوں طرح ترجمہ کرنا درست ہے اللہ تعالیٰ کے لئے اسماء حسنیٰ ہیں۔ یہ مضمون سورہ بنی اسرائیل کے ختم پر مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اسمائے حسنیٰ کے ذریعے پکارنا۔ ان اسماء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور ان اسماء کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا یہ سب **فَادْعُوْهُ بِهَا** کے عموم میں آ جاتا ہے۔ صحیح بخاری (صفحہ ۹۴۹ جلد ۲) میں ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: **لِلّٰهِ تِسْعَةٌ وَ تَسْعَوْنَ اِسْمًا مَّائَةً اَوْ اَحَدًا لَا یَحْفَظُهَا اَحَدٌ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ.....** (یعنی اللہ کے ایک کم سو یعنی ننانوے نام ہیں۔ جو شخص انہیں یاد کرے گا ضرور جنت میں داخل ہوگا اور صحیح مسلم (صفحہ ۳۴۲ جلد ۲) میں ہے۔ **مَنْ اَحْصَاَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ** (یعنی جس نے ان ناموں کو شمار کر لیا وہ جنت میں داخل ہوگا)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **مَنْ اَحْصَاَهَا**، **مَنْ** حفظہا کے معنی میں ہے، سنن ترمذی میں ننانوے نام مذکور ہیں اور سنن ابن ماجہ میں بھی لیکن ان میں بعض اسماء وہ ہیں جو ترمذی کی روایت میں نہیں ہیں اور دیگر کتب حدیث میں بھی بعض اسماء مذکور ہیں، جو ترمذی کی روایت کے علاوہ ہیں۔ اسی لئے حضرات محدثین کرام نے فرمایا ہے کہ حدیث کا مقصود یہ نہیں کہ اللہ کے صرف ننانوے نام ہیں بلکہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص کوئی سے ننانوے اسمائے حسنیٰ کو یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ **قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَبْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِی فَتْحِ الْبَارِیْ فَالْمَرَادُ الْاَخْبَارُ اِنْ دَخَلَ الْجَنَّةَ بِاَحْصَاءِ هَٰلَا الْاَخْبَارُ بِحَصْرِ الْاَسْمَاءِ**۔ (حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ جنت کا داخلہ اسماء مبارکہ یا ذکر کرنے پر ہے یہ مطلب نہیں کہ صرف شمار کرنے سے جنت میں داخلگی کی فضیلت ہے) حضرات محدثین کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ اسمائے حسنیٰ جو کتب حدیث میں یکجا ہیں خود حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں یا بعض روایت حدیث نے قرآن شریف کی آیات کا اور احادیث کا انتخاب کر کے ان اسماء کو جمع کر دیا ہے اور حدیث کے ساتھ ملا کر روایت کر دیا ہے اگر ایسا ہے تو ان اسماء عالیہ کا ذکر حدیث میں مدرج ہوگا لیکن چونکہ ان اسماء میں اکثر ایسے ہیں جو قرآن اور حدیث میں بالتحریک موجود ہیں اور بعض



ایسے ہیں جو آیات اور احادیث کے مضامین سے مستفاد ہوتے ہیں اس لئے ان کو یاد کرنا اور دعاء سے پہلے حمد و ثناء کے طور پر ان کو پڑھ لینا قبولیت دعاء کا وسیلہ ضرور ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے جامع صغیر میں بحوالہ حلیۃ الاولیاء حضرت علیؑ سے حدیث نقل کی ہے۔ اِنَّ لِلّٰهِ سَعَةً وَتَسْعَةً اِسْمًا مَّائَةً غَيْرَ وَاحِدَةٍ اِنَّهُ وَتُرْ يُحِبُّ الْوِتْرَ وَمَا مِنْ عَبْدٍ يَدْعُوْ بِهَا اِلَّا وَجِبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ (اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں اور ننانوے یعنی طاق عدد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود طاق ہیں اور طاق عدد کو ہی پسند کرتے ہیں۔ جو شخص ان ناموں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا اس کے لئے جنت واجب ہو جائیگی) اس میں بھی یدعو بہا کا ایک مطلب تو وہی ہے کہ ان اسماء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان اسماء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگے یعنی ان اسماء کو پڑھے پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔

علامہ جزریؒ نے المحسن الحسین میں اس طرح کی احادیث نقل کی ہیں جن سے اسماء الہیہ کو ذکر کرنے کے بعد دعا کی جائے تو دعا قبول ہونے کا وعدہ ہے۔ بحوالہ سنن ترمذی علامہ جزریؒ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ کہتے ہوئے سنا تو آپؐ نے فرمایا کہ تیری دعا قبول ہوگئی تو سوال کر لے، پھر بحوالہ مستدرک حاکم نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک شخص پر گز رہا جو یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ پڑھ رہا تھا آپؐ نے فرمایا کہ سوال کر اللہ تعالیٰ شانہ نے تیری طرف (رحمت کی) نظر فرمائی اور ایک شخص یہ پڑھ رہا تھا۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدًا۔ آپ ﷺ نے اس کے الفاظ سن کر فرمایا کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے وسیلہ سے دعا کی ہے اس کے ذریعہ سوال کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتا ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جاتی ہے تو قبول فرما لیتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۹۹ از ترمذی)

درمنثور (صفحہ ۱۳۹ جلد ۳) میں امام بیہقی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرنے لگیں تو انہوں نے یوں کہا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِجَمِیْعِ اَسْمَاءِ کَ الْحُسْنٰی کُلِّهَا مَا عَلِمْنَا مِنْهَا وَمَا لَمْ نَعْلَمْ وَاَسْأَلُكَ بِاسْمِکَ الْعَظِیْمِ الْاَعْظَمِ الْکَبِیْرِ الْاَکْبَرِ الَّذِیْ مِنْ دَعَاکَ بِہٖ اَحَبُّۃٌ وَمَنْ سَاَلَکَ بِہٖ اَعْطِیْتِہٖ (اے اللہ میں آپ سے آپ کے تمام اسماء حسنی کے ذریعہ سوال کرتی ہوں خواہ وہ اسماء ہمیں معلوم ہوں یا نہ ہوں، اور میں آپ سے آپ کے اسم اعظم کے ذریعہ سوال کرتی ہوں وہ اسم اعظم کہ جو شخص اس کے ذریعہ آپ سے دعا کرتا ہے آپ اس کی دعا قبول کر لیتے ہیں اور جو اس کے ذریعہ آپ سے کچھ مانگتا ہے آپ اسے عطا کر دیتے ہیں)

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے ٹھیک طریقہ اختیار کیا دو بار ایسا ہی فرمایا۔ علامہ قرطبی نے فَاذْعُوْہُ بِہَا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اِیْ اطْلُبُوْا مِنْہٗ بِاسْمَائِہٖ فِیْطَلُبْ بِکُلِّ اسْمٍ مَا یَلِیْقُ بِہٖ یَا رَحِیْمُ اِرْحَمْنِیْ یَا حَکِیْمُ اَحْکِمْ بِیْ یَا رَزَاقُ اَرْزُقْنِیْ یَا هَادِیْ اِهْدِنِیْ یَا فَتَاحُ افْتَحْ لِیْ یَا تَوَّابُ تَبْ عَلٰی ہٰکِذَا (یعنی اللہ تعالیٰ سے اسماء کے ذریعہ مانگا کرو اور چاہئے کہ ہر اسم سے اس کی مناسبت سے مانگے اور یوں کہے کہ اے رحیم مجھ پر رحم فرما، اے حکیم مجھے دانائی عطا فرما۔ اے رازق مجھے رزق عطا فرما، اے ہادی مجھے ہدایت دے، اے فتاح میرے لئے کھول دے، اے تواب میری دعا قبول فرما)

اسمائے حسنی کے ذریعہ اللہ کو یاد کرنے اور اللہ سے مانگنے کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا: وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ اَسْمَائِہٖ ط سَیْجَزُوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

(اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کجروی اختیار کرتے ہیں وہ ان کاموں کا بدلہ پالیں گے جو وہ کیا کرتے تھے)

اسماء الہیہ میں کج روی اختیار کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کے بارے میں تفسیر قرطبی اور تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے ناموں سے مشتق کر کے اپنے بتوں کے نام رکھ دیئے تھے مثلاً لفظ اللہ سے الملات نکالا اور لفظ العزیز سے العزیز نکالا اور النان سے منات نکالا اور ان ناموں سے اپنے بتوں کو موسوم کر دیا اور درمنثور میں حضرات اعش سے اس کی تفسیر یوں نقل کی ہے کہ ید خلون فیہا مالیس منہا یعنی اللہ کے ناموں میں ان ناموں کا اضافہ کر دیتے ہیں جو اس کے نام نہیں ہیں۔

علماء امت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں۔ قرآن وحدیث میں جو اسماء وارد ہوئے ہیں ان کے سوا دوسرے ناموں سے اللہ کو موصوف نہ کیا جائے، بہت سے لوگ اللہ کے نام مخلوق کے لئے استعمال کر دیتے ہیں اور وہ اس طرح سے کہ لفظ عبد کو چھوڑ کر مسمیٰ کا نام لیتے ہیں مثلاً عبد الرحمن کو رحمن صاحب اور عبد الغفار کو غفار صاحب اور عبد الغفور کو غفور صاحب کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس سے سختی کے ساتھ پرہیز کرنا لازم ہے۔

وَمَنْ خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَذَبُوا بآيَاتِنَا

اور جن کو ہم نے پیدا کیا ان میں ایک جماعت ایسی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو چھڑایا

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَأُمْلِي لَهُمْ ۝ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۝ أَوَلَمْ

ہم ان کو اس طرح ڈھیل دیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو اور میں انہیں ڈھیل دوں گا بے شک میری تدبیر مضبوط ہے۔ کیا ان لوگوں نے

يَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جَنَّةٍ ۚ إِنَّ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ

غور نہیں کیا کہ ان کے صاحب کو کوئی جنوں نہیں ہے۔ وہ تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہے۔ کیا ان لوگوں نے آسمانوں

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَأَنْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۚ

اور زمین کی بادشاہت میں اور دوسری چیزوں میں غور نہیں کیا جو اللہ نے پیدا فرمائی ہیں اور اس بات میں کہ ان کی اجل قریب آچکی ہو۔

فِي آيَاتِي حَدِيثٌ مُّبَدَّلٌ ۚ يُؤْمِنُونَ ۝ مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ وَيَذَرُهُمْ

سو اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔ اللہ جسے گمراہ کرے سو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ انہیں

فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے۔

مکذبین کو ڈھیل دی جاتی ہے، اللہ جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں

ان آیات میں اول تو یہ بیان فرمایا کہ ہم نے جن لوگوں کو پیدا کیا ان میں ایک جماعت ایسی ہے جو حق کی ہدایت دینے والی ہے۔ یہ لوگ حق کی راہ بتاتے ہیں اور حق کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔ الفاظ کا عموم جنوں اور انسانوں سب کو شامل ہے۔ ان میں بہت سے لوگ وہ ہیں جنہیں دوزخ کے لئے پیدا فرمایا ان کا ذکر قریب ہی گزر چکا ہے اور یہاں بالتصریح یہ بیان فرمایا کہ ان میں حق کی راہ بتانے والے

اور حق کے موافق انصاف کرنے والے بھی ہیں۔

پھر آیات کی تکذیب کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کی جو فوری پکڑ نہیں ہوتی اس سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ اللہ کے محبوب بندے ہیں مسلمان بھی ان کے ظاہری حال دیکھ کر ان پر رشک نہ کریں۔ دنیا میں اچھے حال میں ہونا عند اللہ مقبولیت کی دلیل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ کا ایک نکوئی قانون استدراج بھی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے کفر اور بد اعمالی میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ڈھیل دیتے رہتے ہیں اور اسے خبر بھی نہیں ہوتی کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یہ ڈھیل اس کے لئے مزید سرکشی کا باعث بنتی ہے اور پھر کبھی دنیا میں بھی گرفت ہو جاتی ہے اور آخرت میں تو اہل کفر کی سخت گرفت ہے ہی جس میں کوئی شک نہیں۔ اسلام کے دعویداروں میں جو معاصی میں غرق ہیں ان کے ساتھ بھی استدراج ہو جاتا ہے۔ وہ اس ڈھیل سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو برا فائدہ ہے۔ کیونکہ اس کے پیچھے سخت گرفت آنے والی ہوتی ہے۔ اللہ کی ڈھیل سے دھوکہ نہ کھائیں یہ گرفت فرمانے کے لئے ایک تدبیر ہے اسی کو فرمایا: **وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ**۔ (اور میں انہیں ڈھیل دوں گا، بیشک میری تدبیر مضبوط ہے)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تو یہ دیکھے کہ اللہ کسی بندے کو اس کے گناہوں کے باوجود دنیا میں سے اس کی محبوب چیزیں دے رہا ہے تو وہ استدراج ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سورۃ انعام کی آیت) **فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ** (آخر تک) تلاوت فرمائی (مشکوۃ الصالح صفحہ ۴۳۳)۔ لفظ استدراج کا مادہ درج ہے (جو اوپر چڑھنے کے معنی میں آتا ہے) نافرمان آدمی کو نعمتیں ملتی رہتی ہیں تو وہ خوف خدا اور فکر آخرت سے غافل ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر اچانک پکڑ لیا جاتا ہے، چونکہ ڈھیل ملتی رہتی ہے اور درجہ بدرجہ مصیبتوں میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اس لئے اسکو استدراج سے تعبیر فرمایا ہے، اسکے بعد فرمایا: **أَوَلَمْ يَسْغُرُوا بِمَا بِصَاحِبِهِمْ مِنْ جَنَّةٍ** کہ دعوت تو حید دینے والا شخص جو ان کے اندر موجود ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس کے بارے میں ان لوگوں نے غور نہیں کیا؟ یہ جو محنت اور مجاہدہ کرتے ہیں لوگوں کو حق کی دعوت دیتے ہیں اور آخرت کی یاد دلاتے ہیں اور اس کے عمل پر لوگوں کی طرف سے تکلیفیں پہنچتی ہیں اور اس محنت پر انہیں دنیا کا کچھ نفع حاصل نہیں یہ غور کرنے کی بات ہے جسے اس محنت کا دنیا میں کچھ پھل نہیں ملتا اور ان لوگوں کو معتبور بھی رہتا ہے اسے کیا ضرورت ہے ایسی محنت کرے، وہ کوئی دیوانہ نہیں اس کی سب باتیں حکمت کی ہیں اس کے افعال و اعمال سب درست ہیں، اس کے اخلاق و آداب کی خوبی کے سب معترف ہیں پھر اس کی دعوت کو کیوں قبول نہیں کرتے؟ بعض لوگ ضد میں آکر دیوانہ بھی کہہ دیتے تھے ارشاد فرمایا کہ غور تو کرو کیا یہ شخص دیوانہ ہو سکتا ہے؟ چونکہ آپ ان ہی میں سے تھے ان کے ساتھ رہتے تھے اس لئے آپ کے بارے میں صاحبہم (ان کا ساتھی) فرمایا۔

**إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ** (بس وہ تو واضح طور پر ڈرانے والا ہے) حق کی دعوت کی یاد دہانی کراتا ہے۔

یہ باتیں مشرکوں کو ناگوار ہیں حق کو ماننے نہیں اور داعی حق کو دیوانہ کہتے ہیں یہ ان کی اپنی دیوانگی ہے۔ داعی حق دیوانہ نہیں ہے اس کے بعد فرمایا: **أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ**۔ (کیا انہوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت میں غور نہیں کیا) **وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ**..... (اور آسمان و زمین کے علاوہ دوسری چیزیں جو پیدا فرمائی ہیں ان میں غور نہیں کیا) **وَأَنْ عَسَى أَنْ يَكُونُ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ**۔

(اور کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ممکن ہے اجل قریب ہی آجینگی ہو) اگر زمین کے بارے میں غور کرتے اور اللہ کی بادشاہت کے مظاہرے دیکھتے اور دوسری مصنوعات و مخلوقات میں تدبیر اور تفکر کرتے تو سمجھ لیتے کہ ان چیزوں کا خالق و مالک وحدہ لا شریک ہے حکیم

ہے اور مدبر ہے اور اگر یہ غور کرتے کہ ممکن ہے ہماری موت کا وقت قریب ہے تو موت کے بعد کے حالات کے لئے فکر مند ہوتے اور مابعد الموت کی زندگی کے لئے عمل کرتے لیکن بے فکری نے انہیں توحید کے ماننے سے غافل رکھنا اقراری ہوئے اور نہ اس کے لئے فکر مند ہوئے۔ آخر میں فرمایا قِبَآئِ حَدِيثٍ ۚ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ۝

ان کو قرآن صاف صاف باتیں بتاتا ہے حق کا اعلان کرتا ہے اس کی دعوت میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے اس کی فصاحت و بلاغت مسلم ہے اس سب کے باوجود جو لوگ اسے نہیں مانتے آگے انہیں کیا انتظار ہے۔ اب اس کے بعد کون سی ایسی بات ہے جس پر وہ ایمان لائیں گے۔ اگر ماننا چاہتے تو ہٹ دھرمی نہ کرتے اور اب تک مان گئے ہوتے، چونکہ ماننے کا ارادہ نہیں ہے اس لئے برابر حق سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ پھر فرمایا: مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ۔ (جسے اللہ گمراہ کرے سوا سے کوئی ہدایت دینے والا نہیں)..... وَيَسْأَلُهُمْ فِي طَعْنِهِمْ يَعْصِيهِمْ (اور اللہ نے انہیں چھوڑ رکھا ہے کہ وہ اپنی گمراہی میں بھٹک رہے ہیں) گمراہی میں پڑے ہیں اگر اسی پر مریں گے تو واقعی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسِمُهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي ۚ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا

وہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا واقعہ ہوتا کب ہے؟ آپ فرمادیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے اسے اس کے وقت الاَّ هُوَ ۖ ثَقُلَتْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۚ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيفٌ  
پر وہی ظاہر فرمائے گا، وہ آسمانوں میں اور زمین میں بھاری پڑ جائے گا، تمہارے پاس اچانک ہی آجائے گا وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ اس کے بارے میں علم

عَنْهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

معلومات حاصل کر چکے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ اس کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

قیامت کے آنے کا وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے وہ اچانک آجائیگی

چونکہ نبی اکرم ﷺ توحید کی دعوت کے ساتھ قیامت کے بارے میں بھی خبر دیتے تھے اور اس کے احوال و احوال بتاتے تھے اس لئے مشرکین قیامت کے بارے میں بھی طرح طرح کی باتیں نکالتے تھے وہ کہتے تھے کہ جب گل سر کر ہماری ہڈیوں کا چورا ہو جائے گا تو کیا ہم دوبارہ زندہ ہونگے؟ اور اس کی تکذیب کے لئے یوں کہتے تھے: مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ ۖ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ، (کہ قیامت آنے کا جو وعدہ ہے کب پورا ہوگا) اس کا مطلب وقت پوچھنا نہیں تھا۔ بلکہ وقوع کا انکار کرنا تھا امتداد اجل سے عدم وقوع اور عدم امکان پر استدلال کرتے تھے یہ ان کی حماقت تھی کسی چیز کا دیر میں آنا عدم امکان اور عدم وقوع کی دلیل نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے کہ بتائیے قیامت کب واقع ہوگی؟ اور اس طرح سوال کرتے تھے کہ جیسے آپ کو اس کے بارے میں پورا علم ہے ان کے جواب میں فرمادیا: إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ (کہ اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے)

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے) کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا علم صرف اپنے ہی لئے رکھا ہے کسی نبی یا فرشتہ کو نہیں دیا۔

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام انسانی صورت میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند سوال کئے جن میں

ایک سوال یہ تھا کہ قیامت کب آئے گی۔ آپ نے فرمایا: مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ (جس سے سوال کیا گیا ہے وہ اس سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے جس نے سوال کیا۔) (رواہ بخاری، مسلم)

یعنی اس بارے میں، میں اور تم برابر ہیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ سوال کرنے والوں کے سوال کا یہ مقصد ہو سکتا ہے کہ اگر واقعی رسول ہیں تو متعین طور پر آپ بتا دیں گے کہ قیامت کب آئے گی۔ کیونکہ ان کے خیال میں نبوت کے لوازم میں سے یہ بات بھی تھی کہ رسول کو قیامت کا علم ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور بتایا کہ اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے رسول کا نہ جاننا منصب رسالت کے خلاف نہیں ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: وَبَعْضُهُمْ يَزْعُمُ أَنَّ الْعِلْمَ بِذَلِكَ مِنَ مُقْتَضِيَاتِ الرِّسَالَةِ فَيَتَّخِذُ السُّؤَالَ ذَرِيْعَةً إِلَى الْقُدْحِ فِيهَا۔ (اور بعض کا گمان یہ تھا کہ قیامت کا علم ہونا رسالت کے لوازمات میں سے ہے اس لئے وہ قیامت کی قیامت کے متعلق سوال کر کے رسالت کی صداقت جاننا چاہتے تھے)۔ (صفحہ ۱۲۴ جلد ۹)

یہ جو فرمایا قیامت اچانک آجائے گی اس کی تفصیل حدیث میں اس طرح وارد ہوئی ہے کہ قیامت اس حال میں آجائے گی کہ دو شخصوں نے اپنے درمیان میں کپڑا کھول رکھا ہوگا اور ابھی خرید و فروخت کرنے نہ پائیں گے اور کپڑا لپٹنے نہ پائیں گے کہ قیامت آجائے گی اور قیامت اس حال میں آجائے گی کہ کوئی شخص اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر چلے گا اور وہ ابھی پینے بھی نہ پائے گا کہ قیامت آجائے گی اور کوئی شخص اپنا حوض لپ رہا ہوگا کہ قیامت آجائے گی اور وہ اس میں (اپنے جانوروں کو پانی بھی) نہ پلا پائے گا اور کسی شخص نے اپنے منہ کی طرف لقمہ اٹھا رکھا ہوگا وہ اسے کھانے بھی نہ پائے گا کہ قیامت آجائے گی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۹۶۳ جلد ۲)

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَا سْتَكْثَرْتُ

آپ فرمادیتے کہ میں اپنی جان کے لئے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے چاہا، اور اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو بہت سے منافع

مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۖ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۸﴾

حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی ناگوار چیز نہ پہنچتی۔ میں تو ان لوگوں کو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہوں جو ایمان رکھتے ہیں۔

۸ مَعَالِقُ

آپ ﷺ فرمادیتے کہ میں اپنے لئے کسی نفع و ضرر کا مالک نہیں ہوں اور نہ غیب جانتا ہوں

اس آیت میں اول تو نبی اکرم ﷺ کو خطاب فرما کر ارشاد فرمایا کہ آپ لوگوں کو بتادیں کہ میں اپنے لئے ذرا بھی نفع یا کسی ضرر کا مالک نہیں ہوں اللہ کی مشیت اور اس کی قضاء و قدر کے موافق ہی مجھے نفع و ضرر پہنچتا ہے۔ مجھے اپنے نفع اور ضرر کے بارے میں کوئی اختیار نہیں ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ اعلان کر دیا تا کہ لوگ آپ کو اللہ کا بندہ سمجھیں اور یہ بھی یقین کریں کہ آپ کو جو نفع و نقصان پہنچتا ہے وہ صرف اللہ کی مشیت سے پہنچتا ہے اور نقصان کے بارے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں۔ بندوں کو اللہ تعالیٰ نے جو علم و فہم اور تدبیر، محنت اور کوشش کا اختیار دیا ہے جس کے ذریعہ کچھ فائدہ ہو جاتا ہے یا کسی ضرر سے بچ جاتے ہیں اس طرح کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو بھی تھا ان تدابیر اور اسباب کے اختیار کرنے اور اعضاء و جوارح کو حرکت دینے سے جو کچھ نفع حاصل ہو جاتا ہے یا بعض مرتبہ کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے تو یہ سب اللہ کی مشیت کے تابع ہے خود مختاری نہیں ہے لفظ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ کی یہ تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ استثناء متصل ہو۔ قال فی الروح اَنِّیْ وَفَّتْ مَشِيَّتِهِ سُبْحَانَهُ بَانَ يُمْكِنُنِي مِنْ ذَلِكَ فَاَنْتَبَى حِينَئِذٍ اَمْلِكُهُ بِمَشِيَّتِهِ۔

اور اگر استثناء منقطع لیا جائے تو اس کا یہ معنی ہوگا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے بس وہی ہوگا، میرا اختیار کچھ بھی نہیں۔  
(رابع روح المعانی صفحہ ۱۲۶ جلد ۹)

وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبُ لَاسْتَكْفَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ (یعنی آپ یہ بھی فرمادیں کہ اگر میں غیب کا علم کا جانتا ہوتا تو میں بہت سی خیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی ناگوار چیز پیش نہ آتی) نفع یا ضرر پہنچنے سے پہلے ہی آکر علم ہو جائے کہ ان میں سے کوئی امر پیش آنے والا ہے تو پہلے ہی سے ایسی صورتیں اختیار کر لی جائیں کہ نفع زیادہ سے زیادہ ہو اور کثرت منافع کے مواقع میں رکاوٹ ڈال دی جائے اور آنے والے ضرر کے دفعیہ کے لئے پوری کوشش کام میں لائی جائے لیکن حال یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیفیں پہنچ جاتی تھیں جس کا پہلے سے علم نہ ہوتا تھا جس کے واقعات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ اِنَّا اِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ O  
(یعنی آپ یہ بھی فرمادیتے کہ میں تو بس ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں)

انذار و بشیر کا کام امر شرعی ہے دنیا میں نفع و ضرر سے اس کا تعلق نہیں ہے اور شرعی اور امر و نہی اور تبلیغی احکام کا تعلق منصب نبوت سے ہے جو شخص نبی اور رسول ہوا ہے کوئی تکلیف نہ پہنچے یہ کوئی شرعی یا تکوینی قانون نہیں ہے۔  
رسول اللہ ﷺ کے لئے علم غیب کلی ثابت کرنے والوں کی تردید..... آیات بالا میں واضح طور پر تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو غیب کا علم نہیں تھا اور قیامت کا علم بھی نہ تھا کہ کب آئے گی اور سورۃ انعام میں بھی اس کی تصریح گزر چکی ہے ہاں فرمایا **فَلَسْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ**۔

(آپ فرمادیتے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ غیب کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں) اس میں شک نہیں کہ اللہ جل شانہ نے آپ کو علوم غیبیہ عطا فرمائے تھے اور آپ کو ساری مخلوق سے زیادہ علم عطا فرمایا لیکن یہ دعویٰ کرنا کہ رسول اللہ ﷺ تمام غیبوں کو جانتے تھے اور قیامت کب آئے گی۔ اس کا بھی آپ کو علم تھا یہ دعویٰ باطل ہے قرآن و حدیث کی تصریحات کے خلاف ہے۔ ملا علی قاریؒ الموضوعات الکبیر میں حافظ جلال الدین سیوطیؒ سے نقل کرتے ہیں: وقد جاهدوا بالکذب بعض من يدعى في زماننا العلم وهو متشبع بما لم يعط ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعلم متى تقوم الساعة قيل له فقد قال في حديث جبريل ما المسئول باعلم من السائل فحرفه عن موضعه وقال معناه انا وانت تعلمها وهذا من اعظم الجهل واقبح التحريف (الی ان قال) ثم قوله في الحديث ما المسئول عنها باعلم من السائل يعلم كل سائل ومسئول عن الساعة هذا شأنهما ولكن هو لا الغلاة عنهم ان علم رسول الله منطبق على الله سواء بسواء فكل ما يعلمه الله يعلم رسول الله والله تعالى يقول ومن من حولكم من الاعداء منافقون ومن اهل المدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم وهذا في براءة وهي من اواخر ما نزل من القرآن هذا والمنافقون جبرانه في المدينة انتهى بحذف۔

ترجمہ..... ہمارے زمانہ میں بعض ایسے لوگ جو عالم نہیں ہیں علم کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے ہیں انہوں نے برملا یہ جھوٹی بات کہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قیامت کا وقت معلوم تھا ان سے کہا گیا کہ حدیث میں تو یوں ہے کہ ما المسئول عنها باعلم من السائل تو اس شخص نے اس کا معنی پلٹ دیا اور یہ مطلب بتا دیا کہ میں اور تو دونوں قیامت کے وقت کو جانتے ہیں۔ یہ بہت بڑا جمل ہے اور بدترین تحریف ہے حدیث ما المسئول عنها باعلم من السائل ہر سائل اور ہر مسئول کو شامل ہے قیامت کے بارے میں جو بھی کوئی سائل

ہو گیا جس سے سوال کیا جائے گا سب کے بارے میں یہی بات ہے کہ وہ قیامت کے آنے کا وقت نہیں جانتے لیکن یہ غلو کرنے والے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا علم پوری طرح اللہ تعالیٰ کے علم پر منطبق ہے ان کے نزدیک ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس کا رسول بھی جانتا ہے ان لوگوں کی اس بات کی تردید سورۃ براءت کی آیت سے واضح طور پر ہو رہی ہے اور سورۃ براءت ان سورتوں میں سے ہے جو آخر میں نازل ہوئیں وہ آیت یہ ہے وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مَنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّوا عَلَى النَّفَاقِ لَا نَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔

یعنی تمہارے گرد و دریاہ میں سے منافقین ہیں اور اہل مدینہ میں سے وہ لوگ ہیں جو نفاق میں خوب زیادہ آگے بڑھے ہوئے ہیں آپ انہیں نہیں جانتے۔ ہم انہیں جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں حالانکہ وہ آپ کے پڑوسی تھے۔ مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے۔ آیت کی اس واضح تصریح کے بعد پھر بھی یوں کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر ہے سراسر قرآن مجید کا انکار ہے اسی لئے ملا علی قاریؒ مذکورہ بالا عبارت کے بعد لکھتے ہیں۔ ومن اعتقد نسویۃ علم اللہ ورسولہ یکفر اجماعاً کمالاً بخفی یعنی جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا علم برابر ہے تو بالا جماع اسے کافر کہا جائے گا۔

آج کل ایک ایسی جماعت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر ہے صرف عطائی اور غیر عطائی کا فرق ہے یہ ان لوگوں کی گمراہی ہے۔ ملا علی قاریؒ الموضوعات الکبیر میں بعض ایسی آیات و احادیث درج کرنے کے بعد جن سے رسول ﷺ کے علم کلی کی نفی ہوتی ہے تحریر فرماتے ہیں: ولاریب ان السامع لہؤلاء علی هذا الغلو اعتقادہم انه یکفر عنہم سینانہم ویدخلہم الجنة وکلما غلوا کانوا اقرب الیہ و اخص بہ فہم اعصى الناس لامرہ و اشدہم مخالفة لسننہ ہؤلاء فیہم شبه ظاہر من النصارى الذین غلوا علی المسیح اعظم الغلو خالفوا شرعہ و دینہ اعظم المخالفة والمقصود ان ہؤلاء یصدقون بالا حادیث المکذوبة الصریحة و یحرفون الاحادیث الصریحة واللہ ولی دینہ فیکف من یقوم لہ بحق النصیحة۔

ترجمہ..... اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں کے اعتقاد میں جو غلو ہے اس کی وجہ سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ غلو ان کے گناہ کو معاف کر دے گا اور انہیں جنت میں داخل کر دے گا اور جتنا بھی زیادہ غلو کریں گے آنحضرت ﷺ سے قریب تر ہوں گے اور آپ کے مخصوصین میں شمار ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب لوگوں سے بڑھ کر آپ کی نافرمانی کرنے والے ہیں اور آپ کی سنت کی مخالفت میں سب لوگوں سے زیادہ سخت ہیں اور ان لوگوں میں نصاریٰ سے مشابہت ہے جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں بہت زیادہ غلو کیا اور ان کے دین اور شریعت کے بارے میں بہت زیادہ مخالفت کی یہ لوگ صریح جھوٹی بنائی ہوئی حدیثوں کی تصدیق کرتے ہیں اور صحیح احادیث میں تحریف کرتے ہیں۔ اللہ اپنے دین کا ولی ہے وہ ایسے شخص کو مقرر فرماتا ہے جو خیر خواہی کے لئے قائم ہو۔ اھ

بعض جاہل یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ آیات و احادیث سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول ﷺ کو ہر چیز کا علم نہیں دیا گیا تھا لیکن وفات سے تھوڑی دیر پہلے ہر چیز کا علم دے دیا گیا تھا۔ ان لوگوں کا یہ دعویٰ نہ صرف یہ کہ بے دلیل ہے بلکہ احادیث شریفہ کی تصریحات کے خلاف ہے حضرت سہل بن سعدؒ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں پانی پلانے کے لئے پہلے سے حوض پر پہنچا ہوا ہوں گا جو میرے پاس سے گزرے گا اور جو پی لے گا کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ ضرور ایسا ہوگا کہ کچھ لوگ میرے پاس

آئیں گے جنہیں میں پہچانتا ہوں گا اور وہ بھی مجھے پہچانتے ہوں گے پھر میرے اور ان کے درمیان آڑ لگا دی جائے گی میں کہوں گا کہ یہ میرے لوگ ہیں جو اب میں کہا جائے گا کہ بلاشبہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی باتیں نکالی تھیں اس پر میں کہوں گا کہ دور ہوں دور ہوں جنہوں نے میرے بعد ادل بدل کر دیا۔ (اس اول بدل کرنے میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر قرار دے دیا۔) (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۸۸ از بخاری و مسلم)

نیز شفاعت کے بیان میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں سجدہ میں پڑ جاؤں گا اور اپنے رب کی وہ ثناء و تحمید بیان کروں گا جو اللہ تعالیٰ مجھے سکھادے گا جنہیں میں اس وقت نہیں جانتا۔ (ایضاً)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو اس دنیا میں آپ کے علم میں نہیں لائی گئیں وہ وہاں آخرت میں ظاہر ہوں گی اہل بدعت پر تعجب ہے کہ عقیدت کے غلو میں آیات و احادیث کو نہیں مانتے اور دعویٰ ان کا یہ ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ محبت ہے بلکہ اپنے بارے میں یوں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ہمارے علاوہ کوئی مسلمان ہی نہیں۔ ہداهم اللہ تعالیٰ الی الصراط المستقیم صراط الذین انعم علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ

وہی ہے جس نے جنہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنا دیا تاکہ وہ اسکے پاس ٹھکانہ پکڑے۔ پھر جب اس نے جوڑے کو ڈھانکا تو عورت کو ہا

حَمَلًا خَفِيًّا فَهَمَزَتْ بِهِ فَلَمَّا أَتَتْكَ دَعَاكَ اللَّهُ رَبَّهُمَا لَمَّا أَتَيْتَا صَالِحًا لَدَسُكُونًا مِنَ السَّامِرِينَ

سالم رہی۔ پھر وہ اس کو لے ہوئے پھر جڑی رسی۔ پھر جب دو بوس ہوئی تو دونوں اللہ سے دعا کرنے لگے جو ان کا رب ہے کہ اگر آپ نے ہمیں صحیح سالم بچہ عطا فرما یا تو ہم شکر کرنے والوں میں سے ہوں

فَلَمَّا أَتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَ لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ

گئے۔ پھر جب اللہ نے ان کو صحیح سالم بچہ عطا فرما دیا تو جو چیز ان کو عطا فرمائی اس میں اللہ کے لئے شریک قرار دینے لگے، سو اللہ برتر ہے ان کے شریک بنانے سے۔

### بیوی قلبی سکون کے لئے ہے

ان آیات میں اول تو اللہ جل شانہ نے اولاد آدم کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا۔ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ پھر جب انہوں نے تنہائی محسوس کی اور طبعی طور پر انس و الفت کی ضرورت محسوس کرنے لگے تو ان کی بائیں پسلی سے ان کا جوڑا پیدا فرما دیا۔ جس کا نام خوا تھا۔ اس میں جوڑے کی ضرورت ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا تاکہ وہ اپنے جوڑے کے پاس قرار پکڑے۔ تھکا ماندہ اپنے گھر میں آئے تو اپنے گھر کو آرام کی جگہ پائے۔

سورۃ روم میں فرمایا: وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُفَكِّرُونَ۔ (اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے پیدا

فرمائے تاکہ تم کو اس کے پاس آرام ملے اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا فرمائی۔ بلاشبہ اس میں فکر کرنے والوں کے لئے

نشانی ہیں)

سورۃ اعراف میں لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فرمایا اور سورۃ روم میں لِيَسْكُنُوا إِلَيْهَا فرمایا۔ معلوم ہوا کہ انسان کی ازدواجی زندگی کا مقصد اصلی یہ



ہے کہ ایک دوسرے سے مانوس ہو اور زندگی پر سکون ہو۔ آپس میں محبت اور ہمدردی کے تعلقات ہوں۔ بہت سے مرد عورتوں کے لئے مصیبت بن جاتے ہیں اور بہت عورتیں مرد کے لئے سوبان روح بن جاتی ہیں۔ یہ ازواجی مقصد کے خلاف ہے۔ جن میاں بیویوں میں تلخی ہو، وہاں سکون کہاں؟ اور یہ سکون وہیں ہو سکتا ہے جبکہ خلاف طبع امور میں فریقین تحمل اور برداشت سے کام لیں۔ نکاح کرتے وقت اچھی طرح دیکھ بھال کر نکاح کریں۔ مال اور حسن و جمال ہی نہ دیکھیں فریقین کی دین داری اور خوش خلفی کو بھی دیکھیں اور یہ بھی دیکھیں کہ آپس میں جوڑ بیٹھے گائیں؟ دونوں محبت و الفت کی راہ پر چل سکیں گے یا نہیں؟ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیغام لائے جس کے دین و اخلاق کو پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دینا اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور (لبا) پھڑا فساد ہو جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت والی ہو جس سے اولاد زیادہ پیدا ہو کیونکہ میں تمہاری کثرت پر دوسری امتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا۔ (رواہ ابو داؤد)

دو دنوں میاں بیوی محبت کے ساتھ رہیں۔ ایک دوسرے کے حقوق پہچانیں اور ایک دوسرے کی رعایت کریں، ناگوار یوں سے درگزر کرتے رہیں۔ یہی اسلام طریقہ ہے اور اس میں سکون ہے۔

میاں بیوی آپس میں کس طرح زندگی گزاریں؟..... حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن بندہ (اپنی) مؤمن (بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی کوئی خصلت ناگوار ہوگی تو دوسری خصلت پسند آجائے گی۔ (رواہ مسلم صفحہ ۵۷ جلد ۱)

نیز حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ بھی روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک عورت پہلی سے پیدا کی گئی ہے وہ کسی بھی طریقہ پر تیرے لئے سیدھی نہیں ہو سکتی اگر تجھے اس سے نفع حاصل کرنا ہے تو اسی صورت میں حاصل کر سکتا ہے کہ اس کا نیز حاپن باقی رہے اور اگر اسے سیدھی کرنے لگے گا تو توڑ دے گا اور اس کو توڑ دینا طلاق دینا ہے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۵۷ جلد ۱)

نیز حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اہل ایمان میں سب سے زیادہ کامل لوگ وہ ہیں جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہیں اور تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لئے سب سے بہتر ہیں۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو چار چیزیں دے دی گئیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائی دے دی گئی۔

۱۔ شکر گزار دل، ۲۔ ذکر کرنے والی زبان، ۳۔ تکلیف پر صبر کرنے والا بدن، ۴۔ اور ایسی بیوی جو اپنی جان میں اور شوہر کے مال میں خیانت کرنا نہ چاہتی ہو۔ (المجتبیٰ فی شعب الایمان)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے اور اپنی عصمت محفوظ رکھے اور اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے (جو شریعت کے خلاف نہ ہو) تو جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۸۱)

یہ چند احادیث جو ہم نے ذکر کی ہیں ان میں آپس کی محبت اور حسن معاشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کے اصول بتادیئے ہیں ان پر عمل کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ دونوں میاں بیوی سکھ سے رہیں گے اور میاں بیوی بننے کا جو کیف اور سرور ہے اس سے لطف اندوز ہوتے

رہیں گے اور زندگی بھر محبت کے ساتھ بنا دیتا رہے گا۔

میاں بیوی میں جو بھی بداخلاق ہوتا ہے دوسرے کے لئے مصیبت بن جاتا ہے جو مقصد نکاح کے خلاف ہے۔

جَعَلَالَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا سے کون مراد ہیں؟..... یہ بیان فرمانے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا مشرکین کا حال بیان فرمایا جو اولاد کی وجہ سے شرک کی صورتیں اختیار کر لیتے ہیں، ارشاد فرمایا:

فَلَمَّا تَعَشَّيْهَا حَمَلْتُ خَمَلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ۔

(جب مرد نے عورت کو ڈھانکا یعنی قربت اور مباشرت کی تو حمل رہ گیا، ابتداء یہ حمل خفیف اور ہلکا ہوتا ہے جسے پیٹ میں لے کر عورت آسانی سے چلتی پھرتی ہے)

فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دُعَوُا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْنَا صَالِحًا لَنُكَفِّرَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ۔

(جب حمل کی وجہ سے عورت بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے دعا کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہمیں صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم شکر گزاروں میں سے ہوں گے)

فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَالَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا۔

(پھر جب ان کے رب نے انہیں صحیح سالم بھلا چھوٹا بچہ عطا فرمادیا تو اللہ کی اس بخشی ہوئی چیز میں اللہ کیلئے شریک بنانے لگے) فَتَعَلَّى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (سوال اللہ ان کے شرک سے برتر ہے) اس میں کن لوگوں کے شرک کا بیان ہے اس کے بارے میں بعض روایات میں یوں ملتا ہے کہ جیسے شروع آیت میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہم السلام کا ذکر ہے اس سے حضرت حواء نے اپنے ایک بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دیا تھا اس سے پہلے بچے زندہ نہیں رہتے تھے، البتہ اس نے کہا کہ اب جو بچہ پیدا ہو اس کا نام عبدالحارث رکھنا۔ اس طرح وہ زندہ رہے گا۔

مفسر ابن کثیر نے اول تو اس قصہ کو مرفوعاً نقل کیا ہے پھر ابن جریر کے حوالہ سے اس کو حدیث موقوف بتایا ہے اور موقوف ہونے کے بعض شواہد پیش کئے ہیں پھر لکھا ہے کہ یہ روایت موقوف ہے صحابی کا قول ہے۔ ممکن ہے کہ صحابی (سمرہ بن جندب) نے بعض اہل کتاب سے یہ بات حاصل کی ہو جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے جیسے کہ اب حبار اور وہب بن منبہ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی کچھ اس طرح منقول کیا ہے حضرت آدم اور حوا علیہما السلام نے اپنے بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دیا تھا۔ مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ سب اہل کتاب کے آثار سے لیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہی بات درست ہے کیونکہ آیت میں تثنیہ کا صیغہ ہے جس میں میاں بیوی دونوں کا ذکر ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے شرک خفی یا جلی کا صدور نہیں ہو سکتا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت کا مطلب کیا ہے اور اس میں کن لوگوں کا حال بیان کیا ہے؟ اس کے بارے میں حضرت حسن (بصری) سے منقول ہے کہ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد عطا فرمائی تو ان کو یہودی اور نصرانی بنادیا مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں: وَهُوَ مِنْ أَحْسَنِ التَّفَاسِيرِ وَآوَلُنِي مَا حَمَلْتُ عَلَيْهِ الْآيَةَ۔

(کہ یہ سب سے اچھی تفسیر ہے اور آیت کو اس پر محمول کرنا اولیٰ ہے)

تفسیر درمنثور (صفحہ ۱۵۴ جلد ۲) میں۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ بات نقل کی ہے کہ شرک کرنے والی بات حضرت آدم علیہ السلام سے متعلق نہیں ہے ان کے الفاظ یہ ہیں: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا اشْرَكَ آدَمُ اَنْ اَوْلَاهَا شُكْرًا وَآخِرُهَا مِثْلُ ضَرْبِهِ لَمَنْ

بعدہ۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے شرک نہیں کیا ان کے بارے میں آیت کا اول حصہ ہے جس میں شکر کا بیان ہے اور بعد کے حصہ میں ان لوگوں کا حال بیان فرمایا جو ان کے بعد آئے (اور شرک اختیار کیا)

اولا دو کو شرک کا ذریعہ بنانے کی تردید..... مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ انسانوں میں اولاد کی پرورش اور ان کے زندہ رہنے کی امید اور ان کی موت کے ذریعے ماں باپ افعال شرکیہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں شرک کی ابتداء بچے کے پیدا ہونے کی امید ہی سے شروع ہو جاتی ہے اس کے صحیح سالم پیدا ہونے کے لئے نذریں ماننے لگتے ہیں۔ یہ نذریں غیر اللہ کے لئے بھی ہوتی ہیں۔ پھر جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو شرکیہ نام رکھتے ہیں اور شرکیہ کام کرتے ہیں۔

بعض مایاتوں میں اسے چھانچ میں رکھ کر گھسنے ہیں اور اس کا نام گھسینا رکھ دیتے ہیں۔ یا کسی پیر فقیر کے نام پر کان چھید کر بند اڑال دیتے ہیں اور لڑکے کا نام بندو رکھ دیتے ہیں اور بعض لوگ قصداً بچوں کے ایسے نام رکھتے ہیں جو برے معنی پر دلالت کرتے ہیں جیسے کڑا کڑوا بھیجے گا۔

ان لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ برانام رکھیں گے تو لڑکا جیتا رہے گا۔ اور یہ شرکیہ افعال شیطان کے سمجھانے سے اور بندوؤں کے پاس پڑوس اور ماحول میں رہنے کی وجہ سے اختیار کرتے ہیں مشرکین عرب شرکیہ نام رکھا کرتے تھے۔ عبدالمات، عبدالمزی، عبدمناف، عبد نفس ان جیسے نام ان لوگوں میں رائج تھے۔ انصاری میں اب تک عبد اسخ رکھنے کا رواج ہے، یہ سب شرک ہے۔ مسلمانوں کے نام ایسے ہونے چاہئیں جن سے عبدیت کا مظاہرہ ہو اور نام سے یہ نپکتا ہو کہ یہ اللہ کا بندہ ہے۔ رسول اللہ کا ارشاد ہے تسموا باسماء الانبیاء واحب الاسماء الی اللہ عبد اللہ عبد اللہ عبد الرحمن واصدقہا حارث وھمام و اقبھا حرب و مرة۔ (رواہ ابوداؤد)

یعنی نبیوں کے ناموں پر اپنے نام رکھو اور ناموں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب عبد اللہ، عبد الرحمن ہے اور سب سے زیادہ سچا نام حارث (کسب کرنے والا) اور ھمام (ارادہ کرنے والا) ہے اور سب سے برانام حرب (جنگ) اور مرہ (کڑوا) ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی سے پہلے لفظ عبد لگا کر اپنے بچوں کے نام رکھیں اور برے ناموں سے پرہیز کریں۔

حضرت مسروق تابعی نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ میں مسروق بن الابدع ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ابدع شیطان کا نام ہے۔ (رواہ ابوداؤد) اس کا معنی بھی خراب ہے کیونکہ جس کے ناک، کان کٹے ہوں عربی میں اسے ابدع کہا جاتا ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تم قیامت کے دن اپنے ناموں اور اپنے باپ داداؤں کے ناموں سے بلائے جاؤ گے لہذا تم اپنے نام اچھے رکھو۔ (رواہ ابوداؤد)

أَيُّشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۖ وَلَا يَسْتَبِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنْفُسَهُمْ

کیا وہ لوگ ان کو شریک بناتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ پیدا کئے جاتے ہیں اور وہ ان کی مدد پر قدرت نہیں رکھتے اور نہ وہ اپنی جانوں کی

يَنْصُرُونَ ۚ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُوهُمْ

مدد کر سکتے ہیں، اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں گے برابر ہے تم ان کو پکارو

أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ ﴿۱۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ نَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَلُكُمْ فَادْعُوهُمْ

یا تم خاموش رہو، بے شک تم جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہارے جیسے بندے ہیں سو تم ان کو پکارو پھر

فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۱﴾ أَلَهُمْ آرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا ؕ أَمْ لَهُمْ آيْدٌ

وہ تمہاری پکار کو قبول کر لیں اگر تم سچے ہو؟ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں یا ان کے ہاتھ ہیں

يَبْطِشُونَ بِهَا ؕ أَمْ لَهُمْ آعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا ؕ أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ؕ قُلْ ادْعُوا

پیش سے وہ چڑتے ہیں یا انکی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں یا انکے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟ آپ فرمادیجئے کہ اپنے شریکوں کو بالاء، بحر میرے بارے

شُرَكَاءُكُمْ ثُمَّ كِيدُوا فَلَا تَنْظُرُونَ ﴿۱۲﴾ إِنَّ وَلِيََّ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ ۖ وَهُوَ يَوَكِّلُ

میں ضرر پہنچانے کی جو تدبیر کر سکتے ہو کہ لو اور پھر مجھے مہلت نہ دو، بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں

الصَّالِحِينَ ﴿۱۳﴾ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿۱۴﴾

کی مدد فرماتا ہے، اور جن لوگوں کو اس کے سوا تم پکارتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں۔

وَأِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَسْمَعُوا ۚ وَتَرْهَمُ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۵﴾

اور اے مخاطب اگر تو ان کو ہدایت کی طرف پکارے تو وہ نہ سنیں گے اور تو سمجھ گا کہ وہ تجھے دیکھ رہے ہیں، حالانکہ وہ نہیں دیکھ رہے ہیں۔

معبودان باطلہ نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں نہ عبادت گزاروں کی مدد کر سکتے ہیں

اوپر کی آیت میں اولاد کے سلسلہ میں شرک اختیار کرنے کا ذکر تھا ان آیات میں بھی مشرکین کو تنبیہ فرمائی ہے اور شرک اختیار کرنے

میں جو انہوں نے حماقت کی ہے اسے بیان فرمایا ہے، اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اس نے سب کچھ پیدا فرمایا جس نے سب کچھ

پیدا فرمایا وہی عبادت کے لائق ہے۔ جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود اپنے خالق جل جہدہ کی مخلوق ہیں وہ کیسے عبادت کے مستحق ہو گئے؟

مشرکین کا یہ طریقہ ہے کہ جب غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ یہ آڑے وقت میں ان کی مدد کریں گے یہ بھی حماقت

کی بات ہے جن کو اللہ کا شریک بناتے ہیں وہاں شرک کرنے والوں کی کچھ مدد نہیں کر سکتے ان کی مدد کرنا تو دور کنار وہ تو اپنی ہی مدد کرنے

سے عاجز ہیں اگر کوئی شخص انہیں توڑ دے پھوڑ دے تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ انہوں نے جو صورتیاں بنا رکھی ہیں وہ بے جان صورتیں ہیں

نہ اپنے پاؤں سے چل سکتے ہیں، نہ اپنے ہاتھوں سے پکڑ سکتے ہیں، نہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے کانوں سے سن سکتے ہیں ان

عاجزوں کو اللہ کا شریک بنانا اور ان سے مدد کی امید کرنا سراپا حماقت اور بے عقلی ہے ان کو پکارو تو بات نہ سنیں اور ہدایت کا راستہ بتاؤ تو اسے

اختیار نہ کریں اور حال ان کا یہ ہے کہ وہ بظاہر اپنی مصنوعی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور حقیقت میں انہیں کچھ نظر نہیں آتا کیونکہ ان کی

آنکھیں اصلی نہیں ہیں جن سے وہ دیکھیں، اور کان اصلی نہیں ہیں جن سے وہ سنیں، ان بتوں کو خود ہی تراشتے اور خود ہی اٹھاتے اور رکھتے

ہیں اور انہیں پوجتے ہیں یہ بڑی حماقت اور شقاوت ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے معبودوں کا عجز ظاہر فرمایا اور ساتھ ہی اپنے نبی ﷺ سے

خطاب فرمایا کہ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے معبودوں کو بلاؤ اور تم سب مل کر مجھے نقصان پہنچانے کی جو تدبیر کر سکتے ہو کر لو اور مجھے ذرا بھی

مہات نہ وہ مطلب یہ ہے کہ معبودان باطلہ اور ان کی پرستش کرنے والے آپ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے مشرکین چونکہ اپنے معبودوں کے شر اور ضرر سے ڈراتے تھے (کمائی سورۃ الزمر وَ يُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ) اس لئے نبی ﷺ سے ان کو پہنچا دیا کہ تم اور تمہارے معبود جو کچھ کر سکتے ہو کر لیں۔ ان لوگوں کا بھرنا ہر فرما کر ساتھ ہی معبود حقیقی کا مددگار ہونا بیان فرمایا کہ اللہ میرا ولی ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ اپنے نیک بندوں کی مدد فرماتا ہے اور ان کی حفاظت اور حمایت فرماتا ہے۔ جو اس کا ہو گیا دنیا و آخرت میں اس کی حفاظت فرماتا ہے وَهُوَ يُنَوِّلِي الصَّالِحِينَ۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿۵﴾ وَإِنَّا نَزَعْنَاكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعًا

معاف کرنے کو اختیار کیجئے اور نیک کاموں کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے کنارہ کیجئے اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی دوسرا آٹھ

فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۶﴾

تو اللہ کی پناہ مانگ لیجئے۔ بلاشبہ وہ سنے والا جاننے والا ہے۔

اخلاق عالیہ کی تلقین اور شیطان کے دوسو سے آنے پر اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے کا حکم

پہلی آیت میں تین باتوں کا حکم دیا۔ اول یہ کہ معاف کیا کیجئے۔ دوسرا یہ کہ بھلائی کا حکم کیجئے اور تیسرا یہ کہ جاہلوں سے اعراض کیجئے۔ اس آیت شریفہ میں مکارم اخلاق بیان فرماتے ہیں۔ صحیح بخاری (صفحہ ۶۶۹ جلد ۲) میں حضرت عبداللہ بن الزبیر سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں معافی کو اختیار فرمائیں۔ تفسیر ابن کثیر (صفحہ ۲۲۷ جلد ۲) میں ہے کہ آیت بالا نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل سے سوال فرمایا کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ حضرت جبریل نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ پر جو شخص ظلم کرے اس کو معاف فرمائیں اور جو شخص آپ کو زد دے اس کو عطا فرمائیں اور جو شخص آپ سے قطع تعلق کرے اس سے تعلق جوڑے رکھیں، حضرت عقبہ بن عامر نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ کا ہاتھ پکڑا پھر عرض کیا کہ یا رسول! مجھے فضیلت والے اعمال بتا دیجئے آپ نے فرمایا: اے عقبہ! جو شخص تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑے رہو اور جو شخص تمہیں نہ دے اس کو دیتے رہو اور جو شخص تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرتے رہو۔ (الترغیب والترہیب ص ۳۴۲ ج ۳) معاف کرنے کی ضرورت اور فضیلت..... چونکہ انسان مدنی الطبع ہے یعنی اس کا مزاج میل جول والا ہے اس لئے وہ تنہا نہیں رہ سکتا۔ جب مل جل کر رہے گا تو اپنوں سے اور پرایوں سے رشتہ داروں سے اور دوسرے لوگوں سے چھوٹوں سے اور بڑوں سے واسطہ پڑے گا۔ جب مخلوق سے تعلق ہوگا تو ان سے تکلیفیں بھی پہنچیں گی اور مزاج کے خلاف بھی باتیں پیش آئیں گی، چھوٹوں سے بھی غلطیاں ہوں گی بڑوں سے بھی کوتاہیاں ہوں گی۔ یہ تکالیف ہیں ان پر صبر کرنا اور درگزر کرنا بہت بڑا عمل ہے اگرچہ بعض حالات میں بدلہ لینا بھی جائز ہے۔ لیکن جتنی تکلیف پہنچی ہو اسی قدر بدلہ لیا جاسکتا ہے اگر زیادتی کر دی تو اب یہ خود ظالم ہو جائے گا۔

سورہ شوریٰ میں فرمایا:

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ، إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ. وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ. وَلَمَنِ ضَرَبُوا عَفْرَاءً ذَلِكُمْ لِمَنْ غَزَمَ الْأُمُورَ.

ترجمہ..... اور برائی کا بدلہ برائی سے دیکھی ہی برائی، پھر جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کرنے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا، اور جو شخص اپنے اوپر ظلم ہو چکے کے بعد برابر بدلے لے لے سوائے لوگوں پر کوئی الزام نہیں، الزام ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی کرتے ہیں، ایسوں کے لئے دردناک عذاب ہے اور جو شخص صبر کرے اور معاف کرے۔ یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے)

معاف کر دینے کی فضیلت بہت ہے (اور اگر کسی موقع پر معاف کرنا حکمت اور مصلحت کے خلاف ہو تو دوسری بات ہے) انسان کے نفس میں بدلہ لینے کا جذبہ ہوتا ہے اس کی وجہ سے معاف کرنا آسان نہیں ہوتا لیکن جس نے نفس پر قابو پا لیا اور معاف کرنے پر آمادہ کر لیا اس کے لئے معاف کرنا آسان ہو جاتا ہے، معاف کرنے میں نفس کو تکلیف ہوتی ہے لیکن اس کا اجر بھی بہت ہے اور مرتبہ بھی بہت بڑا ہے اسی لئے تو فرمایا ہے فَصَنَعْنَا غُلَامًا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهُ عَلٰی اللّٰهِ اور فرمایا لِمَنْ صَبَرَ وَعَفَاِنَّ ذٰلِكَ لِمِنْ غَوْمِ الْاُمُورِ۔ جو شخص بدلہ لینے پر قادر نہ ہو معاف کر دینا اس کے لیے بھی بڑے ثواب کی چیز ہے لیکن جو شخص انتقام لینے کی قدرت ہوتے ہوئے بھی معاف کر دے اس کا مرتبہ بہت زیادہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موبی بن غرمان (رسول بنی اسرائیل علیہ السلام) نے عرض کیا کہ اے رب! آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز کون ہے؟ اللہ تعالیٰ شانہ نے جواب دیا کہ جو شخص قدرت رکھتے ہوئے بخش دے۔ (رد المحتار فی شعب الایمان صفحہ ۳۱۹ جلد ۶)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو معاف فرمانا..... حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ مشہور و معروف ہے۔ بھائیوں نے انہیں کنوئیں میں ڈال دیا پھر چند نگوں کے عوض انہیں بیچ دیا پھر جب برسوں کے بعد مصر میں ان کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم خطا کار تھے تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

لَا تَتْرِبْ عَلَیْكُمْ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔

(یوسف نے فرمایا کہ تم پر آج کوئی الزام نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے)

فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کا اہل مکہ سے برتاؤ..... سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ والوں نے کیا کچھ نہ کیا کیسی کیسی تکلیفیں دیں آپ کو مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ پھر جب آپ فتح مکہ کے موقع پر صحابہؓ کے ساتھ تشریف لے گئے اور مکہ معظمہ فتح ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ کیا خیال کرتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا، اہل مکہ نے کہا کہ اَخْ كُورِیْمٌ وَاَنْبَنُ اَخْ كُورِیْمٍ کہ آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں آپ نے ان کو وہی جواب دیا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو جواب دیا تھا اور فرمایا: لَا تَتْرِبْ عَلَیْكُمْ الْیَوْمَ۔

درحقیقت اخلاق عالیہ ہی سے اہل حق جیتتے ہیں اور انہی کے ذریعہ اسلام کی دعوت عام ہوتی ہے۔ اخلاق عالیہ میں معافی اور درگزر کرنے کا بڑا دخل ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی جان کے لئے کبھی کسی بارے میں کوئی انتقام نہیں لیا ہاں جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے محترم قرار دیا ہے ان کی بھرتی ہوئی تھی تو آپ انتقام لے لیتے تھے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عائشہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نہ فحش گو تھے اور نہ بتکلف فحش گوئی اختیار کرتے تھے نہ بازاروں میں شور مچاتے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے بلکہ معاف فرماتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ میں نے آٹھ سال کی عمر سے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی، آپ نے مجھے کسی ایسے

نقصان کے بارے میں ملامت نہیں فرمائی جو میرے ہاتھوں ہو گیا ہو اگر آپ کے گھر والوں میں کوئی شخص ملامت کرنے لگتا تو فرماتے تھے کہ اسے چھوڑو کیونکہ جو چیز مقدر ہو چکی وہ ہونی ہی تھی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۱۹)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) ہم خادم کو کتنی مرتبہ معاف کریں۔ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اس نے پھر اپنی بات دہرائی، آپ پھر خاموش رہے۔ اس نے تیسری مرتبہ پھر سوال کیا تو آپ نے فرمایا روزانہ ستر بار معاف کرو۔ (رداء البوداء، کمانی المشکوٰۃ صفحہ ۲۹۲)

فائدہ..... معاف کرنے کی فضیلت اور ضرورت جو اوپر بیان کی گئی اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ بچوں اور خادموں کو شتر بیہمار کی طرح چھوڑ دیا جائے اور ان کی تربیت نہ کی جائے، بلکہ تربیت بھی کی جائے اور درگزر بھی کیا جائے۔ اگر کوئی سزا دی جائے تو اپنا غصہ اتارنے اور انتقام کے لئے نہ تو بلکہ ان کی خیر خواہی مقصود ہو۔ سوچ سمجھ کر بقدر ضرورت سزا دی جائے اور یہ دیکھ لیا جائے کہ یہ سزا مفید ہوگی یا مضر اگر بچوں پر قابو نہ کیا جائے تو یہ بھی نیکی نہیں ہے۔

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انفق علی عیالک من طولک ولا تصرف عنہم عساک ادبا و اخفہم فی اللہ (رداء احمد کمانی المشکوٰۃ صفحہ ۱۸ جلد ۱)۔ (اور اپنے عیال پر اپنا مال خرچ کرو اور ان سے لالچی اٹھا کر مت رکھو جس کی وجہ سے وہ تمہاری گرفت سے مطمئن ہو جائیں اور احکام خداوندی کو فراموش کر دیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین کے بارے میں ڈراتے رہو۔) (رداء احمد کمانی المشکوٰۃ صفحہ ۱۸ ج ۱)

امر بالمعروف..... آیت بالا میں دوسری نصیحت یوں فرمائی: وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ یعنی بھائیوں کا حکم دینا بھی مکارم اخلاق اور فضائل اعمال اور محاسن افعال میں سے ہے اور دین اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن منکر کی بہت بڑی فضیلت ہے، جس کے بارے میں ہم تفصیل سے سورہ آل عمران کی آیت: وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ کے ذیل میں لکھ چکے ہیں۔

جاہلوں سے اعراض کرنا..... تیسری نصیحت یوں فرمائی: وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (اور جاہلوں سے اعراض کرو) یہ بھی بہت اہم نصیحت ہے اور اس پر عمل کرنے سے مومن بندہ اپنے نفس کے شر سے اور جاہلوں کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ سوال جواب اہل علم تک محدود رہے تو مناسب رہتا ہے اور جاہلوں سے سوال جواب اور بحث کی جائے تو وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور جاہل اپنی جہالت کی وجہ سے صاحب علم کو خاموش کر کے یہ سمجھتا ہے کہ میں جیت گیا۔ صاحب علم کے اخلاق فاضلہ میں یہ بھی شامل ہے کہ جاہلوں سے نہ الجھے اور ان سے دور رہے اور جاہل کی طرف سے کوئی زیادتی ہو تو اسے برداشت کرے اور درگزر کر دے۔ عالم اگر جاہل کے جاہلانہ افعال و اقوال اور اطوار و عادات کا مقابلہ کرے گا تو علم کا کام چھوڑ بیٹھے گا اور جاہلوں ہی سے بھڑتا رہے گا۔ اگر کوئی جاہل شخص شرعی مسئلہ پوچھے تو اسے بتادے لیکن اس سے بحث نہ کرے نہ اسے بحث کرنے دے۔ جاہل کو منہ لگانے میں اپنی آبرو کا نقصان ہے اور علمی کاموں سے بھی حرمان ہے۔

شیطان کے وسوسوں سے اللہ کی پناہ لینے کا حکم..... دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: وَإِذَا يَسْرُ غُفْلًا مِنَ الشَّيْطَانِ نَزَّعَ فَاستَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (اور اگر شیطان کی طرف سے آپ کو کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیجئے بلاشبہ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے)۔

اور منثور صفحہ ۱۵۴ جلد ۳ میں بحوالہ ابن جریر نقل کیا ہے کہ جب آیت شریفہ: اخذوا لعقوف وأمر بالعرف واغرض عن الجاهلین نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا اے رب! غصہ کی حالت میں کیا کیا جائے (غصہ انتقام پر ابھارتا ہے اور عاف کرنے سے روکتا ہے اس پر اللہ جل شانہ نے آیت: وَأَمَّا يَنْفَرُ غَضًا (۴) نازل فرمائی۔

لفظ تنفر کچھ کہہ دینے اور ابھارنے اور وسوسہ ڈالنے اور کسی کام پر تامل کرنے کیلئے آتا ہے۔ شیطان انسان کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ غصہ اور انتقام پر ابھارتا رہتا ہے اور ایسے وسوسے دل میں ڈالتا ہے کہ انسان عاف کرنے اور درگزر کرنے پر عمل پیرا نہ ہو سکے شیطان کا شر اور وسوسہ منع کرنے کا یہ علاج بتایا کہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگی جائے اس سے شیطان ذلیل ہوگا اور وسوسہ ڈالنے سے پیچھے ہٹے گا۔

سورۃ مؤمنون میں فرمایا: وَقُلْ رَبِّ اغْضُوبْكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ۔ اور آپ یوں کہیے کہ اے رب! میں آپ کی پناہ لیتا ہوں شیطان کے وسوسوں سے اور اے رب! اس بات سے کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں)

ایمانیات میں وسوسہ آنے پر شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنا..... حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس شیطان آئے گا سو وہ کہے گا کہ یہ کس نے پیدا کیا، یہ کس نے پیدا کیا، یہاں تک کہ یوں کہے گا کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا۔ سو جب وہ اس سوال پر پہنچ جائے تو یوں کہے: اللَّهُ أَحَدٌ، اللَّهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ۔ پھر بائیں طرف تین بار تھوک دے اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے۔ (رواہ ابو داؤد)

غصہ کا علاج..... حضرت سلیمان بن صرہؓ نے بیان فرمایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ دو آدمیوں نے آپس میں گالی گلوچ شروع کر دی ان میں سے ایک شخص کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میں ایک کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص اسے کہے تو یہ جو کیفیت اپنے اندر محسوس کر رہا ہے (یعنی غصہ) وہ ختم ہو جائے اور وہ کلمہ یہ ہے: اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے)

صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی یہ بات اس شخص سے کہہ دی تو اس نے کہا کہ بیشک میں تو نہیں دیکھتا ہوں۔ (رواہ البخاری ص ۹۰۳ ج ۲) علماء نے لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بہت زیادہ غصہ میں بھرا ہوا تھا جس کی وجہ سے بے ادبی کا کلمہ بول دیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ شخص منافق ہو یا دیہات کا رہنے والا اکھڑ آدمی ہو)

وسوسہ اور غصہ کے دفعیہ کے لئے اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ پڑھنا مجرب ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَيفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ ۝

بلاشبہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی خطرہ پہنچ جاتا ہے تو وہ ذکر میں لگ جاتے ہیں۔ سو اچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں

وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ۝

اور جو لوگ شیاطین کے بھائی ہیں شیاطین ان کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں، سو وہ کی نہیں کرتے۔

شیطان سے بچنے والوں اور شیطان کے دوستوں کا طریقہ

آیت بالا وَاٰمَّا يَنْزِعُ عَنْكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ میں حکم فرمایا کہ جب شیطان کا وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ مانگئے ان دو آیتوں میں



شیطان سے بچنے والوں اور شیطان سے دوستی کرنے والوں کا تذکرہ فرمایا اور ہم یہ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ان کا طریقہ یہ ہے کہ جب شیطان ان کے دل میں کوئی وسوسہ ڈالے اور بہکانے کی کوشش کرے تو فوراً اللہ کو یاد کرنے لگتے ہیں۔ اس کے غموم میں مطلقاً اللہ کا ذکر کرنا بھی شامل ہے اور اللہ کے عقاب و ثواب کو ذہن میں لا کر شیطان کے وسوسوں سے بچنا اور ان پر عمل کرنا بھی شامل ہے۔ اللہ کا ذکر شیطان کو دور کرنے کے لئے بہت بڑا ہتھیار ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ شیطان انسان کے دل پر مضبوطی کے ساتھ جما ہوا ہے۔ سو جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو شیطان وسوسے ڈالنے لگتا ہے۔ (مشکوٰۃ الصالحین صفحہ ۱۹۹)

سورۃ فیل اغو ذریب الناس میں جو من شر الوساوس الخناس O الذی یوسوس فی صدور الناس O من الجنة والناس۔ فرمایا اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ شیطان وسوسے ڈالتا ہے اور (اللہ کا ذکر کرنے پر) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ۔ یعنی تقویٰ اختیار کرنے والے جب شیطان کا وسوسہ آنے پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس سے استعاذہ کرتے ہیں تو اس سے فوراً چونک جاتے ہیں اور آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ شیطان کی شرارت فوراً واضح ہو جاتی ہے اور خطا و صواب کا پتہ چل جاتا ہے۔

متقین کا ذکر فرمانے کے بعد ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو شیطانوں کے بھائی ہیں یعنی ان کے ساتھ ان کا خاص اُلق ہے وہ شیطان کے وسوسوں سے نہیں بچتے۔ بلکہ ان پر عمل کرتے ہیں، جب ان کا یہ حال ہے تو شیاطین ان کو گمراہی میں برابر کھینچے لئے جاتے ہیں اور ان کو گمراہ کرنے اور گمراہی میں آگے بڑھانے کے بارے میں کوتاہی نہیں کرتے اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ جس نے شیطان کا تھوڑا سا ساتھ دیا اس کی بات کو مانا تو وہ اس کو برابر گمراہی کے راستہ پر چلاتا رہتا ہے اور اسے دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتا ہے۔

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بَآيَةٌ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ

اور جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی نہ لائیں تو کہتے ہیں کہ آپ نے یہ مجھ کو کیوں نہ اختیار کیا۔ آپ فرمادیجئے میں تو صرف اے کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رب سے میری

رَبِّي هَذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

طرف دینی کی جاتی ہے، یہ بتا رہے ہیں کہ آپ کی باتیں حق ہیں اور ہدایت ہیں اور رحمت ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔

### فرمانی معجزات طلب کرنے والوں کو جواب

آنحضرت سرور عالم ﷺ دلائل واضحہ کے ساتھ دعوت حق دیتے تھے حق پہچاننے کے لئے سب سے بڑی چیز دلائل عقلیہ ہی ہیں اس کے باوجود اللہ جل شانہ کی طرف سے معجزات کا ظہور بھی ہوتا رہتا تھا لیکن معاندین کہتے تھے کہ جو معجزہ ہم چاہیں ایسا معجزہ ظاہر ہونا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں معجزہ ظاہر کرنا تھا اللہ جل شانہ کی جب مشیت ہوتی تھی تو معجزے ظاہر ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ چاہتا تو لوگوں کے فرمانی معجزے بھی ظاہر فرما دیتا لیکن اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں کہ لوگوں کے کہنے کے مطابق معجزہ ظاہر فرمائے پھر ان لوگوں کا فرمانی معجزہ طلب کرنا بھی عناد اور تعنت کے طور پر تھا۔ حق قبول کرنا مقصود نہ تھا اسی لئے معجزات کو جادو بتا دیتے تھے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ معجزہ ظاہر ہونے میں دیر ہوئی یا ان کا فرمانی معجزہ ظاہر نہ ہوا تو بطور عناد اعتراض کرنے لگے۔

آیت کریمہ وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بَآيَةٌ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا۔ میں معاندین کا شر پسندانہ اعتراض نقل فرمایا ہے کہ آپ نبوت کے دعویدار

ہیں۔ آپ نے اپنے پاس سے کوئی معجزہ کیوں ظاہر نہ کر دیا یا یہ مطلب تھا کہ اللہ تعالیٰ سے کیوں یہ بات نہ منوالی تاکہ وہ ہمارا فراموشی معجزہ ظاہر کر دیتا اس کے جواب میں فرمایا۔ **قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا تُوحِي إِلَيَّ مِنْ رَبِّي**۔ (آپ فرمادیجئے کہ میں صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف وحی کی جاتی ہے) مطلب یہ ہے کہ میرا کام تو بس یہ ہے کہ وحی کا اتباع کروں۔ میرے ہاتھ میں معجزوں کا ظاہر کرنا نہیں ہے اور فراموشی معجزہ ظاہر ہونے پر ایمان قبول کرنے کو مقبوف رکھنا حماقت ہے اور ضد و عناد ہے۔ ..... بہت سے معجزات ظاہر ہو چکے ہیں لیکن تم ایمان نہیں لاتے

قرآن میں بصیرت کی باتیں ہیں اور وہ رحمت اور ہدایت ہے ..... جسے حق قبول کرنا ہوا اس کے لئے قرآن کریم ہی بہت بڑا معجزہ ہے۔ لفظی معجزہ بھی ہے اور معنوی بھی جو حقائق اور معارف پر مشتمل ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے طالب حق کو اور کسی معجزہ کی ضرورت نہیں اسی کو فرمایا **هَذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ** (یہ تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی باتیں ہیں) نیز یہ بھی فرمایا کہ **وَهَذِي وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ** (اور یہ قرآن ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں)

## وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۷﴾

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے۔

### قرآن مجید پڑھنے اور سننے کے احکام و آداب

ان آیات میں قرآن مجید سننے کا حکم فرمایا ہے اور بعض احکام و آداب ارشاد فرمائے ہیں۔ پہلے تو یہ فرمایا کہ جب قرآن پڑھا جائے۔ تو اسے دھیان سے سنو اور خاموش رہو، اول قرآن پڑھنے والے کو چاہئے کہ قرآن پڑھنے میں اس کا خیال رکھے کہ جن کانوں میں آواز پہنچ رہی ہے وہ اوگ کام کاج اور نیند میں مشغول نہیں ہیں۔ اگر لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہوں یا سو رہے ہوں تو اونچی آواز میں تلاوت نہ کرے کیونکہ کام میں لگے ہوئے لوگ قرآن مجید کی طرف توجہ نہیں کر سکتے۔ پڑھنے والے پر لازم ہے کہ ایسی صورت حال پیدا نہ کرے کہ حاضرین کے کانوں میں قرآن مجید کی آواز آ رہی ہو اور کام کاج کی مشغولیت کی وجہ سے قرآن مجید سننے کی طرف توجہ نہ کر سکیں۔ قاری جب یہ دیکھے کہ توجہ سے سننے والے موجود ہیں تو زور کی آواز سے تلاوت کرے، جو لوگ مشغول نہیں ہیں ان پر لازم ہے کہ خاموش رہیں اور دھیان لگا کر سنیں اگرچہ سمجھتے بھی نہ ہوں۔ قرآن پڑھا جا رہا ہو اور باتیں کر رہے ہیں یہ قرآن مجید کی بے ادبی ہے یہ حکم کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو خاموش رہو اور دھیان سے سنو نماز اور خارج نماز دونوں کو شامل ہے جو لوگ امام کے پیچھے نماز میں کھڑے ہوں ان کے لئے تو غافل ہونے کا موقع ہی نہیں ہے۔ کاروبار اور دوکان چھوڑ کر آتے ہیں مسجد میں موجود ہیں اور جب تک نماز میں ٹیکو نیا کا کوئی کام بھی نہیں کر سکتے۔ پھر امام کی قرأت کی طرف متوجہ نہ ہوں تو یہ سخت محرومی کی بات ہے۔

امام کے پیچھے خاموش رہنے کا حکم اور امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ..... حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ یا کوئی سورت پڑھنا منوع ہے۔

آیت بالا میں قرآن مجید کی تلاوت کے سننے اور تلاوت کے وقت خاموش رہنے کا جو حکم فرمایا ہے یہ حکم نماز کی مشغولیت کے وقت کو اور خارج نماز کو عام ہے نیز صحیح مسلم صفحہ ۷۷ جلد ۱ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: **وَإِذَا قَرَأَ فَانصتوا** (کہ جب امام پڑھے تو خاموش رہو) امام مسلم نے نہ صرف اس حدیث کی تخریج کی بلکہ بالتصريح یہ بھی فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے الفاظ بھی عام ہیں۔

جہتی اور نہ فی انہوں نماز میں شامل ہیں۔

امام کے پیچھے قراءت نہ پڑھنے کے بارے میں حضرات صحابہ کے ارشادات ..... حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار و اقوال سے بھی امام ابوحنیفہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے حضرت عطاء بن یسار تابعی نے امام کے ساتھ قراءت پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: لا قراءۃ مع الامام فی شیء (صحیح مسلم صفحہ ۴۱۱ جلد ۱) یعنی امام کے ساتھ نماز میں کوئی بھی قراءت نہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: من صلی رکعة لم یقرأ فیہا بأتم القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام (سنن ترمذی باب ما جانی ترک قراءۃ خلف الامام انہما بالقرآن) (۵)

یعنی جس شخص نے کوئی رکعت پڑھی جس میں ام قرآن (سورہ فاتحہ) نہ پڑھی تو اس نے نماز نہیں پڑھی الا یہ کہ امام کے پیچھے ہو (اگر امام کے پیچھے ہو تو سورہ فاتحہ نہ پڑھے) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے ہے (قال احمد وهذا رجل من اصحاب النبي ﷺ فاول قول النبي ﷺ لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب ان هذا اذا كان وحده۔

شرح معانی الآثار للامام الطحاوی (باب القراءۃ خلف الامام) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ من قرأ خلف الامام فلیس علی الفطرة (کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت پڑھے وہ فطرت پر نہیں ہے) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا انصت للقرآن فان فی الصلوة شعلا فسیکفیک ذلک الامام (قراءت کے لئے خاموش ہو جاؤ کیونکہ نماز میں مشغولیت ہے اور اس بارے میں امام تمہاری طرف سے کافی ہے) نیز حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: لیت الذی یقرء خلف الامام ملنی فمہ ترابا (کاش اس کے منہ میں مٹی بھری جاتی جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابو جہر نے دریافت کیا کیا امام کے پیچھے پڑھوں؟ تو جواب میں فرمایا کہ نہیں، اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نہیں پڑھتے تھے، جب ان سے پوچھا گیا کہ امام کے پیچھے پڑھا جائے تو فرمایا:

اذا صلی احدکم خلف الامام فحسبہ قراءۃ الامام۔ یہ سب آثار شرح معانی الآثار میں مروی ہیں۔

امام مالک اور امام احمد کا مذہب ..... اب دیگر ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کے مذاہب کی طرف رجوع فرمائیے۔ حضرت امام احمد بن حنبل کا مذہب بھی یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ یا کوئی سورت پڑھنا واجب نہیں ہے اور حضرت امام شافعی کا قول قدیم یہ تھا کہ امام کے پیچھے جہر میں قراءت واجب نہیں ہے اور قراءت سری میں واجب ہے اور ان کا قول جدید یہ ہے کہ سری نماز ہو یا جہری مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ (کما ذکر فی کتاب مذہبہم)

حضرت امام ابوحنیفہ کا مذہب آیت قرآنیہ اور حدیث صحیحہ اور آثار صحابہ سے مؤید ہے اور حضرت امام مالک اور امام احمد بن حنبل بھی امام کے پیچھے پڑھنے کی فرضیت کے منکر ہیں (ان کے نزدیک امام کے پیچھے نہ سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور نہ کوئی دوسری سورت، البتہ احوال میں ان کے نزدیک سورہ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔) (کما ذکر فی کتاب مذہبہم) قال ابن فدامة الحبلی فی المغنی صفحہ ۶۰۰ جلد ۱ والمأموم اذا سمع قراءة الامام فلا یقرء بالحمد ولا بغيرها لقول الله تعالى وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْمَعُوا وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ وَالْأَرْوَاحُ لِرَبِّهِمْ رِجَالٌ لَّهُمْ خُلُوفٌ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِغُيُوبِهِمْ

مالی انازع القرآن قال: فانتهی الناس أن یقرءوا فیما جهر فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم. وجملۃ ذلک ان المأموم إذا کان یسمع قرأۃ الامام لم تجب علیہ القراءة ولا تستحب عندا منا والزہری والثوری وما لک وابن عیینہ وابن المبارک واسحاق واحمد قولی الشافعی ونحوہ عن سعید ابن المسیب وعروۃ بن الزبیر وأبی سلمۃ بن عبد الرحمن وسعید بن جبیر وجماعۃ من السلف، والقول الآخر للشافعی یقرأ فیما یجہر فیہ الامام ونحوہ عن الیث والأوزاعی وابن عون و مکحول وأبی ثور لعموم قوله علیہ السلام "لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب" متفق علیہ ولنا قول اللہ تعالیٰ: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ قال احمد قالنا علی ان هذا فی الصلوة. وعن سعید بن المسیب والحسن و ابراہیم و محمد بن کعب والزہری أنها نزلت فی شأن الصلوة. وقال زید بن أسلم وابو العالیۃ کانوا یقرءون خلف الامام فنزلت وإذا قُرِئَ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلکم ترحمون ط وقال احمد فی رواۃ ابی داؤد اجمع الناس علی ان هذه الآية فی الصلوة ولأنہ عام فیتأول بعمومہ الصلوة، وروی ابو ہریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی علیہ وسلم انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا، واذا قرأ فانصتوا " (الی ان قال) قال أحمد ما سمعنا احدا من اهل الاسلام یقول ان الامام اذا جہر بالقراءة لا تجزئ صلاة من خلفه اذا لم یقرأ، وقال هذا النبی صلی اللہ علیہ وسلم وأصحابہ والتابعون وهذا مالک فی اهل الحجاز وهذا الثوری فی اهل العراق وهذا الازاعی فی اهل الشام وهذا الیث فی اهل مصر ما قالوا الرجل صلی وقرأ امامہ ولم یقرأ هو صلاتہ باطلۃ ولا نہا قراءۃ لا تجب علی المسبوق فلم تجب علی غیرہ کالسورۃ، فاما حدیث عبادۃ الصحیح فهو محمول علی غیر المأموم، وكذلك حدیث ابی ہریرۃ قد جاء مصرحاً بہ رواہ الخلال باسنادہ عن جابر أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کل صلوة لا یقرأ فیہا بأم القرآن فهي خداج إلا أن تكون ورآء الامام، وقد روی ایضاً موقوفاً عن جابر، وقول ابی ہریرۃ اقربا فی نفسک من کلامہ وقد خالفہ جابر وابن الزبیر وغیرہما ثم یحتمل انه اراد اقربا فی سکنات الامام أو فی حال اسرارہ فانہ یروی أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: إذا قرأ الامام فانصتوا، والحدیث الآخر وحدیث عبادۃ الآخر فلم یروہ غیر ابن اسحاق كذلك قالہ الامام احمد وقد رواہ ابو داؤد عن مکحول عن نافع بن محمود بن الربیع الانصاری و هو ادنی حالا من ابن اسحاق فانه غیر معروف من اهل الحدیث و قیاسہم یبطل بالمسبوق (ثم قال بعد سطور) الاستحباب ان یقرأ فی سکنات الامام وفي ما لا یجہر فیہ (الی ان قال) فان لم یفعل فصلاتہ تامۃ لان من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قراءۃ، وجملۃ ذلک ان القراءۃ غیر واجبة علی المأموم فیما جہر بہ الامام ولا فیما اسر بہ نص علیہ احمد فی رواۃ الجماعۃ، وبذلک قال الزہری والثوری وابن عیینہ وما لک وابو حنیفۃ واسحاق. (علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ) نے اُغنی میں کہا کہ مقتدی جب امام کی قرأت سن رہا ہو تو نہ فاتحہ پڑھے اور نہ کوئی اور سورۃ وغیرہ پڑھے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو اور حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کی وجہ سے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کیا میرے ساتھ قرآن کریم میں جھگڑا کیا جاتا ہے..... حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اس کے بعد لوگ ان نمازوں میں فاتحہ پڑھنے سے رک گئے جن میں حضور ﷺ جبر سے تلاوت فرماتے تھے۔ اور اسی کا خلاصہ یہ ہے کہ مقتدی جب امام کی قراءت سے تو اس پر قراءت واجب نہیں ہے اور نہ مستحب ہے ہمارے امام کے نزدیک اور زہری، ثوری، مالک، ابن عیینہ، ابن المبارک، ائحق اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق اسی طرح ہے اور حضرت سعید بن المسیب، عروۃ ابن الزبیر، ابوسلمہ اور سعید بن جبیر اور سلف کی ایک

جماعت سے بھی نہیں مروی ہے اور امام شافعی کا وہ قول یہ ہے کہ جس نماز میں امام جبر کرے اس میں بھی مقتدی پڑھے اور اسی طرح منقول ہے۔ حدیث ازانی، ابن عون، کمال اور ابو داؤد سے حضور ﷺ کے ارشاد لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحة الكتاب (اس کی نماز نہیں ہے جو فاتحہ نہ پڑھے) کے عام ہونے کی وجہ۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وَاِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لِلَّهِ وَارْغَبُوا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔ امام احمد فرماتے ہیں عام اہل علم اسی پر ہیں کہ یہ حکم نماز کے بارے میں ہے۔ حضرت سعید بن المسیب، حسن، ابراہیم، محمد بن کعب، زہری سے بھی یہی مروی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی اور زید بن اسلم اور ابو العالیہ فرماتے ہیں وہ امام کے پیچھے قرائت کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ امام ابو داؤد کی روایت کے مطابق سب کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے۔ اور اس لئے بھی کہ یہ آیت عام ہے جو نماز کو بھی شامل ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا امام اسی لئے بنایا گیا ہے تاکہ اس کی اقتدا کی جائے جب امام نکیر کہے تو تم بھی نکیر کہو اور جب قرائت کرنے تو تم خاموش رہو۔ (رواہ مسلم) یہ بھی کہا ہے کہ امام احمد کہتے ہیں ہم نے اہل اسلام میں سے کسی سے یہ نہیں سنا ہے کہ امام جب جبر سے قرائت کرے تو قرائت نہ کرنے والے مقتدی کی نماز نہیں ہوتی اور کہا کہ یہ حضور ﷺ ہیں اور یہ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور تابعین ہیں یہ امام مالکؒ میں تجاز میں، اور اہل عراق میں امام ثوریؒ ہیں اور اہل شام میں اوزاعیؒ ہیں اور اہل مصر میں لیثؒ ہیں کہ انہوں نے امام کی قرائت کے پیچھے قرائت نہ کرنے والے کسی آدمی کو یہ نہیں کہا کہ تیری نماز باطل ہے۔ اور اس لئے بھی مقتدی پر واجب نہیں کہ مسبوق پر واجب نہیں ہے تو سورۃ کی طرح وہ سب پر بھی واجب نہیں ہے۔ حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ والی حدیث صحیح وہ منفرد کے لیے ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تو اس کی مہراحت ہے خلال نے اپنی سند سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا بروہ نماز جس میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوف بھی مروی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو یہ ہے کہ اسے اپنے دل میں پڑھ یہ ان کا اپنا قول ہے۔ کیونکہ حضرت جابرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہ نے اس کی مخالفت کی ہے، پھر یہ احتمال ہے کہ آپ کا مقصد یہ ہو کہ امام جب سکتے کرے تو اس میں پڑھ لویا اس کی خاموشی کے وقت پڑھ لے کیونکہ انہوں نے ہی روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب امام قرائت کرے تو تم خاموش رہو اور دوسری حدیث اور حضرت عبادۃ کی دوسری حدیث اسے ابن اثرق کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔ امام احمد نے بھی یہی کہا ہے اور ابو داؤد بن کمال عن نافع بن محمود بن الربیع الانصاری والی جو روایت ہے وہ ابن اثرق سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ کیونکہ وہ محدثین میں غیر معروف ہے اور ان کا مسبوق پر قیاس باطل ہے (کچھ سطروں کے بعد ہے) کہ مستحب یہ ہے کہ امام کے سکتوں میں پڑھے اور غیر جبری میں پڑھے۔ اگر ایسا نہ کرے تو بھی نماز تمام ہو جائے گی کیونکہ جس کا امام ہو تو امام کی قرائت اس کے لئے کافی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مقتدی پر قرائت واجب نہیں ہے نہ جبری نمازوں میں نہ سری میں ایک پوری جماعت کی روایت کے مطابق امام احمد نے اسی کی صراحت کی ہے اور قول ہے زہری، ثوری، ابن عیینہ، مالک اور ابو حنیفہ اور اثرق کا۔

حضرت امام شافعی کا قول جدید بعض جماعتوں نے اختیار کر لیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز ہوتی ہی نہیں۔ دیگر مسائل اختلافیہ کی طرح اس مسئلہ میں بھی صحابہؓ کے درمیان اختلاف تھا۔۔۔۔۔ دونوں طرف دلائل ہیں پھر اس میں اتنا غلو کرنا کہ جو حضرات فاتحہ خلف الامام کی فرضیت کے قائل نہ ہوں (جن میں حضرت امام احمد بن حنبل بھی ہیں جو جماعت مذکورہ کے نزدیک امام الحدیث اور امام السنۃ ہیں) ان کو خطا کار بتانا اور جو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کے بارے

میں قسمیں کھا کھا کر یہ کہنا کہ ان کی نماز ہوتی ہی نہیں سر اسر تعدی ہے۔ قیامت کے دن جب نمازوں کا اجر ثواب ملے گا تو ان سے پوچھا بھی نہ جائے گا کہ بتاؤ جس نے تمہاری رائے کے مطابق نماز نہ پڑھی اسے جنت میں بھیجا جائے گا یا نہیں؟  
فائدہ..... جب قرآن مجید پڑھا جائے نماز کے اندر ہو یا نماز سے باہر اس کے بارے میں حاضرین کو حکم دیا کہ قرآن کو سنیں اور خاموش رہیں یہ قرآن کا ادب ہے اور احترام ہے جس طرح سامعین کو حکم ہے کہ قرآن سنیں اور کان دھریں اور خاموش رہیں اس طرح حضرات فقہاء کرام نے قرآن پڑھنے والے کو بھی ہدایت دی ہے جہاں لوگ کام کاج اور کاروبار میں لگے ہوئے ہیں وہاں زور سے قرآن مجید کی تلاوت نہ کرے یہ جو لوگوں نے طریقہ نکال رکھا ہے کہ ایسے مواقع میں کیسٹ یا ریڈیو کھول دیتے ہیں جہاں قرآن سننے کی طرف متوجہ نہیں ہو پاتے یا شیعوں میں لاؤڈ اسپیکر لگا کر محلوں میں بازاروں میں قرآن مجید کی آواز پہنچاتے ہیں اس میں قرآن مجید کی بے ادبی ہے، جہاں لوگ سو رہے ہیں وہاں بھی زور سے تلاوت نہ کریں۔

آیت کے ختم پر جو لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ قرآن کے آداب بجالائیں گے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہوں گے اس سے بات کا دوسرا رخ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن کی بے حرمتی اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اور اسکی گرفت کا سبب ہے۔

وَ اذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرَّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ

اور اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور ایسی آواز سے اپنے رب کو یاد کیجئے جو زور کی بات سے کچھ کم ہو صبح کے وقت اور شام کے اوقات

وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهِ

میں، اور غفلت والوں میں سے مت ہو جانا۔ بے شک جو لوگ آپ کے رب کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے

وَيَسْبَحُوْنَهُ وَلَهُ يَسْجُدُوْنَ ۝

اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

### ذکر اللہ کا حکم اور اس کے آداب

اس سے پہلی آیات میں قرآن مجید کو بصائر اور ہدایت و رحمت بتایا اور قرآن کا ادب سمجھایا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو دھیان سے سنو اور چپ رہو، اب یہاں مطلق ذکر کا حکم ہے اور اس کے بعض آداب بتائے ہیں۔ اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ اسی کی وجہ سے ساری دنیا آباد ہے۔ صحیح مسلم صفحہ ۸۴ جلد ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا نماز بھی اللہ کے ذکر کے لئے ہے کما قال تعالیٰ اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِيْ ۔

سورہ عنکبوت میں فرمایا: وَلِذِكْرِ اللّٰهِ اُخْبِرْ (اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے) سورہ بقرہ میں فرمایا: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اَبْنٰى اٰدَمُ عَلٰى مَا جَعَلَتْ اَيْدٰىہٗۙ ذٰلِکَ لِمَنْ يَّهْتَدٰی وَ لِمَنْ يَّجْعَلْ وُجْہَہٗۙ لِّلْاٰثِمِیۡنَ (سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو) صحیح مسلم صفحہ ۱۶۲ جلد ۱ میں ہے۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدکر اللہ علی کل احیائہ (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے) مومن بندے دل کو بھی اللہ کے ذکر سے معمور رکھیں اور زبان سے بھی اللہ کی یاد میں مشغول رہیں۔ تسبیح، تحمید، تہلیل یہ سب اللہ کا ذکر ہے ان کی فضیلتیں بہت سی احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ اگر زندگی کے مختلف اوقات میں متعلقہ مسنون دعائیں

پر سبیں اور ان دعاؤں کا اہتمام کریں تو زندگی کے عام حالات میں اور مختلف اوقات میں اللہ کی یاد بوقت رہے گی، سوتے، جاگتے، کھاتے پیتے وقت، گھر سے نکل کر اور گھر میں داخل ہو کر اور کپڑا پہنتے وقت، سواری پر سوار ہوتے وقت، سفر کے لئے روانہ ہوتے وقت، کسی منزل پر اترنے کے بعد، جہاد کرتے وقت، ابتلا، مصائب کے مواقع میں بازار میں پہنچ کر، اور ہر مجلس میں وہ دعائیں پڑھیں جائیں جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں اور صبح شام کے اوقات کو خاص طور پر ذکر میں مشغول رکھا جائے۔ ان اوقات کی مسنون دعائیں بھی اہتمام سے پڑھیں جائیں، علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے حصن حصین میں مختلف احوال و اوقات کی دعائیں لکھ دی ہیں اور راقم الحریف نے بھی اپنی کتاب فضائل دعا میں جمع کر دی ہیں۔ تلاوت بھی ذکر ہے اور دعا بھی تلبیل، تسبیح، تحمید، تکبیر بھی ذکر ہے اور دور و شریف بھی ذکر میں شامل ہے کیونکہ اس میں اللہ سے سوال کیا جاتا ہے کہ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت بھیجے، استغفار بھی ذکر ہے ان سب چیزوں میں مشغول رہنا چاہیے۔

ذکر خفی کی فضیلت..... اللہ کا ذکر آہستہ آہستہ کرنا افضل ہے جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ خیر الذکر الخفی (کہ بہتر ذکر وہ ہے جو پوشیدہ ہو) (رواہ احمد فی مسند ۲/۷۲۱ اجماع سعد بن مالک مرفوعاً) اور صرف دل میں بلا حرکت زبان اللہ کی ذات و صفات کا دھیان کرنا جسکو تفکر، مراقبہ کہا جاتا ہے یہ بھی ذکر خفی ہے۔ ذکر پوشیدہ ہو اور تضرع اور زاری کے ساتھ ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ہو اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے، اور زور سے ذکر کرنا بھی درست ہے لیکن ایسا نہ چنیے کہ جان کو تھکا ڈالے۔ بلند بھی ہو تو ہلکی آواز ہو اسی کو فرمایا وَذُؤْنُ الْخَفِيِّ مِنَ الْفُؤْلِ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ایک مرتبہ سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے لوگوں نے زور زور سے اللہ اکبر کہنا شروع کیا، آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کھاؤ تم ایسے معبود کو نہیں پکار رہے ہو جو بہر اور غائب ہو، تم ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو سمیع ہے اور بصیر ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے، قسم اس ذات کی جسے تم پکار رہے ہو وہ تم سے اس سے بھی زیادہ قریب ہے جتنی قریب تمہاری اونٹنی کی گردن ہے، یہ بیان فرما کر حضرت ابو موسیٰ نے بیان فرمایا کہ میں آپ کے پیچھے تھا اور دل میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے عبداللہ بن قیس (یہ ابو موسیٰ کا نام ہے) کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ بتا دوں؟ پھر فرمایا کہ وہ خزانہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۰۱ از بخاری و مسلم)

ذکر جہر کرنے میں یہ بھی دھیان رہے کہ نمازیوں کو تشویش نہ ہو اور سونے والوں کی نیند خراب نہ ہو۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ ہر نیک کام اللہ کی رضا کے لئے ہونا چاہیے جو بھی کوئی کام دکھاوے کے لئے مخلوق کو معتقد بنانے کے لئے یا اپنی بزرگی جمانے کے لئے ہو گو بظاہر نیک ہی ہو وہ حقیقت میں نیک نہیں ہوتا اور نہ صرف یہ کہ اس کا ثواب نہیں ملتا بلکہ وبال اور عذاب کا سبب بن جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص (احکام و آداب کی رعایت کرتے ہوئے) زور سے ذکر کرے لیکن مقصود اللہ کی رضا ہو تو اس کا ثواب ملے گا اور اگر کوئی شخص ذکر خفی کرے اور پھر ترتیب سے لوگوں کو ظاہر کر دے تاکہ لوگ اس کے معتقد ہوں تو ایسا ذکر خفی بھی مقبول نہیں ہوگا اور یہ عمل باعث مواخذہ ہوگا، ریاکاری کا تعلق اندر کے جذبہ سے ہے لوگوں کے سامنے عمل کرنے کا نام ریا نہیں ہے بلکہ لوگوں میں عقیدت جمانے کے جذبہ کا نام ریا ہے۔ آیت شریفہ میں اول تو یہ فرمایا کہ اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اپنے دل میں اور ڈرتے ہوئے یاد کرو پھر یہ فرمایا کہ ایسی آواز سے یاد کرو جو زور کی آواز کی نسبت کم آواز ہو۔

صبح شام اللہ کا ذکر کرنا..... پھر فرمایا: بِسْمِ اللّٰهِ وَالْاَصْلَابِ۔ کہ صبح و شام اپنے رب کو یاد کرو، صاحب روح المعانی صفحہ ۱۰۰

جندہ لکھتے ہیں کہ صبح و شام کا خصوصی ذکر اس لئے کیا گیا کہ یہ فراغت کے اوقات ہیں۔ ان اوقات میں دل کی توجہ ذکر کی طرف زیادہ ہوتی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان اوقات میں فرشتوں کا آنا جانا ہوتا ہے ایک جماعت آتی ہے دوسری جاتی ہے اس لئے ان اوقات کو خاص طور سے ذکر فرمایا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے دوام ذکر مراد ہے کہ ہر وقت ذکر کر دو۔

غافلوں میں نہ ہو جاؤ..... پھر فرمایا: وَلَا تُكِنُّ مِنَّا الْغَافِلِينَ۔ (غفلت والوں میں نہ ہو جانا) یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگے رہنا اور اس کی یاد سے غافل نہ ہونا۔

فرشتوں کی تسبیح اور عبادت..... اس کے بعد اللہ جل شانہ نے ملائکہ علی کے فرشتوں کی تسبیح اور عبادت کا ذکر فرمایا کہ بلاشبہ جو تیرے رب کے مقرب بندے ہیں وہ اپنے رب کی عبادت سے استکبار نہیں کرتے یعنی اپنی ذات کو بڑی نہیں سمجھتے جس کی وجہ سے اللہ کی عبادت سے روگردانی کریں، وہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ جانتے اور مانتے ہیں اور بندگی کے آداب بجالاتے ہیں اور اپنی مملوکیت اور عاجزی کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس کے لئے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ اسی کو سورہ نسا میں یوں بیان فرمایا: لَنْ يَسْتَنكِفَ الْمَسِيحُ اَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلّٰهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرْهُمْ اِلَيْهِ جَمِيعًا۔

ترجمہ..... مسیح نے اور مقرب فرشتوں نے ہرگز اس سے استکفاف نہیں کیا کہ اللہ کے بندے نہیں، اور جو شخص اس کی عبادت سے استکفاف کرے گا تو وہ انہیں عنقریب دوزخ میں جمع فرما دے گا (استکفاف کا معنی یہ ہے کہ اپنے کو بڑا سمجھے اور کسی کام کو اپنی شان کے خلاف جانے)

سجدہ تلاوت کا بیان..... اس آیت پر سورۃ اعراف ختم ہو رہی ہے اور یہ پہلی جگہ ہے جہاں قرآن مجید میں سجدہ تلاوت آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرات ملائکہ علیہم السلام کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنے اندر بڑائی نہیں کرتے جس کی وجہ سے اپنے رب کی عبادت سے منہ موڑیں بلکہ وہ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اور مؤمن بندوں کے لئے سجدہ تلاوت مشروع فرمایا تاکہ وہ بھی ملائکہ علی کے رہنے والوں کی موافقت میں سجدہ ریز ہو جائیں، یہ سجدہ تلاوت شیطان کے لئے بہت بڑی مار ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب ابن آدم آیت سجدہ پڑھتا ہے پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا وہاں سے ہٹ جاتا ہے کہتا ہے کہ ہائے میری بربادی ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کر لیا لہذا اس کے لئے جنت ہے، اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا اور میں نے انکار کیا لہذا میرے لئے دوزخ ہے۔ (رواہ مسلم کتابی الاماۃ صفحہ ۸۴ جلد ۱)

مسئلہ..... سجدہ تلاوت کرنے میں تکبیر تحریمہ کی طرح ہاتھ اٹھانا نہیں ہے، بلکہ اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں چلا جائے اور ایک سجدہ کر کے تکبیر کہتے ہوئے، سر اٹھالے اس میں تشہد اور سلام نہیں ہے۔

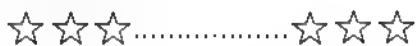
مسئلہ..... جیسے آیت سجدہ پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہوتا ہے ایسے ہی سننے والے پر بھی واجب ہوتا ہے اگر چہ اس نے ارادہ کرے نہ سنا ہو، البتہ تلاوت کرے والے کے لئے بہتر یہ ہے کہ آیت سجدہ حاضرین کے سامنے زور سے نہ پڑھے۔ ہاں اگر حاضرین سننے ہی کے لئے بیٹھے ہیں تو سجدہ تلاوت زور سے پڑھ دے۔



### سجدہ تلاوت کی دعا

سجدہ تلاوت میں اگر سُبحانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ تین مرتبہ کہے تو یہ بھی درست ہے اور اگر دعاءِ ماثور پڑھ لے تو زیادہ بہتر ہے۔ دعا ماثور یہ ہے۔ سَجْدَ وَجْهِیْ لِلَّذِیْ خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ. (رداء الترمذی و ابوداؤد والنسائی کافی المشکوٰۃ ص ۹۴) میرے چہرہ نے اس ذات کے لئے سجدہ کیا جس نے اسے پیدا فرمایا اور اس میں سے کان اور آنکھ نکال دیئے اپنی قدرت سے۔

تم تفسیر سورۃ الاعراف بحمد اللہ تعالیٰ و حوالہ و قوتہ و توفیقہ و تیسیرہ ولہ الحمد اولاً و آخراً۔



۷۵ آیتیں ۱۰ رکوع

سورۃ انفال

مدنی

﴿يَا أَيُّهَا ۷۵﴾ ﴿سُورَةُ الْاِنْفَالِ مَكِّيَّةٌ ۱۸﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۱۰﴾

سورۃ انفال مدینہ میں نازل ہوئی اس میں پچھتر آیات اور دس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يَكُونُكَ عَنِ الْاِنْفَالِ قُلِ الْاِنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَحْلِحُوا

یہ لوگ آپ سے انفال کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ انفال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہیں۔ سو تم اللہ سے ڈرو، اور آپس

ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ۚ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝

میں تعلقات کو درست کرو، اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

### انفال یعنی مال غنیمت کا بیان

لفظ انفال نفل کی جمع ہے، نفل لغت میں شی زائد کو کہتے ہیں اسی لئے فرائض کے علاوہ جو نمازیں پڑھی جائیں اور روزے رکھے جائیں انہیں نفل کہا جاتا ہے۔ کیونکہ نوافل اس عمل سے زائد چیز ہے جس کا لازمی طور پر حکم دیا گیا ہے۔ جہاد کے موقع پر جو دشمنوں کے اموال ہاتھ آجائیں جنہیں مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ یہاں انفال سے وہ مراد ہیں اور امیر لشکر جو غازی کے لئے اس کے مقرر حصہ سے زائد دینے کا اعلان کر دے۔ اس کو بھی نفل کہا جاتا ہے، مسلمان کی جنگ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے ہوتی ہے وہ مال کے لئے نہیں لڑتا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ جو مال غنیمت میں حصہ لے جائے وہ اللہ تعالیٰ کا مزید انعام ہے اس لئے اس کو انفال کہا جاتا ہے۔

گزشتہ امتوں میں اموال غنیمت کا حکم..... پہلی امتوں میں جب کافروں سے جنگ ہوتی تھی اور ان کے ہاتھ مال آتے تھے انہیں آپس میں بانٹنے اور استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ آسمان سے آگ آتی تھی اور اسے جلادیتی تھی، اور یہ اس بات کی دلیل ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مجاہدین کا جہاد قبول ہو گیا۔ اگر مال غنیمت جمع کر کے رکھ دیا جاتا اور آگ نازل نہ ہوتی تو سمجھا جاتا تھا کہ اس مال میں سے کسی نے کچھ غلول کیا ہے، یعنی چھپا کر کچھ مال لے لیا ہے۔

ایک نبی کے جہاد کا واقعہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک نبی نے جہاد فرمایا اور فتح کے بعد اموال غنیمت جمع کئے گئے۔ اس کے بعد آگ آئی تاکہ ان کو کھا جائے مگر آگ نے اس کو نہ کھایا یعنی نہیں جلایا۔ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم میں سے کسی نے خیانت کی ہے لہذا ہر قبیلہ کا ایک آدمی مجھ سے بیعت کرے، بیعت کرتے

کرتے ایک شخص کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک کر رہ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم ہی لوگوں میں سے کوئی شخص خیانت کرنے والا ہے۔ اس کے بعد وہ لوگ نیل کے سر کے برابر سوٹالے کر آئے اور اس کو مال غنیمت میں ملا کر رکھ دیا تو آگ آئی اور اس نے تمام مال غنیمت کو جلا دیا۔ (رواہ بخاری صفحہ ۴۴۰ جلد ۱)

اموال غنیمت کا حلال ہونا امت محمدیہ ﷺ کی خصوصیت ہے..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی۔ ایک یہ کہ مجھے جو امع الکرم عطا کئے گئے (بوالفاظ مختصہ) ہوں اور بہت سے معافی پر دلالت کرتے ہوں انہیں جو امع الکرم کہا جاتا ہے)۔ دوسرے یہ عرب کے ذریعہ میری مدد کی گئی (کہ وہ روزِ تک دشمن بیت کھاتے ہیں اور مرعوب ہوتے ہیں) تیسرے یہ اموال غنیمت میرے لئے حلال کر دیئے گئے۔ (جو دوسری امتوں کے لئے حلال نہ تھے)۔ چوتھے یہ پوری زمین میرے لئے سجدہ گاہ بنادی گئی اور طہارت کی جگہ بنادی گئی (جہاں وقت ہو جائے نماز پڑھ لیں مسجد کی کوئی قید نہیں اور پانی نہ ملے تو تیمم کر لیں)۔ پانچویں میں ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا (آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے) چھٹے میرے آنے پر نبیوں کی آمد ختم کر دی گئی۔ (رواہ مسلم)

اموال غنیمت کی تقسیم میں اختلاف اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ..... تفسیر روح المعانی صفحہ ۱۶۰ جلد ۹ میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بدر میں جو اموال غنیمت حاصل ہوئے تھے ان کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف ہوا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ یہ کس طرح تقسیم کئے جائیں؟ ان کے بارے میں مہاجرین کا فیصلہ معتبر ہوگا یا انصار کا یا دونوں جماعتوں کا؟ اس پر آیت بالا نازل ہوئی ان حضرات کے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ۔ (آپ فرمادیں کہ اموال غنیمت اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کے لئے ہیں) جس کا مطلب یہ ہے کہ غنائم کا فیصلہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے صادر ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے اس بارے میں کسی کی رائے کو کوئی دخل نہیں چنانچہ بعد میں ان کی تقسیم کا طریقہ بیان فرمایا جو آیت کریمہ وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ مِّنْ دُونِ النَّاسِ سے ڈرنے اور آپس کے تعلقات درست رکھنے کا حکم..... یہ ارشاد فرمایا کہ "انفال اللہ اور اس کے رسول ہی کے لئے ہیں" تین باتوں کا حکم فرمایا۔ اول یہ کہ اللہ سے ڈرو۔ دوم یہ کہ اپنے آپس کے تعلقات کو درست رکھو۔ سوم یہ کہ اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ یہ تین نصیحتیں ایسی ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے آخرت میں بھی کامیابی ہوگی کیونکہ تقویٰ اختیار کرنے کی صورت میں گناہوں سے پرہیز رہے گا اور آپس کی اصلاح کرنے سے حسد اور بغض اور نزاع و جدال سے سلامتی رہے گی، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا جو حکم فرمایا یہ تعیم بعد التخصیص ہے جو تمام اوافرناوی کو شامل ہے۔ اطاعت ہی تو ایمانیات کی روح ہے، اس میں برائی کی کاٹ ہے،

انفال کے دوسرے معنی..... بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہاں انفال کے دوسرے معنی مراد ہیں اور وہ یہ کہ جب امیر لشکریوں کا اعلان کر دے کہ جو شخص کسی کافر کو مار دے تو اس کا فرکاساں قاتل ہی کو دیا جائے گا یا کسی چھوٹے سے فوجی دستہ کو بڑے لشکر سے انتخاب کر کے کسی خاص جانب جہاد کے لئے بھیج دے اور یہ اعلان کر دے کہ وہاں سے جو مال غنیمت ملے گا وہ تم ہی لوگوں کا ہوگا اس میں سے خمس یعنی ۱/۵ حصہ نکال کے سب تم ہی کو دیا جائے گا..... یہ جو علیحدہ سے مخصوص کرنے کا اعلان ہے۔ یہ تفہیل ہے اور جو مال ان لوگوں کو دینے کا اعلان کر دیا جائے وہ نفل ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے بعض واقعات انفال کے بارے میں پیش

اُسے تھے اور صحابہؓ میں اختلاف ہو گیا تھا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (راجع تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۳ ج ۲) جن حضرات نے اس قول کو اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یُسْتَلُوْنَكَ غن الانفال میں لفظ عن زائد ہے اور یُسْتَلُوْنَ بمعنی یطلبون ہے لیکن غن کو زائد کہنے والی بات دل کو نہیں ملتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَهُمْ يُنْفِقُونَ ۝

ایمان کو زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں جو تمہارے کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ تم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۖ لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ ۖ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝  
یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ایمان والے ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس درجات ہیں اور مغفرت ہے اور رزق کریم ہے۔

### اہل ایمان کے اوصاف کا بیان

ان آیات میں اہل ایمان کے چند اوصاف بیان فرمائے ہیں۔

جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں..... اول: یہ فرمایا کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے دلوں پر اللہ کی عظمت ایسی چھائی ہوئی ہے کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ہیبت اور خوف کی وجہ سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں، مؤمن بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رہتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہتا ہے تو اللہ کی یاد سے اس کے دل کو اطمینان ہوتا ہے اور جب اس کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کی وجہ سے اس کے دل میں خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ وہی خوف تو ہے کہ جب وہ کسی ظلم یا گناہ کا ارادہ کرے اور اس سے کہہ دیا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو وہ ہٹک کر رہ جاتا ہے اور گناہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا، برخلاف اہل کفر اور اہل نفاق کے کہ ان کے دل میں ایمان نہیں، اللہ کی عظمت بھی نہیں، ہیبت بھی نہیں، البتہ وہ بغیر کسی پس و پیش کے گناہ کر لیتے ہیں۔

اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو اہل ایمان کا ایمان بڑھ جاتا ہے..... دوسری: صفت یہ بیان فرمائی کہ جب ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں یعنی ان کو سنائی جاتی ہیں تو ان کے سننے سے ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے یعنی نور ایمان میں ترقی ہو جاتی ہے اور اعمال صالحہ کی طرف اور زیادہ توجہ ہو جاتی ہے اور ایمان و یقین کی وجہ سے اعمال صالحہ کی طرف طبیعت خود بخود چلنے لگتی ہے اور گناہوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔

تیسری: صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، توکل اہل ایمان کی بہت بڑی صفت ہے اور بہت بڑی منفیت ہے اپنے سب کاموں میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اور اسباب ظاہرہ اختیار کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ ہی پر نظر رکھنا اور یقین کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے اور قاضی الحاجات ہے اور ہم اس کے ہر فیصلے پر اور اس کے قضاء و قدر پر راضی ہیں یہاں اہل ایمان کی عظیم صفت ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ توکل کا حکم دیا ہے اور اصحاب توکل کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (باشبہ

اللہ تو کل کرنے والا اور دوست رکھتا ہے) سورۃ ملک میں فرمایا قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ اَمْنَابِهْ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (آپ فرمادیجئے کہ وہ رحمن ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے اس پر توکل کیا سو غریب تم لوگ مانو گئے کہ کون ہے کھلی گمراہی میں) سورۃ طلاق میں فرمایا وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے سو اللہ اس کے لئے کافی ہے۔

وہ نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرتے ہیں..... چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور پانچویں صفت یہ بیان فرمائی کہ جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں خرچ کرتے ہیں، بدنی عبادات میں سب سے بڑی عبادت نماز ہے۔ قرآن مجید میں نماز کے ساتھ مالی عبادت کا بھی بار بار تذکرہ فرمایا ہے۔ اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ نماز کو اچھی طرح ادا کیا جائے جیسا کہ سورۃ بقرہ کے شروع میں بیان کیا گیا ہے اور مَا زِدْنَاهُمْ کے عموم میں سب کچھ داخل ہے۔ یہ لفظ زکاۃ، مفروضہ اور صدقات واجبہ اور نافلہ سب کو شامل ہے۔

مذکورہ صفات والے سچے مؤمن ہیں..... آخر میں فرمایا: اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ۔ (یہ لوگ سچے مؤمن ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس درجات ہیں اور مغفرت ہے اور رزق کریم ہے) اس میں اول تو یہ فرمایا کہ جن حضرات کا اوپر ذکر ہوا یہ سچے مؤمن ہیں پھر ان کے لئے درجات اور مغفرت اور رزق کریم کی بشارت دی، بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ تین انعام مذکورہ بالا تین قسم کے اوصاف کے مقابل ہیں ایمان باللہ اور اللہ کے ذکر کے وقت بیعت سے سہم جانا اور اس کی آیات سن کر ایمان کا بلاہ جانا اور اس کی ذات پر بھروسہ کرنا، یہ امور قلب یعنی دل سے متعلق ہیں اس کا انعام درجات عالیہ رفیعہ کی صورت میں ملے گا اور اقامت الصلوٰۃ میں تمام بدنی عبادات آئیں۔ ان کے مقابلہ میں مغفرت کا انعام ہے (عموماً عبادت بدنیہ کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے) اور وجہ خیر میں مال خرچ کرنے کے مقابلہ میں رزق کا وعدہ فرمایا، قال صاحب الروح (صفحہ ۶۹ جلد ۱) و ربما يقال في وجه ذكر هذه الاشياء الثلاثة على هذا الوجه ان الدرجات في مقابلة الاوصاف الثلاثة اعنى الوجه والالاخلاص والتوكل ويستأنس له بالجمع والمغفرة في مقابلة اقامة الصلوٰۃ ويستأنس له بما ورد في غير ما خبر ان الصلوات مكفرات لما بينهما من الخطايا وانها تنقي الشخص من الذنوب كما ينقي الماء من الدنس، والرزق الكريم بمقابلة الانفاق۔ (صاحب روح المعاني فرماتے ہیں اس ترتیب سے ان تین چیزوں کے ذکر کی وجہ بعض دفعہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جنت کے درجات تو تین اوصاف یعنی خوف، اخلاص اور توکل کے بدلہ میں اور اطمینان و مغفرت نماز قائم کرنے کے بدلے، اور کئی احادیث میں ہے کہ نماز میں ایک دوسرے کے درمیانی وقت کی کوتاہیوں کے لئے کفارہ ہیں اور یہ آدمی کو گناہوں سے اس طرح پاک صاف کر دیتی ہیں جیسے پانی میل کو صاف کر دیتا ہے اور رزق کریم انفاق کے بدلہ میں ملے گا)

درجات جنت کی وسعت..... حضرت عبادہ بن صامت ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جنت میں سو درجے ہیں اور ان درجات کے درمیان آپس میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان وزمین کے درمیان ہے ان میں فردوس سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ اسی جنت کی چاروں نہریں جاری ہیں اور اسکے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔ (رواہ الترمذی کافی مشکوٰۃ صفحہ ۴۹۶)

حضرت ابوسعید ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں سو درجات ہیں اگر سارے جہاں ان میں سے ایک درجہ میں جمع ہو جائیں تو اس ایک درجہ میں سب سما جائیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۹۷)

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَاذِبُونَ ۝

جیسا کہ آپ کے بچے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ آپ کو نکالا اور بلاشبہ مؤمنین کی ایک جماعت کو کراں بند رہا تھا

يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۝

وہ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اس کے بعد کہ ظہور ہو چکا تھا، گویا کہ موت کی طرف بانٹے جا رہے ہیں اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے ہیں

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَ لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَهٖ

اور جب اللہ تم سے وعدہ فرما رہا تھا کہ وہ دہماتوں میں سے ایک جماعت تمہارے لئے ہے اور تم خواہش کر رہے تھے غیر مسلح جماعت کا کہ

تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝

وہ تمہارے لئے ہو جائے اور اللہ چاہتا ہے کہ اپنے کلمات کے ذریعہ حق کا حق ہو جائے کافروں کی جزا کاٹ دے

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝

تاکہ حق کو سچا کر دے اور باطل کا باطل ہو جائے کافروں کے لئے اگرچہ مجرموں کو ناگوار ہو۔

### غزوہ بدر کا تذکرہ

ان آیات میں غزوہ بدر کا ذکر ہے اور رکوع کے ختم تک بلکہ اس کے بعد بھی متعدد آیات میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے اور پھر مزید تفصیل اس سورت کے پانچویں اور چھٹے رکوع میں بیان فرمائی ہے، غزوہ بدر کا کچھ تذکرہ سورہ آل عمران کے رکوع دوم میں اور کچھ آل عمران کے رکوع نمبر ۱۲ میں گزر چکا ہے۔ وہاں فرمایا ہے وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بَلَدْرًا وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ (اور یہ بات واقعی اور حقیقی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقام بدر میں تمہاری مدد فرمائی کہ جب تم کمزور تھے)

آگے بڑھنے سے پہلے پورا واقعہ ذہن نشین کر لینا چاہئے تاکہ آیات کریمہ میں جو اجمال ہے اس کی تشریح سمجھ میں آجائے قریش مکہ ہر سال تجارت کے لئے ملک شام جایا کرتے تھے مکہ معظمہ سے شام کو جائیں تو راستہ میں مدینہ منورہ سے گزرنا ہوتا ہے۔ شہر مدینہ میں داخل نہ ہوں تو دور سے یا قریب سے اس کی محاذات سے ضرور گزرنا پڑتا ہے، اب آگے یہ سمجھیں کہ قریش مکہ کا ایک قافلہ تجارت کے لئے شام گیا ہوا تھا بہت لوگوں نے اس تجارت میں شرکت کی تھی اور اپنے اموال لگائے تھے۔ قافلہ کے سردار ابوسفیان تھے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) جب ابوسفیان کا قافلہ شام سے واپس ہو رہا تھا جس میں تیس یا چالیس افراد تھے اور ایک ہزار اونٹ تھے تو سرور عالم ﷺ کو اس قافلہ کے گزرنے کا علم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ قریش کا قافلہ ادھر گزر رہا ہے..... چلو اس قافلہ کو پکڑیں گے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اموال تم کو عطا فرمادے آپ نے تاکید کی حکم نہیں فرمایا تھا اور یہ بھی نہیں فرمایا تھا کہ جنگ کرنے نکل رہے ہیں اس لئے بعض صحابہؓ آپ کے ہمراہ روانہ ہو گئے اور بعض مدینہ منورہ ہی میں رہے، ابوسفیان کو خطرہ تھا کہ راہ میں مسلمانوں سے ٹک بھٹرنے ہو جائے اس لئے وہ راستہ میں راہ گروں سے اس بات کا کھوج لگا تا جا رہا تھا کہ کہیں مسلمان ہمارے قافلے کے درپے تو نہیں ہیں۔ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ سے سفر فرمایا تو ابوسفیان کو اس کی خبر مل گئی اس نے

اچھا راستہ بدل دیا اور مصمم بن عمر وغفاری کو اہل مکہ تک خبر پہنچانے کیلئے جلدی جلدی آگے روانہ کر دیا، اس کو اس کام کا مختصان دینا بھی طے کر دیا، مصمم جلدی سے مکہ پہنچا اور اس نے خبر دے دی کہ مکہ (ﷺ) اپنے ساتھیوں کے ساتھ تمہارے قافلہ کے درپے ہیں اور مدینہ منورہ سے روانہ ہو چکے ہیں اپنے قافلے کی حفاظت کر سکتے ہو تو کرو یہ خبر سننے ہی اہل مکہ میں بل چل گئی اور مقابلہ کے لئے ایک ہزار آدمی جن کا سردار ابو جہل تھا بڑے کروفر اور اسباب پیش و طرب کے ساتھ اکڑتے اور اتراتے ہوئے بدر کی طرف روانہ ہو گئے بدر ایک آبائی کانام ہے جو مکہ معظمہ سے براستہ بالغ مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے راستہ میں پڑتی ہے یہاں سے مدینہ منورہ سو میل سے کچھ کم رہ جاتا ہے بدر نامی ایک شخص تھا جس نے اس ہستی کو آباد کیا تھا اس کے نام پر اس ہستی کا نام ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مقام بدر میں ایک کنواں تھا اس کا نام بدر تھا اسی کنویں کے نام سے یہ آبادی مشہور تھی، قریش مکہ اپنے ساتھ گانے بجانے والی عورتیں لے کر نکلے تھے تاکہ وہ گانا گائیں اور لڑائی کے لئے ابھاریں، اس لشکر میں تقریباً تمام سردار قریش شامل تھے، صرف ابولہب نہ جا سکا تھا اس نے اپنی جگہ ابو جہل کے بھائی عاصی بن ہشام کو بھیج دیا تھا ان لوگوں کے ساتھ دیگر سامان حرب کے علاوہ ساٹھ گھوڑے اور چھ سوزر ہیں تھیں اور سواری کے اونٹوں کے علاوہ کثیر تعداد میں ذبح کرنے اور کھانے کھلانے کیلئے اونٹ ساتھ لے کر چلے تھے سب سے پہلے ابو جہل نے مکہ سے باہر آ کر دس اونٹ ذبح کر کے لشکر کو کھلائے پھر مقام عسفان میں امیہ بن خلف نے نو اونٹ ذبح کئے پھر مقام قدید میں سہیل بن عمرو نے سوا اونٹ ذبح کئے پھر اگلی منزل میں شبیبہ بن ربیعہ نے نو اونٹ ذبح کئے پھر اس سے اگلی منزل میں (جو مقام بھجھہ میں تھی) عتبہ بن ربیعہ نے دس اونٹ ذبح کئے۔ اسی طرح ہر منزل میں دس دس اونٹ ذبح کرتے رہے اور کھاتے کھلاتے رہے اور ابو البختری نے بدر میں پہنچ کر دس اونٹ ذبح کئے۔

قریش مکہ تو مکہ معظمہ سے چلے اور آنحضرت مرور عالم ﷺ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے۔ یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ آپ نے عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا وہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ آپ کے ساتھ روانہ ہونے والوں میں حضرت ابولہبؓ بھی تھے۔ آپ نے انہیں مقام روحاء سے واپس کر دیا اور امیر مدینہ بنا کر بھیج دیا۔ آپ کے لشکر کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور آپ کے ساتھ ستر اونٹ تھے جن پر نمبردار سوار ہوتے تھے۔ ہر تین افراد کو ایک اونٹ دیا گیا تھا۔ خود آپ ﷺ بھی حضرت ابولہبؓ کے ساتھ ایک اونٹ میں شریک تھے۔ نوبت کے اعتبار سے آپ بھی پیدل چلتے تھے۔ مقام روحاء تک یہی سلسلہ راجب روحاء سے حضرت ابولہبؓ کو واپس فرمادیا تو آپ حضرت علیؓ اور حضرت مرثد کے ساتھ ایک اونٹ میں شریک رہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ جب آپ کے پیدل چلنے کی نوبت آتی تھی تو حضرت ابولہبؓ اور حضرت علیؓ عرض کرتے تھے کہ یا رسول اللہ! آپ برابر سوار ہیں ہم آپ کی طرف سے پیدل چلیں گے۔ آپ نے جواب میں فرمایا ما انتما باقوی منی ولا انا باغنی عن الاجر منکم۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۴) تم دونوں مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور ثواب کے اعتبار سے بھی میں تمہاری بہ نسبت بے نیاز نہیں ہوں) یعنی جیسے تمہیں ثواب کی ضرورت ہے مجھے بھی ثواب کی ضرورت ہے جب آنحضرت ﷺ وادی ذفران میں پہنچے تو قیام فرمایا اب تک تو ابوسفیان کے قافلے سے تعرض کرنے کی نیت سے سفر ہو رہا تھا یہاں پہنچ کر خبر ملی کہ قریش بھی اپنے قافلے کی مدد کے لئے مکہ معظمہ سے نکل چکے تھے، ابوسفیان اپنا قافلہ لے کر راستہ کاٹ کر آگے بڑھ چکا تھا۔ اب صورت حال یہ پیدا ہو گئی کہ قریش مکہ سے جنگ کرنے کی نوبت آگئی۔ آپ ﷺ نے حضرات صحابہؓ سے مشورہ فرمایا کہ قریش ہمارے مقابلہ کے لئے نکل چکے اب کیا کیا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہوئے اور اچھا جواب دیا پھر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے انہوں نے بھی اچھا جواب دیا پھر حضرت مقدادؓ کھڑے ہوئے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) آپ اپنی رائے کے مطابق تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم ایسا نہ ہوگا

جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا اذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَابِلَا اِنَّا هُنَا قَاعِلُوْهُنَّ (تو اور تیرا رب چلے جائیں وہاںوں)  
 قتال نہیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں) آپ تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ قتال کرنے والے ہیں۔ قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق  
 دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہمیں برک الغماہ ("برک الغماہ" یہ یمن میں ایک جگہ کا نام ہے اور ایک قول ہے کہ یہ جگہ مکہ معظمہ سے پانچ رات کی مسافت پر  
 ہے۔) (نہایہ ابن کثیر) تک ساتھ لے چلیں گے تو ہم ساتھ رہیں گے اور جنگ سے منہ نہ موڑیں گے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا الشیرواعلیٰ ایہا الناس (اے لوگو! مشورہ دو) آپ کا مقصد یہ تھا کہ انصار حضرات اپنی رائے پیش  
 کریں۔ آپ کی بات سن کر حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا (جو انصار میں سے تھے) کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ  
 آپ ہم سے جواب لینا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! انہوں نے عرض کیا کہ ہم آپ پر ایمان لائے۔ آپ کی تصدیق کی ہم نے گواہی  
 دی کہ جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اور ہم نے آپ سے عہد کیا ہے کہ ہم آپ کی بات مانیں گے اور فرمانبرداری کریں گے آپ  
 اپنے ارادہ کے موافق عمل کریں اور تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر  
 راہ میں سمندر آگیا اور آپ اس میں داخل ہونے لگیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ داخل ہو جائیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہ  
 رہے گا ہم جنگ میں ڈٹ جانے والے ہیں اور دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی کے ساتھ معرکہ آرائی کرنے والے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 ہماری طرف سے آپ کو ایسی بات دکھائے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ آپ اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ چلے۔

حضرت سعد بن معاذؓ کی بات سن کر آپ کو بہت خوش ہوئی اور فرمایا کہ چلو خوش خبری قبول کرو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ  
 جماعتوں میں سے تم کو ایک جماعت پر غلبہ عطا فرمائیں گے (ایک جماعت ابوسفیان کا قافلہ اور دوسری جماعت قریش مکہ کا لشکر) آپ  
 نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ جس جماعت سے مقابلہ ہوگا ان کے مقتولین کہاں کہاں پڑے ہیں۔

اس کے بعد آپ اپنے صحابہ کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک غلام سے ملاقات ہوئی حضرات صحابہ نے اس سے  
 پوچھا کہ ابوسفیان کا قافلہ کہاں ہے؟ اس نے کہا اس کا تو مجھے کوئی پتہ نہیں۔ یہ ابو جہل، عتبہ اور امیہ بن خلف آرہے ہیں۔ بعض روایات میں  
 یوں ہے کہ جب ابوسفیان کے قافلے سے تعرض کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے تو ایک دن یا دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد آپ  
 نے صحابہ سے مشورہ لیا تھا کہ ابوسفیان کو پیہ چل گیا کہ ہم اس سے تعرض کرنے نکلے ہیں (وہ قافلہ تو نکل چکا ہے) اب قریش مکہ کے آنے کی  
 خبر سنی گئی ہے۔ ان سے مقابلہ ہونے کی بات بن رہی ہے اس بارے میں کیا خیال ہے؟ اس پر بعض صحابہ نے کہا کہ ہمیں تو قریش مکہ کے  
 لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں آپ تو ابوسفیان کے قافلہ کے لئے نکلے تھے آپ نے پھر وہی سوال فرمایا کہ قریش مکہ سے جنگ  
 کرنے کے بارے میں کیا رائے ہے اس پر حضرت مقدادؓ نے وہ جواب دیا جو عنقریب گزر چکا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ سوال  
 جواب مقام روجاء میں ہوئے۔ بعض صحابہ نے جو یہ کہا تھا کہ ہمیں قریش مکہ سے جنگ کی طاقت نہیں۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل

ہوئی۔ وَ اِنَّ قَرِيْنًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَارِهُوْنَ - يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا بَيَّنَّ كَاْتَمًا يَسْأَلُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ  
يَنْظُرُوْنَ (اور بلاشبہ مؤمنین کی ایک جماعت کو گراں گزر رہا تھا وہ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اس کے بعد حق ظاہر  
 ہو چکا تھا گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے ہیں جب ابوسفیان اپنے قافلے کو لے کر مسلمانوں کی زد  
 سے بچ کر نکل گیا تو اس نے قریش مکہ کے پاس خبر بھیجی کہ تم ہماری حفاظت کے لئے نکلے تھے اب جبکہ ہم بچ کر نکل آئے ہیں تو تمہیں آگے  
 بڑھنے کی ضرورت نہیں۔ لہذا واپس چلے جاؤ اس پر ابو جہل نے کہا اللہ کی قسم ہم واپس نہیں لوٹیں گے جب تک کہ ہم بدر نہ پہنچ جائیں وہاں



تین دن قیام کریں گے۔ اونٹ ذبح کریں گے کھانے کھلائیں گے شراہیں پیئیں گے اور گانے والیاں گانے سنائیں گی اور عرب کو پتہ چل جائے گا کہ ہم مقابلہ کیلئے نکلے تھے ہمارے اس عمل سے ایک دھاک بیٹھ جائے گی اور لوگ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔ لہذا چلو آگے بڑھو۔

اللہ جل شانہ نے اپنے رسول ﷺ سے وعدہ فرمایا تھا کہ دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت پر تمہیں غلبہ دیا جائے گا۔ جب آپ نے حضرات صحابہؓ سے مشورہ فرمایا تو ان میں سے بعض صحابہؓ نے یہ مشورہ دیا کہ ایوسفیان کے قافلے ہی کا پیچھا کرنا چاہئے کیونکہ وہ لوگ تجارت سے واپس ہو رہے ہیں۔ جنگ کرنے کے لئے نہیں نکلے ان میں لڑنے کی قوت اور شوکت نہیں ہے لہذا ان پر غلبہ پانا آسان ہے اور قریش کا جو لشکر مکہ مکرمہ سے چلا ہے وہ لوگ تو لڑنے ہی کے لئے چلے ہیں اور تیاری کر کے نکلے ہیں۔ لہذا ان سے مقابلہ مشکل ہوگا۔ ان لوگوں کی اس بات کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا: **وَنُودُوْهُنَّ اَنْ عَسَىٰ اَنْ يَّكُوْنَ لَكُمْ** (اور تم چاہتے ہو کہ وہ جماعت تمہارے قابو میں آجائے جو قوت و طاقت والی نہیں تھی)

قریش مکہ نے آنحضرت سید عالم ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بہت تکلیفیں دی تھیں اور مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا حق تعالیٰ نے قبول کرتے تھے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے۔ غیر متوقع طور پر بدر میں پہنچے اور معرکہ پیش آنے کی صورت بن گئی۔ اس میں گو بعض اہل ایمان کو طبعاً کراہت تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر سب پر غالب ہے۔ جنگ ہوئی اور اہل مکہ نے زبردست شکست کھائی اور ان کا فخر اور طمع طراپ سب دھرا رہ گیا۔ جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب بیان ہوگی۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَيُرِىدُ اللّٰهُ اَنْ يُجِزَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ** (اللہ کو یہ منظور تھا کہ اپنے کلمات کے ذریعہ حق کو ثابت فرمادے) **وَيَقْطَعَ ذَابِرَ الْكَافِرِيْنَ** (اور کافروں کی بنیاد کاٹ دے) **اَلْحَقُّ الْحَقُّ وَيُظِلُّ الْبَاطِلُ**۔ تاکہ اللہ تعالیٰ حق کا حق ہونا ثابت فرمادے اور باطل کا باطل ہونا ثابت فرمادے (ولو کرہ المجرمون اگرچہ مجرموں کو ناوار ہو)۔

اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر فرمائی کہ مشرکین مکہ ذلیل ہوئے اسلام کا حق ہونا علی الاعلان ثابت ہوا اور باطل کا باطل ہونا بھی ظاہر ہو گیا دوست اور دشمن سب نے دیکھ لیا۔ اسی لئے یوم بدر کو یوم الفرقان فرمایا۔ جیسا کہ اس سورت کے پانچویں رکوع میں آ رہا ہے (پوری تفصیل کے لئے البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۵۶ ج ۳) کا مطالعہ فرمائیں۔

فائدہ..... **كَمَا اَخْرَجَ جَاثِ رَبُّكَ** میں جو کاف تشبیہ ہے اس کے بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ اختلاف المغانم سے متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ کما انکم لما اختلفتم فی المغانم انتزعہ اللہ منکم کذلک لما کرہتم الخروج الی الأعداء کان عاقبہ کراہتکم ان قدرہ لکم وجمع بہ بینکم و بین عدوکم علی غیر ميعاد رشداً وهدی (جیسے تم نے غشیوں کے بارے میں اختلاف کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے تقسیم کا حق تم سے چھین کر رسول کو دیدیا تھا) (اور رسول نے عدل و مساوات کے ساتھ تقسیم کر دی تھی) اسی طرح اس موقع پر جبکہ دشمنوں سے لڑنے کے لئے تمہیں مدینے سے نکلنا پڑا تو اس بڑے لشکر سے لڑنا تمہیں ناپسند ہوا (یہ بڑا شکروہ کفار تھے جو اپنے ہم مذہب کافروں کی مدد اور شام کو گئے ہوئے مال تجارت کے قافلے کی حفاظت کے لئے مکہ سے نکل آئے تھے) اس لڑائی کو ناپسند کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسی لڑائی سے دوچار کر دیا اور پہلے سے بغیر کسی قرارداد جنگ کے تمہیں دشمن سے بھڑایا اور نتیجہ میں تمہیں نصرت و ہدایت بخشی) اور بعض حضرات نے اس تشبیہ کو اس طرح بیان کیا ہے **يَسْلُوْنَكَ غَنِ الْاَنْفَالِ** مجادلہ کما جادلوک یوم بدر فقالوا اخرجتنا للعیور ولم تعلمنا قتاله فستعدله

ذکر ہما (یا آپ سے غنیمتوں کے بارے میں مجادلہ کر رہے ہیں جیسا کہ بدر کے روز بھی انہوں نے آپ سے مجادلہ کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ آپ تو ہمیں قافلہ سے نمٹنے کے لئے لے کر اٹھے تھے ہم کو گمان بھی نہ تھا کہ ہمیں جنگ کرنی پڑے گی ورنہ ہم جنگ کی تیاری کر کے نکلتے)۔ (۱) (کثیر صفحہ ۲۸۳، ۲۸۵ جلد ۲) صاحب روح المعانی نے متعدد وجوہ نقل کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حالہم ہذہ فی کراہۃ ما وقع فی امر الانفال کحال اخر اجک من بیتک فی کراہتہم لہ (غنیمت کے معاملہ میں واقع ہونے والی صورتحال میں ان کی ناپسندیدگی ایسی ہے جیسے آپ کا ان کو گھر سے نکالنا انہیں ناپسند تھا یعنی یہ لوگ آپ سے اموال غنیمت کے بارے میں ایسے سوال کر رہے ہیں جیسا کہ اس وقت جھگڑ رہے تھے جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کے لئے مکہ معظمہ سے نکالا تھا۔ اس وقت یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ ہمیں پہلے سے نہیں بتایا تھا کہ جنگ کرنی ہوگی۔ اگر آپ پہلے سے بتا دیتے تو ہم اس کے لئے تیاری کر لیتے۔) (ہذا واجع الی ما ذکرہ ابن کثیر اولاً) پھر صاحب روح المعانی نے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ تقدیرہ واصلحو اذات بینکم کما اخر جک وقد التفت من خطاب جماعۃ الی خطاب واحد (اصل عبارت یہ ہے کہ اور تم آپس میں اصلاح کرو جیسا کہ آپ کو نکالا ہے۔ اس سے پہلے جماعت کو خطاب ہے پھر روئے سخن ایک کی طرف ہو گیا) پھر لکھا ہے وقیل المراد واطیعوا اللہ والرسول کما اخر جک اخر اجالا مرۃ فیہ وقیل التقدير ان یتوکلوا تو کلا کما اخر جک وفیہ اقوال أخر (بعض نے کہا ہے مراد یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو جیسا کہ اس نے تجھے نکالا کہ اس میں کچھ شک نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا تقدیر یہ ہے کہ وہ بھروسہ رکھیں جیسا کہ اللہ نے تجھے نکالا۔) (راجع روح المعانی صفحہ ۱۶۹ ج ۹)

فائدہ ..... اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ سے مقابلہ کرنے کا مشورہ کہاں فرمایا۔ بعض روایات میں ہے کہ مدینہ منورہ سے ایک دودن کی مسافت پر پہنچنے کے بعد مشورہ فرمایا اور بعض روایات میں ہے کہ مقام روجاء میں اور بعض روایات میں ہے کہ وادی ذفران میں مشورہ کیا ممکن ہے تینوں جگہ مشورہ فرمایا ہو اور بار بار انصار سے ان کی رائے کا اظہار مطلوب ہوتا کہ ان کی رضا اور رغبت کا خوب یقین ہو جائے اور ممکن ہے کہ راویوں سے جگہ کے تعین میں بھول ہوئی ہو، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّي مُبْدِكُمْ بِالْفِ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝

جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے سو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کروں گا جو مسلسل آتے رہیں گے

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَیْنَ بِہٖ قُلُوْبُکُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

اور اللہ نے اس امداد کو تمہیں بنایا مگر بشارت اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اور مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ

بے شک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے۔

غزوہ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا دعا میں مشغول رہنا اور آپ کی دعا قبول ہونا

قریش مکہ اپنے لشکر اور ساز و سامان اور گانے والی عورتیں لے کر بدر پہنچ گئے۔ یہ لوگ مکہ مکرمہ سے آئے تھے۔ آنحضرت ﷺ بھی مدینہ سے روانہ ہو کر چند دن میں بدر پہنچ گئے۔ راستے میں متعدد مراحل میں قیام فرمایا اور حضرات صحابہؓ سے مشورہ کیا جس کی تفصیل اوپر گزر چکی

ہے۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۱۷۲ جلد ۹ میں بحوالہ مسلم و ابوداؤد و ترمذی حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ نکتہ عمر بن الخطابؓ نے بتایا کہ بدر کے دن نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ پر نظر ڈالی تو یہ حضرات تین سو اسی سے کچھ اوپر تھے (ان حضرات کی شہادت تعداد ۳۱۳ ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں صفحہ ۵۶۲ میں ذکر ہے) مشرکین پر نظر ڈالی تو وہ ایک ہزار سے کچھ زیادہ تھے آپؐ نے قبلہ کی طرف رخ کیا پھر ہاتھ پھیلا کر اپنے پروردگار سے خوب زوردار دعا کرتے رہے دعا کے الفاظ یہ ہیں اللّٰهُمَّ اَنْجِزْ لِيْ مَا وَعَدْتَنِيْ اَللّٰهُمَّ اِنْ تَهْلِكْ هَذِهِ الْعُضْبَابَةَ مِنْ اَهْلِ الْاِسْلَامِ لَا تَعْبُدُ فِي الْاَزْوَاجِ (اے اللہ آپؐ نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے پورا فرمائیے اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں آپؐ کی عبادت نہ کی جائے گی) مطلب یہ تھا کہ یہ اہل ایمان و اسلام کا سلسلہ منقطع ہو جانے کا پھر آپؐ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ آپؐ نے یہ بات ناز کے انداز میں بارگاہ الہی میں عرض کر دی ورنہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اگر کوئی بھی نہ کرے اور کبھی بھی نہ کرے تو اس بے نیاز و لاشریک کو کوئی ضرر یا نقصان نہیں پہنچ سکتا (وہ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں) آپؐ قبلہ رخ ہو کر ہاتھ پھیلائے ہوئے برابر اس دعا میں مشغول رہے یہاں تک کہ آپؐ کی چادر بھی آپؐ کے کندھوں سے گر گئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ حاضر خدمت ہوئے اور آپؐ کی چادر لے کر آپؐ کے مونڈھوں پر ڈال دی پھر آپؐ سے چٹ گئے اور عرض کیا یا نبی اللہ! بس کیجئے آپؐ نے جواب اپنے رب سے بہت زوردار دعا کی ہے یہ کافی ہوگئی ہے شک آپؐ کا رب اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ اس پر آیت فَاَسْتَسْجَبَ لَكُمْ نَازِلٌ بِوَقْوَةٍ۔ یعنی اللہ نے تمہاری دعا قبول فرمائی اور ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد کرنے کا وعدہ فرمایا جو مسلسل آتے رہیں گے۔ لفظ مُرْسَدٌ مِّنْ اَمْرِ اللّٰهِ کا ایک معنی تو یہی ہے جو ہم نے ابھی لکھا (کہ مسلسل آتے رہیں گے) اور اس لفظ کے دوسرے معانی بھی مفسرین نے بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر فرشتے کے پیچھے ایک ایک فرشتہ ہوگا۔ (بہت قریب من الاول)

فرشتوں کا نازل ہونا اور مومنین کے قلوب کو اطمینان ہونا..... صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن جریر حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے کہ جریر علیہ السلام ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے جو نبی اکرم ﷺ کے دائیں طرف تھے اور اسی جانب حضرت ابوبکرؓ بھی تھے اور میکائیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے جو نبی اکرم ﷺ کے بائیں طرف تھے اور میں بھی اسی جانب تھا۔

سورۃ آل عمران میں تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کا ذکر ہے حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ اولاً ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد کی، پھر تین ہزار فرشتے آئے پھر اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار کی تعداد پوری فرمادی۔ پھر فرمایا وَمَا جَعَلْنَاهُ اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ وَلِنُظَمِّنَنَّ بِهٖ قُلُوْبَكُمْ (فرشتوں کی آمد کی بیشی خبر ایک بہت بڑی خوشخبری تھی جس سے دلوں کو سکون ہو گیا، طبعی طور پر انسان کو اسباب کے ذریعہ تسلی ہو جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسباب کے طور پر فرشتوں کو بھیج دیا گیا۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے) وہ جس کی چاہے مدد فرمائے اور جیسے چاہے مدد فرمائے اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے اور حکمت والا ہے) وہ بغیر فرشتوں کے بھی غلبہ دے سکتا ہے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ فرشتوں کو بھیجا جائے۔ کسی قوم کی فتح و نصرت اور غلبہ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کو کسی سبب کی ضرورت نہیں۔ لیکن وہ اپنی حکمت کے مطابق اسباب بھی پیدا فرمادیتا ہے اور پھر اسباب کے ذریعہ جو نفع پہنچانا مقصود ہو وہ نفع پہنچا دیتا ہے۔ جو فرشتے آئے تھے انہوں نے تھوڑا بہت قتال بھی کیا جس کا بعض احادیث میں ذکر ہے لیکن پوری طرح قتال میں حصہ نہیں لیا۔ ان کا اصل کام اہل ایمان کو جمانا اور ثابت قدم رکھنا تھا جیسا کہ آئندہ آیت میں فَتَبٰیئُوا الدِّیْنَ اٰمِنُوْا میں ذکر آ رہا ہے اس سے یہ اشکال بھی رفع ہو گیا کہ ہزار آدمیوں کے لئے ایک فرشتہ بھی کافی تھا، ہزاروں فرشتوں کی کیا ضرورت تھی؟

اِذْ يُغَشِّكُمُ التُّعَاسُ اَمَنَةً مِنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ

جب چھین دینے کے لئے اللہ اپنی طرف سے قہر پر اونگھ طاری فرما رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی نازل فرما رہا تھا کہ تمہیں پاک کر دے اور تم

وَيَذْهَبَ عَنْكُمُ رَجَزُ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝

سے شیطان کے وسوسے کو دور فرما دے اور تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس کے ذریعہ قدموں کو جما دے۔

### بدر میں مسلمانوں پر اونگھ کا طاری ہونا

اللہ جل شانہ نے مسلمانوں پر یہ بھی انعام فرمایا کہ پریشانی دور فرمانے کے لئے ان پر اونگھ بھیج دی۔ جیسا کہ غزوہ اُحد کے موقع پر بھی اونگھ بھیجی تھی جس کا ذکر سورۃ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ اس اونگھ کا نفع یہ ہوا کہ وہ جو تکلیف محسوس کر رہے تھے اس کا احساس ختم ہو گیا کیونکہ نیند ہر چیز سے غافل کر دیتی ہے خوشی سے بھی رنج سے بھی۔ ان کی پریشانی جاتی رہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم سب پر نیند کا غلبہ ہو گیا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک برابر نماز میں مشغول رہے (کما فی الدر المنثور) نیز اللہ تعالیٰ نے بارش بھی نازل فرمائی۔ اس بارش کے دو فائدے ہوئے ایک نہانے دھونے اور پانی پینے کا فائدہ ہوا دوسرے شیطان نے قلوب میں جو ناپاک وسوسے ڈال دیئے تھے یہ بارش ان وسوسوں کے ازالہ کا سبب بن گئی۔ نیز یہ بھی فائدہ ہوا کہ مسلمان جس جگہ قیام پذیر تھے وہاں ریت تھی وہ پانی پڑنے کی وجہ سے جم گئی اور جہاں مشرکین ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں کیچڑ ہو گئی۔ تفسیر ابن کثیر (صفحہ ۵۲۱ جلد ۲) میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے یہ بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر تشریف لے گئے اور وہاں قیام فرمایا تو وہاں آپ اور مشرکین کے درمیان بہت زیادہ ریت تھی۔ اس ریت میں جنگ کرنا بھی مشکل تھا اور ادھر مسلمانوں کو پانی کی بھی ضرورت تھی لہذا شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ اللہ کے دوست ہو اور تمہارے اندر خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور حال یہ ہے کہ پانی پر مشرکین نے قبضہ کر رکھا ہے اور تم حالت جنابت میں نمازیں پڑھ رہے ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خوب بارش برسائی۔ لہذا مسلمانوں نے پانی پیا اور پاکی حاصل کی (جس سے ظاہری نجاست دور ہو گئی) اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کا وسوسہ دور فرمایا (جس سے باطنی نجاست بھی دور ہو گئی اور ریت جیمنٹ کی طرح جام ہو گئی، جس پر مسلمانوں کا اور ان کے جانوروں کا چلنا پھرنا اور دشمنوں سے جم کر مقابلہ کرنا آسان ہو گیا اور اس سے دلوں کو اطمینان ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا ایک منظر جنگ سے پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔

اِذْ يُوحِي رَبُّكَ اِلَى الْمَلَائِكَةِ اَنِيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَالِقِيْ فِيْ قُلُوْبِ

جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو قہر ایمان والوں کو جہاد میں غنقریب کافروں کے دلوں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الرُّعْبَ فَاَضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاَضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝

میں رعب ڈال دوں گا۔ سو تم گردنوں پر مارو اور ان کے ہر پودے پر مارو۔

### فرشتوں کا قتال میں حصہ لینا اور اہل ایمان کے قلوب کا جمانا

اس آیت میں اللہ جل شانہ نے اپنے بعض انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ اس وقت کو یاد کرو۔ جب تمہارے رب نے

فرشتوں کو حکم دیا کہ تم مؤمنین کے قلوب کو ہماؤ اور ان کو ہرگز میں ثابت رکھو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی تمہارا مددگار ہوں۔ نیز یہ وعدہ فرمایا کہ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرمایا۔ مسلمانانِ جم کر لڑنے اور کافر مقتول ہونے اور مغلوب ہونے اور قیدی بننے۔ فاصبرُوا فوقِ الاغواق (اور مارو گرواؤں پر) اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ فرشتوں کو حکم ہے کہ وہ مشرکین کو ماریں۔ بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے جنگ کی اور بعض کافروں کو مارا، جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ فرشتوں کا بڑا کام مسلمانوں کو ہمانا تھا اس کے ساتھ انہوں نے کچھ قتال میں بھی حصہ لیا۔ جنگ تو اللہ تعالیٰ نے صحابہ ہی سے کروائی لیکن فرشتوں کو بھی مددگار بنادیا۔ اس میں یہ بتایا گیا کہ ہر شخص کو اپنی محنت اور مجاہدہ پر ثواب ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی مدد آئے یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ مسلمانوں میں خود اپنے ہی طور پر لڑنے کا اور جم کر مقابلہ کرنے کا جذبہ بننا چاہئے۔

غزوہ بدر میں فرشتوں کے قتال کرنے کے بارے میں متعدد روایات حدیث اور سیر کی کتابوں میں مروی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بدر کے دن فرشتوں کی نشانی یہ تھی کہ انہوں نے سفید غماصے باندھے ہوئے تھے جن کے شعلے اپنی کمریوں پر ڈال رکھے تھے۔ البتہ حضرت جبریل علیہ السلام کا غماصہ زرد رنگ کا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ بدر کے علاوہ کسی دوسرے موقع پر فرشتوں نے قتال نہیں کیا۔ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۸۱ جلد ۳) حضرت ابن عباسؓ نے غزوہ بدر کا ایک یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا اس نے اپنے سامنے کوڑا لگنے کی آواز گھوڑے سوار کی آواز سنی جو اپنے گھوڑے کو بڑھاتا قدم حیزوم کہ اے حیزوم آگے بڑھ (حیزوم اس فرشتہ کے گھوڑے کا نام تھا) اچانک وہ مسلمان کیا دیکھتا ہے کہ وہ مشرک اس کے سامنے چپ پڑا ہوا ہے اس پر جو نظریں ڈالیں تو دیکھا کہ اس کی ناک پر ضرب کا نشان ہے اور اس کا چہرہ کوڑے کی ضرب سے چیر دیا گیا ہے۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ سے بیان کی تو آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ ان فرشتوں کا کام ہے جو تیسرے آسمان سے مدد کے لئے آئے ہیں۔ (صحیح مسلم صفحہ ۹۳ جلد ۲)

حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ فرشتوں نے مقتولین کی گردنوں کے اوپر مارا تھا اور ان کی انگلیوں کے پوروں پر ایسا نشان تھا جیسے آگ نے جلا دیا ہو۔ حضرت ابو جریہؓ نے بیان کیا کہ میں بدر کے دن کئے ہوئے تین سر لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ میں نے آپ کے سامنے رکھ دیئے اور عرض کیا کہ ان میں سے دو شخصوں کو تو ہم نے قتل کیا ہے تیسرے شخص کو ایک دراز قامت آدمی نے قتل کیا ہے میں اس مقتول کا سر بھی لے آیا ہوں، آپ نے فرمایا وہ دراز قد فلاں فرشتہ تھا، سائب بن ابی جہش نے بیان کیا جو (بدر کے دن قید کر لئے گئے تھے پھر بعد میں مسلمان ہوئے) کہ مجھے ایک خوب زیادہ بالوں والے دراز نیا پیرا آدمی نے پکڑ کر باندھ دیا جو سفید گھوڑے پر سوار تھا، عبدالرحمن بن عوف نے مجھے بندھا دیکھا تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے فرمایا تجھے کس نے قید کیا؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا یہ بات میں نے اس لئے کہی کہ میں اصل صورت حال بتانا نہیں چاہتا تھا (کہ ایسے ایسے شخص نے مجھے قید کیا)۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے ایک فرشتہ نے قید کیا ہے بعض صحابہؓ نے یہ بیان کیا کہ ہم مشرکین کے سر کی طرف تلوار سے اشارہ کرتے تھے تو اس کا سر تلوار پہنچنے سے پہلے ہی جدا ہو کر گر جاتا تھا)۔ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۸۱ جلد ۳)

فوقِ الاغواق سے سروں میں مارنا مراد ہے اور کُھل بَنان سے انگلیوں کے پورے مراد ہیں اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے پورا جسم مراد ہے۔ (کافی روح المعانی)

فاصبرُوا کا خطاب کس کو ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ فرشتوں کو خطاب ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ فرشتوں کو اور حضرات صحابہؓ کو خطاب ہے۔ اعناق اور بنان کا ذکر خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمانے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ سروں کے کٹ

جانے سے آدمی ضرور مر جاتا ہے اور انگلیوں کے پوروں پر مار پڑے تو اس کے اگرچہ مرتا نہیں مگر ہتھیار اٹھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ جنگ کرنے سے عاجز رہ جاتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدٌ

یہ اس وجہ سے کہ بلاشبہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے سو اللہ سخت

العِقَابِ ۝ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ۝

سزا دینے والا ہے۔ سو یہ سزا تم چکھو اور بلاشبہ کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔

مشرکین کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی سزا ملی

ذٰلِكَ کا مشار الیہ ضرب ہے مطلب یہ ہے کہ کافروں کو مارنے کا یہ حکم اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ پھر اس کو بطور قاعدہ کلیہ کے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا سزا کا مستحق ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ مخالفت کرنے والوں کو سخت عذاب دینے والا ہے۔

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ یہ خطاب اہل کفر کو ہے جو بدر میں شریک ہوئے مطلب یہ ہے کہ اس عذاب کو کچھ اور مزید فرمایا: وَاَنَّ لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ (بلاشبہ کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے) دنیا کے عذاب کے بعد آخرت کے عذاب کا بھی تذکرہ فرمادیا اور یہ بتادیا کہ عذاب میں ختم نہیں ہوا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا الْقِيَمَةُ الْاٰتَتْكُمْ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمْ الْاَدْبَارَ ۝

اے ایمان والو! جب تم کافروں سے دو بدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرو

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبْرًاۤ اِلَّا مُتَعَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مَّتَحِيّزًاۤ اِلٰی فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ

اور اس دن جو اس شخص کے جوڑائی کے لیے رخ بدلے والا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے والا ہو جو شخص پشت پھیرے گا سو وہ

بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاۡوِئِهٖ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

اللہ کے غصہ کو لے کر لوٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

جب کافروں سے مقابلہ ہو تو جو جم کر قتال کرو

اس آیت میں اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ جب کافروں سے مقابلہ ہو جائے تو جم کر لڑیں پشت پھیر کر نہ بھاگیں، کیونکہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا (۱)..... اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا (۲)..... جادو کرنا (۳)..... کسی جان کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا (۴) یہ کہ حق کے ساتھ ہو (۵)..... سوکھانا (۶)..... یتیم کا مال کھانا (۷)..... جنگ کے موقع پر پشت پھیر کر چلا جانا (۸)..... مؤمن

پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانا جن کو برائی کا دھیان تک نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۷)

آیت بالا میں فرمایا کہ جو شخص جنگ کے موقع پر پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے وہ اللہ کے غضب میں آگیا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اسی لئے علماء کرام نے فرمایا کہ جہاد سے بھاگنا حرام ہے۔

دو صورتیں مستثنیٰ ہیں ..... البتہ دو صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں پشت پھیر کر چلا جانا جائز ہے ایک تو یہ کہ مقصود بھاگنا نہ ہو بلکہ اسے بطور ایک تدبیر کے اختیار کر رہا ہو۔ بظاہر بار بار ہو (جس سے دشمن یہ سمجھے کہ یہ شکست کھا گیا) اور حقیقت میں واپس ہو کر حملہ کرنے کی نیت رکھتا ہو، جس کو اردہ میں پیٹنر ابدلنا کہتے ہیں۔ اس کو مُتَحَيِّرٌ فَلِلْقَتَالِ سے تعبیر فرمایا کہ جس جگہ جنگ کر رہا ہو اسے چھوڑ کر ایسی جگہ چلا جائے جو قتال کے لئے زیادہ مناسب ہو یا کافروں کی ایک جماعت کو چھوڑ کر دوسری جماعت کی طرف چلا جائے آیت کے الفاظ اس سب کو شامل ہیں دوسری صورت میں پشت پھیر کر جانے کی اجازت ہے وہ یہ ہے کہ جنگ کرنے والا مسلمان مسلمانوں کی کسی جماعت کے پاس چلا جائے تاکہ ان کو ساتھ ملا لے اور ان کو ساتھ لے کر جنگ کرے اس کو مُتَحَيِّرٌ إِلَىٰ فِتْنَةٍ سے تعبیر فرمایا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک واقعہ ..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ کافروں سے لڑنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ہمارا ایک چھوٹا سادہ بنا کر بھیجا اس موقع پر کافروں نے حملہ کیا اس کی وجہ سے ہم لوگ محاذ چھوڑ آئے اور مدینہ منورہ آگئے اور یہ سمجھ کر کہ ہم ہلاک ہو گئے روپوش ہو گئے پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم تو راہ فرار اختیار کرنے والوں میں سے ہیں آپ نے فرمایا (نہیں) بلکہ تم لوگ جماعت کی طرف ٹھکانہ پکڑنے والے ہو اور میں تمہاری جماعت ہوں (آپ کا مطلب یہ تھا کہ قرآن مجید میں دو صورتوں میں بھاگنے کی اجازت دی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنی جماعت کی طرف ٹھکانہ پکڑے۔ لہذا تم ان اوگوں میں شمار ہو جو اپنے لشکر اور جماعت کی طرف پناہ لینے کے لئے آئے مدینہ میں آنا میرے پاس آنا ہے اور میرے ساتھ مسلمانوں کی جماعت ہے۔ تم اپنی جماعت کی طرف آئے ہو اپنے کو ہلاک نہ سمجھو۔ (رواہ الترمذی فی ادوار ابواب الجہاد)

فائدہ ..... حدیث کی تشریح سے (جس میں سات کبار بیان کئے گئے ہیں) اور آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ دو صورتوں کے علاوہ میدان جہاد چھوڑ کر بھاگ جانا کبیرہ ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں فَقَدْ بَايَعُوا اللَّهَ وَهَآؤَہُ جَهَنَّمَ فرمایا ہے البتہ دیگر معاصی کبیرہ کی طرح توبہ کرنے سے یہ گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے جیسا کہ غزوہ حنین کے شرکاء کے بارے میں فرمایا ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْہُمْ ۴ بَعْدَ ذٰلِكَ عَلَیْہِ مِنْ یَّشَآءُ

بارہ ہزار کا لشکر کبھی مغلوب نہ ہوگا ..... فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ میدان چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنے کی حرمت اس صورت میں ہے جبکہ کافروں کی تعداد مسلمانوں کی تعداد سے کم ہو یا برابر یا دو گنی ہو یا زائد ہو تو لیکن دو گنی سے کم ہو۔ اگر کافروں کی تعداد دو گنی سے زیادہ ہو تو راہ فرار اختیار کرنا جائز ہے ..... ان حضرات کا استدلال آیت شریفہ فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ قَاتِلٌ صَابِرٌ يَعْلَمُ مَا يُفْعَلُ سے ہے اور صاحب روح المعانی نے حضرت امام محمد بن الحسن سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ مسلمانوں کا لشکر بارہ ہزار ہو تو میدان چھوڑ کر بھاگنا جائز نہیں ہے کیونکہ حدیث شریفہ میں وارد ہے کہ لَنْ يَغْلِبَ اثْنَا عَشَرَ الْقَامِنِ قَلَّةٌ یعنی بارہ ہزار کا لشکر قلت کی وجہ سے ہرگز مغلوب نہ ہوگا۔ (رواہ الترمذی) جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ہے تو بارہ ہزار مسلمانوں کا لشکر ہونے کی صورت میں میدان چھوڑ کر چلے جانے کی اجازت نہیں ہے خواہ دشمنوں کا لشکر کتنا ہی زیادہ ہو اور یہ بات بارہا آزمائی جا چکی ہے۔ بارہ ہزار کا لشکر قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوگا۔ اخلاص نہ ہونے یا اعجاب نفس کی وجہ سے مغلوبیت ہو جائے یہ دوسری بات ہے۔ (کما دق فی غزوہ حنین) غزوہ بدر میں کافروں کی تعداد تین گنا زیادہ

تھی پھر بھی فرار کی اجازت نہ تھی کیونکہ اس وقت تک آیت کریمہ اَللّٰهُ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ۔ نازل نہیں ہوئی تھی۔

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَامْرَأَتٌ اِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی ۚ

سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا اور لیکن اللہ نے انہیں قتل کیا، اور جب آپ نے پھینکا آپ نے نہیں پھینکا لیکن اللہ نے پھینکا

وَلِيُسَبِّلِ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَآءٌ حَسَنًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ

اور تاکہ اللہ مؤمنین کو اپنی طرف سے اچھا انعام دے، بے شک اللہ سنے والا جاننے والا ہے۔ یہ بات ہے

اللّٰهُ مُؤْمِنٌ كَذَّبَ الْكُفْرَيْنَ ﴿۱۸﴾

اور بلاشبہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے مشرکین مقتول ہوئے

غزوہ بدر میں بظاہر مسلمانوں نے جنگ کی ان کے ساتھ فرشتوں نے بھی شرکت کی۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ ہی مؤثر حقیقی ہے اور سب کچھ اسی کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اس لئے یہ فرمایا کہ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ لیکن اللہ نے انہیں قتل کیا۔ غزوہ بدر کے موقع پر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مئی کی ایک مٹی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینک دیجئے، آپ نے ایسا ہی کیا اور وہ مٹی مشرکین میں سے ہر شخص کی آنکھوں میں اور ناک کے نچھوڑوں اور منہ میں پہنچ گئی جس کی وجہ سے وہ لوگ پیڑھے پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے، اب مسلمان ان پر پل پڑے ان کو قتل بھی کرتے رہے اور قید بھی کرتے رہے۔ آپ نے جب ان کی طرف مٹی پھینکی تو ان کو بدلتا دیتے ہوئے فرمایا شَهِدَ الْوُجُوہُ (دشمنوں کے چہرے بد صورت ہو گئے) اس پر وہ لوگ شکست کھا کر بھاگے اسی کو فرمایا: وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی (اور یہ جو آپ نے مٹی پھینکی آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں تک پہنچا دی اور اس کو شکست کا سبب بنا دیا۔ (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۹۵ جلد ۲) یہ مٹی پھینکنے کا واقعہ غزوہ حنین کے موقع پر بھی پیش آیا تھا۔ (کما ذکرہ صاحب الروح وغیرہ)

پھر فرمایا وَلِيُسَبِّلِ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَآءٌ حَسَنًا (اور تاکہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو اپنی طرف سے اچھا انعام دے) (لفظ بلاء انعام کے معنی میں بھی آتا ہے اور آزمائش کے معنی میں بھی مفسرین نے یہاں انعام کا معنی لیا ہے اور مطلب یہ بتایا ہے کہ تاکہ اللہ مؤمنین کو ایسا اچھا انعام عطا فرمائے جس میں تکلیفیں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کافروں کو قتل کیا اور مٹی بھر مٹی ان کی آنکھوں کو پہنچائی اور ان کو شکست دی جس کی وجہ سے اہل ایمان فتح یاب اور ظفر یاب ہوئے یہ اللہ کا انعام عظیم ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا دوسرا ترجمہ کیا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ واختار بعضهم تفسيره بالا بلاء في الحرب يعني بعض حضرات نے آیت کا یہ معنی لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو جنگ میں اچھی طرح سے آزمائے۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (بلاشبہ اللہ سنے والا ہے) جس نے مسلمانوں کی رحمانی اور مدد فرمائی عینیت (جاننے والا ہے) سب کی

نیوٹوں کو اور ظاہر کو اور باطن کو بھی جانتا ہے، اس کے بعد فرمایا ذٰلِكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک انعام تو یہ ہے جو ابھی مذکور ہوا وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنٌ كَيْدَ الْكَافِرِيْنَ (اور بلاشبہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے) یہ دوسرا انعام ہے بدر کے موقع پر دشمن بہت زیادہ تھے انکے پاس



سازہ سامان بھی بہت تھا۔ اپنے خیال خام میں مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے آنے تھے لیکن ان کی ساری تدبیر دھری رہ گئی اور بھاری تعداد میں مقتول ہوئے اور قیدی بنا لئے گئے۔ سیاق کلام تو غزوہ بدر سے متعلق ہے لیکن جملہ اسمیہ اختیار فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آئندہ بھی کافروں کی تدبیریں کمزور ہوتی رہیں گی۔ جملہ اسمیہ پر حرف اُن بھی داخل ہے جو تحقیق کے لئے آتا ہے۔ غزوہ بدر کے بعد آج تک اس کا تجربہ ہوتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے مقابلہ میں کافروں کی تدبیریں کمزور فرمادیں۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ ۖ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَإِنْ تَعُدُّوا

اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو فیصلہ تمہارے سامنے آچکا ہے، اور اگر تم باز آ جاؤ اور تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے

نَعُدُّ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

تو ہم بھی وہی کام کریں گے، اور تمہاری جماعت ہرگز تمہارے کچھ کام نہ آنے گی۔ اگر کثیر تعداد میں ہو، اور بلاشبہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

### مشرکین سے اللہ تعالیٰ کا خطاب

مفسرین نے لکھا ہے کہ ابو جہل نے بدر کے دن لڑائی ہونے سے پہلے یوں دعا کی تھی کہ اے اللہ! یہ جو دو جماعتیں ہیں (ایک مؤمنین دوسرے مشرکین) ان میں سے جو بھی قطع رحمی میں بڑھ کر ہو اور جو ایسی چیز لے کر آیا ہو جسے ہم نہیں جانتے آج کی صبح اسے شکست دے دینا اور ایک روایت یوں ہے کہ جب مشرکین بدر کے لئے روانہ ہونے لگے تو کعبہ شریف کے پردے پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اور یوں کہا کہ اے اللہ دونوں لشکروں میں سے جو لشکر آپ کے نزدیک اعلیٰ، اکرم اور بہتر ہو اس کی مدد فرمائیے۔ (ابن کثیر صفحہ ۲۹۹ جلد ۲)

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب بدر کے دن دونوں جماعتیں مقابل ہوئیں تو ابو جہل نے کہا اے اللہ ہمارا دین قدیم ہے اور محمد ﷺ کا دین نیا ہے۔ دونوں دینوں میں جو دین آپ کو محبوب ہو اور آپ اس سے راضی ہوں اسی دین کے اصحاب کی مدد کیجئے۔ (روح المعانی صفحہ ۱۸۷ جلد ۹) مشرکین نے یہ دعا کی تھی جن میں ابو جہل پیش پیش تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور جو دین اللہ کے نزدیک محبوب تھا اسی دین (یعنی اسلام) کے ماننے والوں کی مدد فرمائی اور ان کو فتح یاب فرمایا، آیت بالا میں اسی کا ذکر ہے کہ تم نے جو دعا کی تھی اور حق و باطل کا فیصلہ چاہا تھا وہ فیصلہ تمہارے سامنے آ گیا اہل حق کی اللہ نے مدد فرمائی، اب تمہیں اپنی دعا کے مطابق بھی کفر پر باقی رہنے کا کوئی موقعہ نہیں رہا۔

وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ..... (اور اگر تم رسول اللہ ﷺ کی دشمنی سے اور آپ کے مقابلہ میں جنگ کے لئے آمادہ ہونے سے باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے) یہ خطاب ان کافروں کو ہے جو قید کر لئے گئے تھے اور جو کافر مکہ معظمہ ہی میں رہ گئے تھے جنگ میں شرکت نہیں کی تھی ان سے فرمایا وَانْ تَعُوْذُوا نَعُوْذُ اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے جو پہلے کیا تھا (یعنی اگر تم نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے منصوبے بنائے اور جنگ کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے تو پھر ہم وہی کریں گے جو مذکورہ جنگ یعنی غزوہ بدر کے موقع پر

کیا تھا۔ ایمان کی مدد کریں گے اس کو قیاد کریں گے اور اگر تم زلیل و فرار ہو گے وَلَنْ نُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ اور یہ جو تم اپنی جماعت کو بڑی دیکھ رہے ہو اور اس کی جمعیت پر بھروسہ کر رہے ہو یہ کتنی زیادہ ہو جائے تمہیں کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتی وَإِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ (اور اللہ مؤمنین کے ساتھ ہے) اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مشرکین مکہ کے لئے اس بات کے سوچنے کی گنجائش

نہیں رہی تھی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف پھر جنگ کرنے کا ارادہ کریں۔ اور ہمیشہ کیلئے مستقل اعلان فرمادیا وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ لیکن مشرکین کی پھر بھی آنکھیں نہ کھلیں اور غزوہ احزاب میں پھر قبیلوں اور جماعتوں کو لے کر مدینہ منورہ پر چڑھ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ان کی بہت بڑی بھاری جمعیت تتر بتر ہو کر بھاگ گئی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ سے مسلمانوں کے ساتھ ہے اگر اللہ تعالیٰ کی مدد نہ ہوئی تو کفار تھوڑے سے مسلمانوں کو جو ابتدائے اسلام میں تھے۔ بالکل ہی ختم کر دیتے اور دین اسلام بالکل آگے نہ بڑھتا لیکن کافروں کی ہزاروں تدبیریں ٹھیل ہوئیں۔ میدان جہاد میں ان کی بڑی بڑی بھاری جماعتیں مغلوب ہوئیں ان میں سے لاکھوں مقتول ہوئے اور الحمد للہ ایمان ہمیشہ بڑھتا چلتا رہا اور آج بھی کافروں کی تدبیریں ٹھیل ہوئیں ان کے دلوں میں ان کے گھروں میں ان کی نسلوں میں اسلام داخل ہو رہا ہے۔ یورپ امریکہ میں روزانہ اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ ولقد صدق الله وان الله مع المؤمنين دنیا میں جو کہیں مسلمانوں کی شکست ہے وہ ان کے فسق کی وجہ سے ہے۔ اسلام کے اعمال پر مستقیم نہیں ہیں۔ اخلاص سے بھی خالی ہیں۔ لہذا دشمنوں کے زور سے ان کی شکست آجاتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ وَ أَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿۱۰﴾

ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، اور اس سے روگردانی نہ کرو حالانکہ تم سنتے ہو،

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۱۱﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ

اور ان میں سے مت ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور حال یہ ہے کہ وہ نہیں سنتے، بے شک زمین پر چلنے پھرنے والوں میں اللہ کے نزدیک

الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ

سب سے برے وہ لوگ ہیں جو گونگے ہیں، بہرے ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے، اور اگر اللہ جانتا کہ ان میں کوئی بھلائی ہے تو ان کو ضرور سنا دیتا۔

لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۱۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ

اور اگر ان کو سنا دے تو وہ ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے۔ اے ایمان والو! تم حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائے

لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۱۴﴾

جو تمہیں زندہ کرتی ہے، اور جان لو کہ بے شک اللہ حاضر ہو جاتا ہے آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان، اور بے شک تم اللہ ہی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم

ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا اور حکم کی تعمیل کرنے کا اور حکم بجالانے کا حکم فرمایا اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے روگردانی نہ کرو حالانکہ تم سنتے ہو یعنی جب تم بات سن رہے ہو قرآن کا حکم تمہارے سامنے ہے رسول اللہ ﷺ حکم دے رہے ہیں تو عمل نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور کوئی عذر نہیں جو عمل سے روکے مزید فرمایا: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ (اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا، حالانکہ وہ نہیں سنتے) ان سے کافر اور منافق مراد ہیں۔ ان کانوں میں یہ بات جاتی ہے لیکن چونکہ دل کے کانوں سے نہیں سنتے اور پہلے ہی سے یہ طے کر رکھا ہے کہ ہمیں ماننا اور

سمجھتا نہیں ہے اس لئے کانوں کا سننا نہ سننے کے برابر ہو جاتا ہے اور اس سننے سے بالکل متنفع نہیں ہوتے، پھر فرمایا: اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ (الایہ) یعنی بے شک زمین میں چلنے پھرنے والوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے برے وہ لوگ ہیں جو گونگے اور بہرے ہیں سمجھ نہیں رکھتے۔ دو اب جمع ہے دابہ کی، عربی لغت کے اعتبار سے ہر چیز کو دابہ کہا جاتا ہے جو زمین پر چلتی پھرتی ہو اور عرف میں چوپایوں کو دابہ کہا جاتا ہے اگر لغوی معنی کے اعتبار سے دابہ مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ زمین پر چلنے والی مخلوق میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ برے وہ لوگ ہیں جو نہ توحق کو سنتے ہیں اور نہ حق بولتے ہیں اور ان کی انتہائی بری حالت یہ ہے کہ سمجھتے بھی نہیں۔ بہرہ شخص بعض دفعہ کچھ اشارہ سے سمجھ لیتا ہے لیکن جس میں عقل ہی نہ ہو تو وہ کسی طرح سمجھتا ہی نہیں۔ یہ کافروں کی بد حالی ہے۔

اور اگر دابہ معنی چوپایہ لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اہل کفر چوپایوں کی طرح سے ہیں نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ سورہ فرقان، میں فرمایا: اَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اللّٰهُ هُوْلَهُ اَفَانَتْ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكَيْلًا اَمْ تَحْسَبُ اَنْ اَكْثَرُهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَانَا لِنَعَامٍ بَلْ هُمْ اضِلُّ سَبِيْلًا (اے پیغمبر ﷺ آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی ہے جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے سو کیا آپ اس کی گمراہی کر سکتے ہیں یا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں، یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں) پھر فرمایا: وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَيْرًا لَّاسْمَعَتْهُمْ وَلَوْ اَسْمَعْتُمْ لَنُوْلُوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (اور اگر اللہ کے علم میں ہوتا کہ ان میں کوئی خیر ہے یعنی حق کی طلب ہے تو انہیں سنا دیتا) یعنی ایسے سننے کی توفیق دیتا جو سننا اعتقاد کے ساتھ ہو اور یہ سننا ان کے لئے فائدہ مند بن جاتا اور چونکہ ان کو طلب حق نہیں ہے اس لئے اگر اللہ تعالیٰ انکو سنائے تو درگدانی کریں گے اور دوسری طرف رخ کر کے چل دیں گے) بات یہ ہے کہ جب طلب نہیں ہوتی تو کان میں پڑنے والی بات اثر نہیں کرتی اور ساری سنی ان سنی کے برابر ہو جاتی ہے۔ پھر فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْمِعُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کو بجالاؤ جب اللہ کا رسول (ﷺ) تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندہ کرتی ہے) اس میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم ماننے اور فرمانبرداری کرنے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یوں فرمایا کہ وہ تمہیں ایک ایسی چیز کی طرف بلاتے ہیں جس میں تمہاری زندگی ہے۔ اس سے حقیقی زندگی مراد ہے اور وہ ایمان و اعمال صالحہ والی زندگی ہے جس سے دنیاوی زندگی بھی زندگی بن جاتی ہے اور آخرت میں بھی ابد الابد کی زندگی نصیب ہوگی، کفر کے ساتھ زندگی کوئی زندگی نہیں، زندگی اپنے آقا و خالق و مالک کی وفاداری کا نام ہے جو اپنے رب سے غافل ہے وہ زندہ نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَثَلُ الَّذِيْ يَبْذُرُ بَذْرَهُ وَالَّذِيْ لَا يَبْذُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۱۹۶ از بخاری) (مثال اس شخص کی جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا مردہ اور زندہ کی سی مثال ہے) جو اللہ تعالیٰ کی یاد غافل ہے مردہ سمجھو مردہ ہے اور جو اس کی یاد میں لگے ہوئے ہیں وہ زندہ ہیں۔ حیات ابدی کے لئے ایمان ضروری ہے اور اعمال صالحہ سے ایمان میں نورانیت آ جاتی ہے اور اس میں ترقی ہوتی ہے۔ آخرت میں جو طرح طرح کی ابدی نعمتیں حاصل ہوں گی ان میں اعمال صالحہ کو دخل ہوگا۔ اہل ایمان کی جنت دلی زندگی کے بارے میں سورہ عنکبوت میں فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰلَاٰ خِرَۃً لَّهٖ الْخَيْرٰتِ (اور بیشک دار آخرت ہی زندگی ہے) اور اہل کفر کے بارے میں لَا يَمُوْتُ فِیْہَا وَلَا يَحْيٰی کہ وہ اس میں نہ زندہ رہے گا اور نہ مرے گا۔ درحقیقت عذاب عظیم کے ساتھ جینا کوئی زندگی نہیں ہے۔ پھر فرمایا: وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحْضُلُ بَيْنَ الْمَوْبِءِ وَفَلْبِہِ (اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ حائل ہو جاتا ہے آدمی کے دل کے درمیان) صاحب روح المعانی (صفحہ ۱۹۱ جلد ۹) نے اس کا ایک معنی یہ بتایا ہے کہ اس سے قرب مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب سے بھی زیادہ بندہ سے قریب ہے۔ وہ فرماتے

ہیں کہ آیت شریفہ **وَنَسُخُنْ أَقْرَبَ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ**۔ اور یہ آیت دونوں ہم معنی ہیں بعض حضرات سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بندوں کے قلوب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں وہ جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔ اسکے تصرف سے دلوں کے عزائم اور مقاصد بدل جاتے ہیں، وہ کسی کو رشد و ہدایت سے نوازتا ہے اور کسی کو صراطِ مستقیم سے ہٹا دیتا ہے۔ کسی کے امن کو خوف سے بدل دیتا ہے اور جو چیزیں یاد ہوں ان کو بھلا دیتا ہے۔ اس بارے میں انہوں نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے جو حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ اکثر عافرات مانتے تھے **يَا مُقَلَّبُ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ** (اے دلوں کے پلٹنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ) یہ سن کر حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کثرت سے یہ دعا فرماتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا دل اللہ کے قبضہ قدرت میں نہ ہو، جسے چاہے ہدایت پر قائم رکھے اور جسے چاہے ہٹا دے، صاحبِ روح المعانی نے حدیث کا حوالہ نہیں دیا البتہ مفسرین کثیر نے صفحہ ۲۹۸ جلد ۲ میں بحوالہ مسند احمد یہ حدیث نقل کی ہے۔ اس حدیث کے ہم معنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی روایت ہے جسے صاحب مشکوٰۃ نے صفحہ ۲۰ پر صحیح مسلم سے نقل کیا ہے۔ آخر میں فرمایا: **وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تَحْشَرُونَ**۔ (اور بلاشبہ تم اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے) اس میں یومِ آخرت کے استحضار کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ آخرت کا استحضار تمام امور دینیہ اور دنیویہ کے درست ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے اور آخرت سے غفلت ہی عموماً گناہوں اور خرابیوں کا ذریعہ بنتی ہے۔

### وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

اور تم ایسے فتنے سے بچو جو خاص کر انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے گناہوں کے مرتکب ہوئے اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔

#### ایسے فتنے سے بچو جو خاص کر گناہگاروں پر واقع نہ ہوگا

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ گناہوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جو فتنہ یعنی عذاب اور وبال آتا ہے وہ صرف انہی لوگوں تک محدود نہیں رہتا جنہوں نے گناہ کئے بلکہ دوسرے لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینے کی وجہ سے جب گناہگاروں پر عذاب آتا ہے تو وہ لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ان گناہوں کے مرتکب نہیں جن کی وجہ سے عذاب آیا لیکن چونکہ ان لوگوں نے گناہوں سے روکنے کا فریضہ ادا نہیں کیا اور اپنی نیکیوں میں لگے رہے اور گناہگاروں کو گناہوں سے نہیں روکا اس لئے یہ لوگ بھی مبتلائے عذاب ہوتے ہیں۔ متعدد احادیث میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے۔

نہی عن المنکر چھوڑنے پر وعیدیں..... حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی قوم میں اگر کوئی ایسا شخص ہو جو گناہوں کے کام کرتا ہو اور وہ لوگ روکنے پر قدرت رکھتے ہوئے اسے نہ روکتے ہوں تو ان لوگوں کی موت سے پہلے اللہ تعالیٰ ان پر عام عذاب بھیج دے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳)

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گناہوں میں پڑنے والوں اور گناہ ہوتے ہوئے دیکھنے والوں کی ایک مثال بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ایک کشتی ہے اس میں دو طبقے ہیں، قعر عذاب کو آپس میں طے کر لیا کہ کون لوگ اوپر کے حصہ میں جگہ لیں اور کون لوگ نیچے والے طبقہ میں بیٹھیں، جب اپنے اپنے حصوں میں بیٹھ گئے تو جو لوگ نیچے ہیں وہ پانی لینے کے لئے اوپر جاتے ہیں، اوپر والے لوگ ان کے آنے سے تکلیف محسوس کرتے ہیں (جب نیچے والوں نے یہ دیکھا کہ یہ لوگ ہمارے آنے سے تکلیف محسوس کرتے

جس (انہوں نے ایک کلباڑا یا اور کشتی میں نیچے سوراخ کرنے لگے اور پروالے آئے اور انہوں نے کہا کہ تم یہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں پانی کی ضرورت ہے اور ہم اوپر جاتے ہیں تو تمہیں تکلیف ہوتی ہے (لہذا ہم ہمیں سے پانی لے لیں گے) تو اب اگر اوپر والے نیچے والوں کا ہاتھ پکڑیں گے (تا کہ سوراخ نہ کریں) تو ان کو بھی بچالیں گے اور اپنی جان کو بھی بچالیں گے اور اگر ان کو اسی حال پر چھوڑ دیا تو ان کو بھی ہلاک کر دیں اور اپنی جانوں کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۳۳۹ جلد ۱ صفحہ ۳۶۹ جلد ۲)

معلوم ہوا کہ جہاں خود نیکیاں کرنے اور گناہوں سے بچنے کی ضرورت ہے وہاں اس کی بھی ضرورت ہے کہ گناہ کرنے والوں کو گناہ کرنے سے روکتے رہیں، اگر ایسا نہ کیا تو عذاب آنے کی صورت میں کبھی مبتلائے عذاب ہوں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ فلاں شہر کو اس کے رہنے والوں سمیت الٹ دو۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب بلا شہر ان لوگوں میں آپ کا ایک ایسا بندہ بھی ہے جس نے کبھی پل چھپکنے کے برابر بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی (کیا اس کو بھی عذاب میں شامل کر دیا جائے؟) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ اس شہر کو اس شخص پر اور ہستی والوں پر الٹ دو۔ کیونکہ میرے بارے میں اس کے چہرہ میں کبھی تغیر نہیں آیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳۸) یعنی یہ شخص زبان سے ہاتھ سے لوگوں کو گناہوں سے کیا روکتا اس کے چہرہ پر گناہوں کو دیکھ کر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینے کی وجہ سے عذاب آتا ہے تو اس وقت دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ غمگین اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیج دے گا پھر اس سے دعا مانگو گے اور وہ قبول نہ فرمائے گا۔ (رواہ الترمذی)

بعض حضرات نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں اس فتنہ کا ذکر ہے جو ترک جہاد کی وجہ سے عوام و خواص سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دین اور شعار دین کی حفاظت اور عامۃ المسلمین کی حفاظت جہاد قائم رکھنے میں ہے۔ مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے کہ جہاد کرتے ہی رہیں اگرچہ کافر حملہ آور نہ ہوں اور اگر وہ حملہ آور ہو جائیں تو پھر کوئی گنجائش کسی کو جہاد سے پیچھے ہٹنے کی ہے ہی نہیں۔ جہاد کا سلسلہ جاری نہ رکھنے کی ہی وجہ سے دشمن کو آگے بڑھنے کی جرأت ہوتی ہے اور جب دشمن چڑھ آتے ہیں تو بچوں بوڑھوں اور عورتوں کی حفاظت کے لئے فکر مند ہونا پڑتا ہے۔ لہذا جہاد جاری رکھا جائے اور اس سے پہلو تہی نہ کریں ورنہ عوام و خواص مصیبت میں گھر جائیں گے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی قوم جہاد چھوڑ دے گی اللہ تعالیٰ ان پر عذاب بھیج دے گا۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۲۸۴ جلد ۵ عن الطبرانی الاوسط)

آخر میں فرمایا: وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے) اس کا مراقبہ کریں اور گناہوں سے بچتے رہیں۔

وَإِذْ كُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَفَكَمُ النَّاسُ

اور اس وقت کو یاد کرو جب تم قہور سے تھے۔ زمین میں کمزور شمار کئے جاتے تھے تم اس بات سے ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں چک لیں۔

فَأَوْسَكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِبَصَرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۱﴾

سو اللہ نے تمہیں ٹھکانہ دیا اور اپنی مدد سے تم کو قوت دی اور تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا کیں تاکہ تم شکر گزار ہو۔

## مسلمانوں کو ایک بڑے انعام کی یاد دہانی

بدر میں جو اللہ تعالیٰ شانہ نے اہل ایمان کی مدد فرمائی، یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ واقعہ بدر کی وجہ سے مسلمانوں کو شوکت اور عزت مزید حاصل ہو گئی اور پورے عرب پر دھاک بیٹھ گئی اور قریش مکہ (جو تجارت کے لئے ملک شام آیا جایا کرتے تھے) کے واسطے سے قیصر و کسریٰ کو بھی مسلمانوں کی اس فتح یابی کا علم ہوا اور انہیں بھی مسلمانوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کا پتہ چل گیا۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی جو کامیابی ہوئی اور مشرکین نے جو بری طرح شکست کھائی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اس کا احسان جتایا اور ان کی سابقہ کمزوری کو یاد دلایا اور ارشاد فرمایا کہ تم اپنا وقت یاد کرو جبکہ تم تھوڑے سے تھے، ضعیف بھی تھے، مکہ کی سر زمین میں تمہاری کچھ بھی حیثیت نہیں تھی، تمہیں اس بات کا ڈر لگا رہتا تھا کہ لوگ تمہیں اچھ لیں گے اور کفار مکہ تمہیں ختم کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا کہ تمہیں مدینہ منورہ میں ٹھکانا دیا جہاں رہنے کی جگہ مل گئی اور دشمنوں سے حفاظت بھی ہو گئی۔ پھر جب مقام بدر میں دشمنوں سے ٹکری ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوت دی اور مدد فرمائی اور تمہیں پاکیزہ چیزیں نصیب فرمائیں۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے تمام حلال اور لذیذ چیزیں مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جو اموال بدر میں غنیمت کے طور پر حاصل ہوئے تھے وہ مراد ہیں۔ آخر میں فرمایا لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (تاکہ تم شکر گزار بندے بنو)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْنَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩٠﴾

اے ایمان والو! خیانت نہ کرو اللہ کی اور رسول کی، اور نہ خیانت کرو اپنی آپس کی امانتوں میں حالانکہ تم جانتے ہو۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت نہ کرو اور آپس میں بھی خیانت کرنے سے باز رہو

درمنثور صفحہ ۸۷ جلد ۳ میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے نقل کیا ہے کہ جب ابوسفیان کی مکہ سے روانگی ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو بتادیا کہ ابوسفیان فلاں فلاں جگہ پر ہے لہذا اس کی طرف نکل کھڑے ہوں اور اس بات کو پوشیدہ رکھیں لیکن بعض منافقین نے ابوسفیان کو بذریعہ خط اطلاع دے دی کہ حضرت محمد ﷺ قافلے پر حملہ آور ہونے کے لئے ارادہ کر رہے ہیں لہذا تم اپنی حفاظت کی فکر کرو اس پر آیت بالا نازل ہوئی اور ایک روایت میں یوں ہے جو حضرت ابن شہاب زہری سے مروی ہے کہ بنو قریظہ (جو یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا) انہوں نے جب معاہدہ کی خلاف ورزی کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ فرمایا انہوں نے کہا کہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں وہ ہمیں منظور ہے۔ حضرت سعد نے یہ فیصلہ دیا کہ ان میں جو بالغ مرد ہیں ان کو قتل کر دیا جائے اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنالیا جائے۔ ان کے اس فیصلہ کا علم حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ہو گیا جو یہودیوں کے حلیف تھے انہوں نے یہودیوں کو اپنے گلے پر ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے یہ بتایا کہ تمہارے بارے میں قتل کا فیصلہ ہے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ حضرت ابولبابہ کو جب اپنی غلطی کا احساس ہوا تو سمجھ گئے کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت کی ہے لہذا انہوں نے مسجد نبوی ﷺ کے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ دیا اور کہنے لگے کہ میں نہ کچھ چکھوں گا اور نہ کچھ پیوں گا حتیٰ کہ مر جاؤں یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو فرمایا کہ میرے پاس آ جاتا تو میں اس کے لئے استغفار کر دیتا۔ اب جو اس نے خود ایسا کر لیا تو اسی وقت چھوڑ سکتا ہوں جب اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے۔ سات دن تک انہوں نے کچھ نہ کھایا نہ پیا۔ یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر گر گئے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے اور ان کو کھول دیا۔ (روح المعانی صفحہ ۱۹۰ جلد ۹)

آیت کا سبب نزول جو بھی ہو اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت کرنے کی ممانعت ہے اور اس کا عموم ہر طرح کی خیانت کو شامل ہے اسی لئے حضرت ابن عباسؓ نے آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: لَا تَخُونُوا اللَّهَ بترك فرائضه والرسول بترك سنته یعنی فرائض کو چھوڑ کر اللہ کی خیانت نہ کرو اور سنتوں کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خیانت نہ کرو۔ (درمنثور صفحہ ۱۷۸ جلد ۳)

معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی خیانت ہے اور جن چیزوں کے پوشیدہ رکھنے کا حکم فرمایا ہو ان کو ظاہر کر دینا بھی خیانت میں شمار ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت کرنے کی ممانعت کے بعد فرمایا وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ اور آپس میں اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو چونکہ امانت کا مفہوم وسیع ہے اور ہر طرح کی امانت میں خیانت کرنے کی ممانعت ہے اس لئے ہر خیانت سے نہایت اہتمام کے ساتھ پرہیز کرنا لازم ہے۔ مالی خیانت کو تو کبھی جانتے ہیں مثلاً کوئی شخص امانت رکھ دے تو اس کو کھا جائے یا استعمال کرے یا کم کر دے یا دو شریک آپس میں خیانت کر لیں جو شخص قرض دے کر یا کسی بھی طرح اپنا مال دے کر بھول جائے اس کا حق رکھ لیں وغیرہ وغیرہ یہ سب خیانتیں ہیں اور ہر شخص کو معلوم ہوتا ہے کہ میں نے کس کا حق مارا ہے اور کس کی خیانت کی، فکر آخرت اور اللہ کا ڈر ہو تو انسان خیانت سے بچ سکتا ہے ورنہ دنیاوی نفع کو دیکھ کر بڑے بڑے دیندار کے وعوید اور اس مسئلہ میں کچے پڑ جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے متعلقہ احکام میں دیانت دار ہے۔ چھوٹے بڑے حکام اور ملک اور رؤساء اور وزراء امانت دار ہیں۔ انہوں نے جو عہدے اپنے ذمہ لئے ہیں وہ ان کی ذمہ داری شریعت اسلامیہ کے مطابق پوری کریں۔ کسی بھی معاملے میں عوام کی خیانت نہ کریں۔ اسی طرح سے بائع اور مشتری اور سفر کے ساتھی، پڑوسی، میاں، بیوی، ماں باپ، اور اولاد سب ایک دوسرے کے مال کے اور دیگر متعلقہ امور کے امانت دار ہیں۔ جو بھی کوئی کسی کی خیانت کرے گا گنہگار ہوگا اور میدان آخرت میں پکڑا جائے گا۔ مالیات کے علاوہ دیگر امور میں خیانت ہوتی ہے جن کا ذکر احادیث شریفہ میں وارد ہوا۔ آیت کے ختم پر فرمایا: وَاتَّقُوا اللَّهَ تَعْلَمُونَ۔ یعنی تم امانتوں میں خیانت نہ کرو جبکہ تم خیانت کا برا انجام جانتے ہو اور تمہیں اس کے معصیت ہونے کا علم ہے۔

امانت اور خیانت کے بارے میں تفصیلی نصاب اور احکام ہم سورہ نساء کی آیت إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا کے ذیل میں بیان کر آئے اور ہم نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَآ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ

اور تم جان لو کہ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں اور بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔ اے ایمان والو!

أَمِنُوا ۖ إِنَّ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا ۖ وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ

اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ تمہیں فیصلہ والی چیز دے گا اور تمہارے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور تمہاری بخشش فرما دے گا،

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اموال اور اولاد فتنہ ہیں

یہ دو آیتیں ہیں۔ پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں۔ فتنہ امتحان کی چیز کو کہا جاتا ہے۔ مال اور اولاد کا فتنہ ہونا

کئی وجہ سے ہے۔ مال و اولاد کی مشغولیت اور محبوبیت صحیح طریقہ پر کام نہیں کرنے دیتی، جہاد کی شرکت سے باز رکھتی ہے۔ نماز بھی صحیح طریقہ سے پڑھنے نہیں دیتی، پوری زکوٰۃ ادا کرنے سے بھی نفیس انکار کرتا ہے حج فرض ہو جاتا ہے تو برسوں تاخیر کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ بعض لوگ حج فرض ہوتے ہوئے حج کئے بغیر مر جاتے ہیں اور دیگر فرائض و واجبات میں بھی دنیاوی مشاغل رکاوٹیں ڈالتے ہیں اللہ جل شانہ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں یہ آزمائش کی چیزیں ہیں۔ آزمائش میں پورے اترو، مال اور اولاد تمہارے امتحان میں فیمل ہونے کا ذریعہ بن جائیں۔ آیت میں لفظ اموال کو اولاد سے پہلے لایا گیا ہے، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ مال کا فتنہ اولاد کے فتنہ سے بڑھ کر ہے۔ حضرت کعب بن عیاض نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ان لکل امة فتنۃ و فتنۃ امتی المال (بلاشبہ ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۲ از ترمذی)

اول تو مال کمانے میں دھیان کرنے کی ضرورت ہے کہ مال حلال ہو، حلال کمائی کے ذریعہ حاصل کیا ہو اور اس کے کمانے میں فرائض و واجبات کو ضائع نہ کیا ہو..... کمانے کے بعد اس کے خرچ کرنے کا مسئلہ ہے۔ خرچ کرنے کے بارے میں بھی شریعت کے احکام ہیں اور خلاف شرع خرچ کرنے پر مواخذہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن بندہ کے قدم (حساب کی جگہ سے) نہیں ہٹ سکیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہ ہو جائے۔ (۱)..... عمر کہاں فنا کی (۲)..... جوانی کہاں گنوائی (۳)..... مال کہاں سے کمایا (۴)..... اور کہاں خرچ کیا (۵)..... علم پر کیا عمل کیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۳ از ترمذی)

معلوم ہوا کہ مال کے بارے میں دو ہر سوال ہوگا۔ دنیا میں دیکھتے ہیں کہ اول تو کمانے ہی میں حلال اور حرام کا خیال نہیں ہوتا اور پھر خرچ کرنے میں بھی شریعت کے احکام کی پابندی نہیں کی جاتی، اولاد کی محبت میں اور بیویوں کی فرمائش پوری کرنے کے لئے بہت سے حلال پیسے حرام راستے میں خرچ کر دیتے ہیں پھر زیادہ مال کی طلب تو اور بھی زیادہ ناس کھودیتی ہے، سود، جوئے، اور سٹ بازی کے ذریعہ نیز رشوتیں دے کر اور رشوتیں لے کر اور حرام چیزوں کا کاروبار کر کے اور اپنے شرکا، تجارت کی خیانت کر کے مزدوروں کا حق مار کر نمازیں برباد کر کے، اصحاب حقوق کے حقوق روک کر، مال جمع کیا جاتا ہے، ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہئے کہ مجھے تو دنیا سے چلا جانا ہے یہ مال تو دوسروں کے قبضہ میں آئے گا میں دوسروں کے لئے اپنی آخرت کیوں خراب کروں؟ لیکن بینک بیلنس کی فکر، نوٹوں کی گڈیوں کی محبت، اس چیز کو سوچنے نہیں دیتی۔ اولاد بھی فتنہ ہے، اولاد کی فرمائش پوری کرنے اور ان پر عمدہ مال خرچ کرنے اور ان کی شادیوں میں مال لگانے اور موت کے بعد ان کے لئے مال چھوڑنے اور ان کے لئے گھر در بنانے میں بہت سے گناہ ہوتے ہیں اور خلاف شرع بہت سے کام کئے جاتے ہیں۔

جو چیز امتحان کے لئے دی گئی تھی اس کی مشغولیت اور محبوبیت میں بہت سے گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ مومن بندوں کو ہمیشہ فکر مند رہنا چاہیے کہ کہیں اموال و اولاد کی محبت میں پڑ کر امتحان میں فیمل نہ ہو جائیں۔ فیمل ہونے پر جہاں عذاب کی وعیدیں ہیں وہاں امتحان میں کامیاب ہونے پر اجر عظیم کا وعدہ بھی ہے آیت کے اخیر میں ای کو فرمایا: **وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ** (اور بلاشبہ اللہ کے نزدیک بڑا اجر ہے)

تقویٰ پر انعام..... دوسری آیت میں فرمایا کہ اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں فیصلہ والی چیز عطا فرمادے گا اور گناہوں کا کفارہ فرمادے گا اور تمہاری بخشش فرمادے گا۔ فیصلہ والی چیز سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے ہدایت اور دلوں کا وہ نور مراد ہے جس کے ذریعہ حق و باطل کے درمیان فرق کر سکیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے اللہ تعالیٰ شانہ کی مدد مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی ایسی مدد فرمائے گا جس کی وجہ



سے مومنین کو عزت دے اور کافروں کو ذلیل کرے اور بعض حضرات نے یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا غلبہ عطا فرمائے گا جس سے تمہارے دین کی شہرت ہوگی اور دنیا میں تمہاری کامیابی کے تذکرے ہوں گے۔ (راجع روح المعانی صفحہ ۱۹۶ جلد ۹) پھر کفارہ سینات اور مغفرت: ذوق کا وعدہ فرمایا اور اخیر میں فرمایا: وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (اور اللہ بڑے فضل والا ہے)

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۖ وَيَمْكُرُونَ

اور جب کافر لوگ آپ کے بارے میں تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو جلا وطن کر دیں، اور وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے

وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِينَ ۝۳۰

اور اللہ بھی تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

### حضور ﷺ کے سفر ہجرت سے پہلے مشرکین مکہ کے مشورے

اس آیت میں سفر ہجرت کا سبب اور ابتدائی واقعہ مذکور ہے۔ معالم التنزیل (صفحہ ۲۳۳ جلد ۲) میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب مدینہ منورہ میں حضرات انصار نے اسلام قبول کر لیا تو قریش مکہ خائف ہوئے اور مشورے کے لئے دارالندوہ (پنچائیت گھر) میں جمع ہوئے، تاکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فیصلہ کر لیں کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ اس موقع پر ابلیس بھی ایک بڑے میاں کی صورت میں ظاہر ہو گیا۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ تو کون ہے۔ کہنے لگا کہ میں شیخ نجد ہوں۔ مجھے آپ لوگوں کے جمع ہونے کا پتہ چلا تو میں نے چاہا کہ تمہارے پاس حاضر ہو جاؤں اور اپنی خیر خواہانہ رائے سے تم لوگوں کو محروم نہ کر دوں، ان لوگوں نے اسے اپنے مشورے میں شریک کر لیا۔ مکہ والوں میں جو لوگ حاضر تھے ان میں سے ایک شخص ابوالہتیری ابن ہشام بھی تھا۔ اس نے رائے ظاہر کی اور کہنے لگا کہ میری رائے یہ ہے کہ محمد ﷺ کو کسی گھر میں محبوس کر کے دروازہ بند کر دو صرف تھوڑا سا روشن دان کھلا رہے جس سے وہ اندہ پانی ڈالتے رہے اور اس کی موت کا انتظار کرو۔ جیسے اس سے پہلے دوسرے شعراء ہلاک ہو گئے یہ بھی ہلاک ہو جائے گا۔ یہ سنتے ہی شیخ نجدی ابلیس چیخ اٹھا اور اس نے کہا کہ یہ تو بری رائے ہے۔ اگر اس پر عمل کرو گے تو اس کے ماننے والے میدان میں آجائیں گے اور تم سے جنگ کر کے تمہارے ہاتھوں سے چھڑا لیں گے یہ سن کر سب کہنے لگے کہ نجدی نے صحیح کہا یہ رائے مصلحت کے خلاف ہے۔ اس کے بعد ہشام بن عمرو نے رائے دی اور کہنے لگا کہ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ اس شخص کو کسی اونٹ پر بٹھا کر اپنے درمیان سے نکال دو۔ آگے کہاں جائے کیا بنے تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ جب تمہارے یہاں سے چلا گیا تو تمہیں تو آرام مل ہی جائے گا۔ یہ سن کر ابلیس ملعون بولا کہ یہ رائے بھی صحیح نہیں تم اس شخص کو جانتے ہو تمہیں پتہ ہے کہ اس شخص کی گفتگو کتنی شیریں ہے اور زبان میں کتنی مٹھاس ہے۔ یہ بھی جانتے ہو کہ اس کی باتیں سن کر لوگ گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی قسم اگر تم نے اس رائے پر عمل کیا تو باہر جا کر بہت سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر کے حملہ آور ہوگا اور تمہیں وطن سے نکال دے گا۔ یہ سن کر اہل مجلس کہنے لگے کہ شیخ نجدی نے ٹھیک کہا۔

ابو جہل کا مشورہ اور شیطان کی تائید..... اس کے بعد ابو جہل بولا اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم میں تمہیں ایک ایسی رائے دوں گا کہ اس کے علاوہ کوئی رائے ہے ہی نہیں۔ میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ قریش کے جتنے قبیلے ہیں ہر قبیلے میں سے ایک ایک خوب جنگڑا نو جوان لیا جائے اور ہر ایک کو تلوار دیدی جائے۔ پھر یہ نو جوانوں کی جماعت یکبارگی مل کر حملہ کر کے قتل کر دے۔ ایسا کرنے سے تمام قبیلوں پر ان

کے خون کی ذمہ داری آجائے گی اور میرے خیال میں بنی ہاشم قصاص لینے کے لئے مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ لہذا دیت قبول کر لیں گے اور سارے قریش مل کر دیت ادا کریں گے۔ یہ سن کر ابلیس بولا، اس جوان آدمی نے صحیح رائے دی ہے اور یہ شخص تم میں سب سے اچھی رائے رکھنے والا ہے اس نے جو رائے دی میرے خیال میں بھی اس کے علاوہ کوئی دوسری رائے درست نہیں ہے۔ سب نے اسی پر اتفاق کر لیا اور مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد اور آپ کا صحیح سالم سفر ہجرت کے لئے روانہ ہو جانا..... ادھر تو یہ لوگ متفرق ہوئے اور ادھر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر خدمت ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں کے مشورہ سے باخبر کر دیا اور عرض کیا کہ آپ جس گھر میں رات گزارا کرتے ہیں اس میں رات کو نہ رہیں ساتھ ہی انہوں نے مشرکین کے مشوروں سے آپ کو باخبر کر دیا۔ آپ نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ رات گزارنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ اس کے بعد سفر ہجرت کے لئے روانہ ہو گئے اور ایک مٹھی میں مٹی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینک دی جو ان کے سروں میں بھر گئی اور آپ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْ اَغْنَاقِهِمْ اَغْلَالًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُونَ پڑھتے ہوئے روانہ ہو گئے، آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے، دونوں حضرات راتوں رات غار ثور میں پہنچ گئے آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ چھوڑ دیا تھا تا کہ وہ امانتیں ادا کر دیں جو آپ کے پاس رکھی رہتی تھیں۔ (سپاہی اور امانتداری ایسی ہی چیز ہے جو سچے اور امانتدار شخص کا لوہا خود منوادیق ہے اہل مکہ آپ سے دشمنی بھی کرتے تھے، لیکن ساتھ ہی اپنی امانتیں رکھنے کے لئے آپ ہی کو منتخب کر رکھا تھا۔)

مشرکین کی ناکامی..... جب آپ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ معظمہ سے تشریف لے گئے، تو مشرکین مکہ نے اس خیال سے کہ صبح اٹھ کر باہر تشریف لائیں گے، صبح ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے ارادہ تھا کہ حملہ کریں گے لیکن جب دیکھا کہ جسے قتل کرنا تھا وہ موجود نہیں۔ لہذا اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارے دوست کہاں ہیں انہوں نے جواب دیا کہ مجھے پتہ نہیں۔ لہذا قدموں کے نشانوں پر چلتے رہے یہاں تک کہ غار ثور تک پہنچ گئے وہاں دیکھا کہ غار کے دروازے پر مکڑی نے جالا بن رکھا ہے یہ دیکھ کر ٹھٹھک کر رہ گئے اور کہنے لگے کہ اگر اس کے اندر گئے ہوتے تو مکڑی کا جالا غار کے دروازے پر کیسے ہوتا؟ آپ اس غار میں تین دن تک تشریف فرما رہے اس میں اسی واقعہ کا بیان ہے۔ دشمن اپنی تدبیر میں نفل ہوئے اور اللہ کی تدبیر غالب آئی۔ (البدایہ والنہایہ از صفحہ ۱۷۵)

(۱۸۱۲)

وَإِذَا تَشَلَّى عَلَيْهِمْ اٰیْتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا ۚ اِنْ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ

اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کلام کہہ سکتے ہیں۔ یہ کچھ بھی نہیں ہے مگر وہ باتیں ہیں جو اگلے دنوں کے

الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَإِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ

لوگوں سے نفل ہوتی چلی آ رہی ہیں اور جب ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہ آپ کی طرف سے واقعی حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر

عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ ۚ اَوْ اٰتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ

برسا دیتے یا ہم پر کوئی درد ناک عذاب واقع کر دیتے اور اللہ انہیں اس حالت میں عذاب نہیں دے گا جبکہ آپ

## وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۳۰

ان میں موجود ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ اس حال میں عذاب نہیں دے گا کہ وہ استغفار کرتے ہوں۔

مشرکین کا عناد اور جھوٹا دعویٰ کہ ہم بھی قرآن جیسا کلام کہہ سکتے ہیں

قبیلہ بنی عبدالدار میں سے ایک شخص نصر بن الحارث تھا یہ بھی رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ دشمنی رکھتا تھا۔ مشرکین مکہ قرآن مجید سنتے تھے اور اس کے مقابلہ میں کوئی ایک آیت لانے سے بھی عاجز تھے۔ اس کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے جب ان کو چیلنج دیا گیا کہ اسکے مقابلہ میں ایک سورت بنا کر لاؤ تو عاجز رہ گئے۔ لیکن نصر بن الحارث نے ”کھسائی ملی کھما نو پے“ کے طریقہ پر خفت منانے کیلئے یوں کہا کہ لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا (اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام کہہ دیں) مطلب یہ تھا کہ یہ بات نہیں کہ ہم عاجز ہیں کہہ تو سکتے ہیں لیکن کہتے نہیں۔ ہمیں کوئی مجبوری نہیں ہے کہ مقابلہ کیلئے ہم اس جیسا کلام بنا کر لائیں اور مزید اس نے یہ بھی کہا اِنْ هَذَا اِلَّا اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ (کہ یہ جو محمد ﷺ سناتے ہیں پہلے لوگوں کی باتیں ہیں جو ان کی کبھی ہوئی ملتی ہیں) اسکے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہے پہلے لوگوں کی باتیں ہیں جو محمد ﷺ نے یاد کر لی ہیں، انہیں سناتے رہتے ہیں نصر بن الحارث کے علاوہ بعض دوسرے لوگوں نے بھی ایسی باتیں کہی تھیں۔ جیسا کہ سورۃ الانعام میں فرمایا: حَتّٰى اِذَا جِئَاۤءُ وَلَفَّ يَجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ ان لوگوں کی یہ بات شرارت اور عناد کی وجہ سے تھی، یہ جانتے تھے کہ محمد ﷺ امی ہیں نہ پڑھنا جانتے ہیں اور نہ پہلے لوگوں کی کتابیں ان تک پہنچی ہیں۔ پھر بھی ایمان سے دور اور کفر پر جتے رہتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں۔

نصر بن حارث کا عذاب کے لئے دعا کرنا..... نصر بن حارث نے جب یوں کہا کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں سناتے ہیں تو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ تو اللہ سے ڈر! محمد ﷺ حق فرماتے ہیں اس پر اس نے کہا کہ میں بھی حق کہتا ہوں۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ محمد ﷺ تو لا الہ الا اللہ کہتے ہیں (وہ کہنے لگا میں بھی لا الہ الا اللہ کہتا ہوں) لیکن یہ بت اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ (العیاذ باللہ) اس کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ ہم انہیں اللہ کی بیٹیاں مانتے ہیں اس لئے ہم بھی لا الہ الا اللہ کہتے ہیں۔ وہ لا الہ الا اللہ کا مطلب ہی نہیں سمجھا۔ پھر اس نے بارگاہ خداوندی میں یوں دعا کی کہ: اے اللہ اگر یہ دین جس کی دعوت محمد ﷺ دیتے ہیں حق ہے تیری طرف سے ہے تو اسے قبول نہ کرنے کی سزا میں ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا اور کوئی دردناک عذاب بھیج دے۔ اپنے خیال میں اس نے یہ بات ظاہر کرنے کے لئے کہی تھی کہ اگر دین محمد ﷺ حق ہوتا تو ہم پر پتھر برس جاتے اور عذاب نازل ہو جاتا جب یہ بات نہیں ہے تو ہم حق پر ہیں۔ اس طرح کی بات یہود نے بھی کہی تھی۔ سورۃ مجادلہ میں ان کا قول نقل فرمایا ہے: وَلَوْلَا يُعَذِّبُ اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ (جو باتیں ہم کرتے ہیں ان کی وجہ سے اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا) اور اس زمانہ میں بھی بہت سے فتنہ گر ایسی باتیں کرتے ہیں اہل حق کے مقابلہ میں آجاتے ہیں اور کہتے ہیں اگر ہم جھوٹے ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آجاتا۔ عذاب آنا نہ آنا حق اور ناحق واضح ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ تمہارا کلام قرآن اور دلائل عقلیہ سے واضح ہوتا ہے اور انہیں میں تفکر اور تدبر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں کہ جو عذاب بھیج کر فیصلہ فرمائے گا کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عذاب مانگئے والوں کی دعا قبول فرمالینا ہے۔ کبھی جلدی اور کبھی دیر سے عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ سَاَلِ سَاَلٍ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ

فَلْيَكْفُرُوا فَيَنْفِرَ بِنَافِلَةٍ مِنْ نَافِلَةٍ هِيَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَكْفِيرًا لِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۖ وَمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ إِلَّا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۚ

میں اسے قتل کر دیا گیا۔ (کذا فی تفسیر الجلالین وحاشیہ ص ۴۷۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت بالا اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ (الآیہ) میں جو عذاب آنے کا سوال مذکور ہے یہ سوال ابوجہل نے کیا تھا۔ چونکہ یہ سوال عمومی عذاب کا تھا اسی لئے عمومی عذاب نہیں آیا (اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں اگلی آیت وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ نازل فرمائی۔) (صحیح بخاری ص ۲۷۰ ج ۲) جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر آپ کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا تگوبنی قانون ہے کہ جس بستی میں اللہ کا نبی موجود ہو اس پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں فرماتا جب تک مجرموں کے درمیان سے اپنے نبی کو نہ نکال لے۔ حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط علیہم السلام کی قوموں پر جب ہی عذاب آیا جبکہ یہ حضرات بستیوں سے باہر جا چکے تھے۔ خاتم الانبیاء جو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ کسی بستی میں موجود ہوں اور وہاں عذاب آجائے یہ نہیں ہو سکتا تھا۔ مکہ مکرمہ میں آپ کا موجود ہونا عذاب آنے سے مانع تھا۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس کے دوسرے سال غزوہ بدر میں ستر مشرکین مارے گئے جن میں ابوجہل بھی تھا اور نضر بن حارث بھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد کہ استغفار سبب امان ہے..... حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اہل مکہ کے لیے دو چیزیں امان کی تھیں۔ ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور دوسرے استغفار۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے تشریف لے آئے تو ان کے پاس امان کی صرف ایک چیز رہ گئی۔ یعنی استغفار، لہذا اہل مکہ پر عمومی عذاب نہ آیا اور فتح مکہ کے دن چند افراد قتل کر دیے گئے، جو بہت زیادہ شری تھے اور چند افراد کے علاوہ سب نے اسلام قبول کر لیا اور آئندہ کے لئے عذاب سے محفوظ ہو گئے۔

حضرت ابن عباس نے یہ بھی فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے دو امانیں رکھی ہیں۔ جب تک یہ دونوں ان کے درمیان میں رہیں گے (دونوں یا ایک) تو عذاب نہیں آئے گا۔ ایک امان تو اللہ تعالیٰ نے اٹھائی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور دوسری امان ان کے اندر موجود ہے یعنی استغفار کرتے رہنا۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب تک اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ (معلوم یہ ہوا کہ مختلف علاقوں میں جو عذاب آتے رہتے ہیں۔ وہاں استغفار نہ کرنے کو بھی دخل ہے) آیت بالاکا تفسیر میں جو ہم نے لکھا ہے تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۰۳ تا ۳۰۵ جلد ۲ سے ماخوذ ہے۔

وَمَا لَهُمْ إِلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَ ۚ

اور ان کا کیا اتھاق ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ دے حالانکہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں حالانکہ وہ اس کے اولیاء نہیں ہیں

إِنْ أَوْلِيَاءُ لَهُ إِلَّا الَّذِينَ اتَّقَوْا وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ

اس کے اولیاء نہ تھے۔ بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے، اور بیت اللہ کے نزدیک ان کی نماز بس

عِنْدَ الْبَيْتِ الْأَمْكَاءَ وَتَصَدِيْعَهُ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝

ایسی جگہ کی سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے تھے۔ سو عذاب پچھ لو اس جہ سے کہ تم کفر کرتے تھے۔

## مشرکین کی عبادت یہ تھی کہ بیٹا اللہ کے قریب سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے تھے

گزشتہ آیت میں یہ بتایا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے تشریف فرما ہوتے ہوئے اور اہل مکہ کے استغفار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا۔ اور اس آیت میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب کیوں نہ دے حالانکہ ان کی حرکتیں ایسی ہیں جو سزا کی مقتضی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا اور وہاں عبادت و طواف کرنے سے روک دیا۔۔۔۔۔ پھر جب ۶ ہجری میں آپ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو مسجد حرام تک نہ پہنچنے دیا اور عمرہ نہ کرنے دیا ان کی یہ حرکت اس قابل ہے کہ ان پر عذاب نازل کیا جائے کفر اور کافرانہ حرکتوں کی وجہ سے یہ لوگ عذاب کے مستحق ہیں، مکہ معظمہ میں تو عمومی عذاب نہ آیا لیکن غزوہ بدر میں سرداران قریش مقتول ہوئے۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے معالم التنزیل (صفحہ ۲۳۶ جلد ۲) میں بعض حضرات کا قول نقل کیا ہے کہ وَمَا كَانَ اللَّهُ مَعَذِبَهُمْ سے عمومی عذاب مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ سب ہی ایک ایک کر کے ہلاک نہ کئے جائیں۔۔۔۔۔ اور وَمَا لَهُمْ اَلَا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ میں عذاب بالسیف مراد ہے یعنی ان کی حرکتوں کی وجہ سے وہ قتلوار کی زد میں آئیں گے اور مقتول ہوں گے اور ایک یہ قول نقل کیا ہے کہ پہلی آیت میں دنیوی عذاب کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں آخرت کے عذاب کا ذکر ہے۔ دوسرے قول کے مطابق تفسیر کرنے سے فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ کا ارتباط زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: وَمَا كَانُوا اَوْلِيَاءَ لَكَ يَه يَ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُوْا کہ یہ لوگ مسجد حرام کے اولیاء یعنی اس کے متولی نہیں ہیں، کعبہ شریف داعی توحید حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے کعبہ اور مسجد حرام پر اہل شرک کو تسلط رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے پھر فرمایا: اَوَلَيْسَ اُولَ الْمُتَّقُوْنَ کہ مسجد حرام کے متولی وہی ہیں جو اہل تقویٰ ہیں (جو کفر و شرک سے بچتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ اس کی تولیت کا استحقاق اہل ایمان کو ہے جو بعد میں فتح مکہ کے دن متولی ہو گئے۔ اس دن کافروں کا تسلط ختم ہوا، اور مشرکین کچھ مارے گئے اور بہت سے مسلمان ہو گئے وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور ان میں سے اکثر یہ بات نہیں جانتے کہ انہیں مسجد حرام کے متولی ہونے کا استحقاق نہیں ہے اور بعض لوگ جو اس بات کو جانتے ہیں وہ عناد پر تلے ہوئے ہیں۔ (کمانی الروح صفحہ ۲۰۳ جلد ۹)

اس کے بعد اہل مکہ کی عبادت کا تذکرہ فرمایا جس کو وہ اسلام قبول کرنے سے پہلے اختیار کئے ہوئے تھے۔ اپنے خیال میں مسجد حرام کے متولی بھی تھے اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ ہم عبادت کر کے تولیت کا حق ادا کر رہے ہیں اور ان کی عبادت یہ تھی کہ مسجد حرام میں سیٹیاں بجاتے تھے اور تالیاں پیٹتے تھے (جتنے بھی شیطانی دھندے ہوتے ہیں ان میں سیٹیاں، تالیاں، ڈھول، باجے ضرور ہوتے ہیں) اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے مستحق عذاب ہوئے، آخرت میں تو ہر کافر کو عذاب ہونا ہی ہے، دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ اہل مکہ بھی اسلام قبول نہ کرنے سے عذاب میں مبتلا ہوئے جن میں ایک واقعہ بدر کی شکست اور ہزیمت کا بھی ہے۔ اہل مکہ کو زمانہ شرک میں جو یہ خیال تھا کہ ہم مسجد حرام کے متولی ہیں اور حق تولیت ہمیں مسجد حرام سے روکنے کا اختیار ہے اس خیال کی تردید فرمائی کہ اہل کفر مسجد حرام کے متولی نہیں ہو سکتے۔ نیز وہ یوں سمجھتے تھے کہ ہم مسجد حرام کو آباد رکھتے ہیں اس میں عبادت کرتے ہیں اگر مسلمانوں کو اس میں عبادت کرنے سے روک دیا تو کیا ہوا؟ ہم خود عبادت گزار ہیں۔ ان کی اس بات کی بھی تردید فرمادی کہ تمہاری عبادت شیطانی دھندہ ہے۔ تالیاں پیٹنا، سیٹیاں بجانا یہ کہاں کی عبادت ہے؟ اس سے مسجد حرام کی بے حرمتی ہوتی ہے۔

لَٰنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدَّوْا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا

بے شک جو لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ ابھی اپنے مالوں کو

نہ تھکے ہیں اُنہیں جِسْرَۃٌ ثُمَّ یُغْلِبُوْنَہُمْ ۚ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِلٰی جَہَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ ۝۱۰

خرچ نہ کیا ہے پھر یہ مال اُن کے حق میں سرست کا سبب بن جائیں گے پھر یہ لوگ مغلوب ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ دوزخ کی طرف بٹھکے جائیں گے

لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ وَیَجْعَلَ الْخَبِیْثَ بَعْضُهُ عَلٰی بَعْضٍ فِیْ زُكْرِہُمْ جَمِیْعًا فِیْ جَعَلْہٗ

تاکہ ناپاک کو اللہ پاک سے جدا کر دے اور ناپاک کو بعض کو بعض کے ساتھ ملا دے۔ پھر اس کو اکٹھا ڈھیر بنا دے پھر اس کو

فِیْ جَہَنَّمَ ۚ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۱

اور ان میں سے اہل کفر کے ہوں گے۔

اللہ کی راہ سے روکنے والے مغلوب ہوں گے اور ان کے اخراجات حسرت کا باعث ہوں گے

مفسر ابن کثیر صفحہ ۳۰۷ جلد ۲ تحریر فرماتے ہیں کہ جب قریش کو بدر میں شکست ہوئی اور جو زندہ رہ گئے وہ مکہ مکرمہ واپس پہنچے تو ابوسفیان کے گلے پڑ گئے کہ ہم لوگ تیرے قافلہ کی حفاظت کے لئے نکلے تھے تم لوگ تو صحیح سالم آ گئے اور ہمارے آباء اور ہماری اولاد اور ہمارے بھائی بدر میں مقتول ہو گئے۔ لہذا تم لوگ مال سے ہماری مدد کرو تاکہ ہم دوبارہ جنگ کریں اور محمد ﷺ سے اپنا بدلہ لے لیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس سلسلہ میں چندے دیئے اور مال خرچ کئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آیت بالا ان کے اسی مال کے خرچ کرنے کے سلسلے میں نازل ہوئی۔

اور معالم التنزیل صفحہ ۲۴۷ جلد ۱ میں لکھا ہے کہ یہ آیت ان مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بدر میں جاتے ہوئے اپنی جماعت پر منزل بہ منزل خرچ کرتے رہے اور اونٹ ذبح کر کے کھلاتے رہے۔ پھر حکم بن عیینہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابوسفیان کے بارے میں نازل ہوئی جس نے اُحد کے موقع پر مشرکین پر چالیس اوقیہ چاندی خرچ کی تھی (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا) مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ سبب نزول اگرچہ خاص ہے مگر مضمون عام ہے۔ جب کبھی بھی اہل کفر حق سے روکنے کے لئے اپنا مال خرچ کریں گے دنیا و آخرت میں ناکام ہوں گے اور ذلیل ہوں گے اللہ تعالیٰ کا دین کامل ہوگا پھیلے گا پورا ہوگا۔ کافر اس کے بھانے کے لئے مال خرچ کریں گے پھر نادم ہوں گے ان کو حسرت ہوگی کہ ہم نے اپنا مال خرچ کیا لیکن فائدہ مقصود حاصل نہ ہوا یہ لوگ دنیا میں مغلوب ہوں گے اور آخرت میں بھی دوزخ میں داخل ہوں گے۔

لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ ..... یہ یُحْشَرُوْنَ سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ دوزخ میں اہل کفر کا داخلہ اس لئے ہوگا کہ پاک اور ناپاک یعنی مؤمن اور کافر میں اللہ تعالیٰ تمیز فرمادیں۔ اہل ایمان اپنے ایمان کی وجہ سے جنت میں اور اہل کفر اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔

وَبَجْعَلِ الْخَبِیْثَ بَعْضُهُ عَلٰی بَعْضٍ فِیْ زُكْرِہُمْ جَمِیْعًا فِیْ جَعَلْہٗ (تاکہ اللہ تعالیٰ خبیث کو بعض کو بعض کے ساتھ ملا دے اور اس کو اکٹھا کر کے دوزخ میں داخل فرما دے) دنیا میں تمام اہل کفر ایک دوسرے کے مددگار تھے۔ اسلام کے خلاف اموال خرچ

کرنے میں ایک دوسرے کا تعاون کرتے تھے آخرت میں بھی سب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ دنیا میں جو اسلام کی دشمنی کے لئے سوچتے اور خرچ کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے دارالعداب میں اکٹھے ہو کر اس کی سزا بھگتیں گے۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ ۚ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ

جن لوگوں نے کفر کیا آپ ان سے فرمادیجئے اگر وہ باز آجائیں تو جو کچھ گزر چکا وہ ان کیلئے معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہ پھر بھی وہی کریں جو کرتے رہے ہیں

مَضَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ۝

تو پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے۔

کافروں کو اسلام کی ترغیب اور کفر پر جبر کرنے کی وعید

اس آیت میں ترغیب بھی ہے اور ترہیب بھی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ کافروں سے فرمادیں کہ اب تک جو تم کفر پر جبر رہے اور اسلام کی دعوت کو رد کرنے کے لئے تدبیریں کرتے رہے اور اس کے بارے میں جنگ کرتے رہے ان سب سے اگر تائب ہو جاؤ یعنی اسلام قبول کر لو تو وہ سب کچھ معاف کر دیا جائے گا جواب تک گزر چکا ہے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ بھی اسلام کے بڑے دشمنوں میں سے تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس شرط پر آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوتا ہوں کہ میری مغفرت کر دی جائے آپ نے فرمایا اے عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام ان سب چیزوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھیں اور بلاشبہ ہجرت ان سب گناہوں کو ختم کر دیتی ہے جو اس سے پہلے تھے اور بلاشبہ حج ان گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۶۷ جلد ۱)

شرح حدیث نے لکھا ہے کہ ہجرت اور حج سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں اور حقوق العباد معاف نہیں ہوتے، یہ بات دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ کرم ہے کہ کوئی شخص کیسا ہی دشمن اسلام ہو جب بھی اسلام قبول کر لے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا: وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ اور اگر کافر اپنے کفر پر جبر رہیں تو ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ پہلے لوگوں کو انکار اور عناد کی وجہ سے جو سزائیں ملی ہیں مقبول اور مغلوب ہوئے ہیں وہی سزائیں ان کو بھی ملیں گی اور آخرت کا عذاب دائمی تو ہر کافر کے لئے بہر حال ہے ہی۔ صاحب معالم التزیل لکھتے ہیں: فقد مضت سنة الاولین فی نصر اللہ انبیاءہ واولیاءہ واهلاک اعدائہ یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ نیکوئی قانون چلا آ رہا ہے کہ اپنے انبیاء و اولیاء کی مدد فرمائی اور اپنے دشمنوں کو ہلاک فرمایا۔ اگر تم کفر سے باز نہ آئے تو اسی نیکوئی قانون کے مطابق تمہارا بھی انجام ہوگا۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ انْتَهُوا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ

اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور سارا دین اللہ کے لئے ہو جائے سو اگر وہ باز آجائیں تو بے شک اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے

بَصِيرٌ ۝ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَكُمْ ۖ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝

جو وہ کرتے ہیں اور اگر وہ روگردانی کریں تو یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے وہ اچھا مولیٰ اور اچھا مددگار ہے۔

## کافروں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ سارا دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے

یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے۔ پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ کافروں سے یہاں تک لڑو کہ فتنہ کفر و شرک باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کیلئے ہو جائے۔ یعنی اہل کفر اسلام قبول کر لیں اور موحد ہو جائیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے کفار عرب مراد ہیں۔ چونکہ ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا اس لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ کفار عرب سے یہاں تک جنگ کرو کہ جزیۃ العرب میں کفر نہ رہے۔ پورا جزیہ اسلام کا گواہ ہو جائے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ برابر کافروں سے لڑتے رہو وہ جہاں کہیں بھی ہوں یہاں تک کہ اسلام کو غلبہ ہو جائے۔ غلبہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اسلام قبول کر لیں اور دوم یہ کہ جزیہ دینا منظور کر لیں۔

حضرات صحابہ تو برابر جہاد کرتے رہے، ان کے بعد بہت سے امراء اور ملوک نے جہاد جاری رکھا۔ دور حاضر کے مسلمانوں نے جہاد شرعی چھوڑ دیا تو اب خود مقہور اور مغلوب ہو رہے ہیں آیت کے ختم پر فرمایا: **فَإِنْ أَنْتَهُوا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ** (اگر کافر لوگ اپنے کفر سے باز آجائیں اور اسلام قبول کر لیں تو اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں) تمہیں شک میں پڑنے کی ضرورت نہیں یہ خیال کر کے کہ ممکن ہے انہوں نے دھوکہ دینے کے لئے اسلام قبول کر لیا ہو پھر قتل کرتے چلے جاؤ ایسا نہ کرنا تم ظاہر کے مکلف ہو قلوب کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اگر وہ دھوکہ دیں گے تو اللہ تعالیٰ شانہ ان سے تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی جہینہ کی طرف ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ جنگ کے موقع پر جب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کافروں میں سے ایک آدمی کو قتل کرنے لگے تو اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا۔ اس کے باوجود انہوں نے اسے قتل کر دیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو واقعہ عرض کر دیا آپ نے فرمایا: **أَقْبَلْتُهُ وَقَدْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کیا تو نے اس کے باوجود اسے قتل کر دیا کہ اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: **أَنَا فَعَلْتُ ذَلِكَ تَعَوُّذًا** کہ اس نے جان بچانے کے لئے ایسا کیا۔ آپ نے فرمایا: **فَهَلَا شَقِقتَ عَنْ قَلْبِهِ**، سو تو نے اس کے دل کو چیر کر کیوں نہ دیکھا۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ جب کسی نے اسلام کا کلمہ پڑھ لیا تو ہمیں اسے مسلمان مان لینا چاہئے۔ ہم دلوں کا حال نہیں جانتے۔ دلوں کو چیر کر نہیں دیکھ سکتے پھر کسی کو کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس نے سچے دل سے کلمہ نہیں پڑھا ہمارا کام ظاہر سے متعلق ہے دلوں کا حال اللہ جانتا ہے۔ اگر کافر لوگ دھوکہ دیکر کوئی شر یا ضرر پہنچانا چاہیں گے تو ان سے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے گا۔ وہ تو ظاہر اور باطن سب ہی کو جانتا ہے۔ **قَالَ ابْنُ کَثِيرٍ (صفحہ ۳۰۹ جلد ۲) قَوْلُهُ فَإِنْ أَنْتَهُوا فَتَالِكُمْ عَمَاهُمْ فِيهِ مِنَ الْكُفْرِ فَكَفُّوا عَنْهُمْ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا بِوَاطْنِهِمْ فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ** ثم ذکر قصۃ اسامۃ بن زید الذی ذکرنا ہا فی ہذہ الصفحۃ وہی مرویۃ فی الصحیحین وغیرہما۔ (علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد **فَإِنْ أَنْتَهُوا** کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اپنے کافر ہونے کے باوجود تم سے قتال کرنے سے رک جائیں تو تم بھی ان سے قتال سے باز آؤ۔ اگر تم ان کے باطن کو نہیں جانتے پس اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کو دیکھ رہے ہیں۔ پھر علامہ ابن کثیر نے حضرت اسامہ بن زید والایہ قصہ ذکر کیا جو ہم نے ابھی اس صفحہ میں بیان کیا ہے اور یہ قصہ صحیحین وغیرہ میں مروی ہے)

دوسری آیت میں فرمایا: **وَإِنْ تَوَلَّوْا فَأَعْلَمُوا** اِنَّ اللّٰهَ مَوْلَانَا کہ کافر اگر روگردانی کریں اسلام قبول نہ کریں اور تمہاری مخالفت اور

مخارت پر کمر باندھ رہے ہیں تو ان سے لڑتے رہو اور بزدل نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے تمہاری مدد فرمائے گا۔ **بِنِعْمِ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمِ النَّصِيرُ**۔ وہ اچھا مولیٰ اور اچھا مددگار ہے۔ جب اس کی مدد و شامل حال ہوگی تو تمہارے لئے بزدل بننے اور جہاد چھوڑ کر بیٹھ رہنے کا کوئی موقع نہیں۔



## (پانچویں فہرست)

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ

اور تم جان لو کہ جو کوئی چیز تمہیں مال غنیمت سے ملے سو ہاشمہ اللہ کے لئے اس کا پانچواں حصہ ہے اور رسول کے لئے اور قربات والوں کے لئے

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ إِن كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ

اور یتیموں کے لئے مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے۔ اگر تم ایمان آئے اللہ تعالیٰ پر اور اس چیز پر جو ہم نے نازل کی اپنے بندہ پر فیصلہ کے

الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّقِيٍّ الْجَمْعِينَ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

دن جس روز بھڑکی تمہیں دونوں جماعتیں اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

## اموال غنیمت کے مستحقین کا بیان

کافروں سے جب جہاد کیا جاتا ہے تو ان کے اموال بھی قبضہ میں آجاتے ہیں ان اموال کو شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ سابقہ امتوں کے مسلمان جب کافروں سے جہاد کرتے تھے اور ان کے اموال قابو میں آجاتے تھے تو ان اموال کو آپس میں تقسیم کر لینے کا شرعی قانون نہیں تھا بلکہ آسمان سے آگ نازل ہوتی تھی جو غنیمت کے اموال کو جلا کر خاکستر کر دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے امت محمدیہ پر یہ کرم فرمایا اور رحم فرمایا کہ انہیں اموال غنیمت آپس میں تقسیم کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلم یحل الغنائم لاحد من قبلنا ذلک بان اللہ رای ضعفنا و عجزنا فطیہنا۔ (حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہم سے پہلے کسی امت پر اموال غنیمت حلال نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ضعف و کمزوری کو دیکھا تو ہمارے لئے اموال غنیمت حلال کر دیئے)۔ (رواہ مسلم صفحہ ۸۵ جلد ۲)

کافروں کا جو مال جنگ میں حاصل کر لیا جائے۔ اس کی تقسیم کے بارے میں شریعت اسلامیہ میں جو احکام ہیں ان میں سے ایک حکم اس آیت میں بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ کل مال غنیمت میں سے اولاً پانچواں حصہ علیحدہ کر لیا جائے اور اس کے بعد باقی چار حصے مجاہدوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ پانچواں حصہ کس پر خرچ ہوگا اس کے بارے میں فرمایا:

فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کا ذکر تبرکاً ہے۔ اس خمس کے مستحقین وہ لوگ ہیں جو بعد میں ذکر کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کا محتاج نہیں لیکن چونکہ اس کے قانون کے مطابق تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے اس لئے فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ سے شروع فرمایا۔ اس کے بعد اس

پانچویں حصہ کے مستحقین بیان فرمائے۔ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ

یعنی مال غنیمت کے اس پانچویں حصہ کا مصرف رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے اور آپ کے رشتہ دار یتیم ہیں اور مسکین ہیں اور مسافر



لَا خُتَفَتُمْ فِي الْبَيْعِ وَلَكِنْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ

وہ کر لیتے تو تم بیعہ کے بارے میں اختلاف کر لیتے اور لیکن تاکہ اللہ تعالیٰ اس امر کا فیصلہ فرمائے جو ہو جائے والا تھا، تاکہ جو شخص ہلاک ہو جیت قائم

عَنْ بَيْتَةٍ وَ يَحْيَىٰ مِنْ حَتَّىٰ عَنْ بَيْتَةٍ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ اِذْ يُرِيكُمُ

ہوئے کے بعد ہلاک ہو، اور جو شخص زندہ رہے وہ جیت قائم: دوتے کے بعد زندہ رہے اور باشب اللہ سننے والا جاننے والا ہے، جبکہ اللہ ان کو آپ کے

اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۚ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ

خواب میں تم دکھا رہا تھا، اور اگر وہ تمہیں ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم ہمت ہار جاتے اور اس امر میں باہمی تم میں نزاع ہو جاتا لیکن

اللَّهُ سَلَّمَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ اِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ التَّقَيْتُمْ فِي آَعَيْنِكُمْ قَلِيلًا

اللہ نے بچا لیا۔ بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے، اور جبکہ تم باہم مقابل ہوئے وہ ان کو تمہاری آنکھوں میں کم کر کے دکھا رہا تھا

وَيُقَلِّبُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝

اور تمہیں ان کی آنکھوں میں کم کر کے دکھا رہا تھا۔ تاکہ اس بات کا فیصلہ ہو جائے جس کا جو د میں آتا مقرر ہو چکا تھا، اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

### بدر میں محاذ جنگ کا نقشہ اور اللہ تعالیٰ کی مدد

ان آیات میں اول تو غزوہ بدر کے محاذ جنگ کا نقشہ بتایا ہے پھر اپنے انعامات ذکر فرمائے ہیں جو غزوہ بدر کے دن مسلمانوں کے فتح یاب ہونے کا ذریعہ بنے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ مشرکین مکہ نے مقام بدر میں پہنچ کر ایسی جگہ قیام کیا تھا جو مدینہ منورہ سے دور ہے اور وہ لوگ ایسی جگہ لے چکے تھے جو بظاہر محاذ جنگ کے لئے زیادہ مناسب تھی جب مسلمان پہنچے تو ان کو نیچے کی جگہ ملی یہ جگہ ریتی تھی اور مدینہ سے قریب تھی اور تیسری جماعت یعنی ابوسفیان کا تجارتی قافلہ وہ اس جگہ سے نیچے کی طرف تھا۔ کیونکہ یہ لوگ ساحل سمندر پر چل رہے تھے جو مقام بدر سے تین میل دور تھا۔ پہلے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان جنگ کرنے کا نہ خیال تھا اور نہ کوئی اس کا وقت مقرر تھا۔ مسلمان ابوسفیان کے قافلے کا پیچھا کرنے کے لئے نکلے تھے اور شدہ شدہ بدر تک پہنچے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا پہلے سے فیصلہ تھا کہ ایمان اور اہل ایمان بلند ہوں اور فتح یاب ہوں اور کفر اور کفار نیچا دیکھیں اور شکست کھائیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر فرمائی کہ دونوں جماعتیں پیشگی بات چیت کئے بغیر جمع ہو گئیں اور ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی کہ سرور عالم ﷺ نے خواب دیکھا کہ مشرکین کی تعداد کم ہے۔ جب یہ بات حضرات صحابہ کے سامنے آئی تو ان کا حوصلہ بلند ہو گیا اور جنگ کرنے کے لئے دل سے آمادہ ہو گئے۔ اگر ان کی تعداد زیادہ دکھائی جاتی تو مسلمانوں میں بزدلی آ جاتی اور آپس میں اختلاف کرتے کہ جنگ کے لئے آگے بڑھیں یا پیچھے ہٹیں، اللہ تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کے حوصلے بلند فرمائے اور بزدلی اور کم ہمتی سے بچا لیا اور باہمی اختلاف سے محفوظ رکھا۔ اسی کو فرمایا۔ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي

الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۚ اِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب کے دلوں کا حال معلوم ہے کہ کس کو اللہ سے محبت ہے اور کس کا رخ آخرت کی طرف ہے اور کون دنیا کا طالب ہے اور کون بزدل ہے اور کون دلاور ہے۔ پھر

اللہ تعالیٰ شانہ نے مزید فرمایا کہ جب مقابلہ کا وقت آیا اور مذہبیڑ ہو گئی تو مسلمانوں کی آنکھوں میں کافروں کو اور کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کو کم تعداد میں دکھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان شجاعت اور بے جگرئی سے لڑے اور کافر بھی یہ سمجھ کر لڑے کہ یہ تھوڑے سے لوگ ہیں ان کو ختم کرنا آسان ہے پھر انجام یہ ہوا کہ کافر مغلوب ہوئے اور شکست کھائی اور مسلمان غالب ہوئے اور فتح پائی اور اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ مقرر اور مقدر تھا اسی کے مطابق ہو کر رہا۔ معلم البقرہ ص ۲۵۳ جلد ۲ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کے دن مشرکین کی تعداد ہماری آنکھوں میں اس قدر کم ہو گئی تھی کہ میں نے ایک ساتھی سے پوچھا کہ جو میرے پہلو میں تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ لوگ ستر (۷۰) تو ہوں گے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے خیال میں سو (۱۰۰) ہیں۔ اس کے بعد ہم نے مشرکین میں سے ایک شخص کو قید کر لیا اور اس سے پوچھا تمہاری کتنی تعداد ہے تو اس نے کہا کہ ایک ہزار کی نفی ہے۔

یہ جو فرمایا لِلْهَلَاکِ مَنْ هَذَا عَنْ بَیِّنَةٍ وَیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَةٍ۔

اس میں یہ بیان کیا کہ واقعہ بدر میں دین اسلام کی کھلی اور واضح حقانیت ظاہر ہو گئی اور کفر و شرک کے باطل ہونے کا خوب واضح طریقہ پر لوگوں کو علم ہو گیا، اب بھی جو شخص ہلاک ہوگا یعنی کفر پر جمار ہے گا وہ جنت تمام ہونے کے بعد اس کو اختیار کر لے گا اور جو شخص ایمان پر چنگل کے ساتھ جمار ہے گا وہ بھی جنت کے ساتھ دین حق پر رہے گا۔ ہلاکت سے کفر پر باقی رہنا اور حیات سے اسلام پر جمار ہونا اور اسلام قبول کرنا مراد ہے۔ حق واضح ہو جانے کے بعد ہر طرح کی غلط فہمی کا احتمال ختم ہو گیا، اب کافر دیکھتی آنکھوں دھکتی آگ میں جائے گا اور خود اپنی ہلاکت کے راستہ کو اختیار کرے گا، اور جو شخص اسلام پر ہے گا اور اسی طرح جو کافر اسلام قبول کرے گا وہ بھی دلیل و جنت کے ساتھ دین حق پر مستقیم ہوگا۔

فائدہ..... سورۃ آل عمران کے دوسرے رکوع میں بھی غزوہ بدر کا ذکر ہے، وہاں یَرْوُفْنَهُمْ مِّثْلَهُمْ زَاۤیِ الْعَنِینِ۔ فرمایا ہے اس کا ترجمہ اور تفسیر وہیں دیکھ لیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۸﴾

اے ایمان والو! جب تم کسی جماعت سے بھڑ جاؤ تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم کا پیاب ہو جاوے۔

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۹﴾

اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکٹھ جائے گی، اور صبر کرو بلاشبہ اللہ

الصَّابِرِينَ ﴿۹﴾ لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِغَاءَ النَّاسِ

صابروں کے ساتھ ہے۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اترتے ہوئے لوگوں کو دکھانے کے لئے نکلے

وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۱۰﴾

اور وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روک رہے تھے اور اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

دشمنوں سے مقابلہ ہو جائے تو جم کر مقابلہ کرو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو

ان آیات میں اہل ایمان کو یہ حکم دیا ہے کہ جب کبھی کسی جماعت سے تمہاری مذہبیڑ ہو جائے یعنی جنگ اور لڑائی کی نوبت آجائے تو

ثابت قدمی کے ساتھ جم کر مقابلہ کرو حضرت عبداللہ بن اوفیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دشمن سے مدبھیڑ ہونے کی تمنا کرو اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو پھر جب مدبھیڑ ہو جائے تو جم کر لڑو۔ اتنا مضمون صحیح بخاری صفحہ ۴۲۴ جلد ۲ میں ہے۔ مسند دارمی صفحہ ۱۳۵ جلد ۲ میں یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کی ہے اس میں یوں ہے کہ دشمن سے مقابلہ ہونے کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو، سو جب تمہاری مدبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ سو اگر دشمن چیں، چلائیں تو تم خاموشی اختیار کرو۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ سوال تو عافیت ہی کا کرتے رہیں اور جب دشمنان دین سے لڑنے کا موقعہ آجائے تو کمزوری نہ دکھائیں ثابت قدم رہیں جم کر لڑیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی کریں اور قتال کے آداب میں سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ خاموشی سے لڑیں۔ شور و غلب سے بچیں۔ حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین مواقع میں اللہ تعالیٰ کو خاموشی محبوب ہے۔ تلاوت قرآن کے وقت اور قتال کے وقت اور جس وقت جنازہ حاضر ہو۔ (ذکرہ الحافظ ابن کثیر فی تفسیر صفحہ ۳۱۶ جلد ۲)

خوب مضبوطی اور جماد کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا..... **وَإِذْكُرُوا اللَّهَ كُبَيْرًا**۔

اور اللہ کو خوب زیادہ یاد کرو۔ یوں تو اللہ کا ذکر ہر وقت ہونا چاہئے لیکن خاص کر جنگ کے موقعہ میں اس کی اہمیت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، مدد مانگنا، تسبیح تہلیل میں مشغول رہنا یہ سب اللہ کا ذکر ہے۔ مومن بندہ لڑتا ہی اللہ کے لئے ہے۔ اس کا مرنے اور جینا اللہ کے لئے ہے، پھر جنگ کے وقت اللہ کے ذکر سے غافل ہونے کا کوئی موقعہ ہی نہیں۔ اس موقعہ پر ذکر کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ بظاہر جنگ کی طرف پوری مشغولیت ہو اور باطن اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو اور زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہو یہ مومن کی خاص شان ہے۔ حضرت سہل بن معاذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ نماز، روزے اور ذکر ان سب کا ثواب فی سبیل اللہ (عز و جل) مال خرچ کرنے کی نسبت سات سو گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۳۳۸ جلد ۱) اور خود فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کی یہ فضیلت ہے کہ اس کا ثواب (کم از کم) سات سو گنا ملتا ہے۔ (الترغیب صفحہ ۲۵۳ جلد ۲) اور ذکر کا ثواب اس سے بھی سات سو گنا زیادہ ہے نیز سہل بن معاذؓ اپنے والد سے یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے فی سبیل اللہ ایک ہزار آیات پڑھ لیں اللہ تعالیٰ اسے انبیاء اور صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ لکھ دے گا۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد کما فی الترغیب صفحہ ۲۶۷ جلد ۲)

پھر فرمایا: **لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ**۔ جم کر لڑیں گے ثابت قدم رہیں گے اللہ کا ذکر کریں گے تو کامیاب ہوں گے، دنیا و آخرت میں کامیابی نصیب ہوگی۔

آپس میں جھگڑنے سے ہوا خیزی ہو جاتی ہے..... پھر فرمایا: **وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ**۔ (اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی) **وَلَا تَنَازَعُوا فَعَلَّامُ الْفُتُونِ** (اور آپس میں جھگڑنا نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا خیزی ہو جائے گی) اور آپس میں جھگڑنے کی وجہ سے ساکھ ختم ہو جاتی ہے، اور مسلمانوں کے باہمی اختلاف اور انتشار کو دیکھ کر دشمن بے خوف ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں سے مسلمانوں کی ہیبت جاتی رہتی ہے۔ باہمی اختلاف ضعف کا سبب ہے۔ قلوب مجتمع نہ رہیں تو اجسام بھی اتحاد اور اعتماد کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔ کافروں کو شکست دینے کی بہت سی تدبیریں ہیں (مثلاً جنگی مشقیں اور اسلحہ کی فراہمی وغیرہ) ان سب سے بڑھ کر باہمی اتحاد اور اعتماد کی ضرورت ہے۔ ثابت قدمی بھی جب ہی حاصل ہوتی ہے جب آپس میں انتشار نہ ہو۔

آخر میں فرمایا: **وَاصْبِرْ وَاطْمِئِنَّ اللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ**۔ (اور صبر کرو بلاشبہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے)

اہل ایمان کے لئے صبر بہت بڑی چیز ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو، انفرادی زندگی، دینی و اجتماعی، خانگی حالات ہوں یا دوسرے معاملات ہر حال میں صبر کی ضرورت ہوتی ہے اور اس سے بڑے بڑے مسائل حل ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ناگوار چیزوں کو برداشت کر لینا بڑے اجر و ثواب کا اور دنیاوی حالات میں اور اپنوں اور پرائیوں کے معاملات میں کامیابی کے ساتھ گزرتے چلے جانے کا بہت بڑا ذریعہ ہے، آپس کے نزاع سے بچنے کا حکم دینے کے بعد ساتھ ہی صبر کا حکم دینے میں اس بات کی طرف رہنمائی ہے کہ آپس کا اتحاد صبر اختیار کرنے سے باقی رہ سکتا ہے۔ جب کچھ آدمی آپس میں مل کر رہتے ہوں خواہ ایک ہی گھر کے افراد ہوں۔ آپس میں کچھ نہ کچھ ایک دوسرے کی جانب سے قول یا فعل کے اعتبار سے ناگواری پیش آ جاتی ہے ایک جماعت جہاد کے لئے نکلے یا نکلنے کا ارادہ کرے تو باہمی مشوروں میں اختلاف رائے ہونے کا امکان رہتا ہے بلکہ اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ طبائع بھی مختلف ہوتی ہیں۔ جب تک برداشت نہ ہو اتحاد قائم نہیں رہ سکتا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشورہ کرنے میں نہیں تو اپنی اپنی رائے دے کر فارغ ہو جائیں۔ کوئی شخص اپنی رائے پر اصرار نہ کرے، اگر اصرار کرنے لگیں تو وہیں لڑائی ہو جائے گی اور مشورے کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ ایک کی رائے دوسرے کے خلاف ہو تو صبر کرے اور پھر جو امیر کسی کی رائے یا اپنی رائے کو ترجیح دیدے تو اپنی رائے کے مخالف ہونے کی وجہ سے دل گیر نہ ہو بلکہ صبر کرے۔ حتیٰ کہ اگر کسی کی رائے کے خلاف اختیار کر لینے سے کوئی نقصان پہنچ جائے تب بھی امیر کو قطع نہ دے کہ دیکھا ہم نے کیا کہا تھا؟ اتحاد کے لئے بڑے صبر اور ثبات کی ضرورت ہوتی ہے ناگواریوں کو بشارت کے ساتھ برداشت کیا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ان کے عہدہ سے معزول کر دیا لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور حسب سابق جہاد کے کاموں میں مشغول رہے۔

وہ حقیقت اصل اطاعت وہی ہے جو طبعی ناگواری کے ساتھ ہو۔ اگر ہر شخص یوں چاہے کہ ہمیشہ میری چلے تو کبھی بھی اجتماع نہیں ہو سکتا۔ انتشار رہی رہے گا اور اس سے ہوا خیزی ہوگی

ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اکڑتے مکڑتے ریا کاری کے لئے نکلے..... پھر فرمایا: **وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ** (یعنی تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اترتے ہوئے لوگوں کو دکھانے کے لئے نکلے) جو لوگ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں ان میں اکڑ مکڑ اور اترانے اور فخر کرنے کا مرض ہوتا ہے۔ پھر وہ اس کی وجہ سے نچاڑ کیٹتے ہیں۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ معالم التنزیل صفحہ ۲۵۴ جلد ۲ میں لکھتے ہیں: آیت بالامشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی جب وہ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو فخر اور تکبر کے انداز میں چلے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! یہ لوگ اپنے تکبر اور فخر کے ساتھ آئے ہیں۔ آپ سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور آپ کے رسول ﷺ کو جھٹلاتے ہیں۔ آپ نے جو مدد کا وعدہ فرمایا ہے اس کے مطابق مدد فرمائیے۔ ابوسفیان تو اپنا قافلہ لے کر بیچ نکلا جس کی وجہ سے بعض لوگوں نے قریش کو رائے دی کہ اب آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں واپس ہو جانا چاہیے اس پر ابو جہل نے کہا اللہ کی قسم ہم جب تک بدر نہ پہنچ جائیں واپس نہ ہوں گے وہاں تین دن قیام کریں گے اونٹ ذبح کریں گے کھانے کھلائیں گے، شرابیں پلائیں گے اور گانے دایاں ہمارے پاس گانے گائیں گی اور عرب میں ہماری شہرت ہو جائے گی پھر وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں گے، یہ بات تو بڑی کبھی تھی لیکن قریش کے تکبر اور فخر کا نتیجہ یہ ہوا کہ شرابوں کی جگہ موت کے پیالے پئے اور گانے والی عورتوں کی بجائے نوحہ کرنے والی عورتوں نے ان پر نوحہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو منع فرمایا کہ

تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا اور مومنین کو حکم دیا کہ نیت خالص اللہ کی رضا کے لئے رکھیں اور مومن کی مدد اور انبیاء کرام علیہم السلام کی تائید میں لگے رہیں۔

اگر لشکر زیادہ ہو تب بھی اترانا اور شہرت کے لئے جنگ کرنا اور اپنی طاقت پر گھمنڈ کرنا لے بیٹھتا ہے اور شکست کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ غزوہ حنین میں ایسا ہی ہوا کہ مسلمانوں کو اولا شکست ہو گئی کیونکہ اپنی کثرت پر گھمنڈ ہو گیا تھا۔ مگر قال تعالیٰ۔ وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذَا غَضِبْنَا کَثْرَتْکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا (الآیۃ) نماز ہو یا جہاد یا اتفاق مال یا کوئی بھی نیک عمل ہو اس کا ثواب اسی وقت ملتا ہے جبکہ اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے۔

اگر مکر اپنی ذوات اور جماعت پر بھروسہ یہ سب اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے۔ اس سے اخلاص جاتا رہتا ہے جو لوگ اللہ کی رضا چاہتے ہیں ان میں تواضع ہوتا ہے اللہ پر بھروسہ ہوتا ہے اللہ ہی کے لئے لڑتے ہیں اور اسی کے لئے مرتے ہیں عین قتال کے موقع پر کافروں کو اپنی طاقت دکھانے کے لئے ظاہری طور پر اگر مکر دکھانا بھی اللہ کو محبوب ہے۔ دل میں تواضع اور اللہ پر بھروسہ اور ظاہر میں کافروں کو جلانے کے لئے اتراتے ہوئے کافروں کے مقابلہ میں آنا یہ محبوب اور مرغوب ہے۔ فی الحدیث فاما الخیلاء الّتی بحب اللہ فاحتیال الرجل عند القتال و احتیالہ عند الصدقة۔ (کافی المشکوٰۃ صفحہ ۲۸) (حدیث میں ہے وہ اترانے والے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ قتال کے وقت کا اترنا ہے اور صدقہ کے وقت کا اترنا) (یعنی صدقہ دل کی خوشی سے اور استغفار سے دے)۔

مشرکین کا تذکرہ فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا: وَتُصَلُّوْنَ عَنْ سَبِّیْلِ اللّٰهِ کہ وہ اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں قریش مکہ خود بھی اسلام قبول نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس سے روکتے تھے۔ اگر اسلام قبول کر لیتے تو جنگ کا موقعہ ہی نہ آتا لیکن ان کی شرارت نفس نے ان کو یہاں پہنچایا کہ بدر میں آکر مقتول ہوئے۔

وَاللّٰهُ بِمَا فَعَلْتُمْ مُحِیْطٌ۔ (اور اللہ ان کے تمام اعمال سے باخبر ہے) لہذا وہ ان کو ان کی سزا دے گا۔

وَ اِذْ زَیِّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَکُمْ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّیْ

اور جب شیطان نے ان کو اعمال خوشنما کر کے دکھائے اور اس نے یوں کہا کہ لوگوں میں سے آج تم پر کوئی بھی غلبہ یا نہی والا نہیں ہے اور میں تمہاری

بجائز لکم۔ فَلَمَّا تَرَاۤءَتِ الْفِئَتِیْنِ نَكَصَ عَلٰی عَقْبَیْہِ وَقَالَ اِنِّیْۤ اَبْرِئُۤیْ مِّنْکُمْ اِنِّیْۤ آَ

حمایت کرنے والا ہوں پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو وہ اٹلے پاؤں بھاگ نکلا اور اس نے کہا کہ بلاشبہ میں تم سے بری ہوں بے شک میں وہ

اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰہَ ۚ وَاللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۵﴾

کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔

مشرکین کو شیطان کا جنگ کے لئے پھسلانا پھر بدر کے میدان کا رزار سے بھاگ جانا

شیطان ملعون ہمیشہ سے انسان کا دشمن ہے وہ چاہتا ہے کہ کافر کفر پر جے رہیں اور اہل اسلام سے جنگ کرتے رہیں اس کی خواہش ہے کہ کفر پھیلے اور اسلام کی اشاعت نہ ہو۔ جیسے وہ قریش مکہ کے اس مشورے میں شیخ نجدی کی صورت بنا کر شریک ہو گیا تھا جس میں رسول اللہ ﷺ کے قتل کرنے یا شہر بدر کرنے کے مشورے کر رہے تھے۔ اسی طرح سے غزوہ بدر کے موقعہ پر بھی آمو جو ہوا۔ اول تو وہ مکہ

معظمہ ہی میں اس وقت مشرکین کے پاس پہنچا جب وہ بدر کے لئے روانہ ہونے میں جھجک رہے تھے اس موقع پر ابلیس سراقہ بن مالک بن جیشم کی صورت میں پہنچ گیا (یہ سراقہ بنی کنانہ کے سرداروں میں سے تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے) ابلیس نے قریش مکہ سے کہا کہ تم لوگ برگز اپنے ارادے سے باز نہ آؤ بلکہ چلے چلو میں تمہارا حامی اور مددگار ہوں۔ آج تم پر کوئی غلبہ پانے والا نہیں ہے۔ یہ تو مکہ میں ہوا پھر وہ بدر میں بھی موجود ہو گیا۔ جب مسلمانوں اور کافروں کی صفیں مقابلے کے لئے ترتیب دی گئیں تو یہاں بھی وہ مشرکین کی صف میں اسی سراقہ والی صورت میں موجود تھا اور حارث بن ہشام کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا، جب اس نے دیکھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے سامنے موجود ہیں تو وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگنے لگا حارث نے کہا کہ تو تو جنگ سے پہلے ہی بھاگ رہا ہے۔ اس پر اس نے حارث کے سینہ میں دھپ مارا اور اٹنے پاؤں چلا گیا اور اس نے یوں کہا کہ میں تم سے بیزار ہوں میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ یہ تو اس وقت کی بات ہوئی پھر جب قریش شکست کھا کر مکہ معظمہ پہنچے تو یوں کہنا شروع کیا کہ ہمیں سراقہ نے شکست دی۔ سراقہ کو یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا کہ تم لوگ میرے بارے میں ایسا کہتے ہو اللہ کی قسم مجھے تو تمہارے جانے ہی کی خبر نہیں ہوئی مجھے تو تمہاری شکست کی خبر پہنچی ہے۔ ان لوگوں نے کہا کیا تو فلاں دن ہمارے پاس نہیں آیا تھا؟ اس نے قسم کھا کر کہا مجھے تو اس کی بالکل خبر نہیں، پھر سراقہ اور دوسرے لوگ مسلمان ہو گئے تو پتہ چلا کہ یہ شیطان کی حرکت تھی۔ (معالم التنزیل صفحہ ۲۵۵ جلد ۲، روح المعانی صفحہ ۱۵ جلد ۱۰)

شیطان نے یہ جو کہا کہ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ (میں اللہ سے ڈرتا ہوں)..... اس کا مطلب حضرت عطاء نے یہ بتایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ دیگر ہلاک ہونے والوں کے ساتھ مجھے ہلاک نہ کر دے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ مجھے تمہارے بارے میں ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہلاک نہ فرما دے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ اللہ تخت عقاب والا ہے تم لوگوں پر تو عذاب آنے والا ہے۔ میں کیوں تمہارے ساتھ شریک رہوں، بعض حضرات نے فرمایا کہ ابلیس کا کلام اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ پر ختم ہو گیا اور اللہ شَیْذُ الْعِقَابِ جملہ مستأنفہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے لئے یہاں بھی سخت عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔ ابلیس اس موقع پر جو بھاگ گیا تو وہ اور اس کے ساتھی یہ نہ سمجھیں کہ عذاب سے بچ گئے آخرت کا عذاب تو لازمی ہی ہے جو شدید ہے۔ قال اللہ تبارک و تعالیٰ لَا تَلْمِزُنْ جَہَنَّمَ مِنْکَ وَیَمَّنْ تَبْعَلُ مِنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ ۔

اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰؤُلَاءِ دِیْنُہُمْ وَمَنْ

جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے گھمنڈ میں ڈال دیا اور جو کوئی شخص

یَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۵۰﴾

اللہ پر بھروسہ کرے تو بلاشبہ اللہ عزت والا ہے غلبہ والا ہے۔

منافقین کی بد اعتقادی اور بد زبانی -

منافقین آستین کا خنجر تھے مسلمانوں میں بھی اپنے کو شمار کراتے تھے اور کافروں سے بھی ان کا کام یہ تھا کہ اسلام کو نقصان پہنچائیں اور مسلمانوں پر طنز کریں۔ ان کی انہیں طنزیہ باتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جب صحابہؓ تھوڑی تعداد میں ہوتے ہوئے اپنے سے تین گنا تعداد سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے تو ان لوگوں نے کہا کہ انہیں اپنے دین پر بڑا غرور ہے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم چونکہ حق پر ہیں اس



لئے غالب ہو کر رہیں گے۔ یہ اپنے اس گھمنڈ کی وجہ سے یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ہم کس سے بھڑ رہے ہیں اور کس سے مقابلہ ہو رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے تو بلاشبہ اللہ غالب ہے وہ توکل کرنے والوں کو ضرور غلبہ دے گا جو اس سے مدد طلب کرے گا خواہ اس کی تعداد تھوڑی ہو وہ اس کی مدد فرمائے گا، وہ حکیم ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق مدد اور نصرت فرماتا ہے۔

الذین فی قلوبہم مرض (جن کے دلوں میں مرض ہے) سے کون لوگ مراد ہیں؟ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے بھی منافقین مراد ہیں اور یہ عطف تفسیری ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو قریش مکہ کے ساتھ آگئے تھے ان کے قلوب میں اسلام کے بارے میں تذبذب تھا، اسی تذبذب کو مرض سے تعبیر فرمایا۔

### معلومات ضروریہ متعلقہ غزوہ بدر

قرآن مجید میں غزوہ بدر کا جو تذکرہ فرمایا ہے اس کا بیان آیات کی تفسیر کے ذیل میں کر دیا گیا ہے۔ البتہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں جو کچھ معاملہ کیا گیا اس کا ذکر باقی ہے۔ وہ دو رکوع بعد آ رہا ہے ان شاء اللہ۔ بعض چیزیں جو رہ گئیں جن کا حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ذکر ہے ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱..... سترہ رمضان ۲ھ میں غزوہ بدر ہوا۔

۲..... مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی جن میں مہاجرین کی تعداد ۶ تھی اور باقی انصار میں سے تھے اوس میں سے بھی اور خراج میں سے بھی۔ البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۶۹ جلد ۳ میں حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔

۳..... قریش مکہ جو بدر میں پہنچے تھے ان کی تعداد ۹۰۰ سے لے کر ۱۰۰۰ تک کے درمیان تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ ۹۵۰ آدمی تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک ہزار سے بھی زیادہ تھی۔

۴..... جنگ شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے بتا دیا تھا کہ مشرکین میں فلاں شخص یہاں قتل ہو کر گرے گا فلاں شخص یہاں قتل ہو کر گرے گا، پھر ایسا ہی ہوا۔

۵..... اس موقع پر ستر مشرکین مقتول ہوئے اور ستر قید کر لئے گئے جن کی مشکلیں باندھ کر مدینہ منورہ لے جایا گیا۔

۶..... انہیں مقتول ہونے والوں میں اذہل بھی تھا جو مشرکین مکہ کو آمادہ کر کے لایا تھا اور جس نے فخر کرتے ہوئے بڑی بڑی باتیں کہی تھیں، اسے انصار کے دولڑکوں نے قتل کر دیا۔ تھوڑی سی رنق باقی رہ گئی تھی وہ حضرت ابن مسعودؓ کے سر کاٹ دینے سے ختم ہو گئی۔ اس کا کٹا ہوا سر لے کر حضرت ابن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے الحمد للہ فرمایا۔ انہیں مقتولین میں امیہ بن خلف بھی تھا۔ یہ وہی شخص تھا جو حضرت بلالؓ کو اسلام قبول کرنے پر مارا چپا کرتا تھا۔ حضرت بلالؓ نے اس موقع پر انصار کو آواز دی اور کہا کہ یہ کفر کا سرغنہ بچ کے نہ نکل جائے چنانچہ حضرات انصار نے اس کو گھیر لیا اور قتل کر دیا۔

۷..... جو مشرکین بدر میں قتل ہوئے تھے ان کی نعشوں کو وہیں ایک کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ البتہ امیہ بن خلف کی لاش پھول گئی تھی جب اسے زرہ میں سے نکالنے لگے تو اس کے گوشت کے ٹکڑے ہو گئے، لہذا اسے وہیں چھوڑ دیا گیا اور اوپر سے مٹی اور پتھر ڈال دیئے گئے۔

۸..... جب ان لوگوں کو کنوئیں میں ڈال دیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لئے گئے اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا کیا تمہیں اس بات کی خوشی نہ ہوتی کہ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کر لیتے۔ ہم نے تو اسے حق پایا جو ہمارے رب نے ہم سے وعدہ فرمایا

تھا۔ کیا تم نے بھی وہ وعدہ حق پایا جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ایسے اجسام سے کلام فرما رہے ہیں جن میں روح نہیں ہے آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو بات میں کہہ رہا ہوں ان سے بڑھ کر تم زیادہ سننے والے نہیں ہو (یعنی جیسے تم سن رہے ہو ایسے وہ بھی سن رہے ہیں) حضرت قتادہؓ (تابعی) نے فرمایا کہ اللہ نے ان کو زندہ فرمادیا تھا تاکہ وہ آپ کی بات ان کو سنائے اور ان کو حسرت اور ندامت ہو۔

۹..... بدر کے دن جو مسلمان شہید ہوئے ان میں چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے تھے۔

۱۰..... فتح یابی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تین دن بدر میں قیام فرمایا اور پہلے عبداللہ بن رواحہ اور حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہما کو فتح یابی کی خوشخبری دینے کے لئے مدینہ منورہ بھیج دیا تھا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے بیان فرمایا کہ ہمیں ایسے وقت میں فتح یابی کی خوشخبری کی خبر پہنچی جب ہم رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (رقیہ رضی اللہ عنہا) کے دفن سے فارغ ہو رہے تھے۔ یہ حضرت عثمان بن عفانؓ کی اہلیہ تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو مریض کی تیمارداری کے لئے مدینہ منورہ میں چھوڑ دیا تھا۔

۱۱..... غزوہ بدر میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت قتادہ بن نعمانؓ کی آنکھ حلقے سے نکل کر ان کے رخسار پر آ پڑی لوگوں نے چاہا کہ اسے کاٹ دیں آنحضرت ﷺ سے عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا مت کاٹو۔ پھر آپ نے ان کو باکرا اپنے دست مبارک سے آنکھ کے حلقے میں رکھ کر دبا دیا ان کی یہ آنکھ ٹھیک طرح لگ گئی اور اس کی روشنی دوسری آنکھ سے زیادہ اچھی ہو گئی۔ بعض دیگر صحابہ کے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا تیرا کر لگا تو ان کی آنکھ جاتی رہی، رسول ﷺ نے انکی آنکھ پر اپنا لعاب مبارک ڈال دیا وہ بالکل درست ہو گئی (ان مذکورہ امور کے حوالہ کے لئے صحیح بخاری کتاب المغازی اور البدایہ والنہایہ کی مراجعت کی جائے)۔

۱۲..... جو حضرات بدر میں شریک ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی فضیلت عطا فرمائی۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ میں ہرگز ایسا شخص داخل نہ ہوگا جو بدر یا حدیبیہ میں حاضر ہوا ہو۔ (قال فی النہایہ صفحہ ۲۹ جلد ۳)، (تفرد بہ احمد و هو علی شرط مسلم) صحیح بخاری صفحہ ۵۶۸ جلد ۱ میں ہے کہ حارثہ (بن سراقہ) غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کی والدہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئیں اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ (حارثہ سے جو مجھے خاص تعلق تھا وہ آپ کو معلوم ہے۔ سو اگر وہ جنت میں چلا گیا۔ تو میں صبر کرتی ہوں اور ثواب کی امید رکھتی ہوں اور دوسری کوئی بات ہے) یعنی دوزخ میں چلا گیا تو آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں۔ یعنی رو رو کر ڈھیر کر دوں گی (کمافی رویہ) آپ نے جواب میں فرمایا۔ افسوس کی بات ہے کہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ وہ ایک جنت تھوڑا ہی ہے۔ وہ بہت سی جنتیں ہیں اور تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں سے ہے۔ (صحیح بخاری صفحہ نمبر ۵۶۷ جلد ۲) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ صفحہ ۳۲۹ جلد ۳ میں لکھتے ہیں کہ یہ حارثہ معرکہ سے دور تھے اور نگرانی کرنے والوں سے دور تھے۔ حوض سے پانی پی رہے تھے کہ اچانک ایک تیرا آجا جو ان کی موت کا سبب بن گیا۔ جب اس شخص کو اتنا بڑا درجہ ملا کہ فردوس میں داخل کر دیا گیا (جو جنت کا سب سے بلند درجہ ہے) تو جن لوگوں نے قتال میں حصہ لیا، دشمن سے مقابلہ کیا ان کے درجات کا کیا عالم ہوگا؟

۱۳..... جس طرح مہاجرین اور انصار میں سے غزوہ بدر میں شریک ہونے والوں کو بڑی فضیلت ملی اسی طرح سے جو فرشتے اس غزوہ میں شریک ہوئے تھے دوسرے فرشتوں پر ان کو فضیلت دی گئی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت جبریلؑ آنحضرت ﷺ سے دردم عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ اہل بدر کو آپ کس درجہ میں شمار فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک وہ افضل المسلمین میں سے ہیں۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اسی طرح سے ہم بھی بدر میں شریک ہونے والے فرشتوں کو دوسرے فرشتوں سے افضل جانتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۶۹ ج ۲)

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَذْءَبَ أَسْرَهُمْ ۖ وَذُوقُوا

اور اگر آپ دیکھیں جبکہ فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہوئے ان کے مونہوں پر اور ان کے پشتوں پر مارتے جاتے ہیں اور یوں کہتے ہیں

عَذَابَ الْحَرِيقِ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝ كَذَّابِ

کہ جتنے کا عذاب کچھ لو۔ یہ ان اعمال کی وجہ سے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے اور بلاشبہ اللہ بندوں پر ظالم کرنے والا نہیں ہے۔ جیسا کہ

إِلٰ فِرْعَوْنَ ۖ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ لَنُرَوِّيَنَّآ آيَاتِ اللّٰهِ فَيَذُوبُ جُحُودُهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ

آل فرعون کی حالت تھی اور ان لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا سو اللہ نے انکے گناہوں کے سبب ان کو پگھلایا بے شک اللہ قوی

شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكْ مُغَيِّرًا لِّعَمَلِهِمْ ۖ اَنَعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُهَا

ہے سخت عذاب والا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ بلاشبہ اللہ کسی نعمت کا بدلے والا نہیں جو کسی قوم کو دی ہو یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنے ذاتی

مَا بِأَنفُسِهِمْ ۖ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ كَذَّابِ اِلٰ فِرْعَوْنَ ۖ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوْا

اعمال کو نہ بدل دیں اور بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ جیسا کہ آل فرعون اور ان لوگوں کی حالت تھی جو ان سے پہلے تھے انہوں نے اپنے

بَايَاتِ رَبِّهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۖ فَذُوبُوا ۖ وَاعْرِفْنَا اِلٰ فِرْعَوْنَ ۖ وَكُلُّ كَانُوا ظٰلِمِيْنَ ۝ اِنَّ

رب کی آیات کو جھٹلایا۔ سو ہم نے ان کے سبب انہیں ہلاک کر دیا اور ہم نے آل فرعون کو ڈبو دیا اور یہ سب ظالم تھے،

شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

بے شک زمین پر چلنے پھرنے والوں میں اللہ کے نزدیک بدترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا سو وہ ایمان نہ لائیں گے۔

### موت کے وقت کافروں کی پٹائی

ان آیات میں اول تو کافروں کے عذاب کا تذکرہ فرمایا جو انہیں موت کے وقت ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ معرکہ بدر میں جو کفار قریش مسلمانوں کے مقابلے میں آئے تھے اور پھر جنگ میں مارے گئے جب وہ مقتول ہو رہے تھے تو فرشتے ان کو ان کے مونہوں اور پشتوں پر مار رہے تھے اور موت کے بعد جہنم کے عذاب میں مبتلا ہونے کی خبر انہیں دے رہے تھے۔ مفسرین کثیر نے حضرت مجاہدؒ سے یہی نقل کیا ہے اور دیگر مفسرین نے اس مضمون کو عام بتایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتوں کا کافروں کے چہرے اور پشتوں پر مارنا مقتولین بدر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام کافروں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ سورہ محمد کی آیت میں ارشاد ہے:

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّيْنَاهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَذْءَبَ أَسْرَهُمْ ۖ

ہوں گے اور ان کے چہرے اور پشتوں پر مار رہے ہوں گے (دوسرا قول راجح معلوم ہوتا ہے اس کے عموم میں مقتولین بدر بھی آجاتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيْدِيَكُمْ کہ یہ جو کچھ موت کے وقت کے بعد کی سزا ہے تمہارے اپنے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے جو تم دنیا میں کرتے رہے اور انہیں آگے بھیجتے رہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلّٰمٍ قَلْبِيْدٍ (اور یا شبہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے) کیونکہ جو سزا اللہ کی طرف سے کسی کو دی جاتی ہے وہ بندوں کے اعمال کا بدلہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: تَكْذٰبُ الْاِلٰهِيْنَ عَوْنٌ لِّوَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيَاتِ اللّٰهِ۔

ان مجرموں پر جو اللہ کی طرف سے عذاب آیا یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اپنی آیات بھیجتا ہے یہ آیات آفاقیہ بھی ہوتی ہیں اور آیات انفسیہ بھی ہوتی ہیں اور آیات صحیفہ بھی جو اللہ کی کتابوں اور صحیفوں میں موجود ہوتی ہیں۔ بندے اگر غور و فکر سے کام لیں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کو پہچانیں اور اس کے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لائیں اور احکام الہیہ کو بجالائیں تو ایمان قبول کرنے کی طرف ذہن چلے، بحر میں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اللہ کی آیات کے منکر ہوئے اس کے نبیوں کو جھٹلایا اور توحید سے انحراف کیا شرک میں مبتلا ہوئے لہذا دنیا میں بھی اپنے گناہوں کی وجہ سے سزایاب ہوئے اور آخرت میں بھی کافروں کے لئے سخت عذاب ہے۔

سابقہ امتوں نے آیات الہیہ کو جھٹلایا جس کی وجہ سے ہلاک ہوئیں ..... پھر بطور مثال کے فرمایا: تَكْذٰبُ الْاِلٰهِيْنَ عَوْنٌ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (الآیہ) (جیسا کہ آل فرعون اور ان لوگوں کی حالت تھی جو ان سے پہلے تھے) اس میں یہ بتایا ہے کہ جیسے آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کے ساتھ معاملہ ہوا اسی طرح اس زمانہ کے مجرمین کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ اللہ کے دین پر نہ آئیں گے اللہ کے نبیوں اور اس کی کتابوں کو جھٹلائیں گے تو یہ بھی مستحق عذاب ہوں گے پھر ایک قاعدہ کلیہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔

(کسی قوم کو اللہ نے جو نعمت عطا فرمائی اس نعمت کو اللہ تعالیٰ نے نہیں بدلہ جب تک وہی لوگ اپنے ذاتی اعمال کو نہ بدلیں) جب لوگ خود بدل جاتے ہیں۔ کفر و شرک اختیار کرتے ہیں نافرمانیوں پر تل جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی نعمت چھین لیتا ہے۔ جب لوگ ایمان چھوڑ دیں اچھے اعمال کو ترک کر دیں۔ برے اعمال میں لگ جائیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت میں بھی تغیر آ جاتا ہے۔ یہ نعمت چھین لی جاتی ہے اور بندے نعمت اور عذاب میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (اور بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے) سب کے اقوال کو سنتا ہے سب کے احوال کو جانتا ہے کسی میں کیسا ہی کوئی تغیر فعلی یا قولی ہو جائے وہ سب سے باخبر ہے۔

اس کے بعد مکرر آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا لہذا ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا

پہلے كَفَرُوْا بِآيَاتِ اللّٰهِ فرمایا اور دوسری جگہ تَكْذَبُوْا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ فرمایا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کا بھی انہوں نے خیال نہ کیا جس نے پیدا فرمایا، پرورش فرمائی پرورش کے سامان پیدا فرمائے۔ حاجات پوری کیں، اس کی آیات کو جھٹلانا سراسر ناشکری ہے عقلی ہے لہذا ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا گیا۔ پھر آل فرعون کے غرق کئے جانے کی تصریح فرمائی ..... وَاعْرِضْ عَلٰی قَوْمِ الْفٰرِغٰتِیْنَ اور ہم نے فرعون والوں کو ہلاک کر دیا۔

آخر میں فرمایا وَكُلٌّ كَانُوا ظٰلِمِيْنَ، اور یہ سب (آل فرعون اور اس سے پہلے جو تکذیب کرنے والی امتیں تھیں جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد اور ثمود) ظالم تھے انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا غرض اختیار کیا اور معاصی میں برستے چلے گئے۔ ان کی حرکتیں ان کی

بربادی کا باعث بنیں۔

اہل کفر جانوروں سے بدتر ہیں..... پھر فرمایا اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ (الایہ) (بے شک اللہ کے نزدیک زمین پر چنے پھر نے والوں میں سب سے برے وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا) الدواب ذابۃ کی جمع ہے ہر چیز جو زمین پر چلے پھرے لغوی اعتبار سے یہ لفظ سب کو شامل ہے۔ لیکن محاورات میں دابہ چوپایوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۲۱ جلد ۱۰ میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شَرُّ النَّاسِ نہیں فرمایا بلکہ شَرُّ الدَّوَابِّ فرمایا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ گویا یہ لوگ جنس انسانی نہیں ہیں جنس دواب میں سے ہیں اور اس جنس کے بدترین افراد میں سے ہیں فَهْمٌ لَا يَنْوُصُونَ (سو یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے) ان کی سرکشی بہت آگے بڑھ گئی ہے اور کفر میں راح اور مضبوط ہو چکے ہیں لہذا یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ ان کے پیچھے اپنی جان ہلاک نہ کریں۔ آپ کے کرنے کا جو کام تھا (یعنی دعوت حق اور باغ مبین) وہ آپ کر چکے۔

الَّذِيْنَ عٰهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عٰهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّۃٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝ فَاَمَّا

یہ وہ لوگ ہیں جن سے آپ نے معاہدہ کیا پھر وہ اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتے سو اگر آپ ان کو

تَشَقَّقْتَهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ وَاَمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قُوٰمٍ

جنگ میں پالیں تو ان کے ذریعہ ان لوگوں کو منتشر کر دیجئے جو انکے پیچھے ہیں تاکہ ان کو بہت حاصل ہو، اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو ان

خِيَانَتَهُ فَاَنْذِرْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخٰٓيِنِيْنَ ۝

سے جو عہد آپ نے کیا ہے وہ ان کی طرف بھیج دیجئے تاکہ وہ آپ برابر ہو جائیں بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

کافر لوگ معاہدہ کے بعد عذر کرتے ہیں انہیں عبرت ناک سزا دو

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ پہلی آیت اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَ مِنْهُمْ میں یہودی قرظہ کا تذکرہ ہے ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ کیا تھا کہ آپ کے مقابلہ میں کسی کی مدد نہیں کریں گے۔ پھر انہوں نے ہتھیار دے کر مشرکین کی مدد کی جب ان سے سوال کیا گیا تو کہنے لگے کہ ہم بھول گئے تھے۔ اس کے بعد پھر معاہدہ کیا تو اسے بھی توڑ دیا اور غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کے مددگار بن گئے۔ ان کا سردار (کعب بن اشرف) مکہ معظمہ گیا اور اس نے مشرکین مکہ سے معاہدہ کیا کہ ہم تمہارے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ سے جنگ کریں گے۔

اسی کو فرمایا ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عٰهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّۃٍ (پھر وہ ہر مرتبہ اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں) وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ۔ اور وہ اللہ سے نہیں ڈرتے اور عہد شکنی کی بدنامی سے بھی نہیں بچتے۔

پھر فرمایا فَاَمَّا تَشَقَّقْتَهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ۔

(سو اگر آپ انہیں جنگ میں پالیں تو ان کے ذریعہ ان لوگوں کو منتشر کر دیں جو ان کے پیچھے ہیں) یعنی لڑائی کے موقع پر آپ ان پر ایسا حملہ کریں کہ یہ ناکام ہو جائیں۔ ان کی ناکامی اور آپ کی کامیابی کا جب شہرہ ہوگا تو ان کے پیچھے یعنی ان کے علاوہ بہت سے قبائل ہیں وہ

بھی منتشر ہو جائیں گے اور آپ پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کریں گے لَعَلَّہُمْ یَذَّکَّرُونَ تاکہ ان کو عبرت حاصل ہو اور وہ جان لیں کہ نقض عہد کرنے والوں کا اور کفر سے چھٹنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

اہل ایمان کو غدر اور خیانت کی اجازت نہیں..... اہل ایمان کو کبھی نقض عہد کی ضرورت پیش آ جاتی ہے اور یہ جب ہوتا ہے جب دشمن سے خطرہ ہو کہ وہ اپنا عہد توڑنے والا ہے اگر ہم نے اپنے عہد کی پاسداری کی اور انہوں نے اپنا عہد توڑ دیا اور اچانک غفلت میں انہوں نے حملہ کر دیا تو ہمیں تکلیف پہنچے گی۔ ایسے موقع پر طریق کار یہ ہے کہ خود ان پر غفلت میں حملہ نہ کریں..... ہاں ایسا کریں کہ پہلے اعلان کر دیں اور ان کو بتا دیں کہ ہمارا تمہارا جو معاہدہ تھا ہم اسے ختم کر رہے ہیں۔ اسی کو فرمایا وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْہُمْ عَلٰی سِنَاۃ۔

اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو جو عہد آپ نے ان سے کیا وہ ان کی طرف بھیج دینا کہ تاکہ آپ اور وہ اس بات کے جاننے میں برابر ہو جائیں کہ اب معاہدہ باقی نہیں رہا۔ اگر معاہدہ کیا اور ان کا معاہدہ واپس نہ کیا اور معاہدہ ختم کرنے کی اطلاع کے بغیر حملہ کر دیا تو یہ غدر ہوگا اور خیانت ہوگی جس کی اسلام میں اجازت نہیں ہے اسی کو فرمایا: اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ الْمُخَآئِنِیْنَ۔ (بما شہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا) ہو سکتا تھا کہ بعض مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات آ جاتی کہ چونکہ دشمن، دشمن ہے، کچھ بھروسہ نہیں کہ اپنا عہد توڑ دے۔ اس لئے ہم اپنی حفاظت کے لئے پہلے حملہ کر دیں تو ہماری حفاظت ہو جائے گی اس خیال کو دفع کرنے کے لئے یہ نصیحت فرمائی کہ گو کہ کافر تمہارے دشمن ہیں لیکن جب معاہدہ ہو گیا تو اب تمہارے لئے معاہدے کی خلاف ورزی جائز نہیں اگر ان سے عہد کی خلاف ورزی کا ڈر ہے تو تم پہلے ان کو بتادو ہمارا عہد ختم ہے اس کے بعد تمہیں حملہ کرنا جائز ہو گیا۔ سبحان اللہ! عہد کی پاسداری کا شریعت اسلامیہ میں کتنا اہتمام ہے۔ اسی کو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس میں چار چیزیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور ان چار میں سے ایک فحشلت ہوگی تو اس میں نفاق کا ایک حصہ مانا جائے گا جب تک اسے چھوڑ نہ دے۔

(۱)..... جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے

(۲)..... اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

(۳)..... اور جب معاہدہ کرے تو دھوکہ دے۔

(۴)..... اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۴۵۱ جلد ۱)

ہر مسلمان کو معاہدہ کی پاسداری لازم ہے حکومت سے معاہدہ ہو یا کسی جماعت سے یا کسی فرد سے اس کی خلاف ورزی حرام ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین شخصوں پر میں دعویٰ کرنے والا ہوں ایک وہ شخص جس نے میرا نام لے کر عہد کیا اور پھر غدر کیا اور ایک وہ شخص جس نے کسی آزاد کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھا گیا، اور ایک وہ آدمی جس نے کسی مزدور کو کام پر لگایا اس سے پورا کام لیا اور اس کی مزدوری نہ دی۔ (رواہ البخاری صفحہ ۳۰۲ جلد ۱)

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے من قتل معاہدالم یروح رائحة الجنة۔

(جس نے کسی عہد والے کو قتل کر دیا جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھے گا۔ (رواہ البخاری صفحہ ۴۴۸ جلد ۱)

فائدہ..... اگر دوسرا فریق معاہدہ کی خلاف ورزی کر دے اور پتہ چل جائے کہ انہوں نے خیانت کی ہے۔ مثلاً وہ مسلمانوں پر حملہ کر دیں اور کوئی ایسی خلاف ورزی کر دیں جس سے معاہدہ ٹوٹ جاتا ہو تو پھر اپنی طرف سے عہد توڑنے کی اطلاع کرنے کی ضرورت نہیں

اور جب اپنی طرف سے عہد توڑنا ہو تو ان کو اس کی اطلاع دینی ہو تو ان کے ہر فرد کو اطلاع دینا ضروری نہیں جب ان کے صاحب اقتدار کو نقص عہد کی اطلاع دے دی اور اتنی مدت گزر گئی کہ وہ اس وقت میں اپنے اطراف مملکت میں خبر پہنچا سکتا تھا تو یہ کافی ہے۔

(ذکرہ صاحب الہدایہ باب الموادع من یجوز امانہ)

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿۸﴾ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ

اور کافر لوگ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ وہ آگے بڑھ کر نہ نکلے۔ وہ لوگ عاجز نہیں کر سکیں گے۔ اور ان کے مقابلہ کے لئے تیاری کر دو جو کچھ تم سے ہو سکے

مِنْ ثَوِيٍّ وَ مِنْ رَبَاطٍ الْغَيْلِ تُرَبِّبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَ آخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ

قوت سے بھی اور پلے ہوئے گھوڑوں سے بھی اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور ان لوگوں کو جو ان کے علاوہ ہیں ڈراتے رہو،

لَا تَعْلَمُونَهُمُ ۚ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ

تم ان کو نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے اور جو بھی کوئی چیز تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا

وَأَنْتُمْ لَا تَظْلَمُونَ ﴿۹﴾

اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

دشمنوں سے مقابلہ کے لئے سامان حرب تیار رکھو اور انہیں ڈراتے رہو

ان آیات میں اول تو کافروں کو تنبیہ فرمائی کہ یہ کفار جو جنگ کے موقع سے بچ نکل گئے مقتول نہ ہوئے اور قید میں بھی نہ آئے یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے اور بچ نکلے تو کامیاب ہو گئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قوتی طور پر بچ جانا مستقل بچاؤ نہیں ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے باہر نہیں ہیں وہ اسے عاجز نہیں کر سکتے، وہ چاہے گا تو دنیا میں بھی انہیں عقوبت میں مبتلا فرمائے گا اور آخرت میں تو بہر حال برکافر کے لئے سخت سزا ہے جس کا بیان قرآن مجید میں بار بار کیا گیا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم سے جو بھی کچھ ہو سکے دشمنوں سے لڑنے اور ان کا دفاع کرنے کے لئے ہر طرح کی قوت تیار رکھو۔ لفظ مَا اسْتَطَعْتُمْ بہت عام ہے ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق تیار کرنے کو شامل ہے اور مِنْ قُوَّةٍ بھی نکرہ ہے یہ بھی عام ہے اور ہر قسم کی قوت جمع کرنے کو اس کا عموم شامل ہے، جس طرح کے ہتھیاروں کی جس زمانہ میں ضرورت ہو ان سب کا بنانا فراہم کرنا اور دوسری ہر طرح کی قوتیں اتحاد و اتفاق اور باہمی مشورہ۔ یہ سب لفظ مِنْ قُوَّةٍ میں داخل ہیں نیز مِنْ رِبَاطٍ الْغَيْلِ فرما کر پلے ہوئے گھوڑے تیار رکھنے کا بھی حکم فرمایا آیت بالا میں جو مِنْ قُوَّةٍ فرمایا کہ جہاں تک ممکن ہو ہر طرح کی قوت تیار کرو اسکی تفسیر فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمِيَّ - اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمِيَّ - یعنی قوت تیر پھینکنا ہے۔ تین بار ایسا فرمایا۔ (رواہ مسلم صفحہ ۱۳۳ جلد ۱)

اور تیر پھینکنے کو قوت اس لئے فرمایا کہ اس میں دور سے دشمن پر حملہ کیا جاسکتا ہے۔ دود و سامنے آجائیں تو تلوار ہی سے لڑنا پڑے گا اور دور سے مقابلہ ہو تو دور ہی سے تیر اندازی کر کے دشمن کو پسپا کیا جاسکتا ہے اسی لئے غزوہ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابہؓ

سے فرمایا کہ جب دشمن تمہارے قریب آجائیں تو تیرا مارنا اور اپنے تیروں کو حفاظت سے رکھنا۔ (رواہ البخاری صفحہ ۵۶۷)  
مطلب یہ کہ جب دشمن دور رہے تو اپنے تیروں کو پھینک کر ضائع نہ کرو کیونکہ وہ زمین میں گر جائیں گے۔ جب دشمن اتنا قریب آجائے کہ ان کو تیر لگ سکے تو ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دور ہا مسئلہ تلوار سے قتال کرنے کا تو جب بالکل سامنے آجائیں تو پھر جم کر تلوار کے ذریعے جنگ کی جائے۔

الْاِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمٰی کا عموم دور حاضر کے بموں کو بھی شامل ہے..... آنحضرت سرور عالم ﷺ نے جو الا ان القوة الرومی فرمایا اور لفظ رومی کا مفعول ذکر نہیں کیا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ پھینکنے کی جب کوئی چیز ایجاد ہو جائے وہ سب قوت کے مفہوم میں داخل ہوگی اور مسلمانوں کو اس کو حاصل کرنا بھی لازم ہوگا۔ جدید ہتھیار میزائل، بم سب اسی مفہوم میں شامل ہیں مسلمانوں پر لازم ہے کہ بحکم وَعَدُوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ ہر طرح کے جدید ہتھیار تیار کر لیں اور خود بنائیں۔ ضرورت پڑے تو دوسرے سے بھی خرید سکتے ہیں لیکن صرف خریداری پر موقوف نہ رکھیں۔ آج کل تو جدید اسلحہ بنانے والے اہل کفر ہی ہیں اور کفر ملت واحدہ ہے۔ وہ کافروں کو پہلے دیں گے اور زیادہ دیں گے اور مسلمانوں کو اگر چاہیں گے تو تھوڑے ہتھیار دیں گے اور قیمت بہت زیادہ لیں گے۔ مسلمانوں کی یہ کتنی بڑی غفلت ہے کہ..... اہل کفر سے ہتھیار خریدتے ہیں اور خود نہیں بناتے اور اہل کفر کو اپنے اوپر مسلط کر رکھا ہے، وہ مجبور کرتے ہیں کہ تم کیا بنا رہے ہو ہمیں دکھاؤ۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اپنی حیثیت کچھ بھی نہیں، یہ بہت بڑی بھول ہے۔ اسلام نے برتر ہو کر زندہ رہنا بتایا ہے۔ کافروں کے سامنے جھکنے اور انہیں راز دار بنانے کی اجازت نہیں دی۔ اپنی قوت تیار رکھنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا: تَرَوْهُبُونَ لَهُ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔

(اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے رہو) جب طاقت ہوگی اور دشمنوں کو اس کی خبر ہوگی تو وہ تم سے ڈرتے رہیں گے اور حملہ آور ہونے کی ہمت نہ کریں گے

وَالْاٰخِرِیْنَ مِنْ ذٰلِکُمْ جو فرمایا اس کے بارے میں حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس سے یہود کا قبیلہ بنو قریظہ مراد ہے اور حضرت حسن نے فرمایا کہ اس سے منافقین مراد ہیں جو مسلمانوں میں مل جل کر رہتے ہیں اور اندر سے دشمن ہیں ان کو تمہاری طاقت کا پتہ ہوگا تو خود بھی ڈریں گے اور دوسروں کو بھی حملہ کرنے کی دعوت نہ دیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے فارس اور روم کے کافر مراد ہیں۔ جن سے نزول قرآن کے وقت تک مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ بعد میں حضرات صحابہؓ نے ان کو شکست دی اور ان کے ممالک فتح کئے لَاعْلَمُوْا نَهُمُ اللّٰهُ یَعْلَمُهُمْ میں اس کی طرف اشارہ ہے، پھر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا وَمَا تَنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفِّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَظْلَمُوْنَ (اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہ ہوگا) یعنی ایسا نہ ہوگا کہ ثواب ضائع کر دیا جائے۔ چونکہ ہتھیار تیار کرنے میں مال خرچ ہوتا ہے اور گھوڑے پالنے میں بھی خرچ کرنا پڑتا ہے اور جہاد میں شریک ہونے کے لئے بھی مال کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے ہتھیاروں کی تیاری کا حکم دینے کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو بھی کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس سب کا پورا پورا اجر پاؤ گے۔

وَ اِنْ جَنَحُوا لِلسَّلٰمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلٰی اللّٰهِ ۚ اِنَّهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۰﴾

اور اگر وہ لوگ صلح کے لئے مائل ہو جائیں تو آپ بھی اس کے لئے مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ کیجئے۔ بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔



وَإِنْ يَرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۖ هُوَ الَّذِي آتَاكَ بِنُصْرِهِ وَ

اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو بے شک اللہ آپ کو کافی ہے، اللہ وہی ہے جس نے اپنی مدد کے ساتھ اور اہل ایمان کے ساتھ

بِالْمُؤْمِنِينَ ۚ وَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلْفَتْ بِينَ

آپ کو قوت دی اور ان کے دلوں میں الفت پیدا فرمائی۔ اگر آپ سب کچھ خرچ کر دیتے جو زمین میں ہے تب بھی آپ ان کے دلوں میں الفت

قُلُوبِهِمْ وَلَئِنَّ اللَّهَ أَلَفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ

پیدا نہیں کر سکتے تھے، اور لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت پیدا فرمائی، بے شک وہ غلبہ والا ہے، اے نبی! آپ کو اللہ

اللَّهُ وَمَنْ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

کافی ہے اور وہ مومن بندے جنہوں نے آپ کا اتباع کیا۔

دشمن صلح پر آمادہ ہوں تو صلح کی جاسکتی ہے

اس سے پہلی آیات میں جہاد کے لئے سامان تیار کرنے کا حکم تھا اور نفقہ عہد کے سلسلہ میں بعض ہدایات تھیں۔ ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ دشمن اگر صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جائیں۔ یہ امر وجوبی نہیں ہے موقع مصلحت سے متعلق ہے اگر اس میں دارالاسلام اور اہل اسلام کی مصلحت ہو تو صلح کی جاسکتی ہے۔ جنگ کرنا مقاصد میں سے نہیں ہے۔ اگر صلح سے کام چلتا ہے تو صلح کر لیں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ ان سے جزیہ لینا قبول کر لیں۔ صلح کا یہ بھی فائدہ ہوگا کہ وہ لوگ اس کی بنیاد پر ملیں جلیں گے تو آپس میں ایک دوسرے کے ملک میں آنا جانا ہوگا۔ اس سے اہل کفر مسلمانوں کے اخلاق و اعمال سے اذان و نماز سے متاثر ہوں گے اور اسلام کی طرف راغب ہوں گے۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ لفظ وَإِنْ جَنَحُوا میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان خود سے صلح کی پیش کش نہ کریں اور وہ لوگ پیش کش کریں تو صلح کر لیں۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

واذا رأى الامام ان يصلح اهل الحرب او فريقا منه وكان في ذلك مصلحة للمسلمين فلا بأس به لقوله تعالى وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلَامِ فاجنح لهما وتوكل على الله لان المودعة جهاد معنى اذا كان خيرا للمسلمين لان المقصود هو دفع الشر حاصل به بخلاف ما اذا لم تكن خيرا لانه ترك الجهاد صورة ومعنى (صفحہ ۶۳ جلد ۱) اگر امام کی رائے اہل حرب یا ان کی کسی جماعت سے صلح کرنے کی ہو اور اس میں مسلمانوں کا فائدہ ہو تو صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِذَا رَاَهُ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ؛ نیز صلح بھی ایک معنی میں جہاد ہی ہے جبکہ صلح میں مسلمانوں کی بھلائی ہو کیونکہ مقصد اصلی تو شر کا دور کرنا ہے اور وہ مقصد صلح سے بھی حاصل ہو رہا ہے برخلاف اس صورت کے کہ صلح میں مسلمانوں کی بھلائی نہ ہو کہ یہ صلح جائز نہیں کیونکہ ایسی صلح کرنا صورت و معنی جہاد ترک کرنا ہے (و ان جَنَحُوا سے بعض اکابر نے جو یہ استنباط کیا ہے کہ اپنی طرف سے صلح کی پیش کش نہ ہو اس کی تائید سورہ محمد کی آیت فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ سے بھی ہوتی ہے۔ ہاں اگر کوئی بہت ہی ایسی مجبوری ہو جائے کہ مسلمان کسی جگہ زغہ میں آجائیں اور صلح کے بغیر کوئی صورت چھکارے کی نہ ہو تو اپنی طرف سے بھی صلح کی پیش کش کی گنجائش ہے رہی یہ بات کہ ہو سکتا ہے کافر صلح کر کے بدعہدی کر دیں اور حملہ آور ہو جائیں۔ اس کے لئے فرمایا

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ (اور آپ اللہ پر بھروسہ کریں بلاشبہ وہ سنے والا جاننے والا ہے) اگر صلح میں مصالحت دیکھیں تو آپ صلح کریں ایسے احتمالات کو بنیاد بنا کر صلح کی پیش کش کو نہ ٹکرائیں۔ پھر فرمایا: وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنْ حَسِبْتَ اللَّهَ أَكْذَرُ مِمَّا تُخَدَعُونَ فَلَا يَكْذِبُكَ اللَّهُ۔ اگر وہ آپ کو بھوکہ دینے کا ذریعہ بنائیں تو اللہ آپ کی مدد کے لئے کافی ہے ان کا مکر و فریب اور چال بازی سب خاک میں مل جائے گی اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ نصیب فرمائے گا

پھر فرمایا: هُوَ الَّذِي آتَاكَ بِبَصَرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ۔ (اللہ وہی ہے جس نے اپنی مدد کے ذریعہ آپ کو قوت عطا فرمائی) (جس میں فرشتوں کے ذریعہ بھی امداد کرنا بھی شامل ہے) اور اس نے مسلمانوں کے ذریعہ بھی آپ کو قوت دی) اور مسلمانوں کا لشکر آپ کے ساتھ رہا جنہوں نے ثابت قدمی کے ساتھ جنگ کی۔

مزید فرمایا: وَالْفَبْنُ قُلُوبُهُمْ۔ (اور اللہ نے مؤمنین کے دلوں میں الفت پیدا فرمائی) یہ آپس کی الفت و محبت ایسی چیز ہے جو دشمنوں کے مقابلہ میں جتنے اور ان کو شک دینے اور زیر کرنے کا ذریعہ بن گئی۔ جو لوگ زمانہ کفر میں آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی توفیق دی پھر ان کے قلوب میں الفت و محبت پیدا کر دی۔ جس کو آل عمران میں فرمایا:

وَإِذْ كُفِّرُوا بِنِعْمَةِ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَذْ كُنْتُمْ أَغْدَاءَ فَآلَفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ۔ (اور یاد کرو اللہ کے اس انعام کو جو اس نے تم پر فرمایا جبکہ تم دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔ یہ الفت پیدا فرمانا اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور مشیت سے یہ محبت پیدا ہوئی۔ اسی کو فرمایا:

لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا آلَفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ آلَفَ بَيْنَهُمْ (اگر آپ وہ سب کچھ خرچ کر دیتے جو زمین میں ہے۔ تب بھی ان کے درمیان الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت پیدا فرمائی) پھر فرمایا: إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ (بلاشبہ اللہ غلبہ والا ہے حکمت والا ہے)

اس کے بعد فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ (اے نبی آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور مؤمنین کافی ہیں جنہوں نے آپ کا اتباع کیا) اصل مدد تو اللہ ہی کی ہے۔ جو حقیقی مدد ہے اور ظاہری اسباب کے طور پر مسلمانوں کی جماعت اور جمعیت بھی آپ کے ساتھ ہے۔ یہ حضرات آپ کا اتباع کرنے والے ہیں جہاں دیگر مسائل معاد اور اسباب معاش میں آپ کا حکم بجا لاتے ہیں وہاں جہاد میں بھی دل سے اور جان و مال سے آپ کا اتباع کرنے والے ہیں، اہل ایمان کی جماعت مخلص ہو رسول اللہ ﷺ کی متبع ہو متحد اور مجتمع ہو تو دشمن ان پر غالب نہیں آسکتا۔ صاحب روح المعانی (صفحہ ۳۰ جلد ۱۰) نے حضرت ابن المسیب سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اس دن نازل ہوئی جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما سلام لائے تھے۔ ان کے اسلام قبول کرنے پر حشمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی تھی (اس کے بعد برابر تعداد بڑھتی رہی اور قوت و شوکت میں بھی روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔ واللہ اعلم علی ذلک)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۖ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَبَرُوا

اے نبی آپ مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے اگر تم میں سے بیس افراد ثابت قدم رہنے والے ہوں گے

يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ

تو دو سو پر غالب ہو جائیں گے، اور اگر تم میں سے سو افراد ہوں گے تو ہزار کافروں پر غالب ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے کہ یہ

قَوْمٌ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ اَلَنْ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ

غُلَبٌ فَهِيَ غُلَبٌ ۚ اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

ثَابِتٌ قَدَمٌ رَّجُلٍ سَوَادٌ دُوْسُوْا غُلَبٌ ۚ اَنْتُمْ فِيْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

ثابت قدم رہنے والے سواروں کے تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے۔ اور تم میں سے ایک ہزار افراد ہوں گے تو اللہ کے حکم سے وہ ہزار پر غالب ہوں گے

## وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

اور اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔

دشمن کی دوگنی تعداد ہو تب بھی راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں

ان آیات میں اول تو رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیں آپ جہاد کی ترغیب دیتے تھے اور اس کے منافع بتاتے تھے جس میں سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے آپ کی ترغیب اور تحریض پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم خوب ثابت قدمی کے ساتھ لڑتے تھے اور جانیں دیتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ مسلمانوں میں سے اگر بیس آدمیوں کی تعداد ہوگی اور وہ ثابت قدمی کے ساتھ جم کر لڑیں گے تو اپنے مقابل کافر کے دو سو آدمیوں پر غالب آئیں گے اور اگر سو مسلمان ہونگے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی تھا اور اس وعدہ میں یہ حکم بھی مضمر ہے کہ مسلمان اپنے سے دس گنا تعداد کے مقابلہ میں راہ فرار اختیار نہ کریں اور جم کر لڑیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس گنا تعداد کے مقابلہ میں غالب پانے کا وعدہ ہو گیا تو اب راہ فرار اختیار کرنے کا کوئی موقع نہ رہا۔

صاحب روح المعانی صفحہ ۳۱ جلد ۱۰ میں لکھتے ہیں۔ شرط فی معنی الامر بمصابرة الواحد العشرة والوعد بانهم ان صبروا وغلبوا بعون الله ونائيدہ فالجملة خبرية لفظا انشائية معنی (یہاں سے دس کافروں کے مقابلہ میں ایک مؤمن کے غلبہ کے معاملہ میں صبر کی شرط لگائی گئی ہے اور وعدہ اس طرح ہے کہ اگر یہ صبر کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور نائیدہ سے غالب آئیں گے پس جملہ لفظی طور پر تو خبر یہ ہے مگر معنی انشائیہ ہے)

یہ جو فرمایا بَانْهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُوْنَ۔ اس میں یہ بتایا کہ کافر اس وجہ سے مغلوب ہوں گے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے اللہ کو اور آخرت کے دن کو نہیں مانتے وہ ثواب کے لئے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کے لئے اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے نہیں لڑتے ان کا لڑنا حمیت جاہلیہ اور شیطان کے اتباع کی وجہ سے ہے بخلاف اہل ایمان کے کہ وہ اللہ کی رضا کے لئے اور اس کا بول بالا کرنے کے لئے لڑتے ہیں۔ لامحالہ وہ غالب ہوں گے اور کافر مغلوب ہوں گے۔ (کذا فسرہ صاحب الروح)

اس کے بعد فرمایا: اَلَنْ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا۔

اس کا سبب نزول بتاتے ہوئے حضرت امام بخاری نے صفحہ ۷۷ جلد ۲ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب پہلی آیات اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ نَازِل ہوئی تو مسلمانوں کو یہ بات بھاری معلوم ہوئی کہ دشمن کے افراد دس گئے ہوں تب بھی ان کے مقابلہ سے راہ فرار کرنے کی اجازت نہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمادی اور دس گئے افراد سے مقابلہ کرنے کا جو حکم دیا گیا تھا اس کے

بجائے یہ حکم دے دیا کہ سوا افراد، دوسو کے مقابلہ سے راہ فرار اختیار نہ کریں (یعنی دوگنی جماعت کے مقابلہ سے راہ فرار اختیار کرنا ممنوع ہو گیا) حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمادی اور دس گنا افراد کے مقابلہ میں لڑنے کا جو حکم تھا اس کے بجائے اپنے سے دوگنی جماعت سے لڑنے کا حکم دے دیا اور راہ فرار اختیار کرنے سے منع فرمایا تو اسی قدر ان کے صبر میں کمی فرمادی۔

بعض حضرات نے علم أَن فَيُكْفَمُ ضَعْفًا کا یہ مطلب بتایا ہے کہ عہد اول میں حضرت صحابہؓ اگرچہ عدد میں تھوڑے تھے لیکن توکل علی اللہ ان میں بہت زیادہ تھا۔ لہذا دس گنی جماعت سے بھی ثابت قدمی کے ساتھ لڑ سکتے تھے بعد میں مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تو ان کے بعد آنے والے مسلمانوں میں صبر و استقامت کی وہ شان نہیں تھی جو ان سے پہلے والوں میں تھی اور کثرت پر بھی اعتماد ہو گیا لہذا ضعف کی شان پیدا ہو گئی۔ اللہ جل شانہؓ نے دس گنا افراد کے مقابلہ کے بجائے دو گنا افراد سے مقابلہ کرنے کے لئے حکم دے دیا اور ان سے راہ فرار اختیار کرنے سے ممانعت فرمادی۔ یہ تخفیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے اس سورت کے دوسرے رکوع میں اَلْأَمْتَحَبَرُ فَلْيَقْتَالْ أَوْ مَتَحَبَرًا إِلَى فِتْنَةٍ جو گزرا ہے۔ اس کی تفسیر دوبارہ دیکھ لی جائے۔ قانون تو یہ بنا دیا کہ دو گنی تعداد کے مقابلہ میں راہ فرار اختیار نہ کریں، لیکن اللہ جل شانہؓ نے ہمیشہ مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ فارس اور روم کے جہادوں میں بھاری تعداد میں دشمن سامنے آئے اور مسلمانوں کی تعداد کم ہونے پر بھی دشمنان دین کو شکست ہوئی جس کے واقعات تاریخ میں مذکور ہیں۔

آیت کے ختم پر فرمایا وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ اس میں یہ بتایا کہ طاعت پر جتنے والوں اور مصیبت ترک کرنے والوں کا اللہ ساتھی ہے یعنی وہ ان کی مدد فرمائے گا۔ لہذا مؤمن ہندوں کو طاعات کی پابندی اور معاصی سے ہمیشہ اجتناب لازم ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو اور میدان جنگ میں بھی ثابت قدمی کی ضرورت ہے۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی مدد لانے کا ذریعہ ہیں۔ ثابت قدمی کا آیت میں دو جگہ تذکرہ ہے عشرون کے ساتھ صابرون فرمایا اور عاتہ کے ساتھ صابرة فرمایا۔

مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُشْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَصَ الدُّنْيَا ۚ

نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے پاس قیدی موجود رہیں جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خون ریزی نہ کر لے، تم دنیا کا سامان چاہتے ہو

وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآزِمَةَ ۚ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۚ لَوْلَا ضَبُّ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَكُمُ فِيمَا أَخَذْتُمْ

اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے، اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کے بارے میں تم کو

عَذَابٌ عَظِيمٌ ۚ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۚ

بڑا عذاب پہنچ جاتا، سو کھاؤ اس میں سے جو تمہیں بطور غنیمت کے مل گیا حلال پاکیزہ ہونے کی حالت میں اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

### بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر عتاب

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ غزوہ بدر میں ستر کافر مارے گئے اور ستر کافروں کو قید کر کے مدینہ منورہ لایا گیا۔ اب سوال پیدا ہوا کہ ان قیدیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ مشورہ میں جب بات آئی تو حضرت ابو بکرؓ نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کی قوم کے افراد ہیں اور رشتہ دار بھی ہیں ان کو زندہ رہنے دیجئے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا اور اس وقت ان سے فدیہ لیا جائے یعنی ان کی جانوں کے بدلہ میں مال لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے اور حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ

یا رسول اللہ (ﷺ)! ان لوگوں نے آپ کو بھڑایا اور شہر مکہ مکملے پر مجبور کیا۔ اجازت دیجئے کہ ہم ان کی گردنیں مار دیں اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) کوئی ایسی جگہ سے دیکھئے۔ جہاں خوب زیادہ لکڑیاں ہوں انہیں اس میں داخل کر کے آگ سے جلا دیا جائے۔ رسول اللہ (ﷺ) نے خاموشی اختیار فرمائی۔ پھر حضرت ابو بکرؓ کے رائے کو اختیار فرمایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا جو اوپر پہلی دو آیتوں میں مذکور ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگلے دن جب میں حاضر ہوا تو رسول اللہ (ﷺ) اور ابو بکرؓ بیٹھے ہوئے رو رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول (ﷺ) مجھے بتائیے کہ آپ اور آپ کے ساتھی کیوں رو رہے ہیں؟ مجھے رونے کا سبب معلوم ہو جائے تو میں بھی رونے لگوں اور اگر روانہ آئے تو رونے کی صورت بنا کر آپ کی موافقت کراؤں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ فدیہ لینے کی لوگوں نے جو رائے دی تھی اس رائے کے اختیار کرنے پر مجھے اس قریب والے درخت سے ورے عذاب آتا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔ (۱۰ عالم اہل قریل)

مذکورہ قیدیوں کو مال لے کر چھوڑنے کا جو فیصلہ کر لیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند تھا اس لئے عتاب نازل فرمایا پھر عذاب کو روک لیا اور اس مال کو لینے اور کھانے کی اجازت دے دی۔ .... اول تو یہ فرمایا کہ یہ نبی کی شان کے لائق نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں اور انہیں چھوڑ دیا جائے بلکہ خونریزی کرنی چاہئے تاکہ کفار کی شوکت بالکل ٹوٹ جائے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی سکت ان میں باقی نہ رہے جن حضرات نے مال لینے کی رائے دی تھی ان کے سامنے ایک مصلحت تو یہ تھی کہ امید ہے یہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور دوسری مصلحت یہ تھی اس وقت مسلمانوں کو حاجت اور ضرورت ہے کہ مال مل جائے گا تو مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں قوت پہنچ جائے گی۔ اس مال لینے کے جذبہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا: تَسْرِيدُونَ عَرْضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ۔ تم دنیا کو چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم آخرت کے طالب بنو آخرت میں جو اجر و ثمرات ملیں۔ کافر قیدیوں کو قتل کرنے میں کفر کی مغلوبیت بھی جو زیادہ اسلام کے پھیلنے کا ذریعہ ہے جیسے جیسے مسلمانوں کے ہاتھوں اسلام پھیلے گا مسلمانوں کی آخرت اچھی بنے گی اور درجات بلند ہوں گے۔ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے) اس نے تم کو کافروں پر غلبہ دیا۔ اس کے بعد بھی غلبہ دے گا اور اپنی حکمت کے موافق جب چاہے گا تمہیں مالا مال فرمائے گا۔ اس وقت ذرا سی دیر محسوس کر کے جو فدیہ لینے پر آئے یہ ناپسندیدہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا: لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ (اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے مقدّر نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کے بارے میں تم کو بڑا عذاب پہنچ جاتا) اس نوشتہ سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں حضرات مفسرین نے صحابہؓ اور تابعینؓ کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ جل شانہ نے ام الکتاب میں یہ لکھ دیا تھا کہ اموال غنیمت امت مسلمہ کیلئے حلال ہوں گے (جس میں قیدیوں سے فدیہ لینا بھی شامل ہے) اس لئے اللہ تعالیٰ نے عذاب روک لیا۔ مفسر ابن کثیر نے ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت سعید بن جبیرؓ اور حضرت عطاءؓ اور حضرت حسن بصریؓ اور حضرت قتادہؓ اور حضرت اعمشؓ سے یہ بات نقل کی ہے اور لکھا ہے اور مفسر ابن جریرؓ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے صفحہ ۳۴ جلد ۶ ایک قول بھی نقل کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات لکھی ہوئی نہ ہوتی کہ جب تک کسی قوم کے لئے بطور امر و نہی واضح طور پر حکم بیان نہ ہو جائے اس وقت تک عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان پر عذاب نہ ہوگا تو عذاب آ جاتا۔ چونکہ واضح طور پر فدیہ لینے کی ممانعت بیان نہیں ہوئی تھی اس لئے عذاب روک دیا گیا۔ صاحب روح المعانی نے اس قول کو بھی حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کیا ہے پھر ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات مقرر اور مقدر ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کی موجودگی میں عذاب نہیں آئے گا (جیسا کہ اسی سورت کے رکوع ۴ میں گزر چکا ہے) اس

لئے عذاب نہیں آیا اور ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ کی زبانی یہ اعلان ہو چکا تھا کہ جو لوگ بدر میں شریک ہوئے تھے ان کی مغفرت کر دی گئی (اور رائے دینے والوں میں مشورہ دینے والے بھی تھے) اس لئے عذاب نہیں آیا۔ پھر صاحب روح المعانی نے ایک یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے چونکہ یہ مقرر تھا کہ جو فدیہ تم نے لیا ہے وہ تمہارے لئے حلال کر دیا جائے گا۔ اس لئے عذاب نہیں بھیجا۔ پھر اس پر کچھ سوال و جواب بھی کیا ہے۔ اس کے بعد روح المعانی لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک اگر یہ تمام چیزیں مراہیوں جو مختلف اقوال کی صورت میں بیان ہوئیں تو اس میں بھی کوئی بعید نہیں ہے وبهذا يجمع بين الروايات المختلفة عن الجبر في بيان هذا الكتاب وذلك بان يكون في كل مرة ذكر امرا واحدا من تلك الامور والتخصيص على المشيء بالذکر لا يدل على نفی ما عداہ وليس فی شیء من الروايات ما يدل على الحصر فافهم۔ اھ (اور اسی سے ان مختلف روایات میں تطبیق ہوتی ہے جو اہل علم سے اس نوشہ الٰہی کا ذکر کر دیا گیا۔ اور کسی ایک چیز کے ذکر کی صراحت دوسری چیزوں کی نفی پر دلالت نہیں کرتی اور روایات میں کوئی ایسی بھی نہیں ہے جو کسی ایک کئے خصیہ پر دلالت کرے)

قیدیوں کے احکام ..... اگر کافر قیدی میں آجائیں تو امیر المؤمنین کو انکے بارے میں کن باتوں کا اختیار ہے۔ اس میں چار چیزوں کا ذکر آتا ہے۔ یہاں سورۃ انفال میں قتل کرنے اور فدیہ لینے کا ذکر ہے اور سورۃ محمد میں مزید دو باتوں کا ذکر ہے (فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً) احسان کر کے چھوڑ دینا یا اپنے قیدیوں سے مبادلہ کر لینا یعنی اپنے قیدی لے کر ان کے قیدی چھوڑ دینا۔ ان چار چیزوں میں سے اب کس کس چیز کو اختیار کرنے کی اجازت ہے اس میں حضرات فقہاء کرام نے کچھ تفصیل لکھی ہے۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین کو اختیار ہے۔ چاہے تو کافر قیدیوں کو قتل کر دے اور چاہے تو انہیں ذمی بنا کر دارالاسلام میں رکھ لے۔ البتہ مشرکین میں جو اہل عرب ہوں اور جو مرتد ہوں ان کو ذمی بنا کر نہیں رکھا جاسکتا۔

اب رہی یہ بات کہ آیا مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کے لئے بطور مبادلہ کے کافر قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے؟ ..... تو حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اس کو جائز قرار نہیں دیا اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ایسا کرنا درست ہے اور کافر قیدیوں کو مال لے کر چھوڑ دینا جائز ہے یا نہیں اس کے بارے میں حنفیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔

البتہ امام محمدؒ نے سیر کبیر میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کو مال کی حاجت ہو تو ایسا بھی کر سکتے ہیں اور بالکل ہی بطور احسان کے چھوڑ دینا نہ قیدیوں کا مبادلہ ہو اور نہ مال لیا جائے اور نہ ذمی بنایا جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ اس کو بھی جائز کہتے ہیں۔ علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن صفحہ ۳۹۲ جلد ۳ میں لکھتے ہیں کہ سورۃ براءۃ سورۃ محمد (ﷺ) کے بعد نازل ہوئی۔ سورۃ محمد میں جو من اور فدیہ کی اجازت ہے اس کو سورۃ براءۃ کی آیات فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَجَدْتُمُوهُمْ اور فَاَقْتُلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ نے منسوخ کر دیا۔ لہذا اب فداء اور من کی اجازت نہیں رہی۔ فوج جب ان یسکون الحکم المذکور فیہا ناسخا للقداء المذکور فی غیرہا۔

اس کے بعد فرمایا فَكُلُوا مِنْهُم مَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا (سو کھاؤ اس میں سے جو تمہیں بطور غنیمت کے مل گیا حلال پاکیزہ ہونے کی حالت میں) بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے کر جو ان کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر دیا گیا تھا اس پر عتاب تو ہوا لیکن اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی مہربانی سے اس مال کو حلال اور طیب قرار دے کر کھانے کی اجازت مرحمت فرمادی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا وَاتَّقُوا اللَّهَ (کہ اللہ سے ڈرو) اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے احتراز کرو اِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے اس نے تمہارے گناہ معاف فرمائے۔ رَحِيمٌ (رحم فرمانے والا) جو کچھ تم نے کافروں سے لیا اس کے بارے میں تم پر رحم فرمادیا اور تمہارے لئے حلال قرار دیا۔

مفسر ابن کثیر (صفحہ ۳۲۶ جلد ۲) نے لکھا ہے۔ فعند ذلك اخذوا من الاسارى الفداء جس کا مطلب یہ ہے کہ مال لینے کے فیصلے پر عتاب ہوا تھا پھر جب مال لینے کی اجازت دے دی گئی تو قیدیوں سے مال وصول کر لیا گیا۔ اور معالم التنزیل میں یہ لکھا ہے کہ جب پہلی آیت نازل ہوئی تو جو کچھ بطور فدیہ لے چکے تھے اس سے پرہیز کرتے رہے جب آیت فَاْخْلَوْا بِمَنْ غَنِمْتُمْ نازل ہوئی تو اس مال کو استعمال کر لیا، ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگوں سے پہلے مال لے لیا گیا ہو اور باقی لوگوں سے بعد میں لیا گیا ہو اور اقرب یہی ہے کیونکہ سب کے پاس اس وقت اموال موجود نہیں تھے۔ قیدیوں میں حضور اقدس ﷺ کے داماد ابوالعاص بن الربیع اور آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب بھی تھے۔

آپ نے صحابہؓ سے اجازت لے کر ابوالعاص کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیا اور ان سے فرمایا کہ تم مکہ معظمہ پہنچ کر زنب کو بھیج دینا (زنب آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی بیٹی تھیں) آپ نے جب ہجرت فرمائی تو وہ وہیں رہ گئی تھیں۔ اس لئے ان سے فرمایا کہ زنب کو بھیج دینا، انہوں نے وعدہ پورا کیا اور حضرت زنب رضی اللہ عنہا کو بھیج دیا اور پھر بعد میں خود بھی اسلام قبول کر لیا۔ کما ذکرہ الحافظ ابن حجر فی الاصابہ فی حرف المعین۔

حضرت عباسؓ مشرکین کے لشکر میں آئے تھے اور بیس اوقیہ سونا لے کر چلے گئے تھے تاکہ اپنے ساتھیوں کو کھلاتے پلاتے رہیں (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا) اب ان کے پاس بیس اوقیہ رہ گئے تھے وہ بیس اوقیہ صحابہؓ نے ان سے مقام بدر میں لے لئے تھے۔ جب قید کر کے لائے گئے اور ان سے سوال ہوا فدیہ دو تو انہوں نے کہا وہ جو بیس اوقیہ لے لئے ہیں انہیں کو میری جان کے فدیہ میں لگا لیں۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا جو چیز ہمارے مقابلہ میں خرچ کرنے کے لئے لے کر آئے تھے وہ تمہارے حساب میں نہیں لگ سکتی۔ عباس نے یوں بھی کہا کہ یا رسول اللہ! میں تو مسلمان تھا آپ نے فرمایا اگر تم مسلمان تھے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دے دے گا۔ ہمارے نزدیک بظاہر تم مقابلہ کرنے کے لئے جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ لہذا تم اپنی جان کا فدیہ دو اور اپنے دونوں بھتیجیوں نوفل بن حارث اور عقیل بن ابی طالب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا فدیہ دو۔ عباس نے کہا کہ اے محمد (ﷺ) تم مجھے اس حال میں چھوڑنا چاہتے ہو کہ زندگی بھر قریش سے بھیک مانگا کروں۔ میرے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ اس قدر فدیہ دے سکوں۔ آپ نے فرمایا وہ مال کہاں ہے جو تم نے ان کو تمہاری بیوی ام الفضل نے مل کر دینا کیا ہے۔ تم نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ اگر میں ہن سفر میں مقتول ہو گیا تو یہ مال میرے بیٹوں عبداللہ اور عبید اللہ اور فضل اور قثم کے کام آئے گا۔ عباس نے کہا اللہ کی قسم یا رسول اللہ! (ﷺ) اس بات کا علم مجھے اور ام الفضل کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔ آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا مجھے میرے رب تعالیٰ شانہ نے بتایا۔ اس پر عباس کہنے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں اور وہ بات پھر دہرائی کہ وہ جو بیس اوقیہ میدان جنگ میں مجھ سے لے لیا گیا ہے۔ وہ میرے فدیہ کے حساب میں لگا لیا جائے۔ آپ نے فرمایا نہیں، وہ حساب میں نہیں لگ سکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں (بطور مال غنیمت کے) عطا فرمایا ہے۔ لہذا عباس نے اپنا فدیہ بھی دیا اور اپنے دونوں بھتیجیوں کا بھی اور اپنے حلیف کا بھی۔ (من معالم التنزیل صفحہ ۲۶۳ جلد ۲ ابن کثیر صفحہ ۳۲۷ جلد ۲)

حضرت عباس نے اسلام تو فدیہ کے دن ہی ظاہر کر دیا تھا لیکن اس وقت مکہ معظمہ چلے گئے پھر مکہ معظمہ فتح ہونے سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے۔ (کمانی الاصابہ حرف المعین)

فائدہ..... معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ بر قیدی کا فدیہ چالیس اوقیہ تھا اور ہر اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا اس طرح سے ہر قیدی کا

فدیہ سولہ سو درہم ہوا۔ اور روح المعانی میں لکھا ہے کہ ہر ایک قیدی کا فدیہ سو اوقیہ تھا اور اس کے علاوہ اور بھی بعض اقوال ہیں۔  
 فائدہ ..... چونکہ صحابہ کے مشورہ سے یہ طے ہو گیا تھا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور جو مال ان سے لے لیا گیا اس میں صحابہ کا بھی حصہ ہو گیا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس میں کسی اپنے پرانے کی رعایت نہیں فرمائی اپنے چچا عباس سے بھی فدیہ لیا اور اپنے دو پوتا زاد بھائیوں کا فدیہ بھی اپنے چچا سے وصول فرمایا۔ انہوں نے یہ کہا کہ میں مسلمان تھا (زبردستی جنگ میں شریک کر لیا گیا) تو اس کے جواب میں آپ ﷺ نے صاف طور پر فرمادیا کہ دلوں کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہم ظاہر پر قانون نافذ کرنے والے ہیں۔ تم مخالفین کے ساتھ لڑنے والوں میں شامل ہو کر آئے تھے۔ قیدی ہو گئے ہم تو فدیہ لے کر ہی چھوڑیں گے۔ لہذا ان سے فدیہ لیا۔ صحیح بخاری صفحہ ۴۲۸ جلد ۱ میں ہے کہ انصار میں سے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) آپ اجازت دیجئے کہ ہم عباس کی جان کا بدلہ چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ایک درہم بھی نہ چھوڑو اور اپنے داماد ابو العاص ابن الربیع کا جو فدیہ چھوڑا وہ بھی صحابہ سے اجازت لے کر چھوڑا تھا۔ یہ قانون میں مساوات اختیار کرنے کا ایک نمونہ ہے لوگ مساوات کا نام تو لیتے ہیں لیکن جب اپنے پرانے کا سوال آتا ہے تو قانون بھول جاتے ہیں قانون غیروں کے لئے ہوتا ہے اور اپنی جان اور اپنے لوگ قانون سے بالاتر ہوتے ہیں۔ یہ اسلام کے طریقے کے خلاف ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنَّ يَعْلَمَ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا

اے نبی جو قیدی آپ کے قبضہ میں ہیں ان سے فرما دیجئے کہ اگر اللہ کو تمہارے دلوں میں ایمان معلوم ہو گا

يُؤْتِيَكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُحْذَرْتُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَإِنْ يُرِيدُوا

تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو عطا فرما دے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر وہ آپ کی

خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

خیانت کا ارادہ کریں۔ سو وہ اس سے پہلے اللہ کی خیانت کر چکے ہیں پھر اللہ نے ان پر قابو دے دیا اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔

### بدر کے قیدیوں سے اللہ کا وعدہ

مفسر ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ جب عباس بن عبدالمطلب نے یہ کہا کہ میں تو مسلمان ہوں اور میرا مال غزوہ بدر میں لے لیا گیا ہے اسی کو میری جان کا فدیہ میں لگا لیا جائے اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے انکار فرمادیا جس پر انہوں نے اور مزید تین آدمیوں کا فدیہ دیا تو اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ نَازِلٌ فرمائی جس میں یہ فرمایا کہ اے نبی! جو قیدی آپ کے قبضہ میں ہیں ان کو فرمادیں اگر تمہارے دل میں ایمان ہے جس کا علم اللہ کو ہے تو اللہ تم کو اس سے بہتر عطا فرمائے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور اللہ تمہیں بخش دے گا۔ حضرت عباسؓ جب پوری طرح اسلام میں داخل ہو گئے تو انہوں نے اس وعدہ کو سچا پایا۔ وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمیں اوقیہ کی جگہ بیس غلام عطا فرمائے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ جو مال مجھ سے لیا گیا تھا اسکے عوض اللہ تعالیٰ نے چالیس غلام عنایت فرمائے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سو گنا مال عطا فرمادیا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ سب نزول خواہ حضرت عباسؓ کا واقعہ ہو لیکن الفاظ آیت کا عموم تمام قیدیوں کو شامل ہے لَمَّا قَالُوا مَنَ ان الْعَبْرَةَ بَعْمُومِ الْفَلْظِ لَا بِنَحْصِ السَّبَبِ۔

پھر فرمایا: وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ کہ یہ قیدی اگر آپ کی خیانت کا ارادہ کریں۔ واپس جا کر جنگ کرنے



کی نیت سے لوٹ آئیں یا آپ کے مقابلہ میں مشرکین کی مدد کرنے لگیں تو آپ فکر مند نہ ہوں۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی خیانت کر چکے ہیں اللہ نے جو ہر عاقل سے توحید کے بارے میں عبد لیا تھا اسے توڑا اور کفر اختیار کیا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر قدرت دے دی اور انہیں بدر میں مقتول کروادیا اور قیدی بنا کر مدینہ میں حاضر کروادیا۔ اگر پھر انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ پھر آپ کی مدد فرمائے گا وَاللّٰهُ عَلِيمٌ اور اللہ کو سب کچھ معلوم ہے وہ سب کی نیوٹوں کا حال جانتا ہے۔ حَکِیْمٌ وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے مطابق اپنی مخلوق میں تصرف فرماتا ہے جس کو چاہے سزا دیتا ہے اور جس کو چاہے انعام دیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ وَإِبَاءُ مَوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ

أَوْوَا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا

جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی

لَكُمْ مِنْ وَلَا يَتِيهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمْ

تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تمہارے ذمہ ان کی

النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

مدد لازم ہے سوائے اس قوم کے مقابلہ میں کہ ان میں اور تم میں کوئی معاہدہ ہو، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو،

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد ہو گا،

كَبِيرٌ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ وَإِنِ سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَنَصَرُوا

اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ٹھکانہ

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدِ وَهَاجَرُوا

دیا اور مدد کی یہ وہ لوگ ہیں جو واقعی ایمان والے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے اور رزق کریم ہے اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی

وَجْهَهُمْ مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ ۚ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ

اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا سو یہ لوگ تم میں سے ہیں، اور جو لوگ رشتہ دار ہیں وہ اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے قریب تر ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

بلاشبہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

بسم اللہ

### مجاہدین، مہاجرین، اور انصار سے متعلق بعض احکام

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق ان آیات میں میراث کے احکام بتائے ہیں۔ ان کے نزدیک **أُولَئِكَ** **بَعْضُهُمْ** **أُولَئِكَ** سے ایک دوسرے کا وارث ہونا مراد ہے۔ نیز **وَلَا يَتَّبِعُهُمْ** سے بھی میراث پانا مراد ہے۔ صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباسؓ سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔ اس اعتبار سے پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے وطنوں کو چھوڑ کر ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی یعنی انصاری حضرات یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ صاحب روح المعانی نے حضرت حسنؓ، حضرت مجاہدؓ، حضرت قتادہؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان سلسلہ توارث جاری فرمایا یعنی ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے ایک مہاجر، غیر مہاجر کا وارث نہیں ہوتا تھا اگرچہ آپس میں رشتہ داری ہو یہ سلسلہ فتح مکہ تک جاری رہا اس کے بعد میراث نسبی رشتہ داری کی بنیاد پر ملنے لگی۔ اگرچہ ایک مہاجر ہو اور دوسرا مہاجر نہ ہو بشرطیکہ دونوں مسلمان ہوں۔ رشتہ داری کے اصول: جو میراث کے احکام ہیں سورہ نساء کے دوسرے رکوع میں بیان ہو چکے ہیں۔

اس کے بعد ان لوگوں کا حکم بتایا جنہوں نے ایمان تو قبول کر لیا لیکن ہجرت کر کے مدینہ منورہ نہیں آئے اور فرمایا: **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَالَكُمْ مِنْ وَلَا يَتَّبِعُهُمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّى يُهَاجِرُوا** کہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی تمہارا ان کی میراث سے کوئی تعلق نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کر لیں۔ چونکہ سلسلہ توارث کے لئے ایمان اور ہجرت دونوں کو ضروری قرار دیا تھا اس لئے واضح طور پر فرمادیا گیا کہ جنہوں نے ہجرت نہیں کی اگرچہ اسلام قبول کر لیا ان کے مہاجرین کے درمیان سلسلہ توارث جاری نہیں ہوگا۔ یہ سابقہ مضمون کا تتمہ ہے بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور قرابت داری کے اصول پر میراث کے احکام بتادیئے گئے۔

پھر فرمایا: **وَإِنْ اسْتَنْصَرُواكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ** یعنی جن لوگوں نے ایمان تو قبول کیا اور ابھی ہجرت نہیں کی اور مشرکین کے درمیان مجبوس ہیں اگر وہ تم سے مدد چاہیں تو دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کرو۔ آپس میں میراث کا جاری ہونا نہ ہونا اور بات ہے اور کافروں کے مقابلہ میں مدد کرنا یہ دوسری چیز ہے۔ اس ضروری کام کو ہاتھ سے نہ جانے دو، مؤمن بھائیوں کی مدد کرو اگرچہ انہوں نے ہجرت نہیں کی۔ ہاں اتنی بات کا دھیان رہے کہ جس کسی قوم سے تمہارا معاہدہ ہے اور آپس میں یہ طے ہے کہ مثلاً اتنے عرصہ تک آپس میں جنگ نہیں کریں گے تو پھر ان کے درمیان رہنے والے اہل ایمان کی مدد طلب کرنے کے باوجود ان پر حملہ نہ کیا جائے۔ تاکہ معاہدہ کی خلاف ورزی نہ ہو۔ معاہدہ کی پابندی کا اہتمام اسلام میں کس درجہ ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا، اگرچہ غیر مہاجر مسلمان مہاجر مسلمان سے کسی ایسی قوم کے مقابلہ میں مدد طلب کریں جس سے ترک جنگ کا معاہدہ کر رکھا ہے تو پھر اپنے مسلمان بھائیوں کی امداد کے لئے بھی ان کافروں پر حملہ کرنا جائز نہیں جن سے معاہدہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا: **وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أُولَئِكَ** کہ جو لوگ کافر ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے ہیں۔ کافروں کے درمیان آپس میں میراث جاری ہوگی کوئی مؤمن کسی کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ پہلا حکم یعنی کہ مہاجر غیر مہاجر کا وارث نہ ہو منسوخ کر دیا گیا اور ہجرت کے بجائے رشتہ داری کے اصول پر میراث کے احکام نازل ہو گئے لیکن یہ دوسرا حکم کہ مؤمن اور کافر کے درمیان توارث نہیں دائی ہے اور قیامت تک کے لئے یہی قانون ہے ہاں کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ اگر وہ لوگ مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہوں گے تو

قاضی اسلام ان کے درمیان میراث تقسیم کر دے گا اگر کوئی مسلمان کسی کافر کا بیٹا ہو یا کوئی کافر کسی مسلمان کا بیٹا ہو تو ان کے درمیان میراث جاری نہ ہوگی۔ اگرچہ دارالاسلام میں رہتے ہوں۔

پھر فرمایا: **اَلَا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ**۔ کہ جو احکام اوپر بیان کئے گئے اگر ان پر عمل نہ کرو گے اور ان کی خلاف ورزی کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد ہوگا۔ اگر اپنے دینی بھائیوں کی مدد کے جوش میں معاہدہ کی خلاف ورزی کر بیٹھے یا کافروں کو اپنا ولی یا وارث سمجھ لیا تو اس کے نتائج خطرناک ہوں گے اور زمین میں بڑا فتنہ ہوگا اور بڑا فساد پھیل جائیگا۔

پھر فرمایا: **وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَاجِرُوْا (الایۃ)** جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی یہ دونوں جماعتیں یعنی مہاجرین اور انصار سچے سچے مسلمان ہیں، اللہ کی طرف سے ان کے لئے بڑی مغفرت کا وعدہ ہے اور ان کے لئے عزت والی روزی مقرر ہے جو جنت میں ان کو نصیب ہوگی۔ اس آیت میں جہاں مہاجرین کی مدح ہے وہاں انصار حضرات کی بھی تعریف ہے اور دونوں جماعتوں کو مغفرت کی بشارت دی گئی ہے آخری آیت میں تین مضمون بیان فرمائے۔

اولا تو فرمایا: **وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدِ وَهَاجِرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ**۔ اور جو لوگ بعد کے زمانہ میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا سو یہ لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں اور تمہیں میں شمار ہیں۔ یعنی تم کو اولیت کی فضیلت حاصل ہے اور ان کو گو یہ فضیلت حاصل نہیں لیکن جب ایمان کے تقاضے پورے کر دیئے تو تمہیں میں شمار ہیں۔ ایمان کی فضیلت سب کو حاصل ہے۔ البتہ مراتب میں تفاوت ہے اور احکام میراث میں تو سب برابر ہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق نسبی رشتوں سے ہے افضل اور غیر افضل ہونے سے نہیں ہے۔

ثانیاً یوں فرمایا: **وَاُولَٰٔٓئِکَ اِلَیْہِمْ رُحُومُ الَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ وَهَاجِرُوْا**۔ اور جو لوگ آپس میں رشتہ دار ہیں اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے قریب ترین ہندار رشتہ داریوں کی بنیاد پر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے جس کی تفصیل سورۃ نساء کے دوسرے رکوع میں گزر چکی ہے اس سے میراث کا وہ حکم منسوخ کر دیا گیا جو اوائل ہجرت میں مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کے بعد جاری کر دیا گیا تھا۔ یہ حکم ذوی الفروض اور عصباء سب کو شامل ہے بلکہ علماء فرائض کی اصطلاح میں جن کو ذوی الارحام کہا جاتا ہے ان کو بھی شامل ہے البتہ ان سب کے درمیان ترتیب ہے جو کتب فرائض میں مذکور ہے۔

ثالثاً فرمایا: **اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ** (بلاشبہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے) اس میں تنبیہ ہے کہ احکام کی خلاف ورزی کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال کی خبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے اعمال کا علم ہے وہ سب کے ظاہر و باطن سے باخبر ہے۔ خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دے گا اور فرمانبرداری کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے گا۔

نَمَّ سُوْرَةُ الْاِنْفَالِ فِیْ اَوَاخِرِ ذِی الْحِجَّةِ ۱۴۱۲ھ

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَاٰخِرًا وَبَاطِنًا وَظَآہِرًا

☆☆☆.....☆☆☆

## سُورَةُ التَّوْبَةِ

اس کا دوسرا نام سورۃ برأت بھی ہے اس میں کافروں سے برأت کا اعلان ہے اس لئے اس کو سورۃ برأت کہا جاتا ہے اور غزوہ تبوک کے موقع پر جو صحابی پیچھے رہ گئے تھے ان کی توبہ کا بھی اس میں ذکر ہے اس لئے دوسرا نام بھی معروف ہو گیا۔ یہ سورت مصحف عثمانی کی ترتیب میں سورۃ انفال اور سورۃ یونس کے درمیان ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھنے کی وجہ..... دیگر سورتوں کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی ہے لیکن سورۃ برأت کے شروع میں نہیں ہے۔ جامع القرآن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ کیا بات ہے آپ نے سورۃ انفال کو جو عثمانی میں سے ہے (یعنی جس کی آیات سو سے کم ہیں) سورۃ برأت سے پہلے رکھ دیا حالانکہ برأت ان سورتوں میں سے ہے جن کی آیات سو سے زیادہ ہیں اور آپ نے ان دونوں کو ملا بھی دیا اور مزید یہ کیا کہ ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی اور ان دونوں کو ملا کر سب طوال (یعنی سات سورتوں) میں شامل کر دیا۔ ایسا کرنے کا کیا باعث ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ کاتبوں میں سے کسی کو بلا کر فرماتے تھے کہ اس آیت کو اس سورت میں شامل کر دو جس میں فلاں فلاں مضمون ہے اور سورۃ انفال ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد شروع میں نازل ہوئیں اور سورۃ برأت ان سورتوں میں سے ہے جو آخر میں نازل ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور آپ نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ سورۃ برأت سورۃ انفال کا حصہ ہے چونکہ دونوں کا مضمون ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے۔ اس لئے میں نے دونوں کو ملا دیا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی (کیونکہ نہ اس بات کا علم تھا کہ دونوں سورتیں مستقل ہیں اور نہ اس بات کی توضیح تھی کہ دونوں ایک ہی ہیں) اور میں نے ان کو ملا کر سب طوال (یعنی سات لمبی سورتوں) میں شامل کر دیا (مطلب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بعد چھ سورتیں تعداد آیات کے اعتبار سے خوب لمبی لمبی ہیں اور دونوں کا مجموعہ مل کر سات لمبی سورتیں ہو گئیں جن کو سب طوال کہا جاتا ہے)۔ (رداء الترندی فی البواب التفسیر اوائل سورۃ التوبہ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بیان سے معلوم ہو گیا کہ سورۃ انفال اور سورۃ برأت کو اس لئے ملایا گیا ہے کہ دونوں کا مضمون آپس میں ملتا جلتا ہے اور درمیان میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی کہ واضح طور پر ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے دونوں سورتوں کا علیحدہ علیحدہ ہونا معلوم ہوتا۔

قرآن مجید کی ترتیب یوں ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بعد اول سب طوال یعنی سورۃ بقرہ سورۃ آل عمران سورۃ نساء سورۃ مائدہ، سورۃ انعام سورۃ اعراف سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کا مجموعہ ہے ان کو سات لمبی سورتیں بھی کہا جاتا ہے (اس کے بعد وہ سورتیں ہیں جنہیں مکین کہا جاتا ہے اور یہ وہ سورتیں ہیں جن کی آیات سو سے کچھ زیادہ ہیں۔ پھر وہ سورتیں ہیں جنہیں مثنائی کہا جاتا ہے۔ یہ سورتیں سورۃ یونس سے شروع ہیں اور سورۃ حجرات سے لے کر ختم قرآن شریف تک جو سورتیں ہیں انہیں مفصل کہا جاتا ہے پھر ان میں بھی تفصیل ہے سورۃ

حجرات سے سورہ بروج تک مفصل اور سورہ الطارق سے سورہ یٰسین تک اوساط مفصل اور سورہ زلزال سے لے کر سورہ الناس تک قصار مفصل ہیں (۱)۔

سورہ توبہ کی ابتدا میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ پڑھی جائے..... اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب وئی تلاوت کرنے والا سورہ انفال پڑھے اور اسے ختم کر کے متصلاً ہی سورہ برائت شروع کرے تو بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ پڑھے۔ کیونکہ سورہ برائت کا مستقل سورت ہونا یقینی نہیں ہے۔

اگر سورہ برائت ہی سے تلاوت کی ابتدا کرنا ہو تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے یا نہ پڑھے اس میں دو قول ہیں راجح قول یہی ہے کہ اس صورت میں بھی بسم اللہ نہ پڑھے۔ امام شافعیؒ نے اپنے قصیدہ میں اسی کو اختیار کیا ہے، فرمایا ہے:

وَمَهْمَا تَصْلُهَا أَوْ بَدَأْتَ بِرَاءَةٍ لِنَسْزِيلُهَا بِالسَّيْفِ لَسْتُ مُبْسِلاً

(اور جب برائت کی تلاوت کو انفال کے ساتھ ملائے۔ یا سورہ برائت ہی سے شروع کرے تو بسم اللہ نہ پڑھے کیونکہ یہ سورت تو تلوار (جنگ و جدال) کے ساتھ نازل ہوئی)۔

محقق ابن الجوزیؒ انہر میں لکھتے ہیں۔ لا خلاف فی حذف البسملة بین الانفال و براءۃ عن کل من بسمل بین السورین و کذا فی الابتداء براءۃ علی الصحیح عند اهل الاداء۔ (اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ انفال اور برائت کے درمیان بسم اللہ نہیں ہے اور اسی طرح قراء کے نزدیک سورہ برائت سے تلاوت کی ابتداء کی صورت میں بھی بسم اللہ نہیں ہے)۔

(۱)۔ علامہ سیوطی نے الاقان (صفحہ ۶۵) میں قرآن کریم کی سورتوں کی جو ترتیب لکھی ہے کہ پہلے سبع طوال یعنی سات لمبی سورتیں ہیں جو سورہ انفال اور سورہ توبہ کو ملا کر (گویا دونوں کو ایک قرار دے کر) سورہ توبہ پر ختم ہو رہی ہیں (ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ سورت مانا جائے تو سبع طوال میں نہیں آتی ہیں) سبع طوال کے بعد وہ سورتیں ہیں جنہیں مضمین کہا جاتا ہے (یہ مانہ کی جمع ہے) یہ وہ سورتیں ہیں جن کی آیات سو کے قریب یا سو سے زیادہ ہیں پھر ان کے بعد وہ سورتیں ہیں جنہیں مفصل کہا جاتا ہے۔ مفصل کی ابتدا کہاں سے ہے اس میں متعدد اقوال ہیں ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ سورہ حجرات سے شروع ہو کر قرآن کے آخر تک جو سورتیں ہیں ان سب کا مجموعہ مفصل ہے یہی قول ہم نے اوپر تفسیر میں لکھ دیا ہے۔ مثانی کی ابتدا تو مفصل کی ابتداء سے معلوم ہو گئی لیکن مثانی کی ابتدا کہاں سے ہے اس کے بارے میں اکابر کے اقوال میں کوئی تصریح نہیں دیکھی۔

سورتوں کی مراجعت کرنے سے معلوم ہوا کہ مثانی کی ابتداء بظاہر سورہ قصص سے ہونی چاہئے کیونکہ اس سے پہلی سورت میں ترانہ آیات اور اس میں اٹھاسی آیات ہیں (گو اس سے پہلے سورہ حج میں اٹھتر اور سورہ نور میں چونسٹھ آیات گزر چکی ہیں) سورہ قصص کے بعد عموماً وہ سورتیں ہیں جن کی آیات مضمین والی سورتوں کی آیات سے کم ہیں۔ البتہ درمیان میں سورہ شعراء میں دو سو ستائیس اور سورہ صافات میں ایک سو بیالیس آیات ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب میں آیات کی تعداد کی بجائے طول اور قصر کا لحاظ رکھا گیا ہے آیات کی تعداد کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ یعنی یہ بات نہیں دیکھی گئی کہ ہر اگلی سورت پچھلی سورت کی آیات کے اعتبار سے چھوٹی ہو۔ پھر یہ طول اور قصر بھی تقریبی ہے اس بات کو پیش نظر رکھا جائے تو ان حضرات کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے جنہوں نے فرمایا کہ سورتوں کی ترتیب تو قیفی ہے۔ یہ جو ہم نے عرض کیا کہ ترتیب میں سورت میں آیات کی تعداد کے بجائے طول اور قصر کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ بعض مرتبہ چھوٹی سورت میں آیات زیادہ ہوتی ہیں۔ (کمائی الصافات) اور بڑی سورت میں آیات کی تعداد کم ہوتی ہے (کما فی سورۃ الاحزاب فانہا اطول من الصافات و عدد ابانہا اقل منها)

اس کے بعد برأت سے تلاوت شروع کرنے کی صورت میں بعض قراء سے بسم اللہ پڑھنے کا جواز نقل کیا ہے لیکن اس کو تسلیم نہیں کیا اور آخر میں لکھا ہے والصحیح عند الائمة اولی بالاتباع ونعوذ باللہ من شر الابداء۔ (جو صحیح ہے وہی ائمہ کے نزدیک اتباع کے لائق ہے اور ابتداء کی شرارت سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں)۔ حضرت امام شافعیؒ نے جو یہ فرمایا لَنْتَزِلَهَا بِالسَّيْفِ لَنْتُ مُبْسِلًا یہ حضرت علیؓ سے منقول ہے علامہ ابن القاصح سراج القاری شرح شافعیہ میں لکھتے ہیں۔

قال ابن عباس سألت علياً رضي الله عنه لما لم تكتب في براءة بسم الله الرحمن الرحيم فقال: لان بسم الله امان و براءة ليس فيها امان نزلت بالسيف.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ سورۃ برأت کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی گئی تو انہوں نے فرمایا اس لئے کہ بسم اللہ تو امن کا پیغام ہے اور سورۃ برأت میں امان نہیں ہے وہ تلواریں کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔ اب ایک شق اور رہ گئی ہے اور وہ یہ کہ سورۃ برأت کے درمیان سے کسی جگہ سے تلاوت کی ابتداء کرے تو جس طرح دوسری سورتوں کے درمیان سے تلاوت کی صورت میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں درست ہیں۔ اسی طرح سورۃ برأت کے درمیان سے ابتداء کرنے کی صورت میں بسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ محقق ابن الجزری النوی فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے بارے میں متقدمین کی کوئی نص نہیں دیکھی اور علی الاطلاق بہت سے اہل اداء نے سورتوں کے درمیان سے تلاوت شروع کرنے کی صورت میں دونوں باتوں کا اختیار دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ برأت کے درمیان سے شروع کرنے کی صورت میں بھی دونوں صورتیں جائز ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ ابوالحسن سخاوی نے اپنی کتاب جمال القراء میں سورۃ برأت کے درمیان سے تلاوت کی ابتداء کرنے کی صورت میں بسم اللہ پڑھنے کا جواز لکھا ہے اور ابوالحسن عجمی کا رجحان نہ پڑھنے کی طرف ہے۔ پھر آخر میں محقق ابن الجزری نے دونوں کی تائید کی ہے اور کوئی فیصلہ نہیں دیا۔ گویا وہ بھی تخیر کے قائل ہیں۔ یعنی پڑھنا نہ پڑھنا دونوں کی گنجائش دی ہے۔

فائدہ..... یہ جو بعض مصاحف میں سورۃ برأت کی ابتداء میں حاشیہ پراعوذ باللہ من النار ومن غضب الجبار من شر الكفار لکھا ہوا ہے اور بہت سے حفاظ اس کے پڑھنے کو مستحب یا سنت سمجھتے ہیں۔ اس کا ثبوت نہیں ہے۔ (کما ذکرہ فی الفتاویٰ الرشیدیہ)



مدنی

سورۃ توبہ

۱۲۹ آیتیں ۱۶ رکوع

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ (۹) سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا فِي ذُنُوبِنَا إِنَّا نَجِدُكَ غَفُورًا رَحِيمًا (۱۲۹)

سورۃ برائت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو اسی آیات اور سورۃ رکوع ہیں۔

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۖ فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ

اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ان مشرکوں کی طرف برائت ہے جن سے تم نے عہد کیا۔ سو تم چلو پھرو زمین

أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۖ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۖ وَأَذَانٌ

میں چار مہینے اور جان لو کہ بے شک تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور یہ بات کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے اور حج اکبر

مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۖ وَرَسُولُهُ ۚ

کے دن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے لوگوں کے لئے اعلان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہے۔ سو اگر تم

فَإِنْ تَبَيَّنْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۚ وَبَشِّرِ الَّذِينَ

توبہ کر لو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم اعراض کرو تو یہ جان لو کہ بلاشبہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور کافروں کو

كَفَرُوا بِعَذَابِ اللَّهِ ۖ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا

دروغہ ناک مذاہب کی خوشخبری سنا دو۔ سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہ کی

وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا ۖ فَأَتِمُوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۖ

اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی۔ سو تم ان کے معاہدہ کو ان کی مدت مقررہ تک پورا کر دو۔ بلاشبہ اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُواهُمْ وَاحْصِرُوهُمْ

پھر جب اشہر حرم غزوہ جائیں سو تم مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ اور ان کو پکڑو اور گھیرو اور ان کی تاک میں گھات کے

وَأَقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ

بہر موقعہ پر ٹھیکو۔ سو اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ

پیشہ وند بخشتہ ۱۱۰ مہربان ہے اور اُردو مشرین میں سے کوئی شخص آپ سے چار مانگے تو اسے چنا و دیجئے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کام

ثُمَّ أْبْلَعَهُ مَا مَنَّهُ ۖ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ۝

سن لے پھرا سے امن کی جُدا پہنچا، تجھے۔ یہ اس لئے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہیں

تفسیر: آیات بالا کی تفسیر سمجھنے کے لئے یہ ذہن نشین کر لیا جائے کہ جس وقت سورہ براءت نازل ہوئی ہے اس وقت کفار کی چار قسمیں تھیں۔ پہلی قسم کے تو وہ لوگ تھے جن سے مقام حدیبیہ ۱؎ ھ میں معاہدہ ہوا تھا جبکہ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اس موقع پر مشرکین نے آپ کو مکہ معظمہ میں داخل نہ ہونے دیا اور بڑی رد و کد کے بعد دس سال کے لئے صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اس صلح میں یہ تھا کہ ایک فریق دوسرے فریق پر حملہ نہیں کرے گا اور نہ کوئی فریق کسی فریق کے حلیف پر حملہ آور ہوگا پھر یہ واقعہ پیش آیا کہ قبیلہ بنی بکر نے (جو قریش کا حلیف تھا) رات کے وقت قبیلہ بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش مکہ نے بنی بکر کو ہتھیار دیئے اور اپنے جوان ان کی مدد کے لئے بھیجے۔ اس طرح سے قریش نے عبد شمس کی کیونکہ بنی خزاعہ پر حملہ کرنے والوں کے مددگار بن گئے جو مسلمانوں کے حلیف تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کو قریش کی عبد شمس کی خبر ملی تو آپ نے جنگ کی تیاری کی اور ۸ھ میں اپنے صحابہؓ کو لے کر مکہ معظمہ پہنچے اور مکہ معظمہ فتح ہو گیا۔ کافروں کا دوسرا فریق وہ تھا جن سے صلح کا معاہدہ ایک خاص میعاد کے لئے کیا گیا تھا وہ لوگ اپنے معاہدہ پر قائم تھے۔ فیض عبد نہیں کیا تھا جسے قبیلہ بنی ضمر اور قبیلہ بنی مدلج (یہ دونوں قبیلہ بنی کنانہ میں سے تھے) ان سے جتنی مدت کے لئے صلح ہوئی تھی سورہ براءت کے نزول کے وقت اس کے اختتام میں چند ماہ باقی تھے۔

مشرکین کا تیسرا فرق وہ تھا جن سے کسی مدت کے تعیین کے بغیر معاہدہ ہوا تھا اور چوتھا فرق وہ تھا جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہ تھا۔

سبلا فریق یعنی قریش مکہ جنہوں نے معاہدہ حدیبیہ کو توڑ دیا تھا وہ کسی رعایت اور مہلت کے مستحق نہ تھے ان کو تو بلا مہلت ہی جزیرہ عرب سے نکال دینا یا قتل کروینا درست تھا لیکن پھر بھی اشہر الحرم کا زمانہ ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ یہ رعایت کی گئی کہ اشہر الحرم میں ان سے تعرض نہ کیا جائے اور اشہر الحرم گزر جانے کے بعد ان کے قتل کا حکم دیا گیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر یہ کفر سے توبہ کر لیں اور اسلام کے کام کرنے لگیں (جس میں نمازیں پڑھنا اور زکوٰۃیں ادا کرنا سب سے زیادہ اہم ہے) تو نہ انہیں قتل کریں نہ قید کریں کیونکہ وہ اب اپنے ہو گئے۔ دوسرا فریق وہ تھا جن سے کسی خاص معیاد کے لئے صلح کا معاہدہ کیا گیا تھا وہ اہل بیت پر قائم رہے اور نقص عبد نہیں کیا تو ان کے بارے میں یہ حکم دیا فَاتِمُوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ کہ ان کے معاہدہ کو اس کی مدت تک پورا کرو کیونکہ عبد کی خلاف ورزی اہل ایمان کا طریقہ نہیں ہے جب مقابل فریق اپنا عہد پورا کر رہا ہو تو اہل ایمان تو بطور اولیٰ عہد پورا کرنے کا اہتمام کریں۔ یہ حکم قبیلہ بنی ضمصرہ اور بنی مدلج کے متعلق تھا۔ اگر اہل ایمان نقص عبد کریں گے تو تقویٰ کے خلاف ہوگا۔ مومن کا کام ہے کہ تقویٰ اختیار کرے اسی لئے آخر میں فرمایا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (بلاشبہ اللہ تقویٰ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے)



گئی اور کافروں سے فرمایا کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ سرزمین عرب میں چار مہینے چلو پھرو اور چار ماہ کے بعد بھی یہ نہ سمجھنا کہ جزیرۃ عرب سے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے آزاد ہو جاؤ گے تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے وہ کافروں کو ضرور ذلیل کرے گا۔ الفاظ کا رخ تو ان لوگوں کی طرف ہے جن سے کوئی عہد تھا اس کی میعاد مقرر نہ تھی لیکن اس میں وہ لوگ بھی داخل ہو گئے جن کے کبھی بھی میعاد نہ تھا۔

۹ھ میں حضرت ابو بکرؓ کے زیر امارت حج کی ادائیگی اور مشرکین سے برائت کا اعلان ..... برائت کے مفہوم کو دوبارہ وَاِذَا قَمِیْنُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ فَرَمَ اِکْرٰہِیْہِا اور ۹ھ میں حج ہوا (جو فتح مکہ کے بعد پہلا حج تھا) اس میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ کے ذریعہ موافق حج میں اعلان کروادیا کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہے اور اس کے علاوہ بھی بعض امور کا اعلان کروایا گیا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو اعلان کرنے پر مامور فرمایا۔

صحیح بخاری (صفحہ ۲۷۱ جلد ۲) میں حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ جس حج میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو امیر بنا کر بھیجا تھا اس میں انہوں نے یوم النحر (ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو) جن لوگوں کو اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا ان میں سے بھی تھا کہ یہ لوگ منیٰ میں اعلان کر دیں الا لا یصح بعد العام مشرک ولا یطوف بالبيت عربان۔ (خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی شخص ننگے ہونے کی حالت میں بیت اللہ کا طواف نہ کرے) مشرکین ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے۔ اس لئے یہ اعلان کروایا۔ حضرت ابو بکرؓ کو رسول اللہ ﷺ نے امیر حج بنا کر بھیج دیا تھا پھر پیچھے سے حضرت علیؓ کو بھی بھیجا تھا کہ ان کے ذریعہ اعلان کروایا جائے اور جب اس کی یہ تہی کہ آپؐ کی خدمت میں یہ رائے پیش کی گئی تھی کہ اہل عرب کا یہ طریقہ ہے کہ عہد اور نقض عہد کے بارے میں اسی شخص کے اعلان کو معتبر سمجھتے تھے جو خاص اسی قبیلے کا ہو جس سے معاہدہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا معاہدہ قبیلے کی حیثیت سے تو نہ تھا مسلمانوں کی جماعت کا امام ہونے کی حیثیت سے تھا اور دین اسلام کی طرف سے تھا لیکن احتمال تھا کہ لوگ اسے بنی ہاشم کا معاہدہ سمجھیں اس لئے حضرت علیؓ کو بھیجا جانا مناسب سمجھا جو بنی ہاشم ہی کے ایک فرد تھے۔ حضرت علیؓ سورۃ برائت کے مطابق اعلان کرتے تھے اور مشرکین کو پوری طرح اعلان سناتے تھے چونکہ اتنے بڑے اجتماع میں شخص واحد کافی نہ تھا اس لئے حضرت ابو ہریرہؓ اور دیگر حضرات کو بھی حضرت ابو بکرؓ نے اس کام پر لگایا۔

معالم التنزیل (صفحہ ۲۶۱ جلد ۲) میں زید بن تیحج سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ آپؐ کو اس حج میں کیا پیغام دے کر بھیجا گیا تھا (جس میں آپؐ اعلان کرنے پر مامور ہوئے تھے) انہوں نے فرمایا کہ مجھے چار چیزوں کے اعلان کرنے کا حکم ہوا تھا۔ اول: یہ کہ آئندہ بیت اللہ کا طواف کوئی شخص ننگا ہونے کی حالت میں نہ کرے۔ دوم: یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا جس قبیلے سے معاہدہ ہے تو وہ صرف اپنی مدت تک ہے اور جس سے کوئی معاہدہ نہیں اس کو چار ماہ کی مہلت دی جا رہی ہے (چار ماہ تک زمین میں چلیں پھریں۔ مسلمان ان سے کوئی تعرض نہیں کریں گے یہ مدت ختم ہو جانے کے بعد ان کے خون کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔ سوم: یہ کہ جنت میں مؤمن کے سوا کوئی دوسرا شخص داخل نہ ہوگا۔ چہارم: یہ کہ اس سال کے بعد مشرکین اور مسلمین (حج میں) جمع نہ ہوں گے یعنی کسی مشرک کو اس سال کے بعد حج کرنے کی اجازت نہ ہوگی نیز صاحب معالم التنزیل صفحہ ۲۶۱ جلد ۲ لکھتے ہیں کہ یہ چار ماہ کی جو مدت مقرر کی گئی کہ اس کے بعد امان نہ ہوگی۔ اس کی ابتداء حج کے دن سے ہے جس میں برائت کا اعلان کیا گیا تھا اور یہ مدت دس ذوالحجہ سے لے کر دس ربیع الآخر تک تھی چونکہ مدت کا شمار اعلان کے بعد ہی سے معتبر ہو سکتا ہے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرْمُ (الایۃ) حضرت مجاہد اور ابن اسحاق نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں جن اشہر الحرم کا ذکر ہے ان سے وہی

میں نے مراد ہیں جن کا شروع سورت میں ذکر آیا ہے جن لوگوں کے ساتھ معاہدہ بلا تعین مدت کا تھا اور جن سے کوئی عہد نہ تھا ان کو چار ماہ کی مہلت دی گئی۔ اور جنہوں نے نقض عہد کیا تھا یعنی قریش مکہ ان کو چار ماہ کی مدت میں سے بیس دن ذی الحجہ کے اور پورا مہینہ محرم کا گزر جانے تک کی مہلت دی گئی۔ صاحب معالم التزیل نے یہ بات لکھی ہے اور علامہ نسفی نے بھی مدارک التزیل میں ایسا ہی فرمایا ہے۔ صاحب روح المعانی نے بھی یوں ہی لکھا ہے اشہر الحرم سے وہ مہینے مراد نہیں ہیں جو عرب میں معروف و مشہور تھے (یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجۃ محرم اور رجب اور یہ اس لئے فرمایا کہ جس وقت برکت کا اعلان ہوا تھا..... ان میں سے صرف بیس دن ذی الحجہ کے اور ایک مہینہ محرم کا باقی رہ گیا تھا اور رجب تک پہنچنے کے لئے بیچ میں پانچ مہینے کا فصل تھا۔ اگر ان پانچ مہینوں کو بھی حساب میں لگا لیا جائے تو میعاد لمبی ہو جاتی حالانکہ چار مہینوں سے زیادہ کسی کو مہلت نہیں دی گئی۔ آیت کریمہ میں یہ فرمایا کہ جب اشہر الحرم نکل جائیں تو مشرکین کو قتل کر دو جہاں بھی پاؤں کو پکڑو اور انہیں روک لو۔ روکنے کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان کو قلعہ بند کر دو باہر نکلنے سے روک دو اور ان کے لئے ہر گھات کی جگہ میں بیٹھ جاؤ یعنی مکہ کے راستوں میں بیٹھو، مشرکین کو اس میں داخل نہ ہونے دو فَاِنْ تَابُوا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوْا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيْلَهُمْ یعنی اگر وہ شرک سے توبہ کر لیں اور اسلام قبول کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ ان پر چلنے پھرنے کی اور مکہ معظمہ میں داخل ہونے پر کوئی پابندی نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے) جب اسلام قبول کر لیا تو زمانہ کفر میں جو کچھ کیا تھا سب ختم ہے اس پر دارو گیر نہیں۔

وَاحْصُرُوْهُمْ سَے دشمنوں کا محاصرہ کرنے کا جواز معلوم ہوا اور وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ سے معلوم ہوا کہ دشمنوں سے حفاظت کے لئے ان سے چوکنار بننے کے لئے اپنے ملکوں اور شہروں میں چوکیاں مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص اداکام القرآن صفحہ ۸۳ جلد ۳ میں لکھتے ہیں کہ فَاِنْ تَابُوا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوْا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيْلَهُمْ سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص شرک و کفر سے توبہ کرے تو اسے قتل نہ کیا جائے۔ البتہ حصر اور جس کا حکم باقی رہے گا۔ جو شخص قصد نماز چھوڑے اور اس پر اصرار کرے اور زکوٰۃ نہ دے امام المسلمین کے لئے جائز ہے کہ اسے محبوس رکھے اس کا چھوڑ دینا اس وقت تک واجب نہیں جب تک کہ وہ نماز نہ پڑھے اور زکوٰۃ نہ دے۔

پھر فرمایا۔ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاجِرْهُ حَتّٰی يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ (اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیجئے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے۔)

علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوئی کافر حربی امان طلب کرے تو اسے امان دینا جائز ہے وہ امان طلب کر کے مسلمانوں کے پاس آئے، اللہ کا کلام سنے، بوجہ کو سمجھے بنی اکرم ﷺ کی نبوت کے دلائل معلوم کرے تو اس کے لئے ایسا موقع فراہم کیا جائے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی کافر ہم سے دلائل توحید کا اور دلائل رسالت کا مطالبہ کرے تاکہ وہ سمجھنے کے بعد دونوں باتوں کو مان لے تو ہمارے ذمہ واجب ہوگا کہ پوری طرح حجت قائم کریں اور توحید رسالت کو واضح طور پر بیان کریں اور جب کوئی شخص ہم سے توحید اور رسالت کے دلائل طلب کرے تو دلائل بیان کرنے اور حجت قائم کرنے سے پہلے اس کو قتل کرنا جائز نہیں پھر لکھتے ہیں کہ ثُمَّ اَبْلَغُهُ مَا مَنَہُ سے معلوم ہوا کہ امام المسلمین پر واجب ہے کہ جو کوئی کافر حربی امان لے کر آئے اس کی حفاظت کرے تاکہ کوئی شخص اسے قتل نہ کر دے اور کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچائے۔ نیز اسے یہ بھی واضح ہوا کہ جو لوگ اہل ذمہ ہیں امام المسلمین کے ذمہ ان کی حفاظت واجب ہے تاکہ کوئی مسلمان ان پر ظلم و زیادتی نہ کرے۔

کافر حربی کو واپس ان کی جائے امن پہنچانے کا جو حکم ہے اس سے یہ مستنبط ہوا کہ کافر حربی کو دارالاسلام میں مستقل طور پر قیام نہ کرنے



## مشرکین کو کسی قرابت داری اور معاہدہ کی پاسداری نہیں

ان آیات میں اول تو مشرکین کی بعد عہدی کے مزاج کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ ان کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ انہوں نے پہلے بھی عہد توڑا ہے اور آئندہ بھی توڑتے رہیں گے۔ ان کا حال یہ ہے کہ ظاہر میں زبانوں سے عہد ہے اور دلوں میں بغض کی آگ ہے اگر مسلمانوں پر غلبہ پا جائیں تو نہ کسی رشتہ داری کا لحاظ کریں اور نہ کسی معاہدہ کی فہم داری کا بس یہ مسلمانوں کو اپنی زبانی باتوں سے راضی رکھنا چاہتے ہیں۔ (وفائے عہد اور اطاعت کا زبانی وعدہ کرتے ہیں) اور ان کے دل ان کی اپنی زبانی باتوں سے راضی نہیں ہیں اور ان میں اکثر فاسق ہیں۔ یعنی شرارت سے بھرے ہوئے ہیں کہ کسی بھی عہد کی پاسداری کرنے کو تیار نہیں۔ اکا دکا کوئی شخص عہد کی پاسداری کرنا چاہے تو اس کی بات چلنے والی نہیں ہے۔ یہ لوگ اللہ کے احکام کو قبول نہیں کرتے، کیونکہ ان کے سامنے دنیا ہے۔ انہوں نے حقیر دنیا کو لے لیا اور اللہ کے احکام کو چھوڑ دیا۔ تھوڑی سی حقیر دنیا کے جانے کا جوہم تھا اس کی وجہ سے انہوں نے ایمان قبول نہیں کیا کیونکہ جو شخص دنیا ہی کو سامنے رکھے گا وہ اللہ کے راستہ پر نہیں چل سکتا ایسے لوگ خود بھی ایمان قبول نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی ایمان قبول نہیں کرنے دیتے۔ جن کاموں میں یہ لگے ہوئے ہیں ان کے یہ کام برے ہیں۔ لَا يَسْرِ قَبُولُ فَنِي مُؤْمِنٍ إِلَّا وَلَا ذِمَّةٌ (کسی مؤمن کے بارے میں ان کے پاس نہ قرابت داری کی رعایت ہے۔ نہ معاہدہ کی پاسداری ہے) وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْعَدُونَ اور یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم اور زیادتی کرنے والے ہیں۔ كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ۔ فرمانے کے بعد مصلحتاً ہی یوں فرمایا إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ۔ وَأَمَّا۔ علامہ غفرلہ فرماتے ہیں کہ استثنا، میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے مسجد الحرام کے قریب عہد ہوا تھا اور جو اپنے عہد پر قائم رہے اور ان کی مدت باقی تھی جیسے بنی کنانہ اور بنی ضمرہ ایسے لوگوں کے بارے میں حکم دیا ان کے عہد کی رعایت کرو۔ فَمَا اسْتَفْتَاهُوا لَكُمْ۔ جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں (یعنی مدت معاہدہ میں نقص عہد نہ کریں فَاسْتَفْتَاهُوا لَهُمْ) (تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو) یعنی وفاء عہد کرو عہد کی خلاف ورزی نہ کرو۔ کیونکہ یہ تقویٰ کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو دوست رکھتا ہے اس میں اتَّخِذُوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ کے مضمون کا اعادہ ہے اور اتنی بات زائد ہے کہ جب تک وہ مستقیم رہیں تم بھی مستقیم رہو اگر وہ عہد توڑیں تو تم پر عہد پورا کرنے کی پاسداری نہیں۔ صاحب روح المعانی نے بھی یہی بات کہی ہے فرماتے ہیں۔

وَأَيُّهَا مَا كَانَ فَحْكُمُ الْأَمْرِ بِالْأَسْتِقَامَةِ يَنْتَهِي بِانْتِهَاءِ مَدَّةِ الْعَهْدِ فِيرْجِعْ هَذَا إِلَى الْأَمْرِ بِالْأَسْتِقَامَةِ صفحہ ۵۵ جلد ۱۰) (اور جو بھی ہو عہد ہر استقامت کا حکم معاہدہ کی مدت ختم ہونے پر ختم ہو جاتا ہے پھر یہ حکم گذشتہ عہد کی تکمیل کی طرف اوثنا ہے) آخر میں فرمایا فَإِنْ قَاتَلُوا فَأْهُمْ لَفِ سَفْكِ الدِّمَاءِ فَفِي الدِّمَاءِ۔ کہ یہ لوگ اگر کفر سے توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو پھر تمہارے دینی بھائی ہوں گے (ان سے لڑنے کا کوئی موقع نہیں) وَلَنْفَضِلَ الْأَنْبَاءَ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (اور ہم ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں اپنی آیات تفصیل سے بیان کرتے ہیں) تاکہ فکر سے کام لیں اور ہر بات کو سمجھیں اور احکام خداوندی کے پابند رہیں۔

فائدہ..... آیات بالا میں کافروں اور مشرکوں کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ اگر تم پر غالب ہو جائیں تو کسی رشتہ داری اور کسی معاہدہ کا لحاظ نہ کریں وہ تمہیں زبانی باتوں سے راضی رکھتے ہیں اور ان کے دل انکاری ہیں ہمیشہ سے کافروں اور مشرکوں کا یہی حال رہا ہے اور اب بھی ہے کہ مسلمانوں کے قتل و قاتل سے بچنے کے لئے ان کے جذبہ جہاد کو شند کرنے کے لئے قومیت و وطنیت اور ایک جہتی کی بنیاد پر اتحاد اور اتفاق کی تلقین کرتے رہتے ہیں معاہدے بھی کر لیتے ہیں لیکن کبھی ان کا موقع ملگ جائے تو ہر طرح کے تعلقات توڑ کر اور سارے

معاہدوں کی پاسداری چھوڑ کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیتے ہیں۔ یہی حال ان فرقوں کا ہے جو فرقے اسلام کے نام لیوا ہیں لیکن اسلامی عقائد سے منحرف ہونے کی وجہ سے مسلمان نہیں ہیں بلکہ ان فرقوں کی بنیاد ہی اسلام اور مسلمان کی کمر میں خنجر گھونپنے پر ہے یہ لوگ اسلام کے نام پر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور اتحاد اور اتفاق کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔ لیکن اندر سے دشمنان اسلام ہونے کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں کوئی کسر نہیں رکھتے جب بھی موقع ملتا ہے مسلمانوں کے قتل و خون سے باز نہیں آتے۔ صد ہا سال سے یہی دور رہا ہے۔

وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَيْمَةَ الْكُفْرِ

اور اگر وہ لوگ اپنے معاہدہ کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو تم کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو بلاشبہ یہ لوگ ایسے ہیں

رَأَيْتُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ يَنْتَهُونَ ۖ أَلَا تَتَّقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا

کہ انکے یہاں قسمیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں، تاکہ وہ باز آجائیں۔ کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول کو ٹھکانے کا پتہ ارادہ

بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ

کیا اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تم سے پہلے خود پھیر چھڑا کی ابتدا کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو۔ سو اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۖ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِيهِمْ وَيُنْصِرْكُمْ عَلَيْهِمْ

کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔ ان سے جنگ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں ان کو سزا دے گا اور ان کو ذلیل کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد

وَيَسْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ۖ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۚ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ ۚ

کرے گا اور مسلمانوں کے سینوں کو شفا دے گا اور ان کے دلوں کی جلن کو دور فرما دے گا اور جس کو چاہے توبہ نصیب فرمائے

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ

اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ کیا تم کو یہ مان ہے کہ چھوڑ دیے جاؤ گے اور حالانکہ اللہ نے اپنی تم میں سے ان لوگوں کو ٹھیک جانے والوں نے جہاد کیا

وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ اور مؤمنین کے علاوہ کسی کو دوست نہیں بنایا اور اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں

ان آیات میں قریش مکہ کی بدعبدی اور عبد شمس کا تذکرہ ہے اور ان سے جنگ کرنے کی ترغیب ہے۔ ان لوگوں سے ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔

صرف عہد توڑا بلکہ تمہارے دین کو طعن، تشنیع کا نشانہ بنایا۔ تو ان سے جنگ کرو۔

فَقَاتِلُوهُمْ كُنِيَ بِجَاءِ فَقَاتِلُوا الْاِثْمَةَ الْكُفْرَ فرمایا۔ اس سے تمام شرکین قریش مراد ہیں جو پورے عرب مشرکوں کے سرغنہ بنے ہوئے تھے۔ یہ ایمان قبول کرتے تھے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے اور قبائل عرب نے انہیں اپنا مقتدی بنا رکھا تھا جو اس انتظار میں تھے کہ یہ لوگ مسلمان ہوں گے تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے یا اِثْمَةُ الْكُفْرِ سے قریش کے سردار مراد ہیں جیسے ابو جہل اور سہیل بن عمرو اور کرمہ بن ابی جہل اور ابوسفیان بن حرب وغیرہم حضرت ابن عباسؓ نے اسی کو اختیار فرمایا۔ وہ فرماتے تھے کہ یہ آیت قریش مکہ کے سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے نقض عہد بھی کیا اور رسول اللہ ﷺ کو مکہ معظمہ سے جلا وطن کرنے کا بھی مشورہ دیا جبکہ دارالندوہ میں جمع ہوئے تھے اِنَّهُمْ لَا اِيْمَانَ لَهُمْ (ان کی قسمیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں) لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ (تم ان سے جنگ کرو تا کہ یہ تمہارے دین میں طعن کرنے اور مقابلہ میں جنگ کے لئے کھڑے ہونے سے باز آجائیں) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ کہ کفر سے باز آجائیں۔ (معالم التنزیل صفحہ ۷۷ ج ۲ بعض زیادہ)۔

قریش مکہ تو عہد توڑ چکے پھر حرف شرط کے ساتھ ان کے عہد توڑنے کو کیوں ذکر نہ فرمایا؟ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نقض عہد پر قائم رہیں اور ایمان نہ لائیں تو ان سے قتال کرو۔ احقر کے ذہن پر یہ وارد ہوا ہے کہ جملہ شرطیہ لاکر آئندہ آنے والوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور مطلب یہ کہ قریش مکہ تو عہد توڑ ہی چکے ہیں ان کے علاوہ آئندہ بھی کافروں کی جماعت نقض عہد کرے اور تمہارے دین پر طعن کرے ان سے جنگ کرنا خاص کر کفر کے سرغنوں کو قتل کرنے کا اہتمام کرنا۔ ان لوگوں کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں، ایسے لوگوں سے قتال کرتے رہو گے تو وہ تمہارے دین میں طعن کرنے اور جنگ کرنے کی ہمت سے باز ہیں گے۔

علامہ نسفی نے مدارک التنزیل میں لکھا ہے کہ جب کوئی ذمی دین اسلام میں اعلانیہ طور پر طعن کرے اس کا قتل جائز ہے کیونکہ عہد مذمہ میں یہ بات بھی ہے کہ اسلام پر طعن نہ کریں گے سو جب طعن کر دیا تو اس نے اپنا عہد توڑ دیا اور عہد مذمہ سے نکل گیا۔

پھر فرمایا: اَلَا سَفَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَلُوْا اِيْمَانَهُمْ وَهُمْ اِيَّاخْرَاجَ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوا نَحْمُ اَوَّلَ مَرَّةٍ (کیا تم ان لوگوں سے قتال نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ کو مکہ معظمہ سے نکال دینے کا ارادہ کیا اور پھر خود ہی قتال کی ابتداء کی) یعنی بنی خزاعہ کے مقابلہ میں (جو تمہارے حلیف تھے) بنی بکر کی مدد کی۔ اَسَخَسُوْهُمْ فَاَلَلَهُ اَحَقُّ اَنْ نَّخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْمِنِيْنَ (کیا تم ان سے دُرتے ہو اور ترک قتال کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے دُرو) اس کا حکم مانو اور قتال مت چھوڑو) اگر تم مؤمن ہو تو ایمان کے تقاضوں کو پورا کرو۔ جس میں حکم قتال کی تکمیل بھی ہے)

اس کے بعد فرمایا: فَاتِلُوْهُمْ يَعْلَمُوْهُمْ اللّٰهُ بِاٰدِيْكُمْ وَيُخَوِّهُمْ وَيَنْصُرُكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ۔ اس آیت میں قتال کا بھی حکم ہے اور مدد کا وعدہ بھی فرمایا کہ تم ان سے جنگ کرو اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا اور ذلیل کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد فرمائے گا اور یہ بھی فرمایا کہ کافروں کی طرف سے جو عہد شکنی ہوئی اور جو انہوں نے اسلام کو مٹانے کیلئے حرکتیں کیں اس سے جو مسلمانوں کے دلوں میں رنج و غم ہے اس جنگ کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس کو بھی دور فرمائے گا۔ اہل ایمان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ شفا دے گا ان کے دل ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ کیونکہ جنگ کے نتیجے میں کافر مقتول اور ذلیل و خوار ہوں گے اور مسلمان اپنی آنکھوں سے کافروں کا برا انجام دیکھ لیں گے۔ مزید فرمایا: وَتُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ۔ اور اللہ ان کے دلوں کی جلن کو دور فرمائے گا۔ یہ جملہ اولیٰ پر عطف ہے اور اس کے مضبوطی کی تاکید ہے اور اس میں اہل ایمان کی خوشی کو دوسرے الفاظ میں بیان فرما دیا ہے۔ جس سے مبالغہ

مقصود ہے، مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو زیادہ خوش ہوں گے۔ صاحب روح المعانی یہ بات لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اذھاب الغیظ شفاء صدور سے زیادہ ابلغ ہے اور یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے یوں بھی فرمایا ہے کہ شفا صدور فتح مکہ کے وعدہ سے ہو گیا اور از باب الغیظ فتح مکہ سے ہو گیا لیکن صاحب روح المعانی اس قول سے راضی نہیں۔

اس کے بعد فرمایا: وَيُضَوِّبُ اللَّهُ غُلْسِي مِنْ يَشَاءُ (اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے تو یہ نصیب فرمائے) تمہیں جو حکم بہا ہے وہ کرو۔ تمہارا کام قتال ہے اور اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر میں جو کچھ ہے وہ واقع ہوگا جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اسلام کی توفیق دے گا اور کفر چھوڑنے پر جو ان کی توبہ قبول فرمائے گا یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر فضل ہے۔ وہ جس پر چاہے اپنا فضل فرما دے جسے اسلام کی نعمت سے نوازنا ہو گا وہ تمہارے مقابل صف آراء و ذکر بھی بچ کر نکل جائے گا اور اسلام قبول کر لے گا۔ جیسا کہ ابوسفیان اور عمرہ بن ابی جہل اور سمیل بن مرو جو مشرکین کے روسا تھے بعد میں مسلمان ہو گئے۔ وَاللَّهُ عَلِيمٌ خَكِيمٌ اور اللہ جاننے والا ہے اور اسے معلوم ہے کہ کون اسلام قبول کرے گا اور کون کفر پر مرے گا اور وہ حکیم بھی ہے۔ وہ اپنی حکمت کے موافق جس کو چاہے نواز دے۔ کسی کا اس میں دخل نہیں ہے۔

فائدہ..... یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ مکہ تو ۸ھ میں فتح ہو چکا تھا اور سورہ برات ۹ھ میں نازل ہوئی۔ پھر ان آیات میں کون سے جہاد کی ترغیب دی گئی ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے صاحب روح المعانی صفحہ ۶۲ جلد ۱۰ لکھتے ہیں کہ سورہ برات کی ابتدائی آیات فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھیں اور یہ آیات اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔ اھ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور نصرت کی خوشخبری دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اہل کفر سے جو تمہیں تکلیف پہنچے گی اور ان کی شرارتوں کی وجہ سے جو تمہارے دل میں غیظ و غضب ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو دور کر دے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا اور کافروں کو ذلیل کرے گا اور تمہارے دلوں کو کافروں کی ذلت دکھا کر شفاء و طافرمائے گا جس طرح اہل مکہ میں قتال کے لئے بعض چیزیں جمع ہو گئی تھیں کہ انہوں نے اپنا عبد توڑا اور تمہارے دین میں طعن کیا اور رسول اللہ ﷺ کو جلا وطن کرنے کا مشورہ کیا اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی پھیل کی اس طرح کی بہت سی باتیں آئندہ بھی کافروں کی طرف سے پیش آسکتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تو تمہارے درمیان نہ ہوں گے۔ کیونکہ وہ دنیا سے تشریف لے جا چکے ہوں گے اور ان کے بعد کوئی بنی اور رسول بھی نہیں لیکن اس طرح کے واقعات پیش آسکتے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو ان سے لڑو تا کہ کافر ذلیل و خوار ہوں اور تمہارے دل ٹھنڈے ہوں۔ خطاب کا رخ حضرات صحابہ کو ہے لیکن عموم خطاب میں سب مسلمان داخل ہیں۔ اس کے بعد جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: آمَّ حَسْبُكُمْ أَنْ تَتْرَكُوا الْأَيَّةَ

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے اور تمہارا امتحان نہ ہوگا؟ ایسا خیال نہ کرو۔ امتحان ضرور ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان لے گا جنہوں نے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین کے سوا کسی کو راز دار اور دوست نہیں بنایا۔

جہاد کرنے والے اور دل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین سے سچی محبت کرنے والے عملی طور پر ان لوگوں سے علیحدہ ہو کر ممتاز ہو جائیں گے جنہوں نے جہاد سے جان چرائی اور جنہوں نے کافروں اور مشرکوں کو راز دار بنایا۔ یہ سورہ نساء میں گزر چکا ہے۔

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ (اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت میں رکھنا نہیں چاہتا جس پر تم اب ہو جب تک کہ پاک کو ناپاک سے تمیز نہ فرمادے۔ ۱۲)

اور سورہ عنکبوت میں فرمایا ہے:

أَحْسِبُ النَّاسَ أَنْ يَتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝

(کیا لوگوں نے گمان کیا ہے کہ صرف یوں کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ایمان لائے اور ان کی جانچ نہ کی جائے گی) آخر میں فرمایا۔ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے باخبر ہے) وہ اپنے ظلم کے مطابق جزا دے گا۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَعْمُرُوْا مَسْجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِۙ اُولٰٓئِكَ

مشرکین اس سے اہل نہیں ہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں اس حال میں کہ وہ اپنے بارے میں کافر ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۱۰ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

ہیں جن نے اعمال اکارت ہو گئے اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتٰى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰى اُولٰٓئِكَ اَنْ

پر ایمان آئے اور جنہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔ سو تو قہ ہے کہ یہ لوگ

يَكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۱ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ

ہدایت پانے والوں میں سے ہوں گے کیا تم نے حج کرنے والوں کو پانی پانے اور مسجد حرام کے آباد کرنے کو اس شخص کے برابر

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا يَسْتَوْنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی

بنا دیا جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اللہ کے نزدیک یہ لوگ برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۲ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ

نہیں دیتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے

وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝۱۳ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ

جہاد کیا یہ لوگ اللہ کے نزدیک درجہ کے اعتبار سے بڑے ہیں اور یہ لوگ کامیاب ہیں۔ ان کا رب اپنی طرف سے انہیں رحمت کی

بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ ۚ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِیْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝۱۴ خٰلِدِيْنَ فِیْهَا اَبَدًا ۚ

اور رضا مندی اور ایسے باغوں کی بشارت دیتا ہے جن میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں یہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَآ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۱۵

بإشارة اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

مشرکین اس کے اہل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں

۔ عالم التنزیل صفحہ ۲۷۳ جلد ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب غزوہ بدر کے موقع پر عباس کو قید کر لیا گیا تو مسلمانوں نے عباس کو عار دلائی کہ تم کفر اختیار کئے ہوئے ہو اور تمہارے اندر قطع رحمی بھی ہے (کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو مشرکین نے مکہ



سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا) اور اس بارے میں حضرت علیؓ نے سخت باتیں کہہ دیں تو اس کے جواب میں عباس نے کہا کہ آپ لوگ ہماری برائیاں تو ذکر کرتے ہیں کیا بات ہے کہ ہماری خوبیاں ذکر نہیں کرتے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تمہارے پاس خوبیاں بھی ہیں؟ عباس نے کہا کہ ہاں! ہم مسجد حرام کو آباد کرتے ہیں اور کعبہ کی درباری کرتے ہیں اور حجاج کو پانی پلاتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ **مَسَاكِنَ لِلْمُشْرِكِينَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ (آخر تک)** نازل فرمائی اور یہ بتایا کہ مشرکوں کا یہ کام نہیں کہ مسجدوں کو آباد کریں۔ مشرک ہوتے ہوئے مسجد کی آبادی کا کوئی معنی نہیں۔ کعبہ شریف تو شرک کے دشمن حضرت ابراہیمؑ نے بنایا تھا۔ کعبہ اور کعبہ کی مسجد کی بنیاد تو حید پر ہے جو لوگ اپنے اقرار و اعمال سے یہ گواہی دے رہے ہیں کہ ہم کافر ہیں یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو نہیں مانتے ان کا مسجد کو آباد کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہاں یہ لوگ شرک کرتے ہیں اگر ظاہری کوئی آبادی کر دی یعنی اس کے متولی بن کر کچھ درو دیوار کی دیکھ بھال کر لی تو کفر و شرک جیسی بغاوت کے سامنے صحیحہ حقیقت ہے پھر مسجد حرام میں جاتے تھے تو شیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے (جیسا کہ سورۃ انفال کے چوتھے رکوع میں گزر چکا ہے) ایسا آباد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک آباد کرنے میں شمار نہیں ہے۔ صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۲۷۳ جلد ۲) میں لکھتے ہیں: **أَيُّ مَا يَنْبَغِي لِلْمُشْرِكِينَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسْجِدَ اللّٰهِ اَوْ جِبْ عَلٰى الْمُسْلِمِيْنَ مِنْهُمْ مِنْ ذٰلِكَ لَانِ الْمَسَاجِدَ اِنَّمَا تَعْمُرُ لِعِبَادَةِ اللّٰهِ وَحْدَهُ فَمَنْ كَانَ كَافِرًا بِاللّٰهِ فَلَيْسَ مِنْ شَاْنِهِ اَنْ يَّعْمُرَهَا (یعنی اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا مشرکوں کا کام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ مشرکوں کو اللہ کے گھر سے روکیں کیونکہ مسجدیں خالص اللہ کی عبادت سے آباد ہونی چاہئیں۔ جو اللہ کا منکر ہے مسجد آباد کرنا اس کا کام نہیں ہے) پھر فرمایا **اَوْ لِنَفْسٍ حَبِطَتْ اَعْمَالُهَا (ان کے سب اعمال اکارت چلے گئے) کیونکہ کفر کے ساتھ کوئی بھی عمل اگرچہ بظاہر عبادت ہو آخرت میں کوئی نفع دینے والا نہیں) وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ (اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں)****

مساجد کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام ہے..... اس کے بعد فرمایا **اِنَّمَا يَّعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاَتٰى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ (اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور جنہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے) اس میں بتایا کہ مسجدوں کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے مقرر فرمودہ فرائض کو انجام دیتے ہیں (اس میں دو چیزوں کا خصوصی تذکرہ فرمایا یعنی نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا) اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو احکام بھیجے ہیں ان پر عمل کرنے میں قوم یا قبیلہ اور اہل وطن کے اعتراض کو نہیں دیکھتے کہ کوئی کیا کہے گا..... اللہ کے دین پر کسی کا خیال کئے بغیر عمل کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ پھر ان لوگوں کا اخروی انجام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا **فَعَسٰى اَوْ لَنُفِثَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ (یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنت تک پہنچنے کا راستہ بتا دے گا۔ دنیا میں اللہ کی اطاعت اور عبادت میں لگنا نصیب ہوگا اور پھر یہ اطاعت اور عبادت جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ بن جائے گا مسجد بنانا اور اس کا نظم و نسق سنبھالنا، حرمت کرنا، نمازیوں کی واقعی ضرورتیں پوری کرنا یہ سب مسجد کی آباد کاری میں داخل ہے۔ لیکن مسجد کی آباد کاری کی جو دوسری شان سے ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ مسجد کو نمازیوں سے، ذکر سے، تلاوت سے، تعلیمی حلقوں سے، تدریس قرآن سے آباد رکھا جائے کیونکہ مساجد کی اصل بناء انہی امور کے لئے ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مسجد کا دھیان رکھتا ہے تو اس کے لئے ایمان کی گواہی دے دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **اِنَّمَا يَّعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (اللہ کی مسجدوں کو وہی شخص آباد رکھتا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا)******

مساجد میں کیا کیا کام ممنوع ہیں..... جیسے اعمال صالحہ نماز، ذکر، تلاوت وغیرہ سے مسجد کو آباد رکھنے کی فضیلت ہے وہاں ان چیزوں سے پرہیز کرنے کی سخت ضرورت ہے جو مسجد میں کرنا منع ہیں۔ کیونکہ ان چیزوں کا ارتکاب مسجد کی آباد کاری کے خلاف ہے۔ مساجد میں ایسے اشعار پڑھنا جو نبی اعتبار سے اچھے نہ ہوں اور خرید و فروخت کرنا اور بد بودار چیزیں کھاپی کر مسجد میں جانا (جس میں بیڑی، سگریٹ، تمباکو والے پان کی بد بو بھی شامل ہے) اور مساجد میں دنیا کی باتیں کرنا۔ مساجد میں تھوک، ناغہ، ڈالنا، گم شدہ چیزیں تلاش کرنا اور مخلوق سے سوال کرنا۔ یہ سب امور مسجد میں ممنوع ہیں اور مسجد کی شان کے خلاف ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص مسجد میں کسی گم شدہ چیز کو تلاش کرنے والے کی آواز سے تو یوں کہہ دے لا ردھا اللہ علیک (کہ اللہ تجھے یہ چیزیں واپس نہ دے) کیونکہ مسجدیں اس کام کیلئے نہیں بنائی گئیں۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۱۰ جلد ۱۱ ابوداؤد صفحہ ۶۸ جلد ۱)

نیز حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ مسجد میں بیچتا خریدتا ہے تو کہہ دو کہ اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۷۷) رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مسجدوں میں ان کی باتیں دنیاوی امور پر ہوں گی۔ سو تم ان کے پاس مت بیٹھنا کیونکہ اللہ کو ان کی حاجت نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۷۷ عن ابی ہریرہؓ فی شعب الایمان)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل مبغوض ہے ان کے پاس بیٹھ کر اپنا برانہ کرو۔ حضرت حکیم بن حزامؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مساجد میں حدود و تقاضا جاری کرنے سے اور (غیر دینی) اشعار پڑھنے سے منع فرمایا۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۳۶۱ جلد ۲) حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں درختوں یعنی پیاز اور لہسن کے کھانے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ جو شخص انہیں کھائے ہماری مسجد کے پاس نہ آئے اور فرمایا کہ اگر تمہیں کھانا ہو تو ان کو پکا کر کھاؤ۔ جس سے ان کی بد بو چلی جائے گی۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۱۷۹ جلد ۲) فی مسلم عدۃ روایات فی هذا المعنی صفحہ ۲۰۹ جلد ۱)

ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھا رہنا مسجدوں میں اعتکاف کرنا اور نمازوں کے انتظار میں بیٹھا رہنا بھی مسجد کی آباد کاری ہے۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ نے بیان کیا کہ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) ہمیں خنسی ہونے کی یعنی قوت مردانہ زائل کرنے کی اجازت دیجئے آپ نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں جو کسی کو خنسی کرے یا خود خنسی ہو جائے بے شک میری امت کا خنسی ہونا یہ ہے کہ روزے رکھا کرے (اس سے شہوت دب جائے گی) پھر عرض کیا کہ ہمیں سیر و سیاحت کی اجازت دیجئے آپ نے فرمایا میری امت کی سیر و سیاحت جہاد فی سبیل اللہ میں ہے۔ پھر عرض کیا کہ ہمیں رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دیجئے (جیسا کہ نصرانی لوگ تارک دنیا ہو کر الگ غاروں میں اور جنگلوں میں بیٹھ گئے تھے) آپ نے فرمایا میری امت کی رہبانیت یہ ہے کہ نمازوں کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھا کریں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۶۹)

مسجد کی صفائی کا اجر و ثواب..... حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت کے ثواب کے کام پیش کئے گئے یہاں تک کہ کوئی شخص اگر مسجد سے ایسی چیزیں نکال دے جو دیکھنے میں ناگوار ہو (اگرچہ معمولی سا کوڑا کچرا اتکا ہو) تو وہ بھی مجھے امت کے ثواب کے کاموں میں دکھایا گیا ہے اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کئے تو اس سے بڑھ کر میں نے کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت عطا کی گئی ہو پھر وہ اسے بھول گیا۔ (ابوداؤد صفحہ ۶۶ جلد ۱)

آج کل مسجدوں کی ظاہری آبادی ہی رہ گئی ہے۔ خوبصورت قارئین، جہاز فانوس درہ دیوار پر پھول دار نقشے، چمکدار فرش وغیرہ۔ فیہ۔ ان چیزوں میں بڑھ چڑھ کر جمعہ لیا جاتا ہے اور نمازوں میں حاضری اور تاہات اور نمازوں کے انتظار میں بیٹھے رہنے کی طرف توجہ نہیں دی جاتی اور یہ ظاہری زیب و زینت کی چیزیں شرعاً پسندیدہ بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ ان سے نمازوں کے خشوع و خضوع میں فرق آتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ مسجد میں نہایت آگے آئیں میں فخر کریں گے۔ (ابو داؤد صفحہ ۶۵ جلد ۱)

ایک حدیث میں مسجدوں کی زیب و زینت پر توجہ دینے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ: مساجد ہم عامرۃ وہی خراب من الہدی (ان کی مسجدیں آباد ہوں گی اور ہدایت کے اعتبار سے ویران ہوں گی)۔ (تھوفا المصاح صفحہ ۳۸)

حجاج کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا ایمان اور جہاد کے برابر نہیں..... پھر فرمایا: اجعلکم سفابۃ الحجاج وعمارة المسجد الحرام۔ (الاقیۃ) اس کے بارے میں دو سبب نزول نقل کئے گئے ہیں۔ ان میں ایک تو وہی ہے جو پہلے مذکور ہوا کہ جب بدر میں مشرکین کو قید کیا جن میں عباس بن عبدالمطلب بھی تھے اور عباس کو کفر اختیار کرنے پر عار دانی تو انہوں نے کہا کہ اگر تم ہم سے اسلام میں اور ہجرت میں اور جہاد میں آگئے بڑھ گئے تو ہم بھی تو مسجد حرام کو آباد کرتے ہیں اور حجاج کو پانی پلاتے ہیں اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (عالم التنزیل صفحہ ۲۷ جلد ۲)

مطلب یہ ہے کہ کیا حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے درہ دیوار کی دیکھ بھال کرنے کو تم نے اس شخص کے عمل کے برابر کر دیا جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان الیا اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے یعنی ایمان اور جہاد والوں کے مقابلہ میں حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال جبکہ ایمان نہ ہو اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں۔ کفر و شرک کے ساتھ کوئی بھی نیک عمل مقبول اور معتبر نہیں۔

اور دوسرا سبب نزول یہ لکھا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے منبر کے پاس تھا۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر میں حجاج کو پانی پلاؤں اور اس کے بعد دوسرا نیک عمل نہ کروں تو مجھے کوئی پروا نہیں۔ دوسرے نے کہا کہ اگر میں مسجد حرام کو آباد کرنے کے علاوہ کوئی عمل نہ کروں تو مجھے دوسرے اعمال کے چھوٹ جانے کی کوئی پروا نہیں، تیسرے شخص نے کہا کہ تم نے جو اپنے اعمال کے بارے میں کہا ان اعمال سے بڑھ کر جہاد فی سبیل اللہ ہے ان لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جہڑک دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے منبر کے قریب آوازیں بلند نہ کرو۔ یہ جو کادہ تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نماز سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالی میں حاضر ہو کر اس بارے میں دریافت کروں گا جس میں تم اختلاف کر رہے ہو، چنانچہ انہوں نے خدمت عالی میں حاضر ہو کر سوال کیا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (عالم التنزیل صفحہ ۲۷ جلد ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان تو تمام اعمال سے افضل ہے ہی جہاد فی سبیل اللہ بھی حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال اور تولیت سے افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا: لَا يَسْتَوِي عِنْدَ اللَّهِ (یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں)۔ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (ظالموں سے مشرک مراد وہیں وہ شرک پر قائم ہوتے ہوئے حق اور صحیح بات کو نہیں مانتے) مؤمن مہاجرین اور مجاہدین کو بشارت..... اس کے بعد ایمان اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان کرتے

ہوئے ارشاد فرمایا: الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْثَرُ دَرَجَةٍ عِنْدَ اللَّهِ۔ (جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا درجہ کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک یہ لوگ بہت بڑے ہیں، اور یہ لوگ ہی پورے کامیاب ہیں) مزید فرمایا: يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ۔ (ان کا رب انہیں بشارت دیتا ہے اپنی رحمت کی اور رضامندی کی اور باغوں کی جن میں ان کے لئے دائمی نعمتیں ہوں گی۔ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا (وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ۔ (بے شک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۖ

اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان کے مقابلہ میں پسند کرتے ہوں

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ

اور تم میں سے جو شخص ان سے دوستی کرے گا تو یہ لوگ ہی ظلم کرنے والے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی

وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ

اور بیویاں اور کنبہ اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے نہ چلنے سے تم ڈرتے ہو

مَسْكَنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ

اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ

يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

اللہ کا حکم آجائے اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کے سامنے باپ، بھائی، بیوی، کنبہ، قبیلہ، مکان، دکان، آلِ اولاد کی کوئی حقیقت نہیں

گزشتہ آیات میں جہاد اور ہجرت کی فضیلت بیان فرمائی۔ جب ہجرت کا حکم ہوا تھا اس وقت ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے اسلام تو

قبول کر لیا لیکن ہجرت کرنے میں پس و پیش کرتے تھے اور ہجرت کی ہمت کرنے سے عاجز بنے ہوئے تھے۔ یہ آیات ان لوگوں کے

بارے میں نازل ہوئیں۔ معالم التنزیل (صفحہ ۶۷۷ جلد ۲) میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب بنی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کو

ہجرت کرنے کا حکم فرمایا (اور یہ وہ وقت تھا جبکہ مدینہ منورہ ہی دارالاسلام تھا اور مدینہ منورہ کو ہجرت کرنا فرض تھا) تو بعض لوگوں نے ہجرت

کرنے کا ارادہ کر لیا اہل و عیال نے ان کو ہجرت کرنے سے روکا اور انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں ضائع نہ کریں۔ ان کی یہ بات سن کر ان پر

ترس آگیا اور ہجرت کا ارادہ چھوڑ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا (الایۃ) نازل فرمائی

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ تمہارے باپ اور بھائی اگر کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں اور ایمان کے مقابلہ میں انہیں کفر محبوب ہے تو انہیں دوست نہ بناؤ کیونکہ وہ محبت اور دوستی کے لائق نہیں ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ بھی ایمان قبول کر لیتے اور تمہارے ساتھ ہجرت کرتے اب وہ کافر ہیں اور تم مؤمن ہو تمہارا دین تو قبول کرتے نہیں اور یوں کہتے ہیں کہ تم ہجرت کر کے جاؤ گے تو ہم ضائع ہو جائیں گے،

جو لوگ اللہ کے فرمانبردار نہیں بننے حق کو قبول نہیں کرتے وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے دوستی کی جائے۔ وہ ایمان قبول کرنے کو تیار نہیں اور تم ان پر اتنے مہربان ہو رہے ہو کہ ان کی وجہ سے ہجرت (جو فرض ہے اور ایمان کا جزو ہے) نہیں کرتے وہ تو ایمان پر نہیں آتے اور تم ان کیلئے اپنا ایمان ضائع کر رہے ہو ایہ تو تمہارا اپنی جانوں پر ظلم ہوا۔ اس آخری بات کو یوں بیان فرمایا وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (اور تم میں سے جو لوگ ان سے دوستی رکھیں تو وہ لوگ ہی ظلم کرنے والے ہیں) یعنی ان سے دوستی رکھنا جبکہ ان کو کفر محبوب ہے ظلم کی بات ہے اور یہ اپنی جانوں پر ظلم ہے، جب ایمان لے آئے اللہ کے ہو گئے تو اللہ کے حکموں کے سامنے کوئی تعلق اور کوئی رشتہ داری لائق توجہ نہیں جو اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے روکے مومن کا اپنا وہی ہے خدا اللہ کا فرمانبردار ہو جو اللہ کا نہیں ہے وہ ہمارا بھی نہیں ہے۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فدائے یک تن بیگانہ کو آشنا باشد

جب آیت لَا يَتَّخِذِ الْكَافِرِينَ اَوْلِيَاءَ اِلَّا يَتَّخِذُوْا اَنَافِثًا نَّازِل ہوئی تو بعض وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ہجرت نہیں کی تھی کہنے لگے کہ اگر ہجرت کرتے ہیں تو ہمارے مال ضائع ہو جائیں گے اور تجارتیں ختم ہو جائیں گی اور گھر ویران ہو جائیں گے اور رشتہ داریاں کٹ جائیں گی اس پر دوسری آیت قُلْ اِنْ كَانَ اَبَاؤُكُمْ (۱۱۱) نازل ہوئی۔ (معالم القرآن جلد ۲ صفحہ ۷۷) جس میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بنی اکرم ﷺ کی زبانی یہ اعلان کروا دیا کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور کنبہ اور تمہارے مال جو تم نے کما رکھے ہیں اور وہ تجارت جس میں تم مشغول ہو اور ہجرت کرنے کی وجہ سے اس کے ناکام ہونے کا تمہیں ڈر ہے اور رہنے کے گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ چیزیں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کی نسبت زیادہ محبوب ہیں۔ تو تم اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ یہ دنیاوی چیزیں تمہیں ہجرت سے روک رہی ہیں یہ تمہارے لئے عذاب کا باعث ہے یہ عذاب دنیا میں بھی آسکتا ہے اور آخرت میں تو بہر حال ترک ہجرت کرنے پر عذاب ہے ہی۔ اگر اسی حالت میں مر گئے کہ ہجرت نہ کی جبکہ اس کے بغیر ایمان مقبول نہیں۔ قال صاحب الروح ای بعقوبتہ سبحانه لکم عاجلا و اجلا علی ماروی عن الحسن (صفحہ ۷۷ جلد ۱)

سورہ نساء (آیت ۵۸) میں ہجرت پر قدرت ہوتے ہوئے ہجرت نہ کرنے والوں کے لئے قُلْ اُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ وَمَا تَصْبِرُوْنَ فرمایا ہے اللہ کی وعید پر نظر نہ رکھنا اور رشتہ داریوں اور تجارتوں اور گھروں کا بھیان رکھنا اور ان کی محبت میں جہاد اور ہجرت کو چھوڑ دینا یہ ایمان سے بھی دور ہے اور عقل سے بھی۔

آخر میں فرمایا: وَلَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ اور جو لوگ فاسق ہیں اللہ کی فرمانبرداری نہیں کرتے کافروں سے دوستی رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہیں دے گا کہ وہ اپنی عقل سے کام لیں اور اپنے نفع اور ضرر کو سمجھیں۔ دنیا کو اللہ کی رضا کے مقابلہ میں ترجیح دی اس کی سزا میں ان کا یہ حال ہوا۔

فائدہ..... ایمان قبول کرنے کے بعد ایمان کے تقاضے انسان کو شرعی احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ شرعی احکام میں بہت سی ایسی چیزیں آجاتی ہیں۔ جو نفس پر گراں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ہجرت بھی ہے جہاد بھی ہے حرام مال کا چھوڑنا بھی ہے۔ شریعت کے مطابق اپنوں سے قطع تعلق ہونا بھی ہے اور بہت سے امور ہیں جو نفس کو ناگوار ہیں۔ جو لوگ یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے اور اس کا حق سب سے زیادہ ہے اور مال بھی اس نے دیا ہے اور رشتہ داریاں بھی اس نے پیدا فرمائی ہیں انہیں اسلامی احکام پر عمل کرنے میں کچھ بھی دشواری نہیں ہوتی وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے اندر تین چیزیں ہوں گی ان کی وجہ سے وہ

ایمان کی مٹھاس پالے گا۔

پہلا وہ شخص جسے اللہ اور اس کا رسول ﷺ دوسری تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔

دوسرا وہ شخص جو کسی بندہ سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے۔

تیسرا وہ شخص جسے اللہ نے کفر سے بچا دیا وہ واپس کفر میں جانے کو ایسا ہی برا سمجھے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے۔

(رواہ البخاری فی صفحہ ۷۷ جلد ۱)

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہ ہوگا جب

تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (رواہ البخاری صفحہ ۷۷ جلد ۱)

ایمان کی مٹھاس سے مراد یہ ہے کہ طاعات اور عبادات میں لذت محسوس ہونے لگے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے ہر طرح کی مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرنا آسان ہو جائے۔

فائدہ..... محبت دو طرح کی ہوتی ہے ایک طبعی جس میں اختیار نہیں ہوتا اور دوسری محبت اختیاری یہ محبت عقلی ہوتی ہے اوپر جس محبت کا تذکرہ ہوا اس سے محبت اختیاری مراد ہے چونکہ غیر اختیاری امور کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مکلف نہیں بنایا اور طبعی محبت اختیاری نہیں ہے اس لئے اوامر شرعیہ میں محبت عقلی اور اختیاری ہی مراد ہے۔ اگر کسی شخص کے دل میں طبعی طور پر آل اولاد اور رشتہ داروں کی اور مال کی محبت ہو تو اس پر مواخذہ نہیں ہے بشرطیکہ یہ طبعی محبت اختیار کی محبت پر غالب نہ آجائے۔ ایمانی تقاضوں کا پورا کرنا بعض مرتبہ آل اولاد، مال اور کانداری کی محبت کی وجہ سے دشوار ہو جاتا ہے اور غیر اللہ کی محبت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں لگ جاتے ہیں۔ بچوں کو خوش کرنے کے لئے تصویریں خریدیں۔ گھر میں ٹی وی لے آئے انہیں غیر شرعی لباس پہنا دیا ان کی رواجی ضرورتیں پورا کرنے کے لئے رشوت لے لی۔ ان کو زیادہ مال فراہم کرنے کی نیت سے سود لے لیا۔ حرام حکموں میں ملازمت کر لی اور کسی طرح کے گناہوں میں ملامت ہو گئے۔ دوستوں کو خوش کرنے کے لئے داڑھی مونڈ لی، نصرانی لباس پہن لیا، حرام کمانی والے کی دعوت کھالی یہ ہوتا رہتا ہے اور ایسے مواقع میں عقلی ایمانی محبت اور طبعی محبت میں مقابلہ کی صورت بن جاتی ہے عموماً لوگ طبعی محبت سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور ایمانی تقاضوں کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

أَحَبُّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ کے عموم میں اس طرح کی سب باتیں آ جاتی ہیں۔ بہت نیک بندوں کو ایمانیات کی تکمیل کرتے ہوئے اور جنت کا یقین رکھتے ہوئے اعمال صالحہ انجام دیتے ہوئے یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے کہ طبعی محبت بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ یہ مقام بہت مبارک ہے اور برتر و بالا ہے۔ زہرہ نصیب جسے حاصل ہو جائے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۚ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۖ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ

یہ واقعی بات ہے کہ اللہ نے بہت سے مواقع میں تمہاری مدد فرمائی اور حنین کے دن بھی، جب تمہیں اپنی کثرت پر سمجھند ہو گیا۔ مگر اس کثرت

عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمُ مُدْبِرِينَ ۚ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ

نے تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ دیا اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے، پھر اللہ نے اپنے

سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ

رسول ﷺ پر اور مؤمنین پر اطمینان قلبی نازل فرمایا اور ایسے لشکر اجار دیئے جنہیں تم نہیں دیکھ رہے تھے

كَفَرُوا ۚ وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ ۚ

اور اللہ نے کافروں کو عذاب دیا اور یہ سزا ہے کافروں کی، پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

غزوہ حنین میں مسلمانوں کا کثرت پر گھمنڈ ہونا

اور اس کی وجہ سے اولاً شکست کھا کر بھاگنا پھر اللہ تعالیٰ کا مدد فرمانا

ان آیات میں اول تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے یہ فرمایا ہے کہ اللہ نے بہت سے مواقع میں تمہاری مدد فرمائی پھر خصوصیت کے ساتھ غزوہ حنین میں مدد فرمانے کا واقعہ یاد دلایا۔ حنین (حنین) مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ ہے مکہ فتح ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ بنی ہوازن کی طرف تشریف لے گئے۔ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بہت بڑی جماعت تھی، بعض صحابہ کے منہ سے یہ نکل گیا کہ آج ہم کی کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ مسلمانوں کو اول شکست ہوئی اور بہت زیادہ پریشانی ہوئی اور چند افراد کے علاوہ سب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی۔

غزوہ حنین کا مفصل واقعہ..... اس واقعہ کی تفصیل اس طرح سے ہے کہ جب قبیلہ ہوازن کو یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا ہے تو مالک بن عوف نصری نے جو ان کا سردار تھا بنی ہوازن کو جمع کیا ان کے ساتھ بوثقیف، بنو نصر، بنو شہم، بنو سعد بن بکر اور کچھ بنی ہلال میں سے جمع ہو گئے ان لوگوں کا ارادہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے قتال کریں، ان کے ارادوں کی خبر ملنے پر جب آپ نے ان کی طرف تشریف لے جانے کا ارادہ کر لیا تو مالک بن عوف نے اپنی جمعیت اور اپنے اموال اور عورتوں اور بچوں کو مقام حنین میں جمع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد کو ان کی خبر لینے کے لئے بھیجا اور فرمایا کہ تم اندر جا کر رہو اور صحیح حال معلوم کر کے ان کی خبر لے آؤ۔ حضرت عبداللہ بن ابی حدرد ﷺ تشریف لے گئے اور ان میں داخل ہو کر ان کی خبریں لیں۔ اور حالات معلوم کئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کو صورت حال سے باخبر کیا اور بتایا کہ ان لوگوں کی نیت جنگ کرنے کی ہے۔ آپ نے مکہ معظمہ سے جب ان سے مقابلہ کیلئے سفر شروع فرمایا تھا تو آپ کے ساتھ دس ہزار افراد تو وہ تھے جو فتح مکہ کے لئے مدینہ منورہ سے ہمراہ آئے تھے اور دو ہزار آدمی مزید اہل مکہ میں سے ساتھ ہو گئے تھے۔ حضرت سہل بن حنظلہ نے بیان کیا کہ ہم رسول ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے اسی اثنا میں نماز ظہر کا وقت آ گیا اس وقت ایک گھڑ سوار آدمی آیا اس نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کے آگے چلا گیا تھا فلاں فلاں پہاڑ پر چڑھ گیا تو میں نے دیکھا کہ بنی ہوازن سب کے سب اپنی عورتیں اور اپنے اموال اور اپنی بکریوں کو لے کر حنین میں جمع ہو گئے ہیں آپ نے مسکرا کر فرمایا ان شاء اللہ کل کو یہ سب مسلمانوں کے مال غنیمت ہوں گے۔ آنے والی رات میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بنی مرہمہ ﷺ کو کیداری کرتے رہے اور ادھر ادھر مختلف گھاٹیوں میں گھوڑے پر سوار ہو کر پھرتے رہے تاکہ دشمن کی خبر رکھیں۔

جب صبح ہوئی تو مسلمانوں کے لشکر اور بنی ہوازن کی جمعیت کا مقابلہ شروع ہوا یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ بات نکل گئی تھی کہ اس وقت ہماری تعداد بہت ہے افراد کی کمی کی وجہ سے شکست نہیں کھائیں گے۔ بنی ہوازن کے لوگ تیر اندازی میں بہت ماہر تھے انہوں نے تیر اندازی شروع کی تو مسلمان پشت پھیر کر بھاگ لئے۔ دشمن کے مقابلہ میں صرف رسول ﷺ اور آپ کے ساتھ چند افراد رہ گئے تھے جن میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ بھی تھے آپ برابر پکارتے رہے۔

إِنَّمَا النَّاسُ هَلُمُّوا إِلَيَّ أَنَا رَسُولُ اللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ -

(اے لوگو! میری طرف آ جاؤ میں رسول اللہ ہوں، میں محمد بن عبد اللہ ہوں)۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ سفید خچر پر سوار تھے اور بطور رجز یہ پڑھ رہے تھے۔

أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ

(میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں)

اس موقع پر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور عرض کیا: اَللّٰهُمَّ نَزِّلْ نَصْرَكَ (اے اللہ اپنی مدد نازل فرما) آپ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ لوگوں کو پکارو کہ اے انصار کی جماعت ادھر آؤ اے صحابہؓ شجرہ (جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کی تھی) ادھر آؤ۔ یہ حضرات آوازن کر لبیک کہتے رہے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ سوا دہائی جمع ہو گئے اور دوبارہ جنگ شروع ہو گئی رسول اللہ ﷺ نے کنکریوں کی ایک منہی بھر کر مشرکین کی طرف پھینک دی اور فرمایا شاہت الوجوہ (ان کی صورتیں بگڑ جائیں) (۱۲) اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ کنکریاں دشمنوں کی آنکھوں میں پڑ گئیں اور ان میں کوئی بھی ایسا باقی نہ رہا جس کی آنکھ میں مٹی نہ پڑی ہو۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ بنی ہوازن اور ان کے ساتھ جمع ہونے والے قبائل کو شکست ہو گئی۔ ان میں بہت سے مقتول ہوئے اور بڑی تعداد میں قید کر کے خدمت عالی میں حاضر کئے گئے جن کی مشکلیں بندھی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کے اموال اور عورتیں اور آل اولاد سب مسلمانوں کو بطور مال غنیمت مل گئے۔ (جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ان کے اموال انشاء اللہ کل کو مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہوں گے)

جن لوگوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول نہیں کیا تھا یوں ہی ساتھ چلے آئے تھے انہوں نے جب اللہ کی مدد دیکھی تو اس موقع پر اسلام قبول کر لیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو فتح یابی نصیب فرمائی تو آپ نے مال غنیمت کو (جس میں اونٹ، بکریاں اور غلام باندیاں سبھی تھے۔ مقام حمرانہ پر لے جانے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ وہاں لے جا کر سب جمع کر دیئے جائیں اور حضرت مسعود بن عمرو انصاریؓ کو ان اموال کو لے جانے کا ذمہ دار بنادیا۔

مقام اوطاس میں مشرکین سے مقابلہ اور ان کی شکست..... اس کے بعد میدان سے بھاگنے والے دشمنوں کی ایک جماعت نے مقام اوطاس پر پڑاؤ ڈالا، اندازہ تھا کہ یہ لوگ جنگ کریں گے رسول اللہ ﷺ نے ان کے مقابلہ کے لئے حضرت ابو عامرؓ کو بھیجا، ان سے جنگ ہوئی تو ان پر غلبہ پالیا۔ لیکن حضرت ابو عامرؓ وہیں شہید ہو گئے ان کے بعد ان کے چچا زاد بھائی حضرت ابو موسیٰؓ نے جھنڈا سنبھالا اور قال کیا اللہ تعالیٰ نے فتح یابی نصیب فرمائی اور انہی کے ہاتھوں وہ شخص مقتول ہوا جس نے حضرت ابو عامرؓ کو شہید کیا تھا۔ جنگ اوطاس کے موقع پر بھی مال غنیمت ملا جن میں مشرکین کی بہت سی عورتیں بھی تھیں۔



خائف کا محاصرہ پھر وہاں سے واپسی ..... غزوہ خنین سے فارغ ہو کر رسول ﷺ طائف کی طرف روانہ ہوئے وہاں مالک بن عوف بنی ہوازن کا سردار اور اس کے ساتھی اور دوسرے لوگ قلعہ بند ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے چوبیس دن اور ایک روایت کے مطابق ستہ دن ان کا محاصرہ کیا قلعہ کے اندر رہتے ہوئے وہ لوگ تیر پھینکتے رہے اور باہر نہیں آئے۔ مسلمانوں میں بہت سے لوگ زخمی ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مخفیق استعمال فرمائی اور اس کے ذریعہ قلعہ کے اندر پتھر پھینکے (یہ اس زمانہ میں پتھر پھینکے کا ایک آلہ تھا، دور حاضر کی توپ اس کی ترقی یافتہ ایک شکل ہے)۔ واقعہ کی بیان ہے کہ حضرت سلمان فارسی نے اپنے ہاتھ سے مخفیق بنائی تھی اور استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ جب فتح یابی کی کوئی صورت نہ بنی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم کل واپس ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپ اگلے دن وہاں سے واپس ہو گئے اور چلتے وقت یوں دعا کی۔

(اے اللہ ان کو ہدایت دے اور ہمارے لئے تو ہی کافی ہو جا) تاکہ ہمیں ان سے نپٹنا نہ پڑے)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور بنی ثقیف کا وفد (جو طائف کے رہنے والے تھے) آئندہ سال رمضان المبارک میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا اور پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا (یاد رہے کہ طائف والے وہی تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو زخمی کیا تھا۔ پھر بھی آپ انہیں ہدایت کی دعا دے کر تشریف لے آئے)

حجرانہ میں تقسیم غنائم ..... آپ طائف سے واپس ہوئے تو مقام حجرانہ میں پہنچے آپ کے ساتھ مسلمانوں کا لشکر عظیم تھا۔ وہاں پہلے غنیمت کے اموال بھیج دیئے گئے تھے جن میں بنی ہوازن کے قیدی بھی تھے ان قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی جن میں بچے اور عورتیں بھی تھیں اور بہت بھاری تعداد میں اونٹ بھی تھے اور بکریاں بھی تھیں۔ آپ نے ان کو اپنے لشکر میں تقسیم فرما دیا۔ پھر ان کی درخواست پر غنائم سے اجازت لے کر ان کے قیدی واپس کر دینے کیونکہ بنی ہوازن نے اسلام قبول کر کے اس کی درخواست کی تھی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا مالک بن عوف جو بنی ہوازن کا سردار تھا وہ طائف میں قلعہ بند ہو گیا تھا۔ آپ نے اس کو خبر بھیجی کہ اگر اسلام قبول کر کے میرے پاس آجائے تو اس کے کنبہ کے لوگ اور اس کا مال واپس کر دوں گا اور اس کو سواونٹ بھی دے دوں گا جب مالک بن عوف کو یہ بات پہنچی تو اس نے اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت ﷺ نے اپنے وعدہ کے مطابق اس کے اہل و عیال واپس کر دیئے اور سواونٹ بھی عنایت فرما دیئے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حجرانہ سے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ ادا کیا پھر مدینہ منورہ عافیت اور سلامتی کے ساتھ تشریف لے آئے۔ (من البدایہ والنہایہ للحافظ ابن کثیر صفحہ ۳۲۲ تا صفحہ ۳۶۸ مختصر اوسطاً)

حنین میں فرشتوں کا نزول ..... مسلمانوں کو اول شکست ہوئی اور ایسی شکست ہوئی کہ زمین ان کے لئے تنگ ہو گئی

اور سب اس کا وہی ہوا کہ بعض مسلمانوں نے یہ کہہ دیا کہ آج تو ہم تعداد میں بہت زیادہ ہیں شکست کا احتمال ہی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور رسول اللہ ﷺ پر سکینہ نازل فرمائی جس کی وجہ سے آپ خوب زیادہ اطمینان اور سکون قلب کے ساتھ باخوف و خطر اپنے فخر پر سوار رہے اور صحابہ پر بھی سکینت نازل فرمائی اور سکون و اطمینان کے ساتھ دوبارہ جنگ کرنے لگے جس سے دشمنوں نے شکست کھائی۔

قرآن مجید میں غزوہ خنین کا ذکر کرتے ہوئے وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّهُمْ تَرَوْهَا۔ بھی فرمایا (اور اللہ نے لشکر اتارے جنہیں تم نے نہیں

دیکھا) صاحب معالم التریل (صفحہ ۲۸۱ جلد ۲) میں فرماتے ہیں یعنی الملاحمۃ قبل لا للقتال ولكن لنجبین الکفار ونشجع المسلمین لانہ بروی ان الملاحمۃ لم یقاتلوا الا یوم بدر (فرشتوں کا نزول بعض نے کہا قتال کے لئے نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ وہ کفار کو بزدل بنائیں اور مسلمانوں کو بہادر کیونکہ مروی ہے کہ فرشتوں نے قتال صرف بدر میں کیا تھا) یعنی لشکروں سے فرشتے مراد ہیں۔

اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ فرشتے جنگ کرنے کے لئے نہیں بلکہ کافروں کو بزدل اور مسلمانوں کو دلیر بنانے کیلئے نازل کئے گئے تھے، کیونکہ یہ بات روایت کی جاتی ہے کہ فرشتوں نے بدر کے موقع کے علاوہ اور کسی موقع پر قتال میں حصہ نہیں لیا۔ صاحب روح المعانی (صفحہ ۱۰) نے بھی جنود اللہ نروہا کی تفسیر فرشتوں سے کی ہے اور لکھا ہے کہ جمہور نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ فرشتوں نے بدر کے علاوہ کسی اور موقع پر قتال نہیں کیا وہ مؤمنین کے قلوب کی تقویت کے لئے اور مشرکین کے قلوب میں رعب ڈالنے کیلئے آئے تھے۔ پھر ایک قول یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے قتال بھی کیا تھا لیکن اخیر میں لکھا ہے کہ ولبس لہ سند یعول علیہ یعنی اس کی کوئی سند معتد نہیں ہے۔

فرشتوں کے اتارنے کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا: **وَعَذَابُ الَّذِينَ كَفَرُوا**۔ (کہ اللہ نے کافروں کو عذاب دیا) جو مقتول ہوئے اور قیدی بنے (وذلك جزاء الكافرين۔ اور یہ کافروں کی سزا ہے)۔ (جو دنیا میں ہیں) اور آخرت میں جو سزا ہے وہ دنیاوی سزا کے علاوہ ہے جو کفر پر مرے گا وہاں دائمی عذاب میں مبتلا ہوگا۔ آخر میں فرمایا:

**لَمْ يَنْبُتَ اللَّهُ مِنْهُ بَعْدَ ذَلِكَ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ**۔

پھر اس کے بعد اللہ جس کو چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

جو کافر مقتول ہو جائیں وہ تو دنیا کا عذاب نہیں چکھ لیتے ہیں اور آخرت کے دائمی عذاب کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ قتل سے بچ جائیں اللہ تعالیٰ ان میں سے جس کو چاہے توبہ کی توفیق دے دیتا ہے جو کفر چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ انہیں میں سے ایک مالک بن عوف تھا جو بہت بڑی جمعیت لے کر مقابلہ کے لئے حنین میں آیا تھا۔ جب شکست ہوئی تو طائف جا کر قاعدہ بند ہو گیا لیکن آنحضرت سرور عالم ﷺ کا پیغام پہنچنے پر واپس آیا اور مسلمان ہو گیا آپ نے اس کو اس کی قوم پر عامل بھی بنادیا۔ نیز اور بھی بہت سے بنی ہوازن کے لوگ مسلمان ہوئے جس جنگ میں قتل ہونے سے بچ گئے تھے۔ طائف میں جا کر محاصرہ فرمایا پھر محاصرہ کے بعد واپس تشریف لے آئے بعد میں وہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ اسلام کے بڑے بڑے دشمنوں نے اسلام قبول کیا اور مستحق جنت ہوئے۔ زمانہ کفر میں جو کچھ کیا تھا اللہ تعالیٰ نے سب حاف فرمادیا۔

مالک بن عوف نے اسلام قبول کر کے رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے چند اشعار کہے اہل علم کی دلچسپی کے لئے نقل کئے جاتے ہیں۔

ما ان رايت ولا سمعت بمثلہ	فی الناس کلہم بمثل محمد
اوفی واعطی للجزيل اذا اجتدی	ومنی نشای خبرک عما فی غد
واذا الکئیتہ عردت انباہا	بالسمہری وضرب کل مہند
فکانہ لیث علی اشبالہ	وسط الہباءة خادر فی مرصد

جن کا ترجمہ یہ ہے

(۱) میں نے تمام لوگوں میں محمد رسول اللہ ﷺ جیسا نہ دیکھا نہ سنا۔

(۲) خوب زیادہ مال کثیر دینے والا جب کہ وہ سخاوت کرے اور جب تو چاہے تو تجھے اس بات کی خبر دیدے جو کل ہونے والی ہے (وہ جو آپ نے فرمایا تھا کہ بنی ہوازن کے مال کل انشاء اللہ مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہوں گے اس کی طرف اشارہ ہے)

(۴۳).... اور جب لشکر اپنے دانتوں کو پینے لگے نیزوں کے ساتھ اور ہر تلوار استعمال کر لی جائے۔ تو گویا وہ شیر ہے اپنے بچوں کی نگرانی پر غبار کے درمیان ہر گھات کی جگہ میں۔

(ذکرہا الحافظ ابن کثیر فی البدایۃ (صفحہ ۳۶ جلد ۴) والخادر (بالحاء) الا سد الذای اختفی فی اجمتہ کما فی القاموس) (اسے حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے، الخادر اس شیر کو کہتے ہیں جو اپنی کچھار میں چھپا ہو)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا

ایمان والو! مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آئیں

وَإِنْ خِفْتُمْ عِيلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيَكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۴۵﴾

اور اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو غریب اللہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اگر چاہے بے شک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

### مشرکین نجس ہیں مسجد حرام کے پاس نہ جائیں

یہ آیت بھی سورہ براءت کی شروع کی ان چالیس آیات میں سے ہے جن کا اعلان ۹ھ ہوا حضرت علیؓ کے ذریعہ حج کے موقع پر کرایا تھا جس میں حضرت ابو بکرؓ میرج تھے۔ جن چیزوں کا اعلان کیا تھا۔ ان میں یہ بھی تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی شخص ننگا ہونے کی حالت میں طواف نہ کرے (جیسا کہ مشرکین کیا کرتے تھے) اس آیت میں جو یہ حکم فرمایا کہ مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آئیں۔ اس میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ حکم ہے کہ آئندہ مشرکین کو حج نہ کرنے دیا جائے مسجد حرام میں نہ آنے دینے کا یہی مطلب ہے۔ اگر کسی کافر کو مسجد حرام میں یا کسی بھی مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے تو حضرت امام صاحب کے نزدیک یہ جائز ہے اور پلید ہونے سے مراد ان کی اندرونی ناپاکی یعنی عقائد شرک اور کفر یہ مراد ہیں۔ ہاں اگر ان میں کوئی مرد یا عورت جنابت والا ہو یا کوئی عورت حیض والی ہو جسم پر کوئی ظاہری نجاست لگی ہوئی ہو تو ان نجاستوں کی وجہ سے داخل نہ ہونے دیا جائے گا اور اس میں مؤمن اور کافر کا حکم ایک ہی ہے۔ دیگر ائمہ کا مذہب اس سے مختلف ہے۔ صاحب روح المعانی نے حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ کسی کافر کو خواہ ذمی ہو یا یدیرہ لے کر آیا ہو کسی بھی صورت میں مسجد حرام میں داخل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کافروں کی طرف سے کوئی قاصد آئے تو امام المسلمین مسجد سے باہر نکل کر اس سے گفتگو کرے۔

یہ تو ان حضرات کا مذہب مسجد حرام کے داخلہ کے بارے میں ہے۔ رہا دوسری مساجد کا مسئلہ تو حضرت امام شافعیؒ دوسری مسجدوں میں کافر کے داخلہ کی اجازت دیتے ہیں اور امام مالکؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ تمام مسجدوں کا حکم برابر ہے کسی بھی مسجد میں کافر کا داخلہ جائز نہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے جو آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ کافروں کو حج اور عمرہ کرنے سے روکا جائے اور بعض حالات میں کافروں کے مسجد حرام میں داخل ہونے کی اجازت ہے اس کی دلیل میں حضرت جابرؓ کا یہ ارشاد پیش کیا جاتا ہے جسے (در منثور صفحہ ۲۲۶ جلد ۳) میں مصنف عبد الرزاق وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامہم هذا الا ان یکون عبداً او احداً من اهل

الذمۃ۔ (کہ مشرکین اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں مگر یہ کہ کوئی شخص ذی ہو) اور یہ معلوم ہے کہ کافر مشرک ہونے میں غلام باندی اور ذی اور دوسرے شرکین سب برابر ہیں۔ جب غلام کو اجازت دے دی گئی تو معلوم ہوا کہ ہر کافر کے داخلہ کی اجازت ہے۔ البتہ اس کی ممانعت ہے کہ ان کو حج یا عمرہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ حدیث بالا درمنثور میں موقوفہ فی نقل کی ہے لیکن علامہ ابو بکر بھصا ص نے احکام القرآن (صفحہ ۸۹ جلد ۳) میں مرفوعاً اور موقوفہ دونوں طرح نقل کی ہے پھر لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے دونوں طرح صحیح ہو۔ حضرت جابرؓ نے بعض اوقات ارشاد نبویؐ کے طور پر نقل کر دیا اور کبھی اپنی طرف سے فتویٰ دے دیا۔

مراہیل ابوداؤد میں ہے کہ بنی ثقیف کا وفد جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ نے ان کے لئے مسجد کے آخری حصہ میں ایک قبہ لگوا دیا تاکہ وہ مسلمانوں کی نمازیں اور ان کا رکوع و سجود دیکھیں۔ عرض کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ آپ انہیں مسجد میں ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ مشرک ہیں۔ آپ نے فرمایا بلاشبہ زمین ناپاک نہیں ہوتی ابن آدم ناپاک ہوتا ہے۔

امام طحاوی نے اس واقعہ کو شرح معانی الآثار کے سب سے پہلے باب میں نقل کیا ہے۔ ان کی روایات کے الفاظ یہ ہیں فقال رسول اللہ ﷺ انه ليس على الارض من انجاس الناس شيء انما انجاس الناس على انفسهم۔ (لوگوں کی نجاستوں میں سے زمین پر کچھ بھی نہیں ان کی نجاستیں ان کی اپنی جانوں پر ہیں)

ثمامہ بن اثال کا واقعہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ کافر کو مسجد میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ ثمامہ ایک شخص تھے جنہیں حضرات صحابہؓ گرفتار کر کے لے آئے تھے اور ان کو مسجد نبویؐ کے ایک ستون سے باندھ دیا تھا۔ بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ (صحیح بخاری صفحہ ۶۶ جلد ۱)

فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (الایہ) (مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں) اس کی تصریح فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا نَوَانِ حَقَّتُمْ غِيلَةً فَسَوْفَ يُغَيِّبُكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ (اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو غنقریب اللہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اگر چاہے)

اس کا سبب نزول بتاتے ہوئے درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ سے یوں نقل کیا ہے کہ مشرکین جب حج کے لئے آئے تھے تو اپنے ساتھ غلہ (گیہوں، جو وغیرہ) بھی لے آئے تھے اور اس کو فروخت کرتے تھے۔ جب حج کے لئے ان کا آثاروک دیا گیا تو مسلمانوں نے کہا کہ اب ہمیں کفار کی چیزیں کہاں سے ملیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان سے وعدہ فرمایا کہ اللہ اگر چاہے تو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت مجاہد سے بھی یہ بات منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مسلمان کافروں سے اور ان اموال تجارت سے بے نیاز ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے رزق کے دوسرے دروازے کھول دیئے اور انہیں جو معاشی مشکلات کا اندیشہ تھا دور فرمایا۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ

ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں سمجھتے

وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ

اور دین حق کو قبول نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں کتاب دی گئی ان سے یہاں تک جنگ کرو کہ وہ ماتحت ہو کر ذلت کی حالت

## يَدِّ وَهُمْ ضِعْرُونَ ﴿٥٠﴾

میں اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔

## اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم

تفسیر: سابقہ آیات میں مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم تھا۔ اس آیت میں اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم ہے۔ اسلام کا قانون ہے کہ کافروں سے جب جہاد کیا جائے تو اول ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو آگے کوئی جنگ نہیں۔ اب دوا اپنے ہو گئے ان سے جنگ کرنے کا جواز نہیں رہا۔ اب تو انہیں دین سکھائیں گے۔ اسلام کے احکام بتائیں گے اور نئے پرانے مسلمان سب اتحاد و اتفاق کے ساتھ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ کر چلیں گے۔ اگر کافر اسلام قبول نہ کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ تم جزیہ دو یعنی ملک جہاد ہو گا تم اس ملک میں رہو اور تمہاری جانوں کی ہم حفاظت کریں گے۔ اس حفاظت کے بدلہ تمہیں مال دینا ہو گا۔ اگر ملک پر کوئی حملہ آوری ہو جائے تو تمہیں ساتھ مل کر لڑنا ہو گا۔ اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو بھی آگے لڑائی کا کوئی موقعہ نہیں یہ جو جانوں کی حفاظت کا بدلہ ہو گا اس کو جزیہ کہا جاتا ہے۔ یہ جزیہ تجزی کا مصدر ہے جو فغلة کے وزن پر ہے۔ جزیہ کفر کی سزا کے طور پر مقرر کیا گیا ہے۔ یہ ہر شخص سے نہیں لیا جاتا اور سب سے برابر بھی نہیں لیا جاتا۔ جس کی کچھ تفصیل انشاء اللہ بھی لکھی جائے گی۔

اگر کافر جزیہ دینے سے انکاری ہوں تو پھر قتال یعنی جنگ کی صورت اختیار کی جائے گی اس بارے میں فرمایا ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے جنگ کرو جو اللہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے یہاں تک کہ ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کریں۔ اس میں اہل کتاب کی قید احترازی نہیں ہے۔ دوسرے کافروں کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مشرکوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔ آیت میں قتال اور جزیہ کا ذکر ہے۔ دعوت اسلام پیش کرنے کا ذکر نہیں اس لئے کہ جن لوگوں کو پہلے سے دعوت اسلام پہنچی ہوئی ہو انہیں قتال سے پہلے دعوت دینے کی ضرورت نہیں۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ اسلام سے پوری طرح واقف تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو پوری طرح پہچان گئے تھے کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس سب کے باوجود منکر تھے۔ رسالت کے تو منکر تھے ہی اللہ تعالیٰ کی توحید کو بھی چھوڑ چکے تھے اور آخرت پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے، اگر کسی درجے میں آخرت کا تصور تھا تو وہ آخرت کو نہ ماننے کے درجے میں تھا کیونکہ جانتے ہو جیتے کفر اختیار کرنا اور آخرت میں جو کفر کی سزا ہے یعنی عذاب دائمی، اسے ہنگمتے کے لئے تیار رہنا یہ آخرت کو نہ ماننے کے درجے میں ہے۔ نیز وہ حشر اجساد یعنی مادی اجسام کے دوبارہ زندہ ہونے اور حساب کتاب کے قائل نہیں تھے۔ جنت اور دوزخ کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ کوئی خاص مقام نہیں ہے روح کی خوشی کا نام جنت اور غم کا نام جہنم رکھا ہوا تھا۔ اسی لئے قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ فرمایا۔ قَالَ صَاحِبُ السُّورَةِ وَابِئَانَهُمُ الَّذِي بَرَّعُمُوهُ لَيْسَ عَلَى مَا يَنْبَغِي فَهُوَ كَلَامُ إِيْمَانٍ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ان کا ایمان جسے وہ ایمان خیال کرتے تھے وہ درحقیقت ایمان نہیں، تو ایمان کا نہ ہونا ہے)۔ (صفحہ ۸ جلد ۱۰)

اہل کتاب کا حال بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا: وَلَا يَحْزَنُونَ مَا أَخْرَجَهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کو حرام نہیں سمجھتے۔ جب دین اسلام کو قبول نہیں کرتے تو حرام و حلال کی تفصیلات کو بھی نہیں مانتے۔ صاحب روح المعانی نے اس کی تفسیر میں بعض علماء کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ان کا جس رسول پر ایمان لانے کا دعویٰ ہے اس نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا خواہشات نفس کے اتباع کی وجہ سے ان کو حرام قرار نہیں دیتے۔ ان کی شریعت کو بھی بدل دیا اور عمل سے بھی دور ہو گئے مثلاً رشوت

اور سود کا لینا دینا ان کے ہاں عام تھا۔ جن کی حجت ان کی کتابوں میں تھی۔

اہل کتاب کا مزید حال بیان کرتے ہوئے فرمایا وَلَا يَذْنِبُونَ الذَّنْوَ کہ وہ دین یعنی اسلام کو قبول نہیں کرتے۔ ان کی یہ صفات اور ان کے یہ حالات اس بات کو متقن ہی ہیں کہ ان سے جنگ کی جائے اگر اسلام قبول کر لیں تو بہتر ہے ورنہ جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں اس صورت میں ان سے قتال رک دیا جائے اور جنگ نہیں کی جائے گی۔

پھر فرمایا: حَتَّىٰ يَعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ۔ اس میں لفظ عَنْ يَدٍ سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ جس شخص پر جزیہ دینا مقرر کر دیا گیا وہ خود آ کے ادا کرے کسی دوسرے کے ذریعہ نہ بھیجے کیونکہ جزیہ لینے سے ان کی تہتہ بچی تقصیر ہے۔ خود گھر میں بیٹھے رہے اور کسی کو ذلیل بنا کر جزیہ بھیج دیا تو اس میں ان کا اعزاز ہے۔ اس لئے ذلیل کے واسطے سے بھیجنا منظور نہ کیا جائے بلکہ ان کو مجبور کیا جائے کہ خود آ کر ادا کریں اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ منقاد اور فرمانبردار اور تابع ہو کر جزیہ ادا کریں۔ بعض اکابر نے اس قول کے مطابق ایوں ترجمہ کیا ہے کہ ماتحت ہو کر رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں۔ اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ نقد ہاتھ در ہاتھ جزیہ دینا منظور کریں۔

پھر آخر میں فرمایا: وَهُمْ صَاحِبُونَ کہ اس حالت میں جزیہ دیں کہ وہ ذلیل ہوں۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ کھڑے نہ ہو کر ادا کریں اور جو مسلمان لینے والا ہے وہ بیٹھ کر وصول کرے اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ذمی کا گلا پکڑ کر یوں کہا جائے گا کہ اعط الجزیۃ یا ذمی (اے ذمی جزیہ دے) اور بعض نے فرمایا ہے کہ وصول یابی کرنے والا یوں کہے اد حق اللہ تعالیٰ یا عدو اللہ (اے اللہ کے دشمن اللہ کا حق ادا کر) اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ذمیوں کے ذلیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں جو احکام دیئے جائیں گے ان پر عمل کریں گے اور مسلمانوں کی ماتحتی میں رہیں گے یہ اقوال صاحب روح المعانی نے (صفحہ ۹۷ جلد ۱۰) میں نقل کئے ہیں پھر اخیر میں لکھا ہے کہ آج کل مسلمانوں کا ان میں سے کسی قول پر بھی عمل نہیں۔ وہ اپنے نائب کے ذریعہ ہی جزیہ بھیج دیتے ہیں ان سے لے لیا جاتا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کو مجبور کیا جائے کہ خود لے کر آئیں۔ پیدل آئیں، سوار نہ ہوں اور اس کے خلاف ذی الہی اسلام کے ضعف کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ (اھ)

صاحب روح المعانی نے اپنے زمانے کے ملوک اور امراء کی شکایت کی کہ مسلمان امراء نائب سے جزیہ وصول کر لیتے ہیں لیکن آج تو یہ حال ہے کہ مسلمان کسی ملک میں جزیہ لینے کا قانون جاری کرتے ہی نہیں۔ یہ لوگ کافروں سے ڈرتے ہیں جزیہ مقرر نہیں کرتے بلکہ ملک میں رہنے والے کافروں کو مسلمانوں سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان کا اکرام کرتے ہیں۔ ان کو اسمبلی کا ممبر بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہمت اور حوصلہ دے اور کفر اور کافر کی قباحیت اور شناعیت اور نجاست اور بغض اور نفرت مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دے تاکہ اہل کفر کو ذلیل سمجھیں اور ذلیل بنا کر رکھیں۔ فقہائے لکھا ہے کہ ذمی کافروں کو دارالاسلام میں کوئی عبادت خانہ نہ بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اسلام کے غلبہ ہونے سے پہلے جو ان کا عبادت خانہ ہو اور وہ منہدم ہو جائے تو اسے دوبارہ بنا سکتے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے لباس میں اور سوار یوں میں اور ٹوپوں میں اور مسلمانوں کے لباس اور سوار یوں وغیرہ میں امتیاز رکھا جائے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لوگ گھوڑوں پر سوار نہیں ہو سکتے اور ہتھیار بند ہو کر نہیں چل پھر سکتے۔ مسلمان ان سب احکام کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں کیونکہ کفر اور کافر سے بغض نہیں ہے۔ (العیاذ باللہ) مسلمانوں کے ملکوں میں کافروں کی مشنریاں کام کر رہی ہیں۔ جاہل اور غریب مسلمانوں کو اپنے سین میں داخل کر رہی ہیں لیکن مسلمانوں کے اصحاب اقتدار ذرا بھی توجہ نہیں دیتے، وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں رواداری ہے اور کافر اقوام سے

ڈرتے بھی ہیں اور جھینٹتے بھی ہیں، ملک مسلمانوں کا ہوا اور کفر کی کھلی تبلیغ ہو یہ احکام اسلامیہ کی کتنی بڑی خلاف ورزی ہے؟ اس کو اصحاب اقتدار نہیں سوچتے۔ فاللہ یہدیہم۔

جزیہ کی مقدار کیا ہے؟ اس کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک جزیہ تو وہ ہے جو آپس کی رضامندی اور صلح سے مقرر کر لیا جائے۔ جتنی مقدار پر اتفاق ہو جائے اسی قدر لے لیا جائے اس میں ہر فرد سے وصول کرنے کی ضرورت نہیں ان کے گمہ دار ہوں وہ جس طرح چاہیں آپس میں وصولیابی کر کے امیر المؤمنین کو پہنچا دیں۔ سالانہ ماہانہ جتنے جتنے وقفہ کے بعد لینا دینا ملے ہو اسی کے مطابق عمل کرتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نصاریٰ نجران سے یوں معاملہ فرمایا تھا کہ پوری جماعت سالانہ دو ہزار حملہ ادا کیا کرے حملہ دو چادروں کو کہتے ہیں یعنی ایک تہہ اور ایک چادر اور ہر حملہ کی قیمت کا اندازہ بھی طے کر دیا گیا تھا کہ ایک اوقیہ چاندی کی قیمت کا ہوگا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا اور ایک درہم کا وزن ۳ ماشہ ایک رتی ۱۵ اور ۱ رتی ہوتا تھا۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ امیر المؤمنین ان کے ملک پر قابض ہو کر انہیں ان کی املاک پر باقی رکھے اور ان پر فی کس مخصوص رقم مقرر کر دے۔ حضرت عمرؓ نے مالدار آدمی پر سالانہ اڑتالیس درہم مقرر کئے تھے جن میں سے ہر ماہ چار درہم ادا کرنا لازم تھا اور جو شخص متوسط درجے کا مالدار وہ اس پر چوبیس درہم مقرر کئے تھے ہر ماہ اس سے دو درہم لئے جاتے تھے اور جو شخص مالدار نہ ہو۔ مزدوری کر کے کھانا کھاتا ہو اس پر بارہ درہم کی ادائیگی لازم کی تھی جس میں سے ہر ماہ ایک درہم وصول کیا جاتا تھا۔

مسئلہ..... عورت، بچہ، اپانچ اور وہ نادار جو محنت کر کے کمانے کے لائق نہیں اور وہ لوگ جو اپنے عبادت خانوں میں رہتے ہوں لوگوں سے ان کا میل ملاپ نہ ہو ان لوگوں پر کوئی جزیہ نہیں۔

مسئلہ..... اہل کتاب بُت پرست، آتش پرست ان سب سے جزیہ لیا جائے گا۔ البتہ اہل عرب جو بُت پرست ہیں ان پر جزیہ نہیں لگایا جائے گا بلکہ ان سے کہا جائے گا کہ اسلام قبول کرو ورنہ تمہارے لئے تلوار ہے۔

مسئلہ..... مسلمانوں میں سے جو لوگ مرتد ہو جائیں۔ (العیاذ باللہ) ان پر جزیہ نہیں لگایا جائے گا۔ ان سے بھی یہ کہا جائے گا کہ اسلام قبول کرو ورنہ تمہارے لئے تلوار ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ

اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح، اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کی باتیں ہیں جو ان کے منہوں سے نکلتی ہیں۔

يُضَاهُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتِلْهُمْ اللَّهُ ۖ أَتَى يُوْفِكُون ۖ اتَّخَذُوا

یہ ان لوگوں کی طرح باتیں کرتے ہیں جنہوں نے ان سے پہلے کفر اختیار کیا۔ اللہ انہیں غارت کرے، کدھر لے جا رہے ہیں۔ ان لوگوں نے

أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحِ ابْنِ مَرْيَمَ ۖ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا

اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں کو اور درویشوں کو رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی اور حالانکہ ان کو یہی حکم ہوا تھا کہ

لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝

صرف ایک معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اس چیز سے پاک ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کی تردید جنہوں نے حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا بتایا

پہلی آیت میں اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ان سے یہاں تک قتال کرو کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ کا عقیدہ شرکیہ بیان فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ جیسے دوسرے مشرک اپنے مشرک میں لگے ہوئے ہیں اسی طرح یہود و نصاریٰ بھی مشرک ہیں یہ جن انبیاء کرام علیہم السلام سے اپنا تعلق جوڑتے ہیں انہوں نے تو حید کی دعوت دی تھی اور اسی دعوت کو لے کر اللہ پاک کی طرف سے مبعوث ہوئے تھے بعد میں ان کے ماننے والوں نے (جو ماننے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں) تو حید کو چھوڑ دیا اور عقائد شرکیہ اختیار کر لئے اور زبانوں سے بھی شرکیہ باتیں کرنے لگے۔ یہودیوں نے تو یوں کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے یوں کہا کہ مسیح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کا قول ذکر کرنے کے بعد فرمایا ذَلِكْ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ کہ یہ ان کی باتیں ہیں جو ان کے مونہوں سے نکل رہی رہیں یہ اپنی باتوں میں جھوٹے ہیں۔ ان کی باتوں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور ان کی باتوں کی کوئی دلیل اور کوئی سند نہیں۔

پھر فرمایا: يُضَاهِيْنَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ۔ (ان سے پہلے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کی باتیں ان کی باتوں کے مشابہ ہیں) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ (جنہوں نے ان سے پہلے کفر اختیار کیا) سے مشرکین مراد ہیں جنہوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنایا اور اس عقیدہ کے جو لوگ ہیں یعنی یہود و نصاریٰ وہ اپنے اسلام کی بات پر جمے ہوئے ہیں (روح المعانی صفحہ ۸۳ جلد ۱)

پھر فرمایا: قَالَتْ لَهُمْ اللَّهُ اس کا لفظی معنی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے اور حضرت ابن عباسؓ نے اس کے مجازی معنی لئے ہیں اور فرمایا ہے کہ اس سے لعنت کرنا مراد ہے۔ اَنِّیْ یُؤْفَكُوْنَ۔ (وہ کہاں لٹے پھرے جا رہے ہیں) ان کو تو حید کی دعوت دی گئی ہے اسے چھوڑ کر شرک اختیار کئے ہوئے ہیں اور حق کو چھوڑ کر باطل میں لگے ہوئے ہیں۔

تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے..... پھر فرمایا اِتَّخَذُواْ اٰخْبَارَهُمْ وَرُءْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحِ اَبْنِ مَرْيَمَ کہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے اخبار (یعنی علماء یہود) کو اور راہبوں (یعنی نصاریٰ کے درویشوں) کو اپنا رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو (بھی) رب بنالیا۔ نصاریٰ کے راہب تارک دنیا ہو کر اپنے ان گھروں میں رہتے تھے جو جنگلوں میں بنا لیتے تھے اس لئے رہبان کا ترجمہ درویش کیا گیا۔

حضرت عدی بن حاتمؓ جو پہلے نصرانی تھے (بعد میں مسلمان ہوئے) انہوں نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس وقت میری گردن میں سونے کی صلیب تھی۔ آپؐ نے فرمایا، اے عدی اپنی گردن سے اس بت کو نکال کر پھینک دو میں نے اس کو پھینک دیا۔ واپس آیا تو آپؐ اِتَّخَذُواْ اٰخْبَارَهُمْ وَرُءْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ پڑھ رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم اپنے عالموں اور درویشوں کی عبادت تو نہیں کرتے پھر یہ کیوں فرمایا کہ اخبار اور رہبان کو رب بنالیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے کہ یہ لوگ جو چیز تمہارے لئے حرام کر دیں تم اسے حرام کر لیتے ہو اور جو چیز حلال کر دیں تو اسے حلال کر لیتے ہو۔ میں نے کہا کہ ہاں! یہ بات تو ہے آپؐ نے فرمایا یہ ان کی عبادت ہے۔ (معالم التنزیل صفحہ ۲۸۵ جلد ۲)

اور سنن ترمذی وغیرہ میں اسی طرح سے ہے کہ عدی بن حاتم نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ سورہ برآئت کی آیت اِتَّخَذُواْ اٰخْبَارَهُمْ وَرُءْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ پڑھ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ ان کی عبادت نہیں



کہتے تھے۔ لیکن جن چیزوں کو وہ حلال کہتے تھے انہیں حلال سمجھتے تھے اور جن چیزوں کو وہ حرام کر دیتے تھے ان کو حرام مان لیتے تھے۔ (درمنثور صفحہ ۲۳۰ جلد ۳)

تحلیل و تحریم میں غیر اللہ کی فرمانبرداری شرک ہے..... دراصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا خالق و مالک ہے جن چیزوں سے نفع حاصل کرتے ہیں وہ بھی اسی نے پیدا کیں ہیں اور جو لوگ انہیں استعمال کرتے ہیں ان کو بھی اسی نے پیدا فرمایا، اسے اختیار ہے کہ جس چیز کو جس کے لئے حلال قرار دے اور جس کے لئے حرام قرار دے اس نے سابقہ امتوں کے لئے بعض چیزیں حرام قرار دیں اور اس امت کے لئے حلال قرار دیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے پاس سے تحلیل و تحریم کے قانون بنائے جو شخص اپنے طور پر کچھ چیزوں کو حلال اور کچھ چیزوں کو حرام قرار دے چاہے وہ اپنے لئے ہو خواہ دوسروں پر نافذ کرنے کے لئے یہ خدائی اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لینے کے ہم معنی ہے۔ سورہ یونس میں فرمایا: قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَّا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْنَاهُمْ حُرَّامًا وَحَلَالًا قُلْ اللَّهُ اذْهَبَ لَكُمْ أَنَّهُ عَلَى اللَّهِ غَفَرُونَ (آپ فرما دیجئے کہ یہ بتاؤ جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے رزق نازل فرمایا سو اس میں سے تم نے حرام اور حلال تجویز کر لیا۔ کیا اللہ نے تمہیں اس بات کی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر تمہمت باندھتے ہو۔

جب تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے جو خالق و مالک ہے تو اس کے سوا کوئی اور شخص تحلیل و تحریم کے قانون بنائے اور اپنے پاس سے حلال و حرام قرار دے اس کی بات ماننا اور فرمانبرداری کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں شریک بنانا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا اس کے عبادت ہے اسی طرح ان امور میں غیر اللہ کی فرمانبرداری کرنا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف ہیں یہ ان کی عبادت ہے چاہے ان کو سجدہ نہ کریں چونکہ ان جاری کئے ہوئے احکام کے ساتھ فرمانبرداری کا وہی معاملہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ ہونا چاہیے اس لئے ان کی اتباع اور اطاعت کو عبادت قرار دیا۔

پھر فرمایا: وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا (اور انہیں یہی حکم ہوا تھا کہ صرف ایک ہی معبود کی عبادت کریں) یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوں لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (کوئی معبود نہیں اس کے سوا) وہی معبود حقیقی ہے اس کی عبادت کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا شرک ہے سُبْحَنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے)

فائدہ..... حضرت عدی بن حاتمؓ کو جو حضور اقدس ﷺ نے جواب دیا کہ وہ لوگ اپنے علماء کو اور درویشوں کو اس طرح اپنا رب بنا لیتے تھے کہ ان کی تحلیل و تحریم پر عمل کرتے تھے اس میں عبادت بالمعنی المعروف کی نفی نہیں ہے۔ عام طور پر جو ان کا طریقہ تھا اسے بیان فرمادیا ان میں وہ لوگ بھی تھے جو حضرت عیسیٰؑ کی باقاعدہ عبادت کرتے تھے اور ان کو ثالث ثالثہ یعنی تیسرا معبود مانتے تھے بلکہ صلیب کو بھی پوجتے تھے۔ آیت بالا میں وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ فرمایا (اور اس لفظ کو جو احبار اور ربہان پر معطوف کر کے ملحدہ سے ذکر فرمایا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو باقاعدہ معبود مانتے تھے وہ اللہ کے پیغمبر تھے اپنی طرف سے تحلیل و تحریم کرنے والے نہ تھے ان کا بعض چیزوں کو حلال اور بعض چیزوں کو حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔

فائدہ..... اوپر جو سورہ نحل کی آیت نقل کی گئی ہے اس کا مضمون دوسری آیات میں بھی ہے جن میں صاف صاف بتایا ہے کہ تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اسلام کے دعویٰ داروں میں بعض فرقے ایسے ہیں جو تحلیل و تحریم میں احکام کے منسوخ کرنے اور بدلنے میں اور عبادت کے طریقے تجویز کرنے میں اپنے امام اور مجتہد کو با اختیار سمجھتے ہیں اور اپنے امام کو قرآن و حدیث کا پابند نہیں سمجھتے۔ ان کا امام اور مجتہد جو کہتا ہے اسی کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ قرآن کی تصریحات اور تعلیمات ان کے نزدیک بے حیثیت ہیں۔ ایسے

فرتوں کے کفر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ: ہاتھ بجات قرآن کو کوئی وزن نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک امام کو سب کچھ اختیار ہے جن لوگوں نے ان کا مذہب ایجاد کیا ہے انہوں نے اپنے ہاتھ میں تحلیل و تحریم کے اختیارات رکھنے کے لئے اپنے عوام کو یہ عقیدہ بتایا اور سمجھایا ہے کہ امام جی سب سمجھتے ہیں۔ روافض کا امام جب چاہے نماز جمعہ جاری کر دے اور جب چاہے منسوخ کر دے اور اسی طرح دیگر امور میں بھی ان کے یہاں یہی صورت حال ہے۔ ایک بہائے فرقہ ہے۔ ان کے ہاں بھی دین اسلام سے ہٹ کر فرائض اور محرمات کی تفصیلات ہیں اور بعض معاصی کی تعزیرات انہوں نے خود سے مقرر کی ہیں جو ان کے بعض رسالوں کو دیکھ کر مطالعہ میں آئیں، منکرین حدیث میں ایک شخص چکر لائی تھا۔ اس نے نماز کی ترتیب اور ترکیب اور طریقہ عبادت اپنے پاس سے تجویز کیا تھا۔ یہ سب ان لوگوں کی گمراہی ہے جو سراپا کفر ہے۔

فائدہ..... اب دور حاضر میں جب کہ آزاد منش لوگ اسلامی احکام پر چلنے میں، شوری محسوس کرتے ہیں اور دشمنان اسلام سے متاثر ہیں، کہتے ہیں کہ حضرات علماء کرام جمع ہو کر مینٹل کریں اور اسلامی احکام کے بارے میں غور و فکر کریں اور فلاں فلاں احکام کو بدل دیں یا ہلکا کر دیں اور فلاں فلاں حرام چیزوں کو حلال قرار دے دیں۔ یہ ان لوگوں کی جہالت اور حماقت کی بات ہے۔ اگر علماء ایسا کرنے بیٹھیں گے تو کافر ہو جائیں گے اور اگر کسی حرام چیز کو حلال قرار دیں گے تو ان کے حلال کر دینے سے حلال نہ ہوگی۔ بعض اباحی (یعنی حرام چیزوں کو مباح قرار دینے والے) قسم کے لوگ جو نام نہاد عالم کہلاتے ہیں انہوں نے سود، بیمہ اور تصویروں کو اور بعض دیگر محرمات کو حلال کہہ دیا ہے ان کے کہنے اور لکھنے سے وہ چیزیں حلال نہیں ہو گئیں۔ خوب سمجھ لیا جائے۔

يُرِيدُونَ اَنْ يُطْفِئُوا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبٰى اللّٰهُ اَنْ يَتِمَّ نُوْرُهٗ وَلَوْ كَرِهَ

اللّٰهُ ۝ هُوَ الَّذِي اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلٰى الدِّيْنِ

اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔ اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر

کَلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔

پھونکوں سے اللہ تعالیٰ کا نور بجھایا نہ جائے گا

ان دونوں آیات میں دشمنان اسلام کے عزائم باطلہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں یعنی اسلام پر اعتراض کر کے اور مہمل باتیں کر کے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنا چاہتے ہیں اور خود بھی دور رہتے ہیں۔ ان کی باتوں سے اسلام کا نور بجھنے والا نہیں اور ان کی شرارتوں سے اسلام کو ٹھیس لگنے والی نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ نے یہ فیصلہ فرمادیا ہے کہ اس کا نور پورا ہو کر رہے گا۔ اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو اور برا لگے۔

اور دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو دوسرے تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔ پہلی آیت کے ختم پر وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ فرمایا اور دوسری آیت کے ختم پر وَلَوْ كَرِهَ

الْمُشْرِكُونَ فرمایا جو لوگ شرک کی وجہ سے مشرک ہیں اور جو لوگ مشرک نہیں کسی دوسری وجہ سے کافر ہیں مثلاً خدائے تعالیٰ کے وجود کو نہیں مانتے یا اس ذات پر اعتراض کرتے ہیں یا اس کی کتابوں اور اس کے نبیوں کو جھٹلائے ہیں ان دونوں قسم کے دشمنوں کی ناگواری کا تذکرہ فرمایا کہ کافر اور مشرک یہ جو چاہتے ہیں کہ اللہ کا دین نہ پھیلے اور اس کا غلبہ نہ ہو ان کے ارادوں سے کچھ نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور غالب فرمائے گا۔ یہ جلتے رہیں، حسد کرتے رہیں، ان کی نیوتوں اور ارادوں پر خاک پڑے گی اور دین اسلام بلند اور غالب ہو کر رہے گا۔

غالب ہونے کی تین صورتیں ہیں

پہلی صورت:..... یہ ہے کہ دلیل اور حجت کے ساتھ غلبہ ہو اور یہ غلبہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا کوئی بھی شخص خواہ دین اسانی کا داعی ہو، خواہ بت پرست ہو، خواہ آتش پرست ہو، خواہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہو، خواہ ملحد ہو، اور زندیق ہو وہ اپنے دعویٰ اپنے دین کو لے کر دلیل کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے نہیں آسکتا اور اپنے دعویٰ کو صحیح ثابت نہیں کر سکتا۔ اسلام کے دلائل سے یہود و نصاریٰ اور مشرکین، زنادقہ اور ملحدین سب پر حجت قائم ہے۔ اس اعتبار سے دین اسلام ہمیشہ غالب ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اسے کامل بھی فرمادیا اور قرآن مجید میں اعلان فرمادیا۔

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي۔ (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی) اسلام دین کامل ہے انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ دیگر تمام ادیان کے ماننے والے صرف چند تصورات اور خود تراشیدہ معتقدات کو لئے بیٹھے ہیں۔ خود سے قوانین بنالیتے ہیں اور پھر انہیں توڑ دیتے ہیں۔ (بلکہ یوں کہتے ہی نہیں کہ یہ قانون اللہ کی طرف سے ہے) خود ساختہ قانون کو اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے منسوب کریں اسلام نے انسانوں کو ہر شعبہ زندگی کے احکام دیئے ہیں اور اخلاق عالیہ کی تعلیم دی ہے جن کی تصریحات اور تفصیلات قرآن مجید میں اور احادیث شریفہ میں موجود ہیں۔

دوسری صورت:..... اسلام کے غالب ہونے کی یہ ہے کہ دنیا میں بسنے والے کفر و شرک چھوڑ کر اسلام قبول کر لیں اور دنیا میں اسلام ہی اسلام ہو اور اسی کا راج ہو۔ ایسا قیامت سے پہلے پہلے ضرور ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانے میں اسلام خوب اچھی طرح پھیل جائے گا اور زمین عدل و انصاف سے بھر جائیگی جیسا کہ احادیث شریفہ میں اس کی تصریح آئی ہے۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ رات اور دن ختم ہونے سے پہلے ایسا ضرور ہوگا کہ رات اور عروسی کی پرستش کی جائے گی (یہ زمانہ جاہلیت میں دو بت تھے) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ (میں تو یہ سمجھتی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ **هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ** نازل فرمائی تو یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ یعنی دین حق تمام دینوں پر غالب ہوگا) آپ نے فرمایا کہ جب تک اللہ چاہے گا ایسا ہوگا (جو آیت شریفہ میں مذکور ہے) پھر اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیج دے گا جس کی وجہ سے ہر اس شخص کو موت آجائے گی جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ اس کے بعد صرف وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جن کے دل میں کوئی خیر نہ ہوگی لہذا وہ اپنے باپ داداؤں کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۳۹۴ جلد ۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں دوبارہ تشریف آوری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا **وَيَسْطُلُ الْمَلَلُ حَتَّى يَهْلِكَ اللَّهُ فِي زَمَانِهِ الْمَلَلُ** کلہا غیر الاسلام یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام ملتوں کو باطل کر دیں گے

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں اسلام کے علاوہ ساری ملتوں کو ختم فرمادیں گے۔ (مسند احمد صفحہ ۴۳۷ جلد ۲)  
 تیسری صورت: ..... اسلام کے غالب ہونے کی یہ ہے کہ مسلمان اقتدار کے اعتبار سے دوسری اقوام پر غالب ہو جائیں اور یہ ہو چکا ہے جب مسلمان جہاد کرتے تھے اللہ کے دین کو لے کر آگے بڑھتے تھے اور اللہ کی رضا پیش نظر تھی اس وقت بڑی بڑی حکومتیں پاش پاش ہو گئیں۔ قیصر و کسریٰ کے ملکوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ان میں جو قیدی پکڑے گئے وہ غلام باندی بنائے گئے اور مشرکین اور اہل کتاب میں بہت سے لوگوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا اور مسلمانوں کے ماتحت رہے۔ صدیوں یورپ اور ایشیا، افریقہ کے ممالک پر مسلمانوں کا قبضہ رہا۔ (اور اس وقت یہی تین براعظم دنیا میں معروف تھے) اور اب بھی مسلمانوں کی حکومتیں زمین کے بہت بڑے حصہ پر قائم ہیں۔ اگر اب بھی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کھڑے ہو جائیں اور آپس میں اتفاق و اتحاد کر لیں۔ کافروں سے بغض رکھیں۔ کافروں کی حکومتوں کو اپنا سہارا نہ بنائیں تو اب بھی وہی شان واپس آ سکتی ہے جو پہلے تھی۔

اقتدار والے غلبہ کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو چکا ہے اور آئندہ پھر اس کا وقوع ہوگا انشاء اللہ حضرت مقداد ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ زمین پر مٹی سے بنا ہوا کوئی گھر یا بالوں سے تیا کلا ہو کوئی خیمہ ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ داخل نہ فرمادے۔ عزت والے کی عزت کے ساتھ اور ذلت والے کی ذلت کے ساتھ، حدیث کی روایت کرنے کے بعد حضرت مقداد ؓ نے فرمایا کہ بس تو پھر سارا دین اللہ ہی کے لئے ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۱۶ از مسند احمد)  
 جن کو اللہ تعالیٰ عزت دے گا انہیں کلمہ اسلام کا قبول کرنے والا بنادے گا اور جن کو اللہ ذلیل کرے گا وہ مقتول ہو گیا مجبور ہو کر جزیہ ادا کرے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ  
 اے ایمان والو! بلاشبہ بہت سے علماء اور راہب ایسے ہیں جو لوگوں کے مال باطل طریقہ پر کھاتے ہیں  
 وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي  
 اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ  
 سَبِيلِ اللَّهِ فَلْيَشْرِهِمْ بِعَذَابِ الْيَوْمِ ۝ يَوْمَ يُخَالِي عَلَيْهِمْ فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَيَتَكَلَّمُ بِهَا حَبَاهُمْ  
 نہیں کرتے ان کو درد ناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے جس روز ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر ان کی پیشانیوں  
 وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ۝  
 کروٹوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنی جانوں کے لئے جمع کیا تھا۔ سو اب اسے تم کچھ لو جسے تم جمع کرتے تھے۔

یہود و نصاریٰ دین حق سے روکتے ہیں

اس آیت میں اول تو اہل کتاب کے علماء اور مشائخ یعنی درویشی اختیار کرنے والے لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے کہ یہ لوگ باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھاتے ہیں۔ ان میں بعض لوگ پرہیز بھی کرتے تھے اس لئے لفظ کثیرا کا اضافہ فرمادیا۔ ان کا باطل طریقہ پر مال کھانا اس

طریقہ پر تھا کہ توحید شریف میں تحریف کرتے تھے اور اپنے پاس سے احکام بنا دیتے تھے اور اس پر اپنے عوام سے پیسے لے کر کھا جاتے تھے۔ اہل ایمان کو خطاب فرما کر اہل کتاب کے علماء اور مشائخ کی حرام خوری کا تذکرہ فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمہارے اندر بھی اس طرح کے علماء اور مشائخ ہو سکتے ہیں۔ ان سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ جھوٹے پیر جو گندیاں سنبھالے بیٹھے ہیں ان کا بکی حال ہے، نہ صاحب شریعت، نہ صاحب طریقت اندر سے خالی ہیں۔ تصوف سے عاری ہیں طالب دنیا ہیں فکر آخرت نہیں خوف و خشیت نہیں تقویٰ نہیں۔ لوگوں سے مال وصول کرنے کے لئے طرح طرح کے ڈھنگ بنا رہے ہیں۔ حضرت امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ، جو کچھ کسی شخص کو اس کے دیندار اور صالح ہونے کے خیال سے دیا جائے گا اس کا لینا اس شخص کے لئے حلال نہیں جو اندر سے فاسق ہو، اگر دینے والے کو اس کا اندرونی حال معلوم ہوتا تو ہرگز نہ دیتا۔

اہل کتاب کے علماء اور مشائخ کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو پہچان لیا کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ﷺ ہیں جن کے تشریف لانے کا انتظار تھا لیکن ان لوگوں نے آپؐ کی صفات کو بدل دیا اور اپنے ماننے والوں کو یہ باور کرایا کہ وہ نبی نہیں ہیں جن کے انتظار میں تھے۔

یہود و نصاریٰ کے علماء اور مشائخ کا جو طریقہ اسلام کے عہد اول میں تھا۔ ابھی تک وہی ہے یہودیت اور نصرانیت کے ذمہ دار یہ جانتے ہوئے کہ اسلام دین حق ہے۔ نہ خود قبول کرتے ہیں اور نہ اپنے ماننے والوں کو قبول کرنے دیتے ہیں۔ انہوں نے بہت ساری جماعتیں اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے تیار رکھی ہیں۔ مختلف طریقوں سے یہ لوگ مسلمان نو جوانوں کو اپنے دین میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مال کا لالچ دیتے ہیں۔ عورتیں بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مسلمان نو جوان ان کے قابو میں نہیں آتے جب اسلام دل میں رچ جاتا ہے تو پھر کوئی طاقت اسے قلوب کی گہرائی سے نہیں نکال سکتی۔ جتنے اموال کفر اور شرک کو پھیلانے کے لئے خرچ کئے جاتے ہیں اور اسلام کے پھیلنے میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کا نتیجہ صفر درجہ میں ہی رہتا ہے۔

اسلام کے عہد اول سے دشمنان اسلام کی کوششیں رہی ہیں اور اب تک ہو رہی ہیں۔ ان کو دیکھا جائے تو اسلام کی دعوت کا کرمہ کے ایک گھر سے بھی آگے نہ بڑھتی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو آگے بڑھایا اور کروڑوں افراد اس وقت سے آج تک اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اور برابر ہو رہے ہیں۔ دشمنوں کی کوششیں فیل ہیں۔ اسلام برابر آگے بڑھ رہا ہے۔ پھیل رہا ہے۔ یورپ، امریکہ، کینیڈا، افریقہ، آسٹریلیا اور ایشیا کے بہت سے ممالک کے غیر مسلم اسلام کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اسلام قبول کر رہے ہیں اور اب یہ سیلاب انشاء اللہ تعالیٰ رکنے والا نہیں ہے دلیل و حجت سے اسلام ہمیشہ غالب ہے اور اپنے پھیلاؤ کے اعتبار سے بھی اب پورے عالم میں گھر گھر داخل ہو رہا ہے۔

دشمنان اسلام ہمیشہ سے دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اہل اسلام کے ساتھ ہے اور یہ بھی سمجھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہماری کوششیں اسلام کے خلاف کامیاب نہیں پھر بھی اپنی ناکبھی سے اسلام دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا پھر بھی مخالفت سے باز نہیں آتے۔ یورپ، امریکہ میں لاکھوں مسلمان رہتے ہیں۔ دشمنان اسلام ان کی اذانیں سنتے ہیں۔ نمازیں دیکھتے ہیں، اسلام پھیل رہا ہے، چرچ بک رہے ہیں۔ ان کی جگہ مسجدیں بن رہی ہیں پھر بھی ہوش کی آنکھیں نہیں کھولتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اسلام کی مخالفت سے اسلام کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔ جو لوگ کفر و شرک والے ادیان کے ذمہ دار ہیں وہ اپنے عوام کو اسلام پر آنے نہیں دیتے اور ان کو کفر ہی پر مطمئن رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی محنتوں کے باوجود ان کے عوام دل سے اپنے دین سے مطمئن نہیں ہیں۔ سرکاری

کاغذات میں پیدا کئی طور پر ان کا جو دین لکھ دیا گیا تھا وہ دل سے اس سے منحرف ہیں گویا ان سے اظہار نہیں کرتے۔ یہ اسلام کی حقانیت اور دیگر ادیان کے عوام کا اپنے دینوں سے قلوب کے اعتبار سے منحرف ہونا ان شاء اللہ تعالیٰ رنگ لائے گا اور وہ دن دور نہیں کہ دنیا میں اسلام ہی اسلام ہوگا۔

جو لوگ ادیان باطلہ کے داعی اور قائد ہیں اپنی جانوں اور اپنی عوام کی جانوں پر رحم کھائیں اور اسلام قبول کر لیں اور اپنے عوام کو بھی اس کی دعوت دیں اگر یہ لوگ اسلام کی طرف آگے نہ بڑھے تو انہیں میں سے آگے بڑھنے والے آگے بڑھ جائیں گے اور اسلام قبول کر کے ان پر لعنت کریں گے جو اسلام سے روکتے رہے۔ لہذا دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی سے اپنے کو اور اپنے عوام کو بچائیں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے آنے سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیں ہم بالکل علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ پر اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔

اس کے بعد ان لوگوں کے لئے وعید فرمائی جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے بکنزون کو ماقبل پر معطوف نہیں فرمایا بلکہ اسم موصول لا کر مستقل جملہ کے ذریعہ چاندی سونا جمع کرنے والوں کے لئے وعید بیان فرمائی الفاظ کے عموم میں یہود و نصاریٰ کے علماء اور مشائخ بھی داخل ہیں جو مال جمع کرنے کی وجہ سے توریت شریف کے احکام میں تحریف کرتے تھے اور اس امت کے وہ افراد بھی مراد ہیں جو سونا، چاندی جمع کریں اور اس میں سے شریعت کے مقرر کردہ فرائض و واجبات میں خرچ نہ کریں۔ ارشاد فرمایا:

وَالَّذِينَ يَكْتُمُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ (جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے) بشارت خوش کرنے والی چیز کی ہوتی ہے لیکن عذاب کی خبر کو بشارت سے تعبیر فرمایا اس میں یہ نکتہ ہے کہ مال جمع کرنے کو اپنے لئے اچھا سمجھتے تھے..... ان کے گمان کے برخلاف ارشاد فرمایا کہ تمہیں اس کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ عذاب کو اچھا سمجھتے ہو تو خوش ہو جاؤ۔

يَوْمَ يُخْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فُتُكُمُ فِيهَا جِبَا لَهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۚ هَذَا مَا كُنْتُمْ لَا نَفْسَكُمْ قَذَوْا وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ۔ (جس روز ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان کی کرڈوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنی جانوں کے لئے جمع کیا تھا۔ سواب تم چھ لو جسے جمع کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چاندی، سونے کا مالک تھا جس میں سے اس کا حق ادا نہیں کرتا تھا۔ (یعنی زکوٰۃ نہیں دیتا تھا) تو جب قیامت کا دن ہوگا اس کے لئے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی پھر ان تختیوں کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور ان کے ذریعہ اس کے پہلو اور اس کے پیشانی اور اس کے کمر کو داغ دیا جائے گا۔ جب وہ ٹھنڈی ہو جائیں گی تو ان کو (پھر سے گرم کر کے) واپس لوٹا دیا جائے گا۔ یہ اس دن میں ہوتا رہے گا جو پچاس ہزار سال کا ہوگا پھر نتیجہ میں وہ اپنا راستہ جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف کوٹ لے گا (اس کے بعد ان لوگوں کی وعید کا تذکرہ فرمایا جو موسیٰ شیوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۳۱۸ جلد ۱)

اول تو آگ کی تختیاں پھر ان کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے پھر ان سے پہلوؤں پیشانیوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے اور جب ٹھنڈی ہو جائیں تو دوبارہ گرم کر لی جائیں اور پچاس ہزار سال تک یہی عذاب کا سلسلہ جاری رہے اور پھر بھی دونوں احتمال ہیں کہ جنت میں جائے یا دوزخ میں اس کا ہر وہ شخص تصور کرے جو مال جمع کرتا ہے اور زکوٰۃ نہیں دیتا۔ پیشانیوں اور پہلوؤں اور پشتوں کو داغ دینے میں علماء نے یہ حکمت بتائی ہے کہ جب ایسے لوگوں کے پاس کوئی سائل (مال زکوٰۃ کا طلب گار) سامنے سے آتا ہے تو اسے دیکھ کر پیشانی پر مل پڑ جاتے ہیں پھر اس سے نظر چاٹنے کے لئے دائیں طرف یا بائیں طرف مڑتے ہیں اور سوال کرنے

والا اس طرح سے بھی چچھانہ چھوڑے تو پھر اس کی طرف پشت کر لیتے ہیں اس لئے پیشانی اور پہلو اور پشت کو عذاب کے لئے مخصوص کیا گیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

فائدہ..... سونا اور چاندی کو چونکہ بین الاقوامی طور پر اصل شمن ہونے کی حیثیت حاصل ہے اور اسلام میں انہیں اثمان قرار دیا ہے۔ اس کے لئے جس قسم کا بھی مال ہو اس کو سونا چاندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جب سے دنیا میں نوٹ آئے ہیں تو چونکہ ان کے ذریعہ چاندی سونا خریداجا سکتا ہے۔ اس لئے وہ چاندی سونے ہی کے حکم میں ہیں اور مال تجارت بھی سونے چاندی کے حکم میں ہے۔ سونا چاندی ہو یا مال تجارت یا نقد کیش ان سب پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ جتنی بھی زکوٰۃ قاعدہ شرعیہ کے مطابق فرض ہو وہ حساب سے ادا کی جاتی رہے تو باقی مال کو کنز نہیں کہا جائے گا جس پر حدیث بالا میں وعید آئی ہے۔ اسی لئے بعض احادیث میں فرمایا ہے: مَا بَلَغَ أَنْ تَوَدَّى زَكَوٰتَهُ فَزَكِي فَلَيْسَ بَكَنْزٍ یعنی جو مال اس مقدار کو پہنچ جائے جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو وہ کنز نہیں ہے۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۱۸ جلد ۱)

زکوٰۃ ایک عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومنین پر فرض فرمائی ہے اور قرآن میں دسیوں جگہ زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ذکر فرمایا ہے سورہ احکم سجدہ میں فرمایا ہے: فَوَيْلٌ لِلْمُصْرِفِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ (سو خرابی ہے مشرکین کے لئے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ زکوٰۃ نہ دینا مشرکوں اور ان لوگوں کا کام ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ زکوٰۃ کے علاوہ تو اعد شرعیہ کے مطابق دوسرے اخراجات بھی واجب ہیں قربانی کرنا، صدقہ فطر ادا کرنا، عند الضرورة ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں پر قواد شرعیہ کے مطابق خرچ کرنا۔ یہ سب حقوق ہیں جو مال کے متعلق ہیں اور حقوق واجبہ کے علاوہ کوئی شخص جتنا بھی اللہ کی رضا کے لئے خرچ کر دے گا اس کا ثواب پائے گا جس کو نفلی صدقات کہا جاتا ہے لیکن فرائض اور واجبات میں خرچ کرنے کا خاص دھیان رکھنا کہ آخرت میں مواخذہ نہ ہو۔

فائدہ..... آیت کریمہ میں اولاً سونا چاندی دونوں کو جمع کرنے کا تذکرہ فرمایا پھر وَلَا تُنْفِقُوْهَا فرمایا پھر تنہیں کی ضمیر کے بجائے واحد کی ضمیر لائی گئی جو فوضہ (چاندی) کی طرف راجع ہے۔ بعض علماء نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ سونا چاندی ایک ہی چیز ہے لہذا اگر کسی کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو اور علیحدہ علیحدہ ان میں سے ایک بھی نصاب کو نہ پہنچتا ہو تو سونے کی قیمت بھی چاندی کے حساب میں لگادی جائے گی مطلب یہ ہے کہ دونوں کے مجموعہ کی قیمت اگر نصاب چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہو جائے گی۔ چاندی سونے کا کیا نصاب ہے؟ اس کی تفصیل کے لئے دور کوغ کے بعد آیت إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ کی تفسیر دیکھئے

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

بالشبہ اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں جس دن اس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائے مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہے، ان میں

مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا

سے چار مہینے حرمت والے ہیں، یہ دین مستقیم ہے، سو ان مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور تمام

الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّمَا

مشرکین سے قتال کرو جیسا کہ وہ تم سب سے قتال کرتے ہیں اور جان لو کہ اللہ متقوں کے ساتھ ہے۔ مہینوں کی حرمت





شر و فساد اور قتل و قتال ایک پیشہ بن کر رہ گیا تھا اور ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر حملہ کر کے لوٹ مار کے ذریعے مال حاصل کر کے اپنی معیشت بناتا تھا۔ کبھی لڑائی ٹھن جاتی تھی اور لوٹ مار اور جنگ کرنے کی ضرورت ان چار مہینوں میں سے کسی مہینے میں محسوس کرتے تھے تو یوں کر لیتے تھے کہ کسی مہینے کو مؤخر کر دیتے تھے مثلاً ماہ محرم انہیں جنگ کرنا ہوتا تو یوں کہتے تھے کہ یہ ماہ محرم نہیں بلکہ ماہ صفر ہے۔ محرم اس سے آئندہ مہینہ ہوگا۔ اس طرح سے محرم کو صفر قرار دے کر جنگ کر لیتے تھے اور ماہ صفر کو شہر حرام قرار دیتے تھے۔ اللہ کی طرف سے جو مہینہ حرمت والا تھا اس کو اپنی طرف سے حلال اور جو مہینہ حلال تھا اسے حرام قرار دیتے تھے۔ اس طرح اللہ کی تحلیل اور تحریم کو بدل دیتے تھے اور اپنے نفسوں کو یوں سمجھا لیتے تھے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی کیونکہ جو قتال کیا ہے وہ شہر حرام میں نہیں کیا (حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ مہینہ حرمت والا تھا) ان لوگوں کے آگے پیچھے کر دینے سے نہ حقیقت میں کوئی مہینہ بدلا اور نہ تحلیل و تحریم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا حکم بدلا۔ اوپر ماہ محرم و ماہ صفر کے آگے پیچھے کرنے کی ایک مثال پیش کی گئی ہے اس طرح سے وہ سال کے بارہ مہینوں کو اپنی اپنی جگہ سے ہٹا چکے تھے اور یہ جانتے ہوئے کہ حج کا مہینہ ذوالحجہ ہی ہے آگے بڑھاتے بڑھاتے یہاں تک پہنچ گئے تھے کہ حج بھی ذوالحجہ کے علاوہ دوسرے مہینوں میں ہونے لگا تھا۔ ۱۰۔ اے میں جب رسول اللہ ﷺ نے حج کیا جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ تو وہ ٹھیک نو ذوالحجہ کو واقع ہوا تھا۔ آپ نے یوم النحر یعنی دسویں ذوالحجہ کو جو خطبہ دیا اس میں فرمایا اِنَّ الزَّمَانَ قَدْ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کہ بلاشبہ زمانہ گھوم کر اپنی اسی جگہ پر آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ یعنی مشرکین کے آگے بڑھانے اور پیچھے ہٹانے کی تغیر اور تبدیل جو بھی تھی اس کا کوئی دخل اور اثر مہینوں کی ترتیب میں نہیں رہا۔ اگر یہ لوگ تغیر اور تبدیل نہ کرتے تب بھی یہ مہینہ اپنی اصل کے اعتبار سے ذوالحجہ ہی ہوتا لہذا بارہ مہینے اب اپنی اپنی جگہ پر آ گئے ہیں۔

مشرکین عرب کی اس گنہگارئی کو الی رسم جاہلیت کے بارے میں فرمایا يُضِلُّ بِهِ الْاَذْيَنَ كَفَرُوا۔ کہ اس کے ذریعہ کفار گمراہ کئے جاتے ہیں يُضِلُّوْنَهُ غَمًا وَّ يُخْرِقُوْنَهُ غَمًا۔ کسی مہینے کو ایک سال حلال قرار دیتے تھے اور ایک سال حرام قرار دے لیتے تھے یعنی سال میں گنتی کے اعتبار سے چار مہینوں کی حرمت اپنے خیال میں اس طرح برقرار رکھتے تھے کہ کوئی سے چار مہینے اپنی اغراض کے مطابق حرام مان لیتے تھے۔ چاہے وہ وہی مہینے ہوں جو اللہ کی طرف سے حلال ہیں اسی طرح اللہ کے حرام قرار دیئے ہوئے مہینوں کو حلال قرار دے دیتے تھے۔ (فَيَحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ) اور صرف یہ دیکھتے تھے کہ گنتی کے اعتبار سے آٹھ مہینے ہم نے حلال قرار دیئے حالانکہ ان حلال قرار دیئے ہوئے مہینوں میں وہ مہینے بھی آ جاتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام قرار دیئے تھے۔ کبھی تو مہینوں کو آگے پیچھے کر کے تحریم اور تحلیل کی رسم کا طریقہ اختیار کر لیتے تھے اور کبھی یوں کہتے تھے کہ اس سال محرم کا مہینہ حرام نہیں ہے اس کی جگہ صفر کا مہینہ حرام ہوگا پھر اپنی اغراض نفسانیہ کے لئے ضرورت محسوس کرتے تو صفر کا مہینہ آنے پر کہہ دیتے تھے کہ یہ مہینہ حرام نہیں ہے آئندہ مہینہ یعنی ربیع الاول حرام ہوگا۔

شیطان نے انہیں اس قسم کا سبق پڑھایا تھا اور ان کے اعمال کو اچھا کر کے پیش کروایا تھا اسی کو فرمایا ذٰلِیْنَ لَہُمْ سُوْءٌ اَعْمَالُہُمْ۔ کہ ان کے لئے ان کے برے اعمال مزین کر دیئے گئے جنہیں وہ اچھا سمجھتے ہیں۔ پھر فرمایا: وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ ۝ کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا (کیونکہ وہ ہدایت پر آنا نہیں چاہتے)

فائدہ..... احکام شرعیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت کریمہ یَسْتَلُوْنَكَ عَنِ الْاَہْلِیَّةِ کی تفسیر میں ہم نے لکھ دیا ہے۔ عبادات، حج، زکوٰۃ، عدت کا اعتبار چاند کے مہینوں سے ہے اسی لئے چاند کے مہینوں کا محفوظ رکھنا اور ان کی ابتداء انتہاء جاننا فرض کفایہ ہے۔ بعض قوموں میں ہر تیسرا سال تیرہ مہینوں کا ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی وضع کردہ ترتیب کے خلاف ہے۔ دنیاوی

معاملات کے لئے بطور یادداشت اگر قمری مہینوں کے علاوہ مہینوں کو استعمال کیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ ہجری مہینوں کے سوا دوسرے مہینے رائج ہیں انہیں دشمنان دین نے اختیار کر رکھا ہے۔ وہ ہمارے ہجری مہینوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تو ہمیں ان کی طرف مائل ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَتَأْثَقُلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو تو زمین پر بوجھل بن جاتے ہو

أَرْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۖ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝

کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا والی زندگی پر راضی ہو گئے۔ سو دنیا والی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بہت تھوڑی سی ہے۔

إِلَّا تَتَفَرُّوا يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۚ

اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہارے علاوہ دوسری قوم کو تمہارے بدلہ پیدا فرما دے گا اور تم اس کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے ہو۔

وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذَا أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اگر تم اس کے رسول کی مدد نہ کرو تو اللہ نے ان کی مدد کی ہے جبکہ ان کو کافروں نے نکال دیا تھا جبکہ وہ دوسرے آدمیوں

اِثْنِينَ إِذْ هُمْ فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۚ فَأَنْزَلَ اللَّهُ

میں سے ایک تھے۔ جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جبکہ وہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے کہ ہم نہ کرو باشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے آپ پر اپنا

سَكِينَتُهُ عَلَيْهِ ۚ وَآيِدَاهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا

لیکن نازل فرمایا اور ایسے لشکروں کے ذریعہ آپ کی مدد فرمائی جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور اللہ نے ان لوگوں کی بات سچی کر دی جو کفر

السُّفْلَى ۚ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۚ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

اختیار کے ہوئے تھے اور اللہ کی بات اوچی سی ہے اور اللہ عز و جل ہے حکمت والا ہے۔

خروج فی سبیل اللہ کے لئے کہا جائے تو نکل کھڑے ہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں

عذاب دے گا اور تمہارے بدلہ دوسری قوم کو لے آئے گا!

معالم القرآن جیل (صفحہ ۲۹۲ جلد ۲) میں لکھا ہے کہ آیت یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ أَنْفِرُوا (الایۃ) غزوہ تبوک میں شرکت کی ترغیب دینے کیلئے نازل ہوئی جس کا واقعہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ طائف کے حصار کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے تو آپ نے حکم دیا کہ اب رومیوں سے جہاد کرنے کے لئے چلو (خبر ملی تھی کہ رومی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے شام کی سرحد پر جمع ہو گئے ہیں) صوبہ شام اس وقت رومیوں کے زیر نگین تھا اور وہاں ہر فل کی حکومت تھی جو رومیوں کا بادشاہ تھا۔ آپ نے ارادہ فرمایا کہ ان سے وہیں جمل کر مقابلہ کر لیا جائے اور دفاع کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جب جہاد کے لئے جانا ہوتا تھا تو توریہ سے کام لیتے تھے

(یعنی نام لے کر واضح طور پر نہیں بتاتے تھے کہ فلاں مقام پر جانا ہے اور فلاں قوم سے جنگ کرنا ہے) یہ موقعہ ایسا تھا کہ پھل پک رہے تھے کھیتیاں تیار تھیں انکے کانے کا زمانہ تھا اور تنگدستی بھی چل رہی تھی۔ گرمی سخت تھی اور سفر دور کا تھا اور درمیان میں خوفناک میدان تھے اور دشمن بھی تعداد میں زیادہ تھا۔ آپؐ نے واضح طور پر مسلمانوں کو بتادیا تھا کہ توک جانا ہے تاکہ دشمن سے مقابلہ ہونے کے لئے تیاری کر لیں اس موقعہ پر آپؐ کا جہاد کے لئے حکم فرمانا بھاری پڑ گیا اور مسلمانوں میں سستی اپنا اثر کرنے لگی، اللہ تعالیٰ شانہ نے اہل ایمان کو خطاب فرمایا کہ تمہیں کیا ہو جب تم سے کہا گیا کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو زمین پر جو جھل بن گئے، کیا آخرت کے بدلہ میں دنیا والی زندگی پر راضی ہو گئے حالانکہ دنیا والی زندگی آخرت کے مقابلے میں بہت تھوڑی سی ہے، مزید فرمایا **الَا تَتَنَفَّرُوا يٰعَذَابُكُمْ عَذَابُ الْاٰلِیْمَہ** (الایمہ) اگر تم اللہ کی راہ میں نہ نکلے گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہارے بدلہ دوسری قوم کو پیدا فرما دے گا اور تم اللہ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔

آخر میں فرمایا: **وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ**۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے وہ عذاب بھی دے سکتا ہے اور تمہارے بدلہ دوسری قوم بھی پیدا فرما سکتا ہے (جو تم سے زیادہ فرمانبردار ہو) اور دشمنوں کو تمہارے سفر اور تمہارے جنگ کے بغیر بھی ہلاک کر سکتا ہے۔ لہذا یہ سمجھ لیں کہ اگر ہم جہاد میں نہ گئے تو اللہ کا یا اللہ کے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا جو جائے گا اپنا ثواب پائے گا آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہوگا۔ **يٰعَذَابُكُمْ عَذَابُ الْاٰلِیْمَہ** کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اس سے دنیا میں بارش کو روک لینا مراد ہے۔ (معالم القرآن)

حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول مقام کے اعتبار سے مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ کھیتوں اور باغوں کی پیداوار جمع کرنے کا موقع آ گیا تھا اسے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتادیا گیا کہ اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلے تو بارش دی جائے گی۔ اگر اس سال غلہ اور پھل حاصل کر بھی لئے تو آئندہ آنے والے برسوں میں بارش رک جانے کی وجہ سے ان چیزوں سے محروم ہو گئے۔ جن لوگوں نے سستی دکھائی ان کی تعداد زیادہ تھی کیونکہ اسی سورت میں دوسری جگہ ان کے بارے میں **هٰنَ بَعْدَ مَا كَسَادَ بَزْوِیْعُ قُلُوْبِ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ** فرمایا ہے سستی کے بعد یہ حضرات غزوہ میں شریک ہو گئے تھے گو سستی چند افراد سے ظاہر ہوئی لیکن خطاب تمام مہینین سے فرمایا تاکہ ہمیشہ رہتی دنیا تک تمام مسلمانوں کو سبق مل جائے اور اللہ کی راہ میں خوشی خوشی نکل کھڑے ہوں اور حقیر دنیا کے لئے آخرت کی ابدی نعمتوں سے محروم نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمانے پر مسلمانوں کی بہت بڑی جمعیت توک جانے کے لئے نکل کھڑی ہوئی جس میں تیس ہزار مسلمان تھے اور اس سے پہلے کبھی بھی مسلمانوں کی تعداد اس قدر کسی بھی جنگ میں شریک نہ ہوئی تھی اور ہوا بھی صرف آنا جانا اور چند روز قیام کرنا، کیونکہ ان حضرات کے توک پہنچنے سے دشمنوں کے حوصلے پست ہو گئے اور مقابلہ میں آنے کی ہمت نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسولؐ کی مدد فرمائی جب اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں تھے..... اللہ جل شانہ نے مسلمانوں سے یوں بھی خطاب فرمایا کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ کی مدد نہ کرو گے تو اس سے اللہ کو اور اللہ کے رسول کو اور اللہ کے دین کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسولؐ کی مدد فرمائی جب انہیں مکہ کے کافروں نے مکہ معظمہ سے نکال دیا اور وہ اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں پہنچ گئے۔ اول تو دشمنوں کے درمیان سے صحیح سالم نکال دینا پھر غار ثور تک عافیت اور سلامتی کے ساتھ پہنچا دینا پھر جب دشمن غار ثور کے منہ تک پہنچ گئے اس وقت بھی ان کی حفاظت فرمانا اور جو لوگ تلاش میں نکلے تھے ان کو ناکام واپس کر دینا اور پھر غار ثور سے نکل کر پیچھا کرنے والے دشمنوں سے محفوظ فرما کر عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دینا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوا۔ یہ سطر ہجرت کے واقعات ہیں پورے سفر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے ساتھ تھے جب آپ نے سفر کا ارادہ کیا تو حضرت علیؓ کو اپنی جگہ

لٹا دیا اور آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ کی جگہ پایا اور ان سے پوچھا کہ آپ کے ساتھی کہاں ہیں اس پر انہوں نے لامنی ظاہر کی، وہ لوگ آپ کی تلاش کرنے کے لئے چل دیئے اور غار ثور کے منہ پر پہنچ گئے اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا رسول اللہ! (ﷺ) ان میں سے اگر کوئی شخص اپنے قدموں کی طرف نظر کرے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا لَا تَخْزَنَنَّ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (تم گنہگار نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے) آپ نے تین دن غار ثور میں قیام فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ روزانہ رات کو دودھ لے جا کر پیش کر دیتا تھا۔ دونوں حضرات اس کو پی لیتے تھے۔ تین دن گزارنے کے بعد مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے اور دسویں دن قبا پہنچ گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ مکزی نے غار کے دروازہ پر جالپور یا تھا۔ اسے دیکھ کر ان لوگوں نے سمجھا کہ اگر یہ حضرات اندر گئے ہوتے تو یہ جالٹا ہوا ہوتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۴۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر اطمینان نازل فرمایا اور آپ کے قلب مبارک پر تسلی فرمائی۔ آپ نے نہایت اطمینان کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تسلی دی کہ تم گنہگار نہ ہو بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

غار ثور کے ذکر کے ساتھ وَأَيُّدُهُمْ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمَا۔ بھی فرمایا کہ اللہ نے اپنے رسول کی ایسے لشکروں کے ذریعہ سے مدد فرمائی جنہیں تم نے نہیں دیکھا۔ ان لشکروں سے کیا مراد ہے؟ صاحب معالم التنزیل نے اس بارے میں تین قول لکھے ہیں۔ اول یہ کہ اس سے فرشتے مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لئے بھیجے گئے تھے کہ کافروں کی آنکھوں کو پھیر دیں اور ان کی نظریں آپ پر نہ پڑیں۔ دوم یہ کہ فرشتوں نے کفار کے دلوں پر رعب ڈال دیا اس کی وجہ سے واپس ہو گئے۔ سوئم یہ کہ خاص اسی موقعہ پر فرشتے نازل ہونا مراد نہیں ہے بلکہ بدر میں مدد کے لئے جو فرشتے آئے تھے وہ مراد ہیں۔ گویا وَأَيُّدُهُمْ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمَا جملہ مستانہ ہے جس میں بدر کے موقعہ پر جو مدد ہوئی تھی وہ یاد دلانی پھر فرمایا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى (اور اللہ نے کافروں کے کلمہ کو نیچا کر دیا) اس سے کلمہ شرک مراد ہے۔ جو قیامت تک کیلئے نیچا ہو گیا۔ شرک والے اہل ایمان کے مقابلہ میں کبھی سر اٹھا کر بات نہیں کر سکتے وَخَلِصَ اللَّهُ هِيَ الْعُلَبَا (اور اللہ کا کلمہ ہی بلند ہے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کلمۃ اللہ سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مراد ہے یہ ہمیشہ سے بلند ہے اور بلند رہے گا۔ بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ کافروں کے کلمہ سے ان کا وہ مشورہ مراد ہے جس میں انہوں نے طے کر لیا تھا کہ صبح ہونے پر آپ ﷺ کو شہید کر دیا جائے گا اور کلمۃ اللہ سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ نصرت مراد ہے۔ (معالم التنزیل صفحہ ۲۹۶ جلد ۲)

آیت کے ختم پر فرمایا وَاللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ غَلَبَ وَاللَّهُ غَلَبَ وَاللَّهُ غَلَبَ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اسی کا ارادہ غالب ہے وہ حکیم بھی ہے اس کی طرف سے کبھی ایسے حالات پیدا کر دیئے جاتے ہیں جن کی وجہ سے اہل ایمان مشکلات میں پھنس جاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان مشکلات سے نجات دے دیتا ہے اور اس میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں جن میں ایک حکمت یہ ہے کہ اہل ایمان کا ایمان مضبوط ہو جائے اور پھر مشکلات و مصائب سے نہیں گھبراتے، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہیں اور یہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلے اہل ایمان کو بڑی مشکلات سے نجات دی ہے۔

فائدہ..... اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ سفر ہجرت میں اور غار ثور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کے خادم خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ۔ جو فرمایا اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی مراد ہیں۔ چونکہ قرآن مجید میں انکے صاحب ہونے کی تصریح ہے اس لئے حضرات علماء نے فرمایا کہ ان کی صحابیت کا منکر کافر ہوگا۔ روافض (فبہم اللہ) جنہیں حضرت ابوبکرؓ سے بغض ہے وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ غار ثور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے اور لَا تَخْزَنَنَّ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا کا خطاب انہیں کو تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو ساتھ لیا، یار غار بنایا۔ انہوں نے پورے سفر میں خدمت کی تکلیفیں اٹھائیں، سواری کا انتظام کیا اپنے غلام کو روزانہ دو دھ بیچنے پر مامور کیا ان کا بیٹا عبد الرحمن بن ابی بکر روزانہ رات کو حاضر ہوتا تھا مشرکین کے مشوروں سے مطلع کرتا تھا۔ یہ ساری محنت اور قربانی روافض کے نزدیک کوئی چیز نہیں (بشک کو تو بنو عرب نظر آتا ہے) ان کے نزدیک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ العیاذ باللہ کافر تھے ان کی بات سے رسول اللہ ﷺ پر حرف آتا تھا کہ آپ نے ایک کافر کو ساتھ لیا اور اپنا رفیق سفر اور رازدار بنایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ نہ لیا جبکہ وہ مخلص مسلمان تھے۔۔۔ ان بغض رکھنے والوں کو اور کوئی بات نہ ملی تو یہ نکتہ نکالا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کافروں کے پیچھے پر گھبرا گئے۔ یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے یہ امور طبعیہ میں سے ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اللہ کے نبی تھے جب ان کے سامنے جادوگروں نے لائٹھیاں ڈالیں اور وہ سانپ بن گئیں تو ان کے جی میں خوف کا احساس ہوا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ شانہ نے اس سے پہلے ان کی لائٹھی کو سانپ بنا کر پھر سانپ کو لائٹھی بنا کر دکھایا تھا اور جب فرعون کو تبلیغ کرنے کے لئے اپنے بھائی ہارون کے ساتھ روانہ ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا لَا تَخَافَا اِنِّیْ مَعَكُمَا اَسْمَعُ وَ اَرٰی۔ اس سب کے باوجود جب جادوگروں کی لائٹھیاں اور رسیاں سانپوں کی صورت میں نظر آئیں تو طبعی طور پر خوف محسوس کرنے لگے۔ یہ خوف طبعی تھا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی غار ثور کے منہ پر دشمنوں کے پیچھے سے طبعی طور پر فکر لاحق ہو گیا تو اس میں کون سے اشکال و اعتراض کی بات ہے؟ روافض یوں بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے انزال سکینہ کا ذکر فرماتے ہوئے فَانزَلَ اللّٰهُ سَکِیْنَتَهٗ عَلَیْہِ فرمایا علیہما نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سکینہ نازل نہیں ہوئی۔ یہ بھی ان لوگوں کی ضلالت اور جہالت کی بات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہ نے رسول اللہ ﷺ پر بلا واسطہ سکینہ نازل فرمائی اور حضرت ابو بکر کو نبی اکرم ﷺ کے واسطہ سے تسلی دی آپ نے لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمایا ہمسایہ میں جو ضمیر جمع متکلم کی ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے) روافض اس کو نہیں دیکھتے اور غلیبہ کی ضمیر کو دیکھتے ہیں اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ غلیبہ کی ضمیر میں دونوں احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا مرجع رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہو اور دوسرا یہ کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف ضمیر راجع ہو جیسا کہ بعض مفسرین نے اس کو اختیار فرمایا ہے یہ بھی درست ہے بلکہ اقرب ہے کیونکہ قریب ترین مرجع صاحبہ ہے اور احتمال اس لئے بھی اقرب ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو فکر لاحق ہوئی تھی جسے فکر لاحق ہوا انزال سکینہ اسی پر دنا چاہیے۔ یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو بہت مطمئن تھے اور آپ کو پہلے سے سکینہ حاصل تھا اور نہ گھبراہٹ کا الزام رسول اللہ ﷺ پر آ جاتا ہے۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فکر مند ہونا بزودی کی وجہ سے اپنی جان کی وجہ سے نہیں تھا انہیں رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کی حفاظت کا خیال ہو رہا تھا۔ انہوں نے کہا ان افضل فانار اجل واحد وان قتلْتَ ہلکت الامۃ (اگر میں مقتول ہو گیا تو میں ایک ہی آدمی ہوں اور اگر آپ کی ذات مبارک پر حملہ کرے یا تو پوری امت ہلاک ہو جائی گی)

درمنثور صفحہ ۲۴۱ جلد ۲ میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور پر پہنچنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے خیال سے کبھی آگے چلتے تھے اور کبھی پیچھے اور کبھی دائیں اور کبھی بائیں اور مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو مجھے پہنچ جائے آپ محفوظ اور صحیح سالم رہیں۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس خیال سے کہ دشمنوں کو نشان ہانے قدم کا پتہ نہ چل جائے آنحضرت ﷺ کو اپنے اوپر اٹھا کر انگلیوں کے بل چلے یہاں تک کہ ان کی انگلیاں چھل گئیں۔

پھر غار ثور پہنچے تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ابھی باہر تشریف رکھیں، میں پہلے اندر داخل ہوتا ہوں اگر کوئی تکلیف وہ صورت حال پیش آئے تو مجھ ہی پر گزر جائے آپ محفوظ رہیں گے اس کے بعد پہلے خود اندر گئے غار کو صاف کیا اس میں جو سوراخ تھے اپنا کپڑا بچاڑ بھاڑ

کر انہیں بند کرتے رہے ایک سو راخ رہ گیا جس کا منہ بند کرنے کے لئے کچھ نہ ملا لہذا انہوں نے اس پر ایڑی لگا دی اور آنحضرت سرور عالم ﷺ کو اندر بلایا۔ آپ اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سو راخ کے اندر سے سانپ نے ڈس لیا۔ لیکن انہوں نے اس ڈر سے کہیں آپ کی آنکھ نہ کھل جائے سو راخ کے منہ سے نہ تو پاؤں بنایا اور نہ فراسی حرکت کی تکلیف کی وجہ سے ان کے آنسو بہنے لگے جو رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور پر گر گئے۔ آنسو گرنے سے آپ کی آنکھ کھل گئی اور آپ نے فرمایا کہ اے ابو بکر کیا بات ہے؟ عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے کسی نے ڈس لیا ہے۔ آپ نے اپنا اعاب مبارک ڈال دیا جس کی وجہ سے ان کی تکلیف جاتی رہی۔ (در منثور صفحہ ۲۴۱، مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۵۶)

اس جاشارفی اور فداکاری کو دیکھو اور رہنمائی کی اس جا بلانہ بات کو دیکھو کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمان نہیں تھے۔ (العیاذ باللہ) رہنمائی یہ بھی کہتے ہیں کہ لصاحبه سے ساتھی ہونا مراد نہیں۔ یہ بھی ان کی جہالت کی بات ہے۔ صحابی اسی کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو بحالت ایمان دیکھ لے اور ایمان پر اس کی موت ہو جائے سورۃ انفصاح میں شرکا حدیبیہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ۔

اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مؤمن ہونے کی بھی شہادت ہے اور سیکہ نازل ہونے کی بھی حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیعت کی تھی اگر انزال سیکہ ایمان کے لئے شرط ہے تو حدیبیہ کے تمام حاضرین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سیکہ نازل فرمانے کی خبر دی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔ لیکن روانفص نہ اللہ سے راضی ہیں نہ اللہ کے رسول ﷺ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کفر کے قائل ہیں اور انہیں یہ فکر نہیں کہ ہمیں خود مسلمان ہونا چاہیے۔ قرآن کا منکر اپنے ایمان کی فکر تو کرے۔ جسے شقاوت گھیر لے اور جس پر گرائی مسلط ہو جائے اسے کہاں سے ہدایت نصیب ہوگی۔ قَابِئُهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْصَى الْفُلُوبُ النَّاسُ فِي الضُّلُورِ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد سنئے۔ ان کے سامنے کسی نے کہہ دیا کہ آپ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں تو وہ اس پر رونے لگے اور فرمایا کہ اللہ کی قسم ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ایک رات اور ایک دن عمر رضی اللہ عنہ کے تمام اعمال سے بہتر ہے۔ رات تو یہی غار ثور، ابی جس کا ذکر اوپر ہوا اور دن وہ جب کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہو گئی تو عرب کے بعض قبائل مرتد ہو گئے ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم نماز پڑھیں گے زکوٰۃ نہ دیں گے اور بعض نے کہا کہ نہ نماز پڑھیں گے نہ زکوٰۃ دیں گے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد کا اعلان فرما دیا۔ میں خیر خواہ بن کر ان کی خدمت میں آیا اور میں نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ لوگوں کو مانوس رکھیے اور نرمی اختیار فرمائے انہوں نے جواب دیا کہ تم جاہلیت کے زمانے میں بڑے بہادر تھے اسلام میں بزدل بن گئے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی، وحی آنا ختم ہو گئی، اللہ کی قسم اگر ایک رسی بھی رسول اللہ ﷺ کو زکوٰۃ کی مدد میں دیتے تھے اور اسے روک لیں گے تب بھی ان سے جنگ کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر ہم نے ان کے ساتھ قتال کیا۔ اللہ کی قسم ان کی رائے صحیح تھی ان کا یہ دن بھی ایسا ہے کہ میرے سارے اعمال اس کے برابر نہیں ہو سکتے۔ (در منثور صفحہ ۲۴۲ جلد ۳)

روانفص نے یہ طریقہ نکالا ہے کہ جب ان سے کوئی مسلمان حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان کے بارے میں دریافت کرتا ہے تو فوراً کہہ دیتے ہیں ہم تو انہیں مسلم مانتے ہیں یہ بھی تقیہ کہتے ہیں اور تقیہ میں بھی تقیہ کرتے ہیں کیونکہ مسلم کہہ دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ظاہری اعتبار سے انہوں نے اسلام کے اعمال قبول کر لئے تھے۔ یہ لوگ انہیں مؤمن کہنے کے لئے تیار نہیں۔ مؤمن

کا لفظ اپنے لئے ہی الٹ کر رکھا ہے۔ روافض اپنی اہوا، نفسانیہ کے پابند ہیں جو یہود کے سکھانے سے ان میں رنج بس گئی ہیں۔ اعدا اللہ تعالیٰ الامۃ من خرافاتهم۔

لَا تُفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ

نکل کھڑے ہو جئے ہونے کی حالت میں اور بھاری ہونے کی حالت میں۔ اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے

لَکُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِنْ

اگر تم جانتے ہو۔ اگر قریب ہی میں سامان ملے والا ہوتا اور سفر معمولی ہوتا تو وہ آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو

بَعْدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ ۚ

مسافت دور دراز نظر آتی اور وہ عذریہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ نکلتے۔ وہ اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں۔

وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝

اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔

غزوہ ہندوک میں مومنین مخلصین کی شرکت اور منافقین کی بے ایمانی اور بد حالی کا مظاہرہ

جب ہندوک چلنے کے لئے حکم ہوا تو مسلمان بھاری تعداد میں آپ کے ہمراہ چلنے کے لئے تیار ہو گئے اور جن کو کچھ تردد ہوا تھا۔ بعد میں وہ بھی ساتھ ہو لئے۔ کچھ لوگ مریض تھے وہ اپنی مجبوری کی وجہ سے نہ جاسکے اور کچھ لوگ منافق تھے جن کے دو فریق تھے۔ ایک فریق تو وہ تھا جس نے جھوٹے عذر پیش کر کے آپ سے اس بات کی اجازت لے لی تھی کہ آپ کے ساتھ نہ جائیں اور اس وقت نفاق کھل کر سامنے آ گیا اور منافقین کا دوسرا فریق وہ تھا جو جاسوسی کے لئے اور شرارت کرنے کے لئے ساتھ ہو لیا تھا۔ ان باتوں کا تذکرہ اسی سورت میں آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ (لَا تُفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا) میں اول تو مسلمان کو یہ حکم دیا کہ ہلکے ہو یا بھاری ہو اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو اور اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرو اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو۔ خِفَافًا اور ثِقَالًا کا ترجمہ تو یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا (ہلکے اور پھلکے) لیکن اس کا مصداق بتاتے ہوئے مفسرین نے متعدد اقوال لکھے ہیں بعض حضرات نے بوزھا اور نو عمر ہونا اور بعض حضرات نے مٹاپا اور دبلا پن مراد لیا، چونکہ الفاظ میں ان سب باتوں کی گنجائش ہے اس لئے سبھی کو مراد لیا جاسکتا ہے لیکن ثِقَالًا سے مریض مراد لینا محل نظر ہے کیونکہ مرض عذر شرعی ہے اس کے ہوتے ہوئے خروج کا حکم کیسے ہوا؟

چونکہ اس آیت میں حکم ہوا کہ ہر حالت میں فی سبیل اللہ نکل کھڑے ہوں اور ہمیشہ جہاد بطور فرض عین، فرض نہیں ہوتا اور دوسری آیت میں وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيُفِرُوا كَافَّةً فرمایا ہے اس لئے بعض مفسرین نے اس آیت کے عموم کو منسوخ مانا ہے اگر آیت کو غزوہ ہندوک ہی سے متعلق مانا جائے اور امراض والوں کو مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ جیسا کہ آیت شریفہ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى میں مذکور ہے تو منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ معذور نہیں ہیں وہ کھڑے ہوں۔ مالدار بھی نکلے اور تندرست بھی نکلے بوزھا بھی جو ان بھی مونا بھی دبلا بھی۔ اس کے بعد ان منافقین کا حال بیان فرمایا جنہوں نے مجاہدین کے ساتھ

جاننا منظور نہیں کیا تھا۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ طالب دنیا ہیں اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ جلدی ہی سے کوئی دنیاوی سامان مل جائے گا یا سفر ہی ایسا ہوتا کہ اسے مشقت کے بغیر برداشت کر لیتے تو آپ کے ساتھ ہو لیتے۔ اس کے ساتھ لگنے میں ان کے اسلام کے ظاہری دعویٰ کا بھرم رہ جاتا اور جن دنیاوی منافع کے لئے انہوں نے ظاہر اسلام قبول کیا ہے اس منافع کی امید بدستور قائم رہتی لیکن سفر کے بارے میں جو انہوں نے غور کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ یہ تو سفر بہت لمبا ہے اور سخت تکلیف دہ ہے۔ لہذا ان کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا، اور انہوں نے ہمراہ نہ جانے ہی کو اپنے لئے پسند کیا اور ساتھ نہ گئے منافقین تھوڑی بہت تکلیف تو جھیل جاتے ہیں لیکن جب زیادہ کا موقع آتا ہے تو ان کا نفاق کھل جاتا تھا۔

جب آنحضرت سرور عالم ﷺ تبوک سے واپس تشریف لے آئے تو ان لوگوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہم میں جانے کی قوت اور طاقت نہ تھی اگر ہم میں سکت ہوتی اور ہمارے بس میں ہوتا تو ہم ضرور آپ کے ساتھ چلتے اس کے بارے میں پہلے اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی وَنَسِخْلَفُون بِاللّٰهِ لَوْ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ منافقین کے عذر پیش کرنے کا تذکرہ چند رکوع بعد آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرمایا يَهْلِكُونَ اَنْفُسَهُمْ (یہ لوگ اپنے نفسوں کو ہلاک کر رہے ہیں) کیونکہ نفاق کی وجہ سے اور رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نہ جانے کو اختیار کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو روزخ میں داخل کرنے کا ہنگ بنا چکے ہیں..... پھر فرمایا وَاللّٰهُ يُعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكَافِرُونَ کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں یعنی ان کا یہ کہنا کہ ہم میں سکت ہوتی یا ہمارے بس میں ہوتا تو ساتھ چلے چلتے یہ سب جھوٹ ہے کیونکہ قوت اور طاقت ہوتے ہوئے ساتھ نہ گئے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لَمْ اِذْنْتُ لَهُمْ حَتّٰی يَتَّبِعِنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَٰذِبِيْنَ ۝

اللہ نے آپ کو عاف فرمایا آپ نے ان کو کیوں اجازت دی جب تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے اور جب تک آپ جھوٹوں کو معلوم نہ کر لیتے۔

اَلَا يَسْتَاذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۝

آپ سے وہ لوگ اجازت نہیں مانگتے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَاذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاِنْ تَابَتْ ۝

اور اللہ متقین کو جانتا ہے۔ آپ سے وہی لوگ اجازت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک

قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَآ عَدُوْا لَهٗ عُدَّةً ۝

میں پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے شک میں حیران ہیں اور اگر وہ لوگ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لئے ضرور

وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ اَنْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقُعْدِيْنَ ۝ لَوْ خَرَجُوا ۝

تجاری کرتے لیکن اللہ نے ان کے جانے کو پسند نہیں فرمایا سو ان کو روک دیا اور کہا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ رہو۔ اگر وہ تم میں شامل ہو کر نکل

فِيْكُمْ مَا زَادُوكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا اَوْضَعُوْا خِلَالَكُمْ يَبْغُوْنَكُمْ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَعْعُونَ ۝

جاتے تو زیادہ فساد کرنے کے سوا کچھ کام نہ کرتے اور تمہارے درمیان فتنہ ریزی کی گھر میں تیزی کے ساتھ دوڑے پھرتے اور تمہارے اندر وہ لوگ ہیں جو ان کے لئے حاسدی کرنے



لَهُمْ ۝ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝ لَقَدْ ابْتَغُوا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ قَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ

والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے۔ ۵۴۔ جو پہلے سے فتنہ ہارانی کی قبر میں گئے رہے ہیں اور آپ کے لئے کارہائیں کا الٹ بھیر کرتے

حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَرِهُونَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِّي وَلَا تَفْتِنِّي ۝

رہے ہیں یہاں تک کہ حق آگیا اور اللہ کا حکم ظاہر ہوا اور ان کو ناگوار رہا تھا اور ان میں ایسا شخص بھی ہے جو کہتا ہے کہ آپ مجھے اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالے

الَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۚ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۝

خبردار وہ فتنے میں پڑ چکے ہیں اور بلاشبہ جہنم کافروں کو گھیرنے والا ہے۔

منافقین جھوٹے عذر پیش کر کے غزوہ تبوک کی شرکت سے رہ گئے

منافقین نے تبوک نہ جانے کا فیصلہ تو کر ہی لیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر پیش کر کے شریک نہ ہونے کی اجازت لیتے رہے آپ نے اجازت دیدی۔ اس اجازت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا لیکن عتاب میں بھی ایک لطف ہے اول یوں فرمایا عَفَا اللَّهُ عَنْكَ۔ (یعنی اللہ نے آپ کو معاف فرمادیا) اس کے بعد عتاب فرمایا اور یوں فرمایا کہ آپ نے لوگوں کو اجازت کیوں دی، یہ موقعہ بچوں اور جھوٹوں کے جاننے کا تھا آپ اجازت دینے میں جلدی نہ فرماتے تو معلوم ہو جاتا کہ سچا عذر پیش کرنے والے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں؟

حضرت عمرو بن مسمون نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے دو کام ایسے کئے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ تھا۔ اول: یہ کہ غزوہ تبوک کے موقعہ پر منافقین کے اعذار سن کر شرکت نہ کرنے کی اجازت دے دی اور دوسرے یہ کہ آپ نے بدر میں قیدیوں کے فدیہ لینے والی رائے کو اختیار فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں پر عتاب فرمایا۔ (عالم انزلی صفحہ ۲۹ جلد ۲)

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ عتاب ترک اولیٰ پر ہے آپ اجازت دینے میں توقف فرماتے تو اچھا تھا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اول اہل ایمان کا حال بیان فرمایا ہے لَا يَسْتَاذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ (جو لوگ اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے اس بات کی اجازت نہیں لیتے کہ اپنے جانوں اور مالوں کو جہاد میں لگائیں) کیونکہ وہ تو حکم سنتے ہی تیار ہو جاتے ہیں وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ۔ (اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کو خوب جانتا ہے پھر منافقین کا ذکر فرمایا اِنَّمَا يَسْتَاذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ (جہاد میں نہ جانے کی وہی لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دلوں میں شک ہے) فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ (سو وہ اپنے شک میں حیران ہو رہے ہیں) کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ساتھ چلے جائیں تو اچھا ہے تاکہ منافقت کا بھرم نہ کھلے اور کبھی سوچتے ہیں کہ سفر اور دھوپ کی مصیبت بہت بڑی ہے اس لئے نہ جائیں تو اچھا ہے گا۔

صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لی تھی کہ ہم جہاد میں نہ جائیں اور ان کو کوئی عذر نہ تھا۔ بعض روایات کے مطابق یہ ۳۹ آدمی تھے۔

پھر فرمایا کہ جو منافقین تمہارے ساتھ نہیں گئے۔ ان کے جانے کا ارادہ ہی نہ تھا۔ اگر جانے کا ارادہ ہوتا تو کچھ سامان کرتے۔ سامان کا

بھی انتظام نہیں کیا اور آپ سے اجازت لے کر اپنے لئے ایک بہانہ بھی بنالیا کہ ہمیں اجازت مل گئی۔ اجازت نہ دی جاتی تب بھی ان کو جاننا ہی نہ تھا اگر واقعی جانے کا ارادہ ہوتا اور جانے کے لئے تیاری کرتے پھر کچھ عذر واقعی پیش آ جاتا اور اجازت لے لیتے تو اجازت لینے کا کچھ معنی بھی ہوتا، بات یہ تھی کہ ان کا جانے کا اپنا ارادہ ہی نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی یہ فیصلہ ہوا کہ یہ لوگ نہ جائیں۔ تنکوینی طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کو روک دیا اور ان کو تمہارے ساتھ جانے کی توفیق نہیں دی اور تنکوینی طور پر انہیں بیٹھنے والوں یعنی اپانج اور واقعی معذورین کے ساتھ رہ جانے کا فیصلہ ہوا تھا اسی وجہ سے بیٹھے رہ گئے اور جانے سے رک گئے۔

پھر فرمایا کہ اے مسلمانو! انکے نہ جانے سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ فائدہ ہی ہوا کیونکہ اگر یہ تمہارے ساتھ نکل جاتے تو تمہارے بارے میں شر اور فساد کو بڑھانے کا ہی کام کرتے اور تمہارے درمیان فتنہ پرداز کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے۔ مثلاً لگائی بجھائی کرتے تمہارے درمیان تفرقہ ڈلاتے اور جھوٹی خبریں اڑا کر تمہارے دلوں میں انتشار پیدا کرتے۔ دشمن کی تعداد زیادہ بتا کر تمہارے دلوں کو مرعوب کرنے کی دوڑ دھوپ میں لگتے۔ مزید فرمایا وَفِيكُمْ سَمْعُونُ لَهْمُ (اور تمہارے اندر ایسے لوگ ہیں جو ان کے لئے جاسوسی کرتے ہیں) گو ساتھ چل کر آگئے ہیں لیکن ان کی نیت جہاد فی سبیل اللہ کی نہیں ہے۔ تمہارے اندر گھل مل کر تمہاری خبریں لینا اور ان لوگوں کو پہنچانا جو تمہارے ساتھ نہیں آئے، یہ ان کا مشغلہ ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ۔ (اور اللہ کو ظالموں کا پوری طرح علم ہے وہ ان کے ظلم کا بدلہ دے گا اس کے بعد منافقین کی جماعت کی پرانی شرارتوں کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا لَقَدْ ابْتَغُوا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ (کہ اس غزوہ سے پہلے بھی وہ فتنہ کی راہ تلاش کر چکے ہیں) یہ لوگ غزوہ احد کے موقع پر بھی راستہ سے واپس چلے گئے تھے وَقَبِلُوا اللَّيْلَ الْأَمُورَ اور آپ کو تکلیف دینے کی کاروائیوں میں الٹ پھیر اور طرح طرح کی مکاریاں اور ایذا پہنچانے کی تدبیریں کرتے رہے حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَارِهُونَ (یہاں تک کہ سچا وعدہ آپ پہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہوا اگرچہ انہیں ناگوار ہو رہا تھا) اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ ان کی تدبیریں اور شرارتیں پہلے سے جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے محفوظ فرمایا۔ آئندہ بھی ان کی مفسدانہ کارروائیوں کا خیال نہ لانا اور اب جو یہ لوگ تبوک کے لئے آپ کے ہمراہ روانہ نہ ہوئے اس سے بھی رنجیدہ نہ ہوں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اسلام اور داعی اسلام کی دشمنی پر کمر بستہ رہنا یہ ان کی پرانی عادت ہے۔

اس کے بعد ایک منافق کے بیان کردہ عذر کا تذکرہ کیا اور فرمایا وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ اِنَّنِي لَمِي وَلَا تَفْتِنِي اور ان میں سے ایک شخص ایسا بھی ہے جو یوں کہتا ہے کہ مجھے جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے۔ معالم التنزیل (صفحہ ۲۹۹ جلد ۲) میں لکھا ہے کہ جد بن قیس ایک منافق تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے غزوہ تبوک میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کیا تجھے رومیوں سے جنگ کرنے میں رغبت ہے؟ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) میرا حال یہ ہے کہ عورتوں سے مجھے عشق ہے اور عورتوں کو دیکھ کر قابو میں نہیں رہتا رومیوں کی گورے رنگ کی لڑکیاں دیکھ کر مجھ سے صبر نہ ہوگا آپ مجھے یہیں رہنے کی اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے۔ میں مال سے امداد کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس نے یہ بہانہ تلاش کیا تھا اور منافقت کے سوا اس کو کوئی معذوری نہ تھی۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا اور اس کو اجازت دے دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا۔ (خبردار وہ فتنہ میں پڑ چکے ہیں) اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لانا اور منافقت اختیار کرنا یہ سب سے بڑا فتنہ ہے۔ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُجِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ (اور بلاشبہ جہنم کا فروں کو اپنے گھیرے میں لینے والی ہے) یہ ان کے اس فتنہ کی سزا ہے۔

جس میں وہ پڑ چکے ہیں۔

إِنْ تُصِيبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِنْ تُصِيبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرًا مِنْ

اگر آپ کو اچھی حالت پیش آجائے تو انہیں بری لگتی ہے، اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی اپنا کام سنبھال لیا تھا

قَبْلَ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ۝ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلَانَا ۚ

اور پشت پھیر کر خوش ہوتے ہوئے چل دیتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اس کے علاوہ ہمیں تکلیف نہ پہنچے گی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے وہ ہمارا

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۚ

کام ساز ہے اور ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ تم ہمارے بارے میں یہی انتظار کرتے ہو کہ ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی مل جائے

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمْ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِنْ عِنْدِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا ۚ فَتَرَبَّصُوا ۚ

اور ہم تمہارے بارے میں یہ انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تم پر اپنے پاس سے کوئی عذاب بھیج دے یا ہمارے ہاتھوں سے عذاب دے دے، سو تم انتظار کرو۔

إِنَّا لَعَاكُمْ فِتْرَتَكُمْ فَنَتَرَبَّصُ ۝

بلاشبہ ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہیں۔

### منافقین کی بد باطنی کا مزید تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں منافقین کی مزید بد باطنی کا اظہار فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ اے نبی! یہ لوگ ایمان کے مدعی ہیں کہنے کو آپ کے ساتھ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اندر سے ان کا یہ حال ہے کہ اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پہنچ جائے مثلاً دشمن کے مقابلہ میں کامیابی ہو جائے مال غنیمت مل جائے تو انہیں یہ بات بری لگتی ہے وہ اس سے ناخوش ہوتے ہیں کہ آپ کو دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو یا کسی بھی طرح کی کوئی خیر کی خبر مل جائے اور اگر آپ کو کبھی تکلیف پہنچ گئی تو اپنی سمجھداری کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں دیکھو ہم کیسے اچھے رہے، ہم نے پہلے ہی احتیاط کا پہلو اختیار کر لیا تھا ان کے ساتھ لگتے تو ہم بھی مصیبت میں پڑتے، یہ باتیں کرتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس ہوتے ہیں اور خوش ہوتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں، مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہر حال میں رہے، خوشحالی میں بھی آپ کا ساتھ ہی ہو اور مصیبت میں بھی۔

روح المعانی (صفحہ ۱۱۴ جلد ۱۰) میں بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جو منافقین غزوہ تبوک کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہ گئے وہ لوگوں سے کہتے رہے کہ بس جی محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی تو بڑی مصیبت میں پڑ گئے۔ بڑی مشقت کا سفر اختیار کیا اب یہ ہلاک ہو کر رہیں گے پھر جب انہیں یہ خبر ملی کہ دشمن مرعوب ہو گیا اور آپ ﷺ صحیح سالم اپنے صحابہ کے ساتھ واپس تشریف لارہے ہیں تو انہیں یہ برا لگا۔ اس پر آیت شریفہ **إِنْ تُصِيبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ** نازل ہوئی۔

اسکے بعد فرمایا **قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا**۔ یعنی آپ ان سے فرما دیجئے کہ ہمیں وہی حالت پیش آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے

ہمارے لئے مقدر فرمادی ہے۔ خوشحالی خوبی اور بہتری ہو یا کسی قسم کا کوئی حادثہ ہو جائے یا دکھ تکلیف سے دوچار ہو جائیں یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے مقرر اور مقدر ہے۔ ہنوز مولا نا اللہ ہمارا مددگار ہے ہمارا ولی ہے ہم اس کی قضاء اور قدر پر راضی ہیں سب کچھ اسی کی طرف سے ہے اور ہماری ہر حالت میں اس نے خیر رکھی ہے۔ فتح ظفر ہو جائے، مال غنیمت مل جائے تو یہ بھی خیر ہے اگر تکلیف پہنچ جائے تو اجر و ثواب کے اعتبار سے وہ بھی خیر ہے اور ہم میں سے جو لوگ جام شہادت نوش کرتے ہیں یہ بھی خیر ہے۔ **وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ** اور مؤمنین ہمیشہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں اپنے سارے امور اللہ ہی کے سپرد کریں اور اسی سے خیر و خوبی اور خوشحالی کی امید رکھیں۔ مؤمنین کا بھروسہ صرف اللہ پر ہے وہ اسباب بھی اختیار کر لیتے ہیں لیکن بھروسہ اسباب پر اور ہتھیاروں پر اور اپنی قوت اور طاقت پر نہیں کرتے۔ اسباب کو اختیار کرنا تقدیر اور توکل کے خلاف نہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے توکل بھی سکھایا اور اسباب بھی اختیار فرمائے اور اسباب اختیار کرنے کا حکم بھی دیا آپؐ نے جو فرمایا اور جو کر کے دکھایا اہل ایمان اسی کو اختیار کرتے ہیں نہ ترک اسباب کریں نہ اسباب پر بھروسہ رکھیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ **بأن يفوضوا الأمر إليه سبحانه ولا ينافي ذلك التثبت بالأسباب العادية اذالم يعتمد عليها** (اس طرح کہ معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کریں اور معروف اسباب اختیار کرنا اس کے منافی نہیں ہے جب کہ اسباب پر بھروسہ نہ ہو)۔ (صفحہ ۱۱۵ جلد ۱۰)

پھر فرمایا **قُلْ هَلْ نَرَبُّونَ بَنَاءً إِلَّا اخذنا الحُسَيْنَيْنِ** (الایہ) کہ اے منافقو! دنیا میں دو ہی حالتیں ہیں جو انسانوں کو پیش آتی رہتی ہیں ایک اچھی صورت حال دوسری تکلیف دہ حالت تم ہمارے بارے میں انہیں دونوں حالتوں کے منتظر رہتے ہو کہ دیکھو آگے ان کو بہتر حالت پیش آتی ہے یا کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ہمارے لئے تو دونوں ہی حالتیں فائدہ کی ہیں فتح ظفر نصیب ہو جائے مال غنیمت مل جائے اور کسی بھی طرح کی بہتری سے اللہ تعالیٰ ہمیں نواز دے تو یہ بھی ہمارے لئے بہتر ہے اور اگر کوئی تکلیف دہ صورت پیش آجائے تو ہمارے لئے وہ بھی خیر ہے۔ ہمارے افراد مقتول ہوتے ہیں تو شہادت کا درجہ پاتے ہیں اور ہمیں ہر حال میں ہر مصیبت پر اجر ملتا ہے۔ ہمارے لئے ہر صورت حال بہتر ہے اور ہم ہر حال میں نفع میں ہیں اور یہ بھی سمجھ لو کہ جیسے تم ہمارے بارے میں حالات کے سازگار یا ناسازگار ہونے کے منتظر رہتے ہو ہم بھی تمہارے بارے میں منتظر ہیں لیکن ہمارے اور تمہارے انتظار میں فرق ہے۔ تم ہمارے بارے میں دو بہتر صورتوں میں سے کسی ایک بہتری کے منتظر ہو (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا) لیکن ہم تمہارے بارے میں اسی کے منتظر ہیں کہ ہمیں استعمال کے بغیر اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیج دے یا ہمارے ہاتھوں تم کو عذاب دے۔ اب تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں اور سمجھ لو کہ انجام کے طور پر تمہاری ہی بربادی ہوگی۔

**قُلْ أَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَلَ مِنْكُمْ ۖ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَسِيقِينَ ۝۵۷ وَمَا مَنَعَهُمْ**

آپؐ فرما دیجئے کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے ہرگز تم سے قبول نہ کیا جائے گا، بلاشبہ تم نافرمان لوگ ہو اور ان کے صدقات قبول

**أَنْ تُقَبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ إِلَّا آتَاهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا**

کئے جانے سے کوئی چیز اس کے سوا مانع نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے

**وَهُمْ كُسَالَى وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَرِهُونَ ۝۵۸ فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ ۖ**

مگر سستی کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ سو آپ کو ان کے مال اور ان کی اولاد تعجب میں نہ ڈالیں،

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۵۰﴾

اللہ بکلی چاہتا ہے کہ انہیں دنیاوی زندگی میں ان چیزوں کے ذریعہ عذاب دے اور یہ کہ ان کی جانیں اس حال میں نکل جائیں کہ کفر کی حالت میں ہوں۔

وَيَعْلَمُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۖ وَمَا هُمْ بِمِنكُمْ ۚ وَلَئِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ﴿۵۱﴾ لَوْ يَجِدُونَ

وہ لوگ نہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں، لیکن وہ ایسے لوگ ہیں جو درتے ہیں، اگر انہیں کوئی پناہ کی جگہ

مَلَجًا أَوْ مَغْرَبًا أَوْ مَذَخَلًا تَوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿۵۲﴾

کوئی مارل جائے یا جس بیٹھنے کے لئے کوئی جگہ حاصل ہو جائے تو پیچھے پھیر کر جلدی سے اسی کی طرف دوڑے چلے جائیں۔

منافقین کا مال مقبول نہیں، جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ آیت فَلْأَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا۔ جد بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی جس نے کہا تھا کہ میں رومیوں کی عورتیں دیکھ کر بے صبر ہو جاؤں گا۔ اسی لئے مجھے ساتھ لے جائیں لیکن مال کے ذریعہ آپ کی مدد کروں گا اس کے جواب میں فرمایا کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہ کیا جائیگا۔ قبول نہ ہونے کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ مال لے کر آؤ گے تو اللہ کے رسول ﷺ قبول نہ فرمائیں گے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ثواب نہ دے گا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ دونوں ہی معنی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ إِنْ كُنْتُمْ كُفْرًا فَاسْقِئْ بے شک تم نافرمان لوگ ہو۔ آیت کا سبب نزول خواہ جد بن قیس ہی کا واقعہ ہو۔ لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں جو تمام منافقین کو شامل ہیں۔

اس کے بعد منافقین کے کفر اور نماز میں سستی اور خرچ کرنے میں بددلی کا تذکرہ فرمایا وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَّ سُوْلِهِ (ان کے صدقات کو قبول ہونے سے منع کرنے والی کوئی چیز اس کے علاوہ نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور رسول کے ساتھ کفر کیا) اور کفر کے ساتھ کوئی عمل قبول نہیں اور گو وہ اسلام کے مدعی ہیں اور کفر کو چھپائے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کا کفر ان کے ڈھنگ سے ظاہر ہوتا رہتا ہے نماز جو ایمان کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے اور جو ایمان کی سب سے بڑی اور سب سے پہلی علامت ہے اس کے لئے آتے ہیں تو سستی کے ساتھ بارے جی آتے ہیں۔ گویا کہ ان پر بہت بڑی مصیبت آگئی۔ چونکہ دل سے نماز پڑھتے نہیں دکھانے کے لئے پڑھتے ہیں اس لئے بددلی کا اثر اس طرح بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نمازوں میں دیر سے آتے ہیں اور اس طرح سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رکوع سجدہ ٹھیک طرح سے ادا نہیں کرتے جلدی جلدی نمٹانے کی دھن میں رہتے ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے جو بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب اس کی زردی آجاتی ہے اور شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو کھڑے ہو کر چار ٹونگیں مار لیتا ہے۔ (یعنی جلدی جلدی سجدہ کر لیتا ہے ان میں بس اللہ کو ذرا یاد کرتا ہے)۔ (رواہ مسلم)

یہ تو ان کی نماز کا حال ہے اور جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا موقع آتا ہے تو مسلمانوں کو دکھانے کے لئے بددلی کے ساتھ خرچ کرتے۔ جب ایمان نہیں تو آخرت کا یقین بھی نہیں لہذا مال خرچ کرنے پر ثواب کی امید بھی نہیں۔ جب ثواب کی امید نہیں تو خوش دلی سے خرچ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، لامحالہ بددلی سے خرچ کرتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا فَلَا تُفْجِنُكَ اَمْرُ الْهَمِّ وَلَا اَوْلَا ذَهْمٍ (الایہ) کہ ان کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں۔ کیونکہ یہ چیزیں مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں ہیں۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ یہ لوگ اللہ کے ہاں مردود ہوتے تو ان کے اموال اور اولاد میں کثرت کیوں ہوتی۔ یہ کثرت بطور استدراج ہے جو ان کے لئے باعث عذاب ہے۔ اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (اللہ یہی چاہتا ہے کہ دنیا میں ان چیزوں کے ذریعہ انہیں عذاب دے) پہلا عذاب تو یہ ہے کہ مال جمع کرنے میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں، مصیبت جھیلنے ہیں اور اس میں اللہ کی رضا کا ذرا دھیان نہیں کرتے اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے جو تکلیف اٹھائی جائے وہ ہلکی اور آسان ہو جاتی ہے۔ نیز یہ مال ان کے لئے بھی دنیا میں عذاب بنے ہوئے ہیں کہ اسلام کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے شرما کر حضور زکوٰۃ بھی دیتے ہیں اور جہاد میں بھی خرچ کرتے ہیں جس سے ان کا دل دکھتا ہے۔ یہ دل کا دکھنا بھی عذاب ہے۔ ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے خرچ کرتے تو یہ خرچ کرنا خوشی کا باعث بن جاتا اور اولاد کے ذریعہ دنیا میں عذاب دیئے جانے کا یہ مطلب ہے کہ اولاد کی پرورش اور پرداخت میں بہت تکلیف اٹھاتے ہیں اور اس تکلیف پر کسی ثواب کی امید نہیں پھر بھی بعض مرتبہ ان کے بیٹے جہاد میں مقتول ہو جاتے ہیں اور اس قتل پر بھی رنجیدہ ہوتے ہیں کیونکہ ایمان سے محروم ہونے کی وجہ سے شہادت کے ثواب کا یقین نہیں رکھتے۔

پھر فرمایا وَقَرْهُوْا اَنْفُسَهُمْ وَهُمْ كَافِرُوْنَ۔ (اور اللہ چاہتا ہے کہ ان کی جانیں اس حال میں نکل جائیں کہ وہ کافر ہوں۔) تاکہ آخرت کے عذاب میں بھی گرفتار ہوں (اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے ساتھ رہتے ہیں اس کی کتاب سنتے ہیں معجزات دیکھتے ہیں، پھر بھی ایمان نہیں لاتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان لانے کا ارادہ نہیں فرمایا۔ اب کفر پر ہی مریں گے۔

پھر منافقین کی قسموں کا ذکر فرمایا وَيَخْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اَنَّهُمْ لَمِنْكُمْ (اور ان کا یہ طریقہ ہے کہ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہیں میں سے ہیں) سچے مؤمن کو اپنے ایمان پر قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اہل ایمان اس کے حالات اور معاملات اور احوال و اعمال اور برتاؤ کو دیکھ کر ہی اسے مؤمن سمجھتے ہیں اور منافقین کا رنگ ڈھنگ بتاتا ہے کہ یہ اندر سے مؤمن نہیں ہیں اس لئے اہل ایمان ان سے بچتے ہیں اور انہیں اپنا نہیں سمجھتے لہذا بار بار قسمیں کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا هُمْ مِنْكُمْ (اور تم میں سے نہیں ہیں)

وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْقَرُوْنَ (لیکن بات یہ ہے کہ وہ ڈرنے والے لوگ ہیں) وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم ایمان کا دعویٰ نہ کریں تو ہمارے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا جو مشرکین اور یہود کے ساتھ ہوا اب جبکہ مدینہ دار الاسلام بن گیا اور کافر ہو کر جینے کا موقع نہ رہا۔ تو جھوٹ موٹ ایمان کا دعویٰ کر دیا تاکہ جان مال محفوظ رہے اور جو منافع مسلمانوں سے حاصل ہوتے ہیں وہ حاصل ہوتے رہیں۔ ڈر پوک آدمی کل کر سامنے نہیں آ سکتا۔ اس لئے ان لوگوں نے ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر دیا اور قسموں کے ذریعہ یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مؤمن ہیں تاکہ مسلمانوں کی زد سے بچ رہیں۔

پھر منافقین کی قلبی بے تعلقی کا تذکرہ فرمایا کہ انہیں کوئی دوسرا ٹھکانہ میسر نہیں، اس لئے تم سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں اور تمہاری جماعت کی طرف منسوب ہوتے ہیں اگر انہیں کوئی ٹھکانہ مل جائے جس میں پناہ لے سکیں یا کوئی غار مل جائے جس میں چھپ سکیں یا داخل ہونے کے لئے کوئی دوسری جگہ مل جائے تو تیزی کے ساتھ اس میں چلے جائیں گے اور تمہاری طرف سے نظریں پھیر لیں گے اور پوری طرح طوطا چٹسی کر لیں گے۔ تم سے انہیں بالکل بھی قلبی تعلق نہیں ہے۔ ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر کے اور قسمیں کھا کے تمہیں مطمئن رکھنا چاہتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ ۚ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطُوا مِنْهَا

اور ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو صدقات کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں۔ سو اگر اس میں گن کو دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو اس میں گن دیا جائے

إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿۸۵﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا

تو اسی وقت وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے لئے بہتر ہے کہ وہ اس پر راضی ہوں جو اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے انہیں دیا اور وہ یوں کہیں کہ

اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ ۚ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴿۸۶﴾

اللہ ہمیں کافی ہے۔ عنقریب اللہ ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائے گا اور اس کا رسول (ﷺ) بے شک ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔

منافقین کا صدقات کے بارے میں طعن کرنا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تقسیم پر راضی نہ ہونا

ورنثور (صفحہ ۲۵۰ جلد ۲) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ حنین کے موقع پر غنیمت

کے اموال تقسیم فرمائے تو میں نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ یہ تو ایسی تقسیم ہے جس کے ذریعہ اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ (العیاذ باللہ)

میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس بات کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا کہ اللہ مومن پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ تکلیف دی

گئی پھر انہوں نے صبر کیا، اور آیت وَمِنْهُمْ مَّنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ نازل ہوئی۔

جن لوگوں کے دلوں میں دنیا کی محبت رچی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ مال ہی سے خوش ہوتے ہیں دین و ایمان اور اعمال صالحہ اور جہاد فی

سبیل اللہ سے خوش نہیں ہوتے انہیں اس بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ ہمیں نعمت اسلام مل گئی اور اعمال صالحہ کی دولت نصیب ہوگئی بلکہ

حب دنیا کی وجہ سے وہ دنیا ملنے ہی کے لئے جھوٹے منہ سے اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کر دیتا تھا اس لئے مال نہ ملنے پر ان کا موذی خراب ہو جاتا تھا اسی کو

فرمایا فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا۔ (سو اگر ان کو صدقات میں سے مال دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں) وَإِنْ لَمْ يُعْطُوا مِنْهَا إِذَا هُمْ

يَسْخَطُونَ۔ (اور اگر ان کو ان میں سے نہ دیا جائے تو اسی وقت ناراض ہو جاتے ہیں) طالب دنیا کو اس مال چاہنے جو فانی ہے اور ایمان

اور اعمال صالحہ کے مقابلہ میں حقیر چیز ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہلاک ہو دینار کا غلام اور

درہم کا غلام اور چادر کا غلام اگر کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائے اور نہ دیا جائے تو ناراض ہو جائے۔ یہ شخص ہلاک ہو اور اندھے منہ گرے

اور جب اسے کاٹنا لگ جائے تو خدا کرے اس کا کاٹنا نہ ٹکے۔ (رواہ البخاری)

غور کرو رحمۃ اللعالمین ﷺ نے طالب دنیا کو کسی بدعادی منافقوں کا حال بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ

اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ ۚ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ۔ (اور ان کے لئے بہتر تھا کہ جو کچھ اللہ نے

اس کے رسول ﷺ) نے انہیں دیا۔ اس پر راضی ہوتے اور یوں کہتے کہ عنقریب اللہ ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائے گا اور اس کا رسول

دے گا اور یوں بھی کہنا چاہئے تھا کہ بے شک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں) بات یہ ہے کہ مومن آدمی اللہ پر بھروسہ کرتا

ہے اور اسی سے امیدیں باندھ رہا ہے تو خدا مال جو اللہ کی طرف مل جائے اس پر بھی راضی رہتا ہے اور منافق تھوڑے پر راضی نہیں ہوتا۔

برکتوں سے واقف نہیں ہوتا اللہ سے لوٹیں لگاتار ہر وقت مال ہی کی طلب اور حرص میں لگا رہتا ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي

صدقات صرف فقراء کے لئے اور مسکین کیلئے اور ان کارکنوں کے لئے ہیں جو صدقات پر متعین ہیں اور ان لوگوں کیلئے جن کی دلجوئی کرنا منظور ہو اور

الرِّقَابِ وَالْغَرَمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ ﴿۱۰﴾

یادوں کے پیچھے ان میں، اور قرض داروں کے قرضہ میں اور اللہ کے راستہ میں، اور مسافروں کے لئے یہ قسم اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ عليم ہے اور حکیم ہے۔

### زکوٰۃ کے مصارف کا بیان

تفسیر: صدقات سے یہاں زکوٰۃ مفروضہ مراد ہے اور اس کو جمع اس لئے لایا گیا کہ زکوٰۃ متعدد اموال پر واجب ہوتی ہے۔ چاندی، سونا، مال تجارت، اونٹ، گائے، بکریاں ان سب پر زکوٰۃ فرض ہے۔ بشرطیکہ نصاب پورا ہو۔ آیت شریفہ میں زکوٰۃ کے مستحقین کے آٹھ مصارف بیان فرمائے ہیں اور لفظ انحصار سے آیت کو شروع فرمایا ہے جو حصر پر دلالت کرتا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ مستحق زکوٰۃ ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جن کا ذکر اس آیت میں فرمایا۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے مال زکوٰۃ میں سے عطا فرمانے کا سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے اموال کے بارے میں نبی یا غیر نبی کسی کا فیصلہ بھی منظور نہیں فرمایا بلکہ خود ہی فرمایا اور آٹھ مصارف متعین فرمادیئے اگر ان آٹھ مصارف میں سے ہے تو میں دے سکتا ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۶۱)

اول تو فقراء کو زکوٰۃ کا مستحق بتایا اور اس کے بعد مسکین کا مستحق ہونا بیان فرمایا۔ فقراء فقیر کی جمع ہے اور مسکین، مسکین کی جمع ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ موجود ہو مگر نصاب زکوٰۃ سے کم ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ مال زکوٰۃ کا مستحق ہونے کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں فقیر اور مسکین دونوں ہی زکوٰۃ کے مستحق ہیں البتہ بعض دیگر مسائل میں فرق کا اعتبار کیا گیا ہے، مثلاً کسی نے وصیت کی کہ میرا تمام مال مسکینوں کو دے دیا جائے تو یہ مال مسکین کو ملے گا فقراء کو نہیں ملے گا اور ایک فرق اور بھی ہے وہ یہ کہ فقیر کو سوال کرنے کی اجازت نہیں جبکہ اس کے پاس کھانے کو ایک دن کی خوراک موجود ہو اور تن و کھنکے کو کپڑا بھی ہو اور مسکین کو سوال کرنے کی اجازت ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ مال کی کتنی مقدار ہے جس کے ہوتے ہوئے سوال کرنا جائز نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس ایک دن کے صبح و شام کے کھانے کی ضرورت پورا کرنے کیلئے کچھ موجود ہو اس کو سوال کرنا درست نہیں ہے۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۳۰ جلد ۱) اور مسکین بھی ضرورت پوری کرنے کے لئے وقتی طور پر سوال کر لے اس کی عادت نہ بنائے جب مانگنے کی عادت پڑ جاتی ہے تو مسکین، مسکین نہیں رہتا۔ وہ بہت سے مالداروں سے بھی مال میں آگے بڑھ جاتا ہے اور فقرو مسکنت کی حدود سے نکل کر بھی زکوٰۃ اور دیگر صدقات لیتا رہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ پیسے والے کے لئے اور قوت والے تندرست آدمی کے لئے حلال نہیں ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدقات میں مالدار کا اور تندرست کا جو کمائی کر سکتا ہو کوئی حصہ نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۶۱)

جو لوگ زکوٰۃ کے مستحق ہیں ان میں تیسرے نمبر پر الْعَمِلِينَ عَلَیْهَا کا ذکر فرمایا۔ عاملین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں امیر المؤمنین صدقات اور عشر وصول کرنے پر مقرر کر دے۔ ان لوگوں کو ان کی مشغولیت کی وجہ سے صدقات میں سے اتنا مال دے دے جو ان کی محنت اور عمل کی حیثیت کے مطابق ہو نیز جو لوگ ان کے ماتحت کام کرنے والے ہوں ان کی تنخواہیں بھی ان کی محنت کے انداز سے دیدی جائیں۔ البتہ فقہاء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو مال وصول ہو۔ اس کے نصف تک عاملین اور ان کے معاونین کی تنخواہیں دی جاسکتی ہیں۔



نصف سے زائد مال نہ دیا جائے۔

مصارف زکوٰۃ بتاتے ہوئے چوتھے نمبر پر مَوْلَقَةُ الْقُلُوبِ کا ذکر فرمایا ان کے بارے میں ہم ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں کلام کریں گے۔

مصارف زکوٰۃ بتاتے ہوئے پانچویں نمبر پر وَفِي الرِّقَابِ فرمایا رِقَاب، رقبہ کی جمع ہے۔ یہ لفظ مملوک کے لئے بولا جاتا ہے۔ جس کس شخص کی ملکیت میں کوئی غلام ہو اور وہ اس غلام کو مکاتب بنادے یعنی یوں کہہ دے کہ اتنا مال دیدے تو آزاد ہے۔ اسے مکاتب کہتے ہیں جب کسی آقا نے اپنے غلام کو مکاتب بنادیا اور اب اسے اپنی آزادی کے لئے مال کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنے آقا کو مال دے کر آزاد ہو جائے تو اس مکاتب کو زکوٰۃ کے مال سے دینا جائز ہے۔

چھٹے نمبر پر الْغَارِ مِینَ غَرَمَائِهِ یہ غارم کی جمع ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جن کے ذمہ قرض ہو اور ان کی انتظام نہ ہو اگرچہ خود لوگوں پر ان کے قرضے ہوں۔ لیکن ان کے وصول کرنے سے عاجز ہوں، ایسے لوگوں کو زکوٰۃ سے مال دیا جاسکتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری (صفحہ ۱۸۸ جلد ۱) میں لکھا ہے کہ قرض دار کو زکوٰۃ دینا تاکہ اس کا قرض ادا ہو جائے عام فقراء کو دینے سے اولیٰ ہے البحر الرائق میں لکھا ہے کہ جس آدمی پر قرضہ ہو اس کی ملکیت میں اتنا مال نہ ہو جس سے قرضہ ادا کرنے کے بعد بقدر نصاب مال بچ جائے۔ اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ (اھ) بہت سے لوگوں پر قرضے ہوتے ہیں لیکن مال بھی پاس ہوتا ہے اس مال سے قرضے ادا کر دیں تو قرضے ادا ہو کر بھی بقدر نصاب بلکہ اس سے بھی زیادہ مال بچ سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے لوگوں کو یہ بتا کر کہ ہم مقروض ہیں زکوٰۃ لیتے رہتے ہیں ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کا مال حلال نہیں ہے اور نہ ان کو دینا جائز ہے مستحقین زکوٰۃ کو بیان فرماتے ہوئے ساتویں نمبر پر وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ فرمایا۔ فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جو جہاد کے لئے نکلے تھے۔ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گئے اور ان کے پاس خرچ نہیں ہے۔ کھانا پینا بھی ہے اور وطن بھی پہنچنا ہے۔ ان کو زکوٰۃ کا مال دے دیا جائے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ سے حجاج مراد ہیں جو قافلہ سے بچھڑ گئے اور ان کے پاس مال نہیں ہے اور ان کو خرچہ کرنے کے لئے اور گھر پہنچنے کے لئے پیسہ کی ضرورت ہے اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ اس سے طالب علم مراد ہیں جو دینی علوم کے حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور نیک کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ بشرطیکہ محتاج ہوں۔ (البحر الرائق صفحہ ۲۶۰ جلد ۲)

مستحقین زکوٰۃ بتاتے ہوئے آٹھویں نمبر پر وَابْنِ السَّبِيلِ فرمایا۔ ابن سبیل عربی زبان میں مسافر کو کہتے ہیں..... جو مسافر ضرورت مند ہے اس کے پاس سفر میں مال موجود نہیں ہے اسے زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے اگرچہ اس کے گھر میں کتنا ہی مال ہو۔ جو لوگ غازیوں کی جماعت سے بچھڑ گئے یا حجاج کے قافلہ سے علیحدہ ہو گئے حاجت مندی کی وجہ سے ان کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔ ان کے احتیاج کو دیکھا جائے گا ان کے گھروں میں اگرچہ خوب زیادہ مال ہو۔ البتہ یہ لوگ وقتی ضرورت سے زیادہ نہ لیں۔

مَوْلَقَةُ الْقُلُوبِ، وہ لوگ تھے جنہیں نبی اکرم ﷺ تالیف قلب کے لئے اموال زکوٰۃ میں سے عطا فرمایا کرتے تھے، یہ لوگ اپنے قبائل کے سردار اور ذمہ دار تھے۔ ان کے اسلام قبول کرنے سے ان کے قبیلوں کے اسلام قبول کرنے کی امید تھی اور ان میں ایک قسم وہ تھی جنہیں دفع شر کے لئے مال عنایت فرماتے تھے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن ان میں بھنگی نہیں تھی آنحضرت ﷺ انہیں اموال صدقات میں سے عنایت فرمادیتے تھے تاکہ وہ دین اسلام پر جمے رہیں اور پختہ ہو جائیں۔ علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں مَوْلَقَةُ الْقُلُوبِ کی یہ تین قسمیں لکھی ہیں اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ کسی غیر مسلم کو آنحضرت ﷺ نے تالیف قلب کے لئے مال زکوٰۃ سے

کچھ نہیں دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مؤلفۃ القلوب کی تینوں قسموں کو اب اموال زکوٰۃ میں سے نہ دیا جائے ان کا حصہ ختم ہو گیا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: وقد سقط منها المؤلفۃ قلوبہم لأن اللہ تعالیٰ اعز الاسلام و اغنی عنہم کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ ساقط ہو گیا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دے دیا اور ان کی طرف سے بے نیاز فرما دیا۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے بعض ائمہ کے نزدیک بعض شرائط سے اب بھی ان کو مال زکوٰۃ سے دیا جاسکتا ہے امیر المؤمنین مناسبت جانے تو اب بھی ان کو اموال زکوٰۃ میں سے دے سکتا ہے۔

مسئلہ..... جو شخص غنی ہو اس کی ملکیت میں اموال زکوٰۃ میں سے کسی بھی قسم کا کوئی نصاب ہو جس کا وہ مالک ہو یا ضرورت سے زیادہ اتنا سامان اس کی ملکیت میں ہو جو فروخت کر دے تو بقدر نصاب قیمت مل جائے اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

سادات کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ..... بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ اگرچہ وہ فقراء اور مساکین ہوں بنی ہاشم سے حضرت علی، حضرت عباس، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حضرت حارث بن عبدالمطلبؑ کی اولاد اور اولاد اولاد مراد ہے۔

اگر بنی ہاشم تنگ دست حاجت مند ہوں تو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ دیگر اموال سے ان کی مدد کر دی جائے بہت سے لوگوں کو سادات کی غریبی دیکھ کر رحم تو آتا ہے لیکن زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مال دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ مال میں زکوٰۃ تو ۱/۴۰ ہی فرض ہے۔ باقی ۳۹/۴۰ میں سے خرچ کرنا بھی تو ثواب ہے۔ لیکن اس کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالنے کو تیار نہیں ہوتے اور سادات کو اپنے اموال کا میل یعنی زکوٰۃ دینا چاہتے ہیں اس میں ان کی بے ادبی بھی ہے اور اس سے زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی بعض سادات بھی اس مسئلہ کو سن کر دل میں کچھ تکدر لے آتے ہیں اور بنی ہاشم کے لئے مال زکوٰۃ ناجائز ہونے کے قانون شرعی کو اچھا نہیں سمجھتے۔ انہیں سمجھنا چاہیے کہ ہمارے جد اعظم نبی اکرم ﷺ نے ہمارے اکرام و احترام کے لئے یہ قانون بنایا ہے کہ بنی ہاشم کو اموال کا میل کچیل نہ دیا جائے۔ جد امجد نے تو ان کی توقیر کی اور وہ رنجیدہ ہو رہے ہیں کہ ہمیں لوگوں کے مال کا میل نہ ملا۔ دنیا حقیر ہے فانی ہے تھوڑی تکلیف اٹھالیں اپنے شرف کو باقی رکھیں اور میل کچیل سے گریز کریں اور یوں تکلیفیں تو سبھی کو آتی ہیں۔ صبر و شکر کے ساتھ زندگی گزاریں، اپنے نام کے ساتھ سید کا لفظ بڑھانے کو اور اپنے اچھالنے کو تیار ہیں۔ لیکن اس نسب کی وجہ سے جو شرف دیا گیا ہے اسے اپنانے کو تیار نہیں۔

(۱)..... ولا یدفع الی بنی ہاشم وہم آل علی وآل عباس وآل جعفر وآل عقیل وآل الحارث بن عبدالمطلب کذا فی الہدایہ (یعنی بنو ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی، بنو ہاشم یہ ہیں آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل، آل حارث بن عبدالمطلب) و فی المشکوۃ صفحہ ۱۶۱) عن عبدالمطلب بن ربیعۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان هذه الصدقات انما هی او ساخ الناس وانہا لا نحل لمحمد ولا لآل محمد (رواہ مسلم) عبدالمطلب بن ربیعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زکوٰۃ کے اموال لوگوں کا میل ہیں اس لئے یہ محمد ﷺ اور آل محمد کے لئے حلال نہیں و فی حاشیۃ المشکوۃ انہا سماھا او ساخا لانہا تطہر اموالہم و نفوسہم قال تعالیٰ خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم و تزکیہم بہا فہی کفسالۃ الا و ساخ ففی الکلام تشبیہ بلیغ ۱۲ من المرفۃ (حضور ﷺ نے جو اموال زکوٰۃ کو میل کچیل کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے لوگوں کے مال اور جانیں پاک ہو جاتی ہیں۔ ارشاد باری ہے ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے لے کہ تو ان کے مالوں کو پاک کرے تو گویا یہ اموال زکوٰۃ میل کے دھوون کی طرح ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے کلام میں بڑی بلیغ قسم کی تشبیہ ہے)

مسئلہ..... اپنے رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے کا ہر اثواب ہے ایک زکوٰۃ ادا کرنے کا دوسرا صلہ رحمی کا۔ جب انہیں زکوٰۃ دے تو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ مال زکوٰۃ ہے بلکہ بدیہ کہہ کر پیش کر دے اور اپنے دل میں زکوٰۃ کی نیت کر لے اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ بشرطیکہ وہ لوگ زکوٰۃ کے مستحقین ہوں۔ لیکن اتنی بات یاد رہے کہ جن رشتہ داروں سے رشتہ ولاد ہے ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں یعنی والدین کو، دادا، دادی کو، نانا، نانی کو، پردادا، پردادی کو، پرانا اور پر نانی کو اور اپنی اولاد کو اور اولاد کی اولاد کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی ان کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بھائیوں کو، بہنوں کو چچاؤں کو پھوپھوں کو ماموں کو خالاؤں کو اور ان کی اولاد کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

مسئلہ..... شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ دے دے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ..... جو شخص اموال زکوٰۃ میں سے کسی نصاب کا مالک ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور یہ شخص شریعت کی اصطلاح میں غنی ہے اور یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ جس غنی کو زکوٰۃ کا مال لینا اور دینا جائز نہیں ضروری نہیں کہ اموال زکوٰۃ ہی سے کوئی چیز بقدر نصاب اس کی ملکیت میں ہو بلکہ اگر کسی کے پاس چاندی کے نصاب کی قیمت کے بقدر ضروری حاجات سے فاضل سامان پڑا ہوا ہے۔ اس شخص کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور ایسے شخص پر اگرچہ زکوٰۃ فرض نہیں لیکن صدقہ فطر اور قربانی لازم ہے۔ بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ جس پر زکوٰۃ فرض نہیں اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بعض مرتبہ زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی لیکن زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہوتا جس کی مثال اوپر گزری۔

نصاب زکوٰۃ..... سونے چاندی پر اور ان کی قیمت پر اور مال تجارت پر اور موسیقیوں پر زکوٰۃ فرض ہے۔ جب کسی شخص کی ملکیت میں ۵۹۵ گرام چاندی ہو اور ۸۵ گرام سونا ہو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت ہو تو جب سے مالک ہوا ہے اس وقت سے لے کر چاندی کے حساب سے ایک سال گزر جائے تو اس میں سے ۴۰ مراستحقین کو دینا فرض ہے۔ پھر اگر کچھ مال تجارت ہو اور کچھ سونا یا چاندی ہو یا کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو تو ان سب صورتوں میں زکوٰۃ فرض ہے بشرطیکہ مجموعے کی قیمت ۵۹۵ گرام چاندی کو پہنچ جائے۔ اس صورت میں بھی چاندی کے نصاب کا اعتبار ہوگا واضح رہے کہ نوٹ بھی چاندی کے حکم میں ہے کسی بھی ملک کے نوٹ اگر کسی کی ملکیت میں ہوں جن کے عوض ۵۹۵ گرام چاندی خریدی جاسکتی ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے اگر کسی کی ملکیت میں نہ چاندی ہو اور نہ نقد رقم ہو (ایک دو روپیہ بھی ملکیت میں نہ ہو) تو ۸۵ گرام سونا ملکیت میں ہونے سے زکوٰۃ فرض ہوگی۔ احادیث شریفہ میں دو سو درہم چاندی اور بیس مثقال سونے کے نصاب کو زکوٰۃ بتایا ہے۔ علماء ہند نے ڈیڑھ سو سال پہلے اپنے ملک کے سکے کے اعتبار سے حساب کیا تھا تو وہ دو سو درہم چاندی کے ساڑھے باون تولہ اور بیس مثقال سونے کے ساڑھے سات تولہ بنتے تھے۔ اب نئے اوزان سے حساب کیا تو چاندی کا نصاب ۵۹۵ گرام اور سونے کا نصاب ۸۵ گرام ہوا۔

تنبیہ..... یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ ساڑھے سات تولہ سونے سے زیادہ سونا ہو تو اس زائد پر زکوٰۃ فرض ہوگی یہ غلط ہے، جب نصاب پورا ہو جائے یا اس سے زیادہ ہو جائے تو پورے مال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے (چاندی ہو یا سونا ہو مال تجارت ہو یا ان کا مجموعہ ہو) زکوٰۃ کے ضروری مسائل..... مسئلہ: سونے چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ ہے خواہ سکہ کی صورت میں ہو، خواہ ان کی اینٹیں رکھی ہوں۔ خواہ زیور ہو، استعمال میں ہو یا غیر استعمالی ہو، خواہ برتن ہوں، بہر صورت ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔

مسئلہ..... زمین کی پیداوار، باغ کی پیداوار اور موسیقیوں میں بھی زکوٰۃ ہے جس کی تفصیلات کتب فقہ میں لکھی ہیں اور پیداوار کی زکوٰۃ کے بارے میں ضروری مسائل سورۃ بقرہ کی آیت **لَا يَهْدِي اللَّهُ الْبَاطِلَ أَتَمُوتُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ** کی تفسیر میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔

مسئلہ..... زکوٰۃ کی رقم کسی کافر کو نہیں دی جاسکتی۔

مسئلہ..... مدرسوں میں اگر زکوٰۃ دی جائے اور اس میں مستحقین طلباء کو وظیفہ دے دیا جائے یا ان کو کھانا دے کر مالک بنادیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اباحت کے طور پر کھانا کھلا دیا جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اسی طرح مال زکوٰۃ سے مدارس کے کتب خانوں میں مال زکوٰۃ سے کتابیں جمع کر دینا یا طلباء کے لئے لحاف، بسترے اور چار پائیاں جمع کر دینا اور ان کو عاریہ دے دینا اور جاتے وقت واپس لینا اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ تمایک نہیں ہوئی۔ ان چیزوں کے لئے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ اصحاب اہل مال سے مستقل چندہ کر لینا جائے۔

مسئلہ..... کسی مریض کے علاج کی فیس یا ایکسے وغیرہ کی اجرت بالامال زکوٰۃ سے ادا نیگی کر دی جائے اور مریض کو قبضہ نہ کرایا جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیونکہ تمایک نہیں ہوئی۔

مسئلہ..... اگر مال زکوٰۃ سے دوائیں خرید کر ہسپتال میں رکھ دی جائیں اور مستحقین زکوٰۃ کو دے دی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یہ خیال رکھا جائے کہ یہ دوائیں صاحب نصاب کو اور بنی ہاشم کو اور کافر کو نہ دی جائیں۔

مسئلہ..... اگر کوئی شخص مقروض ہے اور صاحب نصاب نہیں ہے اور اس کے کہنے سے (کہ مجھ پر جو قرض ہے وہ ادا کر دو) کوئی شخص اس کی طرف سے قرض خواہ کو مال زکوٰۃ دے دے۔ تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اگر قرض دار کے کہے بغیر اس کی طرف سے مال زکوٰۃ قرض کی ادائیگی کے طور پر دیدیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں صاحب مال متبرع ہو گیا۔

مسئلہ..... اگر دکاندار یا کسی بھی شخص کا کوئی مقروض ہو اور اس کے پاس ادائیگی کے لئے مال نہ ہو تو جس کا قرضہ ہے وہ اپنے قرضہ کو زکوٰۃ میں منہا نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ کر سکتا ہے کہ قرض دار کو بلا کر زکوٰۃ کی رقم اس کے ہاتھوں میں دیدے۔ پھر اس سے اسی وقت اپنا قرضہ وصول کر لے۔ جب اس کی ملکیت میں مال پہنچ گیا تو اب زبردستی بھی وصول کر سکتے ہیں کیونکہ قرض خواہ کو اپنا قرضہ وصول کرنے کا حق ہے۔

مسئلہ..... اگر کسی کو ثواب کے طور پر مال دے دیا اور ادائیگی زکوٰۃ کی نیت نہ کی تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرط ہے کہ مستحق کو دیتے وقت زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت کرے اور ایک طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت سے دوسرے مال سے الگ کر کے کسی بکس وغیرہ میں رکھ لے اور یہ نیت کرے کہ فقراء آتے رہیں گے تو اس میں سے دیتا رہوں گا اس صورت میں فقراء کو دیتے وقت نیت کا استحضار نہ ہو تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ مال علیحدہ کرتے وقت جو نیت تھی وہی کافی ہے

مسئلہ..... جس شخص کو زکوٰۃ دی جائے کسی عمل کے عوض میں نہ ہو لہذا امام مؤذن اور مدرس اور کسی بھی ملازم کی تنخواہ میں زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی البتہ الغامضین علیہا اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ قرآن مجید میں اس کی تصریح موجود ہے۔

مسئلہ..... جنہیں امیر المؤمنین نے زکوٰۃ کے اموال وصول کرنے پر مامور کر دیا۔ ان کے علاوہ جتنے بھی مصارف ہیں ان سب میں اس شخص کا غیر صاحب نصاب ہونا ضروری ہے جس کو زکوٰۃ دی جائے۔ وفی البحر الرائق (صفحہ ۲۵۹ جلد ۲) کو انہا حلت للغنی (العامل) مع حرمة الصدقة عليه لانه فرغ نفسه لهذا العمل فيحتاج الى الكفاية وفيه ايضا بعد صفحة ولا يخفى ان الفقير لا بد منه على الوجه كلها۔ (بحر الرائق میں ہے کہ مالدار پر زکوٰۃ کے حرام ہونے کے باوجود، مالدار عامل کے لئے زکوٰۃ میں سے لینا جائز ہے اس لئے کہ اس نے اپنے آپ کو زکوٰۃ کی وصولی کے لئے فارغ کیا ہے لہذا وہ

ضرورت کی کفالت کا محتاج ہے اور ایک صفحہ کے بعد لکھا ہے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ تمام مصارف میں فقیر والی قید کا ہونا ضروری ہے (تنبیہ..... لفظ "وَلَحَى سَبِيلَ اللَّهِ" لغوی ترجمہ کے اعتبار سے تو بہت عام ہے لیکن حضرات ائمہ تفسیر اور فقہاء کرام نے اس کو عام نہیں لیا اسی لئے بعض حضرات نے اس سے وہ مجاہدین مراد لئے ہیں جو اپنے ساتھیوں سے رہ جائیں اور پیسہ پاس نہ ہو اور بعض حضرات نے وہ لوگ مراد لئے ہیں جو سفر حج میں اپنے ساتھیوں سے پھٹ جائیں بعض اہل علم نے یہ اشکال کیا ہے کہ اگر ان کی ملکیت میں مال نہ ہو تو فقراء میں شامل ہوں گے اور اگر وطن میں مال ہو اور یہاں موجود نہ ہو تو ابن سبیل میں داخل ہو گئے لہذا اکل اقسام سات بنتے ہیں اور اس کو یعنی منقطع الخزاۃ اور منقطع الحاج کو مختلف قسم بنا کر بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ پھر اس کا جواب یوں دیا ہے کہ واقعی یہ لوگ فقیر کی تعریف میں داخل ہیں لیکن علیحدہ ان کو اس لئے بیان فرمایا کہ مطلق فقیر کی بہ نسبت ان کی اہمیت زیادہ ہے کیونکہ مجاہد اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کے لئے نکلا ہوا ہے اور حاج بیت اللہ کے زائرین میں سے ہے۔ ان کی طرف زیادہ دھیان دینا چاہیے۔

آج کل ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو تفسیر قرآن اور احکام و مسائل کے بارے میں سلف کا دامن چھوڑ کر جو جاتے ہیں اپنے پاس سے کہہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ فی سبیل اللہ کے عموم میں مسجدیں، مدرسے، شفا خانے، مسافر خانے، کنوئیں سڑکیں اور پل بنانا اور رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخوائیں دینا، دفنوں کے مصارف میں خرچ کرنا، میت کو قبرستان پہنچانے کیلئے ایسبولینس کا انتظام کرنا اور غریب میت کے کفن و دفن میں خرچ کرنا یہ سب جائز ہے۔ یہ ان لوگوں کی جہالت کی باتیں ہیں۔ مفسرین اور محدثین اور فقہاء جو کچھ قرآن مجید کو سامنے رکھ کر مسائل اخذ کئے ہیں ان کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کے قول کی کوئی حیثیت نہیں جو عربی زبان کا ایک صیغہ بھی نہیں بتا سکتے اور قرآن مجید کی ایک سورت صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ یہ لوگ اپنی جہالت سے کہتے ہیں، زکوٰۃ کا مال جہاں چاہو خرچ کر دو، تملیک فقیر کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ بات چاروں مذہبوں کے خلاف ہے اگر ہر کام میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرنے کی اجازت ہوتی تو قرآن میں آٹھ قسمیں بتانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان سے فرمایا تھا۔ ان اللہ قد فرض علیہم صدقة توخذ من اغنیائہم فترد علی فقراء ہم۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر ان کے فقیروں کو دے دی جائے۔ (رواہ البخاری و مسلم کافی مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۵)

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ زکوٰۃ اس صورت میں ادا ہوگی جب فقراء کو دے دی جائے۔ جو لوگ تملیک کی شرط کو مولویانہ آج قرار دیتے ہیں ان کے سامنے احادیث نہیں ہیں۔ آراء اور اہوا کا کھلونا بنے ہوئے ہیں۔

مسئلہ..... چاندی، ہونا، نقدی اور مال تجارت میں جو زکوٰۃ فرض ہے اس کی ادائیگی کا یہ طریقہ ہے کہ ہر سال چاند کے حساب سے جب سال گزر جائے پورے مال سے چالیسواں حصہ اگر اصل مال نہ دے اور اس کی قیمت دیدے تو اس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ۴۰٪ سے کم نہ ہو۔ سو روپے میں ڈھائی روپے اور ایک ہزار میں ۲۵ روپے اور ایک لاکھ میں ڈھائی ہزار روپے کے موافق حساب لگایا جائے۔ مسئلہ..... جس شہر میں رہتے ہوئے زکوٰۃ فرض ہوئی۔ وہاں کی زکوٰۃ وہیں کے فقراء پر خرچ کی جائے۔ ہاں اگر دوسری جگہ کے لوگ زیادہ محتاج ہوں یا اعزہ و اقرباء ہوں تو ان کے لئے بھیج دینا مناسب ہے۔

مسئلہ..... بعض لوگ حج کرنے کے لئے چندہ مانگتے پھرتے ہیں اور بعض صاحب حیثیت انہیں زکوٰۃ کی رقم سے دے دیتے ہیں جب ایک دوا دی کے دیدینے سے سوال کرنے والا صاحب نصاب ہو گیا تو اب اسے بھی زکوٰۃ لینا دینا جائز نہیں۔ لوگ اس بات کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ جس کسی پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض نہیں کیا وہ حج کے نام سوال کرتا پھرے والا تو یہ طریقہ ہی غلط ہے دوسرے جب مانگتے والا صاحب نصاب ہو گیا تو اب اس کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں رہا۔

مسئلہ..... بہت سے لوگ لڑکیوں کی شادی کے لئے زکوٰۃ کی رقم دے دیتے ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی

شادی سادی کیوں نہیں کی جاتی رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اختیار کریں اور اسی پر وہوں فریق راضی رہیں۔ اصل نکاح تو ایجاب و قبول کا نام ہے جو دو گواہیوں کے سامنے ہوا اس میں ذرا سا خرچہ بھی نہیں ہوتا پھر ایجاب و قبول کے بعد جو بیٹی والے کو میسر ہو وہ بطور جہیز لڑکی کی سسرال روانہ کر دے اس میں خیر ہی خیر ہے۔ ریا کاری کی گناہ گاری میں مبتلا ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر لڑکی کا باپ صاحب نصاب ہو تو اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور اگر لڑکی صاحب نصاب ہو تو اسے بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ پھر اگر صاحب نصاب نہ ہوئے اور غیر بنی ہاشم ہونے کی بنیاد پر زکوٰۃ دی جائے تو ایک آدمی کے دینے سے بقدر نصاب ملکیت میں مال آ جاتا ہے۔ جب تک وہ مال ملکیت میں رہے گا اس وقت تک زکوٰۃ لینا دینا جائز نہیں ہوگا۔

مسئلہ..... بعض قوموں میں رواج ہے کہ اپنی قوم کی زکوٰتیں وصول کر کے بینک میں جمع کرتے رہتے ہیں اور اس مسئلہ کا بالکل ہیمان نہیں رکھتے کہ جب تک یہ مال فقراء اور مساکین کی ملکیت میں نہیں جائیگا اس وقت تک ان سب کی زکوٰتیں ادا نہ ہوں گی جنہوں نے یہ زمین دی ہیں لہذا جلد سے جلد مصارف زکوٰۃ میں ان کو خرچ کروینا لازم ہے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بینک کا دیوالیہ ہو گیا یا بینک پر کسی حکومت نے قبضہ کر لیا۔ یا ملک چھوڑ کر بہا گنا پڑا تو ان سب صورتوں میں ان سب لوگوں کی زکوٰتوں کی ادائیگی رہ جاتی ہے جن کے اموال لے کر بینک میں جمع کر دیئے تھے۔

مسئلہ..... جو لوگ سوال کرنے کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں عموماً صاحب نصاب ہوتے ہیں۔ چھوٹے موٹے دکانداروں سے ان کی ملکیت میں زیادہ پیسہ ہوتا ہے لہذا سوال کرنے والوں کو زکوٰۃ دینے میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر کسی سائل کو زکوٰۃ دیں تو پہلے یقین کر لیں کہ یہ مستحق زکوٰۃ ہے۔ صحیح بخاری (صفحہ ۲۰۰ جلد ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں جو لوگوں کے پاس گھومتا پھرتا ہے۔ اسے ایک لقمہ یادو لقمے یا ایک کھجور یادو کھجوریں واپس کرتی ہیں لیکن مسکین وہ ہے جو اتنا مال نہیں پاتا جس سے اس کی ضرورت پوری ہو اور اس کے حاجت مند ہونے کا پتہ نہیں چلتا تا کہ اس کو صدقہ دے دیا جائے۔ وہ کھڑے ہو کر لوگوں سے سوال بھی نہیں کرتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ واقعی حاجت مند تلاش کر کے زکوٰۃ کا مال دیا جائے۔ بہت سے لوگ بہت زیادہ حاجت مند ہوتے ہیں آبرو کی وجہ سے سوال نہیں کرتے اور ننگے بھوکے اپنے گھروں میں اپنی زندگیاں گزارتے ہیں ایسے لوگوں کا خاص خیال کیا جائے۔ یہ واضح رہے کہ زکوٰۃ بھی نماز کی طرح سے فرض ہے۔ جس طرح نماز کے احکام و مسائل کا جاننا اور نماز کو شرعی قواعد کے مطابق پڑھنا طہارت کے لئے پاک پانی کا دیکھنا۔ استنجائیک کرنا، کپڑوں کا پاک رکھنا، قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اور جو چیزیں نماز میں پڑھی جاتی ہیں صحیح طریقے پر ان کو یاد کرنا لازم ہے اسی طرح سے زکوٰۃ کے مسائل اور احکام کا جاننا بھی ضروری ہے زکوٰۃ کا مال جس کو چاہا دے دیا جس مصرف میں چاہا خرچ کر دیا جس انجمن میں چاہا جمع کر دیا۔ زکوٰۃ ادا ہو یا نہ ہو۔ یہ فرض کی ادائیگی کا طریقہ نہیں۔ مال حلال کماؤ، حلال مواقع میں خرچ کرو۔ زکوٰۃ فرض ہو جائے تو ٹھیک حساب سے ادا کرو اور جس کو دواں کے بارے میں پہلے یقین کر لو کہ یہ مستحق زکوٰۃ ہے۔

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أَدْنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ

اور ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو نبی کو تکلیف دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بس وہ تو کان ہیں۔ آپ فرما دیئے کہ وہ تمہاری لئے خیر کا کان ہیں وہ ایمان

بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ

لاستے ہیں اور اللہ پر یقین کرتے ہیں مؤمنین کی بات کا اور وہ ان لوگوں کے لئے رحمت ہیں جو تم میں سے مؤمن ہیں، اور جو لوگ اللہ کے رسول کو



ظاہر کر دیا ہم مطمئن ہیں ان کی بات سن لیتے ہیں ان کی تصدیق کی وجہ سے نہیں بلکہ شفقت سے سن لیتے ہیں پھر ان کے بھید نہیں کھولتے اور پردہ دری نہیں کرتے (لہذا منافقوں کو اس دھوکہ میں نہیں رہنا چاہیے کہ چونکہ آپؐ سب سن لیتے ہیں) اس لئے ہم جو چاہیں گے کہہ دیں گے ہماری شرارت کا پتہ نہ چلے گا۔

پھر فرمایا **وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ**۔ (جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے) اس میں عذاب دنیوی یا عذاب اخروی کی قید نہیں ہے دونوں جہاں میں عذاب ہونے کی وعید ہے۔ دنیا میں بھی یہ لوگ عذاب میں مبتلا ہوئے دربار نبوی ﷺ میں ذلت کے ساتھ نکالے گئے اور آخرت کا جو عذاب ہے وہ تو ہر کافر کے لئے مقرر ہی ہے۔

پھر منافقین کی ایک عادت بد کا تذکرہ فرمایا **يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُؤْذُوَكُمْ**۔ (وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں) منافقین کا یہ طریقہ تھا کہ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں اور اپنی باتوں سے منحرف ہو جاتے تھے پھر چونکہ زیادہ تر واسطہ عامۃ المسلمین سے پڑتا تھا اس لئے انہیں راضی رکھنے کے لئے بار بار قسمیں کھا کر ان سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ انہیں اپنے سے جدا نہ کریں۔

پھر فرمایا **وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ**۔ (اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو راضی کیا جائے) ظاہری طور پر بندوں کو راضی کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ اگر واقعی مؤمن ہوتے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو راضی کرتے ان کی نافرمانی سے بچتے۔ ایسا کرنے سے اہل ایمان بھی راضی ہو جاتے۔ لیکن چونکہ دنیا کے طالب ہیں اس لئے مسلمانوں سے ظاہری میل ملاپ اور رکھ رکھاؤ کے لئے قسمیں کھا جاتے ہیں اور اندر جو کفر اور نفاق بھرا ہوا ہے اسے نہیں چھوڑتے پھر بطور زجر اور توبیخ کے فرمایا **أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مِنْ يُحَادِدِ اللَّهِ وَرَسُولَهُ** (الایہ) کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا اس کے لئے جہنم کی آگ ہے اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ عذاب بڑی رسوائی ہے) یہ لوگ دنیاوی رسوائی سے بچتے ہیں اور انہیں آخرت کی رسوائی سے بچنے کا دھیان نہیں ہے۔

**يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلِ**

منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان کے بارے میں کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان باتوں کو بتا دے جو ان کے دلوں میں ہیں آپؐ فرمادیجئے

**اسْتَهْزَءُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مِمَّا تُحْذَرُونَ ۝ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ**

کہ تم مذاق بنا لو۔ بلاشبہ اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو، اور اگر آپؐ ان سے سوال کریں گے تو وہ کہہ دیں گے کہ ہم تو بس یونہی

**وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ**

باتوں میں مشغول تھے اور دل لگی کر رہے تھے۔ آپؐ فرمادیجئے کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ لہسی کرتے تھے۔ عذر بیان نہ کرو۔ تم

**بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ إِنْ تَعْفَ عَنْ طَآئِفَةٍ مِنْكُمْ يُعَذِّبْ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ ۚ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّادِقِينَ**

اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے، اگر تم تم میں سے ایک جماعت کو معاف کر دیں گے تو دوسری جماعت کو ہم عذاب دیں گے اس وجہ سے کہ وہ مجرم تھے۔



### منافقین کی مزید شرارتوں کا تذکرہ

منافقوں کی شرارتیں جاری رہتی تھیں۔ ان میں سے جو لوگ غزوہ تبوک کے لئے جانے والے مسلمانوں کے ساتھ سفر میں چلے گئے تھے (جن میں اہل نفاق کے لئے جاسوسی کرنے والے بھی تھے) انہوں نے طرح طرح سے تکلیفیں دیں اور برے منصوبے بنائے۔ منافقین کی عادت تھی کہ آپس میں مل کر اسلام اور داعی اسلام رسول اللہ ﷺ اور اہل اسلام کے خلاف باتیں کرتے رہتے تھے اور ساتھ ہی انہیں یہ ذریعہ بھی لگا رہتا تھا کہ قرآن میں کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ہمارے دلوں کی باتوں کو کھول دے۔ ان کی نیتوں، باتوں اور ارادوں کو سورہ توبہ میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ اس سورت کا ایک نام سورۃ الفاضحہ بھی ہے کیونکہ ان میں منافقوں کے بھیدوں اور حالوں کو خوب کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ منافقین آپس میں چپکے چپکے اسلام کے خلاف باتیں کرتے رہتے تھے اور رسوائی سے ڈرتے بھی تھے لیکن اپنی بے ہودگیوں سے باز نہیں آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قُلْ اسْتَغْفِرُوا لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ (سفر میں ۱۲) آپس میں یوں کہہ رہے تھے کہ یہ شخص اس بات کی امید رکھتا ہے کہ ملک شام کے محلات اور قلعے اس کے لئے فتح ہو جائیں گے یہ تو کبھی بھی نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی ان باتوں کی رسول ﷺ کو خبر دیدی۔ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا ان لوگوں کو روک لو۔ جب آپؐ ان کے پاس پہنچ گئے تو ان سے فرمایا تم نے ایسا کیا کہا ہے اس پر انہوں نے اقرار تو کر لیا لیکن بات بناتے ہوئے اور عذر پیش کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ تو یوں ہی زبانی باتیں تھیں۔ جو آپس میں دل لگی کے طور پر ہو رہی تھیں۔ سفر کی مسافت طے کرنے کے لئے کچھ باتیں ہونی چاہئیں لہذا انہوں ہی وقت گزاری کے طور پر ہم ایسی باتیں کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا قُلْ اِنَّ اللہَ وَآلِیہٖ وَرَسُوْلَہٗ لَکُمْ نَسِیْہٌ وَّ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (آپؐ فرمادیجئے کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کر رہے تھے) یہ تو عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔ دل لگی اور وقت گزارنے کے لئے کیا اور کوئی بات نہ تھی اس کے لئے اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول ﷺ کا مذاق ہی رہ گیا تھا۔ لَا تَغْصِبُوْا اَمْرًا قَدْ کَفَرْنَا بِہٖ (تم غصہ نہ کرو کیونکہ جو عذر پیش کیا ہے وقت گزاری کی ضرورت کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مذاق بنانا جائز نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کا مذاق بنانا تو کفر ہے تم ظاہری طور پر کہتے تھے کہ ہم مؤمن ہیں۔ اول تو یہ بھی جھوٹ تھا۔ لیکن اب تو اپنے اقرار سے ظاہری طور پر بھی کافر ہو گئے اندر سے تو پہلے ہی کافر تھے، زبانی طور پر جو ایمان کا دعویٰ تھا اس کے بارے میں فرمایا قَدْ کَفَرْنَا بِہٖ (پھر فرمایا اِنْ نَعْفُ عَنْ طَآئِفَہٖ مِنْکُمْ۔ اگر ہم تم میں سے بعض کو اسلام قبول کرنے کی سعادت سے مالا مال کر کے معاف کر دیں گے اور کفر یہ باتوں سے درگزر کر دیں گے۔ نَعْذِبُ طَآئِفَہٗۙۢۢمۙ ہائیکم نکاتوا منجر مین۔) تو ایک جماعت کو عذاب دیں گے، کیونکہ وہ مجرم تھے) یہ لوگ مجرم ہی رہیں گے اور آخر ہم تک اسلام قبول نہ کریں گے۔

منافقین میں سے جن لوگوں نے توبہ کی اور کچھ مسلمان ہوئے ان میں محبی بن حمیر کا نام لیا جاتا ہے انہوں نے اپنا نام عبدالرحمن رکھ لیا تھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ شہادت نصیب ہو اور قتل کا پتہ بھی نہ چلے۔ چنانچہ غزوہ یمامہ میں ان کی شہادت ہو گئی، نہ قاتل کا پتہ چلا نہ مقتول کا، اور انکی کوئی خیر خبر نہ ملی۔ (درمنثور ۲۵۴ ج ۳)

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُۙ بَعْضُهُمْۙ مِّنۡۢ بَعْضٍۙ مِّۤیۡاۡمُرُوْنَۙ بِالْمُنٰکِرِۙ وَیَنْہَوْنَۙ عَنِ الْمَعْرُوْفِۙ

منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں سب ایک ہی طرح کے ہیں۔ بری باتوں کا حکم کرتے ہیں اور اچھی باتوں سے روکتے ہیں

وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ وَعَدَ اللَّهُ

اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کو بھول گئے۔ سو اللہ انہیں بھول گیا، بے شک منافقین نافرمان ہی ہیں۔

الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ إِنَّ عَذَابَهُمْ وَلَعَنَهُمُ

اللہ نے منافق مردوں سے اور منافق عورتوں سے اور تمام کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ فرمایا ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ان کے لئے دوزخ کافی ہے

اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝ كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَآكَثَرَ

اور اللہ نے ان کو ملعون قرار دے دیا اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔ تمہاری حالت انہیں لوگوں کی طرح سے ہے جو تم سے پہلے تھے، وہ لوگ قوت میں تم سے زیادہ سخت

أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلْقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ

اور مال و اولاد میں تم سے زیادہ تھے۔ سو انہوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا جو تم سے پہلے تھے سو تم نے بھی اپنے حصہ سے خوب فائدہ حاصل کیا

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ

جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا اور تم بھی ایسے ہی گھٹتے چلے گئے جیسا کہ وہ لوگ گھٹے تھے۔

أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ

ان کے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت ہو گئے، اور وہ لوگ نقصان میں پڑنے والے ہیں۔ کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی

قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۙ وَقَوْمَ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَةَ ۙ

جو ان سے پہلے تھے یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور مدین والے لوگ اور انہی ہوئی بستیوں،

أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝

ان کے پاس ان کے رسول کھلی دلیلیں لے کر آئے سو اللہ ان ظلم کرنے والا نہ تھا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

منافق مرد عورت نیکیوں سے روکتے ہیں، بخیل ہیں، اللہ تعالیٰ کو بھول گئے ہیں

ان آیات میں منافقین کی مزید بد حالی بیان فرمائی ہے۔ اول تو یوں فرمایا کہ منافق مرد اور منافق عورتیں سب آپس میں ایک ہی طرح

کے ہیں۔ نفاق کے مقتضی پر عمل کرتے ہیں، اس میں سے بھی بکراہی کا حکم دیتے ہیں جس میں سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی

تکذیب پر لوگوں کو آمادہ کرتے ہیں اور نیکیوں سے روکتے ہیں جس میں سب سے بڑی نیکی کلمہ توحید کی گواہی ہے وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ اور

یہ لوگ اپنے ہاتھ کو روکتے ہیں اور کنجوس ہیں مٹھی بند رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے کاموں میں مال خرچ نہیں کرتے۔

پھر فرمایا نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ کہ یہ لوگ اللہ کو بھول گئے یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو بالکل ہی چھوڑ بیٹھے اور اس کے پیچھے ہوئے

دین کی طرف سے بالکل پشت پھیر لی۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو بھولنے والا کیا کرتا

ہے، انہیں اپنے لطف اور مہربانی سے محروم فرمادیا۔ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ بلاشبہ منافق فاسق ہی ہیں جو سرکشی اور نافرمانی میں کمال رکھتے ہیں۔

منافقین کو دنیا سے محبت ہے اور ان کے لئے عذاب دوزخ ہے..... اس کے بعد منافقین اور دیگر عام کفار کے لئے وعید کا تذکرہ فرمایا وَعَذَّ اللَّهُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا۔ اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں سے جہنم کی آگ کا وعدہ فرمایا ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ہي حَسَنُهُمْ يَّآ اَگ ان کے لئے کافی ہوگی۔ یہ کلمہ بطور توبیخ ہے وہ چونکہ دنیا ہی کو اپنے لئے سب کچھ سمجھتے ہیں اس لئے فرمایا کہ دنیا تو ختم ہو جائے گی اب دوزخ کی آگ ہی ان کے لئے سب کچھ ہوگی وَلَعَنَهُمُ اللَّهُ اور اللہ نے ان کو ملعون قرار دیا۔ ان پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہے وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ اور ان کے لئے عذاب ہے جو برقرار رہے گا یعنی دائمی ہوگا ہمیشہ ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا كَذٰلِكَ يَمُنُّ الْاٰثِمِيْنَ (الایہ)۔ اس میں منافقوں سے خطاب ہے کہ تم لوگ انہیں لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے تھے وہ لوگ تم سے بڑھ کر قوت اور طاقت والے اور تم سے زیادہ اموال اور اولاد والے تھے۔ وہ لوگ اپنے حصہ سے مستفید ہوئے اور تم بھی اپنے دنیاوی حصہ سے مستفید ہوئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگ اپنے حصہ سے مستفید ہوئے وہ لوگ بھی دنیا ہی میں لگے اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھا تم لوگ بھی انہیں کی راہ پر ہو۔ تم لوگ بھی باطل میں اور برائیوں میں اسی طرح گھس گئے جس طرح تم سے پہلے لوگ گھسے تھے۔ ان کا جو انجام ہوا تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔ پھر انجام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةِ کہ یہ وہ لوگ تھے جن کے اعمال دنیا و آخرت میں بیکار چلے گئے۔ دنیا تھوڑی سی تھی۔ فانی تھی جو ختم ہو گئی اور جو کچھ ملا تھا وہ بطریق استدارج تھا۔ انعام و اکرام کے طور پر نہ تھا اور آخرت میں تو ظاہر ہے کہ کسی کافر کے لئے کوئی نعمت ہے ہی نہیں وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ یہ لوگ پوری طرح خسارے میں ہیں دنیا بھی گئی اور آخرت کی نعمتوں سے بھی محروم ہوئے تم بھی انہیں کے طریقے پر چل رہے ہو خسارہ میں ہو۔

اقوام سابقہ کی بربادی سے عبرت لیں..... اس کے بعد پرانی قوموں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا اَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدٍ لَا قَوْمَ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَةَ۔ کیا ان لوگوں کے پاس کی خبریں نہیں آئیں جو ان سے پہلے تھے کیا نوح علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا حال اور عاد و ثمود کی ہلاکت کے واقعات اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اور مدین والوں کے ہلاکت کے قصے انہیں معلوم نہیں ہیں؟ اور جو بستیوں پرے کر تو توں کی وجہ سے الٹ دی گئی تھیں (یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جن بستیوں میں رہتی تھی) کیا ان کے واقعات معلوم نہیں ہیں؟ انہیں معلوم ہے کہ ان لوگوں پر عذاب اس لئے آیا کہ ان لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو اور واضح دلائل کو جھٹلادیا۔ پھر بھی کفر سے باز نہیں آتے۔

اَنَّهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔

ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی دلیل لے کر آئے سوائے انہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ مَّيْمَرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں آپس میں بعض بعض کے مددگار ہیں۔ بھلائیوں کا اہم کرتے ہیں اور برائیوں سے

النَّكَرِ وَيُقِيمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ اُولٰٓئِكَ

اردکے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں

سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَحْتٍ

جن پر اللہ رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ عزت والا ہے۔ اللہ نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے ایسے باغوں کا

تَجْرِیْ وَمَنْ تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكَنٌ طَيِّبٌ فِيْ بَحْتٍ عَدْنٍ

دعہ فرمایا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ایسے عمدہ مکانوں کا دعہ فرمایا جو پھل والے باغوں میں ہوں گے

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

اور اللہ کی رضا مندی سب سے بڑی چیز ہے یہ بڑی کامیابی ہے۔

مؤمنین کی خاص صفات اور ان کے لئے رحمت اور جنت کا وعدہ

منافقین کی صفات اور ان کے بارے میں وعیدیں بیان فرمانے اور ان کو پہلی امتوں کے واقعات یاد دلانے کے بعد مؤمنین کی صفات بیان فرمائیں۔ اولاً تو یوں فرمایا کہ مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں آپس میں اولیاء ہیں یعنی ایک دوسرے کی مددگار ہیں۔ دینی کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں پھر فرمایا بِأَمْرٍ مِّنَ الْمَعْرُوفِ وَيَتَّخِذُونَ مِنَ الْمُنْكَرِ كَيْدًا لَّيُؤْمِنُوا بِهِمْ وَلَهُمْ جَزَاءٌ كَثِيرٌ مِّنْهُم مَّنْ فَتِنُوا بِهِمْ وَلَهُمْ جَزَاءٌ كَثِيرٌ مِّنْهُم مَّنْ فَتِنُوا بِهِمْ وَلَهُمْ جَزَاءٌ كَثِيرٌ مِّنْهُم مَّنْ فَتِنُوا بِهِمْ

پھر اہل ایمان کی آخرت کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

منافقین سے نارجم کا وعدہ فرمایا اور اہل ایمان سے باغوں کا وعدہ فرمایا اور دونوں جماعتوں کے بارے میں خَالِدِينَ فِيهَا۔ فرمایا کہ اپنی اپنی جزا اور سزا کے مقام میں ہمیشہ رہیں گے۔

اہل ایمان کی نعمتوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے مزید فرمایا وَمَسْكَنٌ طَيِّبٌ فِيْ بَحْتٍ عَدْنٍ۔ یعنی ان حضرات کے لئے عمدہ مکان ہوں گے جن میں وہ رہیں گے اور ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے اولاً باغوں کا تذکرہ فرمایا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ پھر عمدہ مکانوں کا تذکرہ فرمایا جو ان باغوں میں ہوں گے اور عدن کی طرف ان باغوں کی اضافت فرما کر یہ بتا دیا کہ یہ باغ واقعی رہنے کی جگہیں ہیں۔ جہاں سے نہ کبھی منتقل ہونا چاہیں گے اور نہ انہیں وہاں سے منتقل کیا جائے گا۔ صاحب روح المعانی (صفحہ ۱۳۶ جلد ۱۰) نے عدن کی تفسیر کرتے ہوئے متعدد اقوال لکھے ہیں بعض روایات بھی نقل کی ہیں، پھر آخر میں لکھا ہے وَقِيلَ الْعَدْنُ فِي الْأَصْلِ

الاستقرار والثبات ويقال عدن بالمكان اذا اقام والمراد به هنا الاقامة على وجه الخلود لانه الفرد الكامل المناسب لمقام المذبح اى فى جنات اقامة وخلود، وعلى هذا جنات كلها جنات عدن لا يغون عنها جولا الى اخر ما قال۔ (کہا گیا ہے کہ عدن کا معنی ہے ثبات واستقرار اور عدن بالمکان اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ کوئی کہیں اقامت پذیر ہو جائے یہاں دائمی طور پر رہنا مراد ہے کیونکہ یہی مقام تعریف کے مناسب رہائش کا فرد کامل ہے یعنی رہائش کے اور ہمیشہ کے باغات میں اس بنیاد پر تمام نعمتیں، جنات عدن ہیں جنتی اس سے نکلنا نہیں چاہیں گے۔ الی آخرہ)

سورہ صف میں اہل ایمان کو خطاب فرماتے ہوئے وعدہ فرمایا اس میں بھی وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ فرمایا ہے اس سے بھی یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ عدن سے کوئی مخصوص جنت یا جنت کا کوئی مخصوص مقام مراد نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ ہر جنتی کا جنت میں مستقل قیام ہوگا۔ جنت کے علاوہ دوسری جگہ جانا نہ ہوگا۔ سورہ حج میں فرمایا يَمْشُهُمْ فِيهَا نَكَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُتَخَوِّينَ۔ (وہاں ان کو ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے) سورہ کہف میں فرمایا لَا يَتَغَوَّنَ عَنْهَا جَوْلًا۔ کہ وہ وہاں سے کہیں منتقل ہونا پسند نہ کریں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل جنت اپنے باغوں اور اپنے مکانوں میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ جگہ واقعی رہنے کی جگہ ہوگی وہاں سے نہ نکالے جانے کا احتمال ہوگا نہ وہاں رہتے رہتے جی بھرے گا۔

پھر فرمایا وَرِضْوَانٍ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ اور اللہ کی رضا مندی تمام نعمتوں سے بڑی ہے۔ یعنی اہل ایمان جن نعمتوں میں ہوں گے وہ اپنی جگہ بڑی بڑی بے مثال نعمتیں ہیں۔ لیکن ان سب نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا۔

حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائیں گے اے جنت والو! وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں اور تعمیل ارشاد کے لئے موجود ہیں اور ساری خیر آپ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کہ تم راضی ہو گئے۔ وہ عرض کریں گے ہم کیوں راضی نہ ہوں گے حالانکہ آپ نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو آپ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا: کیا میں تمہیں اس سے افضل چیز عطا نہ کروں؟ وہ عرض کریں گے کہ اے رب اس سے افضل اور کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں تم پر اپنی رضا مندی نازل کرتا ہوں اس کے بعد کبھی بھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔ (صحیح بخاری)

پھر فرمایا ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔ یہ جو کچھ اہل ایمان مردوں اور عورتوں کی نعمتوں کا تذکرہ ہوا یہ بڑی کامیابی ہے۔ اس میں منافقین سے تعریض ہے کہ دنیا جو تھوڑی سی ہے اور حقیر ہے اس کے لئے کفر اختیار کر کے ایسی ایسی نعمتوں سے گریز کر رہے ہیں اور تھوڑی بہت دنیا مل جانے کو جو کامیابی سمجھ رہے ہیں جس کی وجہ سے ایمان قبول نہیں کرتے یہ ان کی بے وقوفی ہے اور بڑی کامیابی کی طرف سے غفلت ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَهُمُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

اے نبی! کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا ۚ وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ

وہ لوگ قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے نہیں کہا حالانکہ انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو گئے اور انہوں نے

وَهُمْ أُولَٰئِكَ لَمْ يَنَالُوا ۖ وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَإِنْ

اس چیز کا ارادہ کیا جو انہیں نہ ملی اور صرف انہوں نے اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے انہیں مالدار کر دیا، سو اگر وہ

يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَإِنْ يَسْتَوِلُوا يُعَذِّبْهُمْ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ فِي الدُّنْيَا

توبہ کر لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہو گا اور اگر روگردانی کریں تو اللہ انہیں دنیا و آخرت میں

وَالْآخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝

دردناک عذاب دے گا اور ان کے لئے روئے زمین میں نہ کوئی یا رہو گا اور نہ کوئی مددگار۔

کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے اور ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے کا حکم

عام کافروں سے اور منافقوں سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیفیں پہنچتی تھیں۔ یہ لوگ اسلام کے خلاف منصوبے بناتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اولاً صبر اور درگزر کا حکم فرمایا تھا پھر جہاد کی اجازت دے دی جیسا کہ سورہ حج میں اَذِّنْ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بَانْتِهَامٍ ظَلَمُوا۔ فرمایا پھر کفار سے جہاد اور قتال کا حکم دیا جو اس سورت میں مذکور ہے۔ اوپر جن آیات کا ترجمہ لکھا گیا ہے ان میں سے پہلی آیت میں کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ لفظ جہاد ہر طرح کی کوششوں کو شامل ہے۔ جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے اختیار کی جائیں۔ اس کی ایک صورت قتال کرنا یعنی جنگ کرنا بھی ہے۔ مفسرین نے فرمایا کہ کافروں سے جہاد بالسیف یعنی قتال کرنے کا حکم دیا ہے اور منافقین سے ان کے حال کے مطابق جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ یعنی ان سے جہاد باللسان کا حکم فرمایا ہے کہ انہیں نصیحت کی جاتی رہے اور ان پر حجت قائم کی جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ایسا ہی کرتے تھے منافقین کو قتل نہیں فرمایا کیونکہ یہ ظاہری طور پر اسلام کے دعویدار تھے۔

مزید فرمایا: **وَاعْلَظْ عَلَيْهِمْ** کہ عام کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرنے میں سختی اختیار کیجیے کافروں سے تو جنگ میں سختی کا برتاؤ ہوتا ہی تھا۔ منافقوں کے ساتھ سختی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ احکام شرعیہ نافذ کرنے میں سختی برتی جائے جب وہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو عامۃ المسلمین کی طرح ان لوگوں پر بھی احکام شرعیہ نافذ کئے جائیں اور قوانین اسلامیہ نافذ کرنے میں کوئی رعایت نہ کی جائے۔ اگر کوئی کام ایسا کرے جس کی وجہ سے حدود واجب ہوتی ہو تو اس کے نافذ کرنے میں مسامحت نہ کی جائے۔ (راجع روح المعانی و معالم التنزیل)

پھر فرمایا: **وَمَأْوَاهُمُ جَهَنَّمُ وَنَفْسُ الْمَصِيئِ** (ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے) دنیا میں وہ ایمان سے بچ رہے ہیں اور آخرت میں اپنے کفر اور نفاق کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوں گے۔ دوزخ کو معمولی چیز نہ سمجھیں، وہ برا ٹھکانہ ہے۔

منافقوں کی مکاری اور جھوٹی قسمیں..... آگے بڑھنے سے پہلے آیت **يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا** کا سبب نزول جان لینا چاہیے۔ سبب نزول کے بارے میں مفسرین نے متعدد روایات لکھی ہیں۔ صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۳۱۱ جلد ۲) نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص تمہارے پاس آنے والا ہے وہ تمہیں شیطانی آنکھوں سے دیکھے گا۔ جب وہ آجائے تو تم اس سے بات نہ کرنا۔ ذرا سی دیر بھی نہ گزری تھی کہ نبی آنکھوں والا ایک شخص آگیا اسے رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور فرمایا: تو اور تیرے ساتھی مجھے کیوں برا کہتے ہیں۔ وہ فوراً گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے آیا، اور وہ سب لوگ قسم کھا گئے کہ ہم نے تو کچھ بھی نہیں کہا اور

دوسرا واقعہ یوں نقل کیا ہے کہ ایک دن تبوک میں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور منافقین کا تذکرہ فرمایا اور ان کو رجس یعنی ناپاک بتایا اور ان کی برائیاں بیان کیں۔ اس پر جلاس بن سوید نامی ایک شخص نے کہا کہ محمد ﷺ جو کچھ کہتے ہیں اگر یہ سچ ہے تو ہم تو گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ اس بات کو عامر بن قیس (صحابیؓ) نے سن لیا تھا۔ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو عامر بن قیسؓ نے آپ کو جلاس کی بات بتادی۔ جلاس نے کہا کہ یا رسول اللہ! اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے۔ اس پر آپ نے حکم فرمایا کہ دونوں ممبر کے پاس کھڑے ہو کر قسم کھائیں۔ جلاس نے نماز عصر کے بعد ممبر کے پاس قسم کھائی کہ میں نے نہیں کہا اور مجھ پر عامر نے تہمت باندھی ہے اس کی بعد عامر کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ اس نے ضرور کہا ہے اور میں نے اس پر جھوٹ نہیں باندھا پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے اللہ ہم دونوں میں جو سچا ہے اس کی سچائی کو ظاہر فرمانے کے لئے اپنے نبی ﷺ پر کوئی آیت نازل فرمائیے اس پر رسول اللہ ﷺ نے اور جو منافقین حاضر تھے سب نے آمین کہا ابھی مجلس سے متفرق ہونے نہ پائے تھے کہ آیت شریفہ نازل ہو گئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا کہ یہ لوگ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا حالانکہ یہ واقعی بات ہے کہ انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے (دل سے پہلے بھی کافر تھے ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کیا تھا اس دعویٰ کا جھوٹ ہونا علی الاعلان ثابت ہو گیا۔

اب وَهُمْ اَوْبَاءُ بِمَالِهِمْ يَنَالُوا۔ سے متعلقہ سبب نزول معلوم کیجیے اور وہ یہ ہے کہ منافقین میں سے بارہ آدمی تبوک کے راستہ میں ایک گھاٹی پر ٹھہر گئے۔ انہوں نے یہ مشورہ کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس سے گزریں گے تو اچانک رات کی اندھیری میں آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیں گے جبرائیل تشریف لائے اور انہوں نے آپ کو ان کی نیتوں کا حال بتا دیا اور عرض کیا کہ ان لوگوں کے پاس کسی شخص کو بھیج دیں جو ان کا رخ دوسری طرف موڑ دے۔ آپ نے حضرت حذیفہؓ کو اس کام کے لئے بھیج دیا۔ صاحب معالم التنزیل صفحہ ۳۱۲ جلد ۲ نے بالا جمال یہ واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے لیکن صاحب روح المعانی صفحہ ۱۳۹ جلد ۱۰ نے بیہقی کی دلائل النبوة سے قدرے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور وہ یہ کہ حضرت حذیفہؓ نے بیان کیا کہ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس ہو رہے تھے تو میں آپ کی اونٹنی کی باگ پکڑے ہوئے آگے آگے چل رہا تھا اور غار پچھے پچھے جا رہے تھے یہاں تک کہ جب ایک گھاٹی آگئی تو وہاں بارہ آدمیوں کو پایا جو سوار یوں پر سوار تھے اور انہوں نے راستہ روک رکھا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بتادی آپ نے جو زور سے آواز دی تو وہ لوگ پیٹھ پھیر کر چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے پہچانا کہ یہ کون لوگ تھے؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نہیں پہچان سکے۔ کیونکہ یہ اوگ چہروں پر کپڑے باندھے ہوئے تھے۔ البتہ ہم نے ان کی ساریوں کو پہچان لیا۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ منافق تھے جو قیامت تک منافق ہی رہیں گے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ ان کا کیا ارادہ تھا؟ ہم نے عرض کیا نہیں! فرمایا ان کا ارادہ یہ تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو گھاٹی میں نیچے گرا دیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ ان کے قبیلوں کے پاس یہ حکم نہیں بھیجتے کہ ان میں سے ہر ایک کا سر کاٹ کر بھیج دیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات گوارہ نہیں کہ اہل عرب یوں باتیں کریں کہ محمد ﷺ نے ایک قوم کو ساتھ لے کر قتال کیا یہاں تک کہ جب اللہ نے آپ کو غلبہ دے دیا تو ان لوگوں کو قتل کرنے لگے جو جہادوں میں ساتھ تھے۔ (اھ) منافقین کی نیتوں اور حرکتوں کو ان الفاظ میں بیان فرمایا وَهُمْ اَوْبَاءُ بِمَالِهِمْ يَنَالُوا۔ انہوں نے اس چیز کا ارادہ کیا جس میں وہ کامیاب نہیں ہوئے۔

مناطیقین نے احسان کا بدلہ برائی سے دیا..... پھر فرمایا وَمَا تَقْتُمُوا إِلَّا اَنْ اَغْنَاهُمْ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ کہ ان لوگوں نے جو حرکتیں کی ہیں ان کا کوئی سبب نہیں ہے ان کو کسی نے تکلیف نہیں دی اور نہ ان کے خلاف کسی نے منسوبہ بنایا اگر کوئی بات ہے تو وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے انہیں فضل خداوندی سے مالا مال کر دیا پہلے تنگدست تھے فقیر تھے اسلام آیا تو اس کی برکتیں بھی ساتھ آئیں وہ برکتیں ان کو بھی شامل حال ہو گئیں۔ اللہ کے اس فضل و کرم کا انہوں نے یہ بدلہ دیا کہ داعی اسلام ﷺ کے خلاف منصوبہ بنایا، الٰہی ہی چال چلے۔ احسان کا بدلہ احسان سے دینے اور شکر گزار ہونے کے بجائے برے منصوبے بنانے میں مشغول ہو گئے۔ عام طور سے تو اسلام کی برکات سب کو شامل تھیں لیکن بعض ایسی صورتیں بھی پیش آئیں کہ خاص جلاس نامی شخص کو اس کا ایک غلام مقتول ہو جانے پر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے بارہ ہزار درہم دیت دلا دی تھی۔ یہ عالم التزویل میں لکھا ہے اور روح المعانی بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت عروہ رحمہ سے نقل کیا ہے کہ جلاس کے: مذہ قرصہ تھا۔ رسول ﷺ نے اس کی طرف سے ادا فرما دیا تھا۔

اس کے بعد فرمایا فَاِنْ يُّسُوْنُوْا يَلِكْ خَيْرٌ اَلَهُمْ (پس اگر یہ توبہ کر لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہوگا)۔ معالم التزویل میں ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو جلاس وہیں موجود تھا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھ پر توبہ پیش فرمائی ہے میں اقرار کرتا ہوں کہ عامر بن قیس نے جو بیان کیا وہ سچ تھا واقعی میں نے وہ بات کہی تھی جو عامر نے میری طرف منسوب کی اور اب میں استغفار کرتا ہوں اس پر رسول ﷺ نے اس کی بات مان لی اور صحیح معنی میں اس نے توبہ کر لی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مزید فرمایا: وَاِنْ يُّسُوْا لَوْ اِنْعَبَدْنَاهُمْ اللّٰهُ غَدَايَا لَّيَمْنَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (اور اگر وہ توبہ سے اعراض کریں۔ ایمان خالص پر نہ آئیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيْرٍ۔) (یعنی پوری دنیا میں کوئی ان کا حمایتی اور مددگار نہ ہوگا جو انہیں عذاب سے بچالے۔ آخرت میں تو ہر منافق اور ہر کافر کو جہنم کا عذاب ہے ہی منافقوں کو دنیا میں جس عذاب الیم کی وعید سنائی گئی اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے فرمایا ہے کہ بار بار رسوائی ہونا اور اہل ایمان کے دلوں میں ان کی وقعت نہ ہونا، سب کی نظروں سے گرجانا اور موت کے وقت عذاب میں مبتلا ہونا مراد ہے۔ چونکہ دنیا میں ان کو قتل نہیں کیا گیا اور ایمان کے ظاہری دعویٰ کی وجہ سے ان کے ساتھ مروت کا معاملہ کیا جاتا رہا اس لئے مفسرین نے عذاب دنیوی کی مذکورہ بالا تفسیر کی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَیْنِ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۵۱

اور ان میں بعض ایسے ہیں جو اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمایا تو ہم ضرور ضرورت خیرات کریں گے اور ضرور ضرورت ہم نیک آدمیوں میں شمار ہو جائیں گے

فَلَمَّا اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۵۲ فَاَعْتَبَهُمْ نَفَاقًا

پھر جب اللہ نے انکو اپنے فضل سے عطا فرمایا تو اس میں بکھوٹی کرنے لگے اور وہ اعراض کرتے ہوئے روگردانی کر گئے، سو اللہ نے اس دن تک جو اللہ کی مایاقت کا

فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَا اَخْلَفُوْا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۝۵۳

ان دنوں ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق قائم کر دیا اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا اس کی خلاف ورزی کی اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

اَلَمْ یَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلٰمُ الْغُیُوْبِ ۝۵۴

کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ ان کے دلوں کے راز کو اور ان کے خفیہ مشوروں کو جانتا ہے اور یہ کہ اللہ غیب کی باتوں کو خوب جانتا ہے والا ہے۔



بعض ایسے منافقین کا تذکرہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ ہمیں مال دیا جائے گا تو صدقہ کریں گے پھر انہوں نے اس عہد کی پاسداری نہ کی

آیت بالا کے سبب نزول سے متعلق صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۳۱۲ جلد ۲) نے اور حافظ ابن کثیر (صفحہ ۳۷۷ جلد ۲) نے ایک واقعہ لکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ثعلبہ بن حاطب ایک شخص تھا اس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے مجھے مال عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہوڑا مال جس کا تو شکر ادا کرے زیادہ مال سے بہتر ہے جس کی تجھے برداشت نہ ہو۔ اس نے پھر اسی دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائے آپ نے اس کے لئے دعا فرمادی اس نے بکریاں پالنا شروع کر دیں ان میں بہت زیادہ ترقی ہوئی تو وہ مدینہ منورہ سے باہر کسی وادی میں چلا گیا۔ صرف ظہر اور عصر کی نماز میں حاضر ہوتا تھا وہ وقت بھی آیا کہ اسے مدینہ منورہ شہر میں حاضر ہونے کی فرصت ہی نہیں رہی۔ جمعہ کی حاضری بھی ختم ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے دو آدمی مویشیوں کے صدقات وصول فرمانے کے لئے بھیجے جب یہ دونوں ثعلبہ بن حاطب کے پاس پہنچے تو اس نے کہا یہ تو جزیہ ہے یا جزیہ کی بہن ہے اور یوں بھی کہا کہ ذرا میں غور کراؤں کہ مجھے کیا دینا ہے اور کتنا دینا ہے جب یہ دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو ان کو دیکھ کر صورت حال کے بیان کرنے سے پہلے ہی فرمادیا کہ ثعلبہ پر افسوس ہے۔ اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهُ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر اپنے فضل سے ہمیں مال دیدے تو ہم ضرور صدقہ دیں گے اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جائیں گے اس موقع پر ثعلبہ کے رشتہ دار بھی خدمت عالی میں موجود تھے انہوں نے جا کر خبر دی کہ تیرے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے اس پر وہ صدقہ لے کر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے منع فرمادیا ہے کہ تیرا صدقہ قبول کروں۔ اس پر وہ سر پر مٹی ڈالنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تجھ سے کہا تھا (کہ تمہوڑا مال شکر کے ساتھ زیادہ مال سے بہتر ہے جس کی برداشت نہ ہو) تو نے میری بات پر عمل نہ کیا، جب آپ نے اس کا صدقہ قبول فرمانے سے انکار کر دیا تو وہ اپنا مال لے کر چلا گیا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی پھر وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس صدقہ لے کر آیا تو ان حضرات میں سے کسی نے قبول نہ کیا اور خلافت عثمانی میں ثعلبہ کی موت ہو گئی۔ مال میں مشغول ہو کر اس نے جماعتوں اور جمعہ کی حاضری بھی چھوڑ دی اور آنحضرت ﷺ کے بھیجے ہوئے نمائندوں کو صدقہ نہیں دیا اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا کہ مال ملے گا تو صدقہ دوں گا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں گا اس کی خلاف ورزی کی۔ اسی کو فرمایا: فَلَمَّا اٰتٰهُمْ مِنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ (پھر جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے مال عطا فرمادیا تو کجی اختیار کر لی اور اعراض کرتے ہوئے روگردانی کر گئے) فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمٍ یَّلَاقُوْهُۥ بِمَآ اَخْلَفُوْا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَکْذِبُوْنَ (سو اللہ نے اپنی ملاقات کے دن تک ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اس کی وجہ سے انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی کی اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ پھر فرمایا اَلَمْ یَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرُّہُمْ وَنَجْوٰہُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلٰمُ الْغُیُوْبِ ہ (کیا انہیں علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے راز کو اور خفیہ مشورہ کو جانتا ہے اور بے شک اللہ غیبیوں کا جاننے والا ہے) اس آخری آیت میں اس شخص کے لئے وعید ہے جو خلاف ورزی کی نیت سے وعدہ کرے یا وعدہ کر کے خلاف ورزی کرے، ہر شخص کو سمجھنا چاہئے کہ اللہ کو سب کے دلوں کا حال معلوم ہے جو جیسی نیت رکھے گا اور جیسا عمل کرے گا اللہ جل شانہ کو اس کا علم ہے اور وہ اپنے علم کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

فائدہ..... جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ مال طلب کرنے اور پھر صدقہ نہ دینے کا واقعہ ابن کثیر اور معالم التنزیل نے ثعلبہ بن حاطب کے بارے میں لکھا ہے۔ ثعلبہ بن حاطب کو حافظہ ابن حجر نے شرمکائے بدر میں شام کیا ہے اور ابن الککبی سے نقل کیا ہے کہ وہ احد میں شریک ہوئے تھے۔ اس کے بعد ثعلبہ بن حاطب اور ابن ابی حاطب کے نام سے ایک شخص کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ صدقہ نہ دینے کا جو واقعہ منقول ہے وہ ثعلبہ بن حاطب مدنی کا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شرمکاء بدر کے لئے مغفرت کی خوشخبری ہے۔ لہذا صاحب واقعہ دوسرا کوئی شخص ہوگا (خواہ ثعلبہ نامی ہو یا اور کسی نام کا کوئی شخص) واللہ اعلم واقعہ جس کسی کا بھی ہو، بہر حال پیش ضرور آیا ہے کیونکہ نص قطعی سے ثابت ہوا کہ کسی نے مال ملنے پر صدقہ دینے کا وعدہ کیا تھا پھر جب مال مل گیا تو نہیں دیا۔

یہاں حضرت حکیم الامت تھانوی نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ جب وہ مال لے کر آیا اور توبہ کی تو اس کی توبہ کیوں قبول نہیں کی گئی؟ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس کا زکوٰۃ لانا اور نہ لینے پر دایا کرنا خلوص سے نہ تھا بلکہ دفع عار اور بدنامی کے لئے تھا کیونکہ اَعْقَبَهُمْ سے اس کا دائمی کافر ہونا معلوم ہو گیا پھر خلوص کا احتمال کب ہے؟ الی آخر ماقال۔

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا

یہ ایسے لوگ ہیں جو ان مؤمنین پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں جو اپنی فحش سے صدقات دیتے ہیں اور ان لوگوں پر جن کو اپنی محنت کے مارہ

جُهِدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ

کچھ میسر نہیں آتا، سو یہ ان سے تمسخر کرتے ہیں۔ اللہ ان کے تمسخر کا بدلہ دے گا اور ان کے لئے عذاب الیم ہے۔ آپ ان

أَوَّلًا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۖ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۖ

کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ان کے لئے سب سے زیادہ استغفار کریں تب بھی اللہ انہیں نہ بخشے گا

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اللہ کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

### منافقین کا خلصین کے صدقات پر طعن و تمسخر کرنا

منافقین کے دلوں میں چونکہ ایمان نہیں تھا اس لئے اہل ایمان کو طرح طرح سے تکلیف دیتے تھے ان تکلیفوں میں یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے اعمال اور احوال کو طعن اور طنز اور مسخرہ بازی کا نشانہ بناتے تھے۔ صحیح بخاری (صفحہ ۶۷۳ جلد ۲) میں حضرت ابو مسعود انصاریؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب ہمیں صدقہ کرنے کا حکم ہوتا تھا تو ہم محنت مزدوری کر کے اپنی کمزوری پر بوجھ اٹھا کر کچھ مال حاصل کرتے تھے (جس کو صدقہ میں پیش کر دیتے تھے) اور تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صدقہ دینے کی ترغیب دی تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے چار ہزار درہم پیش کر دیئے اور عاصم بن عدی نے سو ہونے کے بھر میں حاضر کر دیئے، اس پر منافقین نے طنز کیا کہ بے لگہ اچی کچھ نہیں، یہ تو ریاکاری ہے۔

ایک صحابی حضرت ابو عقیلؓ بھی تھے وہ ایک صاع کھجور لے کر آئے اور صدقہ کے مال میں ڈال دیا۔ اس پر منافقین آپس میں ہنسنے لگے

اور کہنے لگے کہ اللہ کو اس کے ایک صانع کی یہ ضرورت تھی؟ (یہ تو کلمہ یہ صدقہ تھی) اساتذہ اس لئے ان لوگوں نے ان کا مذاق بنایا) اور ایک روایت میں یہاں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے خواب میں دیکھا کہ وہ صانع تجہیز میں حاصل کیوں (ایک صانع ۳۳۰ سیہ ہوتا تھا) ان میں سے ایک صانع آخر والوں کو دے دیا اور ایک صانع لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور پوری صورت حال عرض کر دی، آپ نے فرمایا: اس کو مال صدقہ میں مال دو۔ منافع اس کا تسمیر کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اس مسکین کے صدقہ سے اللہ بے نیاز تھا (کیا ذرا سی چیز لے کر آیا) اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تسمیر کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس تسمیر پر مژدہ دے گا اور ان کے لئے عذاب الیم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۵۳ ج ۲) حضرت ابو بکرؓ جو محنت مشقت کر کے تھوڑی سی کھجوریں کسب کر کے لائے تھے اس کا خصوصی تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: **الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جِدْدَهُمْ**۔ (جواب اپنی محنت مشقت کے علاوہ کچھ بھی نہیں پاتے ان پر یہ ٹوٹ نظر کرتے ہیں اس میں صدقہ کرنے کے لئے محنت کرنے والوں کی تعریف ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھتے کہ ہمارے پاس کچھ ہے ہی نہیں ہم کیا صدقہ کریں، محنت، مشقت سے پتہ چل مال حاصل کر کے اللہ کی رضا مندی کے لئے پیش کر دیتے ہیں معلوم ہوا کہ صدقہ کرنے کے لئے مدار ہونا ضروری نہیں جس کے پاس کچھ بھی نہیں، وہ بھی صدقہ کرنے کا راستہ نکال سکتا ہے اور جسے جانی و مالی عبادت کا ذوق ہو وہ بہت کچھ سیکھا ہے۔ حضرت اس نے اپنے بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لئے خیر کی کیسی کیسی نظیریں چھوڑی ہیں۔ منافقین چونکہ کافر ہیں (آخر چہ بظاہر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں) اس لئے ان کے ساتھ آخرت میں کافروں والا ہی معاملہ ہوگا۔ یعنی دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اگر اس کو قبول نہ کریں تو ان کی مغفرت کا کوئی راستہ نہیں اس کو واضح طور پر بیان فرمائے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرمایا۔ **اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ** (آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں تو اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہ فرمائے گا) کما فی سورۃ المتافقین **سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ**۔ برابر ہے ان کے لئے کہ استغفار کریں یا نہ کریں۔ اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہ فرمائے گا۔ **ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ**۔ (یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا) **وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ**۔ (اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا)۔

**فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلْفَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ**

یہ لوگ جو اپنے پیچھے رہ گئے تھے وہ اپنے مقعد پر فخر کرتے تھے۔ یہ لوگ جو اپنے پیچھے رہ گئے تھے وہ اپنے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ لوگ جو اپنے پیچھے رہ گئے تھے وہ اپنے پیچھے رہ گئے تھے۔

**وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ**

یہ لوگ جو اپنے پیچھے رہ گئے تھے وہ اپنے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ لوگ جو اپنے پیچھے رہ گئے تھے وہ اپنے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ لوگ جو اپنے پیچھے رہ گئے تھے وہ اپنے پیچھے رہ گئے تھے۔

**فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَسْكَبُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ**

یہ لوگ جو اپنے پیچھے رہ گئے تھے وہ اپنے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ لوگ جو اپنے پیچھے رہ گئے تھے وہ اپنے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ لوگ جو اپنے پیچھے رہ گئے تھے وہ اپنے پیچھے رہ گئے تھے۔

**فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا**

یہ لوگ جو اپنے پیچھے رہ گئے تھے وہ اپنے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ لوگ جو اپنے پیچھے رہ گئے تھے وہ اپنے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ لوگ جو اپنے پیچھے رہ گئے تھے وہ اپنے پیچھے رہ گئے تھے۔

وَلَنْ تَقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخُلَفَاءِ ۝

اور یہ کہ میرے ساتھ کسی دشمن سے جنگ نہ کرو گے۔ بے شک تم پہلی مرتبہ بیٹھے پر راضی ہو گئے۔ سو تم پیچھے رہ جاؤ گے اور ان کے ساتھ بیٹھے رہو گے۔

منافقین کا اس پر خوش ہونا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ گئے

ان آیات میں بھی منافقین کی مذمت ہے جو غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے آپ تشریف لے گئے اور یہ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے رہ گئے۔ ان کو پیچھے رہ جانے پر کوئی افسوس نہیں تھا بلکہ خوشیاں منا رہے تھے کہ اچھا ہوا ہم نہ گئے۔ انہوں نے آپ کے ہمراہ نہ جانے پر خوشی منائی اور انہیں یہ ناگوار ہوا کہ اپنے جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ اپنے گھروں میں بیٹھے رہ جانے پر افسوس تو کیا ہوتا دوسروں کو بھی جانے سے روک رہے تھے اور یوں کہہ رہے تھے کہ گرمی میں مت نکلو۔ ایسی سخت گرمی میں جانے کا موقع نہیں ہے۔ انہوں نے دنیا کی گرمی کا تو خیال کیا۔ دوزخ کی آگ کی گرمی سے بچنے کا ارادہ نہ کیا۔ حالانکہ وہ دنیا والی گرمی سے بہت زیادہ گرم ہے اور اس سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کی جانے، دنیا کی گرمی تو قابل برداشت ہے۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک کے لئے نکلے تھے کوئی پگھل تو نہیں گئے، تکلیف تو ہوئی مگر خیریت کے ساتھ واپس آ گئے دوزخ کی آگ کا کس کو سہار ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمہاری یہ آگ (جو دنیا میں ہے) دوزخ کی آگ کا سترہاں حصہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا جلانے دو (تو) یہی بہت ہے آپ نے فرمایا (اس کے باوجود) دنیا کی آگ کی نسبت دوزخ کی آگ میں ۶۹ درجہ زیادہ گرمی بڑھادی گئی ہے۔ ہر درجہ کی گرمی اسی قدر بے جتنی دنیا کی آگ کی گرمی ہے۔ (بخاری صفحہ ۳۶۲ جلد ۱) دنیا کی گرمی سے گھبرا کر فرائض اور واجبات چھوڑنے والے اس پر غور کر لیں۔ ان لوگوں کا خود جانے کا ارادہ نہ تھا، مگر بتوینی طور پر بھی ان کے بارے میں یہی فیصلہ تھا کہ یہ لوگ نہ جائیں جیسا کہ وَلَٰكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ فَطَبَّطَهُمْ میں فرمایا ہے اس لئے الْمُخَلَّفُونَ۔ فرمایا کہ یہ لوگ پیچھے ڈال دیئے گئے۔

پھر فرمایا فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَ لْيَتَكْفَّرُوا كَثِيرًا کہ یہ دنیا میں تھوڑا سا فحش لیں اور آخرت میں زیادہ روئیں گے۔ یہاں تھوڑی سی خوشی ہے جس میں ہنسی بھی ہے اور دوسروں کا مذاق بنانا بھی ہے جس کو خوشی طبعی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن آخرت میں کافروں کی جو بد حالی ہوگی اس پر روئیں گے اس رونے کا تصور کریں تو یہاں کی ذرا سی ہنسی خوشی بھول جائیں۔ وہاں تو ان دردناکی و رونا ہے حضرت عبداللہ بن قیسؓ (یہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام ہے) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ دوزخ اتنا روئیں گے کہ ان کے آنسوؤں میں اگر کشتیاں چلائی جائیں تو جاری ہو جائیں (اور ان کے آنسو عام آنسو نہ ہونگے بلکہ) وہ آنسوؤں کی جگہ خون سے روئیں گے۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک صفحہ ۲۰۵ جلد ۲) وقال هذا حديث صحيح الاسناد و اقره المذهب (مسند)۔

میں روایت کیا ہے اور کہا ہے اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور عامہ میں نے بھی اسے یہی مقام دیا ہے)

جو لوگ دنیا میں اللہ کے خوف سے روتے ہیں ان کا رونا رحمت اور نعمت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو آنکھیں ایسی میں جنہیں (دوزخ کی) آگ نہ چھوئے گی ایک وہ کلمہ جو اللہ کے ڈر سے روئی اور ایک وہ آنکھ جس نے فی سبیل اللہ (جہاد میں) چوکیداری کرتے ہوئے رات گزاری (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب)

حضرت عقبہ بن عامرؓ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس چیز میں نجات ہے آپ نے فرمایا اپنی زبان کو قابو میں

رکھتا کہ تجھے نقصان نہ پہنچا، اے اور تیرے گھم میں تیری گنجائش رہے (یعنی بااثر و رت گھر سے باہر نہ نکل کیونکہ باہر فتنے ہیں اور گناہوں کے کام ہیں اور اپنے کناہوں پر رہتا رہے۔ (راد اللہ تعالیٰ عنہ) اقبال حدیث حسن غریب) جو لوگ آخرت کے فکر مند نہیں ہیں وہ یہاں نہیں روتے انہیں وہاں رونا ہوگا۔ جزاء یسما کسانوا ینکسبون (ان کاموں کے بدلے جو یہ کیا کرتے تھے) یعنی ان کا یہ بہت زیادہ رونا کفر و نفاق اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہوگا۔

پھر فرمایا فَاِنْ رَّجَعْتَ اللّٰہَ اِلٰی ظُلُمَۃٍ مِّنْہُمْ (الایۃ) یعنی اگر اللہ آپ کو غزوہ تبوک کے سفر سے ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائے جو آپ کے واپس پہنچنے تک مدینہ میں موجود ہوں اور پھر آپ کو کسی دوسرے موقع پر جہاد کے لئے جانا، دواوریہ لوگ ہمراہ چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ ان سے فرمادیں کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ جہاد میں نہ چلو گے اور نہ میرے ہمراہ کسی دشمن سے لڑو گے۔ یعنی میں تمہیں ہرگز ساتھ نہ لے جاؤں گا چونکہ تم نے پہلے بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا لہذا اب بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو جو پیچھے رہ جانے کے لائق ہیں (یعنی بوڑھے بچے اور غوثیں) تم انہیں میں رہو۔ وہ معذوری کی وجہ سے نہیں جاتے تم بغیر معذوری ہی کے ان لوگوں کے ساتھ رہو جاؤں تمہیں ساتھ نہیں لیتا۔ قال صاحب الروح هو اخبار بمعنى النهی للمبالغۃ۔

بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تم جو ساتھ چلنے کی اجازت لے رہے ہو یہ اجازت لینا جھوٹا ہے اور دنیا سازی کے طور پر ہے جب جانے کا وقت ہوگا تو ہمراہ نہ چلو گے بلکہ بیٹھے ہی رہ جاؤ گے جیسا کہ تم پہلے بھی رہ گئے تھے۔ لہذا تم پیچھے رہ جانے والوں ہی میں اب بھی اپنے کو شمار کر لو اہل ایمان کو کیوں دتو کہ دے رہے ہو۔ فہو خبر بمعنى الخبر و هو المتبادر من لفظ التنزیل العزیز۔ (پس وہ خبر ہے اور خبر ہی کے معنی میں ہے اور قرآن کریم کے الفاظ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے)

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَابَدَا ۖ وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ

اور ان میں سے نہ کوئی شخص مرنے پر جانے آپ اس پر کبھی نماز نہ پڑھیں۔ اور اس کی قبر پر نہ کھڑے نہ ہوں۔ بے شک ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا

وَمَا تَوْا وَهُمْ فَسِقُونَ ۝ وَلَا تَحِبَّكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۚ اِنَّا يَرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُعَذِّبَهُمْ

اور وہ اس حال میں مر گئے کہ تا فرمان تھے اور آپ کو ان کے اموال اور اولاد محبوب میں نہ ڈالیں اللہ یہی چاہتا ہے کہ ان کو ان چیزوں کے

بِهَآفِي الدُّنْيَا وَتَرْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ۝

و فریب دنیا میں مذاہب دے اور ان کی جانیں اس حالت میں بھل جائیں کہ وہ کافر ہوں۔

منافقوں کی نماز جنازہ نہ پڑھئے اور ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑے نہ ہو جے

صحیح بخاری (صفحہ ۶۷۳ تا ۶۷۴ جلد ۲) میں ہے کہ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) مر گیا تو اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ خدمت عالی میں حاضر ہوا (جو خالص مسلمان تھا) اور اس نے کہا کہ میرے باپ کی موت ہو گئی ہے آپ اپنا کرتہ عنایت فرمادیں جو اسے بطور کفن پہنا دیا جائے آپ نے اپنا کرتہ عنایت فرمادیا پھر عرض کیا کہ آپ نماز بھی پڑھائیں آپ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کیا کہ آپ اس کی نماز پڑھاتے ہیں حالانکہ وہ منافق ہے۔ آپ نے پھر بھی نماز پڑھا دی اس پر آیت وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَابَدَا۔ (آخر تک) نازل ہوئی۔

فتح الباری (صفحہ ۳۳۶ جلد ۸) میں ہے کہ آپ نے اس کے بعد کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی، باقی رہی یہ بات کہ عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے میں کیا مصلحت تھی؟..... اس کے بارے میں فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس کے بیٹے عبداللہ کی خوشی کے لئے اور قبیلہ خزرج کی قوم کی تالیف قلب کے لئے ایسا فرمایا۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرا کرتہ اسے کیا فائدہ دے گا میں نے تو یہ ٹیٹل اس لئے کیا ہے کہ اس کی قوم کے ہزار آدمی مسلمان ہو جائیں۔ (اھ)

روح المعانی صفحہ ۱۵۳ جلد ۱۰ میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ میرے اس عمل سے قبیلہ خزرج کے ایک ہزار افراد مسلمان ہو جائیں گے پھر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امید پوری کی اور ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ عبداللہ بن ابی کو جو آپ نے اپنا کرتہ عطا فرمایا تھا اس کے وجہ تفسیر وحدیث کی کتابوں میں لکھی ہے کہ آپ کے چچا عباس کو جب بدر کے قیدیوں میں لایا گیا تھا اس وقت ان کے بدن پر کپڑا نہ تھا۔ قد آور اور بھاری ہونے کی وجہ سے کسی کا کپڑا ان کے جسم پر نہیں آتا تھا۔ اس وقت عبداللہ بن ابی نے اپنا کرتہ پہنا دیا تھا۔ لہذا آپ نے اس کی مکافات کے لئے اپنا کرتہ کفن میں شامل کرنے کے لئے فرمادیا۔ (روح المعانی صفحہ ۱۵۳ جلد ۱۰)

اس کے بعد فرمایا وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ (الایۃ) یہ آیت تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ چند صفحات پہلے گزر چکی ہے۔ اس کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

وَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُوا الطَّوْلِ

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے مقدور والے لوگ آپ سے اجازت

منهم وقالوا ذرنا نكُنْ مَعَ الْقُعْدَيْنِ ۝ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ

مانع ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے۔ ہم بیٹھے رہنے والوں سے۔ مانع ہو جائیں۔ یہ لوگ اس بات پر راضی ہو گئے کہ گھروں میں بیٹھے رہ جائے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اور ان

عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝

کے دلوں پر مہر لگا دی گئی سو وہ نہیں سمجھتے۔

وسعت ہوتے ہوئے منافقین کا اجازت طلب کرنا کہ غزوہ میں نہ جائیں

منافقین کا حال بتاتے ہوئے فرمایا کہ جب قرآن کی کوئی سورت نازل ہوتی ہے جس میں اللہ پر ایمان لانے اور رسول ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کا حکم ہوتا ہے تو ان میں سے پیسے والے اور مالی وسعت والے اجازت لینے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے۔ گھروں میں بیٹھے رہ جانے والوں میں ہمیں بھی شمار مالیجیے۔ اس میں ان کی بے غیرتی کی طرف اشارہ ہے۔ بہادر مردوں میں شمار ہونے کو تیار نہیں۔ ضعیفوں اور عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہنے کو تیار ہیں۔ ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی (جنہیں اپنے نفع و نقصان کی بھی سمجھ نہیں)۔

لَكِنَّ الرُّسُولَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ

لیکن رسول اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور یہ وہ لوگ ہیں

لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

ان کے لئے بہترین چیزیں ہیں اور یہ وہی ہیں جو محبوب ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار فرمائے ہیں جن سے پانی

الأنهار خالدين فيها ذلك الفوز العظيم ﴿۶﴾

انہیں پانی میں سے بہتا رہے گا اور وہ ان کے لئے بڑی کامیابی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بشارت

منافقین کا حال بد بیان فرمانے کے بعد اہل ایمان و خوش خبری وہی اور فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے ان کے لئے خیرات یعنی خوبیاں ہیں یعنی وہ دنیاوی اور اخروی منافع ہیں جو محبوب اور پسندیدہ ہیں، دنیا میں اللہ کی طرف سے ان کے لئے نصرت ہے اور مال غنیمت ہے اور آخرت میں جنت ہے اور اس کی نعمتیں ہیں بعض مفسرین نے خیرات سے جنت کی حوریں مراد لی ہیں۔ کیونکہ سورہ رومن میں یہ کلمہ جنت کی حوروں کے لئے آیا ہے قال اللہ تبارک و تعالیٰ فیهن خیرات حسنات۔

پھر فرمایا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (اور یہی لوگ کامیاب ہیں) دنیا میں بھی خوب رہے اور آخرت میں بھی ابدی نعمتوں سے مالا مال ہوئے اس میں منافقین پر قرینہ ہے جو یہیں سمجھتے ہیں کہ ہم جعفر، وہیں ماتھ نہ گئے اور گرمی سے بچ گئے اس میں کامیابی ہے۔ اور حقیقت یہ ان کی بے وفائی ہے۔ یہ نہ کہ کامیابی جہاد فی سبیل اللہ میں ہے جہاد چھوڑ کر گھروں میں بیٹھ جانے میں نہیں ہے پھر ان حضرات کی اخروی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ذلک الفوز العظيم (یہ بڑی کامیابی ہے)

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۖ

اور یہ لوگ جو معذرتوں میں سے کچھ نہ کہنے والے تھے وہ ان کو اجازت دے دی گئی اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے لعنت پوا خدا

سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۷﴾ لَيْسَ عَلَى الضَّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا

وہ بے طاقت ہو گئے، ہر لوگ ان میں سے تفریق ہے، میں کے انہیں مردہ ہونے کا عذاب پہنچے گا۔ ضعیفوں اور مریضوں اور ان لوگوں پر کوئی عذاب نہیں

عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ حَرْجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ

بہ خرچ نہ کرتے۔ لے گئے انہیں وہ جہاد جو اللہ اور اس کے رسول کے لئے نفوس و مال سے حاضر ہوں، محسنین پر کوئی عذاب

مِنْ سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۸﴾ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ

انہیں سے کوئی عذاب نہ ہے، رحیم ہے، اور ان لوگوں پر بھی کوئی عذاب نہیں جو آپ کے پاس آئیں تاکہ انہیں اپنے مال سے اٹھائیں اور آپ ان کو سہارا دیں۔

لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۖ تَوَلَّوْا وَأَعْيَيْنُهُمْ تَفِيضٌ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا

آپ نے کوئی چیز نہیں پاتا جس پر تمہیں سہارا دیں، اور اس حال میں وہ بھی نہ گئے کہ اس رنج میں ان کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے کہ وہ فقی

مَا يُنْفِقُونَ ۖ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ۖ رَضُوا

گنہگار کے لئے نہیں پاتے۔ الزام تو انہی لوگوں پر ہے جو مالدار بناتے ہوئے آپ سے اجازت چاہتے ہیں وہ اس بات پر راضی ہو گئے

بِأَن يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ ۚ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ نَهَمٌ لَا يَعْلَمُونَ ۚ

کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی سو وہ نہیں جانتے۔

جن حضرات کے پاس سواری نہ تھی وہ غزوہ تبوک کی شرکت سے محرومی پر رورہے تھے

رسول اللہ ﷺ نے جب غزوہ تبوک میں شرکت کرنے کے لئے اپنے ہمراہ چلنے کی دعوت دی تو یہ دعوت اہل مدینہ اور اس پاس کے دیہات کے رہنے والے جو لوگ تھے ان سب کو عام تھی بہت سے منافقین ایسے تھے جنہوں نے عذر بھی پیش نہ کیا اور دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے گھر میں رہ گئے اور بہت سے دیہات کے رہنے والے عذر پیش کرنے کے لئے آئے۔ وہ عذر پیش کر کے پیچھے رہ گئے پہلی آیت کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابُ الْإِيمِ (ان میں سے جو لوگ کفر ہی پر رہیں گے ان کو دردناک عذاب ہوگا) منافقین کے بارے میں جو الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دعوئے ایمان میں اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے جھوٹ بولا تھا، دیہات کے لوگ عذر پیش کرنے کے لئے آئے تھے ان کے بارے میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ قبیلہ بنی اسد اور قبیلہ بنی غطفان کے لوگ تھے اور بعض حضرات نے قبیلہ بنی غفار کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ان مخلصین مسلمانوں کا ذکر فرمایا تھا کہ جن کو واقعی عذر تھا اور ساتھ ہی ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو معذور ہوتے ہوئے بھی خدمت عالی میں حاضری دئے اور انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ ہمیں بھی سواری دے دیجیے ہم بھی ساتھ چلیں گے۔

ارشادِ باری ہے لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ خَرَجٌ کہ جو لوگ ضعیف ہیں اور جو لوگ مریض ہیں اور جن کے پاس خرچ کرنے کو نہیں ان پر غزوہ میں شریک نہ ہونے کا کوئی گناہ نہیں إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ۔ جب کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے سچے دل سے اور خلوص کے ساتھ حاضر ہوں، ان کا ایمان بھی سچا، اقرار بھی سچا، شرکتِ جہاد کے لئے جذبات بھی سچے ہیں مجبوری سے رہ گئے۔ ان کے دلوں میں اپوری سچائی کے ساتھ یہ بات ہے کہ اگر ہمیں استطاعت ہوتی تو غزوہ میں ضرور ہی شریک ہوتے۔ انہوں نے عذر بنایا نہیں تھا۔ واقعی معذور تھے۔ مزید فرمایا مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ صَاحِبِ سَبِيلٍ کہ جو لوگ نیکو کاری میں ان پر کوئی الزام نہیں اور کوئی گرفت بھی نہیں وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے مخلصین اور محسنین کی جہت میں کو معاف فرما دے گا۔

پھر فرمایا وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ۔ اور ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ نہیں جو آپ کے ساتھ آئے کہ آپ انہیں سواری دیں، ان کے جواب میں آپ نے فرمادیا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کر دوں۔ البتہ یہ انتہائی حد تک ہے کہ سات افراد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سواری کے لئے حاضر ہوئے تھے ان میں سے ایک سالم بن عیسہ، وہ بنو زید تیسرے ابولیلیٰ عبدالرحمن بن کعب، پوتہ تھے عمرہ بن الحکام، پانچویں عبداللہ بن مغفل، چھٹے حرث بن عبداللہ اور



ساتویں عرباض بن ساریہ ؓ تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول! ہم اپنے دل سے پوری طرح تیار ہیں آپ کے ساتھ سفر میں جانا چاہتے ہیں۔ لیکن سواری نہ ہونے کی وجہ سے مجبور ہیں۔ آپ ہمیں سواری عنایت فرمادیں **فَلَيْتَ لَا أَجِدُ مَا أُحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ** آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی سامان نہیں تاکہ تمہارے لئے سواری کا انتظام کر دوں **تَوَلَّوْا وَاعْيُزُّهُمْ تَفِيضُ مِنَ الذَّمِّ حَرْنَا إِلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ** (وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے اس وجہ سے آنسو بہ رہے تھے کہ وہ خرچ کرنے کے لئے نہیں پاتے) اول تو یہ حضرات معذور تھے واقعی معذوری ہی جہاد میں شرکت نہ کرنے کے لئے کافی تھی۔ پھر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا اور واقعی عذر کو بھی عذر نہ سمجھا اور انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لے جائیں اور خود پیچھے رہ جائیں۔ وہ خدمت عالی میں حاضر ہوئے کہ ہمارے لئے سواری کا انتظام فرمادیں۔ جب آپ نے فرمادیا کہ میرے پاس کوئی انتظام نہیں ہے تو اس پر بھی بس نہ کیا اور اپنے دلوں میں یوں نہ کہا اب تو ہم نے اپنی آخری کوشش کر لی اب جہاد میں نہ گئے تو کیا خرچ؟ وہ اپنی معذوری والی مجبوری پر رنجیدہ ہو رہے تھے اور رنج بھی معمولی نہیں ان کے چہروں پر آنسوؤں کی لڑی تھی اور وہ اس رنج میں گھلے جا رہے تھے کہ ہمارے پاس انتظام نہیں ہے، انتظام ہوتا تو ہم ضرور ساتھ جاتے۔ اس موقع پر جہاں وہ لوگ موجود تھے جو جھوٹے عذر بنا کر پیچھے ہٹ رہے تھے ان میں وہ حضرات بھی تھے جو عذر ہوتے ہوئے بھی جہاد کی شرکت کے لئے تڑپ رہے تھے۔ حضرات صحابہ کرام نے امت کے لئے کیسی کیسی قابل اقتداء روایات چھوڑی ہیں۔

اس کے بعد آپ نے بعض حضرات کے لئے سواری کا انتظام فرمادیا اور بعض حضرات کے لئے انتظام کی صورت یہ ہوئی کہ ابولہیٰ عبدالرحمن بن کعب اور عبداللہ بن مغفل ؓ کی راستہ میں یامین بن عمیر نصری ؓ سے ملاقات ہو گئی۔ یہ دونوں روتے ہوئے جا رہے تھے۔ یامین نے دریافت کیا تم کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس کوئی انتظام نہیں تاکہ آپ کے ساتھ سفر میں جائیں۔ آپ ہمارے لئے سواری کا انتظام فرمادیں۔ آنحضرت ﷺ کے پاس بھی سواری نہیں تھی جو عنایت فرمادیتے ہمارا رونا اسی وجہ سے ہے کہ شرکت جہاد سے رہے جا رہے ہیں۔ اس پر یامین نے اپنی ایک اونٹنی پیش کر دی اور اپنے پاس سے بطور توشہ کھجوریں بھی دے دیں اور ثعلبہ بن زید کے ساتھ یہ ہوا کہ وہ رات کو نماز پڑھتے رہے اور روتے رہے اور یوں دعا کی کہ اے اللہ! آپ نے جہاد کا حکم فرمایا اور اس میں شرکت کی ترغیب دی پھر مجھے مال نہیں دیا جس سے میں جہاد کی شرکت کے لئے قوت حاصل کر لیتا اور نہ آپ نے اپنے رسول ﷺ کو (اس وقت) مال عطا فرمایا تاکہ میرے لئے سواری کا انتظام فرمادیتے۔ اب جہاد سے محرومی کے بدلہ میں یہ کرتا ہوں کہ جس کسی مسلمان بے مجھے کوئی تکلیف پہنچی ہے یا کسی کا مجھ پر کوئی مالی حق ہے میں اسے معاف کرتا ہوں۔ جب صبح ہوئی رسول اللہ ﷺ نے سوال فرمایا کہ اس رات کس نے صدقہ دیا۔ کسی نے بھی جواب نہیں دیا۔ آپ نے فرمایا آج رات جس نے صدقہ دیا ہو وہ کھڑا ہو جائے اس پر ثعلبہ بن زید کھڑے ہوئے اور اپنا حال بتایا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم خوشخبری قبول کرو، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہارے لئے مقبول زکوٰۃ کا ثواب لکھا گیا۔

غزوہ تبوک کی تیاری کے لئے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے قبیلے کے چند افراد نے بھی حضرت ابو موسیٰ کے واسطے سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست پیش کی تھی کہ ہمارے لئے سواری کا انتظام کیا جائے اس وقت آپ نے ان کے لئے چھ

اونٹوں کا انتظام فرما دیا۔ (الیناصفی ۶ جلد ۵)

اس کے بعد فرمایا: اِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنَاءُ الزَّامِ انہیں لوگوں پر ہے جو مالدار ہوتے ہوئے آپ سے اجازت لیتے ہیں رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ یہ لوگ اسی پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں (اپنی مالی استطاعت کی وجہ سے غزوہ میں جاسکتے ہیں اور ان کو ضعف اور مرض بھی نہیں ہے پھر بھی نہیں جاتے اپنے آپ کو عورتوں کے زمرہ میں شمار کر لیا نہ وہ گئیں اور نہ یہ لوگ جانے پر راضی ہوئے۔ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔ اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی لہذا وہ نہیں جانتے کہ دنیاوی تکلیف اٹھا کر آخرت کے بہت بڑے ثواب اور بلند درجات کا مستحق ہونا بہت بڑی کامیابی ہے۔



## (پارہ نمبر ۱۱)

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۗ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ تُؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا

لوگ آپ سے باز مذر پیش کریں گے جب آپ ان کی طرف واپس ہوں گے۔ آپ فرمادیجئے مذر پیش نہ کرو ہم ہرگز تمہاری بات کو سچی نہ مانیں گے۔ اللہ نے تمہاری

اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۖ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

نہیں بنامنی ہیں۔ اور تمہارے بے ایمان ہونے کا اور اس کا رسول بھی۔ پھر تم اس ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو سچی ہوئی اور ظاہری باتوں کا جاننے والا ہے۔

فَيَنْبِئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ سَيُحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لَعْنُكُمْ

سو وہ تمہیں ان کاموں سے باخبر فرما دے گا جو تم کیا کرتے تھے، وہ عنقریب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ سو آپ

عَنْهُمْ ۚ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۚ إِنَّهُمْ رَجِسٌ رَوَّافٌ وَمَا وَهُمْ بِجَزَاءٍ بِنِائِهِمْ ۖ كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

ان سے اعراض کریں بے شک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ ان کو ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۝

وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ سو اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔

## تبوک سے واپسی پر عذر پیش کرنے والوں کو جواب

تفسیر: جن لوگوں نے تبوک سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جھوٹے عذر پیش کئے تھے ان کے بارے میں اللہ جل شانہ نے پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ آپ کی واپسی پر لوگ عذر پیش کریں گے۔ آپ ان سے فرمادیں کہ ہم تمہاری بات سچی نہیں مانیں گے

تمہارے حالات کی اللہ نے ہمیں پہلے ہی خبر دے دی ہے اور آئندہ بھی اللہ اور اس کا رسول ﷺ تمہاری کارگزاری دیکھ لے گا اور تمہاری پول کھٹکتی رہے گی۔ یہ ذلت تو دنیا میں ہوگی پھر اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو غیب اور شہادۃ کا جاننے والا ہے جو چیزیں ظاہری ہیں وہ انہیں

بھی جانتا ہے اور جو چیزیں مخلوق سے پوشیدہ ہیں وہ ان سے بھی باخبر ہے۔ جب قیامت کے دن حاضری ہوگی تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر فرما دے گا۔ تم جو برے اعمال کرتے تھے وہ سب تمہارے سامنے آجائیں گے۔ مسلمانوں سے مزید خطاب فرمایا کہ جب تم سفر

سے واپس ہو کر ان کے پاس پہنچو گے تو تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے اعراض کرو اور درگزر کرنے کا معاملہ کرو اعراض تو تم کر لینا لیکن رضامندی کے طور پر نہیں بلکہ ناراضگی والا اعراض کرنا کیونکہ یہ لوگ ناپاک ہیں (ان کے عقائد اور اعمال گندے

ہیں) اور انجام کار ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور یہ دوزخ ان کے اعمال کے بدلہ ہے جو وہ دنیا میں کرتے تھے مزید فرمایا کہ یہ لوگ تمہارے سامنے تمہیں راضی کرنے کے لئے قسمیں کھائیں گے۔ (تم ان سے راضی مت ہونا بالفرض) اگر تم ان

سے راضی ہو گئے تو (اس رضا مندی سے) انہیں کچھ نفع نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فاسقوں سے راضی نہیں ہوتا۔ صاحب معالم انقرض میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت جد بن قیس اور معتب بن قیس اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ اسی آدمی تھے جو اپنے نفاق کی وجہ سے تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے ساتھ نہ آئیں نہ بیٹھیں اور نہ ان سے بات چیت کریں۔ (یَحْكُمُ اَعْرَضُوا عَنْهُمْ پھل کرنے کے لئے تھا)

الْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا ۖ اَلَا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهِ ؕ

دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور اس لائق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو احکام نازل فرمائے ہیں ان سے واقف نہ ہوں واللہ علیم حکیم ۱۰۷ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَيَكْرِهْنِ اَنْ يُدْعٰى بِسْمِ اللّٰهِ لِذٰلِكَ ۚ

اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے اور دیہاتیوں میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنے خرچ کرنے کو تادان سمجھتے ہیں اور تمہارے لئے معیبتوں کے آنے کے منتظر رہتے ہیں۔

عَلَيْهِمْ ذٰلِكَ السَّوْءُ ۚ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۱۰۸ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

ان پر بری گردش ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے اور دیہاتیوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں

وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبٰى عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلٰوٰتِ الرُّسُوْلِ ۚ اَلَا اِنَّهَا قُرْبٰى لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمْ

اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی نزدیکی کا اور رسول کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ خبردار یہ ان کے لئے نزدیکی کا سبب ہے اللہ غفور

اللّٰهُ فِي رَحْمَتِهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۱۰۹

انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ بخیر ہے رحیم ہے۔

دیہاتیوں میں سخت نفاق والے بھی ہیں اور مخلصین بھی

ان آیات میں اعراب یعنی دیہات کے رہنے والوں کا حال بتایا ہے۔ اول تو یہ بتایا کہ دیہاتی کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں علم کے ماحول سے دور ہونے کی وجہ سے ان کا یہی حال ہونا چاہیے کہ اللہ کے احکام کا انہیں علم نہ ہو جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائے ایمان و یقین اور علم و عمل کے ماحول میں رہیں تو کفر سے بچیں اور نفاق سے بھی، اور اللہ کے احکام کو بھی جانیں، لیکن مرکز علم سے دوری کی وجہ سے ان میں کفر بھی شدید ہے اور نفاق اور جہالت میں بھی آگے آگے ہیں۔ قال صاحب الروح (صفحہ ۴ جلد ۱) اشد کفرا و نفاقا من اهل الحضر الکفار و المنافقین لتو حشیم و قساوة قلوبهم و عدم مخالطتهم اهل الحکمة و حرمانهم استماع الکتاب و السنة و هم اشبه نسی بالبهائم۔ اھ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں دیہاتوں کے کفار و منافقین اپنے کفر و نفاق میں سخت اس لئے ہیں کہ ان کی طبیعت نامانوس ہے اور ان کے دل سخت ہیں اور اہل علم سے میل نہ ہونے کی وجہ سے اور کتاب و سنت کے سننے سے محروم ہونے کی وجہ سے اور وہ چوپایوں کے بہت زیادہ مشابہ ہیں)

دیہاتیوں میں عموماً سخت مزاجی ہوتی ہے، سنن ابی داؤد (باب فی اتباع الصيد) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من سكن البادية جلفا ومن اتبع الصيد غفل ومن اتى السلطان افتن۔ (جو شخص دیہات میں رہا وہ سخت مزاج ہو اور جو شخص شکار کے پیچھے لگا وہ

غافل ہوا اور جو شخص صاحب اقتدار کے پاس آتا جاتا رہا وہ نفع میں پڑ گیا) درحقیقت دیہات کا مزاج ہی ایسا ہے کہ طبیعت میں سختی آ جاتی ہے اور علم سے دور رہتے ہیں جس کی وجہ سے عمل سے بھی محروم رہتے ہیں۔ اس کے بعد دیہاتیوں کی دو قسمیں بتائیں ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو جہاد وغیرہ میں کچھ خرچ کر دیتے ہیں تو اسے ایک قسم کا جرمانہ اور تاوان سمجھتے ہیں کیونکہ ثواب کے امیدوار نہیں اس لئے یہ خرچ ان کے نفوس پر شاق گزرتا ہے جیسے خواہ مخواہ کا تاوان بھگت رہے ہوں اور اس بخل کی صفت کے ساتھ ان کی عداوت کا یہ عالم ہے کہ وہ مسلمانوں کے لیے گردشوں کے منتظر رہتے ہیں کہ ان پر کوئی ایسی گردش پڑ جائے جس سے ختم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عَلَیْہِم ذَاتِبَرۃُ السَّوۡءِ۔ (انہی لوگوں پر بری گردش پڑنے والی ہے) چنانچہ ایسا ہی ہوا مسلمانوں کی ترقی ہوتی چلی گئی۔ ممالک فتح ہوئے منافق اور کافر ذلیل ہوئے۔ اپنی امیدوں میں ناکام ہوئے اور ان کی آرزو میں جو مسلمانوں کے خلاف تھیں دل ہی دل میں رہ گئیں۔ واللہ مُسْمِعٌ عَلَیْہِم۔ (اور اللہ تعالیٰ ان کے کفر و نفاق کی باتیں سننے والا ہے اور ان کے احوال کو اور ان کی نیقوں اور ارادوں کو جاننے والا ہے) ان کے احوال اور اعمال کے مطابق سزا دے گا۔ دیہاتیوں کی دوسری قسم کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَہِیۡنَ الْأَعْرَابِ مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَالۡیَومِ الْآخِرِ (الایۃ) اور دیہاتیوں میں بعض ایسے لوگ ہیں جو اللہ اور آخرت کے دین پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی نزدیکی کا اور رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ ان کا مقصد اجر و ثواب حاصل کرنا اور اللہ کو راضی کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے دعائیں لینا ہے۔ لہذا جو مال خرچ کرتے ہیں اور جو مال خرچ کیا ہے بطور تاوان بددلی کے ساتھ نہیں بلکہ پوری بشاشت کے ساتھ اللہ کی خوشنودی کے لئے مال خرچ کرتے ہیں ان کے اموال جو خرچ ہوتے ہیں واقعی وہ اللہ کی نزدیکی کا سبب ہیں اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ

اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ سبقت لے جانے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا

اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ

أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

سبقت لے جانے والے مہاجرین اور انصار

اور ان کا اتباع کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہے

اس آیت میں حضرات مہاجرین اور انصار میں جو سابقین اولین تھے ان کی تعریف فرمائی اور جنہوں نے احسان اور اخلاص کے ساتھ ان کا اتباع کیا ان کی بھی تعریف فرمائی اور یہ اعلان فرمایا کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ بھی اللہ سے راضی ہوئے۔ ان کی اخروی نعمتوں کا بھی تذکرہ فرمایا کہ ان کے لئے ایسے باغ تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور یہاں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور آخر میں فرمایا کہ یہ بڑی کامیابی ہے۔

جن حضرات نے اسلام کی طرف سبقت کی مہاجرین میں سے ہوں یا انصار میں سے اور جن حضرات نے ان کا اتباع کیا اور یہ اتباع اخلاص کے ساتھ تھا ان سب کی فضیلت اور منقبت آیت بالا سے ظاہر ہو رہی ہے جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کا اتباع کیا ان میں وہ صحابہ بھی ہیں جو ان کے بعد مسلمان ہوئے اور وہ لوگ بھی ہیں جو صحابیت کی عظیم مرتبہ سے مشرف نہ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سابقین اولین مہاجرین و انصار کی راہ پر چلے جنہیں تابعین کہا جاتا ہے۔ اس آیت سے واضح طور پر مہاجرین اور انصار کے بارے میں اللہ جل شانہ کی طرف سے اس بات کا اعلان ہے کہ یہ حضرات جنتی ہیں اور اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، سابقین اولین میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی ہیں۔

روافض کی گمراہی ..... روافض کا جو یہ کہنا ہے کہ "حضرت ابو بکر و عمر مسلمان نہیں تھے اور یہ کہ تین چار صحابہ کے علاوہ باقی سب مرتد ہو گئے" (العیاذ باللہ) ان کی یہ بات آیت بالا کی تکذیب کر رہی ہے جو شخص کسی آیت کی تکذیب کرے وہ خود کافر ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے راضی نہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو مہاجرین و انصار سابقین اولین اور ان کے متبعین سے راضی ہونے کا اعلان فرمادیا لیکن یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اعلان صحیح نہیں ان کے عقیدہ میں تین چار صحابہ کے علاوہ باقی سب دوزخ میں ہیں اور خاص کر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے معذب ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان سے راضی ہونے کا اعلان فرمادیا اور ہمیشہ ہمیشہ ان کے جنت میں رہنے کی خوشخبری دے دی تو اس پر وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بداد ہو گیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کو اس وقت معلوم نہیں تھا جب رضامندی کا اعلان فرمایا کہ یہ لوگ مرتد ہو جائیں گے۔ (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ) اپنی بات کی جچ میں اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اعلان کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ملحدوں اور زندیقوں کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ۔ جسے اللہ گمراہ کرے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی گمراہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑا ہے) آیت بالا میں مہاجرین و انصار میں جو سابقین اولین تھے اور ان کا اتباع کرنے والوں کی منقبت بیان فرمائی۔ اور اس کے بعد والے رکوع میں مطلق مہاجرین و انصار کی تعریف فرمائی۔ اور سورۃ الفتح کی آیت لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ میں ان سب حضرات سے راضی ہونے کا اعلان فرمایا جنہوں نے حدیبیہ کے موقع پر بیعت کی تھی جن میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرؓ بھی تھے پھر سورۃ الفتح کے ختم پر تمام صحابہ کی تعریف بیان فرمائی اور فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ دُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (الایۃ) اور آخر ان کے لئے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا۔ ان سب آیات کی تصریحات کے خلاف روافض کہتے ہیں کہ بجز تین چار صحابہ کے کوئی بھی مسلمان نہ رہا۔ انہیں حضرات صحابہ پر کفر چکانے پر تو اصرار ہے لیکن اپنے مؤمن ہونے کی طرف ذرا دھیان نہیں۔ اپنی طرف بھی تو دیکھو قرآنی آیات کے منکر ہو کر تم کیسے مؤمن ہو؟ کیا حضرات صحابہ کرام کو کافر کہہ دینے سے آخرت میں نجات ہو جائے گی۔ یوم آخرت میں خود مؤمن ہو کر پیش ہونے کو کیوں ضروری نہیں سمجھتے۔ فَمَنْ شَاءَ ذَكَّرْهُ۔

### حضرات مہاجرین و انصار اور ان کا اتباع کرنے والے جنتی ہیں

فائدہ..... وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ جو فرمایا ہے اس میں قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا اعلان ہو گیا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرات صحابہ کرام کا اتباع کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جنہیں اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے بہت سے فرقے اسلام کے دعویدار ہیں لیکن ان میں جو بھی کوئی حضرات صحابہ کے طریقہ کر دیں پر نہیں ہیں وہ سب

گمراہ ہیں۔ قرآن مجید بھی حضرات صحابہ کرامؓ کے واسطے سے ملا ہے، اور رسول کے ارشادات بھی انہی حضرات کے ذریعے پہنچے ہیں جو ہر مسلمان کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ جو لوگ حضرات صحابہ کرامؓ کو مسلمان نہیں مانتے ان کے پاس خود ان کے دعویٰ کے مطابق نہ تو قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور نہ رسول ﷺ کے ارشادات ہیں اور اسی لئے ان کی زندگی میں اسلامی اعمال نہیں۔ آیت بالا میں اور سورہٴ نساء کی آیت وَیَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُسْلِمِينَ میں حضرات صحابہؓ اور ان کے متبعین کو اور اہل ایمان کو معیارِ حق فرمایا ہے۔ آپ نے یہ فرمایا کہ میرے بعد بہت زیادہ اختلاف دیکھو گے اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمادیا علیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدین المہدیین نسسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۰) (یعنی تم پر لازم ہے کہ میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کو لازم پکڑو اسی پر بھروسہ رکھو اور اسکو ازسکوداڑھوں سے مضبوط پکڑ لے رہو) پھر جب تین فریقوں کا ذکر فرمایا اور یہ فرمایا کہ ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا تو اس پر حضرات صحابہؓ نے عرض کیا کہ وہ فرقہ کونسا ہے؟ اس پر آپؐ نے فرمایا: ہا انا علیہ واصحابی کہ جس طریقے پر میں اور میرے صحابہ ہیں جو جماعت اس طریقہ پر ہوگی وہ نجات والی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۰) اس میں بھی حضرات صحابہؓ کو معیارِ حق بتایا، اب ہر مدعی اسلام سوچ لے کہ وہ خلفائے راشدینؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے راستہ پر ہے یا نہیں، اپنے افکار عقائد و اعمال کا جائزہ لے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّوَاعَلَى النَّفَاقِ ۚ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ

اور تمہارے گرد و پیش جو دیہاتی ہیں ان میں منافق ہیں اور اہل مدینہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جو منافقت پر از گئے ہیں، آپ انہیں نہیں جانتے۔

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۖ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ۖ

ہم انہیں جانتے ہیں، ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے، پھر وہ عذابِ عظیم کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

مدینہ منورہ اور آس پاس کے دیہات میں رہنے والے منافقین کا تذکرہ

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مدینہ منورہ کے آس پاس رہنے والے دیہاتوں میں منافقین ہیں۔ صاحبِ معالم التقریل نے اس سلسلہ میں بنی مؤینہ و بنی جھینہ وغیرہم کے نام لکھے ہیں اور یہ جو فرمایا کہ اہل مدینہ میں سے بھی بعض لوگ منافق ہیں اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس اور خزرج میں منافق تھے۔ ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ منافقت پر مصر ہیں۔ مضبوطی کے ساتھ جیسے ہوئے ہیں (جو لوگ مدینہ منورہ میں رہتے ہیں وہ صرف مدینہ منورہ ہی میں رہنے کو سب کچھ نہ سمجھیں اپنے ایمان اور اعمال کی بھی خبر لیں۔ اب بھی مدینہ منورہ میں خاصی تعداد میں روافض ہیں اور دجال کے تذکرہ میں احادیث شریفہ میں بتایا ہے کہ جب دجال مدینہ منورہ کا رخ کرے گا تو شہر میں داخل نہ ہو سکے گا (اُحد پہاڑ کے پیچھے) شورشِ مین میں ٹھہر جائے گا اس وقت مدینہ منورہ میں تین بار زلزلہ آئے گا جس کی وجہ سے ہر منافق مدینہ منورہ سے نکل کر اس کے پاس پہنچ جائیگا بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ محض اقامتِ مدینہ منورہ کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ خواہ عقائد و اعمال کیسے ہوں۔ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے اور شیطان کا دھوکہ ہے۔ پھر فرمایا: لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔ (آپ انہیں نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں) سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ۔ (عذابِ عظیم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے) ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ۔ پھر وہ بڑے عذاب (یعنی دوزخ) کی طرف لوٹائے جائیں گے) سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے بار بار عذاب میں مبتلا ہونا مراد ہے اور بعض اکابر نے اس کا ترجمہ دہری سزا کیا ہے اس کے بارے

میں مفسر بچے اور بھی اقبال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ منافقین کو ایک دن جمعہ کے روز جب آنحضرت ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو نام لے لے کر مسجد سے نکال دیا اور فرمایا: اے فلاں! تو منافق ہے نکل جا، پہلا عذاب تو یہ رسوائی کا عذاب ہو اور دوسرے عذاب عذاب قبر مراد ہے۔ یہ اقوال علامہ بغویؒ نے معالم التزیل (صفحہ ۲۲۳ جلد ۲) میں نقل کئے ہیں۔ جن حضرات نے دوسرا عذاب عذاب آخرت بتایا ہے۔ بظاہر یہ بات صحیح نہیں کیونکہ دوزخ کا عذاب بعد میں مذکور ہے۔ وہو قوله تعالیٰ ثُمَّ يَرْدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ

وَآخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ

اور پہلا عذاب ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا انہوں نے اچھے عمل کے جن میں نیک عمل بھی ہیں اور برے اعمال بھی۔ عذاب اللہ ان

يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ

کی توبہ قبول فرما لے گا۔ بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ آپ ان کے اموال سے صدقہ لے لیجئے جو انہیں پاک کرے گا اور ان کو

عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ ۚ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ

دعا دیتے، بے شک آپ کی دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے کیا ان لوگوں نے نہیں جانا کہ بلاشبہ اللہ

التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ وَقُلْ أَعْمَلُوا فَسِرَی

اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات قبول فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ خوب زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے مہربان ہے اور آپ فرما دیجئے کہ

اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ۚ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ

خبر دے گا کہ تمہارے اعمال کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی اور اہل ایمان بھی اور مغرب تم اس ذات پاک کی طرف لوٹائے جاؤ گے جسے چھپی ہوئی چیزوں کا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ وَآخِرُونَ مُرْجُونَ لَأَمْرِ اللَّهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ

اور علی بدئی چیزوں کا علم ہے پھر وہ تمہیں جہادے گا جو مل تم کیا کرتے تھے۔ اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آئے تک ہو کر کیا ہوا ہے وہ انہیں عذاب دے گا یا ان کی توبہ

عَلَيْهِمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

قبول فرمائے اور اللہ علیم ہے حکیم ہے۔

مؤمنین مخلصین کی توبہ کا تذکرہ جو غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے

جو منافقین غزوہ تبوک میں شرکت کے لئے جانے سے رہ گئے تھے پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ کے واپس تشریف لانے پر جھوٹے عذر پیش کرتے رہے (جن میں اہل مدینہ اور مدینہ منورہ کی آس پاس کی بستیوں کے رہنے والے دیہاتی بھی تھے) ان کا تذکرہ فرمانے کے بعد ان مؤمنین مخلصین کا تذکرہ فرمایا ہوا ہے ایمان میں چپے ہوئے ہوئے تھے اور کالی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت تورہ گئے اور ساتھ نہ گئے لیکن بعد میں پچھتائے اور نادام ہوئے کہ ہم عورتوں کے ساتھ سالیوں میں زندگی گزار رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ دھوپ کی گرمی اور سفر کی مشقت اور تکلیف میں ہیں ہمارے لئے پیچھے رہ جانا کسی طرح درست نہ تھا۔ جب ان حضرات کو



رسول اللہ ﷺ کے واپس تشریف لانے کی خبر ملی تو انہوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا اور کہنے لگے کہ ہم اپنی جانوں کو نہیں کھولیں گے جب تک رسول اللہ ﷺ ہی اپنے دست مبارک سے ہمیں نہ کھولیں، آپ کا جب ان کی طرف گزر ہوا تو دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ جب تک آپ نہ کھولیں گے اور ان سے راضی نہ ہوں گے اس وقت تک وہ بندھے ہی رہیں گے آپ نے فرمایا اللہ کی قسم میں بھی انہیں نہیں کھولوں گا جب تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو کھولنے کا حکم نہ ہوگا۔ ان لوگوں نے میرا ساتھ چھوڑا اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں نہ نکلے۔ لہذا اب مجھے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار ہے جیسا حکم ہوگا اس پر عمل کروں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَآخِرُونَ غَتَرَفُوا (الایۃ) نازل فرمائی اور آپ نے ان کو کھول دیا۔ چونکہ یہ حضرات مخلص مؤمن تھے اور اپنے گناہ کا اقرار بھی کر لیا جو توبہ کا جزو عظیم ہے اور جہاد سے پیچھے رہ جانے والے عمل سے انہوں نے توبہ کر لی اور پہلے سے بھی نیک عمل کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے بھی اداے فرائض اور دیگر نیک کاموں میں لگے رہے اس لئے ان کے بارے میں فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا اور نیک عمل کو برے عمل سے ساتھ ملا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمانے کی خوشخبری دی عَسَى اللّٰهُ اَنْ يُّتَوَّبَ عَلَيْهِمْ کہ عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا (چنانچہ ان کی توبہ قبول ہوگئی) اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بلاشبہ اللہ مغفرت فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے)

جب ان لوگوں کی توبہ قبول ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمارے پاس جو یہ اموال ہیں انہیں نے ہم کو پیچھے ڈالا اور جہاد کی شرکت سے روکا۔ لہذا ہم ان کا صدقہ کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اموال میں سے کچھ لینے کا حکم نہیں ہوا اس پر آیت کریمہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا نازل ہوئی یعنی آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک اور صاف کر دیں (یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب توبہ سے گناہ معاف ہو گیا تو صدقہ کے آگے تطہیر و تزکیہ ہونے کا کیا معنی؟)

حکیم الامت قدس سرہ، نے بیان القرآن میں اس کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے لیکن گناہ کی ظلمت و کدورت کا اثر باقی رہ جاتا ہے اور گواہی پر مواخذہ نہیں لیکن اس سے آئندہ اور گناہوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے پس صدقہ سے خصوصاً بوجہ حدیث الصدقه تطفنی غضب الرب اور دیگر اعمال صالحہ سے عموماً یہ ظلمت اور کدورت مندرفع ہو جاتی ہے۔ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ (اور آپ ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے اطمینان قلب کا ذریعہ ہے۔ واللہ سميعٌ علیمٌ۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے) وہ سب کی باتیں سنتا ہے اور سب کے احوال ظاہر و باطنہ جانتا ہے اسے معلوم ہے کہ کن لوگوں نے جھوٹے عذر پیش کئے اور جن مخلصین نے سچے دل سے توبہ کی اور اخلاص کے ساتھ اپنے اموال پیش کئے اللہ تعالیٰ کو ان کا بھی علم ہے۔

جن حضرات نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا تھا یہ کتنے حضرات تھے اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ دس افراد تھے اور سعید بن جبیرؓ اور زید بن اسلمؓ نے فرمایا کہ آٹھ افراد تھے۔ حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ یہ سات آدمی تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ پانچ آدمی تھے اور ان سب میں حضرت ابولبابہؓ کا ام گرامی خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اگرچہ مشہور یہ ہے کہ ان کا مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ دینا قتل بنی قریظہ کے سلسلہ میں تھا

(کہ انہوں نے پہلے سے اشارہ کر کے بتا دیا تھا کہ تمہارے قتل کا فیصلہ ہو چکا ہے)۔ (معالم القرآن جلد ۲۲۲-۲۲۳ صفحہ ۲۲۲) حافظ ابن کثیر (صفحہ ۳۸۵ جلد ۲) لکھتے ہیں کہ آیت کریمہ **وَآخِرُونَ غَضَرُوا بِأَبْنائِهِمْ** اگرچہ چند خاص افراد کے بارے میں نازل ہوئی لیکن اس کا حکم تمام گناہ گاروں کے لئے عام ہے۔ جو گناہوں میں بھی ملوث ہوتے ہیں اور نیک اعمال بھی کرتے ہیں۔ اھ اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص گناہوں میں لگا رہتا ہو، وہ یہ نہ سمجھے کہ میں تو گناہ گار ہوں۔ نیک کاموں میں کیا لگوں، اگر گناہ نہیں چھوڑتا تو جہاں تک ممکن ہو نیک کاموں کو بھی نہ چھوڑے۔ یہ نیک کام سینات کا کفارہ بھی بنتے رہیں گے اور توبہ کی توفیق ہونے کا بھی ذریعہ بنیں گے۔ گناہوں کے ہوتے ہوئے بھی بشرط اخلاص نیک اعمال نیکوں ہی میں شمار ہوتے ہیں (الا ما كان حابطاً لا اعمال)۔

پھر فرمایا **أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ** (الایۃ) اس کا شان نزول بتاتے ہوئے (درمنثور صفحہ ۲۷۵ جلد ۳) میں لکھا ہے کہ جب ان حضرات کی توبہ قبول ہو گئی جنہوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا تھا تو پھر بے تکلف مسلمانوں کے ساتھ رہنے پہنے لگے اس پر منافقین نے کہا کہ کل تک تو یہ لوگ اسی حال میں تھے جس میں ہم ہیں نہ ان سے کوئی بات کرتا تھا اور نہ ان کے پاس کوئی شخص بیٹھتا تھا آج کیا ہوا (کہ سب مسلمان ان سے خوش ہیں اور ہم سے بدستور ناراض ہیں) اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت کریمہ **أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ** وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ، نازل فرمائی (کیا انہیں معلوم نہیں کہ بلاشبہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات قبول فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے رحم کرنے والا ہے) اس میں منافقوں کو جواب دے دیا کہ تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ کل تک یہ لوگ ہماری ہی طرح سے تھے آج ان کی شان ہی اور ہے اور ہم سے مختلف ہیں اس میں تعجب اور اعتراض کی کوئی بات نہیں کیونکہ پہلے سے مؤمن تھے اور اپنی بے عذر والی غیر حاضری پر نادم بھی ہوئے اور توبہ بھی کی اور صدقہ بھی دیا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے طالب ہوئے اور تم وہی اپنے نفاق پر جسے ہوئے ہو تمہارے دلوں میں ایمان نہیں اپنے کئے پر ندامت نہیں تو ان کے جیسے کس طرح ہو سکتے ہو۔

پھر فرمایا **وَقُلْ اَعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ**۔ (اور آپ ان سے فرمادیجئے کہ عمل کئے جاؤ، اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی اور مؤمنین بھی دیکھ لیں گے) حضرت مجاہد تابعیؒ نے فرمایا کہ یہ وعید کے طور پر فرمایا ہے دنیا میں جو بھی کوئی شخص کوئی عمل کرے گا اللہ تعالیٰ شانہ کو تو بہر حال اس کا علم ہی ہے وہ ازل سے سب کچھ جانتا ہے اور جب کوئی عمل کسی سے صادر ہوا اس کے وقوع کو بھی جان لیتا ہے۔ نیز لوگوں کے اعمال مخلوق سے بھی پوشیدہ نہیں رہتے۔ جب جیسا کوئی عمل کرے گا اگر رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ہوگا تو آپ بھی اسے جان لیں گے اور مؤمنین کے سامنے جس کا جو عمل سامنے آئے گا وہ بھی اس سے واقف ہو جائیں گے اگر کوئی شخص برا عمل کرے تو بعض مرتبہ دنیا میں بھی اس کی ذلت اور خواری سامنے آجاتی ہے اور اس عمل پر دنیا کے عذاب میں بھی مبتلا کر دیئے جاتے ہیں۔ **وَسُورَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ** (اور عنقریب ایسی ذات پاک کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ظاہر اور پوشیدہ تمام اعمال واقوال اور نیتوں کو جاننے والا ہے۔ وہ بتا دے گا کہ تم لوگ کیا کرتے تھے) اس میں یہ بتا دیا کہ دنیا کے بعد آخرت کی پیشی بھی ہے وہاں محاسبہ اور مواخذہ ہے۔ منافق اپنے نفاق سے باز آجائیں اور مؤمنین جن سے گناہ سرزد ہوئے ہیں وہ بھی آئندہ احتیاط رکھیں اور گناہوں سے پرہیز کریں۔

پھر فرمایا: **وَآخِرُونَ مُرْجُونَ لَآ مَرِ اللَّهُ إِمَّا بَعْدَهُمْ وَإِمَّا تَبُوبُ عَلَيْهِمْ** وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی ہے وہ انہیں عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے) اس آیت میں ان تین صحابیوں کا ذکر ہے بلا عذر و تبرک

میں جانے سے رہ گئے تھے۔ انہیں اس پر ندامت بھی تھی اور سچائی کے ساتھ انہوں نے عرض کروایا تھا کہ ہم واقعی بلا عذر رہ گئے تھے۔ لیکن ان لوگوں کی طرح سے توبہ کے لئے پیش بھی نہ ہوئے جنہوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا تھا۔ یہ تین آدمی تھے۔ کعب بن مالک، بلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے بول چال کرنے اور ان کے ساتھ ملنے جلنے سے صحابہ کو منع فرمادیا تھا۔ جب ان کو یہ تکلیف بہت بھاری پڑی اور زمین ان پر تنگ ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اس کا تفصیلی واقعہ آئندہ رکوع کی آیت و علی الثلاثة الذین خلقوا کی تفسیر میں بیان کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا

اور جن لوگوں نے اس لئے مسجد بنائی کہ ضرر پہنچائیں اور کفر اختیار کئے رہیں اور مؤمنین کے درمیان بھڑکوت ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا انتظام کریں

لِمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلِيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ

جس نے اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی، اور البتہ وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو صرف بھلائی ہی کا ارادہ کیا تھا اور اللہ گواہی

إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۖ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَمَسْجِدُ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ

دیتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ آپ اس مسجد میں بھی کھڑے نہ ہوں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی ان سے تقویٰ پر رکھی گئی ہو وہ اس اہل حق ہے کہ آپ

تَقُمْ فِيهِ ۚ فِيهِ رَجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَّطَهَّرُوا ۖ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ۖ أَفَمَنْ أَسَّسَ

اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ "اپنی عمارت

بُنِيَانَهُ عَلَى تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى شَفَا جُرْفٍ هَارٍ

کی بنیاد اللہ سے ڈرنے اور اللہ کی خوشنودی پر رکھی ہو" وہ بہتر ہے یا وہ کھارے پر رکھی گئی ہو جو گرنے والی ہے پھر وہ

فَأَنْهَارِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۖ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي

اسے لے کر دوزخ کی آگ میں گر پڑے، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ انہوں نے جو عمارت بنائی وہ ہمیشہ ان

بَنُوا بَنِيَّةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَنْقَضَ قُلُوبُهُمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۖ

کے دلوں میں کھلتی رہے گی۔ الا یہ کہ ان کے دل ٹوٹ جائیں۔ اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔

منافقین کی ایک بہت بڑی مکاری اور مسجد ضرار کی بناء

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر (صفحہ ۳۸۷ جلد ۲) میں ان آیات کا شان نزول بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے

تشریف لانے سے پہلے قبیلہ بنو خزرج میں سے ایک شخص (جسے ابو عامر کہا جاتا تھا) زمانہ جاہلیت میں نصرانی بن گیا تھا۔ وہ راہب اور

عبادت گزار تھا۔ اس نے اہل کتاب سے علم بھی حاصل کر لیا تھا۔ قبیلہ بنی خزرج میں اس کی بڑی اہمیت تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت

فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور اسلام کا کلمہ بلند ہو گیا۔ تو اس ملعون کو بہت ہی ناگوار ہوا۔ (جیسا کہ منافقین نے دشمنی کا مظاہرہ کیا)

یہ مدینہ منورہ سے فرار ہو کر مکہ معظمہ پہنچ گئے۔

وہاں اس نے مشرکین کو رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا جس کی وجہ سے وہ لوگ دیگر قبائل کے ساتھ مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کے لئے آگئے اور اس کے نتیجے میں احد کا معرکہ پیش آیا کہتے ہیں کہ اس لعین نے وہاں چند لڑکھے کھود دیئے تھے جس میں سے ایک میں رسول اللہ ﷺ گر پڑے تھے جو آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہونے اور دندان مبارک شہید ہونے کا سبب بنا۔ (جس کا ذکر سورہ آل عمران کی تفسیر میں گزر چکا ہے) (انوار البیان ج ۱) جب اُحد میں مؤمنین، اور کافرین کا مقابلہ شروع ہوا تو ابو عامر اپنی قوم (یعنی انصار) کی طرف بڑھا اور ان کو اپنی مدد کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ ان حضرات نے اسے بہت برا کہا اور اس سے کہا کہ تو اللہ کا دشمن ہے اور اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور اس کا ساتھ نہ دیا۔ تفسیر ابن کثیر اور معالم التنزیل (صفحہ ۳۲۶ جلد ۲) میں لکھا ہے کہ ابو عامر (جو حضرت حنظلہ (غسیل الملائکہ) رحمہ اللہ کا باپ تھا) زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا اور اس نے رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ ٹاٹ کے کپڑے پہنا کرتا تھا۔ جب نبی اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس نے دریافت کیا کہ آپ کون سا دین لے کر آئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں ملت حنیفیہ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی ملت لے کر آیا ہوں۔ ابو عامر نے کہا کہ ہم دونوں میں سے جو بھی جھوٹا ہو اللہ اسے ایسی جگہ موت دے جہاں وہ تنہا ہو، پردہ سی ہو، دور پھینکا ہوا ہو، اس پر آپ نے آمین فرمایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ شخص اپنی بددعا کے مطابق شام میں جا کر مر گیا۔ جہاں کوئی اس کی خبر لینے والا نہ تھا۔ معالم التنزیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابو عامر نے رسول اللہ ﷺ کہا کہ جو لوگ بھی آپ سے جنگ کریں گے میں ان کے ساتھ مل آپ سے لڑوں گا۔ اس کے بعد آپ کے دشمنوں کے ساتھ مل کر برابر آپ کے مقابلہ میں آتا رہا۔ اور غزوہ حنین تک اس نے اس پر عمل کیا۔ جب حنین میں بنی ہوازن کو شکست ہو گئی تو یہ ناامید ہو گیا اور شام کی طرف بھاگ نکلا، وہاں سے اس نے منافقین کو پیغام بھیجا کہ جہاں تک ممکن ہو قوت اور ہتھیار جمع کر لو اور میرے لئے ایک مسجد بناؤ، میں قیصر کے پاس جا رہا ہوں جو روم کا بادشاہ ہے میں رہمیوں کا لشکر لے کر آؤں گا اور محمد (ﷺ) اور آپ کے ساتھیوں کو مدینہ منورہ سے نکال دوں گا۔ اس کا پیغام آنے پر مسجد قباء کے قریب ہی مسجد ضرار بنائی گئی۔ انتہی

چونکہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا غلبہ ہو چکا تھا جس کی وجہ سے منافقین نے ظاہر میں اسلام قبول کر لیا تھا اور کھل کر اسلام کے خلاف کوئی مشورہ نہیں کیا جاسکتا تھا اور نہ کوئی مرکز بنایا جاسکتا تھا اس لئے ان لوگوں نے اسلام ہی کے نام سے اپنا مرکز بنایا۔ یعنی مسجد کے عنوان سے ایک جگہ بنائی جو مسجد قباء کے قریب تھی۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نے مسجد بنائی ہے۔ آپ اس میں نماز ادا فرمائیں اور مقصد ان کا یہ تھا کہ جب آپ اس میں نماز پڑھ لیں گے تو مسلمانوں کو اس کے مسجد ہونے کا یقین ہو جائے گا اور اس طرح کا کوئی شک و شبہ نہ کر سکیں گے کہ یہ مسجد کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ یہ مسجد ہم نے ضعیف اور بیمار لوگوں کے لئے بنائی ہے تاکہ سردی اور بارش کی راتوں میں یہ لوگ قریب ہی نماز پڑھ سکیں، دور جانا نہ پڑے۔ آپ نے فرمایا اس وقت تو ہم سفر میں جا رہے ہیں جب واپس آئیں گے تو انشاء اللہ تمہاری فرمائش پوری کر دی جائے گی۔ آپ تبوک کے سفر میں تشریف لے گئے جب وہاں سے واپس ہوئے تو مدینہ منورہ پہنچنے میں ایک دن یا اس سے بھی کم مسافت باقی تھی کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے خبر دی کہ یہ مسجد، مسجد ضرار ہے جس کا مقصد اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا اور کفر پر ہمار ہنا اور مؤمنین کی جماعت میں تفریق پیدا کرنا ہے کہ جو لوگ مسجد قباء میں نماز پڑھتے ہیں ان کی جماعت کے کچھ لوگ اس مسجد ضرار میں آنے لگیں اور انہیں اپنے ڈھنگ پر ڈالا جاسکے۔

آنحضرت سرور عالم ﷺ ابھی مدینہ منورہ پہنچے تھے کہ راستہ میں ہی آپ نے بعض صحابہ کو بھیج دیا جنہوں نے مسجد ضرار کو آگ لگا دی اور اسے گرا دیا جن حضرات نے یہ کام کیا وہ مالک بن دشتم اور معن بن عدیؓ تھے۔ بعض حضرات نے معن کے بھائی عامر بن عدی کا بھی نام لیا ہے۔ معام التزئیل میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد ضرار کو جلانے کا حکم دے کر یہ بھی حکم دیا تھا کہ اس کو کوڑا ڈالنے کی جگہ بنالیا جائے جس میں مردہ جانور اور بدبودار چیزیں ڈالی جایا کریں۔ حافظ ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسجد ضرار کو بنانے والے بارہ آدمی تھے اور ان لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں، جب ان کا راز کھل گیا تو اپنی عادت کے مطابق وہی جھوٹی قسمیں کھانے لگے اور انہوں نے کہا ان اذ ذلنا الا الحسنی (کہ ہم نے تو صرف خیر ہی کا ارادہ کیا تھا) اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی، اسلام اور مسلمان اور مسجد قبا کو ضررہ دینا اور کفر پر جتنے رہنا اور اہل ایمان میں تفریق ڈالنا اور اس شخص کے لئے سامان فراہم کرنا جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کی۔ یہ ان کے مقاصد ہیں جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کی اس سے ابو عامر مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو حکم فرمایا لَا تَقُومُ فِيهِ اَبَدًا۔ (آپ اس میں کبھی کھڑے بھی نہ ہوں) خطاب تو آپ کو ہے لیکن مسلمان آپ کے تابع تھے اس لئے سب مسلمان اس کے مخاطب ہیں۔ پھر فرمایا لَمَسْجِدَ اُبَسَسَ عَلَى النَّفْوَى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ نَقُومَ فِيهِ (البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر ڈالی گئی وہ اس کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں) اس سے مسجد قبا مراد ہے، جو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچ کر بنائی تھی۔ سفر ہجرت کے بعد جب آپ نے چند دن قبا میں قیام فرمایا انہی دنوں میں یہ مسجد تعمیر فرمائی اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی مسجد ہے آپ سوار ہو کر کبھی پیدل اس مسجد میں شہر مدینہ سے تشریف لایا کرتے تھے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

(اس وقت قبا شہر سے دور تھا راستہ میں جنگل پڑتا تھا آج کل مسلسل قبا تک اور اس کے بعد تک آبادی ہو گئی ہے) آپ نے جب یہ مسجد بنائی تھی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کا کعبہ متعین کر کے بتایا تھا۔ اس مسجد کی یہ بھی فضیلت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں نماز پڑھنا عمرہ کرنے کے برابر ہے۔ (رواہ الترمذی صغیر ۷ جلد ۱)

پھر فرمایا فِيهِ رِجَالٌ يُجِبُّونَ اَنْ يَنْظَهُرُوا ط وَاللّٰهُ يُجِبُّ الْمُطَهِّرِينَ۔ (اس میں ایسے آدمی ہیں جو یہ پسند کرتے ہیں کہ خوب پاکی حاصل کریں اور اللہ بہت پاکی حاصل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) حضرت ابویوب، حضرت جابر، حضرت انس رضی اللہ عنہم نے بیان فرمایا کہ جب آیت شریفہ فِيهِ رِجَالٌ يُجِبُّونَ اَنْ يَنْظَهُرُوا نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اتانصار کی جماعت! شک اللہ نے پاکی اختیار کرنے کے بارے میں تمہاری تعریف فرمائی ہے تو بتاؤ تمہاری کیا پاکیزگی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نماز کے لئے وضو کرتے ہیں اور جنابت ہو جائے تو غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہی بات ہے لہذا تم اس کے پابند رہو۔ (رواہ ابن ماجہ کافی المسکن و سنن ابی داؤد البیضا باب الاستنجاء بالماء)

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت مسند بزار میں بھی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم پہلے پتھروں سے استنجاء کرتے ہیں پھر پانی سے دھوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص صرف پتھروں سے بڑایا چھوٹا استنجاء کرے اور نجاست پھیلی ہوئی نہ ہو (یعنی جتنی مقدار صلاۃ کے لئے معاف ہے اس سے زیادہ نہ ہو) تو صرف پتھروں کے استنجاء کرنے کے بعد اکتفا کر لینا درست ہے۔ عام طور سے اہل عرب پتھروں ہی پر اکتفا کرتے تھے۔ قبا کے نمازیوں نے پتھروں سے استنجاء کرنے کے بعد پانی استعمال کرنے کا طریقہ بھی اختیار کیا جس کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس کے پابند رہو۔ لہذا تمام مسلمانوں کے لئے یہ قانون ہو گیا کہ پتھر ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی سے بھی دھویا کریں۔ اہل قبا کی پاکیزگی کی تعریف فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا وَاللّٰهُ يُجِبُّ

النَّصَاطِرُ مَنْ کہ اللہ خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اس میں یہ بتا دیا کہ جو شخص بھی ناپاکیوں سے بچنے اور ان سے دور رہنے اور ناپاکی لگ جائے تو اس کے دھونے کا اہتمام کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا۔ جب ظاہری ناپاکی سے بچنے پر اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہوتی ہے تو گناہوں سے بچنا تو اور زیادہ محبوبیت کا ذریعہ بنے گا کیونکہ باطنی ناپاکی زیادہ گندی ہے اس پر غور کر لیا جائے۔ اس بات کے پیش نظر حضرت ابو العالیہ ؓ نے فرمایا کہ پانی سے طہارت حاصل کرنا تو بلاشبہ اچھی بات ہے لیکن آیت میں گناہوں سے پاک ہونے والوں کو اللہ کا محبوب بتایا ہے۔ درحقیقت الفاظ کا عموم ہر طرح کی تطہیر کو شامل ہے گناہوں سے پاک ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہے اور ظاہری ناپاکیوں سے پاک ہونا بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

پھر فرمایا اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوٰی (الایۃ) کیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈرنے پر اور اللہ کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھائی کے کنارے پر رکھی ہو جو گرنے ہی کو ہو رہی ہو۔ پھر وہ عمارت اس بنانے والے کو دوزخ کی آگ میں لے کر گر پڑے جس جگہ پانی بہتا ہو وہاں پانی زمین کو کاٹتا رہتا ہے اور جس کنارے سے کاٹتا ہے اس میں اندر کی جگہ کھوکھلی رہ جاتی ہے اور اوپر سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری جگہ کی طرح یہ جگہ بھی مضبوط ہوگی لیکن چونکہ وہ اندر سے خالی ہو چکی ہوتی ہے اس لئے وہ تھوڑی دیر میں گر جاتی ہے اسی کو عَلٰی شَفَا جَوْفِ هَاہُ فرمایا یعنی جن لوگوں نے اغراض باطلہ کفریہ کے لئے مسجد کے نام سے عمارت بنائی اس کے لئے بقائیں نہیں ہے۔ جیسا کہ پانی کی کاٹی ہوئی زمین اندر سے خالی ہونے کی وجہ سے جلدی گر جاتی ہے اور صرف یہی نہیں کہ ان کی یہ عمارت گرنے والی ہے وہ خود بھی گرے گی اور اس کے بنانے والے بھی گریں گے اور ان لوگوں کا گرنے کا دوزخ میں ہوگا۔ کیونکہ اعمال کفریہ دوزخ میں لے جانے والے ہیں۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا انہوں نے مسجد کے نام سے عمارت بنائی اور اس میں اپنی اغراض کفریہ داخل کر دیں۔ مسجد شعارِ دین میں سے ہے انہوں نے اسے کفر کا مرکز بنایا ہدایت قبول کرنے کی بجائے گمراہی سے چپکر ہے۔ پھر فرمایا: لَا يَزَالُ بُنُوْا لَهُمُ الَّذِیْ بُنُوْا بِہٖ فِیْ قُلُوْبِهِمْ کہ انہوں نے جو یہ عمارت بنائی ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی کیونکہ جس غرض سے مسجد بنائی تھی پوری نہ ہوئی پھر وہ منہدم کر دی گئی اور جلادی گئی اور بنانے والوں کی رسوائی بھی ہوئی۔ یہ ان کے دلوں کا کاٹنا ہے جو ہمیشہ چبھتا رہے گا اِلَّا اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ۔ مگر یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ہو جائیں یعنی وہ مرجائیں گے تو یہ دلوں کی کھٹک ختم ہوگی، نہ خود رہیں گے نہ کھٹک رہے گی۔ (البتہ آخرت میں جو عذاب ہوگا وہ اپنی جگہ مستقل ہے۔ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ) اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے)

فائدہ..... جو مسجد تقویٰ کی بنیاد پر بنائی گئی اس سے کون سی مسجد مراد ہے؟ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مسجد قباء مراد ہے۔ لیکن بعض روایات میں ہے کہ اس سے مسجد نبوی مراد ہے۔ صحیح مسلم (صفحہ ۴۴۷ جلد ۱) میں ہے کہ حضرت ابو سعید خدری ؓ نے بیان کیا کہ میں رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ گھر میں تشریف رکھتے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! دونوں مسجدوں میں کون سی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ آپ نے کچھ کنکریاں اپنی مٹھی میں لیں اور ان کو زمین پر مار دیا اور فرمایا کہ مسجد تقویٰ یہ میری مسجد ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لَمْ يَسْجِدْ اُسَمَسْ عَلٰی التَّقْوٰی۔ سے مسجد نبوی مراد ہے محققین نے فرمایا ہے کہ اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں دونوں مسجدیں (مسجد قباء اور مسجد نبوی ﷺ) آنحضرت ﷺ کی بنائی ہوئی ہیں اور دونوں کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ آپ کا یہ فرمانا کہ اس سے میری مسجد مراد ہے۔ اس میں اس کی نفی نہیں ہے کہ مسجد قباء کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔

فائدہ..... اگر کوئی شخص دور حاضر میں تفریق بین المسلمین یا ریاضہ وود کے لئے اور ضد اور عناد کی وجہ سے کوئی مسجد بنادے تو چونکہ اس

کی نیت خیر نہیں اس لئے اسے مسجد بنانے کا ثواب نہ ملے گا۔ بلکہ وہ اپنی بری نیت کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔ لیکن چونکہ یقینی طور پر لوگوں کا حال بندوں کو معلوم نہیں اس لئے اس کو گناہ اور جلا ناجائز نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق مسجد بنانے والے سے معاملہ فرمائے گا اور اس مسجد کے آداب و احکام وہی ہوں گے جو دیگر مساجد کے ہیں۔ اگر کوئی شخص ریا و نمود اور ضد و عناد کے لئے مسجد بنائے تو بہتر ہے کہ اس میں نماز نہ پڑھی جائے تاکہ اسے رسوائی کی سزا مل جائے لیکن اگر کسی نے اس میں نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائیگی۔

فائدہ..... شیطان بہت چالاک ہے وہ اپنے لوگوں کو متعدد طریقوں سے استعمال کرتا ہے۔ دین اور اہل دین کے خلاف کسی کو کھڑا کرتا ہو تو دین سے متعلقہ چیزوں کو ہی سامنے لاتا ہے اور اسی کو ذریعہ بنا کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی تدبیر کرتا ہے۔ منافقین نے جو کفر اور نفاق اور اسلام کے خلاف محاذ آرائی اور جنگی تیاری کے لئے مرکز بنایا اس کا نام انہوں نے مسجد تجویز کر دیا اور سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس میں نماز پڑھنے کی درخواست کی تاکہ اس کے مسجد ہونے میں عامتہ المسلمین کو شبہ نہ رہے اور جیسے خوشی کے ساتھ مسجد قباء میں نماز پڑھتے ہیں اسی طرح ان کی اس مسجد ضرار میں نماز پڑھتے رہیں۔ مقصد یہ تھا کہ اس تدبیر سے ہماری دشمنی پوشیدہ رہے گی اور ہماری نیقوں پر پردہ پڑا رہے گا اور اپنے مقصد میں چپکے چپکے آگے بڑھتے رہیں گے۔ یہود و نصاریٰ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے ایسی تدبیریں کرتے رہتے ہیں اور بہت سے نام نہاد مسلمانوں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر لیتے ہیں اس کی سب سے پہلی کڑی شیعیت کی بنیاد ہے۔ جب یہود کو اسلام کی ترقی بہت زیادہ کھلنے لگی تو انہوں نے اس کی پیش رفت کو روکنے کے لئے اور حضرت سحابہ کرامؓ سے خاص کر شیخین (حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) سے کانٹنے کے لئے ایک شوشہ چھوڑا۔ اور وہ یہ کہ حضرت سیدہ فاطمہؓ کو ان کے والد ماجد کی میراث نہیں دی گئی (ﷺ) چونکہ اس میں حضرت سیدہ فاطمہؓ کی ہمدردی سامنے رکھی گئی اس لئے بہت سے سیدھے سادھے لوگ ان کے جال میں پھنس گئے اور حضرت صدیقؓ کے مخالف ہو گئے کہ انہوں نے میراث نہیں دی۔ جیسے مسجد ضرار والوں نے اپنے مرکز فساد کو مسجد کے نام سے موسوم کیا۔ جو اسلامی شعائر میں سے ہے اسی طرح یہود نے اس موقع پر حضرت سیدہ فاطمہؓ کی مظلومیت کو سامنے رکھ کر شیعیت کا آغاز کیا۔ ہر مسلمان کو آنحضرت سید عالم ﷺ کی آل و اولاد سے قلبی تعلق ہے اس لئے اہل بیت کی ہمدردی اور غم خواری کا دم بھر ناسیدھے سادھے مسلمانوں کو راہ حق سے ہٹانے کے لئے کارگر ہو گیا۔

اس کے بعد شیعیت کے علم برداروں نے یہ نکتہ نکالا کہ حضرت علی مرتضیٰ خلافت کے مستحق تھے انہیں خلافت نہیں دی گئی حضرت علیؓ سے تمام مؤمنین کو محبت ہے اس لئے ان کی ذات کو سامنے رکھ کر یہودیوں نے اپنا کام اور آگے بڑھایا۔ پھر استاد یعنی یہودی خواہ الگ ہو گئے ہوں لیکن جن لوگوں کو گمراہ کر دیا تھا ان کے اتنے زیادہ فرقے بنے کہ ان کا شمار بھی دشوار ہے۔ حتیٰ کہ ایک فرقہ حضرت علیؓ کی الوہیت کا بھی قائل ہو گیا اور پھر طرح طرح کے فتنے اٹھے اور ہر جماعت کے قائد نے اپنے پیش نظر کوئی دینی بات ہی رکھی اور اپنے اوپر ایسا لیل لگایا جس کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکیں (نام دین کا ہوا اور کام کفر کا)۔

دور حاضر میں ایسی بہت سی جماعتیں ہیں جن میں سے ایک جماعت نے اپنا نام اہل قرآن رکھا ہے یہ لوگ اپنے خیال میں قرآن کو اکابر اہل علم سے زیادہ جانتے ہیں حالانکہ عربی کے صیغے بھی نہیں بتا سکتے اور کسی آیت کی ترکیب نحوی سے بھی واقف نہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے خدمت قرآن کا لیل لگا کر سامنے آئے ہیں جس کی وجہ سے احادیث شریفہ کی حجیت کے بھی منکر ہیں اور نمازوں کی فرضیت کے بھی اوضار و ریاتین کو نہیں مانتے ہیں ایسے لوگ ہیں تو کافر لیکن قرآن دانی کا دعویٰ کرتے ہیں اور وہ سادھے مسلمانوں کو (جن کا علماء سے ربط نہیں ہے) قرآن کے نام پر اپنی گمراہی کے جال میں پھانس لیتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کی محبت کا دعویٰ

کر رکھا ہے۔ آپ کی محبت ہر مومن کے دل میں ہے اس لئے حُبِ نبی کا نام سن کر بہت سے لوگ ان کے ہم نوا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں کی جمہوری محبت کا یہ عالم ہے کہ قرآن کو بھی جھٹا دیتے ہیں اور رسول ﷺ کے ارشادات کو بھی نہیں مانتے۔ محبتِ نبی ﷺ کا غبن ان ان لوگوں کا ظاہری لیلیل ہے جس سے عامۃ الناس کو متاثر کرتے ہیں اور اپنے ایجاد کردہ عقائد اور اعمال پر جنم کے لئے قرآن و حدیث کی تصریحات تک کو جھٹا دیتے ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک یہ بات ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ بشر نہیں تھے۔ حالانکہ قرآن کریم میں آپ کو بشر فرمایا ہے آپ نے خود فرمایا کہ میں بشر ہوں لیکن یہ لوگ آیات اور احادیث کو نہیں مانتے اور عجیب بات یہ ہے کہ محبت کے دعویدار بھی ہیں۔ یہ عجیب محبت ہے کہ جس سے محبت ہے اس کے ارشادات سے انحراف ہے۔ اسی طرح کی بہت سی باتیں مستشرقین نے ریسرچ کے نام پر پھیلارکھی ہیں اور ان کیلئے نام نہاد مسلمانوں کو استعمال کرتے ہیں نام تحقیق کا اور کام اسلامیات سے منحرف ہونے کا اور دوسروں کو منحرف کرنے کا۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من جمیع اہل الفتن۔

انگریزوں کو اپنے اقتدار میں یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں مسلمان جہاد کے لئے کھڑے نہ ہو جائیں اس لئے انہیں اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اسلام کی راہ سے جہاد کو منسوخ کرائیں۔ جہاد اسلام کا بہت بڑا عمل ہے۔ اپنے وفادار نام نہاد علماء سے منسوخ کراتے تو کون مانتا اس لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک شخص سے نبوت کا دعویٰ کرایا پھر اس سے جہاد منسوخ ہونے کا اعلان کر دیا وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح مسلمان جہاد کو منسوخ مان لیں گے۔ انہیں یہ پتہ نہ تھا کہ مسلمان انگریزوں کے بنائے ہوئے نبی کو کافر قرار دیدیں گے اور اس کی جھوٹی نبوت کا ماننے سے انکار کر دیں گے، بہر حال انہوں نے اپنا یہ حربہ استعمال کیا یعنی ایک شخص سے نبوت کا اعلان کرا کے جہاد کو منسوخ کرانے کی سعی لامحل کی۔ بہت سے لوگ قبروں کے مجاور بنے ہوئے ہیں شرک و بدعات میں مبتلا ہیں، عوام کو قبروں پر بلاتے ہیں، چڑھاوے چڑواتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کے اس طریقہ کو غیر شرعی بتاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ لوگ اولیائے اللہ کو نہیں مانتے ان لوگوں نے اولیائے اللہ کے ناموں کو جعل سازی اور کسب و دنیا کا ذریعہ بنا رکھا ہے اور اس طرح کے بہت سے نعرے ہیں جو دشمنانِ دین دین کے نام پر لگاتے رہتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہم۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ

بے شک اللہ نے مؤمنین سے اس بات کے عوض ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا کہ ان کے لئے جنت ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں

اللَّهُ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ فَوَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ

لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کروائیے جاتے ہیں اس پر اللہ کا وعدہ ہے جو تورات، انجیل اور قرآن میں ہے، اور اللہ سے زیادہ اپنے بند کو

بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبَشِرُوا ببيعِكُمُ الَّذِي بَايعْتُمْ بِهِ ۖ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١٠﴾

پورا کرنے والا کون ہے۔ سو تم لوگ اپنی اس فتح پر خوش ہو جاؤ جس کا تم نے معاملہ کیا ہے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

التَّائِبُونَ الْعَبِدُونَ الْحُمِدُودُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّجِدُونَ الْآمُرُونَ

لوگ تو - کرنے والے ہیں - عبادت کرنے والے ہیں - حمد کرنے والے ہیں - روزہ رکھنے والے ہیں - رکوغ کرنے والے ہیں - سجدہ کرنے والے ہیں - نیک باتوں کی تعلیم دے



## بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۖ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱﴾

والے ہیں، اور بری باتوں سے روکنے والے ہیں اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور آپ مؤمنین کو خوشخبری سنا دیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جنت کے عوض ان کے جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے

معالم التنزیل (صفحہ ۳۲۹ جلد ۲) اور ابن کثیر (صفحہ ۳۹۱ جلد ۲) میں محمد بن کعب قرظی سے نقل کیا ہے کہ جب حضرات انصار لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے لگے (جو ستر افراد تھے) تو عبداللہ بن رواحہ ؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اپنے رب کے لئے اور اپنے لئے جو چاہیں مشروط فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے لئے اس بات کو مشروط کرتا ہوں کہ اسکی عبادت کرو گے اور کسی چیز کو اس کا شریک نہیں بناؤ گے اور اپنے لئے یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم میری اسی طرح حفاظت کرو گے جیسی اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم ان شرطوں کو پورا کریں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ تمہیں جنت ملے گی۔ کہنے لگے کہ یہ تو نفع کا سودا ہے ہم اس معاملہ کو فسخ نہیں کریں گے اس پر یہ آیت شریفہ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنْكُمُ النَّفْسَ بِالدِّينَارِ ۚ وَكَانَ خَيْرَ مَا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَنْ نُغْنِيَ عَنْكُمْ اللّٰهَ مِنْكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ ذَكِيٌّ میں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ جان اور مال سب کچھ اسی کا ہوا ہے پھر بھی اس نے اس کا نام خریداری رکھ دیا۔ اگر وہ جان و مال خرچ کرنے کا حکم دیتا اور اس کی راہ میں مقتول ہو جانے پر کچھ بھی عطا نہ فرماتا تو اسے اس کا حق تھا۔ لیکن اس نے اپنی راہ میں جان و مال خرچ کرنے پر جنت عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا اور ذرا سی قربانی پر بہت بڑی جنت دینے کا اعلان فرما دیا۔ یہ اعلان سچا ہے اور وعدہ پکا ہے۔ تو ریت، انجیل اور قرآن میں یہ وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کوئی نہیں ہے کیونکہ اس کا وعدہ سچا بھی ہے اور اسے ہر طرح کی قدرت بھی حاصل ہے۔ دنیا والے بعض مرتبہ وعدہ کر لیتے ہیں اور وعدہ سچا بھی ہوتا ہے لیکن قدرت نہ ہونے کی وجہ سے وعدہ پورا کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ وعدہ کے پورا کرنے سے عاجز نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے جو معاملہ ہوا بندے اس پر خوشی منائیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطا فرمایا تھا یعنی جان و مال وہ اس کو اللہ کے لئے خرچ کرتے ہیں اپنا ذاتی کچھ نہیں سمجھتے جو کچھ خرچ کریں گے اس کے عوض انہیں جنت ملے گی، جنت کے سامنے اس معمولی سی قربانی کی کوئی حیثیت نہیں۔ دیا تھوڑا سا اور ملا بے حساب وہ بھی دائم ابدال آباد کے لئے یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا ثامنہم اللہ عز وجل فاعلمی لہم کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے لین دین کا معاملہ کیا اور بہت زیادہ قیمتی چیز عطا فرمائی۔ حسن نے فرمایا کہ اسعوا الی بیعہ ربحہ یعنی نفع والی بیع کی طرف دوڑو جس کا معاملہ اللہ نے ہر مومن سے کیا ہے۔

آیت کریمہ میں فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ فرمایا کہ مؤمنین اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں پھر کافروں کو قتل کرتے ہیں اور مقتول ہو جاتے ہیں۔ دونوں حالتیں مومن کے لئے خیر ہیں اور بعض مجاہدین کو دونوں ہی باتیں نصیب ہو جاتی ہیں اولاً کافروں کا قتل کرتے ہیں پھر خود مقتول ہو جاتے ہیں۔ سورہ نساء میں فرمایا وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ (اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے پھر وہ مقتول ہو جائے یا غالب ہو جائے تو ہم اسے غنیمت عطا کریں گے) مومن کا قاتل ہونے میں بھی فائدہ ہے اور مقتول ہونے میں بھی۔ اگر مال غنیمت مل گیا تو وہ بھی خیر اس سے ثواب باطل نہیں ہوتا۔ جبکہ وہ مقصود نہ ہو۔ مقصود صرف اللہ کی رضا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے گھر سے نکلا اور اس کا یہ

نکلتا (کسی دنیاوی مقصد کے لئے نہیں ہے) صرف اللہ کی رضا مندی کے لئے اور اللہ کے رسولوں ﷺ کی تصدیق کرتے ہوئے نکلا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ضمانت ہے کہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا اس کو ثواب اور غنیمت کے مال کے ساتھ اس کے گھر واپس لوٹا دے گا جہاں سے وہ گیا تھا۔ (رواہ مالک فی الموطا اور کتاب الجہاد) مطلب یہ ہے کہ اگر شہید ہو تو اس شہادت کی وجہ سے مستحق جنت ہو گیا اور اگر زندہ واپس آ گیا تب بھی نقصان میں نہیں۔ آخرت کا ثواب تو کہیں گیا ہی نہیں اور بعض مرتبہ اس ثواب کے ساتھ مال غنیمت بھی مل جاتا ہے (وہو فی صحیح البخاری (صفحہ ۳۹۱ جلد ۱) اتوکل اللہ للمجاہد فی سبیلہ بان یتوفاه ان یدخلہ الجنة او یرجعہ سالما مع اجر و غنیمۃ۔) صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہد فی سبیل اللہ کے لئے ضمانت دی ہے کہ یا تو اسے شہادت دے کر جنت میں داخل کرے گا یا وہ صحیح سالم واپس لوٹے گا تو اجر و غنیمت کے ساتھ)

فائدہ..... جہاد کی فضیلت بتاتے ہوئے جو وَعْظًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ۔ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے لئے بھی جہاد شروع تھا۔ یہ جو مشہور ہے کہ شریعت عیسویہ میں جہاد نہیں تھا یہ ان لوگوں کی تحریف ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اور اس نسبت میں جھوٹے ہیں۔ صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں۔ وفيہ دلیل علی ان اهل الملل كلهم امر و بالجهاد علی ثواب الجنة۔

مؤمنین کی صفات..... اس کے بعد مؤمنین کی صفات بتائیں اور یہ توصفات ہیں۔ (۱)..... الَّذِينَ آمَنُوا (توبہ کرنے والے) (۲)..... الَّذِينَ آمَنُوا (عبادت کرنے والے) (۳)..... الْحَامِدُونَ (حمد بیان کرنے والے) (۴)..... الْمُتَّقُونَ (روزہ رکھنے والے) (۵)..... الَّذِينَ كَانُوا (رکوع کرنے والے) (۶)..... الْمُحْسِنُونَ (سجدہ کرنے والے) (۷)..... الْمُؤْمِنُونَ (بھلائیوں کا حکم دینے والے) (۸)..... وَالْمُتَّقُونَ (اور برائیوں سے روکنے والے) (۹)..... وَالْحَافِظُونَ (اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے)۔ آخر میں فرمایا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ اور ایمان والوں کو بشارت دے دو۔

الصابون کی ترکیب نحوی بتاتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے یعنی الصابون ومن ذکر معهم ہم اهل الجنة ایضا یعنی جس طرح مجاہدین کے لئے جنت کا وعدہ ہے اسی طرح سے دوسرے اہل ایمان کے لئے بھی جنت کا وعدہ ہے جو مذکورہ صفات سے متصف ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جہاد عام احوال میں فرض عین نہیں ہوتا۔ جب فرض عین نہیں ہے تو جو لوگ اس میں مشغول نہ ہوں دوسرے دینی کاموں میں لگے ہوں گے۔ ان کے لئے بھی اللہ کی رضا ہے اور جنت ہے۔ اس جنت کی خوشخبری دینے کے لئے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ اسے جنت میں داخل فرمائے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے یا اپنی اسی زمین میں بیٹھا رہے جس میں پیدا ہوا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ سنا دیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں سو درجے ہیں جنہیں اللہ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے تیار فرمائے ہیں۔ ہر درجہ جوں کے درمیان اتنا بڑا فاصلہ ہے۔ جتنا آسمان وزمین کے درمیان ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا افضل و اعلیٰ حصہ ہے اور اس کے اوپر رحمن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں جاری ہیں۔ (صحیح بخاری صفحہ ۳۹۱ جلد ۱)

مطلب یہ ہے کہ جنت تو اپنے وطن میں بیٹھ کر اعمال صالحہ کرنے سے بھی ملے گی لیکن مجاہدین کے لئے جو اللہ تعالیٰ نے سو درجہ جات تیار

فرماتے ہیں اس کی بھی طلب دینی چاہیے اور جہاں میں شریک ہونے کے مواقع نکالنے چاہئیں۔

فائدہ..... مؤمنین کی صفات بتاتے ہوئے جو السَّابِحُونَ فرمایا ہے اس کا معنی ایک تو وہی ہے جو اوپر ترجمہ میں بیان کیا گیا یعنی روزے رکھنے والے۔ یہ معنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ اس سے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے مراد ہیں کیونکہ یہ ساح سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے سیاحت کرنا یعنی سفر کرنا اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس سے طلبۃ العلم مراد ہیں جو دینی علوم حاصل کرنے کے لئے وطن چھوڑتے ہیں اور سفر میں جاتے ہیں۔

حدود اللہ کی حفاظت کا اہتمام کیا جائے..... مؤمنین کے اوصاف میں وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ بھی فرمایا ہے یہ بہت بری صفت ہے اس میں اہل ایمان کی بہت بڑی ذمہ داری بیان فرمائی اور وہ یہ ہے کہ عمل کرنے میں اور دوسروں سے عمل کرانے میں اللہ کی مقرر کردہ حدود کی رعایت کریں ان حدود سے تجاوز نہ کریں۔ نہ حلال کو حرام قرار دیں اور نہ حرام کو حلال بتائیں، نہ بدعتیں نکالیں نہ مستحبات کے ساتھ فرائض اور واجبات جیسا معاملہ کریں اور نہ فرائض واجبات کو چھوڑ کر بیٹھ جائیں۔ اسی کو سورۃ بقرہ میں فرمایا تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔ (یہ اللہ کی حدود ہیں سو تم ان سے آگے نہ بڑھو، اور جو شخص اللہ کی حدود سے آگے بڑھ جائے تو ایسے لوگ ظلم کرنے والے ہیں) تمام اعمال میں حدود اللہ کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

فائدہ..... آیت کریمہ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ (الآبۃ) کے ساتھ سورۃ بقرہ کی آیت وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ کی تفسیر کی بھی مراجعت کر لی جائے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

نبی کو اور دوسرے مسلمانوں کو یہ جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں۔ اس بات کے ظاہر لَٰهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ وَمَا كَانَ اسْتَغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِابْنِهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ ۖ

ہو جانے کے بعد یہ لوگ دوزخی ہیں اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا صرف اس لئے تھا کہ انہوں نے اپنے باپ سے ایک وعدہ کر لیا تھا۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ۝

پھر جب ابراہیم پر یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے تیزار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم بڑے رحم دل برداشت کرنے والے تھے۔

### مشرکین کے لئے استغفار کرنے کی ممانعت

صحیح بخاری (صفحہ ۱۸۱ جلد ۱) اور (صفحہ ۶۷۷ جلد ۲) میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ کے چچا ابو طالب کی موت کا وقت آیا تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے وہاں ابو جہل اور عبداللہ ابن ابی امیہ تھے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ اے چچا! لا الہ الا اللہ کہہ لو میں اس کو (تمہاری سفارش کے لئے) اللہ کے حضور میں پیش کر دوں گا۔ آپ برابر یہ بات فرماتے رہے لیکن وہ دونوں شخص جو جو بدعتیں اپنی ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ ابو طالب سے کہتے رہے، کیا تم بعد اطلب کے دین سے ہٹ رہے ہو یا نا؟ ابو طالب نے یہ کہہ دیا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ (پھر اسی پر ابو طالب کی موت آ گئی) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری بخشش کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے منع نہ کیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہ

نے آیت کریمہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا آخِرَتُكَ نَازِلَ فَرَمَائِي۔

سنن الترمذی ابواب التفسیر (سورۃ القصص) میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے فرمایا کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَبَرُوه، میں قیامت کے دن تمہارے لئے گواہی دوں گا تو اس پر ابوطالب نے کہا کہ اگر قریش مجھے یہ عار نہ دلاتے کہ گھبراہٹ میں اس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا اقرار کر لیا تو میں اسے پڑھ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ (بالآخر انہوں نے کلمہ نہ پڑھا اور شرک پر ہی ان کی موت ہو گئی) چونکہ رسول اللہ ﷺ کے قلب میں ان کے ایمان لانے کا بہت بڑا داعیہ تھا (اس لئے) اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ اِنْ لَمْ يَنْتَهِدِي مَنْ احْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَنْهَدِي مَنْ يَشَاءُ (سورۃ قصص ۲۸)۔ نازل فرمائی۔ (آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور ہدایت والوں کو خوب جانتا ہے) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے اپنی والدہ کے لئے استغفار کرنے کی اجازت مانگی تو مجھے تو اجازت نہیں دی گئی اور میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو اجازت فرمادی۔ سو تم قبروں کی زیارت کرو۔ وہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۱۵۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لئے استغفار کرنا پھر اس سے بیزار ہونا..... مشرکین کے لئے استغفار کرنے کی ممانعت بیان فرمانے کے بعد فرمایا وَمَا كَانَ اسْتَغْفَارُ اِبْرَاهِيمَ لَا بِيْهِ (الافیہ) (اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا صرف اس لئے تھا کہ انہوں نے اپنے باپ سے ایک وعدہ کر لیا تھا) حضرت ابراہیم نے اپنے والد کو ایمان کی دعوت دی، تو حید کی طرف لایا۔ بت پرستی چھوڑنے کے لئے کہا اس نے نہ مانا۔ بلکہ حضرت ابراہیمؑ کو جھکی دی کہ اگر تو اپنی بات سے باز نہیں آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ طَانَهُ كَانَ بَنِيْ خَفِيْطًا (سورۃ مریم ۴۳) (اب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی درخواست کروں گا بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے) اس وعدہ کے مطابق انہوں نے اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا۔ جیسا کہ سورۃ شعراء میں مذکور ہے۔ وَاسْتَغْفِرْ لَابْنِيْ طَانَهُ كَانَ مِنَ الصَّالِحِيْنَ (اور میرے باپ کو بخش دیجئے، بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا) سورۃ توبہ کی مذکور بالا آیت میں اسی کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے وعدہ کے مطابق اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ اَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّاهُ کہ جب ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس کی طرف سے بیزار ہو گئے۔ صاحب روح المعانی حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر واضح ہو گیا کہ ان کے باپ کی موت کفر پر ہو چکی ہے۔ لہذا انہوں نے بیزارگی کا اظہار کر دیا اور استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ اِغْرَبِيْنِ لَهُ كَامَطْلَبٍ يٰ لِيَا جَاءَ جَوْحُ حضرت ابن عباسؓ نے نقل کیا ہے تو سورۃ شعراء میں جَوْكَانَ مِنَ الصَّالِحِيْنَ ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میرے باپ کو بخش دیجئے جو گمراہوں میں سے ہے مکان اپنے معروف معنی میں نہ ہوگا اور چونکہ کافر کی مغفرت نہیں ہو سکتی اس لئے دعائے مغفرت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اسے ایمان کی توفیق دے اور اس کو بخش دے۔ اس صورت میں یوں کہا جائے گا کہ یہ دعا باپ کی موت سے پہلے کی تھی۔ بعض حضرات نے فَلَمَّا تَبَيَّنَ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ پر یہ واضح ہو گیا کہ میرا باپ اللہ کی دشمنی پر اور اللہ پر ایمان نہ لانے کا موت آنے تک برابر مصر رہے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اس بات کی وحی آگئی تو انہوں نے بیزارگی اختیار کر لی۔ (کما ذکر فی الروح) اس صورت میں سورۃ شعراء میں جَوَانَهُ كَانَ مِنَ الصَّالِحِيْنَ ہے اس کا معنی یہ لیا جائیگا کہ جب اپنا وطن چھوڑ کر چلا آئے اس وقت میرا باپ گمراہوں میں سے تھا اب مجھے اس کا حال معلوم نہیں۔ ایمان کی توفیق دے کر اسے بخش دیا جائے۔ پھر جب وحی کے ذریعہ یہ معلوم ہو گیا کہ وہ کفر ہی پر مرے گا تو استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ بہر حال اب کسی کافر کے لئے مغفرت کی دعا جائز نہیں ہے۔ سورۃ ممتحنہ میں جَوْ اِلَّا قَوْلُ اِبْرَاهِيْمَ لَا بِيْهِ لَا سْتَغْفِرُ لَكَ

فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیمؑ اور ان کے ساتھی جو توحید اور اعمال صالحہ میں ان کے شریک حال تھے ان میں تمہارے لئے اسوۂ حسنہ ہے سوائے اس بات کے جو ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے استغفار کرنے کا وعدہ کیا۔ اس بات میں ان کا اسوۂ نہیں ہے۔

آخر میں فرمایا اِنَّ اِبْرٰهٖمَ لَا وَاٰهَ خَلِيْمٌ۔ کہ بلاشبہ ابراہیمؑ بڑے رحم دل تھے، بردبار تھے، ان کے باپ نے بڑی سخت باتیں کہیں انہوں نے حلم سے کام لیا اور شفقت کی وجہ سے استغفار کا وعدہ فرمایا۔ جب تک استغفار کے نفع کی امید تھی اس کے لئے استغفار کیا پھر جب یہ واضح ہو گیا کہ استغفار کرنا اس کے لئے فائدہ مند نہیں ہو سکتا تو استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ مضمون بالا سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ کسی کافر اور مشرک کے لئے استغفار کرنا جائز نہیں ہے کسی کافر کے ساتھ کیسا ہی تعلق ہو خواہ اپنا رشتہ دار ہو اور خواہ کیسا ہی محسن ہو اس کے لئے استغفار کرنا حرام ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرمادیا کہ کافر اور مشرک کی کبھی بخشش نہ ہوگی تو اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنا یوں بھی بے سود ہے۔ ابوطالب رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے۔ بہت بڑے ہمدرد بھی تھے انہوں نے آپ کی بہت مدد کی۔ دشمنوں سے آپ کو محفوظ رکھنے میں ظاہری اسباب کے اعتبار سے ان کا بڑا کردار ہے۔ جب ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگنے کی ممانعت فرمادی گئی تو آگے اور کسی کے لئے اس کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے؟ اگر کسی کے والدین یا دونوں میں ایک کافر یا مشرک ہو تو مغفرت کی دعا کرنا ممنوع ہے۔ بہت سے فرقے ایسے ہیں جو اسلام کے دعویدار ہیں لیکن اپنے عقائد باطلہ کی وجہ سے اسلام سے خارج ہیں وہ مر جاتے ہیں تو یہ جانتے ہوئے کہ اس کا عقیدہ کفریہ تھا۔ بعض لیڈر اور رؤسا، وزراء، ایسے شخص کی نماز جنازہ میں حاضر ہو جاتے ہیں بلکہ نماز پڑھا دیتے ہیں اور اسے رواداری کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں اس میں اول تو قرآنی ممانعت کی واضح خلاف ورزی ہے دوسرے حاضرین کو اور جس فرقہ کا یہ شخص تھا اس فرقہ کو اس دھوکے میں ڈالتے ہیں کہ کفریہ عقیدہ والے کی بھی مغفرت ہو سکتی ہے۔ (العیاذ باللہ) قرآن کے خلاف کیسی جسارت ہے؟ بہت سے لیڈر اور صحابی کفریہ عقیدہ والوں کو موت کے بعد مرحوم لکھ دیتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو گئی یا اس پر رحمت ہو جائے۔ یہ رواداری شریعت اسلامیہ کے سراسر خلاف ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًاۙ بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ حَتّٰی يَبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُوْنَۙ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌۭ

اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے جب تک کہ ان چیزوں کو واضح طور پر بیان نہ فرمادے جن سے وہ بچتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِۙ وَيُبَيِّنُۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّۙ وَلَا نَصِيْرٍۭ

بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے بے شک اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا، وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی یا اور مددگار نہیں۔

کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ گمراہ نہیں کرتا

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس میں مسلمانوں کو تسلی دی ہے جنہوں نے ممانعت نازل ہونے سے پہلے مشرکین کے لئے استغفار کیا تھا۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مہربان ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ اہل ایمان کی مذمت اور مؤاخذہ فرمائے کہ تم نے مشرکین کے لئے استغفار کیوں کیا جب کہ یہ استغفار کرنا ممانعت نازل فرمانے سے پہلے تھا جن لوگوں نے استغفار کیا اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل کو گمراہی قرار نہیں دے گا۔ ہاں جب بات واضح طور پر بیان کر دی گئی تو اس کی خلاف ورزی باعث مذمت اور سبب مؤاخذہ ہو گیا۔ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے وہ جانتا ہے کہ کس نے ممانعت نازل ہونے سے پہلے کوئی عمل کیا اور کس نے

ممانعت نازل ہونے کے بعد خلاف ورزی کی۔

جن کاموں پر گرفت ہو سکتی ہے وہ کام وہی ہیں جن کی پہلے اللہ جل شانہ کی طرف سے واضح طور پر ممانعت کر دی جاتی ہے اس کو سختی یَبَيِّنُ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ میں بیان فرمایا ہے۔ ممانعت کے بعد جب بندے خلاف ورزی کرتے ہیں تو مذمت اور مواخذہ کے مستحق ہو جاتے ہیں پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (الایۃ) (بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ملک ہے آسمانوں کا اور زمین کا وہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور اس کے علاوہ تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں صفحہ ۳۹۶ جلد ۲ ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ آخر میں یہ جو فرمایا کہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی یا مددگار نہیں۔ اس میں اہل ایمان کو ترغیب ہے کہ مشرکین اور رؤساء کفر سے قتال کرو اور اللہ کی مدد کا یقین رکھو اسی پر بھروسہ کرو اور اس کے دشمنوں سے نہ ڈرو۔ اللہ تمہارا ولی اور مددگار ہے۔

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعَصْرَةِ مِنْ بَعْدِ

بإشارة اللہ نے نبی پر اور مہاجرین پر اور انصار پر مہربانی فرمائی جنہوں نے اس کے بعد جنگی کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا جبکہ ان میں سے ایک

مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ وَ عَلَى الثَّلَاثَةِ

گروہ کے دلوں میں تزلزل ہو چلا تھا، پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی۔ بإشارة اللہ ان پر مہربان ہے رحم فرمانے والا ہے اور اللہ نے ان تین شخصوں کے حال پر

الَّذِينَ خَفَوْا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَّتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ

بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین اپنی فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور وہ خود اپنی جانوں سے تنگ آ گئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ

وَضُطُّوا ۖ أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ۖ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

اللہ سے بچ کر کہیں پناہ نہیں مل سکتی سوائے اس کے کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی تاکہ وہ رجوع کریں بے شک اللہ غریب تو جہل فرمانے والا ہے، اور رحم کرنے والا ہے

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار پر مہربانی فرمائی جب کہ انہوں نے

مصیبت کی گھڑی میں نبی اکرم ﷺ کا ساتھ دیا

تاب یعوب کا اصل معنی رجوع کرنے کا ہے بندہ اللہ کی طرف گناہ کے بعد رجوع کرتا ہے اس لئے اسے تاب اور تواب کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربانی کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔ مہربانی فرماتا ہے اسی لئے لفظ تواب اللہ تعالیٰ کی صفات میں بھی آتا ہے اللہ تعالیٰ کا فضل فرمانا، توبہ کی توفیق دینا، توبہ کو قبول فرمانا۔ معاملہ میں آسانی فرمادینا، تاب اللہ علیہ اس سب کو شامل ہے۔ قال صاحب القاموس تاب اللہ علیہ وفقہ للتوبة ورجع به من التشديد الى التخفيف اور جمع علیہ بفضله و قبوله وهو تواب علی عبادہ۔ (صاحب قاموس کہتے ہیں تاب اللہ علیہ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے توبہ کی توفیق دی اور اس سے سختی کو ہٹا کر آسانی کر دی یا اپنے فضل و قبولیت کے ساتھ اس پر توجہ فرمائی اور وہ اپنے بندوں کے لئے تواب ہے)۔ لفظ تاب کا جو ترجمہ اوپر کیا گیا ہے اس میں اس مفہوم کو سامنے رکھا گیا ہے۔ لہذا اب یہ اشکال نہ رہا کہ رسول اللہ ﷺ سے اور ان مہاجرین و انصار سے کون سا گناہ ہوا تھا جنہوں نے غزوہ تبوک میں شرکت کی اور گناہ کی وجہ سے توبہ کی اور وہ توبہ قبول ہوئی۔ تاب کے مفہوم میں فضل فرمانا ہے۔ معاملہ میں آسانی دینا، توبہ کی توفیق

فرمایا یہ سب کچھ آتا ہے اس لئے تاب کا ایک عام ترجمہ کر دیا گیا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصارؓ کی جو تعریف فرمائی (کہ ان لوگوں نے سختی کی گھڑی میں نبی اکرم ﷺ کا اتباع کیا) یہ کنسی سختی تھی اور کیا مصیبت تھی اس کے بارے میں تفسیر وحدیث اور سیرت کی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے اس میں سے ایک بات حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، انہوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ سختی کی وہ کیا گھڑی تھی جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تبوک کی طرف روانہ ہوئے سخت گرمی کا زمانہ تھا ایک منزل پر اتارے تو ہمیں سخت پیاس لگی۔ پیاس کی شدت کا یہ عالم تھا کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہماری گردنیں کٹ کر گر پڑیں گی۔ اگر کوئی شخص قضائے حاجت کے لئے بھی جاتا تھا تو واپس آنے میں پیاس کی شدت کی وجہ سے یہ سمجھ لیتا تھا کہ میری گردن کٹ کر گر جانے والی ہے۔ پیاس کی شدت کی وجہ سے بعض اشخاص نے یہاں تک کیا کہ اونٹ کو ذبح کر کے اس کی اوجھڑی کو نچھوڑ کر پیا اور ترائی حاصل کرنے کے لئے اسے اپنے پیٹ پر رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعا کرنے کا عمل عطا فرمایا ہے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ آپ نے مبارک ہاتھ اٹھائے اور دعا کی۔ ابھی ہاتھ نیچے نہیں کئے تھے کہ بارش ہونی شروع ہو گئی اور خوب بارش ہوئی۔ جس سے حاضرین نے اپنے سارے برتن بھر لئے۔ پھر ہم نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ بارش کہاں تک ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ لشکر کے حدود سے آگے نہیں بڑھی۔ (ذکرہ

الہیسمی فی مجمع الزوائد صفحہ ۹۴ جلد ۶ وقال رواہ البزار والطبرانی فی الاوسط ورجال البزار نقات)

معالم التنزیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ غزوہ تبوک میں جو حضرات شرکت کرنے کیلئے گئے تھے ان کے پاس سواریاں بھی بہت کم تھیں ایک اونٹ پر دس افراد نمبر وار سوار ہوتے تھے اور ان کے پاس تو شہ یعنی سفر کا جو سامان تھا وہ ایسی کھجوریں تھیں جن میں چھوٹے چھوٹے کیڑے تھے جو پرانی کھجوروں میں پڑ جاتے ہیں اور کچھ ہوئے تھے جن میں بدبو ہو گئی تھی جو تھوڑی بہت کھجوریں تھیں وہ بھی ختم ہو گئیں تو کھجور کی گھٹلی کو چوس کر اس کے اوپر سے پانی پی لیتے تھے۔ سات سو کیلو میٹر کا ایک طرف سفر سخت گرمی اور سفر کی تکلیف کا یہ عالم نہیں حالات میں حضرات صحابہ کرامؓ نے غزوہ تبوک میں شرکت کی۔ تمام مخلصین صحابہ حکم سننے ہی تیار ہو گئے البتہ بعض لوگوں کو جو تھوڑا سا تردد ہوا بعد میں وہ بھی ساتھ ہو گئے۔

حضرات صحابہ کرامؓ کی جائیداد اور فداکاری کو دیکھئے جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور روافض کو دیکھئے جو انہیں کافر کہتے ہیں۔ ہذا ہم اللہ تعالیٰ۔

### تین حضرات کا مفصل واقعہ جو غزوہ تبوک میں جانے سے رہ گئے تھے

اس کے بعد ان تین حضرات کی توبہ قبول فرمانے کا خصوصی تذکرہ فرمایا جو مخلص بھی تھے اور غزوہ تبوک میں ساتھ نہ گئے تھے انہوں نے بالکل سچ بولا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالی میں صاف صاف عرض کر دیا کہ ہم بغیر عذر کے رہ گئے تھے۔ یہ حضرات کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع تھے۔ آیت کریمہ وَاصْخَرُواْ مُوْجُوْاْ لَاْمُرِ اللّٰہِ میں اجمالی طور پر ان کا ذکر ہو چکا ہے یہاں دوبارہ ان کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اللہ نے ان تین شخصوں پر بھی اپنی مہربانی سے توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا ان تینوں حضرات کو زمین تک معلوم ہونے لگی اور اپنے نفوس میں بھی تنگی محسوس کرنے لگے یعنی ان کا جینا زیادہ دشوار اور دو بھر ہو گیا۔ اولیٰ تو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی اور اوپر سے مقاطعہ کا حکم کہ کوئی ان سے نہ بولے یہ سب باتیں مل کر بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے تھے جس کا واقعہ تفصیل سے حضرت کعب بن مالکؓ کی زبانی امام بخاریؒ نے کتاب المغازی (صفحہ ۶۳۳ جلد ۶) میں یوں بیان کیا ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ سے فارغ ہو کر واپس تشریف لانے لگے تو مجھے بہت زیادہ فکر لاحق ہو گئی میں سوچتا رہا کہ میں آپ کی ناگواری سے کیسے نکلوں گا اس بارے میں یہ بھی خیال آتا تھا کہ جھوٹے عذر پیش کر دوں اور اپنے گھروالوں سے بھی اس بارے میں مشورہ کرتا تھا جب آپ بالکل ہی مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے تو جھوٹ بولنے کا جو خیال آیا تھا وہ بالکل ختم ہو گیا اور میں نے یہ طے کر لیا کہ سچ ہی بولوں گا اور سچ ہی کے ذریعہ سے آپ کی ناراضگی سے نکل سکتا ہوں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے ہی آئے۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب سفر سے تشریف لاتے تھے تو اول مسجد میں جاتے تھے وہاں دو رکعتیں پڑھ کر تشریف فرما ہو جاتے تھے۔ جب آپ اپنے اس عمل سے فارغ ہو گئے تو وہ لوگ آگئے جو غزوہ تبوک میں شریک ہونے سے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ لوگ حاضر خدمت ہوئے اور اپنے اپنے عذر پیش کرتے تھے اور قسمیں کھاتے رہے۔ یہ لوگ تعداد میں اتنی سے کچھ اوپر تھے۔ آپ ظاہری طور پر ان کے عذر قبول فرماتے رہے۔ ان کو بیعت بھی فرمایا اور ان کے لئے استغفار بھی کیا اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد فرمادیا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں بھی حاضر خدمت ہوا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپ مسکرائے جیسے کوئی غصہ والا شخص مسکراتا ہو پھر فرمایا آ جا، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا تمہیں کس چیز نے پیچھے ڈالا (غزوہ تبوک میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟) کیا تم نے سواری نہیں خرید لی تھی۔ میں نے عرض کی واقعی میں نے سواری خرید لی تھی۔ اللہ کی قسم اگر اصحاب دنیا میں سے کسی کے پاس بیٹھتا تو میں اس کی ناراضگی سے عذر پیش کر کے نکل سکتا تھا میں بات چیت کرنے کا ڈھنگ جانتا ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں اور اس پر قسم کھاتا ہوں کہ اگر آج میں آپ کے سامنے جھوٹی بات پیش کر کے آپ کو راضی کر لوں تو عنقریب ہی اللہ تعالیٰ (صحیح بات بیان فرما کر) آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر میں سچی بات بیان کروں تو آپ غصہ تو ہوں گے لیکن میں اس میں اللہ سے معافی کی امید رکھتا ہوں۔ اللہ کی قسم مجھے کوئی عذر نہ تھا اور جتنا قوی اور غنی میں اس موقع پر تھا جبکہ آپ سے پیچھے رہ گیا ایسی قوت والا اور مال والا میں کبھی بھی نہیں ہوا۔ میری بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس شخص نے سچ کہا پھر فرمایا کھڑے ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ تمہارے بارے میں فیصلہ فرمائے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے اٹھا اور قبیلہ بنی سلہ کے لوگ میرے ساتھ ہو لئے انہوں نے کہا اللہ کی قسم جہاں تک ہمارا علم ہے اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ کیا تم یہ نہ کر سکے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسی طرح عذر پیش کر دیتے جیسے دوسرے لوگوں نے اپنے عذر پیش کئے اور پھر رسول ﷺ کا استغفار فرماتا تمہارے لئے کافی ہو جاتا، اللہ کی قسم ان لوگوں نے مجھے اتنی ملامت کی کہ میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ واپس جا کر اپنے بیان کو جھٹلا دوں (اور کوئی عذر پیش کر دوں) پھر میں نے ان لوگوں سے کہا یہ تو بتاؤ میرا شریک حال اور کوئی شخص بھی ہے؟ انہوں نے کہا دو آدمی ہیں انہوں نے بھی اسی طرح اپنا بیان دیا ہے جیسا کہ تم نے بیان دیا اور ان کو وہی جواب دیا گیا جو تم کو دیا گیا، میں نے پوچھا وہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ ہیں۔ ان لوگوں نے میرے سامنے ایسے دو شخصوں کا ذکر کیا جو صالحین میں سے تھے۔ میں نے کہا کہ میں ان دونوں کی اقتداء کرتا ہوں۔ جو ان کا حال ہو گا وہی میرا حال ہو جائے گا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ہم تنیوں سے بات چیت کرنے سے منع فرمادیا۔ لہذا لوگ ہم سے بچ کر رہنے لگے اور یکسر بدل گئے۔ میرا تو یہ حال ہوا کہ زمین بھی مجھے دوسری زمین معلوم ہونے لگی گویا



کہ میں اس زمین میں رہتا ہوں جسے جانتا بھی نہیں۔ رات دن برابر گزر رہے تھے میں مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا لیکن مجھ سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میری حاضری ہوتی تھی۔ آپ نماز کے بعد تشریف فرما ہوتے تو میں سلام عرض کرتا اور اپنے دل میں یہ خیال کرتا تھا کہ سلام کے جواب کے لئے آپ کے ہونٹ ہلاتے ہیں یا نہیں؟ پھر میں آپ کے قریب نماز پڑھتا تھا اور نظر تیرا کر آپ کی طرف دیکھتا تھا۔ جب میں نماز پڑھتا تھا تو آپ میری طرف توجہ فرماتے تھے اور جب میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ اعراض فرما لیتے تھے۔ یہ تو میرا حال تھا لیکن میرے جو دوست ساتھی تھے وہ بالکل بی عاجز ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے اور برابر روتے رہے۔

اس مقاطعہ کے زمانہ میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ میں اپنے چچا زاد بھائی ابو قتادہ کے باغ کی دیوار پر چڑھا جن سے مجھے ہنسبت اور اوگوں کے سب سے زیادہ محبت تھی، میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا اے ابو قتادہ! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور ان کو قسم دلائی وہ پھر خاموش ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور ان کو قسم دلائی تو انہوں نے اتنا کہہ دیا: اللہ ورسولہ اعلّم (اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں) یہ بات سن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں واپس ہو گیا اور دیوار پھاند کر چلا آیا۔

اور دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ میں مدینہ منورہ کے بازار جار ہاتھا کہ شام کے کاشتکاروں میں سے ایک شخص جو غلہ بیچنے کے لئے مدینہ منورہ آیا ہوا تھا لوگوں سے پوچھ رہا تھا کہ کعب بن مالک کون شخص ہے؟ لوگ میری طرف اشارہ کرنے لگے۔ وہ میرے پاس آیا اور غسان کے بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ سختی کا معاملہ کیا ہے اور اللہ نے تمہیں گرا پڑا دی نہیں بنایا۔ لہذا تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری ولداری کریں گے۔ یہ خط پڑھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک اور آزمائش سامنے آگئی۔ میں نے اس خط کو لے کر تنور میں جھونک دیا۔

مقاطعہ کے سلسلہ میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم تینوں کو حکم بھیجا کہ اپنی بیویوں سے علیحدہ رہیں۔ بلال بن امیہ کی بیوی تو حاضر خدمت ہو کر عذر پیش کر کے اجازت لے آئی کہ وہ بہت زیادہ بڑھے ہیں ان کا کوئی خادم نہیں ہے آپ نے خدمت کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی یہ فرمادیا کہ وہ میاں بیوی والا جو خاص تعلق ہے اس کو کام میں نہ لایا جائے۔ میرے خاندان والوں نے مجھے مشورہ دیا کہ تم بھی اجازت طلب کر لو کہ تمہاری بیوی تمہاری خدمت کر دیا کرے میں نے کہا کہ میں جوان آدمی ہوں میں ایسا نہیں کر سکتا۔ جب اس مقاطعہ پر پچاس راتیں گزر گئیں تو نماز فجر کے بعد جبکہ میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور میرا حال وہ ہو چکا تھا جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے کہ اپنی جان سے تنگ آ گیا اور زمین بھی میرے لئے اتنی کشادگی کے باوجود تنگ ہو گئی تو میں نے ایک بلند آواز سنیں جبل سلع پر چڑھ کر کوئی شخص بلند آواز سے پکار رہا تھا کہ اے کعب بن مالک! خوش ہو جاؤ یہ آواز سن کر میں سجدہ میں گر پڑا اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ مصیبت دور ہونے کی کوئی صورت سامنے آئی ہے رسول اللہ ﷺ نے اس بات کا اعلان فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول فرمائی ہے۔ یہ اعلان نماز فجر کے بعد فرمایا تھا اعلان سن کر لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لئے روانہ ہوئے۔ میرے ساتھیوں کی طرف سے بھی خوشخبری دینے والے چلے اور ایک صاحب اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میری طرف چلے۔ لیکن قبیلہ بنی اسلم کے ایک صاحب دوڑ کر ایک پہاڑ پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے پکار کر توبہ کی خوشخبری سنائی۔ اس شخص کی آواز گھوڑے سوار سے پہلے پہنچ گئی۔ جب وہ شخص میرے پاس پہنچا جس کی آواز میں نے سنی تھی تو اسے میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر دے دیئے۔ اس وقت میرے پاس یہی دو کپڑے تھے (اگر

چہ مال بہت تھا) میں نے دونوں کپڑے دے دیئے اور خود دو کپڑے مانگ کر پہن لئے۔

میں رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہوا۔ صحابہ کرام مجھ سے فوج ورفوج ملاقات کرتے تھے اور توبہ قبول ہونے پر مبارک باد دیتے تھے میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہیں آپ کے چاروں طرف حاضرین موجود ہیں۔ میری طرف طلحہ بن عبید اللہ دوڑتے ہوئے آئے یہاں تک کہ مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔ میں ان کے اس عمل کو کبھی نہیں بھولوں گا اس کے علاوہ مہاجرین میں سے کوئی بھی میری طرف اٹھ کر نہیں آیا۔ (وہ اس کی یہ تھی کہ اگر کبھی اٹھتے تو مجلس نبوی ﷺ جو سکون و اطمینان کے ساتھ جمی ہوئی تھی وہ ٹوٹ جاتی، سب کی طرف سے ایک شخص کا کھڑا ہونا کافی ہو گیا)۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اس وقت آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا آپ نے فرمایا کہ تم خوشخبری قبول کرو۔ جب سے تمہاری پیدائش ہوئی ہے تم پر آج سے بہتر کوئی دن نہیں گزرا (اس سے اسلام لانے کا دن مشتقی ہے) (کنانی حاشیہ البخاری عن القسطلانی) رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی خوشی کا موقعہ آتا تھا تو آپ کا چہرہ انور ایسا روشن ہو جاتا تھا جیسے چاند کا نکلا ہے۔ ہم آپ کی خوشی کو اسی سے پہچان لیتے تھے۔ جب میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا تو میں نے عرض کیا یا رسول! میں نے اپنی توبہ میں اس بات کو شامل کر لیا کہ میں اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لئے خرچ کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا کچھ مال رکھ لو تمہارے لئے بہتر ہوگا میں نے کہا اچھا تو میں اپنا وہ حصہ روک لیتا ہوں جو مجھے خیر کے مال غنیمت سے ملا تھا۔

پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ نے مجھے سچ ہی کے ذریعہ نجات دی ہے اور میں نے اپنی توبہ میں اس بات کو بھی شامل کر لیا ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا سچ ہی بولوں گا کہنے کو تو میں نے کہہ دیا لیکن میرے علم میں مسلمانوں میں کوئی ایسا نہیں جو سچ بولنے کے بارے میں مجھ سے زیادہ مبتلا کیا گیا ہو۔ میں آج تک اس پر قائم ہوں، جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سچ بولنے کا عہد کیا اس وقت سے لے کر آج تک کبھی میں نے جان کر جھوٹ نہیں بولا اور اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ باقی زندگی میں بھی میری حفاظت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے توبہ قبول فرمانے کی بشارت دیتے ہوئے (آیت شریفہ لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ سے لے کر وَكُنُوا مَعَ الصَّادِقِينَ تک آیات نازل فرمائیں) حضرت کعب بن لہی نے یہ بھی فرمایا کہ نعت اسلام کے بعد اس سے بڑی کوئی نعمت مجھے حاصل نہیں ہوئی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سچ بات کہہ دی تھی۔ اگر میں جھوٹ کہہ دیتا تو میں بھی ہلاک ہو جاتا جیسے دوسرے لوگ جھوٹے عذر پیش کر کے ہلاک ہو گئے۔

### فوائد ضروریہ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے واقعہ سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں۔

(۱)..... مؤمن بندوں پر لازم ہے کہ ہمیشہ سچ بولیں، سچ ہی بات کہیں، سچ ہی میں نجات ہے اور جھوٹ میں ہلاکت ہے۔ منافقین نے غزوہ تبوک کے موقع پر جھوٹے عذر پیش کر کے دنیا میں اپنی جانیں چھڑھ لیں لیکن آخرت کا عذاب اپنے سر لے لیا اور مخلصین مؤمنین نے سچ بولا اور سچی توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمانے کا اعلان فرمادیا۔ اگر کوئی شخص اپنے اکابر سے اور متعلقین سے جھوٹ بولے چند دن ممکن ہے کہ اس کا جھوٹ چل جائے لیکن پھر اس کی پول کھل ہی جاتی ہے۔ اور ذلت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

(۲)..... امیر المؤمنین اگر مناسب جانے تو بعض افراد کے بارے میں مقاطعہ کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ عامۃ المسلمین کو حکم دے سکتا ہے کہ فلاں شخص سے سلام کلام بند رکھیں۔ جب وہ صحیح راہ پر آجائے تو مقاطعہ ختم کر دیا جائے۔

(۳)..... بعض مرتبہ ابتلاء پر ابتلاء ہو جاتا ہے۔ حضرت کعب بن مالک ؓ رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی میں اور مقاطعہ کی مصیبت میں مبتلا تو تھے اوپر سے شاہ غسان کا یہ خط ملا کہ تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری قدر دانی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان پر استقامت بخشی اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا مندی ہی کو سامنے رکھا اور بادشاہ کے خط کو تنور میں جھونک دیا۔ اگر وہ اس وقت اپنے عزائم میں کچے پڑ جاتے اور شاہ غسان کی طرف چلے جاتے تو اس وقت کی ظاہری مصیبت بظاہر دور ہو جاتی لیکن ایمان کی دولت سے محروم ہو کر آخرت برباد ہو جاتی۔ اس قسم کے ابتلاءات اور امتحانات سامنے آتے رہتے ہیں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرے اور استقامت پر رہے۔

(۴)..... حضرت کعب ؓ، مقاطعہ کے باوجود مسجد میں حاضر ہوتے رہے نمازیں پڑھتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام بھی پیش کرتے رہے۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ چلو آپ روٹھے ہم چھوٹے جیسا کہ ان لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے جن کا تعلق اصلی نہیں ہوتا۔

(۵)..... جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم آ جائے تو اس کے مقابلہ میں کسی عزیز و قریب کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ حضرت قتادہ جو حضرت کعب بن مالک ؓ کے چچا زاد بھائی اور انہیں سب سے زیادہ محبوب تھے جب انہیں سلام کیا تو جواب نہیں دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے سلام کلام کی ممانعت تھی۔

(۶)..... جب آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں تینوں حضرات کی توبہ فرمانے کا ذکر تھا تو حضرات صحابہؓ نے حضرت کعب بن مالک ؓ اور ان کے دونوں ساتھیوں کو جلد بشارت دینے کی کوشش کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینی معاملات میں کسی کو کوئی کامیابی حاصل ہو جائے جس کا اسے علم نہ ہو تو بشارت دینی چاہئے اور اس میں جلدی کرنی چاہئے۔

(۷)..... پھر جب حضرت کعب ؓ توبہ کا اعلان سننے کے بعد اپنے گھر سے نکلے تو حضرات صحابہؓ نے جوق در جوق ان سے ملاقاتیں کیں اور برابر انہیں مبارکبادیاں دیتے رہے یہ مبارک بادی توبہ قبول ہونے پر تھی معلوم ہوا کہ دینی امور میں اگر کسی کو کامیابی ہو جائے تو اسے مبارک باد دینی چاہیے۔

(۸)..... جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت کعب ؓ پہنچے تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہوئے اور دوڑ کر ان سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی اس سے معلوم ہوا کہ زبانی مبارک بادی کے ساتھ عملی طور پر مبارک باد دینا بھی مستحب ہے۔

(۹)..... آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا اور جو کچھ گناہ کیا ہو اس پر سچے دل سے تادم ہونے سے توبہ قبول ہو جاتی ہے (اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تلافی کرنا بھی لازم ہوتا ہے) لیکن توبہ کو اقرب الی القبول بنانے کے لئے مزید کوئی عمل کرنا مستحب ہے۔ اور توبہ قبول ہونے کے بعد بطور شکر کچھ مال خیرات کرنا بھی مستحب ہے۔ صلاۃ التوبہ جو شروع ہے اس میں یہی بات ہے کہ توبہ کی قبولیت جلد ہو جانے اور قبول کرانے کے لئے ندامت کے ساتھ کوئی اور عمل بھی شامل ہو جائے حضرت کعب ؓ نے توبہ قبول ہو جانے کے بعد جو یہ عرض کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بطور صدقہ اپنا مال خرچ کرنے کی نیت کی ہے۔ یہ نیت اگر پہلے سے تھی تو صلاۃ التوبہ کی طرح ایک عمل ہے اور اگر بعد میں نیت کی تھی تو بطور ادائے شکر تھی۔

(۱۰)..... حضرت کعب ؓ نے عرض کیا کہ میری توبہ کا یہ بھی جزو ہے کہ میں اپنا پورا مال بطور صدقہ خرچ کر دوں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سب خرچ نہ کرو کچھ مال روک لو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تو میں اپنا خیر والا حصہ روک لیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پورا مال صدقہ کر کے پریشانی میں نہ پڑ جائے۔ البتہ اگر کسی نے پورا مال صدقہ کرنے کی نذر مان لی (جو زبان سے ہوتی ہے) تو اس کو پورا مال

صدقہ کرنا واجب ہے لیکن اس سے یوں بھی کہا جائے گا کہ اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے بقدر ضرورت کچھ روک لے اور آئندہ جب تیری ملکیت میں کچھ لگ جائے تو جو مال روک لیا تھا اسی جنس کا مال صدقہ کر دینا تاکہ نذر پر پوری طرح عمل ہو جائے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں چونکہ نذر نہیں تھی۔ محض نیت تھی، اس لئے جتنا مال روک لیا تھا اس کے برابر میں صدقہ کرنے کا ذکر حدیث میں نہیں ہے۔

(۱۱)..... جو شخص جس قدر کسی گناہ سے بچنے کا اہتمام کرنے کا عہد کر لیتا ہے اسے عموماً مواقع پیش آتے رہتے ہیں جن میں اس گناہ کے کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اور یہ ایک بڑا امتحان ہوتا ہے۔ حضرت کعبؓ نے چونکہ ہمیشہ سچ بولنے کا عہد کر لیا تھا اس لئے اس بارے میں ان کا بار بار امتحان ہوتا رہتا تھا۔

## يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿۵۹﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور بچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

### اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور بچوں کے ساتھ ہو جانے کا حکم

اوپر کی دو آیتوں میں حضرت کعب بن مالکؓ اور ان کے دونوں ساتھیوں کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ یہ آیت بھی انہی آیات کے ساتھ نازل ہوئی۔ حضرت کعب اور ان کے ساتھیوں نے سچ بولا اور سچ ہی کی وجہ سے نجات ہوئی (جن کا حدیث شریف میں ذکر ہے) اس آیت میں سچائی کی اہمیت اور ضرورت بتانے کے لئے عامۃ المسلمین کو حکم فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو اور بچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اللہ سے ڈرنے کا حکم قرآن مجید میں جگہ جگہ وارد ہوا ہے۔ اس آیت میں تقویٰ حاصل ہونے کا ایک طریقہ بتا دیا اور وہ یہ ہے کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ عربی میں صادق سچے کو کہتے ہیں۔ دین اسلام میں صدق کی بہت بڑی اہمیت اور فضیلت ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی ایمان، اقوال، اور اعمال سب میں ضرورت ہے۔ اسکی ضد کذب یعنی جھوٹ ہے جھوٹ سے دین اسلام کو بہت سخت نفرت ہے اور اس کی شدید ممانعت ہے۔

مؤمن بندہ پر لازم ہے کہ ان وعدوں میں سچا ہو جو وہ مخلوق سے کرتا ہے۔ بندوں کے ساتھ جو رہنا سہنا ہو اس میں سچائی کو سامنے رکھے۔ اگر سچائی پیش نظر نہ رہی تو جھوٹ بولے گا اور دھوکہ دے گا۔ سورہ زمر میں فرمایا وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (اور جو شخص سچ لے کر آیا اور سچ کی تصدیق کی سو یہ لوگ تقویٰ والے ہیں) اس میں سچائی اختیار کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے اور انہیں صفت تقویٰ سے مصحف بتایا ہے۔ سورہ حجرات میں فرمایا اِنَّمَّا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَزَالُوا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (بلاشبہ مؤمن وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں) اس میں یہ بتا دیا کہ ایمان میں سچائی ہونا لازم ہے۔ اگر دین کی کسی بات کو نہ مانا یا عقائد دینیہ کے کسی عقیدہ میں شک کیا تو گو وہ لوگوں کے سامنے بظاہر مسلمان ہونے کی وجہ سے مؤمن سمجھا جائے گا لیکن اللہ کے ہاں مؤمن نہ ہوگا کیونکہ اس کے ایمان میں سچائی نہیں ہے پھر عملی طور پر بھی ایمان کے تقاضوں کو پورا کر کے دکھانا لازم ہے۔ اللہ کی راہ میں مالوں سے، جانوں سے جہاد کریں اور یہ سب کچھ دل کی گہرائیوں سے پوری سچائی کے ساتھ ہو۔ اللہ کی خوشنودی کے لئے نہ جان جانے کی پرواہ ہو نہ مال خرچ ہونے سے نفس میں کوئی خلش اور چھین محسوس ہوتی ہو۔

جو بھی عمل کریں اس میں نیت کی سچائی یعنی صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت ہو۔ بندوں کو معتقد بنانا ان سے تعریف کروانا اعمال صالحہ کے ذریعہ دنیا طلب کرنا اور شہرت کے لئے علم حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔ جیسی عبادت مخلوق کے سامنے کرے جو خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو ایسی ہی عبادت تنہائی میں کرے۔ ایسا نہ کرے کہ لوگوں کے سامنے لمبی نماز اور اچھی نماز پڑھے اور تنہائی میں نماز پڑھے تو جلدی جلدی نمشاوے نہ کرکوع سجدہ ٹھیک ہو نہ تلاوت صحیح ہو نہ خشوع و خضوع ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب بندہ ظاہر میں نماز پڑھتا ہے اور اچھی نماز پڑھتا ہے پھر لوگوں سے علیحدہ ہو کر تنہائی میں نماز پڑھتا ہے۔ تب بھی اچھی نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہذا عبدی حقا۔ کہ سچ کچ یہ میرا بندہ ہے۔ (رواہ ابن ماجہ کانی المستکوا ص ۲۵۵)

حضرت شیخ سعدیؒ نے گلستان میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک صاحب جو بزرگ سمجھے جاتے تھے اپنے ایک لڑکے کے ساتھ بادشاہ کے مہمان ہوئے وہاں انہوں نے نماز لمبی پڑھی اور کھانا کم کھایا، جب واپس گھر آئے تو اہل خانہ سے کھانا طلب کیا۔ لڑکے نے کہا کہ ابا جان نماز بھی دو بارہ پڑھیے، کیونکہ جیسے وہاں کھانا کم کھانا اللہ تعالیٰ کے لئے نہ تھا ایسے ہی آپ کی نماز بھی اللہ کے لئے نہ تھی۔

جب بندہ کہتا ہے کہ اے اللہ! میں بندہ ہوں اور اِنَّكَ تَعْبُدُ وَاِنَّكَ تَسْتَعِينُ کے الفاظ زبان سے ادا کرتا ہے تو اسے ظاہر اور باطن دونوں اللہ ہی کا بندہ بننا لازم ہے۔ زبان سے اللہ کا بندہ ہونے کا دعویٰ اور عملی طور پر دنیا کا بندہ، خواہشوں کا بندہ، دینار اور درہم کا بندہ۔ یہ شان عبدیت کو زیر نہیں دیتا دوائے بندگی میں سچا ہونا لازم ہے۔

جب دعا کرے تو دعا میں بھی سچائی ہونی چاہیے یعنی جب یوں کہے کہ اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں تو پوری طرح متوجہ ہو کر حقیقی سوالی بن کر سوال کرے۔ زبان سے دعا کے الفاظ جاری ہیں لیکن دل غافل ہے اور یہ بھی پتہ نہیں کہ کیا مانگ رہا ہوں؟ یہ سچ اور سچائی کے خلاف ہے۔ جب اللہ سے مغفرت کی دعا مانگے تو سچے دل سے حضور قلب کے ساتھ مغفرت طلب کرے ایسا نہ ہو کہ زبان سے تو یوں کہہ رہا ہے کہ میں مغفرت چاہتا ہوں لیکن دل اور کہیں لگا ہوا ہے۔ یہ صدق اور سچائی کے خلاف ہے اسی لئے حضرت رابعہ بصریہؒ نے فرمایا استغفارا نا یحتاج الی استغفار کثیر۔ کہ ہمارا استغفار کرنا بھی صحیح استغفار نہیں ہے اس کیلئے بھی استغفار کی ضرورت ہے۔ (ذکرہ ابن الجوزی فی الحصن) اگر قسم کھائے تو اللہ کی قسم کھائے اور سچی قسم کھائے آئندہ کسی عمل کے کرنے پر قسم کھائے تو قسم پورا کرے (بشرطیکہ گناہ کرنے کی قسم نہ کھائی ہو) اسی طرح سے اگر کوئی نذر مانے تو وہ بھی پورا کرے (شرط اس میں بھی وہی ہے کہ گناہ کی نذر نہ ہو) جب کسی نیک کام کرنے کا ارادہ اور وعدہ کرے تو سچا کر دکھائے۔ حضرت انسؓ کے چچا انس بن نضر غزوہ بدر میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے۔ اس کا انہیں بہت رنج ہوا کہنے لگے کہ افسوس ہے رسول اللہ ﷺ نے پہلی بار مشرکین سے جنگ کی اور اس میں شریک نہ ہوا۔ اگر اللہ نے مجھے مشرکین سے قتال کرنے کا موقع دیا تو میں جان جو کھوں میں ڈال کر دکھا دوں گا۔ آئندہ سال جب غزوہ اُحد پیش آیا اور اس میں مسلمان شکست کھا گئے تو انہوں نے کہا اے اللہ میں مشرکین کے عمل سے براہت ظاہر کرتا ہوں اور یہ جو مسلمانوں نے شکست کھائی ان کی طرف سے معذرت پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ مجھے اُحد سے ورے جنت کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے اور مشرکین سے بھڑ گئے اور لڑتے لڑتے شبید ہو گئے۔ شہادت کے بعد دیکھا گیا تو ان کے جسم میں تلواروں اور نیزوں کے اسی (۸۰) سے کچھ اوپر زخم تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (مؤمنین میں ایسے افراد ہیں جنہوں نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا) حضرات صحابہؓ سمجھتے تھے کہ یہ آیت حضرت انسؓ بن نضر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (ذکرہ السبوطی فی الدر المنثور ص ۹۱ ج ۵ معزہ الی الترمذی والنسائی والبیہقی فی

الدلائل ... ورواہ البخاری مختصر اص ۷۰۵ ج ۲

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ غزوہٴ اُحد سے فارغ ہوئے تو حضرت مصعب بن عمیرؓ پر آپؐ کا گزر ہوا۔ آپؐ نے ان کو مقتول پڑا دیکھا اور آیت رَجُلًا ضَلَّ قُلُوبًا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ - تلاوت فرمائی۔ (درمنثور ۱۹۱ ج ۱ من الحاکم والبیہقی فی الدلائل)

جو شخص عالم نہ ہو وہ طرز گفتگو سے یہ ظاہر نہ کرے کہ میں عالم ہوں۔ اگر کوئی شخص عالم بھی ہو اور مسئلہ معلوم نہ ہو تو انکل سے مسئلہ نہ بتائے کیونکہ اس میں اس کا دعویٰ ہے کہ میں جانتا ہوں اور یہ دعویٰ جھوٹا ہے پھر انکل سے بتانے میں غلطی ہو جاتی ہے اس میں اپنا بھی نقصان ہے اور سوال کرنے والے کو بھی دھوکہ دینا ہے اور گمراہ کرنا ہے۔

اگر کسی کے پاس مال یا علم و عمل کا کمال نہ ہو تو اپنی حقیقی حالت کے خلاف ظاہر نہ کرے، کیونکہ یہ صدق و سچائی کے خلاف ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ یا رسول! میری ایک سون ہے اگر میں جھوٹ موٹ (اسے جلانے کے لئے) یوں کہہ دوں کہ شوہر نے مجھے یہ یہ کچھ دیا ہے اور حقیقت میں نہ دیا ہو تو کیا اس میں کچھ گناہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا اَلْمُنْشَبِعُ بِمَا لَمْ يَغْطُ كَلَابِسَ ثَوْبِي زُور۔ کہ جس شخص نے جھوٹ یہ ظاہر کیا ہے کہ مجھے یہ چیز دی گئی ہے حالانکہ اسے نہیں دی گئی اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے جھوٹ کے دو کپڑے پہن لئے (یعنی سر سے پاؤں تک وہ جھوٹا ہی جھوٹا ہے) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۱ از بخاری و مسلم) اس حدیث کا مفہوم بہت عام ہے۔ ہر قسم کے جھوٹے دعویداروں کو شامل ہے۔ سچ اور جھوٹ اقوال میں منحصر نہیں، اعمال و احوال اور لباس اور دعاوی اور عزائم ان سب میں سچ اور جھوٹ کی شان پیدا ہو جاتی ہے ہر مؤمن بندہ اپنی نگرانی کرے اور سچ ہی کو اختیار کرے اور ہر طرح کے جھوٹ سے بچے۔ اصلاح بین الناس یا بعض دیگر مواقع میں جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے وہ مستثنیٰ ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی جانوں کی طرف سے مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

۲۔ وعدوں کو پورا کرو

۱۔ جب بولو تو سچ بولو

۳۔ جو امانتیں تمہارے پاس رکھی جائیں انہیں ادا کرو۔ ۴۔ اپنی شرم کی جگہوں کی حفاظت کرو۔

۵۔ اپنی نظروں کو نیچا رکھو۔

۶۔ اپنے ہاتھوں کو (ظلم اور زیادتی سے) بچائے رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

عبداللہ بن عامرؓ کا بیان ہے کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے بلایا اس وقت رسول اللہؐ ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے میری والدہ نے کہا میں تجھے دے رہی ہوں رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تم نے کیا چیز دینے کا ارادہ کیا تھا انہوں نے کہا کہ میں نے کھجور دینے کا ارادہ کیا تھا آپؐ نے فرمایا اگر تو اسے کچھ بھی نہ دیتی تو تیرے اعمال نامہ میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۶) اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کو راضی کرنے کے لئے بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں ان سے جو وعدہ کریں وہ بھی سچا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم سچ کو لازم پکڑو کیونکہ سچ نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور بے شک نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور انسان برابر سچ اختیار کرتا ہے اور سچ ہی پر عمل کرنے کی فکر کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ اور تم جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گناہ گاری کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ گاری دوزخ میں لی جاتی ہے اور انسان جھوٹ کو اختیار کرتا ہے اور جھوٹ ہی کے لئے فکر مند رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تیرے اندر چار خصوصیات ہوں تو ساری دنیا بھی اگر تجھ سے جاتی رہے تو کوئی ذرہ نہیں۔ (۱) امانت کی حفاظت (۲) بات کی سچائی (۳) اخلاق کی خوبی (۴) لقمہ کی پائیزگی۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۴۵)

### صادقین کی مصاحبت

ابھی صدق کی فضیلت اور اہمیت اور اس کے مقابل جو صفت کذب ہے اس کی مذمت اور شاعت و قباحت معلوم ہوئی۔ حضرات مفسرین کرام نے وَكُنْ لَوَاقِعَ الصَّادِقِينَ کا ایک مطلب تو یہی لکھا ہے کہ كُونُوا مِثْلَهُمْ فِي صَدَقِهِمْ جو لوگ صادقین ہیں انہیں کی طرح ہو جاؤ یعنی صدق ہی کو اختیار کرو اور ایمان اعمال و اقوال میں صادقین کی راہ پر چلو۔ اور جس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اس کی مناسبت سے یہی معنی زیادہ اظہر ہے۔ کیونکہ حضرت کعب اور ان کے دونوں ساتھی جو نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کیساتھ جانے سے رہ گئے تھے وہ ان کے ساتھ عمل صدق میں شریک نہ ہوئے تھے لیکن الفاظ کا عموم اس بات کو بھی بتاتا ہے کہ صادقین کی صحبت اختیار کرو۔ صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اچھی صحبت اور بری صحبت دونوں بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں جو اچھوں کی صحبت اٹھائے گا اس میں خوبی پیدا ہوگی اور جو بروں کی صحبت میں رہے گا اس میں برائیاں آتی چلی جائیں گی اور اس کا نفس برائیوں سے مانوس ہو جائے گا اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لَا تَصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَأْكُلُ طَعَامُكَ إِلَّا نَفِيًّا۔ صرف مؤمن کی صحبت اختیار کرو اور تیرا کھانا (یعنی طعام ضیافت) متقی کے سوا کوئی نہ کھائے۔ (رواہ الترمذی) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے سو تم میں سے ہر شخص غور کرے کہ انکی دوستی کس سے ہے۔ (رواہ الترمذی) (اگر اچھے لوگوں سے دوستی ہے تو تو اچھا آدمی ہے اور برے لوگوں سے دوستی ہے تو سمجھ لے کہ تو برا آدمی ہے)

پس ہر شخص کو معاشرت کے لئے اٹھنے بیٹھنے کے لئے مسافرت کے لئے اور مصاحبت کے لئے صادقین کی صحبت اختیار کرنا لازم ہے جیسے ساتھی ہوں گے ویسا ہی خود ہو جائے گا اور یہ ایسی چیز ہے جس کا عموماً مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بچوں کے ساتھ ہونے میں تقویٰ کی صفت سے متصف ہوں گے۔ تقویٰ کا حکم دینے کے بعد بچوں کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے اپنے لئے بھی صادقین کی مصاحبت کا فکر کریں اور اپنی اولاد کے لئے بھی اسی کو سوچیں، صادقین کے ساتھ بھی رہیں ان کی کتابیں بھی پڑھیں۔ کتاب بھی بہترین ساتھی ہے مگر کتاب اچھی ہو۔ اچھائی سکھاتی ہو اور اچھے لوگوں کی لکھی ہوئی ہو۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ

یعنی والے اور ان کے آس پاس کے رہنے والے دیہات کے لوگوں کے لئے یہ زیہ نہیں تھا کہ رسول اللہ کے ساتھ جانے سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ

وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَ

بات کہ وہ رسول اللہ کو چھوڑ کر اپنی جانوں کو لے کر بیٹھ جائیں، یہ اس وجہ سے کہ انہیں جو بھی کوئی پیاس یا جھک یا بھوک اللہ کی

لَا مَخْصَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَلُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوِّ

راہ میں پہنچتی ہے اور وہ کسی جگہ جو قدم رکھتے ہیں جس سے کافروں کو جلن ہوتی ہے اور دشمن سے جو بھی کوئی چیز لے لیتے ہیں تو اس سب کی

ثِيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٠﴾ وَلَا

یہ ہے ان کے لئے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بلاشبہ اللہ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ اور وہ لوگ

يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم لِيَجْزِيَهِمْ

جو بھی کوئی چھوٹا بڑا خرچ کرتے ہیں اور جس کسی میدان کو قطع کرتے ہیں تو یہ ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے تاکہ

اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٥١﴾

اللہ ان کو ان کے عمل کا اچھے سے اچھا بدلہ عطا فرمائے۔

فی سبیل اللہ سفر اور خرچ کرنے پر اجر و ثواب کا وعدہ

رسول اللہ ﷺ اللہ کے پیارے ہیں۔ اللہ کے رسول ہیں۔ غزوات میں خود شریف لے جاتے تھے تمام تکلیفوں میں نفس نفیس شریک ہوتے تھے۔ آپ نے اپنے لئے کوئی آرام کی صورت نکالی ہو اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تکلیف میں چھوڑ دیا ہو ایسا ہرگز کبھی نہیں ہوا آپ ہر تکلیف میں شریک تھے بلکہ اپنے ساتھیوں سے زیادہ محنت کرتے تھے، تکلیف اٹھاتے تھے۔ ان حالات میں کوئی شخص خواہ اہل مدینہ سے ہو خواہ آس پاس کے رہنے والے دیہاتیوں میں ہو کسی کے لئے یہ کہاں روا ہو سکتا تھا کہ آپؐ تو غزوہ میں چلے جائیں اور خود اپنی جان کو عیش آرام اور حفاظت کے ساتھ اپنے گھر میں لئے ہوئے بیٹھا رہے۔ ایمانی محبت کا تقاضا یہی تھا کہ آپؐ کے ساتھ نکل کھڑے ہوں البتہ جو معذور تھے وہ ساتھ نہ جائیں تو یہ دوسری بات ہے جو لوگ غزوہ تبوک میں آپؐ کے ساتھ جانے سے رہ چکے تھے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ انہیں اور تمام صحابہ کو متنبہ فرمادیا کہ اللہ کے نبی کو چھوڑ کر گھروں میں بیٹھے رہ جانا ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے۔ ہاں جسے رسول اللہ ﷺ نے خود ہی اپنی جانب سے مدینہ طیبہ کا امیر بنادیا تاکہ آپؐ کے پیچھے انتظام سنبھالے (یہ محمد بن مسلمہ اور ایک قول کے مطابق سباع بن عریظہ تھے جنہیں رسول ﷺ نے غزوہ تبوک کے موقع پر اپنا خلیفہ بنادیا تھا یا جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال کے لئے اپنے پیچھے چھوڑ دیا تھا) یہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تھے) یا جو حضرات معذوریں تھے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ آیت شریفہ کا سیاق اور طرز بیان اس بات کا متقاضی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جہاد میں جائیں تو کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ آپؐ کے پیچھے رہ جائے اسی لئے بعض علما، نے اس آیت سے استدلال کیا ہے رسول ﷺ کے زمانہ میں جہاد کرنا فرض عین تھا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ حکم اس وقت تھا جب مسلمان کم تھے جب مسلمان تعداد میں زیادہ ہو گئے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ (کمذکرہ فی الروت)

جو تین حضرات مؤمنین فاضلین میں پیچھے رہ گئے تھے ان کا واقعہ تفصیل سے چند صفحات پہلے گزر چکا ہے پیچھے رہ جانے والے مخلصین میں حضرت ابوخیثمہ بھی تھے جب رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر و لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو منافقین بھی برے دل کے ساتھ لگ گئے تھے۔ پھر وہ راستہ سے واپس ہوتے رہے۔ راستہ سے واپس ہونے والوں میں حضرت ابوخیثمہ بھی تھے سخت گرمی اور دھوپ کی وجہ سے یہ بھی راستہ سے واپس آ گئے تھے ان کی دو بیویاں تھیں۔ واپس آئے تو دیکھا کہ بارش میں دو چھپروں کے نیچے ان کی بیویوں نے پانی چمڑک رکھا ہے اور کھانا تیار کر رکھا ہے۔ ابھی دروازہ ہی میں کھڑے تھے کہ اپنی دونوں بیویوں اور انہوں نے جو کچھ تیار کر رکھا تھا اس سب پر نظر پڑی اس کو دیکھ کر کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ تو سخت گرمی میں ہیں اور ابوخیثمہ ٹھنڈے سایہ میں ہے اس کے لئے کھانا حاضر ہے اور اس کی



خوبصورت نبی کے سامنے موجود ہے یہ انصاف کی بات نہیں۔ اللہ کی قسم میں ان میں سے کسی ایک چھپر میں داخل نہ ہوں گا۔ میں روانہ ہوتا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچتا ہوں۔ وہ وہاں بیویوں نے سفر کا سامان تیار کیا انہوں نے اپنا اونٹ لیا اور روانہ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ تب تک میں پہنچ چکے تھے انہوں نے آپ کو وہیں جا کر پایا ابھی یہ دور ہی تھے کہ حاضرین نے کہا کہ کوئی سوار آ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ابوخیثمہ ہے۔ چنانچہ یہ تھوڑی دیر میں پہنچ گئے اور رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اسے ابوخیثمہ! یہ تمہارے لئے بہتر ہے اس کے بعد انہوں نے اپنا قتلہ سنایا اور آپ نے ان کے لئے خیر کی دعا فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے کا ایمانی تقاضا تو تھا ہی اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اجر و ثواب کا بھی وعدہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے: **ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ (الانصاف)** یہ اس وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کو جو بھی پیاس، تھکن اور بھوک اللہ کے راستہ میں پہنچتی ہے اور جہاں بھی قدم رکھتے ہیں جس سے دشمنوں کو تھکن ہوتی ہے اور دشمنوں کو جو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ یہ سب ان کے اعمالِ صالحہ کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

نیز جو بھی کوئی خرچ کرے چھوٹا ہو یا بڑا اور جس میدان کو بھی قطع کریں تو یہ سب لکھا جاتا ہے۔ اور یہ لکھنا صرف لکھنے کے لئے نہیں ہے اللہ تعالیٰ ان سب پر اچھے سے اچھا ثواب، عطا فرمائے گا۔

معلوم ہوا کہ صرف جنگ کرنا اور ہتھیار چلانا ہی جہاد نہیں ہے اس راہ میں جو تکلیفیں آنے جانے میں پیش آئیں بھوک، پیاس، تھکن، قدم اٹھانا خرچ کرنا داریوں کو قطع کرنا ان سب میں ثواب ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کافروں کے دل جلانے کی بھی نیت رکھنی چاہیے۔ ان کے دل جلانے میں ثواب ہے۔ غزوہ تبوک میں تو قتال ہوا ہی نہیں، آنا جانا اور تکلیف اٹھانا ہی تھا۔ اس پر بھی اجر و ثواب کے بڑے بڑے وعدے ہیں۔

فائدہ..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس ہوئے اور مدینہ منورہ سے قریب ہوئے تو فرمایا کہ مدینہ میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو پورے سفر میں تمہارے ساتھی تھے تم جو راستہ چلے اور جس میدان کو بھی تم نے قطع کیا وہ لوگ تمہارے ساتھ رہے۔ (یعنی اجر و ثواب میں وہ بھی تمہارے برابر کے شریک ہیں) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ مدینہ میں ہوتے ہوئے بھی ہمارے ساتھی تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ مدینہ میں ہوتے ہوئے بھی تمہارے ساتھی تھے، وہ عذر کی وجہ سے رک گئے تھے۔ (صحیح بخاری ص ۶۳۷ ج ۲)

اللہ کا بڑا احسان ہے عمل پر بھی ثواب اور نیت کرنے پر بھی ثواب عطا فرماتا ہے۔ جو شخص معذور ہو اور عمل کرنے کی خواہش رکھتا ہو اس کو بھی ثواب سے نواز دیا جاتا ہے۔ **فَالْحَمْدُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ**

**وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ**

اور مؤمنین کو یہ نہ چاہئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں، کیوں نہ نکلی چھوٹی جماعت بڑی جماعت میں

**لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝**

تاکہ وہ اپنی قوم کو ڈرا سکیں۔ اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو ڈرا سکیں۔ جبکہ وہ ان کے پاس واپس آجائیں۔

## جہاد اور تفقہ فی الدین میں مشغول رہنے کی اہمیت اور ضرورت

دین اسلام کامل ہے، مکمل ہے، جامع ہے۔ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اس میں اقتصادیات بھی ہیں اور عبادات بھی، اخلاق بھی ہیں اور آداب بھی، معاشرت کے طریقے بھی ہیں اور معاملات کے احکام بھی، بنیاد شادی بھی ہے اور اولاد کی پرورش بھی، مال کمانے کے جتنے طریقے ہیں ان کے احکام بھی بتائے ہیں۔ کفر کو مٹانے اور اہل کفر کو نچا دکھانے اور اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے جہاد اور قتال بھی مشروع ہے اور یہ بھی دین کا ایک ضروری اور بہت اہم کام ہے۔ جسے حدیث شریف میں چوٹی کا فعل بتلایا ہے (ذروۃ سنامہ الجہاد) لیکن سارے افراد جہاد میں لگ جائیں تو تعلیم و تعلم کا کام کون کرے؟ جس کے ذریعہ علوم و اعمال زندہ رہتے ہیں۔ اور فضائل و مسائل کا پتہ چلتا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں کے احکام معلوم ہوتے ہیں۔

جہاد کی قسمیں..... اس لئے عام حالات میں جہاد فرض میں نہیں ہے فرض عین اسی وقت ہوتا ہے جبکہ دشمن کسی علاقہ پر دھاوا بول دیں۔ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے۔ پس جبکہ جہاد فرض کفایہ ہے اور دین کی دوسری ضروریات بھی ہیں۔ خصوصاً جبکہ علوم اسلامیہ جاننا اور پہنچانا اور پھیلانا بھی لازم ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہر وقت جہاد کے لئے ہر فرد نکل کھڑا ہو۔ اسی کو فرمایا وَمَا تَكُنَّ الْأُمُومُ مِّنْهُ لِيَسْفَرُوا تَكَافُفًا (الآیہ) کہ اہل ایمان کو یہ نہ چاہئے کہ سب ہی نکل کھڑے ہوں ہاں ایسا ہو کہ جہاد میں بھی جاتے رہیں ہر بڑی جماعت میں سے چھوٹی جماعت جایا کرے اور علوم میں مشغول رہنے والے بھی ہوں۔ جہاد میں جانے والے جہاد کو قائم رکھیں جس سے فرض کفایہ ادا ہوتا رہے۔

تفقیہ اور تفقہ کی ضرورت..... جو لوگ جہاد میں نہ نکلیں وہ اپنی دینی سمجھ حاصل کریں، یعنی ایک جماعت علوم دینیہ پڑھانے والوں کی بھی رہے جن کے ساتھ علوم دینیہ حاصل کرنے والے لگ رہیں اور سرسری علوم پر اکتفا نہ کریں۔ بلکہ تفقہ فی الدین حاصل ہونا بھی ضروری ہے۔ علوم کی وسعت بھی حاصل ہوا اور علوم کی گہرائی میں اتریں تاکہ اس قابل ہو جائیں کہ یہ سمجھ سکیں کہ کس آیت اور کس حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے اس کو لَيْسَ فِقْهُهُوَ فِي الدِّينِ سے تعبیر فرمایا جو لوگ جہاد میں نہیں گئے وہ وطن میں رہ کر علم دین حاصل کریں اور جو لوگ جہاد میں گئے وہ بھی واپس آ کر علم حاصل کریں۔ ایسا نہ ہو کہ علم دین سے نا بلدر ہیں۔ اگر جاہل حض رہیں گے تو جہاد سے متعلقہ اعمال شرعیہ کی تعمیل نہ کر سکیں گے۔ جب یہ لوگ جہاد سے واپس آ جائیں تو وہ حضرات جو علم کی تحصیل میں مشغول تھے ان واپس آنے والوں کو اللہ سے ڈرائیں یعنی دینی احکام سکھائیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتے رہیں اسی کو وَلْيَسْتَدْرُوا أَقْوَمُ مِنْهُمْ إِذَا دَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔ جہاد میں جانے والے نوبت بنو بت جایا کریں۔ ایک جماعت جہاد میں چلی گئی (جن کے پاس ضروری علم پہلے سے ہے) اور جب یہ جماعت واپس آ جائے تو یہ علوم دینیہ میں مشغول ہو جائے اور دوسری جماعت چلی جائے۔ جب جہاد ہمیشہ ہی فرض کفایہ ہے اور علوم دینیہ کو زندہ رکھنا بھی ضروری ہے اور مجاہدین کی خانگی حاجات اور ضروریات بھی ہیں تو ایسا کرنا ضروری ہوگا کہ فرض کفایہ کو قائم رکھنے کے لئے ایک جماعت جہاد میں چلی جایا کرے اور انکی واپسی پر بلکہ ان سے پہلے ہی دوسری جماعت جہاد کے لئے روانہ ہو جایا کرے۔ جو لوگ علوم میں مشغول تھے وہ مجاہدین کے پیچھے ان کے گھر والوں کی خیر خبر رکھیں اور جب وہ واپس آ جائیں تو ان کو احکام شرعیہ بتائیں، قرآن و حدیث کی تعلیم دیں۔

بلور فرض کفایہ امت مسلمہ کے ذمہ یہ بھی لازم ہے کہ علوم شرعیہ کو محفوظ رکھیں اور ان کو پڑھتے پڑھاتے رہیں۔ قرآن مجید کا محفوظ رکھنا

(مطبوعہ: مصاحف پر بھروسہ کر کے حفظ کو نہ چھوڑ دیا جائے) قرآن کی تفاسیر کو محفوظ رکھنا احادیث شریفہ اور ان سے متعلقہ علوم کو محفوظ رکھنا، قرآن مجید اور احادیث شریفہ سے جو احکام و مسائل مجتہدین نے مستنبط کئے ہیں ان کو محفوظ رکھنا بلکہ علوم عربیہ صرف و نحو، معانی، بیان اور عربی لغات کا باقی رکھنا بھی لازم ہے کیونکہ ان چیزوں پر قرآن مجید و حدیث کا فہم موقوف ہے اگر یہ چیزیں محفوظ نہ ہوں گی تو ملحدین اور زنادقہ اپنے پاس سے غلط ترجمے کریں اور قرآن و حدیث کے مفاتیح اور معانی بدل دیں گے۔ ہر شخص پر عقائد اسلامیہ کا جاننا اور ان کا عقیدہ رکھنا نماز کے احکام و مسائل جاننا اور نماز کو سیکھنا اور یاد رکھنا، طہارت و نجاست کے مسائل جاننا اور ان تمام احکام کا جاننا جن سے ہر شخص کو روزانہ واسطہ پڑتا ہے یہ فرض عین ہے۔ جو لوگ تجارت کرتے ہیں ان کو تجارت کے مسائل جاننا فرض عین ہے اسی طرح جو لوگ زراعت میں صنعت و حرفت میں ملازمت میں لگے ہوئے ہیں اپنے اپنے مشاغل اور مرکاسب کے بارے میں احکام و مسائل سیکھیں جو ان پر فرض عین ہے تاکہ خلاف شرع طریقوں سے مال نہ کمائیں۔ محنت بھی کریں اور مال حرام ملے اور مال کمانے میں خلاف شرع امور کا ارتکاب کر کے گناہ گار ہوں اس سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے اپنے کاروبار اور کام کاج کے بارے میں شریعت کے احکام معلوم کریں جن کے پاس مال ہے وہ خصوصیت کے ساتھ وجوبِ زکوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کے مسائل معلوم کریں۔

لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ غیر قوموں کی طرح اپنے کو آزاد سمجھتے ہیں اور جیسے چاہتے ہیں زندگی گزار لیتے ہیں نہ میاں بیوی کے حقوق کا پتہ، نہ اولاد کی تعلیم کی خبر، نہ ماں باپ اور دیگر اقرباء کے حقوق کی ادائیگی کا فکر، نہ حلال کمانے کا دھیان۔ یہ طریقہ اہل ایمان کا طریقہ نہیں ہے۔ فقہ دینی سمجھ کا نام ہے عہد اول میں اس بات کا مفہوم بہت زیادہ عام تھا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا معرفۃ النفس مالہا وما علیہا کہ ہر شخص کا یہ پہچان لینا کہ میری ذمہ داری کیا ہے۔ میں دینا اور آخرت میں کن کن چیزوں کا مسئول ہوں اور وہ کیا کیا چیزیں ہیں جن کا انجام دینا میرے ذمہ لازم ہے۔ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ان سب کو جانے اور جاننے کے مطابق عمل کرے۔ اس میں پورے دین کا سمجھنا اور اپنی جان پر نافذ کرنا آگیا۔ درحقیقت یہ فقہ کی بہت جامع تعریف ہے اور لیستفقہوا فی الدین کے مفہوم میں یہ سب احکام اور مسائل آجاتے ہیں احکام و مسائل کا جو علم ہے اور جو امور روح و قلب اور تزکیہ نفس سے متعلق ہیں اور فقہ ان سب کو شامل ہے حضرت حسنؒ سے کسی نے کچھ دریافت کیا انہوں نے کچھ جواب دے دیا سائل نے کہا کہ دوسرے فقہاء تو آپ کی مخالفت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا تم نے کوئی فقیہ دیکھا ہے؟ اس کے بعد فقیہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا انما الفقہ الزاہد فی الدنیا، الراغب فی الآخرۃ، البصیر بدینہ المداوم علی عبادۃ ربہ الورع الکاف عن اعراض المسلمین العفیف عن اموالہم الناصح لجماعتہم۔ یعنی فقیہ وہ ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو، آخرت کی طرف راغب ہو، اپنے دین میں بصیرت رکھتا ہو، اپنے رب کی عبادت میں لگا رہتا ہو، پرہیزگار ہو، مسلمانوں کی بے آبروئی کے درپے نہ رہتا ہو (یعنی ان کی غیبتیں نہ کرتا ہو، ان پر تہمت نہ دھرتا ہو) ان کے مالوں سے دور رہتا ہو اور مسلمانوں کی جماعت کا خیر خواہ ہو۔ (روح المعانی ص ۴۸ ج ۱۱)

تفقہ فی الدین بہت بڑی دولت ہے جس کو بھی حاصل ہو جائے وہ بڑا سعادت مند ہے۔ حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ من یرد اللہ بہ خیر ینفقہ فی الدین کہ اللہ تعالیٰ جس کو خیر سے نوازے گا ارادہ فرماتے ہیں اسے تفقہ فی الدین کی دولت عطا فرماتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۱۶ ج ۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو دعا دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے بارگاہ الہی میں یوں عرض کیا اللہم ینفقہ فی الدین۔ کہ اے اللہ اسے فقہ فی الدین نصیب فرما حضرت عمرؓ نے فرمایا تفقہوا قبل ان تسودوا (یعنی اس سے پہلے فقیہ بن جاؤ کہ تم کو مراد مل جائے)۔ (یعنی فقیہ بن جاؤ کہ تم کو مراد مل جائے) (صحیح بخاری ص ۱۶ ج ۱)

جو حضرات آیت قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے غیر منصوص مسائل کا استنباط کرتے ہیں جیسے ائمہ اربعہ نے کیا یہ بھی فقہ فی الدین ہے اور جو لوگ اصلاح قلوب اور تزکیہ نفوس کے شغل میں لگے ہوئے ہیں اور امت کی اجتماعی اور انفرادی تدبیریں سوچتے رہتے ہیں وہ بھی فقہ فی الدین میں لگے ہوئے ہیں۔ بعض لوگ فقہ کا نام سنتے ہی کانوں کو ہاتھ دھرتے ہیں اور گویا اس کو بدعت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں اس کا حکم دیا ہے کہ حدیث شریف میں اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے خیر سے نوازنا چاہیں اسے فقہ فی الدین سے نواز دیتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ فقہ کی کیا ضرورت؟ حدیث دیکھ کر عمل کر لیں گے۔ حالانکہ حدیث پر عمل کرنے کے لئے سمجھ کی ضرورت ہوتی ہے ناخ منسوخ دیکھنا پڑتا ہے ظاہری طور پر جو تعارض ہوا اسکے رفع کرنے کے لئے تطبیق بین الاحادیث کی ضرورت ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ قال صاحب الدر المختار واعلم ان تعلم العلم یكون فرض عین وهو بقدر ما یحتاج لدینہ و فرض کفایہ وهو مازاد علیہ لنفع غیرہ و مندوباً وهو النبحر فی الفقہ و علم القلب، و حرام وهو علم الفلسفہ و لشعبۃ و التنجیم و الرمل و علوم الطبعین و السحر و الکھانہ اہ قال الشامی فی حاشیۃ قولہ علم القلب ای علم الاخلاق وهو علم یعرف بہ انواع الفضائل و کیفیۃ اكتسابھا و انواع الرذائل و کیفیۃ اجتنابھا (روا المختار ص ۳۰ ج ۱) (صاحب در مختار نے فرمایا ہے کہ جان لے ایک علم کا حاصل کرنا فرض عین ہے اور وہ علم کی اتنی مقدار ہے جو دین پر عمل کے لئے ضروری ہو اور ایک علم فرض کفایہ ہے اور یہ وہ ہے جو اپنے عمل سے زائد ہو دوسرے کے نفع کے لئے ہو اور ایک مندوب ہے اور یہ فقہ میں مہارت حاصل کرنا اور دلوں کا علم ہے۔ اور ایک علم حرام ہے اور یہ فلسفہ، شعبہ بازی، نجوم، رمل، مادہ پرستی کا علم اور جادو کہانت کا علم ہے۔ علامہ شامی نے حاشیہ میں کہا ہے علم دل سے مراد ہے علم اخلاق اور یہ وہ علم ہے جس سے فضائل کی اقسام اور ان کے حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور برائیوں کی اقسام اور ان سے بچنے کا طریقہ معلوم ہوگا ہے)

فائدہ..... لفظ لَیَسَفَقُھُوا باب تفعل سے ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ کلمہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فقہ تفقہ سے حاصل ہوگا یعنی اس میں تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ اور بغیر محنت اور کوشش کے حاصل نہ ہوگا۔ نیز صاحب روح المعانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ لیسندروا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم دین پڑھانے والے کی غرض ارشاد اور انداز ہونی چاہئے یعنی امور خیر کی تعلیم دے اور گناہوں کی تفصیل بتائے اور ان سے بچنے کی تاکید کرے اور معلم کا مقصود بھی خوف و خشیت ہو وہ علم حاصل کر کے شریعت پر چلنے کی نیت کرے اور خوف و خشیت کو اپنی زندگی کا وظیفہ بنائے۔ دنیا حاصل کرنے اور بڑا بننے کی نیت سے علم نہ پڑھے۔ حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے اس حال میں موت آگئی کہ وہ اسلام کو زندہ کرنے کے لئے علم طلب کرنے کے لئے علم طلب کر رہا تھا تو اس کے اور نبیوں کے درمیان ایک ہی درجے کا فرق ہوگا۔ (رواہ الدارمی فی سند ص ۸۵ ج ۱)

چونکہ لَیَسَفَقُھُوا فی الدِّین کے بعد وَلَیَسْذُرُوا اقْوَمَھُمْ بھی فرمایا اس لئے اصحاب علم پر ضروری ہے کہ جو لوگ بھی علم دین حاصل کرنے کیلئے ان کے پاس پہنچیں ان کی خیر خواہی۔ ہمدردی اور دلداری کریں۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ لوگ تمہارے تابع ہوں گے۔ (یہ حضرات صحابہ کو خطاب ہے) اور بہت سے لوگ تمہارے پاس زمین کے دور دراز گوشوں سے آئیں گے۔ تاکہ وہ فقہ فی الدین حاصل کریں، سو جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان سے اچھی طرح پیش آنا میں تمہیں اس کی وصیت کرتا ہوں راوی حدیث حضرت ابوسعید خدریؓ کا طریقہ تھا کہ جب کوئی طالب علم ان کے پاس پہنچتا تو فرماتے تھے مَسْرُحْبًا بوصیۃ رسول اللہ ﷺ (کہ رسول اللہ ﷺ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں)۔ (رواہ الترمذی فی ابواب العلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو اس طرح پاؤ گے جیسے (سونے چاندی کی) کانیں ہوتی ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اندر مختلف قسم کی قوت اور استعداد رکھی ہے) جاہلیت کے زمانہ میں جو لوگ (مکارم الاخلاق اور محاسن الاعمال کے اعتبار سے) بہتر تھے اسلام میں بھی وہ بہتر ہوں گے۔ جبکہ وہ فقیہ ہو جائیں۔ (رواہ مسلم ص ۳۰۷) جب اسلام میں داخل ہو کر فقیہ ہوں گے تو اپنی استعداد کو دینی تبجھ کے مطابق خرچ کریں گے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا فقیہہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد۔ یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے بھاری ہے۔ (رواہ الترمذی فی ابواب العلم)

فقیہ کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ وہ ہزاروں عابدوں سے بہتر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص صرف عبادت گزار ہو شیطان کے مکر و فریب اور بہکانے کے طریقوں سے واقف نہیں ہوتا شیطان اسے آسانی سے ورغلا دیتا ہے اور جو شخص فقیہ ہو وہ شیطان کے داؤ گھات مکر و فریب اور بہکانے کے طریقوں کو جانتا پہچانتا ہے۔ وہ اپنے علم و فقہ کے ذریعہ خود بھی شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رہتا ہے اور دوسروں کو بھی بچاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جو میری بات کو سنے اور یاد رکھے اور اسے دوسروں تک پہنچا دے۔ کیونکہ بہت سے حامل فقہ ایسے ہوتے ہیں جو خود فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے حامل فقہ ایسے ہوتے ہیں جو اس شخص کو پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۵)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ احادیث شریفہ کے ظاہری الفاظ سے جو مسائل ثابت ہوتے ہیں ان کے علاوہ ان میں وہ مسائل بھی ہیں جن کی طرف ہر شخص کا ذہن نہیں پہنچتا جن کو اللہ تعالیٰ نے فقہ کی دولت سے نوازا ہے وہ ان مسائل اور احکام کو سمجھتے ہیں، احادیث کی عبارات اور سیاق و کلام، طرز بیان، وجوہ دلالت سے انہیں وہ چیزیں مل جاتی ہیں جو ان کو نہیں ملتی جو فقہ سے عاری ہیں۔ اسی فقہ یعنی دینی سمجھ کا کام میں لانے کا نام استنباط ہے۔

یہ تو معلوم ہو گیا کہ دین اسلام میں فقہ فی الدین کی بہت زیادہ اہمیت اور ضرورت ہے لیکن اس میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے ایک جماعت تو ایسی ہے جسے فقہ کے نام سے ہی چڑ ہے اور ساتھ ہی ان میں یہ غفلت ہے کہ احادیث شریفہ کی پوری کتابیں بھی نہیں پڑھتے پڑھاتے چند منتخب احادیث یاد کر کے فتوے دینے لگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ امام بخاری اور امام شافعی اور ہم میں کوئی فرق نہیں۔ اور ایک جماعت ایسی ہے جس نے اساتذہ سے قرآن پڑھا نہ حدیث پڑھی خود رو عالم ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اپنی سمجھ سے دینی احکام بتانے اور فتوے دینے کا حق ہے ایسے لوگ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں یہ لوگ نہ ہی عربی جانتے ہیں نہ صرف نحو سے واقف ہیں۔ نہ وجوہ استنباط سے باخبر ہیں نہ فصاحت و بلاغت کی کتابیں پڑھیں نہ لغات پر حاوی ہیں، حروف اصلیہ اور حروف زائدہ کو بھی نہیں جانتے لیکن اپنی جاہلانہ سمجھ سے فتویٰ دینے کو تیار ہیں۔ اور ساتھ میں یہ بھی کہتے ہیں کہ اجتہاد ختم نہیں ہوا اور اس بات کی پلیٹ میں وہ اپنے کو مجتہد قرار دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اجتہاد کی ایجاد سے بھی واقف نہیں۔ میں نے ان لوگوں کے لئے چند سوال رکھے ہیں، عزیز طلبہ سے ان لوگوں کا واسطہ پڑ جائے تو ان سے دریافت کر لیں کہ لُفْتُ نَفْسٍ کیا صیغہ ہے؟ اس کے حروف اصلی کیا ہیں؟ کوئی حرف کم ہوا تو کس اصول سے؟ نیز یَفْتَرُونَ اور یَفْتَرُونَ میں لفظی معنوی کیا فرق ہے؟ دونوں کے حروف اصلی بتائیں؟ اور حروف محذوفہ اور زائدہ بیان فرمائیں؟ اور یہ بتائیں کہ یَخْصِمُونَ اور اَمَّ مَنْ لَا يَهْدِي اور اَذْكَر کیا صیغہ ہے کس باب سے ہے؟ اور یہ بھی واضح کریں کہ فَاسْتَفِينَا كُفُوهُ اور فَاسْتَفِينَا كُفُوهُ میں کتنے کلمات ہیں؟ ان میں اسم فعل، حرف کیا ہیں اور ساتھ ہی معرب مثنیٰ کی تعیین بھی کرتے چلیں۔ اجتہاد، استنباط اور تفقہ

کوئی طلوہ کا لقمہ نہیں ہے جس کا دل چاہے مجتہد اور فقیہ بن جائے۔ یہ ضروری باتیں دور حاضر کے بے پڑھے مجتہدوں سے امت کو محفوظ رکھنے کے لئے لکھی گئیں ہیں۔

آیت بالا کی تفسیر جو اوپر لکھی گئی ہے یہ اس بنیاد پر ہے کہ لَيْسَ فَقْهُوْا اور وَلْيَنْذِرُوا کی ضمیر ان لوگوں کی طرف راجع کی ہے جو گھروں کو چھوڑ کر باہر نکل گئے اس صورت میں باہر نکلنے والوں سے علم کے لئے سفر کرنے والے مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح جہاد کے لئے جماعتیں جاتی ہیں اسی طرح طلب علم کے لئے بھی اہل ایمان باہر نکلیں اور باہر نکل کر علم حاصل کریں۔ پھر واپس ہو کر ان لوگوں کو دین سکھائیں اور اللہ سے ڈرائیں جو طلب علم کے لئے باہر نہ گئے تھے۔ یہ تفسیر سیاق کلام سے قریب تر ہے۔ صاحب روح المعانی نے یہ تفسیر لکھ کر لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب دیہاتوں میں چلے گئے تھے، وہ وہاں کی چیزوں سے منتفع ہوئے اور ساتھ ہی لوگوں کی ہدایت کے کام میں مشغول رہے۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ تم تو ہمارے پاس آ کر بھی بس گئے اور اپنے ساتھیوں کو چھوڑ آئے یہ بات سن کر انہیں رنج ہوا اور دیہات چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس سے ان کی پریشانی دور ہو گئی کیونکہ جو علم حاصل کیا ہے دیہات میں رہ کر اس کا پھیلاؤ اور ہدایت دینے کی کوشش کرنا بھی ایمانی تقاضوں میں شامل ہے۔ لَيْسَ فَقْهُوْا اور وَلْيَنْذِرُوا کا مرجع جو بھی ہو اور ترجمہ اور تفسیر میں جو رخ بھی اختیار کیا جائے ہر حالت میں آیت شریفہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک جماعت کا تعلق فی الدین میں مشغول ہونا ضروری ہے۔ یہ لوگ خود علم دین حاصل کریں اور پھر اپنی قوم کو علمی باتیں بتائیں، اوامر و نواہی سے آگاہ کریں۔ تاکہ قوم کے افراد گناہ گاری سے بچ سکیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے دین اسلام میں بہت پھیلاؤ ہے۔ انسانوں کی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اسلام کے تمام علوم کو محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے۔ یہ علوم قرآن کریم میں اور احادیث شریف میں کتب تفسیر میں شروع حدیث میں فقہ کی کتابوں میں مدون ہیں، پوری امت کی ذمہ داری ہے کہ پورے دین کو علماً و عملاً محفوظ رکھے۔ ان علوم کی تعلیم و تدریس ہوتی رہے خود بھی پڑھیں اپنی اولاد کو بھی پڑھائیں اور تمام مسلمانوں کے لئے یہ مواقع فراہم کریں کہ ان علوم میں مشغول ہو سکیں۔ اس میں کتابیں لکھنا بھی ہے، مدارس کا قیام بھی ہے اور مدارس کی امداد بھی ہے بعض علاقوں میں کچھ لوگوں نے ایسے مدارس قائم کئے ہیں جن کے نصاب سے کتاب الجہاد اور کتاب العقاق وغیرہ کو یہ کہہ کر نکال دیا کہ ان پر عمل تو نہیں رہا لہذا ان کو پڑھانے کی ضرورت نہیں، یہ ان لوگوں کی نادانی ہے۔ عمل ہو یا نہ ہو ہر حال میں پورے دین کو باقی رکھنا اور محفوظ رکھنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ اگر بعض علوم کو چھوڑ دیا اور بعض علوم کو نصاب سے خارج کر دیا تو جب کبھی حالات پلٹا کھائیں گے اور ان چیزوں پر عمل کرنے کا موقع آجائے گا جن پر آج عمل کرنے کا موقع نہیں ہے تو اس وقت بھولے ہوئے احکام پر کیسے عمل ہوگا؟ پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جن احکام پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ یہ بھی تو امت ہی کا تصور ہے (نہ جہاد چھوڑتے جو فرض کفایہ ہے) نہ دن دیکھنے میں آتے کہ احکام جہاد و احکام استرقاق کو نصاب سے خارج کرنے کا مشورہ کرتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَعَلِمُوا أَنَّ

اے ایمان والو! ان کافروں سے قتال کرو جو تمہارے آس پاس ہیں اور وہ تمہارے اندر سخت محسوس کریں، اور جان لو کہ بلاشبہ

اللَّهُ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هِذِهِ إِيمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ

اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے، اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان کو بڑھایا، سو جو لوگ اہل ایمان

اٰمَنُوْا فَرٰاَدَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَرٰاَدَتْهُمْ

ہیں اس سورت نے ان کے ایمان کو بڑھا دیا اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے سو اس سورت نے ان کی

رَجَسًا اِلٰی رَجْسِهِمْ وَّمَاتُوْا وَّهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً

گندمی پر گندگی بڑھا دی۔ اور وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر ہیں، کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک یا دو بار کسی نہ کسی

اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذْكُرُوْنَ ۝ وَاِذَا مَا اُنْزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ

محببت میں ڈالے جاتے ہیں پھر وہ رجوع نہیں کرتے اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں، اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کی طرف

هَلْ يَرٰكُمْ مِنْ اَحَدٍ ثُمَّ اَنْصَرَفُوْا ۝ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝

دیکھتے ہیں کہ تمہیں کوئی شخص دیکھ تو نہیں رہا، پھر چل دیتے ہیں، اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا، اس وجہ سے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں۔

### ان کافروں سے قتال کرو جو تمہارے آس پاس ہیں

ان آیات میں اولاً اہل ایمان کو یہ حکم دیا کہ جو کفار تمہارے آس پاس رہتے ہیں ان سے قتال کرو۔ اور اس انداز سے اپنی اجتماعی اور

انفرادی زندگی گزارو (جس میں جنگ کی تیاری کرتے رہے اور جنگ کا سامان فراہم کرنا بھی داخل ہے)۔ کہ وہ لوگ تمہارے اندر سختی

محسوس کریں۔ وہ تمہیں اپنی طرف سے غافل نہ سمجھیں۔ صاحب معالم التنزیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ یَلُوْنَاکُمْ

مِنْ الْکُفَّارِ (جو لوگ تم سے قریب ہیں) سے، غور قریظ، ہونفیر اور خیبر میں بسنے والے یہودی مراد ہیں اور جو لوگ ان کے آس پاس تھے اور

بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے روم کے لوگ مراد ہیں، کیونکہ وہ شام میں تھے اور وہاں قیصر روم کی حکومت قائم تھی اور شام بنسبت

عراق کے مدینہ منورہ سے قریب تر ہے۔ آیت کی تفسیر میں دونوں قول اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر تھے جیسے جیسے مسلمان مختلف

علاقوں میں بڑھتے گئے ان کے حالات کے اعتبار سے آیت شریفہ کا حکم شامل ہوتا چلا گیا۔ جس زمانہ میں جہاں کہیں بھی مسلمان ہوں ان

کافروں سے قتال کریں جو ان سے قریب تر ہیں۔ قریب والے دے رہیں گے تو اس کا دور والے کافروں پر بھی اثر پڑے گا پھر فرمایا

وَلِيَجِدُوْا فِيْكُمْ غُلٰظَةً اس کے بارے میں صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں شدۃ وحمیۃ کہ کافر لوگ تمہارے اندر شدت اور

حمیت اور قوت محسوس کریں پھر حضرت حسنؓ سے غِلٰظۃ کی تفسیر کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ صبراً علی جہادہم یعنی جب کافروں

سے مقابلہ و مقاتلہ ہونے لگے تو جم کر مقابلہ کرو، وہ تمہارے اندر نرمی اور کمزوری محسوس نہ کریں۔ بلکہ انہیں یہ محسوس ہو کہ تم لوگ قوت اور

شوکت والے ہو دہنے والے اور راہ فرار اختیار کرنے والے نہیں ہو..... پھر فرمایا وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (کہ اس بات کو جان لو

کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے) وہ دشمنوں کے مقابلہ میں تمہاری مدد فرمائے گا بقول اِیْتِیَارُکُمْ۔ گناہوں سے بچو، شریعت کے خلاف کام نہ

کرو، ظلم و زیادتی سے پرہیز کرو۔

منافقوں کی کافرانہ باتیں..... اس کے بعد منافقوں کی ایک حرکت بدکا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب قرآن کی کوئی سورت نازل

ہوتی ہے تو یہ لوگ آپس میں دل لگی کے طور پر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ اس آیت کے ذریعہ تمہارے ایمان میں کیا ترقی ہوئی۔ اور کیا اضافہ ہوا؟

اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ جو اہل ایمان ہیں ان کے دلوں میں قرآن کی سورتوں کے نزول سے ترقی ہوتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض یعنی نفاق ہے ان کی دل کی ناپاکی میں اس سے زیادہ اضافہ ہوتا ہے اس سے پہلے جو سورتیں نازل ہو چکی تھیں اب تک انہیں کے منکر تھے اب جو نئی سورت نازل ہوگی اس کے بھی منکر ہو گئے اور ساتھ ہی اس کا مذاق بھی بنایا لہذا ان کے کفر میں اور اضافہ ہو گیا اور یہ کفر پر جتنا اور کفر میں ترقی کرتے جانا ان کے کفر پر مرنے کا سبب بن گیا۔

پھر فرمایا کیا منافق لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، امراض میں مبتلا ہوتے ہیں، جہاد میں جانے کا حکم ہوتا ہے تو پیچھے رہ جاتے ہیں جس سے ان کا نفاق کھل جاتا ہے اور اس کی وجہ سے رسوا ہوتے ہیں۔ پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نصیحت بھی حاصل نہیں کرتے۔

پھر منافقوں کا ایک اور طریق کار ذکر فرمایا اور وہ یہ کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو چپکے سے فرار ہونے کے لئے ایک دوسرے کی طرف نکلیں گے دیکھتے ہیں اور اس تاک میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے کوئی کھسکتے ہوئے نہ دیکھ لے۔ آپس میں کہتے ہیں کہ دیکھو ہمیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ اگر کوئی مسلمان دیکھ رہا ہو تو وہیں مجلس میں بیٹھے رہتے ہیں بسبب دیکھا کہ کسی کو بھی نظر نہیں پڑ رہی ہے تو چپکے سے چل دیتے ہیں۔ اپنے خیال میں انہوں نے بڑی ہوشیاری کی، لیکن اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایمان سے پھیر دیا۔ صاحب معالم الشریعہ لکھتے ہیں کہ یہ اس موقعہ میں ہوتا تھا۔ جب کوئی ایسی سورت نازل ہوتی تھی جس میں منافقین کے بارے میں زجر و توبیخ کا مضمون نازل ہوتا تھا اور منافقین کے عیوب منکشف ہوتے تھے

آخر میں فرمایا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُوْنَ کہ ان لوگوں کی یہ حرکتیں اور ان حرکتوں کا انجام بد اس وجہ سے سامنے آیا کہ وہ سمجھتے نہیں ہیں۔ اگر حق اور حقیقت کو سمجھتے تو نہ منافقت اختیار کرتے نہ ان سے منافقانہ حرکتیں صادر ہوتیں۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ

بالشبہ تمہارے پاس رسول آیا ہے، جو تم میں سے ہے۔ تمہیں جو تکلیف پہنچے وہ اس کے لئے نہایت گراں ہے وہ تمہارے فتنے کے لئے حریص ہے۔

بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ ۖ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ

جو مومن کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرنے والا ہے۔ سو اگر لوگ روگردانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے۔ ان کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝

میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ اور اخلاق حسنہ کا بیان

یہ دو آیتیں ہیں جن پر سورۃ توبہ ختم ہو رہی ہے۔ پہلی آیت میں سیدنا خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی بعض صفات بیان فرمائیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ تمہارے پاس ایک رسول آیا جو بڑے مرتبہ والا رسول ہے (اس پر رسول کی تکمیل دلالت کرتی ہے) اور یہ رسول تمہیں میں سے ہے۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ بشر ہے تمہاری جنس میں سے ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب سے ہے، جو مخاطبین اولین



ہیں ان کا ہم زبان ہے وہ اس کی باتوں کو سمجھتے ہیں اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ وہ نسب کے اعتبار سے اور مل جل کر رہنے کے اعتبار سے تمہیں میں سے ہے اس کے نسب کو، اسکی ذات کو اور اس کی صفات کو اچھی طرح جانتے ہو۔ مفسر ابن کثیر (ص ۴۰۳ ج ۲) لکھتے ہیں کہ حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ نے نجاشی کے سامنے اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے کسریٰ کے سامنے اس بات کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا ان اللہ بعث فینا رسولاً منا عرف نسبہ و صفتہ و مدخلہ و مخرجہ و صدقہ و امانتہ۔ (اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول بھیجا ہے جو ہم میں سے ہے ہم اس کے نسب کو اور حالات کو جانتے ہیں ہم ہر طرح سے اس کی سچائی و امانت کو جانتے ہیں) آپ جن لوگوں میں پیدا ہوئے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد بھی انہیں میں رہے۔ آپ انہیں کی زبان میں بات کرتے تھے جس کی وجہ سے ان لوگوں کے لئے آپ سے استفادہ کرنا اور آپ کی باتیں سننے اور سمجھنے کا خوب موقع تھا اگر ان کا نبی ان کی جنس سے نہ ہوتا مثلاً فرشتہ ہوتا یا ان کی ہم زبان نہ ہوتا یا رہنے سہنے میں کسی ایسی جگہ رہتا جہاں آنا جانا اور ملنا جلنا دشوار ہوتا تو استفادہ کرنے اور بات سمجھنے میں دشواری ہوتی یہ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ انہی میں سے رسول بھیج دیا۔ کما قال تعالیٰ (فی سورۃ ال عمران) لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ (اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر احسان فرمایا جبکہ ان میں سے ایک رسول بھیج دیا) آپ کی دیگر صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

عَزَّيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔ کہ امت کو جس چیز سے تکلیف ہو وہ آپ کو شاق گزرتی ہے۔ اور آپ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے اور آپ امت کے نفع کے لئے حریص ہیں آپ کو یہ حرص ہے کہ جملہ خالص ایمان لے آئیں اور یہ بھی حرص ہے کہ اہل ایمان کے تمام حالات درست ہو جائیں اور آپ کو مؤمنین کے ساتھ بڑی شفقت ہے، آپ ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ آپ کا تعلق صرف ایسا نہیں ہے کہ بات کہہ کر بے تعلق ہو گئے بلکہ آپ کا اپنی امت سے قلبی تعلق ہے ظاہراً بھی آپ ان کے ہمدرد ہیں اور باطناً بھی، امت کو جو تکلیف ہوتی ہے اس میں آپ بھی شریک ہوتے تھے اور ان میں سے کسی کو تکلیف پہنچ جاتی تو آپ کو کڑھن ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا وَ اخْفِضْ جُنَاْحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ یعنی مؤمنین کے ساتھ آپ نرمی کا برتاؤ کیجئے۔ ایک مرتبہ رات کو مدینہ منورہ کے باہر کوئی آواز آئی۔ اہل مدینہ کو اس سے خوف محسوس ہوا چند آدمی جب اس کی طرف روانہ ہوئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پہلے ہی سے ادھر روانہ ہو چکے تھے یہ لوگ جا رہے تھے تو آپ آ رہے تھے آپ نے فرمایا لَمْ تُرَاعُوا ڈر نہیں، کوئی فکر کی بات نہیں۔ (صحیح بخاری ص ۱۷۷ ج ۱) :

حضرات صحابہ میں کسی کو تکلیف ہو جاتی تھی تو اس کے لئے فکر مند ہوتے تھے۔ عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ دوا ہاتھ لگاتے تھے۔ مریض کو تسلی دینے کی تعلیم دیتے تھے۔ تکلیفوں سے بچانے کے لئے ان امور کی تعلیم دیتے تھے۔ جن سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا اور جن سے انسانوں کو خود ہی بچنا چاہئے لیکن آپ کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے امور کو بھی واضح فرماتے تھے۔ اسی لئے آپ نے کسی ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر بنی ہوئی نہ ہو۔ (مشکوٰۃ ص ۴۰۴) اور آپ نے یہ بھی فرمایا جو شخص (ہاتھ دھوئے بغیر) اس حالت میں سو گیا کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی تھی پھر اس کو کوئی تکلیف پہنچ گئی (مثلاً کسی جانور نے ڈس لیا) تو وہ اپنی ہی جان کو ملامت کرے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۶۶) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص رات کو سونے کے بعد بیدار ہو تو ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ نہ گھسا دے کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا ہے (ممکن ہے کہ اسے کوئی ناپاک چیز لگ گئی ہو یا اس پر زہریلا جانور گزر گیا ہو)۔ (رواہ البخاری مسلم)

جوتے پہننے کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ تر جوتے پہننے ربا کرو کیونکہ آدمی جب تک جوتے پہن رہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی سوار ہو جیسے جانور پر سوار ہونے والا زمین کے کیزوں کا وزوں اور گندگی چیزوں اور کانٹوں اور اینٹ پتھر کے ٹکڑوں سے محفوظ رہتا ہے ایسے ہی ان چیزوں سے جوتے پہننے والے کی بھی حفاظت رہتی ہے)۔ (رواہ مسلم) نیز آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ (جب چلتے چلتے تمہارے چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک چپل میں نہ چلے جب تک کہ دوسرے چپل کو درست نہ کر لے) (پھر دونوں کو پہن کر چلے) اور یہ بھی فرمایا کہ ایک موزہ پہن کر نہ چلے (کیونکہ ان صورتوں میں ایک قدم اونچا اور ایک قدم نیچا ہو کر توازن صحیح نہیں رہتا۔ (رواہ مسلم) آپؐ امت کو اسی طرح تعلیم دیتے تھے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو سکھاتے ہیں اور بتاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے باپ ہی کی طرح ہوں میں تمہیں سکھاتا ہوں (پھر فرمایا کہ) جب تم قضاء حاجت کی جگہ جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت کرو، اور آپؐ نے تین پتھروں سے استنجا کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ لید سے اور ہڈی سے استنجا نہ کرو اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲)

اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو جگہ کو دیکھ بھال لے (مثلاً پکی جگہ نہ ہو جہاں سے چھنٹیں اڑیں۔ اور ہوا کا رخ نہ ہو وغیرہ)۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲) نیز آپؐ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا (کیونکہ ان میں جنات اور کیڑے مکوڑے رہتے ہیں) اگر کتب حدیث میں زیادہ وسیع نظر ڈالی جائے تو اس طرح کی بہت سی تعلیمات سامنے آجائیں گی جو سراپا شفقت پر مبنی ہیں۔ اسی شفقت کا تقاضا تھا کہ آپؐ کو یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی بھی مؤمن عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب اس کے چاروں طرف روشنی ہو گئی تو پروانے اس آگ میں آکر گر گئے لگے وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں نہ گریں لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہیں اور زبردستی گرتے ہیں۔ یہی میرا حال ہے کہ میں تمہیں دوزخ سے بچانے کے لئے تمہاری کمروں کو پکڑتا ہوں اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو یعنی جو لوگ گناہ نہیں چھوڑتے وہ اپنے اعمال کو دوزخ میں ڈالنے کا سبب بناتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائی ہیں اور عذاب کی خبریں دی ہیں ان پر دھیان نہیں دیتے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

پھر فرمایا کہ اگر لوگ روگردانی کریں حق کو قبول نہ کریں۔ محبت، شفقت اور رأفت و رحمت والے رسول کی تصدیق نہ کریں تو آپ ان کی طرف سے ایذا پہنچنے کے بارے میں متفکر نہ ہوں آپ یوں اعلان کریں حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ۔ (کہ اللہ مجھے کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں) عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ (میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے) تو کل علی اللہ نبیوں کا اور ان کے امتیوں کا سب سے بڑا ہتھیار ہے اس سے مشکل ترین کام آسان ہو جاتے ہیں حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا کہ جو شخص صبح و شام سات مرتبہ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ کہہ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام فکر مند یوں کی کفالت فرمائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۳۰۵ ج ۵)

تَمَّ تَفْسِيرُ سُورَةِ التَّوْبَةِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ أَوَّلًا وَآخِرًا وَظَاهِرًا وَبَاطِنًا



مکی

سورۃ یونس

۱۰۹ آیتیں ۱۱ رکوع

۱۰۹ اِنَّا نَحْنُ ۱۰۹ سُورَةُ يُوسُفَ مَكِّيَّةٌ (۵۱) رُكُوعَانِهَا ۱۱

سورۃ یونس مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں ۱۰۹ آیات اور ۱۱ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمْ نَذِّرْكَ اٰیٰتِ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحٰیْنَا اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرَ

الہا یہ آیات ہیں کتاب حکیم کی، کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے انہیں میں سے ایک شخص کی طرف وحی بھیجی کہ

النَّاسِ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ لَهُمْ جَزَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ الْكَافِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا

لوگوں کو ڈرایے اور ان لوگوں کو بشارت دیجئے جو ایمان لائے یہ کہ ان کے رب کے پاس بڑا مرتبہ ہے۔ کافروں نے کہا کہ بے شک

لَسَجَرٌ مُّبِیْنٌ ۝ اِنْ رَبُّكُمْ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلٰی

یہ کھلا جاہِ بگم ہے، بلاشبہ تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا

الْعَرْشِ یَذَّبُ اِلَیْهِ مَرْءًا مِّنْ شَفِیْعٍ ۚ اِلَّا مَنۢ بَعَدَ اِذْنِهٖ ۚ ذٰلِكُمْ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۚ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

وہ ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کرنے والا نہیں وہ اللہ تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا ۚ وَعَدَ اللّٰهُ حَقًّا ۚ اِنَّہٗ یَبْدُوْا الْحَلٰقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ لَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَمْلَؤَ

اسی کی طرف تم سب کو لوٹ جاتا ہے، اس نے سچا وعدہ کر رکھا ہے بلاشبہ وہی مخلوق کو ابتدا سے پیدا فرماتا ہے پھر وہ اسے دوبارہ لوٹا دے گا تاکہ وہ ان لوگوں کو

الصَّلٰتِ بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنۢ حَمِیْمٍ ۚ وَعَذَابٌ اَلِیْمٌ ۚ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ۝

انصاف کے ساتھ بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کیلئے پئے کو کھولنا ہو پانی اور دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

توحید و رسالت اور معاد کا اثبات

سورۃ یونس کی ابتدائی آیات ہیں۔ اس کی ابتدا السرا سے ہے۔ جو حروف مقطعات میں سے ہے یہ بحث سورۃ بقرہ کے شروع میں گزر

چکی ہے۔ اس کے بعد فرمایا **بَلَلَّ الْبَاسُ الْكِتَابَ الْحَكِيمَ** <sup>۵</sup> (یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں) مفسرین کرام نے حکیم کے دو معنی لکھے ہیں۔ اول: ذہن و حکمت والی کتاب۔ دوم: بمعنی محکم، پھر محکم کے دو معنی ہیں۔ اول: بمعنی مضبوط کہ اس کے الفاظ اور کلمات اور طریقہ بیان اور اسلوب کلام نہایت ہی درجہ پختہ ہے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ غیر منسوخ ہے۔ جن مفسرین نے یہ معنی لئے ہیں ان کی بات کی بنیاد یہ ہے کہ سورہ یونس میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے لیکن چونکہ صفت مضاف الیہ یعنی الکتاب کی ہے اور کتاب سے قرآن مجید مراد ہے جو ان سورتوں پر بھی مشتمل ہے جن میں آیات منسوخہ الحکم بھی موجود ہیں اس لئے یہاں یہ معنی لینا مناسب نہیں۔ صاحب معالم التنزیل (ص ۳۴۲ ج ۲) نے لکھا ہے کہ حکم حاکم کے معنی میں ہے یعنی یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو فیصلہ دینے والی ہیں۔ اس کے بعد لوگوں کے ایک تعجب کا تذکرہ فرمایا اور بطور استفہام انکاری یوں فرمایا **اَلْكَافِرُ لِلنَّاسِ عَجَبًا** (الاقیدہ) کیا لوگوں کے لئے یہ تعجب کی بات ہے کہ ہم نے ایک آدمی کی طرف وحی بھیجی جو انہیں میں سے ہے؟ یہاں الناس سے کفار عرب اور خاص کر اہل مکہ مراد ہیں انہوں نے اول تو اس بات پر تعجب کیا کہ آدمی کو رسول بنایا گیا اور دوسرے انہیں اس پر تعجب ہوا کہ ابوطالب کے یتیم کو رسول بنادیا گیا، ان کے تعجب کی استفہام انکاری کی صورت میں تردید فرمائی کہ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ انسانوں کی طرف انہیں کی جنس میں سے کسی انسان کو مبعوث فرمانا عقل اور سمجھ کے بالکل موافق ہے تاکہ اپنے جنس کے فرو اس سے مانوس ہوں اس سے قولی اور عملی طور پر احکام سیکھیں اور عمل کریں اس بارے میں مزید توضیح کے لئے سورہ انعام کے پہلے رکوع کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

اور دوسرا جو تعجب تھا وہ بھی بے دقتی پر مبنی تھا یہ لوگ سمجھتے تھے کہ کوئی بڑا مالدار رئیس اور چودھری نبی ہونا چاہے تھا۔ چونکہ اہل دنیا کو دنیا والوں ہی میں بڑائی نظر آتی ہے اور دنیا والوں ہی کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں اس لئے انہوں نے ایسی جاہلانہ بات کی۔ مال و دولت کو اللہ کا محبوب بندہ ہونے میں کوئی بھی دخل نہیں، اور خصوصاً نبوت جو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور خاص عطیہ ہے اس میں یہ دیکھنا کہ جسے نبوت ملی ہے اس کے پاس دنیاوی مال و متاع ہے یا نہیں سراپا حماقت اور جہالت ہے۔

نبی میں اخلاق عالیہ کا ہونا ضروری ہے جن کی دعوت الی الحق کے لئے ضرورت ہے اہل دنیا اخلاق عالیہ سے خالی اور عاری ہوتے ہیں ان کو کیسے نبوت دی جائے، پھر جس کو اللہ نے نوازا دیا اس سے کون آگے بڑھنے والا ہے۔ اللہ نے جس کو چاہا نبوت و رسالت کے مرتبہ سے سرفراز فرما دیا اس میں کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں۔

یہی ابوطالب کا یتیم بھتیجا جس کی نبوت و رسالت پر عرب کے جاہل معترض ہو رہے تھے اللہ نے اسے اتنی بلندی دی کہ جس کے سامنے فرشتوں کی بلندی بھی نیچے رہ گئی۔ اس یتیم ابوطالب کی دعوت پورے عالم میں پھیلی، اس کی امت کے قبضہ میں بڑے ممالک آئے عرب اور عجم نے اس کا دین قبول کیا، قیصر و کسریٰ کے خانے امت کے قدموں میں حاضر ہو گئے پرانی تمام آسمان کی کتابوں کو اس کتاب نے منسوخ کر دیا جو ابوطالب کے یتیم بھتیجے پر نازل ہوئی اور تمام ادیان منسوخ ہو گئے۔

یتیمی کہ ناکر وہ قرآن درست کتب خانہ چند ملتِ بشت

پھر نبی اکرم ﷺ کو ایسا کام بتایا جو بحیثیت نبی اور رسول ہونے کے آپ کے سپرد کیا گیا تھا اور فرمایا **اَنْ اَنْذِرَ النَّاسَ وَبَشِّرَ الَّذِينَ اٰمَنُوا اَنْ لَّهُمْ قَدْ مَصَدَّقَ عِنْدَ رَبِّهِمْ**۔ کہ جس شخص کی رسالت اور نبوت پر تعجب کر رہے ہیں اسے ہم نے اس بات پر مامور کیا کہ لوگوں کو ڈرائے (جو نافرمان ہوں گے وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے) اور یہ جو لوگ ایمان قبول کریں انہیں اس بات کی بشارت دیں کہ ان کے

رب کے پاس ان کے لئے بڑا مرتبہ ہے قدم تو پاؤں کے لئے بولا جاتا ہے، چونکہ انسان کی مسلسل سعی اور عمل پیہم میں قدم کو استعمال کیا جاتا ہے اس لئے بلند مرتبہ بتانے کے لئے لفظ قدم صدق استعمال فرمایا، صدق سچائی کو کہتے ہیں۔ "قدم صدق" سے سچائی کا قدم یعنی وہ مرتبہ مراد ہے جسکے ملنے میں کوئی شک نہیں۔ سورہ قمر میں ارشاد فرمایا۔ اِنَّ الْمُتَّقِينَ فِيْ جَنَّاتٍ وَّ نَهْرٍ ۝۱۰ فِيْ مَقْعَدٍ صٰدِقٍ عِنْدَ مَلِيْلٍ مُّقْتَدِرٍ۔ کہ بلاشبہ متقی لوگ باغیچوں اور نہروں میں ہوں گے سچائی کے مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس ہوں گے۔ وہاں اہل تقویٰ کے مقام کو مقعد صدق سے تعبیر فرمایا ہے۔ سچے ایمان اور سچے اقوال والوں کیلئے قدم صدق اور مقعد صدق ہی ہونا چاہئے۔

پھر فرمایا قَالَ الْكَافِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا سَاحِرٌ مُّبِيْنٌ (جس نبی کو انذار اور تبشیر کا کام سپرد کیا اس کے بارے میں منکرین نے کہہ دیا کہ یہ کھلا ہوا جادوگر ہے) یہ بات ان لوگوں نے قرآن کریم کے اعجاز سے متاثر ہو کر کہی جب قرآن کی فصاحت اور بلاغت سامنے آئی تو اس جیسا بنا کر تو نہلا سکے لیکن اس کو جادو بتادیا اور نبی اکرم ﷺ کو جادوگر کہنے لگے فقال صاحب الروح ص ۶۳ ج ۱ ان هذا اى ما اوحى اليه صلى الله عليه وسلم من الكتاب المنظوى على الانذار والتبشير (الى ان قال) وفى هذا اعتراف بان ما عاينوه خارج عن طوق البشر نازل من حضرة خلاق القوى ولقد رجع (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں بے شک یہ یعنی حضور اکرم ﷺ کی طرف ڈرانے اور خوشخبری پر مشتمل جو کتاب نازل کی گئی ہے..... اور اس میں اس بات کا اعتراف ہے کہ جو کتاب وہ دیکھ رہے یہ انسان کی طاقت سے خارج ہے یہ تو اللہ تعالیٰ قوی اور قادر کی طرف سے نازل ہو رہی ہے)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ان کی قوموں کا یہی معاملہ رہا ہے۔ سورہ ذاریات میں فرمایا كَذٰلِكَ مَاۤ اَتٰى السّٰدِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رّٰسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْۤا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ (اسی طرح سے بات ہے۔ ان سے پہلے جو بھی کوئی رسول آیا لوگوں نے اس کے بارے میں ضرور کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے) اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفات حاققیت کا تذکرہ فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا، سورہ فرقان رکوع (۴) میں اور سورہ المجدہ رکوع (۱) میں اور سورہ ق رکوع (۳) میں لفظ وَمَا بَيَّنٰهُمَا کا اضافہ بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان حکم درمیان ہے چھ دن میں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ شانہ کو ذرا سی دیر میں پلک جھپکنے سے کم مدت میں سارے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی چیزوں کو پیدا کرنے کی قدرت ہے لیکن پھر بھی چھ دن میں پیدا فرمایا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں مخلوق کو تعلیم دی ہے کہ وہ اپنے احوال و اطوار میں جلدی سے کام نہ لیں بلکہ تدریجی طور پر کام کریں۔ قال صاحب الروح ص ۶۴ ج ۱ وفى خلقها مع القدرة التامة على ابداعها فى طرفة عين اعتبار للنظار وحث لهم على السانى فى الاحوال والاطوار۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں پلک جھپکنے کی دیر میں آسمان وزمین کو پیدا کرنے کی کامل قدرت رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا انہیں تدریجاً پیدا کرنے میں دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہے اور ان کے لئے احوال و اطوار میں غور و تدبر کی ترغیب ہے)

ثُمَّ اَسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (پھر عرش پر مستوی ہوا) استواء علی العرش کے بارے میں سورہ اعراف کی آیت اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ (رکوع ۷) میں ضروری مضمون لکھ دیا گیا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

پھر فرمایا يٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اللہ تعالیٰ تمام امور کی تدبیر فرماتا ہے) سورہ آلہ مجدہ میں فرمایا يٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَلَا تَدْبِرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ (وہ آسمان سے زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے) یعنی تمام امور اس کی تدبیر کے مطابق اور حکمت کے موافق اور اسی کی قضاء و قدر کے مطابق وجود میں آتے ہیں۔ قال صاحب الروح والمراد به ها هنا التدبیر الجارى على وفق الحكمة والوجه الاتم الاكمل، اخرج ابو الشیخ وغيره عن مجاهد ان المعنى يقضى الامر والمراد بالامر امر الكائنات علویہا وسفلیہا

حتی العرش الی آخر قال (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہاں مراد وہ تقدیر الٰہی ہے جو کہ حکمت الٰہی کے موافق تمام وکامل طور پر جاری ہے۔ ابوالشیخ وغیرہ نے حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ امور کا فیصلہ فرماتے ہیں اور امر سے مراد کائنات کا معاملہ خواہ آسمانوں کے یا زمینوں کے معاملات حتیٰ کہ عرش بھی) (ص ۶۵ ج ۱۱)

مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ (اس کی اجازت کے بغیر کوئی بھی سفارش کرنے والا نہیں ہے) اس کے حضور میں کسی کو سفارش کرنے کی جرأت و ہمت نہیں، وہاں وہ جسے اجازت دیدے وہی سفارش کر سکے گا اور یہ سفارش صرف اہل ایمان کے لئے ہوگی۔ سورۃ مومن میں فرمایا۔ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٌ يُطَاعُ (ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا جس کی بات مانی جائے)

پھر فرمایا ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمُ فَاعْبُدُوْهُ واللہ تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو۔ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا (اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے) وَغَدَا لِلَّهِ حَقًّا (اللہ نے وعدہ فرمایا ہے اس کا وعدہ حق ہے) اس کے علم میں قیامت کا جو وقت مقرر ہے اس وقت آجائے گی سب زندہ ہو جائیں گے پھر پیشیاں ہوں گی۔ حساب دینا ہوگا۔ قیامت آنے میں جو دیر لگ رہی ہے اس دیر کی وجہ سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ وہ نہیں آئے گی، اللہ کا وعدہ سچا ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان الاخرة وعد صادق يحكم فيها ملك عادل قادر (بلاشبہ آخرت کا وعدہ سچا ہے اس میں وہ بادشاہ فیصلہ فرمائے گا جو عادل بھی ہے اور قادر بھی ہے۔) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۷)

اِنَّهُ يَنْدُوُ الْخَلْقُ ثُمَّ يُعِيْدُهُ لَیْسَ بِاَشَدَّ وَابْتَدَاَ مَخْلُوْقًا کو پیدا فرماتا ہے۔ پھر (موت دے کر) دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ اس میں منکرین قیامت کے اس اشکال کا جواب ہے کہ قبروں میں جا کر ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد کیسے زندہ ہوں گے۔ ان لوگوں کو بتادیا کہ جس نے ابتداء پیدا فرمایا وہی دوبارہ زندگی عطا فرمائے گا۔ سورۃ روم میں فرمایا وَهُوَ الَّذِیْ یَنْدُوُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهُ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ (اور وہی اول بار پیدا فرماتا ہے پھر دوبارہ زندگی دے گا اور وہی اس کے لئے زیادہ آسان ہے)

یہ اعتراض کرنیوالوں کی سمجھ کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ جس نے پہلی بار پیدا فرمایا ہے اسے تو تمہاری سمجھ کے مطابق دوبارہ پیدا کرنا آسان ہونا چاہئے حالانکہ اس کے لئے ابتداء اور اعادہ قدرت کاملہ کی وجہ سے دونوں برابر ہیں۔

اسکے بعد اہل ایمان و اہل کفر کی جزاکا تذکرہ فرمایا: لَیْجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ (تاکہ اللہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے) اَوَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَعَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ ۝ (اور جن لوگوں نے کفر کیا انہیں کھولتا ہوا گرم پانی پینے کیلئے ملے گا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے تھے) سورۃ محمد میں اس کھولتے ہوئے گرم پانی کے بارے میں فرمایا ہے: وَسُقُوْا مَاءً حَمِیْمًا فَفُطِعَ اَمْعَاؤُهُمْ (اور ان کو گرم پانی پلایا جائے گا۔ جو ان کی آنکھوں کو کاٹ ڈالے گا)

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسُ ضِیَآءً وَالْقَمَرَ نُوْرًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِّیْنَ وَالْحِسَابَ

اللہ وہ ہے جس نے سورج کو روشنی بنایا اور چاند کو نور بنایا، اور اس کے لئے منزلیں مقرر فرمادیں تاکہ تم برسوں کی سطحی جان لو اور حساب کو علم کرو

مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ یَفْصَلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنْ فِیْ اَخْتِلَافِ الْاَنْبِیَی

یہ چیزیں اللہ نے حق ہی کے ساتھ پیدا فرمائی ہیں، وہ جاننے والوں کے لئے تفصیل کے ساتھ نشانیاں بیان فرماتا ہے۔ بے شک رات اور دن کے

## وَالنَّهَارَ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ لَأَيِّتٍ لِّقَوْمٍ يَتَّقُونَ ۝

ایک دوسرے کے بعد آنے جانے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمان اور زمین میں پیدا فرمایا ہے ان میں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو ڈرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو روشن بنایا، منزلیں مقرر فرمائیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جان لو

ان آیات میں مزید مظاہر قدرت بیان فرمائے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں۔ اول آفتاب کی روشنی کا اور پھر چاند کی روشنی کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو سراپا روشنی بنایا۔ ان کی روشنی کا تذکرہ فرماتے ہوئے آفتاب کے لئے لفظ ضیاء اور چاند کے لئے نُور استعمال فرمایا۔ علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ ضیاء بڑی اور قوی روشنی کو کہتے ہیں اور نور قوی اور ضعیف ہر روشنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لہذا آفتاب کے لئے لفظ ضیاء استعمال میں لایا گیا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے آفتاب کو زیادہ قوی روشنی دی جب وہ طلوع ہوتا ہے تو رات چلی جاتی ہے اور دن آجاتا ہے دن میں چونکہ چلنے پھرنے اور کاروبار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے دن کو بہت زیادہ روشن بنایا اور رات کو سکون اور آرام کے لئے بنایا ہے جیسا کہ سورہ قصص میں فرمایا: وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ (اور اس کی ایک یہ رحمت ہے کہ اس نے دن بنایا اور رات بنائی تاکہ اس میں آرام کرو اور تاکہ اللہ کے رزق کو تلاش کرو) چونکہ آرام و سکون کے لئے جیسی روشنی کی ضرورت ہے اس لئے چاند کو ضعیف روشنی عطا فرمائی جس کے لئے لفظ نور استعمال فرمایا۔

پھر فرمایا: وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَّتِ السِّنِّينَ وَالْحِسَابَ (اور اس کے لئے منزلیں مقرر کر دیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو) اس میں واحد کی ضمیر استعمال فرمائی ہے بظاہر قَدَرَهُ کی ضمیر مفرد مرقیہ کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ قریب ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قَدَرَهُ میں مفعول کی ضمیر لفظوں میں تو مفرد ہی ہے لیکن شمس و قمر دونوں کی طرف راجع ہے اور عربی محاورات بتاویل کل واحد اس طرح ضمیریں لوثا تا درست ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے شمس و قمر دونوں کی رفتار کے لئے منزلیں مقرر فرمائی ہیں انہیں منزلوں کو وہ طے کرتے ہیں اور ان کے لئے جوحد و مقرر فرمائی ہیں ان سے آگے نہیں نکل سکتے چاند اپنی منزلیں انتیس یا تیس دنوں میں قطع کرتا ہے اور جب وہ مغرب کی طرف بصورت ہلال طلوع ہوتا ہے تو مہینہ شروع ہوتا ہے۔ آفتاب کی بھی منزلیں مقرر ہیں۔ وہ مقررہ حدود کے اندر ہی سفر کر سکتا ہے۔ سورہ یس میں فرمایا: وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَرْنَا مَنَازِلَ حَتَّىٰ

عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ط وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے یہ مقرر کر دینا ہے اس کا جو زبردست ہے علم والا ہے اور ہم نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ وہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی، نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں) اللہ تعالیٰ نے شمس و قمر کو پیدا فرمایا ان کو روشنی دی ان کیلئے منزلیں مقرر فرمائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور وحدانیت کے دلائل میں سے ہے پھر جو منزلیں مقرر فرمائیں اس سے بندوں کا یہ نفع بھی متعلق فرمادیا کہ وہ ان کے ذریعے معلوم کر لیتے ہیں کہ فلاں معاملہ یا معاہدہ کو کتنے برس گزر گئے اور میعاد پورا ہونے میں کتنے برس باقی ہیں۔ آفتاب کی منازل کا پتہ تو اہل رصد کو ہی ہو سکتا ہے لیکن چاند کے طلوع اور غروب اور گھٹنے بڑھنے سے عام طور سے تاریخ کا پتہ چل جاتا ہے پڑھا لکھا شہری و دیہاتی ہر شخص آسانی سے مہینہ کی ابتداء اور انتباء سمجھ لیتا ہے اور شرعاً احکام شریعہ میں چاند کے مہینوں ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی بھی

چاند کے اعتبار سے بارہ مہینے گزرنے پر فرض ہوتی ہے اور رمضان کا مہینہ بھی چاند ہی کے حساب سے پہچانا جاتا ہے جو قمری سال کا نوواں مہینہ ہے اور حج بھی چاند ہی کے حساب سے ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو ہوتا ہے عدت کے مہینوں میں بھی چاند کا اعتبار ہوتا ہے اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ چاند کا حساب باقی رکھنا فرض کفایہ ہے۔ (گودنیاوی معاملات میں شش سال سے حساب رکھا جائے تو یہ بھی جائز ہے) پھر فرمایا ما خلق الله ذلک الا بالحق (اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں یوں ہی بے فائدہ پیدا نہیں فرمائی ہیں) ان کی تخلیق میں بڑی حکمتیں ہیں۔

فَصَلِّ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (اللہ تعالیٰ دانش مندوں کے لئے خوب واضح طریقہ پر دلائل بیان فرماتا ہے)

کیونکہ جو بے علم ہیں یا بے علموں کا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں وہ ان دلائل سے مستفید نہیں ہوتے پھر فرمایا: اِنَّ فِيْ اخْتِلَافِ الْاَيِّمِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُونَ (بلاشبہ رات دن کے آگے پیچھے آنے میں اور ان سب چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں میں پیدا فرمائی ہیں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو ڈرتے ہیں) رات کے بعد دن کا آنا دن کے بعد رات کا آنا اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی واضح دلیل موجود ہے ان کا الٹ پھیر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اور اس کے اختیار سے ہے وہ چاہے تو دن سردی ہو جائے یعنی ہمیشہ دن ہی دن رہے اور وہ چاہے تو ہمیشہ رات ہی رات رہے لیکن اس نے بندوں کی مصلحت کے لئے ایسا نہیں کیا، آسمانوں میں زمین میں جو کچھ پیدا فرمایا ہے اس کا ایک ایک ذرہ اپنے پیدا کرنے والے کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس کی وحدانیت کی اور تدبیر محکم کی گواہی دیتا ہے ان چیزوں کو دیکھ کر وہ لوگ نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہیں جو خالق مالک جل مجدہ سے ڈرتے ہیں اور منکرین ہیں نہ ان میں تقویٰ ہے۔ ایمان ہے نہ یقین ہے یہ لوگ دلائل سے متاثر اور مستفید نہیں ہوتے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَ نَاوَرَضُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنَّنُوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيَاتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝

بلاشبہ جو لوگ ہمارے پاس آنے کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیا والی زندگی پر راضی ہو گئے اور اس پر مطمئن ہو گئے اور وہ لوگ جو ہماری آیات سے غافل ہیں۔

اُولٰٓئِكَ مَاوَهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ ۝

ایسے لوگوں کا ٹھکانہ ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ

بِاِيْمَانِهِمْ ۝ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهَارُ فِيْ جَدَّتِ النَّعِيْمِ ۝ دَعَوْهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ

سے انہیں راہ بتا دے گا، ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، نعمت کے باغوں میں ہوں گے۔ ان میں ان کی یہ بات ہوگی کہ اے اللہ تو پاک ہے

وَتَعْمِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝ وَاٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اَبِ الْحَمْدِ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اور اس میں ان کا تحیہ سلام ہو گا اور ان کی آخری بات الحمد للہ رب العلمین ہوگی۔

اہل کفر کی سزا اور اہل ایمان کی جزا

ان آیات میں اول تو ان لوگوں کے لئے وعید ذکر فرمائی جنہیں قیامت کا اور وہاں کا کوئی کھٹکا نہیں وہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور



پوری طرح دنیا ہی میں جی لگا رکھا ہے اور اس دنیا والی زندگی سے خوش ہیں ایسے لوگ اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی آیات سے غافل ہیں ان کے بارے میں فرمایا کہ اپنے اعمال کی وجہ سے یہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے دوزخ ان کا ٹھکانہ ہے انہوں نے اعمال ہی ایسے کئے جو انہیں دوزخ میں لے جائیں۔ پھر اہل ایمان کو بشارت دی اور فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کی وجہ سے انہیں نجات کی راہ بتائے گا یعنی جس طرح انہیں دنیا میں ہدایت دی ایمان کی دولت سے مالا مال فرمایا اسی طرح آخرت میں ان کو جنت میں جانے کا راستہ بتا دے گا وہ اپنی اپنی راہ چل کر اپنے اپنے منازل و مساکن پہنچ جائیں گے۔

حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جنتی وہاں اپنے اپنے گھروں کا راستہ اس سے زیادہ پہچاننے والے ہونگے جیسا کہ دنیا میں اپنے اپنے گھروں کا راستہ پہچانتے تھے۔

یہ حضرات باغوں میں ہوں گے جو چین اور آرام کے باغ ہوں گے ان کا تحیہ سلام ہوگا اور آخری بات الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ہوگی ملاقات کے وقت جو دعائے کلمات ادا کئے جاتے ہیں انہیں تحیہ کہا جاتا ہے بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی پائی بیان کریں گے یعنی سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ کہتے رہیں گے اور آخر میں ایک دوسرے سے رخصت ہوں گے تو یوں کہیں گے۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہاں کا پروردگار ہے) اہل جنت اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید میں ہمیشہ اور ہر وقت مشغول رہیں گے اور وہاں کی بقاء کا ذریعہ تسبیح اور تحمید ہی ہوگا۔

صحیح مسلم ص ۲۹۷ ج ۲ میں ہے۔ يَلْهَمُونَ السَّبْحَ وَالتَّحْمِيدَ كَمَا نَلْهَمُونَ النَّفْسَ ان کی تسبیح اور تحمید ایسے جاری ہوگی جیسے (دنیا میں) تمہارا سانس جاری رہتا ہے یعنی تسبیح و تحمید سے نہ تنھکیں گے اور نہ اکتائیں گے، نہ نعمتوں کی مشغولیت انہیں تسبیح اور تحمید سے غافل کرے گی، جیسے فرشتے تسبیح و تحمید میں لگے ہوئے تمام کام انجام دیتے ہیں جن کا انہیں حکم ہوتا ہے اسی طرح اہل جنت ہر وقت ہی اللہ کی تسبیح اور تحمید میں مشغول ہوں گے۔ وہاں کی نعمتیں اور عجیب چیزیں معائنہ کریں گے تو ان کے منہ سے سبحان اللہ نکلتے گا۔

تفسیر ابن کثیر ص ۳۰۸ ج ۲ میں حضرت ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ جب کوئی پرندہ گزر رہا ہوگا اور اہل جنت کو اس کے کھانے کی خواہش ہوگی تو وہ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ کہہ دیں گے ان کی خواہش کے مطابق فرشتہ اسے حاضر کر دے گا اور جب فرشتہ آئے گا تو سلام کے الفاظ ادا کرے گا جس کا وہ حضرات جواب دیں گے، جب وہ اپنی خواہش کی چیزیں کھالیں گے تو آخر میں الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کہیں گے۔

لفظ دعویٰ کا ترجمہ مطلق کلام بھی کیا گیا ہے اور بعض مفسرین نے کسی چیز کے طلب کرنے کا معنی بھی لیا ہے اور بعض حضرات نے دعا کا ترجمہ بھی کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ کی تسبیح بیان کریں گے اور دعا، کے ختم پر الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کہیں گے یہ تینوں معنی لغت عربی کے اعتبار سے درست ہیں اگر دعا کے معنی میں لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان کے لئے کسی چیز کی کمی تو نہ ہوگی جو اپنی ضرورت کے لئے مانگیں لیکن تلذذ کے طور پر اور آداب بندگی بجالانے کے لئے وہ حضرات دعا مانگا کریں گے۔

یہ جو فرمایا وَسَجَّوْنَهُمْ فِيْهَا سَلَامٌ اس کے عموم الفاظ میں ہر سلام آگیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان پر سلام آئے گا جیسا کہ سورہ یٰسین میں فرمایا سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَّبِّ رَجَبٍ۔ اور فرشتے بھی سلام کرتے ہوئے داخل ہوں گے جیسا کہ سورہ رعد میں فرمایا وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سلام غلبہ کیسے ہوتا ہے بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے، جنت دار السلام ہے وہاں سلام ہی سلام ہے سورہ واقعہ میں فرمایا لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا الضَّجْرَ وَلَا نَابِئًا اِلَّا قِيْلًا سَلَامًا سَلَامًا (وہ اس میں)

کوئی لغو بات نہ سنیں گے وہ سلام ہی سلام سنیں گے)

جب جنت میں داخل ہوں گے تو یوں کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ ط اِنْ رَّبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ الَّذِیْ اَحْلَاذًا رَ الْمَقَامِیۃ مِنْ فَضْلِہ لَا یَمَسُّنَا فِیْہَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیْہَا الْعُوبُ (سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے سختی کو ہم سے دور فرمادیا، بے شک ہمارا رب مغفرت فرمانے والا ہے قدر دان ہے، جس نے ہمیں رہنے کی جگہ میں اتارا ہمیں اس میں نہ کوئی تکلیف ہوگی اور نہ تھکن۔) (سورۃ فاطر)

وَلَوْ یَجْعَلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتَعْجَالَہُمْ بِالْخَیْرِ لَقُضِیَ اِلَیْہُمْ اَجَلُہُمْ ط فَذَرُ

اور اگر اللہ لوگوں پر نقصان واقع کرنے میں جلدی کرتا جیسے کہ وہ بھلائی کے لئے جلدی چاہتے ہیں تو ان کا وعدہ پورا ہو چکا ہوتا، سو جو لوگ

الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا فِی طُغْیَانِہُمْ یَعْمَہُوْنَ ۝۱۱ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَا نَا لِجَنِّیۃٍ

ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے ہم ان کی سرکشی میں انہیں سرگرداں چھوڑ دیتے ہیں۔ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے

اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَابِیۡمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْہُ ضُرُّہٗ مَرَّ کَانَ لَّمْ یَدْعُنَا اِلٰی ضُرِّ مَسِّہٖ ۚ کَذٰلِکَ زُیِّنَ

لیئے ہوئے اور پیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے، پھر جب ہم اس کی تکلیف ہٹا دیتے ہیں تو وہ اس حال میں گر جاتا ہے کہ گویا اس نے ہمیں کسی تکلیف کے پہنچ جانے پر پکارائی نہ تھا، اسی

لِنُسْرِفِیۡنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۱۲ وَلَقَدْ اَھْلَکْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۚ وَجَاءَتْہُمْ

طرح حد سے بڑھ جانے والوں کیلئے ان کے اعمال مزین کر دیئے گئے ہیں۔ اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کیا جبکہ انہوں نے ظلم کیا اور انکے پاس

رُسُلُہُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَمَا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا ۚ کَذٰلِکَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْجٰرِمِیۡنَ ۝۱۳ ثُمَّ جَعَلْنَاکُمْ

ان کے رسول کھلی ہوئی دلیلین لے کر آئے، اور وہ لوگ ایمان لانے والے نہ تھے، ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ہم نے تمہیں

خَلَفَیۡ فِی الْاَمْرِضِ مِنْۢ بَعْدِہُمْ لِنَنْظُرَ کَیۡفَ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴

زمین میں ان کے بعد خلیفہ بنا دیا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟

انسان جلد باز ہے، مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور عافیت کے وقت بھول جاتا ہے

انسان کے مزاج میں جلد بازی ہے۔ سورۃ انبیاء میں فرمایا ہے۔ خَلِیْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ عَلَجٍ ط (انسان جلدی سے پیدا کیا گیا ہے) اس کی جلد بازی کا مزاج ہر جگہ کام کرتا ہے جب رسول اللہ ﷺ نے منکرین کو عذاب کی وعیدیں سنائیں تو بجائے ایمان قبول کرنے کے یوں کہتے تھے کہ عذاب آ کیوں نہیں جاتا۔ سورۃ رعد میں فرمایا وَتَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالْسَّیۡئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِمُ الْمَثَلٰتِ (اور یہ لوگ عافیت سے پہلے آپ سے مصیبت کا تقاضا کرتے ہیں حالانکہ ان سے پہلے واقعات عقوبت گزر چکے تھے) ان لوگوں کا عذاب آنے کیلئے جلدی کرنا تکذیب اور استہزاء کے طور پر تھا، وعدہ عذاب کو سچا نہیں جانتے تھے اس لئے ایسی باتیں کرتے تھے، اللہ تعالیٰ شانہ حکیم ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق جب چاہے عذاب بھیجے۔ لوگوں کے جلدی بچانے سے وہ عذاب جلدی نہیں بھیجتا، وَلَوْ یَجْعَلُ اللّٰہُ

لِلنَّاسِ الشَّرُّ اسْتَغْجَالُهُمْ بِالْخَيْرِ لِقَضَىٰ الْبَهِيمِ أَجْلُهُمْ اور اگر ان لوگوں پر انکے جلدی مچانے کے موافق اللہ تعالیٰ جلدی عذاب بھیج دیتا جیسا کہ وہ خیر کے لئے جلدی مچاتے ہیں (اور انکے جلدی مچانے پر اللہ تعالیٰ خیر بھیج دیتا ہے)۔ تو عذاب کا وعدہ کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا (۱) لیکن اللہ تعالیٰ ان کے جلدی کرنے پر اسی وقت عذاب نہیں بھیجتا اسی وقت عذاب نہ بھیجنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ سرکشوں کو اللہ تعالیٰ انکے حال پر چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں اور یہ بطور استدراج ہوتا ہے تاکہ سرکشی میں بڑھتے جائیں، اور زیادہ عذاب کے مستحق ہوتے چلے جائیں۔ اس میں واضح طور پر بتا دیا کہ عذاب کا مؤخر ہونا اور عذاب کی جلدی مچانے کے باوجود جلدی نہ آنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ عذاب کی وعید سچی نہیں، بلکہ وعید سچی ہے لیکن عذاب اس وقت واقع ہوگا جب اللہ تعالیٰ کی حکمت مقتضی ہوگی۔ سورہ عنکبوت میں فرمایا: وَيُسْجَعُونَ فِي الْعَذَابِ وَلَوْ لَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَ هُمُ الْعَذَابُ وَلَئِنِ اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً مَّا تَسْعُرُونَ۔

(اور وہ آپ سے جلد عذاب آنے کا تقاضا کرتے ہیں اور اگر میعاد معین نہ ہوتی تو ان پر عذاب آچکا ہوتا اور البتہ وہ ان پر اچانک آجائے گا اور ان کو خیر بھیجی نہ ہوگی) اور سورہ ص میں فرمایا: وَقَالُوا زَانَا عَجَلْنَا قُلُوبَنَا فَكَلِمَةَ لَّيْلٍ يُنَادَىٰ بِهِ يَوْمَ الْحِسَابِ (اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب حساب کے دن سے پہلے ہمارا حصہ ہم کو دیدے) ان لوگوں کا مطلب یہ تھا کہ اگر قیامت آتی ہی ہے تو اسکے آنے کے انتظار کی ضرورت نہیں اس وقت جو عذاب دیا جائے گا وہ ہمیں ابھی مطلوب ہے جنہیں ایمان لانا نہیں ہوتا وہ ایسی ہی جاہلانہ باتیں کرتے ہیں۔

اس کے بعد انسان کی ایک اور بے راہی میان فرمائی جو اس کی طبیعت بنی ہوئی ہے۔ ارشاد فرمایا: وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَا لِحِيزَتِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَاصِدًا أَوْ قَاصِدًا أَوْ قَاصِدًا اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں لیٹے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے پکارتا ہے۔ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّكَانَ لَمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرِّهِ مَسَّهُ پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو ایسے گزر جاتا ہے کہ گویا اس نے تکلیف پہنچ جانے پر ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ یہ مضمون قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی وارد ہوا ہے۔ سورہ زمر میں فرمایا: وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْذَارًا لِّبُطْلٍ عَن سَبِيلِهِ (اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اپنے رب کو پکارنے لگتا ہے اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے، پھر جب وہ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو اس سے پہلے جس کے لئے پکار رہا تھا اسے بھول جاتا ہے اور اللہ کے لئے شریک بنانے لگتا ہے تاکہ اس کی راہ سے دوسروں کو گمراہ کرے) پھر انسان کا یہ بھی مزاج ہے کہ حدود سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے گناہ کے کام کرتا ہے اور گناہ کے کاموں کو اچھا بھی سمجھتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (اسی طرح حد سے بڑھ جانے والوں کے لئے وہ کام مزین کر دیئے گئے جو وہ کرتے ہیں)

فائدہ..... آیت شریفہ کے مضمون سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ شرکی دعائیں مانگنی چاہئے، انسان شرکی بھی دعا کرتا ہے اور خیر کی بھی دعا کرتا ہے۔ اور دونوں کی قبولیت کے لئے جلدی مچاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق دعائیں قبول فرماتا ہے، شرکی دعا جلد

(۱) ..... قال البغوی فی معالم التنزیل (ص ۳۴۵ ج ۲) معناه لو بعجل الله الناس اجابة دعائهم في الشر والمكروه استعجالهم بالخير اي كما سبحانه استعجالهم بالخير لقضى البهيم اجلهم اي لا هلك من دعا عليه واماته او، وفي روح المعاني (ص ۸ ج ۱) والاصل على ما قال ابو الفداء تعجلا مثل تعجيلهم، فحذف تعجلا وصفته المضافة واقیم المضاف اليه مقامها. اه (علامہ بغوی معالم میں لکھتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ شر اور تکلیف وہ معاملہ میں بھی ان کی دعا، اسی طرح قبول کرتا جیسا کہ یہ بھلائی میں جلدی کرتے ہیں یعنی جیسے یہ بھلائی کے جلدی لئے کو یہ پسند کرتے ہیں تو ان کی میند پوری ہو چکی ہوتی یعنی جس کے خلاف یہ دعا کرتے اللہ تعالیٰ اس کو بلاک کر دیتا اور موت دے دیتا۔ اور روح المعانی میں ہے اور ابو البقا کے قول کے مطابق اصل میں یہ عبارت تھی تعجلا مثل تعجيلهم پھر تعجلا اور اس کی صفت جو کہ مضاف ہے اسے حذف کر دیا گیا اور مضاف الیه کو اس کی جگہ رکھا گیا۔

قبولیت نہیں پاتی اور خیر کی دعا عموماً جلدی قبول فرمالتا ہے مؤمن بندوں کو چاہئے کہ شر یعنی نقصان مرض و تکلیف کی دعا نہ کریں۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی جانوں کے لئے اور اپنی اولاد کے لئے اور اپنے اموال کے لئے بد دعا نہ کیا کرو ایسا نہ ہو کہ یہ بد دعا قبولیت کی گھڑی میں کر بیٹھو اور تمہاری یہ بد دعا قبول ہو جائے۔ (رواہ مسلم) دعا ہمیشہ خیر کی کرے اور جلدی نہ چمکے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے بشرطیکہ گناہ کی یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے۔ جب تک جلدی نہ چمکے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ جلدی چمکانا یہ ہے؟ فرمایا جلدی چمکانا یہ ہے کہ یوں کہنے لگے کہ میں نے تو دعا کی، پھر دعا کی مجھے تو قبول ہوتی نظر نہیں آتی پھر دعا سے تنگ دل ہو جائے اور دعا کرنا چھوڑ دے۔ (رواہ مسلم ص ۳۵۲ ج ۲) مطلب یہ ہے کہ دعا، خیر میں برابر لگا رہے تنگ دل ہو کر دعا نہ چھوڑے۔ آیت شریفہ سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ دکھ، تکلیف میں مبتلا ہو یا کوئی مصیبت آئی ہوئی ہو یا آرام راحت اور خیر خوبی سے مالا مال ہو ہر حال میں دعا کرتے رہنا چاہئے، یہ جو بندوں کا طریقہ ہے کہ مصیبت کے وقت بڑی بڑی دعائیں کرتے ہیں وظیفے پڑھتے ہیں، تسبیحیں گھس دیتے ہیں اور پھر جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو دعاؤں کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں اور بالکل ہی بھول جاتے ہیں گویا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگا ہی نہ تھا، مصیبت آئی تو اللہ کے سامنے گڑگڑائے اور جب اللہ تعالیٰ نے مصیبت دور فرمادی تو اب سارا بھروسہ اسباب پر کر لیا اور ساری خیر خوبی کو اپنی ہنرمندی اور سمجھداری کی طرف منسوب کر دیا یہ سب آداب عبدیت کے خلاف ہے۔ سورہ زمر میں فرمایا فَاِذَا مَنَّ الْاِنْسَانُ صُرِدَّ عَنْ اٰمَانَتِهِ اِذَا عَوَّلٰهُ غُفْمَةً مِّنَا لَقَالُ اِنَّمَا اَوْتَيْنَاهُ غُلْمًا طَبْلٰهُ هٰی فِتْنَةٌ وَلٰكِن اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (پھر جس وقت آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرمادیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ مجھ کو میری تدبیر سے ملی ہے بلکہ وہ ایک آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے اس بات کی خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں میں اس کی دعا قبول فرمائے اسے چاہئے کہ آسائش کے زمانہ میں زیادہ دعا کیا کرے۔ (رواہ الترمذی)

اس کے بعد فرمایا وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (الایہ) یعنی ہم نے تم سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کیا۔ جبکہ انہوں نے ظلم کیا اور ان لوگوں کے پاس ان کے رسول کھلے ہوئے دلائل لے کر آئے۔ وہ ایمان لانے والے نہ تھے لہذا وہ ایمان نہ لائے (جب وہ ایمان نہ لائے تو انہیں ہلاک فرمادیا) ہم مجرمین کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اس آیت میں منکرین کو تنبیہ ہے کہ ہمارے ڈھیل دینے سے یہ نہ سمجھ لو کہ عذاب نہ آئے گا گزشتہ اقوام کی تاریخ اور ان کی سرکشی اور نافرمانی اور پھر ان پر عذاب آنے کے واقعات سے عبرت حاصل کر لو۔ عذاب الہی سے بے فکر ہو جانا بہت بڑی ناسمجھی ہے مختلف ممالک میں وقفہ وقفہ سے عذاب آتا رہتا ہے پھر بھی آنکھ نہیں کھولتے۔

پھر فرمایا ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ (پھر ہم نے تمہیں ان لوگوں کے بعد زمین میں خلیفہ بنایا)

گزشتہ قومیں ہلاک ہو گئیں ان لوگوں کی حکومتیں، سلطنتیں خاک میں مل گئیں تعمیرات برباد ہوئیں، منصوبے خاک میں ملے جو دنیاوی ترقیاں کی تھیں وہ سب ختم ہوئیں ان کی جگہ اب موجودہ اقوام دنیا میں آباد ہیں۔ حکومتیں ہیں دولتیں ہیں یہ لوگ پرانی قوموں کے خلیفہ ہیں یعنی ان کے بعد زمین میں بے ہیں اور زمین میں انہیں اقتدار ملا ہے۔ یہ خلافت اس لئے نہیں ہے کہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھیں اور دنیا ہی

کے لئے مریں اور جنس اور دنیا میں فساد کریں، یہ خلافت آزمائش کے لئے دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَنَنْظُرَنَّ كَيْفَ تَعْمَلُونَ۔ تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔ اگر گزشتہ امتوں کی طرح فساد کیا اللہ کی کتاب کو اور اللہ کے رسول ﷺ کو جھٹلایا کفر میں اور بد اعمالیوں میں گدے رہے تو آزمائش میں فیل ہوں گے اور عذاب کے مستحق ہوں گے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میٹھی ہے۔ ہری بھری ہے اور بلاشبہ اللہ اس میں تمہیں پہلے لوگوں کے بعد بسانے والا ہے سو وہ دیکھے گا کہ تم (دنیا میں) کیا کرتے ہو سو تم دنیا سے بچو اور عورتوں (کے فتنہ) سے بچو، کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ جو ظاہر ہوا وہ عورتوں کا فتنہ تھا۔ (رواہ مسلم)

وَإِذَا تَنَاسَلْتُمْ عَلَيْهُمْ ۖ قَالِ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا إِنَّتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا

اور جب ان پر تبارشی واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے یوں کہتے ہیں کہ آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے

أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَبَدِّلَهُ ۚ مِنْ تَلْفَازِي نَفْسِي ۚ إِنْ أَتَّبِعْ إِلَّا مَا يُوَسِّئُ إِلَيَّ ۚ إِنِّي أَخَافُ

آئیے یا اسکو بدل دیجئے، آپ فرمادیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اسے اپنے پاس سے بدل دوں، میں تو بس اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف دلی کی جاتی ہے، بے شک

إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ قُلْ تَوْشَاءُ اللَّهِ مَا تَوَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرِكُمْ

میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، آپ فرمادیجئے کہ اگر اللہ جانتا تو میں تم لوگوں پر اس کی تلاوت نہ کرتا اور تمہیں اللہ اس کی اطلاع دیتا،

بِهِ ۚ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ

سو میں تمہارے درمیان اس سے پہلے عمر کے ایک بڑے حصہ تک رہ چکا ہوں، کیا تم سمجھ نہیں رکھتے، سو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ پر

كَذِبًا أَوْ كَذَابَ بَيِّنَةٍ ۚ إِنَّهُ لَا يَفْلِحُ الْمُبْجِرُ مُمُونَ ۝

بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے، بے شک بات یہ ہے کہ مجرم کامیاب نہیں ہوتے۔

منکرین کی اس بات کا جواب کہ دوسرا قرآن لے آئیے یا اس کو بدل دیجئے

معالم التنزیل (ص ۳۴۷ ج ۲) میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ وَإِذَا تَنَاسَلْتُمْ عَلَيْهُمْ سے شرکین مکہ مراد ہیں .... اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ اہل مکہ میں سے پانچ آدمیوں نے آنحضرت سرور عالم ﷺ سے یوں کہا تھا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے آئیں جس میں لات اور عزیٰ اور منات کی عبادت چھوڑنے کا حکم نہ ہو اور ان بتوں کا برائی کے ساتھ ذکر بھی نہ ہو، اگر اللہ تعالیٰ نے ایسی آیات نازل نہیں کی ہیں تو آپ اپنے پاس سے بنادیں اس قرآن کو بدل ہی دیں۔ آیت عذاب کی جگہ آیت رحمت لکھ دیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جن پانچ آدمیوں نے یہ بات کہی تھی ان کے نام یہ ہیں (۱) عبداللہ بن امیہ، (۲) ولید بن مغیرہ، (۳) مکر بن حفص، (۴) عمرو بن عبید اللہ بن ابی قیس، (۵) عاص بن عامر بن ہشام، ان لوگوں کی اس بات پر آیت بالا نازل ہوئی کہ جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے (یعنی آخرت کو نہیں مانتے) یوں کہتے ہیں کہ آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے آئیے یا اس کو بدل دیجئے آپ فرمادیجئے کہ میں یہ نہیں کر سکتا کہ اپنے پاس

سے بدل دوں، میں تو صرف وحی کا پابند ہوں، میری طرف جو وحی آتی ہے اس کا اتباع کرتا ہوں نہ اپنے پاس سے کچھ کہہ سکتا ہوں نہ اسے بدل سکتا ہوں وحی کو بدلنا بہت بڑا گناہ ہے میں تمہیں جیسے اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں ایسے ہی اپنے بارے میں ڈراتا ہوں کہ اگر اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی تو بڑے دن کا عذاب پہنچ جائے گا میرا کام صرف پہنچانے کا ہے اپنے پاس سے قرآن بنانے کا نہیں ہے، میں تو اللہ کا بندہ ہوں، نافرمانی کروں تو عذاب میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رکھتا ہوں میں اللہ کا مامور ہوں اللہ کے حکم دینے پر تم کو اس کی کتاب سناتا ہوں وہ نہ چاہتا تو میں تم پر اس کی تلاوت نہ کرتا اور نہ وہ تمہیں بتاتا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے،

مخاطبین کو یہ دیکھنا اور سوچنا چاہئے کہ میں عرصہ دراز تک تمہارے اندر رہا ہوں یعنی اسی سرزمین میں چالیس سال کی زندگی گزاری ہے اس دوران میں نے کبھی نہیں کہا کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور مجھ پر اللہ نے کتاب نازل فرمائی ہے۔ اگر میں اپنے پاس سے بنا کر کوئی بات کہتا اور اپنی بات کو اللہ کی طرف منسوب کر کے تمہارے اندر اپنا کوئی مقام بنانا چاہتا تو اس سے پہلے ایسا کر چکا ہوتا۔ جب یہ میرا کلام نہیں ہے تو اس میں کیسے ترمیم کروں؟ تم مجھ سے کیسے کہتے ہو کہ میں اپنے پاس سے بنا کر لے آؤں، کیا تم سمجھ نہیں رکھتے؟

آخر میں فرمایا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے، اللہ کا رسول جھوٹ نہیں بول سکتا اور اپنی بنائی ہوئی بات کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کر سکتا ہاں تم لوگ جو اللہ کی آیات کو جھٹلا رہے ہو یہ ظلم تمہاری اپنی جانوں پر ہے اور سراپا جرم ہے اِنَّهٗ لَا يَفْلَحُ الْمُجْرِمُوْنَ (بلاشبہ جرم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے۔)

فائدہ..... یہ جو فرمایا فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ (کہ میں اپنی عمر کے بڑے حصہ تک تمہارے اندر رہا ہوں) اس میں تھدی ہے یعنی مخاطبین کو پہنچا رہا ہے کہ میں نے عمر کا بڑا حصہ تمہارے اندر گزارا ہے اس حصہ میں میں نے تم سے کبھی جھوٹ نہیں بولا اس کے تم گواہ ہو تو پھر میں اللہ پر کیسے جھوٹ باندھ سکتا ہوں سوال جواب تو قرآن مجید کو بدلنے یا اپنے پاس سے بنانے سے متعلق تھا لیکن الفاظ کے عموم میں آنحضرت سرور عالم ﷺ کی حیات طیبہ کے اخلاق عالیہ اور افعال جمیلہ اور اعمال صالحہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا اور بتا دیا کہ مجھے دیکھ چکے ہو ہر طرح سے پرکھ چکے ہو۔ ہمیشہ سے صادق اور امین کہتے آئے ہو اب جب اللہ کا پیغام پہنچاتا ہوں تو کیوں دور بھاگتے ہو؟ اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کو کوئی عہدہ سپرد کیا جائے تو اس کا ماضی دیکھ لیا جائے اب تک اس کا کیا کردار تھا اس کے اعمال کیا تھے اس میں تقویٰ اور رجوع الی اللہ کتنا تھا ان چیزوں کو سامنے رکھ کر کسی عہدہ کا اہل ہونے نہ ہونے کا فیصلہ کر لیا جائے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُوْنَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا

اور وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان دے سکیں اور نہ نفع پہنچا سکیں۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس

عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتَسْتَبِشُّوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا

ہمارے سفارش ہیں۔ آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جسے وہ نہیں جانتا آسمانوں اور زمینوں میں، وہ ان لوگوں کے شرک

يُشْرِكُوْنَ ۝۸ وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّا اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاَخْتَلَفُوْا ۚ وَلَوْ لَا كَلِمَةُ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ

سے پاک ہے اور بڑے۔ اور لوگ پہلے ایک ہی امت تھے پھر انہوں نے آپس میں اختلاف کر لیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے بات نہ نہ ہو جہاں ہوئی تو ان کے

لَقَضٰی بَيْنَهُمْ فِیْمَا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ۝۹ وَ یَقُولُوْنَ لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیۃٌ مِّنْ رَبِّہٖ ؕ

درمیان اس چیز میں فیصلہ ہو چکا ہوتا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں نازل کی گئی،

## فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ

سو آپ فرمادیجئے کہ غیب کا علم اللہ ہی کو ہے سو تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔

### مشرکین کی گمراہی اور ان کے قول و عمل کی تردید

ان آیات میں اول تو مشرکین کی گمراہی کا تذکرہ فرمایا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ شانہ کی توحید کو چھوڑ کر غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت کرتے ہیں ان میں بعض جاندار بھی ہیں جیسے بعض حیوانات اور بے جان بھی ہیں جیسے اصنام و اوثان یعنی بت اور یہ ان کے معبودان باطل نفع اور ضرر پہنچانے سے بالکل ہی عاجز ہیں، جو نفع ضرر کچھ بھی نہ پہنچا سکے اس کی عبادت کرنا اور اپنے خالق کو چھوڑنا بہت بڑی حماقت ہے اور بہت دور کی گمراہی ہے۔ جب مشرکین کو ان کی گمراہی پر تنبیہ کیا گیا تو انہوں نے اپنی جہالت سے یہ نکتہ نکالا کہ ہمارا اصلی مقصود تو اللہ ہی کی عبادت کرنا ہے۔ ہم ان چیزوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کر دیں گے، گمراہی پر جسے اور شرک پر باقی رہنے کے لئے شیطان نے مشرکین کو یہ نکتہ سمجھایا تاکہ مشرکین یوں سمجھتے رہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو بھی مانتے ہیں اور شرک کرنے سے اس لئے گناہ گار نہیں کہ ان معبودان باطلہ کو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے ہی پوجتے ہیں۔ حالانکہ سمجھداری کا تقاضا یہ ہے کہ جسے راضی کیا جائے اسے ان اعمال کے ذریعہ راضی کریں جن سے وہ راضی ہوتا ہو اور جن کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ شانہ شرک سے بیزار ہے اس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ شرک سے منع فرمایا ہے اور اسے سب سے بڑی نافرمانی قرار دیا ہے اور جن لوگوں کے بارے میں مشرکین نے سفارش ہونے کا عقیدہ بنایا ہے یہ عقیدہ انہوں نے اپنے پاس سے تجویز کیا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر عقیدہ اور ہر عمل اسی سے معلوم کرے جو اس کی کتابوں اور رسولوں کے واسطے سے معلوم ہوگا، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس کی مخلوق کو شریک بھی کر دیا پھر ان کے بارے میں سفارش ہونے کا عقیدہ بھی تراشا، یہ سب سراسر گمراہی ہے جن لوگوں نے باطل معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارش کرنے والا مانا اور اپنے پاس سے اس عقیدہ کو تجویز کیا ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ أَنْتَبِسُونَ اللَّهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ (آپ فرمادیجئے کیا تم اللہ کو وہ بات بتا رہے ہو جسے وہ آسمانوں میں اور زمین میں نہیں جانتا) اللہ تعالیٰ نے تو تمہارے تجویز کردہ معبودوں کو سفارش نہیں بنایا اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اسے اس سب کا علم ہے اس کے علم میں تو ان چیزوں کا سفارش ہونا نہیں اور تم کہہ رہے ہو کہ یہ سفارش ہیں، جو چیز اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں ہے اور جس کا وجود اس کے علم میں نہیں ہے تم اس کے وجود کے کیسے قائل ہوئے۔ کوئی چیز وجود میں ہو اور اسے اس کا علم نہ ہو یہ تو محال ہے تم محال کے پیچھے لگے ہو۔ مطلب یہ کہ تم جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارش مانتے ہو اللہ تعالیٰ نے تو ان کو سفارش نہیں بنایا ان کے سفارش ہونے کا عقیدہ تمہاری اپنی آفک اور اپنی تجویز ہے کسی عقیدہ کسی عمل کو خود سے تجویز کر لینا اور اسے اللہ کی رضامندی کا سبب سمجھ لینا یہ جرم ہے اور گناہ ہے جو عذاب کا سبب ہے یہ چیز نجات دینے والی نہیں دوزخ میں داخل کرانے والی ہے۔

پھر فرمایا: سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ (وہ ذات پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو وہ شرک کرتے ہیں)

پھر فرمایا: وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا۔ یعنی سب لوگ ایک ہی جماعت تھے سو انہوں نے اختلاف کر لیا یعنی بنی آدم

کا ایک ہی دین تھا سب متحد تھے دین اسلام پر تھے پھر لوگوں میں اختلاف ہو گیا اور بہت سے لوگ ایمان کو چھوڑ کر کافر ہو گئے اور بہت سے لوگ کافر ہی نہیں مشرک بھی ہو گئے۔

حضرت قتادہ سے تفسیر درمنثور ص ۲۳۳ ج ۱ میں نقل کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان جو قرین تھیں یہ سب ہدایت پر حق شریعت پر تھیں، پھر لوگوں نے اختلاف کی راہیں نکالیں، بہت سے لوگوں نے دین حق کو چھوڑ دیا اور مؤمن و کافر و جماعتیں ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا وہ جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے ان کی بت پرستی اور بتوں کے ناموں کا تذکرہ سورہ نوح (عالیہ السلام) میں مذکور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تشریف لانے سے کچھ عرصہ پہلے لوگ مشرک ہو گئے تھے مشرک عذاب کے مستحق ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر اجل سے پہلے مشرکین پر عذاب نہیں بھیجا جاتا، اس کے بارے میں فرمایا:

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفُضِّضَ بَيْنَهُمْ فَيُضَافِيهِ يَخْتَلِفُونَ۔ اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے بات نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان اس چیز میں فیصلہ ہو چکا ہوتا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں (وہ کون سی بات ہے جو پہلے سے طے ہو چکی ہے اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ اول: ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لئے جو ایک اجل مقرر فرمادی ہے اس اجل سے پہلے ہلاک نہیں فرمائے گا اور مطلب یہ ہے کہ اگر اجل مقرر نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادیتا اور کذبین (جھٹلانے والوں) پر عذاب بھیج دیتا اور یسین حق اور باطل کا فیصلہ ہوتا یعنی اہل کفر ہلاک ہو جاتے اور اہل ایمان باقی رہ جاتے۔ دوم: حضرت حسن نے آیت کا مطلب بتاتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہ بات طے فرمادی ہے کہ قیامت کے دن سے پہلے ثواب اور عقاب کا فیصلہ نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ فیصلہ قیامت کے دن ہوگا اس لئے دنیا میں ایسا فیصلہ نہیں کیا جاتا کہ ثواب والوں کو یہیں بدل مل جائے اور مستحقین عذاب پر یہیں عذاب آجائے۔ سوم: تیسرا قول مفسر کلبی سے نقل کیا گیا ہے جو دل کو نہیں لگا لہذا ہم نے اس کا ذکر چھوڑ دیا۔ یہ مضمون سورہ البقرہ کی آیت ثَمَّانِ النَّاسِ أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ کے ذیل میں بھی گزر چکا ہے مراجعت کر لی جائے۔

پھر فرمایا وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ (اور وہ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے کیوں نازل نہ ہوئی) یعنی ہم جو معجزہ دیکھنا چاہتے ہیں اس کا ظہور کیوں نہ ہوا؟ چونکہ ایمان لا نا نہیں چاہتے تھے اس لئے ایسی باتیں کرتے تھے، طالب حق کے لئے ایک ہی معجزہ کافی ہے۔

معجزے بہت دیکھے لیکن فرمائی معجزہ چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں ہے جو لوگوں کی مرضی کے مطابق معجزے ظاہر فرمائے، پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ سابقہ امتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ رہا ہے کہ فرمائی معجزہ ظاہر ہونے پر ایمان نہ لائے تو ہلاک کر دیئے گئے۔ لہذا فرمائش کے مطابق معجزہ نہ بھیجنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے۔

پھر فرمایا: فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْظُرُوا مَا آتَانِي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْظَرِينَ (آپ فرمادیجئے کہ غیب کا علم صرف اللہ ہی کو ہے سو تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں) اللہ ہی کو معلوم ہے کہ تمہاری فرمائش پوری ہوتی ہے یا نہیں؟

اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ تم نے موجودہ معجزات کی قدر نہ کی اور ایمان نہ لائے بلکہ عناد اور ضد کی وجہ سے فرمائی معجزات کے درپے ہو گئے۔ تمہارا یہ کفر اور عناد نزول عذاب کا باعث ہے۔ غیب کا علم اللہ ہی کو ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ تم پر کب عذاب آجائے گا لہذا تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں۔



وَإِذَا أَدَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْ بَعْدِ ضَرَاءٍ مَّسْتَهْمٍ ۚ إِذَا لَهُمْ مَّكَرٌ فِیْ آيَاتِنَا ۚ قُلِ اللَّهُ

او لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد جب ہم انہیں اپنی رحمت چکھا دیں تو اچانک ہماری آیتوں کے بارے میں مکر کرنے لگتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ

أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿۱۱﴾ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ

سریع ۱۰ جلد میں آیت ۱۱ ہے، بلاشبہ ہمارے فرشتے تمہارے مکر کے کاموں کو لکھ لیتے ہیں۔ اللہ وہ ہے جو تمہیں سمندر اور فضا میں چلاتا ہے

حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ

یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہو دو اور وہ کشتی اچھی ہوا کے ساتھ چلنے لگے اور جو لوگ اس میں سوار ہوں وہ اس پر خوش ہو جائیں تو اس کشتی پر ایک سخت ہوا

عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۚ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ

آجائے اور ہر جگہ سے ان پر موجیں آنے لگیں اور وہ یقین کر لیں کہ انہیں گھیر لیا گیا ہے تو اللہ کو پکارنے لگتے ہیں اس کے لئے خالص امتداد کر کے

لَیِّنْ أَنْجِيْنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغَوْنَ فِی الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ

دروازے نہیں اس سے نجات دے تو ہم ضرور شرکاروں میں سے ہوں گے، پھر جب اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو ایک دو زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگتے ہیں،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغَيْكُمُ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ ۚ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا

اے لوگو تمہاری سرکشی تمہاری ہی جانوں پر ہے دنیاوی زندگی میں فائدہ اٹھا رہے ہو پھر ہماری طرف تم کو لوٹ کر آنا ہے، سو ہم تمہیں بتا دیں گے

كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۳﴾

جو تم کرتے تھے۔

صاحب روح المعانی (ص ۹۳ ج ۱۱) لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر سات سال تک قحط بھیج دیا تھا قریب تھا کہ اس کی وجہ سے

ہلاک ہو جائیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ خوشحالی کے لئے دعا فرمائیں اگر یہ قحط کی مصیبت دور ہو جائے اور

ہمیں خوشحالی مل جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اہل مکہ پر رحم فرمایا تو ایمان لانے کی

بجائے وہی پرانا ڈھنگ اختیار کر لیا اور اللہ کی آیات میں طعن کرنے لگے اور رسول اللہ ﷺ سے وہی معاندانہ سلوک کرنے لگے جو پہلے

کرتے تھے اور ایسی شرارتیں اور حیلہ بازیاں کرنے لگے جن کو انہوں نے قرآن پر ایمان نہ لانے کا بہانہ بنالیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ہم لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہی وہ ہماری آیات کے بارے میں مکر

کرنے لگتے ہیں۔ یعنی آیات کو نہ ماننے کے بہانے تراش لیتے ہیں اور طعن و تشنیع سے پیش آتے ہیں قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ آپ

فرما دیجئے کہ مکر کی سزا اللہ تعالیٰ جلد ہی دینے والا ہے، جب شرارت و بغاوت پر اتر آئے تو اطمینان سے نہ مٹیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جلد

ہی اس کا بدلہ مل جائے گا۔ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ (بے شک ہمارے فرشتے لکھ لیتے ہیں جو تم حیلہ سازیاں کرتے ہو)

اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتے ہوئے تمہاری حرکتیں اور شرارتیں اور حیلہ سازیاں دفتروں میں بھی محفوظ ہیں۔ آیت کے بعد کا سبب نزول خواہ

وہی ہو جو صاحب روح نے لکھا ہے لیکن قرآن کریم میں انسانوں کا ایک عام طریقہ کار بیان فرمایا کہ جب انسان کو دکھ تکلیف کے بعد کوئی نعمت مل جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے لگتا ہے اور جیل سازی اور کشتی جتنی پر اتر آتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ پھر بھی مجھے تکلیف پہنچ سکتی ہے، بعض مرتبہ دنیاوی میں مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور موت بھی جلدی ہی آتی ہے ہر کافر کا موت کے وقت سے ہی عذاب شروع ہو جاتا ہے پھر آخرت میں پٹشی ہوگی، اعمال نامے سامنے آئیں گے جن میں فرشتوں نے ان لوگوں کی کجروی اور جیل سازی کو لکھ لیا تھا۔ یہ اعمال نامے ان پر جھٹ ہوں گے اور دوزخ میں باقی آگ میں جلنے کی سزا پائیں گے۔

اس کے بعد اللہ جل شانہ نے اپنے بہت بڑے انعام کا تذکرہ فرمایا **هُوَ الَّذِي يَنْصِبُكُمْ فِي الْبُحْرِ وَالْبَحْرِ (الآیۃ)** (اللہ تعالیٰ تمہیں خشکی میں اور سمندر میں چلاتا ہے) خشکی میں تو پاؤں سے جانوروں پر اور دوسری سواریوں پر سوار ہو کر چلتے پھرتے ہیں۔ دور دراز کا سفر کر کے اپنی حاجت کی چیزیں فراہم کرتے ہیں اور سمندر کا سفر چھوٹی بڑی کشتیوں میں کرتے ہیں یہ کشتیاں بھی انسان کی حاجت پوری کرنے کا ذریعہ ہیں اس کنارہ سے اس کنارہ اس شہر سے دوسرے شہر اور اس براعظم سے دوسرے براعظم تک پانی کے جہاز آتے جاتے ہیں اور انسان کی ضروریات فراہم کرتے ہیں۔ زمانہ نزول قرآن میں بابائی کشتیاں ہوتی تھیں بڑا موافق ہوئی تو کشتیاں چلنے لگیں۔ وہاں بند ہو گئی تو کھڑی ہو گئیں **(فَيُظِلُّنَّ رَوَابِدَ عَلَى ظَهْرِهِ)** ہوا موافق ہے اور نرم ہے خوشگوار ہے تو خوش ہو رہے ہیں اور اگر ہوا تیز چلنے لگی اور ہر طرف سے موجیں اٹھ اٹھ کر آنے لگیں تو میاں ڈرنے لگے اور یقین کر لیا کہ اب تو گھیرے میں آ گئے اس وقت سوچتے ہیں کہ جان کیسے بچے؟ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہیں جاتی جو اس مصیبت سے بچائے اور بھڑکھڑاتا، **لَهُدَايَةُ اللَّهِ** کے حضور میں خالص اعتقاد کے ساتھ دعا کرنے لگتے ہیں کہ اے اللہ! اگر اب ہمیں مصیبت سے نجات دے دی تو ضرور ضرور آپ کے شکر گزار بندوں میں ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ مصیبت سے بچا دیتا ہے تو پھر وہی اللہ کی زمین میں بغاوت، شرارت اور سرکشی کرنے لگتے ہیں جس کا انہیں کوئی حق نہیں۔ اول تو خالق و مالک کی بغاوت ہی ناحق ہے پھر اوپر سے وعدہ کر کے بھول بھلیاں کروینا اور شکر کے بجائے کفران نعمت میں لگ جانا اور تو حید کی بجائے شرک کو اپنا لینا یہ سب بغاوت و شرارت ہے اور کفر ہی کفر ہے۔ اسی کو فرمایا **فَلَمَّا أَنْجَلْنَاهُمْ إِذَا هُمْ يَنْتَفِعُونَ فِي الْأَرْضِ** بغیر الحق (سو جب اللہ نے انہیں نجات دے دی تو اچانک زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگتے ہیں)

پھر فرمایا: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغَيْتُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ** (اے لوگو تمہاری بغاوت اپنی ہی جانوں پر ہے، کیونکہ اس کا وبال تمہارے ہی اوپر پڑنے والا ہے **مَنَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا**) تم دنیاوی زندگی میں نفع حاصل کر رہے ہو (یہ تھوڑا سا نفع ہے اور تھوڑے دن کا نفع ہے کما قال تعالیٰ فی سورۃ النساء **فَلَا مَنَاعَ الدُّنْيَا فَلَئِنْ** پھر فرمایا **لَهُمُ الْبَاسُ جَعَلْنَاهُمْ فَنَنْتَفِعُ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ**۔ پھر ہماری طرف تمہارا دوا ہوا تو ہم تمہیں بتاویں گے جو کام تم کیا کرتے تھے (تمہارے اعمال تمہارے سامنے آئیں گے، محاسبہ اور مواخذہ ہوگا) لہذا اسی دنیا میں اپنے اعمال درست کرو۔)

**إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا**

دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی اتارا، پھر اس پانی کی وجہ سے زمین سے نکلنے والی ہی بھری چیزیں جنہیں انسان اور مویشی کھاتے ہیں

**يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ**

شراب چھان ہو کر نکلیں، یہاں تک کہ جب زمین نے اپنی رونق کو پورا حصہ لے لیا اور اس کی خوب زینت ہو گئی اور زمین والوں نے خیال کر لیا کہ ہم

قَدِرُونَ عَلَيْهِمْ أَتَمْنَاهُ أَمْ رُبْنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَبِ بِالْأَمْسِ ۚ كَذَلِكَ

اس پر صاحب قدرت ہو چکے ہیں تو رات کو یا دن کو ہمارا حکم آگیا۔ سو ہم نے اسے ایسا بنا دیا جیسے کتابہ از صیر ہو گیا کہ کل اس کا وجود ہی نہ تھا، ہم اسی طرح آیات کو کھیل کر

### نَفْصِلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۰﴾

بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں۔

### دنیا کی بے ثباتی کی ایک مثال

اس آیت میں دنیا کی حالت بیان فرمائی ہے۔ دنیا کی ظاہری زیب و زینت اور ٹیپ ٹاپ پر جو لوگ رہتے جاتے ہیں اور آخرت سے غافل رہتے ہیں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اس تھوڑی سی حقیر دنیا کی وجہ سے آخرت سے غافل نہ ہوں، ارشاد فرمایا کہ دنیا کی ایسی مثال ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا اس پانی کی وجہ سے طرح طرح کے پودے اُگے، ہنریاں نکلیں، گھاس برآمد ہوئی، اور ان چیزوں کی وجہ سے زمین ہری بھری اور دیکھنے میں خوشنما ہو گئی۔ سبزہ لہلہانے لگا۔ نظروں کو بھانے لگا جن لوگوں کی زمینیں تھیں وہ بڑے خوش ہوئے اور انہوں نے خیال کیا کہ بس اب تو یہ سب کچھ ہمارے قبضے میں ہے اس سے طرح طرح کے منافع حاصل کریں گے اسی سوچ بچار میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رات میں یا دن میں کوئی مصیبت آگئی اور اس نے اسے ڈھیر کر دیا

اب جب دیکھنے والے نظر ڈالتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہاں کل کچھ بھی نہ تھا اس دنیا میں جو بری بھری گھاس اور کھیتی کی حالت ہے کہ ابھی تو بری بھری تھی اور ابھی کچھ بھی نہیں یہ مثال پوری دنیا کی ہے، افراد کی بھی یہی مثال ہے اور قوموں کی بھی، حکومت کی بھی اور مال و جائیداد کی بھی۔ کچھ دن لوگ منتفع ہوتے ہیں اور اپنے خیال میں اچھی زندگی گزارتے ہیں پھر افراد کو موت آجاتی ہے جماعتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ حکومتیں مٹ جاتی ہیں، تجارتیں تمام ہو جاتی ہیں، باغ اُجڑ جاتے ہیں اور اس سب کے بعد قیامت کے دن حاضر ہونا ہے اور دہاں ابدال آباد کے فیصلے ہونے ہیں، وہاں کی ابدی زندگی کے سامنے دنیا کی جتنی بھی بڑی زندگی ہو بیچ ہے، اور جنت کی نعمتوں کے سامنے یہ معمولی سی نعمتیں کچھ بھی نہیں، اگر کوئی شخص دہرخ میں چلا گیا (العیاذ باللہ) تو دنیا کے سارے مال اور زینت اور سجاوٹ (جو تھوڑے دن کی تھی) کچھ بھی فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ آخرت کے میدان میں پہنچیں گے تو کھائے لُحْمُ تَغْنَبِ بِالْأَمْسِ کا مظاہرہ ہو گا اور سمجھ میں آجائے گا کہ دنیا میں جو کچھ تھا وہ کچھ بھی نہ تھا۔

آخر میں فرمایا كَذَلِكَ نَفْصِلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۔ (ہم اسی طرح آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو فکر کرتے ہیں) جو فکر کرتے ہیں وہی منتفع اور مستفید ہوتے ہیں جو فکر نہیں کرتے وہ اپنی مستیوں ہی میں لگے رہتے ہیں اور اپنی آخرت کو برباد کرتے ہیں۔

وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ ۖ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۱﴾ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ جن لوگوں نے اچھائی کے کام کئے ان کے لئے خوبی ہے اور اس

وَزِيَادَةٌ ۚ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۲﴾

سے زائد بھی ہے، اور ان کے چہروں پر نہ کدورت چھائے گی اور نہ ذلت، یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَّا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ

اور جن لوگوں نے بد سے کام کئے ان کی برائی کی سزا برائی کے برابر ملے گی اور ان پر ذلت چھا جائے گی، انہیں اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔

كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطْعًا مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۵۰﴾

گویا کہ ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانک دیئے گئے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں بیش رہیں گے۔

**اہل جنت کی نعمتوں اور اہل دوزخ کی بد صورتی اور عذاب دائمی کا تذکرہ**

یہ تین آیات ہیں ان میں پہلی آیت میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دارالسلام (سلامتی کے گھر) یعنی جنت کی طرف بلاتا ہے جو دین اسلام اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اور بندوں کے لئے فرمایا ہے سرایا سلامتی کا راستہ ہے اس میں دنیا میں بھی سلامتی ہے اور آخرت میں بھی، چونکہ جنت میں جانے والے ہمیشہ جنت ہی میں رہیں گے، وہاں نہ موت آئے گی نہ وہاں سے کہیں جانا ہوگا اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی اس لئے اس کا ایک نام دارالسلام بھی ہے یعنی سلامتی کا گھر جنت میں لے جانے والے عقائد اور اعمال کو سُبُلُ السَّلَام فرمایا ہے۔ (کما فی سورۃ المائدہ ع ۳) اور اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ آپس میں ملاقات کریں تو السلام علیکم کہیں اور جواب دیئے والے و علیکم السلام کہیں اس طرح آپس میں ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دیں۔ جنت میں بھی آپس کی ملاقات میں ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دیں گے کَمَا قَالَ تَعَالَىٰ تَجِثُّهُمْ فِيهَا سَلَامٌ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان کے لئے سلامتی کی خوشخبریاں آتی رہیں گی (کما فی سورۃ یونس: سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ) فرشتے اہل جنت والوں کے پاس آئیں گے تو وہ بھی سلام پیش کریں گے (کما فی سورۃ الرعد: وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِّن كُلِّ بَابٍ ۝ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ)۔

رسول اللہ ﷺ نے قیصر روم کو دعوت اسلام کے لئے خط لکھا تو تحریر فرمایا اَسْلِمْتُ تَسْلِمُ يُؤْتِيكَ اللَّهُ اَنْجَرَكَ مَرَّتَيْنِ۔ تو اسلام لے آ سلامت رہے گا اللہ تجھے دوہرا اجر عطا فرمائے۔ (صحیح بخاری ص ۵۸ ج ۱)

**الحاصل اسلام میں سلامتی ہی سلامتی ہے پھر فرمایا**

وَيَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ (اور اللہ جسے چاہے سیدھے راستے کی ہدایت دے دیتا ہے) سیدھا راستہ جنت کا راستہ ہے جو عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کا جامع ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا لِلَّذِينَ احْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (جن لوگوں نے اچھے کام کئے ان کے لئے حسنی ہے اور زیادہ انعام ہے۔ حُسْنٰى فَعَلٰى کے وزن پر ہے جس کا لغوی ترجمہ خوبی سے کیا گیا ہے۔ حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ حسنی سے جنت مراد ہے اور زیادہ سے دیدار الہی مراد ہے۔ جنت میں ہر طرح کی نعمتیں ہوں گی کسی کی کمی نہ ہوگی۔ وہ خود بہت بڑی جگہ ہے لیکن اس نعمت پر مزید نعمت یہ ہوگی کہ اہل جنت اپنے رب جل مجدہ کا دیدار بھی کریں گے۔ تفسیر درمنثور ص ۳۰۵ میں حضرت صہیب، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت کعب بن عجرہ اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے متعدد کتب حدیث کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زِيَادَةٌ کی تفسیر فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ زِيَادَةٌ سے اللہ جل شانہ کا دیدار مراد ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ جل شانہ کا ارشاد ہوگا کیا تم کچھ اور چاہتے ہو جو تمہیں عطا کر دوں وہ عرض کریں گے (ہمیں اور کیا چاہئے) کیا آپ نے ہمارے



إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغْفِلِينَ ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ تَبْلُغُوا كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ وَرُدُّوْا إِلَىٰ

بات یہ ہے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے۔ اس وقت ہر شخص اپنے ان کاموں کو جانچ لے گا، اس نے پہلے کئے تھے، اور وہ اپنے ایک حقیقی فی طرف لوٹا

اللّٰهُ مَوْلَاهُمْ الْحَقُّ وَصَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۱﴾

وہ اپنے چاہنے والے اور جو کچھ جھوٹ تراش رکھا تھا وہ سب غائب ہو جائے گا۔

باطل معبود اپنے پرستاروں سے کہیں گے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے

ان آیات میں روز قیامت کا ایک منظر بیان فرمایا ہے کہ وہ دن قابل ذکر ہے جبکہ ہم سب کو جمع کریں گے۔ جمع ہونے والوں میں موجدین بھی ہوں گے اور شرکین بھی، شرکین جن کی عبادت کرتے تھے وہ بھی حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ شرک کرنے والو! تم اور تمہارے معبود جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا پوجا کرتے تھے اپنی جگہ پر پھرے رہو۔ یعنی انتظار کرو اور دیکھو کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ان کے درمیان جدائی کر دی جائے گی۔ شرکین جنکی عبادت کرتے تھے وہ اپنی پرستش کرنے والوں سے کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ وہ کہیں گے ہاں ضرور ہم تمہارے پرستار تھے۔ اس پر ان کے معبود کہیں گے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے ہم تو تمہاری عبادت سے غافل تھے۔

بعض مفسرین نے یہاں یہ اشکال کیا ہے کہ وہ دن کب ہوگا؟ یہ اشکال بے وزن ہے کیونکہ شرکین کے جھوٹ بولنے کی تصریح سورۃ الانعام میں موجود ہے پھر اسی ذیل میں یہ بات بھی آگئی کہ وہ جو اللہ تعالیٰ کو اس بات پر گواہ بنائیں گے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے ان کا اللہ تعالیٰ کو گواہی کے طور پر پیش کرنا بھی جھوٹ ہوگا بہر صورت شرکوں اور ان کے معبودوں کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔ تعلقات منقطع ہو جائیں گے (خواہ ایک ہی طرف سے ہوں جیسا کہ بتوں سے ان کا تعلق تھا اور بت جامد اور نا سمجھ تھے) اور واضح ہو جائے گا کہ شرکین کا کوئی مددگار نہیں ہے جس لوگوں کو سنارشی بنا کر عبادت کی تھی وہ دوزخ میں ہوں گے اور اپنے عبادت گزاروں سے بیزار ہو چکے ہوں گے۔ کمانی سورۃ الانعام: وَمَنْ سَرَىٰ مُعَاوَنَةً لِّهِنَّ فَاتَّعَاكَهُنَّ فَكَانَ مِنَ الْمَرْبُورِينَ ﴿۱۲﴾ اور ہم تمہارے ہمراہ ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ کرتے تھے وہ تمہارے معاملے میں شریک ہیں۔ واقعی تمہارا آپس کا تعلق ختم ہو گیا اور تمہارا دعویٰ سب گیا گزار ہو گیا)

آخر میں فرمایا: هُنَالِكَ تَبْلُغُوا كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ (الایہ) وہاں یعنی روز قیامت ہر شخص اپنے کئے ہوئے اعمال کو جانچ لے گا۔ یعنی ہر ایک کے اپنے اپنے عمل کا نتیجہ سامنے آئے گا جس میں شرکین کے شرک کی حقیقت کھل جائے گی اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم جن کی عبادت کرتے تھے ان سے ہمیں جو نفع کی امید تھی وہ غلط تھی وہ تو آج ہمارے خلاف بول رہے ہیں ان لوگوں کی ساری آرزوئیں ختم ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو حقیقی مولا اور مالک ہے، اور جو کچھ باتیں تراشتے تھے فیر اللہ کو معبود جانتے تھے وہ سب غائب ہو جائے گا اور کچھ بھی کام نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ سب کا مولیٰ یعنی مالک حقیقی ہے اور سورۃ محمد میں جو وَاِنَّ الْكَافِرِيْنَ لَا فَوْلَیْ لَهُمْ فرمایا وہاں مولا مددگار کے معنی میں ہے یعنی کافروں کا وہاں کوئی مددگار نہ ہوگا۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ

آپ فرمادیجئے وہ کون ہے جو تمہیں آسمان سے اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے اور وہ کون ہے جو

الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۖ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۖ

زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر فرماتا ہے، سو وہ ضرور یوں کہیں گے کہ اللہ ہی ہے

فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ فَذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ الْحَقُّ ۖ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۚ فَإِنِّي تُصَرِّفُونَ ۝

تو آپ فرمادیجئے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے ہو۔ سو وہ اللہ تمہارا حقیقی رب ہے، سو پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ پھر کہاں پھرے جارہے ہو۔

مشرکین سے سوال کہ تمہیں کون رزق دیتا ہے اور تمہارے کانوں اور آنکھوں کا کون مالک ہے

اور تمام کاموں کی تدبیر کون کرتا ہے؟

دنیا میں جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان سے

دریافت فرمائیے کہ آسمان اور زمین سے تمہیں کون رزق دیتا ہے اور تمہاری سننے کی قوت اور دیکھنے کی قوت کا مالک کون ہے یعنی

تمہارے کانوں اور آنکھوں پر کیسے پورا اختیار ہے کون ہے جس نے یہ چیزیں تمہیں دیں ہیں اور جو انکی حفاظت فرماتا ہے۔ وہ چاہتا

تو ان کو سلب کر لیتا ہے اور یہ بھی بتاؤ کہ مردہ سے زندہ کو کون نکالتا ہے اور زندہ سے مردہ کو کون نکالتا ہے؟ اور یہ بھی بتاؤ کہ عالم میں جو

تصرفات ہیں ان کی تدبیر کون فرماتا ہے؟ جب ان لوگوں سے یہ سوالات کرو گے تو ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی جواب نہیں ہوگا کہ

ان افعال کا مالک و مختار اور ان صفات سے متصف صرف اللہ ہی ہے۔ جب وہ یہ جواب دیں تو آپ فرمادیجئے کہ پھر تم اس رازق،

خالق اور مالک سے کیوں نہیں ڈرتے؟ اس کو چھوڑ کر جو دوسروں کی عبادت کرتے ہو وہ تمہارے نزدیک بھی بے اختیار ہیں، ان کی

عبادت کیوں کرتے ہو؟ وہ ذات پاک جس کی وہ صفات ہیں جو اوپر ذکر کی گئیں ہیں وہی واقعی اور حقیقی رب ہے۔ اس کے مالک

اور رب حقیقی ہونے کا اقرار بھی کرتے ہو اور پھر دوسروں کی عبادت کرتے ہو۔ یہ تو سراپا گمراہی ہے اور حق کے بعد گمراہی کے سوارہ ہی

کیا گیا؟ جانتے بوجھتے گمراہی میں پڑنا سب سے بڑی حماقت ہے۔ حق کو چھوڑ کر کہاں پھرے جارہے ہو (باطل کو چھوڑ و حق کی طرف

واپس آؤ) حق اور ضلال یعنی حق اور گمراہی کے درمیان کوئی چیز نہیں ہے۔ جو حق نہ ہو وہ گمراہی ہے۔ دونوں میں تضاد ہے۔ حق اور

گمراہی دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

كَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ

اسی طرح آپ کے رب کی یہ بات نافرمانوں کے بارے میں ثابت ہو چکی ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ آپ فرمادیجئے کہ تمہارے شریکوں میں

مَنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۖ قُلِ اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۖ فَإِنِّي تَوَفُّكُونَ ۝

کوئی ایسا ہے جو مخلوق کو پیدا فرمائے پھر اسے دوبارہ زندہ کرے؟ آپ فرمادیجئے کہ اللہ مخلوق کو ابتدا پیدا فرماتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ سو تم کہاں پھرے جارہے ہو؟

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ ۖ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ ۖ أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى

آپ فرما دیجئے کہ تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ اس حق کا راستہ بتاتا ہو آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی اس حق کا راستہ بتاتا ہے، سو جو حق کی راہ بتاتا

الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمْ مَنْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ يَهْدِي ۚ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ

وہ وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جو ہدایت نہیں پاتا مگر جبکہ اسے راہ بتائی جائے، سو تمہیں کیا ہوا تم کسی تجویزیں کرتے ہو۔ اور ان میں سے آخر

أَكْتَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۶﴾

لوگ صرف انکل کے پیچھے چلتے ہیں، بلاشبہ انکل حق کے بارے میں ذرا بھی مفید نہیں ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جاننے والا ہے جن کاموں کو وہ کرتے ہیں۔

### مشرکین سے مزید سوالات اور توحید پر آنے کی دعوت

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ مشرکین نے جو شرک کو اپنا رکھا ہے اور سمجھانے کے باوجود توحید پر نہیں آئے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی کہ آپ ان کے بارے میں مغموم نہ ہوں ان کو ایمان لانا نہیں ہے اس کے بعد فرمایا کہ ان سے دریافت کیجئے کہ وہ کون ہے جو ابتدا مخلوق کو پیدا فرماتا ہے پھر موت دیکر دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ اس بات کو جان لو صرف اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرماتا ہے اور موت دے کر دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد تم کہاں الٹے پھرے جارہے ہو۔ پھر فرمایا کہ آپ ان سے سوال فرمائیے کہ بتاؤ تمہارے شرکاء میں وہ کون ہے جو حق کا راستہ بتاتا ہے آپ خود ہی فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق کا راستہ بتاتا ہے جو حق کا راستہ بتانے وہ زیادہ لائق اتباع ہے یا وہ شخص جو خود ہدایت نہیں پاتا مگر یہ کہ اسے ہدایت دی جائے؟ مطلب یہ کہ اللہ کو چھوڑ کر جن لوگوں کی پوجا کرتے ہو وہ تو خود ہی بے راہ ہیں اور اس بات کے محتاج ہیں کہ انہیں راہ بتائی جائے سو تمہیں کیا ہو گیا؟ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو۔ اور تم کیسی جاہلانہ تجویزیں کرتے ہو کہ توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار کرتے ہو؟

پھر مشرکین کا حال بیان فرمایا کہ ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جو محض انکل، گمان اور خیال کے پیچھے چلتے ہیں اپنے انہی خیالات کی وجہ سے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بناتے ہیں۔ گمان اور انکل سے حق واضح اور ثابت نہیں ہوتا اس کے لئے دلائل قطعی کی ضرورت ہوتی ہے۔ بغیر علم اور بلا دلیل انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے باطل معبود بنائے رکھے ہیں۔ جیسا کہ سورہ نجم میں فرمایا: **إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمِيْتُمْوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۖ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ** (یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے تجویز کر لئے ہیں۔ اللہ نے ان کی دلیل نہیں بھیجی۔ یہ لوگ صرف گمان اور اپنے نفسوں کی خواہشوں پر چل رہے ہیں)

آخر میں فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ** کہ بلاشبہ اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے اپنے علم کے مطابق وہ انہیں سزا دے گا۔

وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَ

اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے جو افتراء کیا گیا ہو اللہ کی طرف سے نہ ہو۔ بلکہ وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے ہیں، اور احکام ضروریہ کی



تَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۰﴾ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِتَفْصِيلِ بَيَانٍ لَكُمْ ۖ اِنَّ فِي شَكِّكُمْ لَا رَيْبَ الْعَالَمِينَ كَيْفَ يَكُونُ لَكُمْ دُونِ اللَّهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۱﴾ بَلْ كَذَّبُوا بِمَا

تفصیل بیان کرنے والے ہیں۔ ان میں کوئی شک نہیں کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس بابت نے اپنے پاس سے بنالیا ہے۔ آپ فرمادیجئے کہ

بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ ۚ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۱﴾ بَلْ كَذَّبُوا بِمَا

تم اس جیسی سورت سے آؤ اور اللہ کے علاوہ جن لوگوں کو بلا سکتے ہو انہیں بلاؤ اگر تم سچے ہو۔ بلند بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے اسے جتایا نہ

لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ ۚ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ

اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے اور ابھی اس کا نتیجہ ان کے سامنے نہیں آیا، ایسے ہی جتایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے۔ سو دیکھ لیجئے ظالموں کا کیا

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿۱۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُؤْمِنُ بِهِ ۖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَرَبُّكَ

انجام دوا۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان الہی کے اور بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان نہیں الہی کے۔ اور آپ کا رب فساد کرنے

أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿۱۳﴾ وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِّي عَمَلٌ ۖ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۖ أَنْتُمْ بَرِيءُونَ

والو! کو ذمہ جانتا ہے۔ اور اگر وہ آپ کو جتائے تو آپ فرمادیجئے کہ میں نے میرا عمل ہے اور تمہارا ہے تمہارا عمل ہے تمہارے کاموں سے بری ہو

مِمَّا أَعْمَلُ ۖ وَأَنَا بِرَبِّي مُّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴﴾

جو میں کام کرتا ہوں، اور جن کاموں کو تم کرتے ہو میں ان سے بری ہوں۔

### قرآن حکیم کی حقانیت پر واضح دلیل اور اس جیسی ایک سورت بنانے کا چیلنج

توحید کے دلائل بیان کرنے کے بعد اب کتاب اللہ کی حقانیت بیان فرمائی جس کے ذیل میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی مزید

تصدیق ہوگئی۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سے بنالیا ہے۔

اول تو ان کی تردید فرمائی کہ یہ ایسی کتاب نہیں ہے جو غیر اللہ کی طرف سے ہو یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے جو اس سے پہلے آسمانی کتابوں کی

بھی تصدیق کرتی ہے اور جو احکام اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے بھیجے ہیں اس میں ان کی بھی تفصیل ہے۔ پھر ان لوگوں کو چیلنج کی اور فرمایا کہ

آپ ان سے فرمادیں کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ محمد ﷺ نے یہ قرآن اپنے پاس سے بنالیا ہے تو تم اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لے آؤ اور اللہ

کے سوا ساری مخلوق مبینہ اس مقصد کے لئے جس جس سے مدد لے سکتے ہو ان سب سے مدد لے لو۔ سورۃ بقرہ کی آیت (رکوع ۳) اِنْ

كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا كَيْفَ يَكُونُ لَكُمْ دُونِ اللَّهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۱﴾ میں فرمایا ہے کہ تم اس جیسی

بنائی ہوئی دس (۱۰) سورتیں لے آؤ پہلے قرآن کے مقابلہ میں دس سورتیں بنا کر لانے کا چیلنج کیا گیا پھر ایک سورت تک بات آگئی۔ آج

تک کوئی بھی قرآن کے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی سورت بھی بنا کر نہیں لایا اور نہ کبھی لاسکیں گے۔ جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا قُلْ

لِّبَنِي اِجْنَمِعْتُ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ اَنْ يَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴿۱۰۱﴾ (آپ

فرمادیجئے کہ اگر انسان اور سارے جنات اس بات کے لئے جمع ہو جائیں کہ قرآن جیسا بنا کر لے آئیں تو نہیں لاسکیں گے اگرچہ آپس

میں ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں)

جب قرآن کی سچائی ثابت ہوگئی تو قرآن لانے والے یعنی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی سچائی بھی ثابت ہوگئی اس کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں نے ایسی چیز کو جھٹلایا جو ان کے احاطہ علمی میں نہیں ہے۔ قرآن کو سمجھتے نہیں اور نہ سمجھنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ غور کرتے تو اس کی حقیقت اور حقانیت سمجھ میں آ جاتی اب جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں تو اس جھٹلانے کا نتیجہ دیکھ لیں گے۔ یعنی ان کی تکذیب کا برا انجام سامنے آئے گا۔ دنیا میں ذلیل اور ہلاک ہوں گے اور کفر پر مرنے کی وجہ سے آخرت میں دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے، ان سے پہلے تکذیب کرنے والوں پر عذاب آچکا ہے، دیکھ لیجئے ان کا انجام کیا ہوا؟ پھر فرمایا ان میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لائیں گے اور کچھ ایمان نہیں لائیں گے اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ اپنا کام کئے جائیں، بہت سے لوگ وہ ہیں جنہیں ایمان لانا نہیں ہے آپ کو دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو ایمان نہ لائے گا اس کی سزا بھگت لے گا اللہ تعالیٰ مفسدین کو خوب جانتا ہے۔ وہ ان کے کفر کی سزا دے دے گا مزید فرمایا کہ یہ لوگ جو تکذیب پر مصر ہیں حجت قائم ہونے پر بھی حق کو نہیں مانتے اور آپ کی تصدیق نہیں کرتے تو ان سے فرما دیجئے کہ میرا عمل میرے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے تم میرے عمل سے بری ہو میں تمہارے عمل سے بری ہوں مجھے میرے عمل کا ثواب ملے گا تم اپنی بد عملی کی سزا بھگتو گے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ

اور ان میں بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے اگرچہ وہ سمجھ بھی نہ رکھتے ہوں۔ اور ان میں سے بعض

يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْى وَلَوْ كَانُوا لَا يَبْصُرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ

دیکھتے ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں، کیا آپ اندھوں کو راہ بتا دیں گے اگرچہ وہ دیکھتے بھی نہ ہوں۔ بلاشبہ اللہ لوگوں پر ذرا سا بھی

شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ كَانُ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً

ظلم نہیں کرتے لیکن لوگ اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔ اور جس دن اللہ انہیں جمع فرمائے گا گویا کہ وہ دن کے حصہ میں سے صرف ایک گھنٹہ

مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۖ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَكَانُوا مُهْتَدِينَ ۝

نمبر ہے ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے، بے شک وہ لوگ خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے۔

وَأَمَّا سِرِّيكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ تَوَفِّيكَ فَأَلَيْنَا مَرْجِعَهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ

اور اگر تمہارا اس میں سے کچھ حصہ آپ کو دکھاؤں جس کا وعدہ ان سے وعدہ کرتے ہیں یا تمہیں آپ کو وفات دے دوں تو ہماری طرف ان سب کو لوٹا ہے پھر اللہ اس پر گواہ ہے

عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ۝ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ

جو کام وہ لوگ کرتے ہیں، اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہے سو جب ان کے پاس ان کا رسول آ جاتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ لَا أَمْلِكُ

اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ میں اپنی جان کے لئے

لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ

میں بھی ضرر یا نفع کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہے جب ان کا وقت مقرر آ جاتا ہے تو ایک لمبی نہ

سَاعَةٌ وَلَا يَسْتَفِيدُونَ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَكُمْ عَذَابُهُ بُيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ

پچھتے ہو سکتے ہیں اور نفع کے بڑھ سکتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ تم بتاؤ اگر اللہ کا عذاب رات کے وقت آ جائے یا دن کے وقت آ جائے تو اس میں وہ کون سی چیز ہے جس کی

مِنْهُ الْمُجِرُّمُونَ ۝ أَتَمَّ إِذَا مَا وَقَعَ أَمْنْتُمْ بِهِ ۚ أَلَنْ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ۝

نجرین جلدی مچا رہے ہیں، کیا پھر جب وہ واقع ہو ہی جائے تو اس پر ایمان لاؤ گے۔ اب ایمان لاتے ہو حالانکہ تم اس کے جلدی آنے کا تقاضا کرتے تھے۔

ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ ۖ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۝

پھر ان لوگوں سے کہا جائے گا جنہوں نے ظلم کیا کہ بیٹلی کا عذاب کچھ اور تمہیں انہیں اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جن کی تم کمانی کرتے تھے۔

وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقُّ هُوَ ۖ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝

اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ آپ فرما دیجئے ہاں میرے رب کی قسم بلاشبہ وہ حق ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

### مکذیب کرنے والوں کی بے حسی، قیامت کا منظر دنیا میں عذاب آنے کی وعید

گزشتہ آیات میں مکذبین اور معاندین کا ذکر تھا ان آیات میں ان کے مزید عناد اور تکذیب کا تذکرہ فرمایا۔ اولاً تو یہ فرمایا کہ ان

میں بعض ایسے لوگ ہیں جو بظاہر آپ کی طرف کان لگا کر بیٹھتے ہیں لیکن ان میں نہ حق طلبی ہے نہ ایمان لانے کا ارادہ ہے۔ ان کا سننا

اور نہ سننا برابر ہے۔ لہذا ان کی حالت بہرے انسانوں کی طرح ہو گئی جیسے بہروں کو سننا فائدہ مند نہیں ہو سکتا اسی طرح ان کو سننا اور نہ

سننا برابر ہے۔ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ بہروں کی مانند ہیں بلکہ سمجھ سے بھی محروم ہیں۔ انہیں کان لگانے والوں کی طرح وہ لوگ ہیں

جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں ان کا ارادہ بھی حق کے قبول کرنے کا نہیں۔ لہذا دیکھا ان دیکھا ان کے نزدیک برابر ہے۔ اندھوں میں

اور ان میں کوئی فرق نہیں، آپ اندھوں کو کیسے ہدایت دیں گے۔ حالانکہ وہ دیکھ ہی نہیں رہے اس مضمون کو سورۃ انفال میں یوں

بیان فرمایا: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۖ (اور تم لوگ ان لوگوں میں نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے

سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے) پھر فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۖ (بلاشبہ اللہ لوگوں پر ذرا

سازم نہیں فرماتا لیکن لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں) اسی ظلم میں سے یہ ہے کہ فکر و نظر سے کام نہیں لیتے اور اپنے حواس کو استعمال

نہیں کرتے اور اگر حق سمجھ میں آ جائے تو عناد اس کی طرف سے منہ موڑ لیتے ہیں یہ سب ان کی جانوں پر ظلم ہے اور وہ خود اپنی جانوں

پر ظلم کرنے والے ہیں۔

اس کے بعد قیامت کے دن کا ایک منظر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ** (اور انہیں وہ دن یاد دلائیے جس میں اللہ ان کو جمع فرمائے گا گویا وہ دن کے ایک حصہ میں صرف ایک گھڑی ٹھہرے ہیں آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے) یعنی جب وہاں حاضر ہونگے تو جو دنیا میں لمبی عمر گزری تھی اور برزخ میں جو عرصہ دراز تک رہے تھے اس سارے وقت کو یوں سمجھیں گے کہ گویا ہم صرف ذرا ہی دیر دنیا میں اور برزخ میں رہے قیامت کے دن کی سختی کو دیکھ کر دنیا اور برزخ کی مدت دراز کو بھول کر یوں سمجھیں گے کہ گویا دن میں سے صرف ایک گھڑی ہی وہاں گزاری ہے۔

سورۃ روم میں فرمایا: **وَيَوْمَ نَقُومُ السَّاعَةَ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبَثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ** (اور جس دن قیامت قائم ہوگی۔ مجرمین قسمیں کھائیں گے ہم ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے) یہ جو فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ یہ پہچاننا صرف پہچاننے ہی کی حد تک ہوگا آپس میں ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ مدتو کجا ایک دوسرے پر اعنت کریں گے اور چھوٹے بڑوں اور بڑے چھوٹوں پر بھڑکاؤ اٹھیں گے۔ اور سارے تعلقات وہاں ٹوٹ جائیں گے۔ پھر فرمایا: **قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ**۔ جن لوگوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا یعنی قیامت کے دن کا اور حساب اور جزا سزا کا انکار کیا یہ لوگ نقصان میں پڑ گئے اور اپنی جانوں کو ہلاک کر دیا۔ دنیا میں ہدایت یافتہ نہ ہوئے آخرت میں شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

پھر فرمایا: **وَأَمَّا نَسُكَ بَعْضُ الَّذِينَ نَعِدُهُمْ أَنْتَوْ قُنُوتٌ فَلَا نَمُرُّ بِهُمْ** (اور جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اگر اس میں سے تھوڑا سا حصہ ہم آپ کو دکھلا دیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں سو ہمارے ہی پاس ان سب کو آتا ہے) رسول اللہ ﷺ کی تکذیب پر جو عذاب میں مبتلا کئے جانے کی وعیدیں نازل ہوتی رہتی تھیں۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ جس عذاب کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ تھوڑا سا عذاب اگر ہم آپ کو دکھلا دیں یعنی آپ کی حیات ہی میں اس کا نزول ہو جائے یا ہم آپ کو اس سے پہلے وفات دے دیں سو یہ دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ آپ کے سامنے ہی عذاب آجائے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ آپ کے بعد ان پر عذاب آئے یعنی دنیا میں عذاب آنا لازم نہیں، ہمارے پاس ان کو آنا ہی ہے جو بڑا عذاب ہے (یعنی آخرت کا عذاب) اس میں تو ہر مکر اور کفر کو مبتلا ہونا ہی ہے **ثُمَّ اللَّهُ شَهِدَ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ** پھر یہ بات بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو ان سب کاموں کا علم ہے وہ اپنے علم کے مطابق بدلہ دے گا۔

پھر فرمایا: **وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا أَجَاءَ رَسُولُهُمْ فَخِصِي بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يَظْلُمُونَ** کہ قیامت کے دن ہر امت کا رسول موجود ہوگا۔ جو دنیا میں ان کی طرف مبعوث ہوا تھا۔ امتیں موجود ہوں گی اور ان کے رسول بھی موجود ہوں گے جو اہل کفر کے کفر اور اہل ایمان کے ایمان پر گواہی دیں گے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ اس آیت کا یہ مفہوم سورۃ نساء کی یہ آیت **فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَرَسُولٍ** اور سورۃ زمر کی آیت: **وَجِئْنَاكَ بِالشَّاهِدِ عَلَى مَا كُنْتُمْ عَلَىٰ** کے موافق ہے اور بعض مفسرین نے آیت بالا کا یہ مطلب بتایا ہے کہ دنیا میں رسول امتوں کے پاس آئے ان کی انہوں نے تکذیب کی اور اس تکذیب پر جو ان پر عذاب آیا اس آیت میں ان کا ذکر ہے، مطلب یہ ہے کہ ہر امت کے لئے ایک پیغمبر ہے۔ وہ پیغمبر جب ان کے پاس آجاتا ہے اور احکام پہنچا دیتا ہے پھر اس کے بعد کچھ لوگ مانتے ہیں اور کچھ لوگ نہیں مانتے تو انکے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اہل ایمان کی نجات ہو جاتی ہے اور کافر ہلاک کر دیئے جاتے ہیں اور کسی پر ظلم

نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ جو کچھ وہ اسے اتمام حجت کے بعد دہرا رہا ہے۔<sup>(۱)</sup>

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ جب بار بار عذاب کی امید سنتے تھے تو تعزیریں کہتے تھے کہ عذاب کی امید کہاں تک سنیں۔ کب ہوگی یہ عذاب؟ ایک مرتبہ آتی جاتے تو ہم بھی دیکھو میں کیا عذاب دیتا ہے۔ عذاب آنے میں جو وہ محسوس کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ وحیال تھی اس سے فائدہ دماغی کی بجائے مزید تکذیب میں آگے بڑھ جاتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ وعدہ کب ہوگا؟ ہم نے جو وعدے دیے ہیں وہ تو اسے پورا کرے۔ کھاؤ اور عذاب بھی لے آؤ۔ ان کا یہ قول استفہام انکاری کے طور پر تھا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا: قُلْ لَا أَتْلُو لَكُمْ فَلْيُصِرُّوا وَلَا يَنْفَعُوا مَا شَاءَ اللَّهُ (آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر جو کچھ اللہ چاہے) جب اپنے بارے میں میرا یہ حال ہے تو تم پر عذاب لانا میرے اختیار میں کیسے ہو سکتا ہے۔ مجھ سے تمہارا کیا جانا؟ بات ہے۔ لِكُلِّ أَفْئِدَةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجْلُهَا فَلَا يَسْتَأْذِنُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَعْدُونَ (ہر امت کے لئے وقت مقرر ہے جب ان کا مقرر وقت آچینے کا تو ایک گھنٹی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں) عذاب کا وقت آ جانے پر عذاب واقع ہو جائے گا جن امتوں کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب کا وقت مقرر ہے وہ دونوں میں بتائے عذاب ہوں گے اور جنکے لئے دنیا میں عمومی عذاب دینے کا فیصلہ نہیں کیا گیا آخرت میں انکے کفر کی وجہ سے ان کو عذاب دینا ہی ہے۔ اصل مقرر پر عذاب سامنے آتی جاتی ہے۔ یہ جو جلدی چاہتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں کہ عذاب کب آئے گا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ شانہ اپنی مقرر کردہ اصل سے پہلے عذاب نہیں لائے گا۔ ان لوگوں کے قول منسیٰ هَٰذَا الْوَعْدُ کہ پہلا جواب یہ: وَاكْرَمُوا لَكُمْ مَعَهُ سے یہ احاطہ کہ ادویہ کے نیرے بس میں عذاب لانا نہیں۔ اور دوسرا جواب یہ: دے دیا کہ عذاب اپنے وقت مقرر پر آئے گا۔ تمہارے جلدی مچانے سے اصل مقرر سے پہلے نہیں آئے گا۔

پھر فرمایا: قُلْ أَزِيدُكُمْ أَمْ أَتَجْعَلُ لَكُم مِّنْ عَذَابٍ (الآیہ) آپ ان سے فرمادیجئے کہ میں بڑھاتا ہوں یا کم کرتا ہوں؟ اللہ کا عذاب رات کو اپنے یاد ان کو آجائے تو عذاب میں ایسی کوئی چیز ہے جس کی وجہ سے مہر میں عذاب کے جلدی لانے کا فائدہ نہ رہے۔ مطلب یہ ہے کہ عذاب تو رات یا دن میں کسی بھی وقت نازل ہو سکتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ عذاب سخت چیز ہے اس کے آنے کی جلدی کیوں مچاتے ہیں عذاب میں ایسی کوئی چیز مرعوب ہے جسے جلد با آنا چاہتے ہیں۔ جب حقیقت عذاب مطلوب نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ عذاب لانے کی جلدی مچانے سے وعدہ عذاب کی تکذیب مقصود ہے۔ اَتَمُّ اِذَا مَا وَقَعَ اَمْتُمْ بِهِ کیا جب عذاب واقع ہو جائے گا اس وقت ایمان لائے گے؟ (اس وقت ایمان لانا بے فائدہ ہوگا اور اس وقت تصدیق نافع نہ ہوگی)

اَللّٰهُنَّ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ۔ جب عذاب آئے گا تو سوال ہوگا کیا اب تصدیق کرتے ہو؟ حالانکہ تم (بعد تکذیب) اس کی جلدی مچایا کرتے تھے۔ اس وقت کو ایمان لانا اور تصدیق کرنا فائدہ مند نہ ہوگا۔ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا اذْكُرُوا اَعْدَاتِ الْخُلْدِ پھر ان لوگوں سے کہا جائے گا جنہوں نے ظلم کیا کہ یہ بتائیے کیا عذاب چکھو۔ هَلْ نَخْذِرُوكُم مِّنْ عَذَابِ الْخُلْدِ (تمہیں انہیں کو مہل کو بدل دیا جائے گا جو تم کسب کرتے تھے) یعنی دنیا میں جن کو مہل کو کیا کرتے تھے ان ہی کی جزا ملے گی۔

یہ کہہ کر ان سے فرمایا: اَتَمُّ اِذَا مَا وَقَعَ اَمْتُمْ بِهِ کیا جب عذاب واقع ہو جائے گا اس وقت ایمان لائے گے؟ (اس وقت ایمان لانا بے فائدہ ہوگا اور اس وقت تصدیق نافع نہ ہوگی)

یہ کہہ کر ان سے فرمایا: اَتَمُّ اِذَا مَا وَقَعَ اَمْتُمْ بِهِ کیا جب عذاب واقع ہو جائے گا اس وقت ایمان لائے گے؟ (اس وقت ایمان لانا بے فائدہ ہوگا اور اس وقت تصدیق نافع نہ ہوگی)

یہ کہہ کر ان سے فرمایا: اَتَمُّ اِذَا مَا وَقَعَ اَمْتُمْ بِهِ کیا جب عذاب واقع ہو جائے گا اس وقت ایمان لائے گے؟ (اس وقت ایمان لانا بے فائدہ ہوگا اور اس وقت تصدیق نافع نہ ہوگی)

عاجز کرنے والے نہیں ہو) یعنی جب عذاب آجائے گا تو تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے، یہ نہ سمجھو کہ جب عذاب آئے گا تو ہم بھاگ نکلیں گے اور کہیں پناہ لے لیں گے۔ سارا ملک اللہ ہی کا ہے کہیں بھی فرار ہو کر نہیں جاسکتے۔ سورۃ عنکبوت میں فرمایا: وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَمَالَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ط (اور تم آسمان میں اور زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے جو اس عذاب سے بچا دے)

وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَا فِتْنَتْ بِهِ دَوَّاسُ السَّمَاءِ لَمَارَأُوا الْعَذَابَ

بروہ شخص جس نے ظلم کیا اس کیلئے وہ سب کچھ ہو جو زمین میں سے تو وہ اپنی جان کو عذاب سے چھڑانے کیلئے اس سب کو خرچ کر ڈالے گا۔ اور جب وہ عذاب دیکھیں گے تو پشیمانی کو

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۵۶﴾ أَلَا إِنَّ اللَّهَ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

پوشیدہ رکھیں گے اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ خبردار بے شک اللہ ہی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے

أَلَا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۷﴾ هُوَ يَحْيِي وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۵۸﴾

خبردار بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے، وہی زندہ فرماتا ہے وہی موت دیتا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ظالم لوگ جان چھڑانے کے لئے زمین بھر کر فدیہ دینے کو تیار ہوں گے

اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ ہوگا

منکرین اور معاندین دنیا میں حق کو جھٹلاتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کر کے اور راہ فرار اختیار کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اس کی آخرت میں سزا ملے گی۔ اور جب وہاں عذاب سامنے آئے گا تو جان کا بدلہ دے کر عذاب سے بچنے کے لئے سب کچھ خرچ کر دینے کو راضی ہوں گے۔ اگر بالفرض انہیں پوری زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب اور اس جیسا اور بھی ان کو مل جائے تو وہ اس سب کو اپنی جان کے بدلہ دینے کو تیار ہو جائیں گے۔ وہاں کچھ بھی پاس نہ ہوگا اور اگر بالفرض کچھ پاس ہو اور جان کا بدلہ دینے لگیں تو قبول نہ ہوگا۔ اس مضمون کی تفسیر سورۃ آل عمران کی آیت: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلَّةُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوْ فُتْدِيَ بِهِ سورۃ مائدہ کی آیت: ان الذين كفروا لو ان لهم مافی الارض جمعیا ومثلہ معہ کے ذیل میں بیان ہو چکی ہے۔

وَأَسْرُوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ قِيَامَتِ كَدُنْ جَبْ عَذَابِ دِيكْھیں گے تو ندامت اور پشیمانی کو پوشیدہ رکھیں گے اور ول ہی دل میں پشیمان ہوتے رہیں گے کاش مؤمن ہوتے تو آج مبتلا عذاب نہ ہوتے۔ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا)

أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (خبردار اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے) سب کچھ اسی کی ملکیت ہے، یہ مجرمین بھی اس کی مخلوق اور مملوک ہیں اسے ہر طرح تصرف کرنے کا حق ہے، مجرمین کو عذاب دینا اس کے لئے آسان ہے۔ اس کی قدرت اور تصرف سے کوئی باہر نہیں۔

أَلَا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ (خبردار اللہ کا وعدہ سچا ہے) قیامت ضرور آتی ہے۔ انکار کرنے سے اور شک کرنے سے رک نہ جائے

گی۔

وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ لَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے جو قیامت کے آنے میں شک کرتے ہیں۔ هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَالْیَہ تَسْرِجَعُونَ (وہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے) اس میں منکرین بعث کے استبعاد کی تردید ہے جو یوں کہتے تھے کہ موت کے بعد کیسے زندہ ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور یہ تمہاری نظروں کے سامنے ہے اسی سے سمجھ لو کہ وہ موت کے بعد بھی زندہ فرمائے گا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے اور ایسی چیز آئی ہے جس میں سینوں کے لئے شفا ہے اور ہدایت ہے وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۱۱﴾ اور رحمت ہے مؤمنین کے لئے۔ آپ فرما دیجئے اللہ کے فضل اور اللہ کی رحمت سے خوش ہو جاؤ۔ سو وہ اس پر خوش ہوں، یہ اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

قرآن موعظت ہے، سینوں کے لئے شفا ہے اور ہدایت و رحمت ہے

منکرین سے خطاب کرنے کے بعد مؤمنین کو خطاب فرمایا لیکن اسے یسّٰئِہَا النَّاسُ سے شروع فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی کتاب بھیجی ہے اور ہدایت نازل فرمائی ہے وہ تمام انسانوں کے لئے ہے سب انسان اسے قبول کریں۔ جن لوگوں نے اسے قبول کر لیا ان کے لئے خوشخبری ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام اور رحمت و اکرام پر خوش ہونا چاہئے کہ ہمیں اللہ نے وہ کچھ عطا فرمایا جس کے مقابلہ میں ساری دنیا بیچ ہے، دنیا میں لوگ جو کچھ جمع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے انعام کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ قرآن مجید کو موعظت (نصیحت) اور سینوں کے لئے شفا اور مؤمنین کے لئے ہدایت اور رحمت بتایا۔ موعظت، نصیحت کو کہتے ہیں جس میں برائیوں کو چھوڑنے اور احکام پر عمل کرنے اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال اختیار کرنے کی تلقین اور تعلیم ہو اور آخرت کے احوال اور احوال کی تذکیر ہو۔ قرآن مجید میں بار بار ان سب امور کے اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

قرآن مجید کو شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ بھی فرمایا یعنی اس کے ذریعہ دلوں کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے اور جو شخص اس کی ہدایت پر عمل کرے اس کا دل روحانی بیماریوں سے شفا یاب ہو جاتا ہے۔ حسد، کینہ، تکبر، بغل، خود پسندی اور حب دنیا اور وہ سب امور جو انسان کے دل کو تباہ کرتے ہیں قرآن مجید میں ان سب کا علاج ہے اس علاج کو اختیار کرے تو شفا حاصل ہوگی۔ نیز قرآن مجید کو ہدایت اور رحمت بھی فرمایا اس میں لفظ لِّلْمُؤْمِنِينَ کا اضافہ فرمادیا۔ قرآن مجید ہدایت اور رحمت تو سبھی کے لئے ہے لیکن چونکہ اس سے اہل ایمان ہی مستفید ہوتے ہیں اور اسے اپنے لئے ذریعہ ہدایت و رحمت بنا لیتے ہیں اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان کے لئے ہدایت اور رحمت ہونے کا تذکرہ فرمایا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں قرآن کے لئے هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ فرمایا ہے مزید فرمایا کہ اللہ کے فضل اور رحمت پر خوش ہو جائیں۔ صاحب مدارک التزیل لکھتے ہیں فضل و رحمت سے کتاب اللہ اور دین اسلام مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فضل فرمایا کہ قرآن مجید نازل فرمایا اور دین اسلام قبول کرنے کی توفیق دی جو رحمت عظیمہ ہے اور انعام بر انعام ہے۔ اللہ کے فضل اور رحمت پر خوش ہونے کا حکم فرمایا کیونکہ یہ بہت بڑی نعمتیں ہیں، ان پر جتنی بھی خوشی کی جائے اور مسرت کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ دنیا میں ہدایت پر ہونا اور آخرت میں نعمتوں سے مالا مال ہونا اس پر خوش ہونا اور چیز ہے اور دنیاوی نعمتوں پر اترنا دوسری چیز ہے۔ پہلی چیز کا حکم دیا گیا ہے اور

دوسری چیز سے منع فرمایا گیا دنیاوی مال اور جاہ پر اترنا مست ہونا اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بھلا دیتا ہے اور اس میں دوسروں کی تحقیر بھی ہوتی ہے اس لئے اس سے منع فرمایا جیسا کہ سورۃ انعام میں ہے **حَتَّىٰ اِذَا فَرَغُوْا بِمَا اُوْتُوْا اَخَذْنَا هُمْ بِغَنَّتِهِمْ** اور سورۃ قصص میں فرمایا **اِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ** آخرت سے متعلقہ اعمال اور نعمتوں پر خوش ہونے میں چونکہ حب دنیا کا دخل نہیں اور اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری کا ذریعہ ہے اس لئے محمود ہے آیت بالا میں اسی کا حکم فرمایا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اہل دنیا جو کچھ جمع کرتے ہیں نعمت اسلام اور نعمت قرآن کے سامنے اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں کیونکہ دنیا تھوڑی ہے اور فانی ہے۔

**قُلْ اَرَاَيْتُمْ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلٰلًا قُلْ اَللّٰهُ**

آپ فرمادیجئے کہ تم بتاؤ جو رزق اللہ نے تمہارے لئے نازل فرمایا تم نے اس میں سے خود ہی بعض کو حرام اور بعض کو حلال تجویز کر لیا۔ آپ فرمادیجئے کیا اللہ نے تمہیں

**اِذْنًا لَّكُمْ اَمْ عَلٰی اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ**

اس کی اجازت دی ہے یا اللہ پر افتراء کرتے ہو۔ اور قیامت کے دن کے بارے میں ان لوگوں کا کیا گمان ہے جو اللہ پر

**الْقِيَمَةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلٰی النَّاسِ وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝**

جھوٹ باندھتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے اور لیکن ان میں سے بہت شکر ادا نہیں کرتے۔

اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے

اللہ جل شانہ نے بندوں کو پیدا فرمایا ان کو رزق بھی عطا فرمایا۔ ان کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ اللہ کے رسولوں اور اللہ کی کتابوں نے احکام بتائے اور حلال و حرام کی وہ تفصیلات بتائیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہیں خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر دین کو کامل فرمادیا اور آپ پر قرآن مجید نازل فرمایا قرآن وحدیث میں حرام و حلال کی تفصیلات موجود ہیں۔ مشرکین نے جو اپنی طرف سے حرام و حلال تجویز کر رکھا ہے اس کی بھی تردید فرمائی اور امت محمدیہ علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بھی پیش بندی فرمادی کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات سے ہٹ کر اپنے طور پر حلال و حرام قرار نہ دیں اور واضح طور پر بتا دیا کہ تحلیل و تحریم یعنی حلال و حرام قرار دینے کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے بندوں کو اس میں دخل دینا حرام ہے اور اصول بندگی کے خلاف ہے۔ اللہ نے جو رزق نازل فرمایا ہے تم نے اس میں سے بطور خود (بعض کو حلال اور بعض کو حرام کیوں قرار دیا اللہ تعالیٰ کا حق تم نے کیسے استعمال کر لیا کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تحلیل و تحریم کی اجازت دی ہے؟ یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ حلال وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ حلال قرار دے اور حرام وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ حرام قرار دے۔ تمہارا اپنے پاس سے یوں کہنا کہ فلاں چیز حرام ہے یہ اللہ پر تہمت باندھنا اور افتراء کرنا ہے۔ جو کچھ اس نے حلال و حرام قرار دیا ہے اس کے خلاف جو تم کہتے ہو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ یہ تحلیل و تحریم اللہ نے کی ہے کیونکہ تحلیل و تحریم کا حق اسی کو ہے۔ مخلوق کے حرام کہنے سے کوئی چیز حرام نہیں ہو جاتی اور مخلوق کے حلال کہنے سے حرام چیز حلال نہیں ہو جاتی۔ مشرکین عرب نے بعض جانوروں کو حرام قرار دے رکھا تھا جس کا ذکر سورۃ مائدہ کی آیت **مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَٰعِضِہٖۤ اِلَآ سَآئِیَۃً** کی تفسیر میں اور سورۃ انعام کی آیت **وَقَالُوا هٰذِہٖۤ اَنْعَامٌ وَّہٰذِہٖۤ اٰیٰتُہٗۤ اِلٰہِہٖۤمُ** کی تفسیر میں گزر چکا ہے امت محمدیہ علی صاحبہ الصلوٰۃ والختیہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جنہوں نے تحلیل و تحریم کو دانستہ یا نادانستہ طور اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو عقیدۃ تو حلال کو حرام نہیں سمجھتے لیکن ان کا عمل



اس کے خلاف ہوتا ہے۔ بعض چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں اور ان سے اسی طرح بچتے ہیں جیسے حرام سے بچا جاتا ہے۔ نیاز فاتح کا جن لوگوں میں رواج ہے وہ لوگ جو حضرت سیدہ فاطمہ زہرا کے ایصالِ ثواب کے عنوان سے جو کھانا پکاتے ہیں اول تو وہ بدعت ہے پھر اس کے بارے میں یہ قانون بنا رکھا ہے کہ اس سے صرف لڑکیاں کھائیں گی لڑکے نہیں کھائیں گے۔ اللہ کی شریعت میں جو چیز سب کے لئے حلال ہے اسے لڑکوں کے لئے حرام قرار دینا وہی مشرکین والی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں تغیر اور تبدل کر دی اور حلال کو اپنے پاس سے حرام قرار دے دیا۔ اس طرح کی بہت سی چیزیں پیروں و فقیروں اور اہل بدعت میں مروج ہیں۔

دوسری آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور اللہ کے قوانین میں تصرف کرتے ہیں۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن کے بارے میں ان کا کیا گمان ہے۔ کیا انہیں روز قیامت کا یقین نہیں ہے؟ اسی یقین کے نہ ہونے کی بنیاد پر اللہ کے نازل فرمودہ رزق میں اپنی طرف سے حلت و حرمت تجویز کرتے ہیں ایسے نذر ہو گئے ہیں کہ آخرت کے مواخذہ کا کچھ بھی دھیان نہیں۔

آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَذُو فَضْلٍ عَلٰی النَّاسِ وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل فرماتا ہے رزق حلال عطا فرماتا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں (حلال کو حرام قرار دیتے ہیں)

اللہ کا یہ فضل بھی ہے کہ اس نے لوگوں کو دولت عقل سے نوازا پیغمبر بھیجے کتابیں نازل فرمائیں جنہوں نے حق اور ناحق واضح کر کے بتایا جس میں حرام و حلال کی تفصیلات بھی ہیں لیکن اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ اللہ کے فضل کی قدر دانی نہیں کرتے اور شکر کے بجائے کفرانِ نعمت کی راہ اختیار کرتے ہیں اس کفرانِ نعمت میں معصیت اور کفر و شرک کا اختیار کرنا سب داخل ہے۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ

اور آپ جس کسی حال میں بھی ہوں اور قرآن مجید کا جو بھی کوئی حصہ تلاوت کر رہے ہوں اور تم لوگ جو بھی کوئی عمل کرتے ہو ہم ضرور اس سے باخبر ہوتے

شَهُودًا اِذْ نَفِيضُونَ فِيْهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِّثْقَالٍ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا

ہیں جبکہ تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو اور زمین اور آسمان میں ذرہ کے برابر کوئی چیز ایسی نہیں جو تیرے رب کے

فِي السَّمَاءِ وَلَا اَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا اَكْبَرَ اِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿۱۰﴾

علم میں نہ ہو اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس سے چھوٹی ہو یا بڑی ہو جو کتابِ مبین میں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے کوئی ذرہ اور اس سے چھوٹی بڑی چیز اور مخلوق کا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں۔

ان آیات میں اللہ جل شانہ کی صفتِ علم کو بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ آپ جس حال میں بھی ہوں اور اسی حال میں سے یہ بھی ہے کہ آپ قرآن کے کسی حصہ کی تلاوت کر رہے ہوں اور آپ کے علاوہ دوسرے اشخاص اور افراد جو بھی کوئی عمل کرتے ہوں یہ سب حالات اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں کسی کی کوئی حالت اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اور آسمان میں اور زمین میں جو بھی ذرہ کے برابر کوئی چیز ہے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اور اس کے علم سے غائب نہیں ہے آسمان و زمین کے علاوہ بھی مخلوق ہے اور وہ بھی اس کے علم میں

ہے۔ آسمان وزمین کو چونکہ سبھی لوگ جانتے ہیں اور نظروں کے سامنے ہیں اس لئے خصوصی طور پر ان کا ذکر فرمادیا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ارض و سماء سے غنوی اور غلی دونوں جہتیں مراد لی گئی ہیں۔

مزید فرمایا کہ: وہ سے کوئی چیز چھوٹی ہو یا کوئی چیز اس سے بڑی ہو کتاب مبین یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے اور لوح محفوظ میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کا علم اس کو محیط ہے، جو چیزیں وجود میں آئیں یا بعد میں پیدا ہو گئی ان سب کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور جو چیز پیدا نہ ہوں گی ان کا بھی اللہ تعالیٰ کو علم ہے بلکہ اس کو ممتعات کا بھی علم ہے۔

آلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۰﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۱۱﴾

خبردار بلاشبہ جو اولیاء اللہ ہیں ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے جو دینہن الہی اور تقوی اختیار کرتے ہیں۔

لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ

ان کے لئے بشارت ہے دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں۔ اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں

### الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۲﴾

بڑی کامیابی ہے۔

### اولیاء اللہ نہ خوف زدہ ہوں گے نہ غمگین

یہ تین آیات ہیں ان میں اولیاء اللہ کی فضیلت اور ولایت کی حقیقت بتائی اور یہ بتایا کہ اولیاء اللہ کے لئے دنیا میں اور آخرت میں بشارت ہے۔ اولیاء دلی کی جمع ہے، دلی دوست اور قریب کو کہتے ہیں۔ اولیاء کون لوگ ہوتے ہیں؟ اس کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور تقوی اختیار کیا یہ لوگ اولیاء اللہ ہیں۔ ایمان کے بغیر تو اللہ کا دوست ہو ہی نہیں سکتا خواہ کیسی ہی ریاضت کرے اور عبادت کے نام سے کچھ بھی عمل کرے۔ کافر اور مشرک اللہ کا مقرب اور مقبول بندہ اور اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا اہل ایمان کے درجات مختلف ہیں۔ ایمان کی صفات کے کم و بیش ہونے اور ایمانی تقاضوں پر عمل کرنے میں اور عبادت، تلاوت، ذکر کی کیفیات اور کمیات کے اختلاف سے فرق مراتب ہو جاتا ہے اور کون شخص کس درجہ کا ولی ہے بندے اس کے ظاہری حالات سے اندازہ لگا سکتے ہیں، چونکہ ہر ایک کے ظاہر و باطن کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اس لئے فرق مراتب کا صحیح علم بھی اسی کو ہے۔ فرائض اور واجبات کا اہتمام اتباع سنت کا دھیان، نوافل کی کثرت، ذکر اللہ کی مشغولیت اور صفت احسان اَنْ نَعْبُدَ اللہَ سَمَّاكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ نَكُنْ نَرَاهُ فَإِنَّهُ بَرَاكَ کا حصول، خشوع و خضوع، اخلاص، مکارم اخلاق، محاسن الافعال ان سب چیزوں کے ذریعہ حسب مراتب درجہ بدرجہ اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور اسی کا نام ولایت ہے۔ صحیح مسلم ص ۷۴ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لا ییمان بضع وسبعون شعبۃ و افضلها قول لا الہ الا اللہ و ادناها اعطاة الاذی عن الطریق و الحیاء شعبۃ من الایمان (ستر) ۷۰ سے کچھ اور پر ایمان کے شعبے ہیں ان میں سب سے افضل لا الہ الا اللہ کہہ لینا ہے (یعنی سچے اعتقاد کے ساتھ کلہ طیبہ پر ایمان لانا ہے) اور ان میں سب سے کم درجہ کی بات یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دی جائے اور حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے)

اس میں ایمان کے ستر سے کچھ اور شعبے بتائے ہیں جس میں ادنیٰ شعبہ یہ بتایا ہے کہ راستہ سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ حیا کو ایمان کے شعبوں میں شمار فرمایا ہے ہر وہ عمل جو ایمان کے تقاضوں کے موافق ہو اور اللہ کی رضا کے لئے ہو وہ سب قرب خداوندی اور رضائے الہی کا ذریعہ ہے۔ اولیاء اللہ کی تعریف میں جو **الَّذِينَ آمَنُوا** فرمایا یہ ایمان کے تمام تقاضوں کو شامل ہے فرائض سے لے کر مستحبات تک جو بھی کرنے کے کام ہیں وہ سب اللہ کا قرب حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں۔ یہ تو ایمان کے تقاضوں کا ذکر ہوا جن پر عمل کرنا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے تقاضے بھی ہیں جن کا تعلق ان اعمال سے ہے جن کے ارتکاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کو **وَكَانُوا يَتَّقُونَ** میں بیان فرمایا۔ حرام سے لے کر مکروہ تہذیبی تک جو اعمال ترک کرنے کے ہیں ان سے بچنا بھی رضائے الہی کا ذریعہ ہے، اور یہ عبادت ہے۔ ایک حدیث میں ہے: **اتق المحارم تكن اعبدا للناس** کہ تو اللہ کی حرام کی ہوتی چیزوں سے بچ ایسا کرنے سے دوسروں سے بڑھ کر عبادت گزار ہوگا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۰)

جو شخص مامورات پر عمل کرتا ہے اور منہیات سے بچتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے اتباع کا اہتمام کرتا ہے جسے **قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ** میں بیان فرمایا ہے ایسے شخص کو اپنے عمل کے اعتبار سے قرب الہی حاصل ہوگا اور اسی درجہ کی ولایت حاصل ہوگی۔ جس درجہ کے اعمال ہوں گے اور جس قدر دنیاوی اشتغال و افکار سے ذہن فارغ ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے لگائی ہوگی اسی قدر قرب الہی میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ان الله تعالى قال من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب وما تقرب الی عبدی بشئ احب الی مما افترضته علیہ وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فاذا احببته فکت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یرئ بہ ویدہ الذی یمس بہ ورجلہ الذی یمشی بہا۔** (ارشاد خداوندی ہے جس نے میرے کسی ولی سے عداوت کی میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔ اور بندہ میرا سب سے زیادہ قرب فرائض کی ادائیگی کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ نیز بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے) یعنی میری توفیق سے اس کے اعضاء و جوارح میری مرضی کے مطابق کام کرنے لگ جاتے ہیں) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب فرائض کی ادائیگی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور نوافل کے ذریعے بھی تقرب بڑھتا رہتا ہے ان امور کو سامنے رکھ کر سمجھ لیا جائے کہ ولایت، فرائض، واجبات، اور مستحبات اور مندوبات اور اتباع سنت کے اہتمام اور ترک منہیات کا نام ہے یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ ولی وہ ہے جس سے کوئی کرامت صادر ہو یا صوفیہ کے کسی سلسلہ میں داخل ہو یا کسی خانقاہ کا گدی نشین ہو یا نسب کے اعتبار سے سید ہو وہ ولی ہے خواہ کیسے ہی اعمال کرتا ہو اور کیسا ہی دنیا دار ہو اور کیسا ہی تارک فرائض اور مرتکب محرمات ہو۔ یہ جہالت کی بات ہے، جو شخص متبع شریعت نہیں وہ اللہ کا دوست نہیں ہے۔ اب تو گدیاں عموماً جلب زرہی کے لئے رہ گئی ہیں۔ جہاں کہیں تھوڑا بہت ذکر و شغل اور ریاضت ہے وہ بھی منکرات کے ساتھ ہے۔ قلب جاری ہے لیکن اکل حلال کا اہتمام نہیں۔ بینک میں کام کرتے ہیں پھر بھی صوفی ہیں، داڑھی کٹی ہوئی ہے پھر بھی بزرگ ہیں، نماز نہیں پڑھتے اور مریدوں سے کہہ دیتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں نماز پڑھتا ہوں یہی بزرگی کے ڈھنگ رہ گئے ہیں اور ایسے لوگوں کو ولی سمجھا جاتا ہے۔ ولایت اتباع شریعت کا نام ہے اور حضرات صوفیاء کرام اسی لئے محنت اور ریاضت کراتے تھے کہ شریعت طبعیت ثانیہ بن جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلنا

آسان ہو جائے اب تو گدئی نشینوں کے نزدیک ولایت اور بزرگی کا مفہوم ہی ملت گیا۔

یہاں تک تو ولایت کی حقیقت بیان کی گئی جس سے یہ معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کون ہیں۔ اب یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اولیاء اللہ کے لئے جس انعام کا وعدہ فرمایا ہے کہ وہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ہے۔ سورہ بقرہ میں فرمایا ہے إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا ثواب ہے اور ان پر کوئی خوف نہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں گے) اس آیت سے معلوم ہوا کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کی خوشخبری مؤمنین صالحین کے لئے ہے اور دونوں آیتوں کے ملانے سے ولایت کا مصداق بھی معلوم ہو گیا (جس کی تشریح ہم اوپر کر چکے ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں بہت سے ایسے بندے ہوں گے جو نہ نبی ہیں نہ شہید ہیں قیامت کے دن انبیاء اور شہداء بھی ان کے مرتبہ کی وجہ سے جو اللہ کے نزدیک ہے ان پر رشک کریں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! یہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے قرآن کی وجہ سے محبت کریں گے ان کی آپس کی یہ محبت نہ آپس کی رشتہ داریوں کی وجہ سے ہوگی اور نہ اموال کے لین دین کی وجہ سے (یہ محبت صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق کی بنیاد پر ہوگی) اللہ کی قسم انکے چہرے منور ہوں گے اور وہ نور پر بیٹھے ہوں گے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہی آیت آ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ تلاوت فرمائی۔ (رواہ ابوداؤد کما فی المسکوٰۃ ص ۴۶)

اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ اولیاء اللہ کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے کہ ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے اس سے قیامت کے دن بے خوف اور اطمینان ہونا مراد ہے لہذا یہ اشکال دور ہو جاتا ہے کہ بعض مرتبہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو خوف لاحق ہوا اور بعض احوال میں غمگین ہوئے اسی طرح بہت سے اولیاء اللہ پر بعض حالات میں خوف اور حزن یعنی غم طاری ہوا کیونکہ یہ دنیاوی احوال ہیں آخرت میں یہ حضرات خوف و حزن سے محفوظ ہوں گے۔ یہ جو فرمایا کہ حضرات انبیاء اور شہداء بھی ان کا مرتبہ دیکھ کر ان پر رشک کریں گے اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرات انبیاء اور شہداء خوف زدہ اور غمگین ہوں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام اپنی امتوں کے مسائل حل کرنے اور ان کے بارے میں گواہی دینے اور ان کی سفارشیں کرنے میں مشغول ہوں گے اور حضرات شہداء کرام بھی سفارش میں لگے ہوں گے اور دوسرے اولیاء اللہ بے فکر بنے غم ہوں گے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ رشک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات ان لوگوں کی تعریف کریں گے جنہوں نے اللہ کے لئے آپس میں محبت کی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ ہر مؤمن کو کچھ نہ کچھ ولایت کا درجہ حاصل ہے اس درجہ کی وجہ سے جنت کا داخل مل جائے گا اور جنہوں نے گناہوں کے ذریعہ اس ولایت کو کم کر دیا ان میں سے جو شخص سزا پانے کے لئے دوزخ میں جائے گا وہ بھی سزا پا کر اسی حصہ ولایت کی وجہ سے جو اسے حاصل تھا جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اگر اپنی ولایت کی لاج رکھتا اور گناہوں سے بچتا۔ جس سے اونچے درجہ کی ولایت حاصل ہوتی تو دوزخ میں نہ بھیجا جاتا۔

اولیاء اللہ کے لئے مزید انعام کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ کہ اولیاء اللہ کے لئے دنیا والی زندگی میں اور آخرت میں بشارت ہے۔ اس بشارت سے کیا مراد ہے اس بارے میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اس بشارت سے کیا مراد ہے آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے ایسی

بات کا سوال کیا ہے جو اس سے پہلے مجھ سے کسی نے بھی دریافت نہیں کیا۔ پھر فرمایا کہ اس سے اچھی خوابیں مراد ہیں جنہیں آدمی خود دیکھ لے یا اس کے لئے دیکھی جائے۔ (مسند احمد ص ۳۱۵ ج ۵)

مطلب یہ ہے کہ مؤمن بندے ایسے خواب دیکھ لیتے ہیں جن میں ان کے لئے خیر و خوبی کی اور حسن خاتمہ کی اور اعمال کے مقبول عند اللہ ہونے کی نیز جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری ہوتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو ایسی خوابیں دکھائی جاتی ہیں جن میں کسی مؤمن بندے کے لئے بشارت ہوتی ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بشارت کا ایک مصداق بیان فرمایا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! ارشاد فرمائیے ایک شخص کوئی خیر کا کام کرتا ہے اور لوگ اس پر اس کی تعریف کرتے ہیں (اس کی وجہ سے اس کا ثواب ختم تو نہیں ہو جاتا جبکہ اس نے وہ عمل اللہ کے لئے کیا ہے) آپ نے فرمایا کہ یہ تو مومن کے لئے ایک بشارت ہے جو اسی دنیا میں اسے مل گئی۔ (راہ مسلم ص ۳۳۲ ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ کسی صالح بندہ سے لوگوں کا محبت کرنا ان کی تعریف کرنا اور ان کو اچھا سمجھنا اس میں اس بات کی بشارت ہے کہ وہ ان شاء اللہ تعالیٰ اللہ کا مقبول بندہ ہے۔ کیونکہ اہل ایمان کا کسی کو اچھا کہنا یہ اس کے اچھا ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا کی بشارت یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتے بشارت لے کر آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خوشخبری سناتے ہیں اور آخرت میں بشارت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ہی روح پرواز کرتی ہے تو اسے عالم بالا کی طرف لے جایا جاتا ہے اور اللہ کی رضامندی کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے جو ایک طویل حدیث موت اور مابعد الموت کے احوال کے بارے میں مروی ہے کہ اس میں موت کے وقت اللہ کی رضامندی کی بشارت کا ذکر ہے نیز قبر میں بشارت دیئے جانے کا ذکر بھی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۲)

حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ اس سے وہ بشارت مراد ہے جس کا اللہ نے مؤمنین سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں جنت کا داخلہ نصیب ہوگا اور ان کے اعمال کا بہت اچھا ثواب ملے گا جیسا کہ سورۃ بقرہ (ع ۳) میں وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ اور سورۃ بقرہ (ع ۱۹) میں وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ اور سورۃ بقرہ (ع ۲۸) میں وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ فرمایا ہے۔ یہ بشارتیں اس دنیا میں دے دی گئیں، لا تبدل لکلمات اللہ، اللہ کی باتوں یعنی اللہ کے وعدوں میں کوئی تبدیلی نہیں جو وعدے فرمائے ہیں وہ سب پورے ہوں گے جو بشارتیں دی ہیں وہ سب سچ ہیں ان کے مطابق انعام دیا جائے گا۔ ذَلِكْ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (یہ بشارت بڑی کامیابی ہے)

وَلَا يَحْزَنُكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

اور آپ کو ان کی بات نہ تنیدہ نہ کرے، بلاشبہ ساری عزت اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ سنے والا ہے جاننے والا ہے۔ خبردار اس میں شک نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہیں

مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ ۚ

جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسرے شرکا، کو پکار رہے ہیں وہ کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں۔

إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ

یہ لوگ صرف گمان کے پیچھے چل رہے ہیں اور صرف اٹکل بھو گمان کرتے ہیں۔ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو

لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَ النَّهَارَ مُبْصَرًا ۝ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْعُونَ ۝ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ

پیدا فرمایا تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو دیکھنے کا ذریعہ بنایا۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ اللہ نے

وَلَدًا سُبْحَنَهُ ۝ هُوَ الْغَنِيُّ ۝ لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۝ إِنَّ عِنْدَكُمْ مِّنْ

بیٹا بنا لیا ہے وہ اس سے پاک ہے وہ غنی ہے، اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے پاس اس بات کی

سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ۝ اَتَقُولُوْنَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ قُلْ إِنْ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ

کوئی دلیل نہیں ہے، کیا تم اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے۔ آپ فرما دیجئے بے شک جو

عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ

لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ دنیا میں تمہوڑا سا فائدہ اٹھاتا ہے پھر ہماری ہی طرف ان کو لوٹا ہے پھر ہم انہیں ان کے

الْعَذَابِ الشَّدِيدِ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝

کفر کی وجہ سے سخت عذاب چکھائیں گے۔

مشرکین صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں انہوں نے

اللہ کے لئے اولاد تجویز کر کے اللہ پر بہتان باندھا ہے

ان آیات میں اول تو رسول اللہ ﷺ کو تسلیم کر دیا ہے اور فرمایا ہے آپ ان کی باتیں سن کر غلگین اور دلگیر نہ ہوں ساری عزت اور ہر طرح کا

غلبہ اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ غالب ہے آپ کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ لَا غَلْبَ لَنَا وَرُسُلِي (مجادلہ ۳) میں بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ سننے والا ہے، جاننے والا ہے۔ وہ ان کے اقوال اور اعمال کی سزا دے گا۔ پھر فرمایا آ لَا إِنَّ اللَّهَ مَن فِي السَّمُوتِ وَمَن فِي

الْأَرْضِ (خبردار بلاشبہ جو آسمانوں کے رہنے والے ہیں اور جو زمین میں رہتے ہیں وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں) اس کے قبضہ قدرت

سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ (اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شرکاء کی عبادت کرتے

ہیں وہ کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں) إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ۔ یہ لوگ صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور محض اٹکل

بھو باتیں کرتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے گمان ہی گمان ہے اور دلیل وہی ہے جو خالق و مالک جل مجدہ کی طرف سے ملے۔

اول تو اس نے عقل سلیم عطا فرمائی، غور فکر کی صلاحیت دی۔ یہ ایک بہت بڑی دلیل ہے اگر کوئی شخص اس سے کام لے تو وہ سمجھ سکتا ہے اور

یقین کے ساتھ جان سکتا ہے کہ پیدا کرنے والے کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہو سکتا۔ پھر اس نے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا

انہوں نے صرف خالق جل مجدہ کی عبادت کرنے کو راہ مستقیم بتایا اور اسی کی دعوت دی اور بتایا کہ جو خالق کائنات ہے صرف وہی معبود وحدہ

الاشریک ہے مشرکین نہ ذلیل عقلی سے کام لیتے ہیں نہ حضرات انبیاء کرام کے بتانے سے شرک چھوڑتے ہیں۔ صرف گمان کا اتباع کرتے ہیں اور انکے کے پیچھے چلتے ہیں۔

پھر فرمایا: هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ (اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پیدا فرمایا تاکہ تم اس میں آرام کرو) وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا (اور دن کو ایسی چیز بنایا جس میں دیکھ بھال کرتے ہیں) اس میں چیزیں صاف واضح نظر آتی ہیں۔ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔ (یعنی حق کو قبول کرنے کی سیت سے سنتے ہیں اور سنی کو ان سنی نہیں گزرتے) رات اور دن دونوں ایسی چیزیں ہیں جو نظروں کے سامنے ہیں۔ پوری دنیا ان دونوں وقتوں سے خالی نہیں ہوتی کہیں رات ہوتی ہے کہیں دن ہوتا ہے اور دنیا کے ہنسنے والوں میں کوئی ایسا نہیں جو رات میں یا دن میں نہ ہو ہر علاقہ میں یہ دونوں یکے بعد دیگرے گزرتے ہیں۔ ان دونوں کا الٹ پھیر کرنے والا اور آگے پیچھے کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ رات کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے آرام کے لئے بنایا اور دن کا بھی بہت بڑا فائدہ ہے اس میں لوگ چلتے پھرتے ہیں دیکھتے بھالتے ہیں۔ کسب معاش کرتے ہیں یہ بسا اوقات اور سب حالات اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں پھر بھی مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کی نشانیاں سامنے ہیں وہاں کے سامنے انی جاتی ہیں تو انہیں سننا نہیں چاہتے اور سن لیتے ہیں تو ان کے تقاضوں کے مطابق نہیں چلتے حق کو قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

پھر فرمایا: قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ ان لوگوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے (وہ اس سے پاک ہے۔ هُوَ الْغَنِيُّ وہ بے نیاز ہے) لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے) اول تو وہ بے نیاز ہے اسے کسی کی حاجت نہیں کسی معاون و مددگار کی ضرورت نہیں پھر یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کی مخلوق ہے اور اسکی مملوک ہے خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی نسبتی رشتہ نہیں ہو سکتا۔ رشتہ کے لئے ہم جنس ہونا ضروری ہے لہذا اللہ جل شانہ کے لئے اولاد ہونا ہی محال ہے اس کے لئے اولاد تجویز کرنا اس کے لئے عیب کی بات تجویز کرنا ہے اور اس کی ذات کو محتاج بنانا ہے، حالانکہ وہ ان سب باتوں سے پاک ہے اور بلند و بالا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انسان کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ اللہ صاحب اولاد ہو گیا حالانکہ میں بے نیاز ہوں نہ کسی کو جتنا اور نہ جتنا گیا اور نہ کوئی میرے برابر ہے۔ (صحیح بخاری ص ۴۴ ج ۲)

پھر فرمایا: إِنَّ عِنْدَ كُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ مُّبِينٍ (تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں ہے) بے سند باتیں ہیں جو ہر ترشید و خیالات ہیں اتَّقُوا لَوْ أَنَّ اللَّهَ مَالًا تَعْلَمُونَ (کیا تم اللہ کے ذمہ ایسی باتیں لگاتے ہو جن کا تم علم نہیں رکھتے)

پھر فرمایا: قُلْ إِنَّ الدِّينَ بَقَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يَفْلَحُونَ (آپ فرماتے تھے کہ بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہ ہوں گے) مَنَعَ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ الْآخِرَةِ جَهَنَّمَ ثُمَّ نَذَبَهُمُ الْغَدَابُ الشَّدِيدُ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ (دنیا میں تھوڑا سا نفع ہے پھر ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے پھر ہم انہیں ان کے کفر کی وجہ سے سخت عذاب چکھادیں گے) اس میں اس شبہ کا جواب ہے ہم تو دیکھتے ہیں کہ مشرک اور کافروں اور مغتری آرام و راحت میں ہیں ان کے پاس مال بھی ہے حکومتیں بھی ہیں اس طرح تو وہ کامیاب نظر آتے ہیں۔ جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ تھوڑی سی دنیاوی زندگی ہے اس میں تھوڑا سا عیش کر لیں گے پھر ہمارے پاس آئیں گے وہاں کفر کا سخت عذاب چکھیں گے اس عذاب کے سامنے یہ ذرا سا چند روزہ دنیا کا عیش کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا، جو دوزخ میں جائے (اور وہ ہمیشہ کے

لئے) وہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذِكْرِي

اور آپ ان کو نوح کا قصہ پڑھ کر سنائیے، جبکہ نوح نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم اگر میرا قیام کرنا اور اللہ کی آیات کی

ربایۃ اللہ فعلى اللہ توکلّت فاجمعوا امرکم وشرکاءکم ثم لا یکن امرکم علیکم

یاد دہانی کرنا تم پر بھاری ہے تو میں نے صرف اللہ پر بھروسہ کیا سو تم سب مل کر اپنے شرکاء کے ساتھ اپنی تدبیر کر لو، پھر وہ تمہاری تدبیر

غمۃ ثم اقصوا الی ولا تنظروں فان تولیتکم فما سالتکم من اجرہ ان اجری

چھپی نہ رہے، پھر تم میرے بارے میں جو چاہو فیصلہ کر لو اور مجھے مہلت نہ دو۔ سو اگر تم روگردانی کرو تم میں سے تم سے کسی معاوضہ کا سوال تو کیا نہیں ہے۔ میرا

الا علی اللہ و امرت ان اکون من المسلمین فکذبوا فنجینہ ومن معہ فی

تو صرف اللہ پر ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں۔ سو انہوں نے ان کو جھٹلایا پھر ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے

الفک و جعلنہم خلیف و اغرقنا الذین کذبوا بآیتنا فانظر کیف کان

نجات دے دی، اور ہم نے انہیں پہلے لوگوں کے بعد زمین کے آباد کرنے والا بنادیا، اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، سو اسے مخاطب دیکھ لے جن

### عَاقِبَةُ الْمُنْذِرِينَ

کوڑا یا گیا تھا ان کا کیسا انجام ہوا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا جرأت کے ساتھ اپنی قوم سے خطاب فرمانا

اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا غرق ہو جانا!

ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ اجمالی طور پر بیان فرمایا ہے۔ تفصیل کے ساتھ آئندہ سورۃ یس اور سورۃ نوح میں مذکور ہے، نیز سورۃ اعراف (۸۷) میں بھی گزر چکا ہے۔ سورۃ اعراف کی تفسیر میں ہم نے کچھ لکھا ہے اس کو دوبارہ دیکھ لیں (انوار البیان جلد ہذا) اور سورۃ یس (رکوع ۳) اور (رکوع ۴) کی تفسیر کا مطالعہ کر لیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال قیام فرمایا ان کو طرح طرح سے سمجھایا تو حید کی دعوت دی شرک کی شناعت اور قباحات بیان فرمائی لیکن وہ لوگ برابر مخالفت کرتے رہے اور دشمنی پر اتر آئے اور یہاں تک کہہ دیا لَسْنَا لَمْ نَسْبِ بِأَنُوحٍ لِّتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ (کہا اے نوح اگر تم باز نہ آئے تو تم سنگسار کئے جانے والے آدمیوں میں سے ہو جاؤ گے) حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم اور تمہارے شرکاء (جو کہ اللہ کے چھوڑ کر رہتے ہو) سب مل کر میرے خلاف فتنہ نہ بناؤ اور ایسا نہ کرو، جوڑھ لے کر پھینکا نہ ہو پھر تم اپنے منصوبہ کے موافق میری ایذا رسانی کے لئے جو چاہو فیصلہ کر لو۔ مجھے تم سے کوئی ڈر نہیں۔ میں نے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اور مجھے تم سے کوئی لالچ بھی نہیں۔ اگر مجھے تم سے کچھ لالچ ہوتا تو مجھے یہ خیال ہوتا کہ تم ناراض ہو جاؤ گے تو جس نفع کی امید ہے وہ حاصل نہ



ہو چکا تھا اور اگر وہ اپنی کفر اور اپنے اغراض پر باقی رہتا تو میرا کچھ نہیں بڑے گا میرا جزو تو صرف اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے اللہ کی طرف سے یہ حکم ہوا ہے کہ اللہ کے فرما پر داروں میں سے رہوں میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ وہ لوگ برابر جھگڑاتے رہے اور انہوں نے صاف کہہ دیا **فَاتَسَاءَلُمْ أَتَعْلَمُونَ كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ**۔ (کہ جس عذاب کی تم نہیں دیکھی دیتے ہو اگر تم سچے ہو تو اسے لے آؤ) حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنائی اور اپنے گھر والوں کو اور اہل ایمان کو اپنے ساتھ کشتی میں بٹھالیا زبردست پانی کا طوفان آیا جس میں سارے کافر غرق ہو گئے (ان میں حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور ایک بیٹا بھی تھا) اور تمام اہل ایمان نے نجات پائی۔ کافروں کی ہلاکت کے بعد یہ نجات پانے والے اہل ایمان دنیا کے آباد کرنے والے بنے۔ **فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْضِرِينَ** اب دیکھنے والے دیکھ لیں اور غور کر لیں کہ جن لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا تھا ان لوگوں کا کیا انجام ہوا اور اپنے کفر پر پتھر ہے اور ہلاکت ہوئے۔

**ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِهَا**

پھر ہم نے نوح کے بعد کتنے ہی پیغمبر بھیجے جو اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے۔ سو وہ ان کے پاس کھلی باتیں لے کر آئے۔ سو وہ ایسے نہ تھے کہ جس چیز کو پہلے

**كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ۚ كَذَلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ۝** **ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ**

جھگڑا کرتے تھے اس پر ایمان لے آئیں۔ ہم اسی طرح ہر قوم کے لئے نکل جانے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے

**مُوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ۝** **فَلَمَّا**

موسیٰ اور ہارون کو اپنی آیات کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ وہ ان لوگوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔ سو جب ان کے پاس

**جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ مُّبِينٌ ۝** **قَالَ مُوسَىٰ اتَّقُوا اللَّهَ**

ہماری طرف سے حق آگیا تو کہنے لگے کہ بلاشبہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ جب تمہارے پاس حق آگیا

**لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ ۚ أَسِحْرٌ هَذَا وَلَا يُفْلِحُ السَّحَرُونَ ۝** **قَالُوا أَإِجْتَنَّا لِتَلْفِتِنَا عَمَّا**

تو کیا تم اس کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو؟ کیا یہ جادو ہے؟ اور جادو کرنے والے کا سیلاب نہیں ہوتے۔ وہ کہنے لگے کیا تو ہمارے آس پاس لے آیا ہے کہ جس چیز پر ہم

**وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونُ لَكُمُ الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَا نَحْنُ لَكُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝**

نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے تو ہمیں اس سے بڑا دے اور زمین میں تم دونوں کو سرداری مل جائے اور ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

**وَقَالَ فِرْعَوْنُ أَتُتُونِي بِكُلِّ سِحْرِ عَلِيمٍ ۝** **فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمُ مُوسَىٰ أَلْقُوا**

اور فرعون نے کہا کہ میرے پاس ہر جادوگر کو لے آؤ جو خوب جانتے والا ہو۔ سو جب جادوگر آئے تو موسیٰ نے ان سے کہا ازالہ دو تم

**مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ۝** **فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُمْ بِهِ السَّحَرُ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ ۚ**

جو کچھ ڈالنے والے ہو۔ سو جب انہوں نے ازالہ کیا تو موسیٰ نے کہا تم جو کچھ لائے ہو یہ جادو ہے بلاشبہ عظیم اللہ اسے باطل کر دے گا

ع

إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝

بے شک اللہ فساد کرنے والوں کا کام نہیں چلے گا۔ اور اللہ اپنے وعدوں کے موافق حق کو ثابت فرماتا ہے اگرچہ مجرمین بددعا کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی طرف مبعوث ہونا اور ان کے مقابلہ میں جادو گروں کا شکست کھانا ان آیات میں اول تو اجمالی طور پر ان پیغمبروں کی آمد اور تبلیغ اور قوموں کی تکذیب کا حال بیان فرمایا ہے جو حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تھے۔ جب لوگوں کے پاس حق آیا تو پہلے سے جس کفر پر جیسے ہوئے تھے اسی پر جیسے رہے اور حق کو قبول نہ کیا ان لوگوں کے عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔ لہذا حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہ رہی۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی بعثت کا تذکرہ فرمایا کہ ان دونوں کو ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا جو ہماری آیات و معجزات لے کر پہنچے جب فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس ان دونوں حضرات نے حق پیش کیا اور توحید کی دعوت دی اور غیر اللہ کی عبادت چھوڑنے کا حکم فرمایا تو ان لوگوں نے تکبر کیا اور حق کو قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھا جیسا کہ سورہ مؤمنون میں ان کا قول نقل فرمایا اَنُؤْمِنُ بِشَيْءٍ مِّثْلَ مَا نَحْنُ غَائِبُونَ (کیا ہم اپنے جیسے دواؤں میں پر ایمان لائیں حالانکہ ان کی قوم ہمارے زیر حکم ہے) یہ لوگ پہلے سے مجرم تھے کافر تھے اور کفر پر جیسے رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جھٹ بازی کی ان سے کہا کہ اپنے رسول ہونے کی نشانی پیش کرو انہوں نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو بہت سفید تھا اور اپنی لاشی زمین پر ڈال دی تو وہ اڑ دھا بن گئی اس پر وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم حق کو جادو کہتے ہو۔ ہوش کی دوا کرو۔ کیا یہ جادو ہے؟ اور یہ بھی سمجھ لو کہ جادو گر کامیاب نہیں ہوتے۔ وہ تو دنیا میں بھی ذلیل رہتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لئے تباہی ہے اور خاص کر جو شخص جادو کے ذریعہ نبوت کا دعویٰ کرے وہ تو اپنے دعویٰ میں کامیاب ہو ہی نہیں سکتا۔ اس میں یہ بات بیان فرمائی کہ دیکھو میں تو کامیاب ہوں اور کامیاب رہوں گا اور جو شخص میرے مقابلہ میں آئے گا وہ ناکام ہوگا۔

فرعون اور اس کے درباری کہنے لگے جی ہاں ہم نے سمجھ لیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو جس دین پر پایا ہے اس سے تم ہمیں ہٹا دو اور جب ہم تم پر ایمان لے آئیں تو پھر زمین میں تمہارا ہی حکم چلے اور تمہیں ہی سرداری مل جائے اور تم ہی صاحب اقتدار ہو جاؤ فکر ہر کس قدر ہمت اوست۔ اہل دنیا دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور جس طرح خود دنیا کے طالب ہوتے ہیں اسی طرح دوسروں کے بارے میں ایسا ہی خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی طالب دنیا ہے اور اسکی ساری محنت کو شش اس لئے ہے کہ اسے ملک مل جائے۔ آخرت کی بڑائی اور بلندی ان کے سامنے ہوتی ہی نہیں۔ فرعون نے اور اس کی جماعت نے حضرت موسیٰ و ہارون سے یہی کہا کہ تم دنیا کے طالب ہو سر زمین مصر کی حکومت چاہتے ہو۔ (والعیاذ باللہ)

چونکہ ان کی لاشی والا معجزہ دیکھ کر فرعون اور اس کے درباریوں نے یوں کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے اس لئے جادو کا مقابلہ کرانے کے لئے جادو گروں کو طلب کرنے کی سوچی۔ فرعون نے کہا میری قلمرو میں جتنے بھی ماہر جادو گر ہیں سب کو بلاؤ۔ چنانچہ جادو گر بلائے گئے اور مقابلہ کی بات چلی جب وہ لوگ سامنے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ بولنے آپ اپنی لاشی ڈالیں گے یا پہلے ہم ڈالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم ڈالو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاشیاں ڈالیں جو ان کے جادو کی وجہ سے دوڑتے ہوئے سانپ معلوم ہو رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاشی ڈالی تو وہ اڑ دھا بن گئی۔ اور ان کی ڈالی ہوئی چیزوں کو اس نے چٹ کرنا شروع کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے ان سے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ دیکھو تم جو کچھ لے کر آئے ہو جادو ہے اور میں جو کچھ لے کر آیا ہوں وہ جادو نہیں ہے۔ فرعون اسے جادو کہہ رہا ہے۔ بلاشبہ انہی ابھی اللہ تمہارے جادو کو باطل قرار دے گا۔ چنانچہ سب نے دیکھ لیا کہ جادو گرا اپنی جادوگری میں ناکام ہوئے پھر وہ سوئی گئے۔ یہ ایمان لائے اور اس بات کا اقرار کیا کہ جو کچھ موسیٰ کے پاس ہے وہ جادو نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا اِنَّ اللہَ لَا یُضِلُّ عَمَلُ الْمُفْسِدِیْنَ (بلاشبہ اللہ فساد کرنے والوں کا کام نہیں بنے دیتا) اللہ کے نبی کے مقابلہ میں جو شخص آئے گا وہ فساد ہی ہوگا وہ مقابلہ میں شک نہیں سکتا وَیَحِقُّ اللّٰهُ الْحَقُّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ (اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے موافق حق کو ثابت فرماتا ہے اگرچہ مجرمین کو یہ ناگوار ہو) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو اللہ کا وعدہ تھا اَنْتَ الْاَعْلٰی وہ پورا ہوا۔ فرعون اور فرعونوں کو اور جاہلوں کو شکست فاش ہوئی۔ فالحمد للہ علی ما قضی۔

فَمَا اٰمَنَ لِّیُّوسٰی اِلَّا ذُرِّیَّةٌ مِّنْ قَوْمٍ عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَٓئِہِمۡ اَنْ یَّفْتِنَہُمْ ؕ

سو موسیٰ پر ان کی قوم میں سے تمہارے سے لوگ ایمان لائے وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ انہیں فتنے میں نہ ڈالے،

وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّہٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ ؕ وَقَالَ مُوسٰی یَقُوْمُ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰہِ فَعَلِیْہِ تَوَكَّلُوْا اِنْ کُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ ؕ فَقَالُوْا عَلٰی اللّٰہِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا لَا

اور بلاشبہ فرعون اس زمین میں بلندی والا تھا، اور اس میں شک نہیں کہ وہ حد سے آگے بڑھ جانے والوں میں تھا۔ اور یہی نے کہا کہ اے میری قوم اگر تم

اللہ پر ایمان لائے ہوئے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم فرمانبردار ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ پر ہی بھروسہ کیا اے ہمارے رب تو

تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ ؕ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِکَ مِنَ الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ ؕ

ہمیں ظالم قوم کے لئے فتنہ نہ بنا۔ اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر قوم سے نجات دے،

وَ اَوْحِیْنَا اِلٰی مُوسٰی وَاَخِیْہٖ اَنْ تَبَوَّآ لِقَوْمِکُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمۡ

اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر برقرار رکھو

قِبْلَۃً وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ

اور اپنے گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو، اور نماز قائم کرو اور مؤمنین کو خوشخبری دو۔

مصر میں بنی اسرائیل کا بے بس ہونا اور موسیٰ علیہ السلام کا انہیں توکل کی تلقین فرمانا

اور گھروں میں نمازیں پڑھنے کا اہتمام کرنے کا حکم دینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے اپنی قوم کی طرف بھی مبعوث ہوئے تھے جیسا کہ فرعون اور ان کی طرف بھی ان کی بعثت

ہوئی تھی۔ فرعون کی قوم میں سے ایک شخص نے ایمان قبول کیا جس کا ذکر سورہ مؤمن میں ہے اور فرعون کی بیوی بھی مسلمان ہو گئی تھی جس کا

سورہ تحریم میں ذکر ہے اور بعض لوگوں نے مائطہ (فرعون کی لڑکی کی سنگت کرنے والی) اور اس کے خراچی اور اس کی بیوی کے مؤمن ہونے

کا بھی ذکر کیا ہے، بنی اسرائیل میں سے بھی کچھ لوگوں نے ایمان قبول کیا۔ مسلمان تو ہو گئے لیکن فرعون سے اور اس کی قوم کے سرداروں سے ڈرتے تھے کہ کہیں انہیں فتنے میں نہ ڈال دے، یعنی جو دین حق انہوں نے قبول کر لیا ہے اس سے بٹانہ دے۔ فرعون کو زمین میں اقتدار حاصل تھا۔ متکبر بھی تھا اور ظالم بھی، لوگوں کو سزا دیتا تھا وہ بہت سخت سزا دیتی تھی۔ باتحوں میں سیلیں گاڑ دیتا تھا۔ اسی لئے اسے سورۃ النفر میں ذُو الْأَوْتَادِ فرمایا ہے۔

تکبر اور تجبر میں اتنا آگے بڑھ چکا تھا کہ اپنے بارے میں اَنَّا نُرِيكُمْ الْاٰغْلٰی کہتا تھا جو مومن ہوئے وہ اس سے ڈرتے رہتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اگر تم واقعی اللہ پر ایمان لے آئے ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم فرمانبردار ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا پھر یوں دعا کی کہ اے اللہ ہمیں ظالموں کے لئے فتنہ نہ بنا جو ہمیں تکلیف دیں اور تجھ متیق بنائیں اور ہم پر رحم فرما کا فر قوم سے نجات دے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کرنے والے کو اللہ پر توکل کرنا چاہئے۔ توکل ہو گا تو دعا کی قبولیت کی امید زیادہ بندھ جاتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا توکل کے منافی نہیں ہے۔ توکل کا معنی یہ ہے کہ اسباب عادیہ پر نظر نہ رہے اور صرف خالق الاسباب پر بھروسہ ہو جائے۔ اور دعا بھی اسی ذات سے مانگی جاتی ہے جس پر بھروسہ ہے اس لئے دونوں میں کوئی منافات نہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہما السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم کے لئے مصر ہی میں گھر بنائے رکھو اور گھروں ہی میں نمازیں پڑھتے رہو۔ یہ گھر ہی تمہارے لئے مسجدیں ہیں چونکہ فرعون کے ظلم کی وجہ سے باہر مسجدیں نہیں بنا سکتے تھے اور کھل کر نماز پڑھنے کا موقع نہ تھا اس لئے یہ حکم دیا کہ گھروں ہی میں نماز پڑھیں اور نماز قائم رکھیں۔ (اس سے نماز کی اہمیت معلوم ہوئی کہ جہاں بھی ہوں مظلومیت کے جن حالات سے بھی گزر رہے ہوں نماز قائم کرنے میں سستی نہ کریں)

آخر میں فرمایا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (اہل ایمان کو بشارت دے دو) اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرمائے گا انہیں ظالموں سے نجات دے گا اور دشمن کے مقابلہ میں ان کی مدد فرمائے گا اور ان کی مظلومیت کی جو حالت ہے اس سے نجات دے گا۔ (جس کا ذکر آگے آ رہا ہے)

وَقَالَ مُوسٰی رَبَّنَا اِنَّكَ اَتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَٓئَہٗ زَیْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِی الْحَیٰوَةِ الدُّنْیَا ۙ

اور موسیٰ نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! بے شک آپ نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو دنیا والی زندگی میں زینت اور اموال دیے

رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِکَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِہِمۡ وَاَشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِہِمۡ فَلَا

ہیں اے ہمارے رب! یہ اس لئے ہیں کہ وہ آپ کے راستے سے بنایا کریں، اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دیجئے

یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوْا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ؕ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَعْوُکُمْ کَمَا فَاسْتَغِیْمُوْا وَلَا تَتَّبِعِیْنَ

اور ان کے دلوں کو سخت کر دیجئے یہود و ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کر لی مگر تم دونوں ثابت قدم رہو اور ان لوگوں

سَبِیْلِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ وَجُوْرًا بِبَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ الْبَحْرَ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ

کے راستہ کا ہرگز اتباع نہ کرو جو نہیں جانتے۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے گزار دیا پھر بغاوت اور زیادتی کرتے ہوئے فرعون

وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدُوًّا حَتَّىٰ إِذَا أَذْرَكَهُ الْغَرَقُ ۚ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ

اور اس کا لشکر ان کے پیچھے ہو لیا، یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں

بِإِسْمِ رَبِّكَ إِلَهَ رَأَيْتَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۚ أَلَمْ تَكُنْ مِن

جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ کیا اب ایمان لاتا ہے؟ حالانکہ اس سے پہلے تا فرما کر رہا اور تو فساد کرنے

الْمُفْسِدِينَ ۝ ۱۰ ۚ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَن خَلَقَ آيَةً ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّن

دالوں میں سے ہے۔ سو آج ہم تیری لاش کو نجات دیں گے تاکہ تو ان کے لیے موجب عبرت ہو جو تیرے بعد موجود ہیں اور حقیقت یہ ہے

النَّاسِ عَنِ آيَةِ الْغَفْلُونَ ۝

کہ بہت سے آدمی ہماری نشانوں سے غافل ہیں۔

فرعون اور آل فرعون کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی بددعا، فرعون کا غرق ہونا

اور عبرت کے لئے اس کی نعش کا باقی رکھا جانا

فرعون اور اس کی قوم مصر میں صاحب اقتدار تھے اس کے پاس امول تھے۔ زجب و ذنیت کے ساتھ رہتے تھے اور بنی اسرائیل جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر جا کر آباد ہو گئے تھے وہ وہاں پر پردیسی تھے اور چونکہ اہل مصر یعنی قبطیوں کی قوم میں سے نہ تھے اس لئے ان سے محنت کے کام لئے جاتے تھے بلکہ ان سے بیگاریں لیتے تھے۔ بنی اسرائیل مال کے اعتبار سے بھی بہت کمزور تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں عرض کیا کہ اے اللہ! آپ نے ان لوگوں کو دنیاوی ساز دسمان دیا ہے جو اس بات کا ذریعہ بن رہا ہے کہ وہ لوگوں کو آپ کے راستہ سے ہٹائیں اور گمراہ کریں، آپ انکے مالوں کو ختم فرما دیجئے اور ان کے دلوں کو سخت کر دیجئے تاکہ یہ دردناک عذاب دیکھنے تک ایمان نہ لائیں اور کفر کی سزا دنیا میں اور آخرت میں چکھ لیں۔ حضرت موسیٰ دعا کرتے جاتے تھے اور حضرت ہارون آمین کہتے جاتے تھے، دعا کرنے والے کی دعا پر آمین کہنا بھی دعا میں شریک ہونا ہی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی۔ سو تم ثابت قدم رہو اور استقامت کے ساتھ کار مفوضہ انجام دیتے رہو۔ یعنی تبلیغ حق کا کام کرتے رہو اور جو لوگ نادان ہیں انکی راہ کا اتباع نہ کرو (تمہاری مدد کا وعدہ تو ہے لیکن اس کے ظہور میں دیر لگے اس دیر سے مت گھبرانا جیسا کہ وہ لوگ گھبر جاتے تھے جو عادیۃ اللہ کو نہیں جانتے اور جن کی اللہ کی حکمتوں پر نظر نہیں ہوتی) صاحب روح المعانی نے فاسْتَقِمْ مَا وَلَا تَتَّبِعِ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ کی یہی تفسیر کی ہے اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن جریجؓ اور حضرت مجاہدؓ سے نقل کیا ہے کہ چالیس سال کے بعد اس دعا کا نتیجہ ظاہر ہوا۔ فرعون اور اس کا لشکر ہلاک ہوا اور بنی اسرائیل نے ان کے شر سے نجات پائی۔

جب دعا کی قبولیت یعنی اس کا اثر ظاہر ہونے کا وقت آیا تو حسب فرمان باری تعالیٰ شانہ حضرت موسیٰ اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے چل دیئے اور سمندر پر پہنچ گئے۔ سمندر پر لاشی ماری تو سمندر ٹھہر گیا اور اس کے ٹکڑے ہو گئے یعنی اس میں راستے نکل آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر اس میں سے گزر گئے۔ فرعون اور اس کی قوم کو یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ بنی اسرائیل کو مصر چھوڑ

کر صحیح سالم جانے دیں۔ یہ لوگ سینکڑوں سال سے بنی اسرائیل پر ظلم و زیادتی کرتے آرہے تھے ان کے چلے جانے سے متفکر ہوتے تھے کہ اب ہماری خدمت کون کرے گا ان کا تعاقب کرنے کے لئے فرعون اپنا لشکر لے کر آیا۔ یہ لوگ بنی اسرائیل کے پیچھے سمندر کے راستوں میں گھس گئے (جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمادیے تھے) اور بنی اسرائیل کا پیچھا کیا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے سمندر کو ملا دیا سارے راستے ختم ہو گئے اور سارا سمندر ایک ہو گیا، لہذا فرعون اور اس کے لشکر کی سب اس میں ڈوب گئے جیسا کہ سورہ طہ اور سورہ شعراء اور سورہ دخان میں بیان فرمایا ہے۔ سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنا انعام یاد دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: **وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ**۔

(اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ دیا۔ سو ہم نے تمہیں نجات دے دی اور آل فرعون کو غرق کر دیا اور حالت یہ تھی کہ تم دیکھ رہے تھے۔)

جب فرعون ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ بنی اسرائیل جس ذات کے معبود ہونے پر ایمان لائے میں اسی ذات پر ایمان لاتا ہوں اور میں بھی فرمانبرداروں میں سے ہوں اس کا مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کا دین قبول کر کے میں بھی غرق ہونے سے بچ جاؤں جیسا کہ یہ لوگ بچ گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جب موت کے احوال نظر آنے لگیں اس وقت کا ایمان معتبر نہیں لہذا اس وقت اس کا ایمان لانا اس کے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو یہ خطاب کیا گیا **الْأَلْسُنُ وَقَدْ غَضِيتُ قَبْلَ وَكُنْتُ مِنَ الْمُفْسِدِينَ** (کیا اب تو ایمان لاتا ہے حالانکہ پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد کرنے والوں میں سے ہے) روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس بات کے کہنے والے حضرت جبرائیل یا حضرت میکائیل علیہ السلام تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرعون کو یہ بھی کہا گیا:

**فَالْيَوْمَ نَنجِيكَ بِنَدْيِكَ لِنَكُونُ لِمَنْ خَلَقْتَ آيَةً**۔ (سو آج ہم تیرے بدن کو نجات دے دیتے ہیں۔ یعنی تیری لاش کو پانی میں بہا دینے کی بجائے پانی کے اوپر تیرا دیتے ہیں تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے نشانی بن جائے۔ بعد میں آنے والے تجھ سے عبرت لیں اور دیکھیں کہ اللہ کے باغی کا کیا انجام ہوا اور یہ بھی سمجھ لیں کہ دنیا میں کوئی شخص کیسا ہی سلطنت اور بد بد والا ہو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکتا، کوئی شخص اپنی سلطنت پر گھمبند نہ کرے۔)

**وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ** (اور بلاشبہ بہت سے لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں) جو فکر نہیں کرتے اور عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اس آیت سے اتنا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر دیا اس کی لغش کو پانی میں بہنے سے اور دریائی جانوروں کے کھانے سے محفوظ فرمایا۔ اس لغش کو لوگوں نے دیکھا اور اس سے لوگوں کو بھی عبرت ہوئی کہ جو شخص اپنے کو سب سے بڑا رب کہتا تھا اور جسے معبود سمجھا جاتا تھا اس کا یہ انجام ہوا۔ سارا اقتدار تخت و تاج، محلات سب دھرے رہ گئے اور سمندر میں ڈوب کر نہ صرف وہ تنہا بلکہ اس کے لشکر بھی ہلاک ہو گئے، بنی اسرائیل کو بھی یقین آ گیا کہ ہمارا جو دشمن تھا وہ غرق ہو گیا اور جس کے ڈر سے بھاگے تھے اس کی ڈوبی ہوئی لغش کو نظروں کے سامنے دیکھ لیا اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون نے جو دعا کی تھی اس کی قبولیت واضح طور پر نظروں کے سامنے آ گئی۔

لفظ **خَلَقْتَ** جو فرمایا (جس کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ تیرے پیچھے ہیں تو ان کے لئے عبرت بن جائے) اس کا عموم اس وقت کے موجودہ لوگوں کو بھی شامل ہے اور بعد میں آنے والوں کو بھی۔ لیکن قرآن مجید میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ کتنے عرصہ تک اس کی لغش کو محفوظ رکھا گیا۔ اس زمانہ کے لوگوں کو عبرت حاصل ہونے کے بعد اس کی لغش محفوظ نہ رہی ہو تو اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں اور اگر زمانہ دراز تک باقی رہی ہو تو یہ بھی ممکن ہے اہل مصر کو لغشوں پر مصالحہ لگا کر باقی رکھنے کا شوق تھا اور ان کو مصالحہ لگا کر باقی رکھتے تھے اس

مصلحت کوئی کہا جاتا تھا۔ تقریباً تین سو سال سے می لگائی ہوئی بہت سی نعشیں مصر میں نکل چکی ہیں اور ان میں فرعون کی نعش بھی بتائی جاتی ہے جو قابرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ یقینی طور پر ایسا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں فرعون کی نعش بھی ہے جو حضرت موسیٰ کا تعاقب کرتے ہوئے غرق ہوا تھا۔ کیونکہ شرعی سند سے اس کا ثبوت نہیں ہے۔ مگر بعض ریسرچ کرنے والوں کا بیان ہے کہ مذکورہ عجائب گھر میں جو نعشیں محفوظ ہیں ان میں ایک نعش اس فرعون کی ہے موسیٰ علیہ السلام کا ہم عصر تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

فائدہ..... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور آل فرعون کے لئے جو بدعا کی، کہ یہ لوگ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب کو نہ دیکھیں۔

اس کے بارے میں یہ اشکال کیا جاسکتا ہے کہ وہ ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ اپنے مخاطبین کے لئے گمراہی پر مرنے کی بدعا، کیسے فرمائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فرعون اور آل فرعون پر تبلیغ کی محنت کرنے اور ان سے ناامید ہو جانے کے بعد کی بات ہے اور یہ بدعا ایسی ہی ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لئے بدعا کی تھی، رَبِّ لَا تَذَرْ عَلٰی الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ ذِيَارًا (اے رب زمین پر ایک بھی کافر باشتہ مدت چھوڑ)

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَءٰٓءَیْلَ مُبَوَّآ صِدْقٍ وَرَزَقْنَهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ۖ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتّٰی جَآءَهُمُ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کا اچھا ٹھکانہ دیا اور انہیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں، سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے پاس

الْعِلْمُ ۚ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیَمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۰ فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ

علم پہنچ گیا۔ بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان چیزوں میں ان کے درمیان فیصلے فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ سو اگر آپ کو اس میں شک ہے

مِمَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ فَسْئَلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبِ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ

جو ہم نے آپ کی طرف اتارا تو آپ ان لوگوں سے دریافت کر لیجئے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں، بلاشبہ آپ کے رب کے پاس سے آپ کے پاس حق

رَبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝۱۱ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِآیٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَنَّ

آگیا ہے، سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ اور ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو جائیے جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا ورنہ آپ تباہ کاروں میں

مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝۱۲ اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۱۳ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ

سے ہو جائیں گے۔ بے شک جن لوگوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے۔ اگرچہ ان کے پاس تمام

آیۃ حَتّٰی یَكُوْلُوْا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ۝۱۴

دلیلیں آجائیں، جب تک کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔

بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانہ اور پاکیزہ رزق ملنا

فرعون اور اس کے لشکر تو ڈوب دیئے گئے اور بنی اسرائیل سمندر پار کر کے اپنے علاقہ فلسطین کے لئے روانہ ہو گئے۔ اپنی شرارتوں کی وجہ

سے چالیس سال میدان تیرے میں گھومتے رہے اس کے بعد انہیں اپنے وطن میں ٹھکانا مل گیا اور یہ لوگ وہاں صاحب اقتدار ہو گئے۔ ٹھکانہ بھی اچھا ملا اور کھانے پینے کے لئے پاکیزہ چیزیں نصیب ہوئیں۔ اللہ کی ان عظیم نعمتوں پر انہیں زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مشغول رہنا چاہئے تھا۔ لیکن انہوں نے دین میں اختلاف شروع کر دیا اور جہل کی وجہ سے نہیں بلکہ علم پہنچنے کے بعد آپس میں اختلاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ رَبَّكَ يَفْضُلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ۔ بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ فرما دے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اس سے وہ یہودی مراد ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں تھے پہلے سے یہ لوگ آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں تھے۔ جب آپ تشریف لے آئے تو قرآن مجید سن لیا اور آپ کے بارے میں یہ جان لیا کہ آپ ہی اللہ کے آخری نبی ہیں ہم جن کے انتظار میں تھے تو اختلاف کر بیٹھے۔ اکثر نے تکذیب کی اور معدودے چند ہی مسلمان ہوئے اللہ تعالیٰ شانہ قیامت کے دن فیصلہ فرما دے گا۔ مکذبین آتش ووزخ میں ہوں گے اور اہل ایمان نجات پائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا اِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ (الایضین) اس میں یہ ظاہر رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے۔ لیکن حقیقت میں اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو آپ کے بارے میں اور قرآن مجید کے بارے میں شک کرتے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ وحی میں شک ہونے کا احتمال نہیں تھا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے نَبَاُ يٰهَا النَّبِيُّ اَتَقِي اللّٰهَ اور نَبَاُ يٰهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ کہہ کر خطاب فرمایا ان میں صورت خطاب تو آپ کو ہے لیکن معنوی طور پر خطاب اہل ایمان کو ہے۔ اسی آیت بالا میں ظاہری خطاب آپ کو ہے اور مقصود وہ لوگ ہیں جو شک کی دلدل میں پڑے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شک کرنے والے ان لوگوں سے پوچھ لیں جو پہلے سے کتاب پڑھتے تھے یعنی یہود و نصاریٰ سے معلوم کر لیں کہ تمہاری کتابوں میں نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت کی خبر ہے یا نہیں۔ اور اس بارے میں جو تمہارے پاس علم ہے اس کے مطابق آپ پر وہ صفات منطبق ہوتی ہیں یا نہیں؟ جو تم پڑھتے آئے ہو۔ اگر وہ ضد اور عناد کو چھوڑ کر حقیقت واقعہ کے مطابق بتائیں گے تو یہی بتائیں گے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور آپ پر جو کتاب نازل ہوئی واقعی اللہ کی کتاب ہے بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ فان كنت في شك من خطاب الله ﷺ تیری طرف بھیجی ہے تو ان لوگوں سے دریافت کر لے جو اس سے پہلے اللہ کی کتاب یعنی توریت اور انجیل پڑھتے آ رہے ہیں وہ تجھے بتا دیں گے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام نے آپ کی بعثت کی بشارتیں دی ہیں اور ان کی کتابوں میں آپ کی تشریف آوری کی خبر موجود ہے۔ یہ بات دل کو زیادہ لگتی ہے۔

لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ بلاشبہ تیرے رب کی طرف سے حق آگیا سو تو ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہو ۝ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونُوا مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ اور ہرگز ان لوگوں میں سے نہ ہو جا جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور نہ تو تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

پھر فرمایا اِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ بلاشبہ جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب کی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے وہ کبھی ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ وَلَوْ جَاءَهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّى يَرَوْا الْعَذَابَ الْاَلِيمَ (اگر چہ ان کے پاس تمام دلیل آجائیں جب تک دردناک عذاب کو نہ دیکھیں) اس وقت ایمان لانا معتبر نہ ہوگا اور اس وقت کا ایمان عذاب سے نہ بچا سکے گا۔ جیسا کہ فرعون نے ڈوبتے وقت یوں کہا تھا کہ میں اسی معبود پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے لیکن اس کا یہ ایمان



اس کے لئے کچھ کام نہ آیا۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنفَعَهَا اِيْمَانُهَا اِلَّا قَوْمٌ يُّنْسِ ۚ لَهَا اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ

سو کوئی ہستی ایمان نہ لائی جس کا ایمان لانا اسے نفع دیتا مگر یونس کی قوم کہ جب وہ لوگ ایمان لائے تو ہم نے رسوائی والا عذاب

عَذَابُ الْخٰزِيْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حِيْنٍ ۝۱۱

دنیا والی زندگی میں ان سے ہٹا دیا۔ اور انہیں ہم نے ایک وقت تک فائدہ پہنچایا۔

عذاب دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا ایمان لانا اور عذاب سے بچ جانا

اس سے پہلے فرعون کے تذکرہ میں فرمایا کہ ڈوبنے لگا تو ایمان لے آیا لیکن اس کا ایمان لانا ناقابل قبول ہوا، دوسری آیات میں واضح طور پر بتایا گیا کہ وہ دوزخ میں جائے گا۔ سورہ ہود میں فرمایا يَفْقُدُ قَوْمُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاْوْرَدَهُمُ النَّارَ (وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور انہیں دوزخ میں داخل کر دے گا) اور سورہ النازعات میں فرمایا۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُولٰٓئِی (سواللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا) اور سورہ قصص میں فرمایا فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اٰیَةً یُّدْعَوْنَ اِلَی النَّارِ ۚ وَیَوْمَ الْقٰیْمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَیَوْمَ الْقٰیْمَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ۔

(ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا۔ سو دیکھئے ظالموں کا کیا انجام ہوا اور ہم نے ان لوگوں کو ایسا پیشوا بنایا تھا جو دوزخ کی طرف بلاتے رہے اور قیامت کے روز کوئی ان کا ساتھ نہ دے گا اور دنیا میں بھی ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگادی اور قیامت کے دن بھی وہ بد حال لوگوں میں سے ہوں گے)

اور سورہ الذاریات میں فرمایا فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ وَهُوَ مُلْحَمٌ (سو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا اور اس نے کام ہی ملامت کا کیا تھا) اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ جب عذاب نظر آجائے اس وقت ایمان قبول نہیں ہوتا۔ سورہ مؤمن میں فرمایا فَلَمَّ يَلِكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاسًا مِّنْ اللّٰهِ اَلَيْسَ الَّذِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهِۦٓ ؕ وَخَسِرَ هٰهٰنَا لِكَ الْكَافِرُوْنَ۔ سو ان کو ان کا ایمان لانا نافع نہ ہوا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی معمول مقرر فرمایا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اور اس وقت کا فرخسارہ میں رہ گئے۔

اس قانون سے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا استثناء فرمایا۔ ان لوگوں نے جب عذاب دیکھا تو ایمان قبول کر لیا اس پر اللہ تعالیٰ نے عذاب ٹال دیا اور اس کے بعد ایک زمانہ تک وہ لوگ زندہ رہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی چیزوں کے ذریعہ فائدہ پہنچایا، ان میں ہر شخص اپنی اپنی موت پر مرتا رہا اور عذاب کے ذریعہ اجتماعی طور پر جہلاکت کا معاملہ ہوا۔ وہ ختم ہو گیا۔ آیت بالا میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے، حضرت یونس علیہ السلام نبی ہستی کے رہنے والوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے جو موصل کی سرزمین (عراق) میں ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام ان پر محنت کرتے رہے ایمان کی دعوت دیتے رہے، انہوں نے ایمان قبول نہ کیا بالآخر حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے فرمایا تین دن کے اندر تم پر عذاب آجائے گا وہ آپس میں کہنے لگے کہ اس شخص نے کبھی جھوٹ تو بولا نہیں ہمیں دیکھنا ہے کہ تیسری رات کو یہ

میں رہتے ہیں یا نہیں۔ اگر یہ رات کورہ گئے تو ہم سمجھیں گے کہ عذاب کچھ نہیں صرف دھمکی ہے اور اگر انہوں نے ہمارے ساتھ رات نہ گزاری تو ہم سمجھ لیں کہ صبح کو عذاب آنے والا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام اسی رات میں وہاں سے نکل گئے جب صبح ہوئی تو ان کی قوم نے اپنی آنکھوں سے عذاب کے آثار دیکھ لیے۔ آسمان پر سخت سیاہ بادل چھا گئے اور دھواں نازل ہونے لگا جو ان کی ہستی اور ان کے گھروں کی چھتوں پر چھا گیا۔ جب ہلاکت کا یقین ہو گیا تو ان لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا لیکن کہیں نہ پایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو توبہ کی طرف متوجہ فرمادیا۔ وہ اپنی جانوں، عورتوں، بچوں اور جانوروں کو لے کر میدان میں نکل گئے۔ ٹاٹ کے کپڑے پہن لئے اور اخلاص کے ساتھ توبہ کی اور ایمان قبول کیا اور خوب زیادہ چہچہے چلائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی کے ساتھ متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ یونس جو کچھ لے کر آئے تھے ہم اس پر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور ان کی دعا قبول فرمائی اور عذاب روک دیا۔

ادھر یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت یونس نے جب دیکھا کہ عذاب سے قوم ہلاک نہ ہوئی تو قوم کے سامنے آنے میں حجاب محسوس ہوا لہذا وہاں سے چلے گئے۔ دریا کے کنارے پہنچے تو ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ کشتی حرکت کرنے لگی۔ ملاحوں نے کہا کہ تم لوگوں میں کوئی ایسا شخص ہے جو اپنے آقا کو چھوڑ کر بھاگ آیا ہے لہذا ہم قرعہ ڈال لیتے ہیں جس کا نام نکلے گا اسے دریا میں ڈال دیں گے۔ تین مرتبہ قرعہ ڈالا تو حضرت یونس کا نام نکلا انہوں نے فرمایا کہ میں وہ غلام ہوں جو اپنے آقا کے فرمان کا انتظار کئے بغیر بھاگ آیا ہوں، لہذا انہوں نے اپنی جان کو سمندر میں ڈال دیا (چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم کو چھوڑ کر چلے جانے کا حکم نہیں ہوا تھا اس لئے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ عبد ابق (بھاگنے والا غلام) میں ہی ہوں۔ کشتی کے سارے سواروں کو بچانے کے لئے مجھے ہی اپنی جان کو سمندر میں ڈال دینا چاہئے۔ لہذا سمندر میں خود سے چھلانگ لگا دی اور ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ وہیں اللہ کو یاد کرتے رہے اور تسبیح میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ میں آپ کی حفاظت فرمائی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید میں کسی جگہ ذُو السُّنُونِ اور کسی جگہ صَاحِبُ الْحُوتِ فرمایا ہے (دونوں کا ترجمہ مچھلی والا) ان کا مچھلی کے پیٹ میں رہنے کا واقعہ سورۃ انبیاء (رکوع ۶) اور سورۃ صافات (ع ۵) اور سورۃ النعم (ع ۲) میں مذکور ہے۔ سورۃ صافات میں کشتی میں سوار ہونے اور قرعہ ڈالنے پھر سمندر سے باہر ڈال دیئے جانے اور ان کے اوپر کدو کا درخت لگا دینے کا تذکرہ ہے اور وہاں یونس فرمایا ہے قَامُوسُوا فَمَنْعَنَا هُمُ الْيَسِي حِينَ۔ (جیسا کہ یہاں ایمان لانے پر عذاب ٹل جانے اور بعد میں آئندہ کچھ زمانہ تک دنیا سے نفع حاصل کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے تفصیل کے لئے سورۃ انبیاء اور سورۃ صافات کی تفسیر دیکھئے۔

اللہ تعالیٰ نے عذاب کے آثار دیکھنے پر بھی حضرت یونس کی قوم کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں عذاب سے ہلاک نہ فرمایا اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مختار مطلق ہے اسے پورا اختیار ہے کہ اپنی مخلوق کے بارے میں جو چاہے تکوینی اور تشریعی قانون نافذ فرمائے اور جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے نجات دے۔

قال صاحب الروح (ص ۹۳ ج ۱) وظاهر الآية يستدعي ان القوم شاهدوا العذاب لمكان (كشفنا) وهو الذى يقتضيه اكثر الاخبار و اليه ذهب كثير من المفسرين ، ونفع الايمان لهم بعد المشاهدة من خصوصياتهم فان ايمان الكفار بعد مشاهدة ما وعدوا به ايمان باس غير نافع لارتفاع التكليف حينئذ (يعني خابرا آيت كاتمتنا بي) ہے کہ قوم یونس نے عذاب کا مشاہدہ کر لیا تھا جیسا کہ لفظ کشفنا اس پر دلالت کر رہا ہے۔ اور اکثر احادیث بھی اس کی تفسیر میں ہیں نیز اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے اور مشاہدہ عذاب کے بعد ایمان کا نافع ہونا قوم یونس کی خصوصیت ہے کیونکہ کفار کا موعودہ عذاب کے

مشاہدہ کے بعد ایمان لانا ایسا ہی ہے جیسا موت کے وقت ایمان لانا اس لئے اسکا کوئی فائدہ نہیں کہ اس وقت انسان مکلف نہیں رہتا)

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مِنَ فِي الْأَرْضِ كُلَّهُمْ جَمِيعًا ۖ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۱۰﴾

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں جتنے بھی لوگ ہیں سارے کے سارے ایمان لے آتے، کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے تاکہ وہ مؤمن ہو جائیں،

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُوْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۱﴾

اور کسی شخص سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے، اور اللہ ان لوگوں پر گندگی واقع فرماتا ہے جو سمجھ نہیں رکھتے (۱)

قُلْ أَنْظَرُوا مَا ذَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۲﴾

آپ فرما دیجئے دیکھ لو آسمانوں میں اور زمین میں کیا چیزیں ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے انہیں دلائل اور ڈرانے والی چیزیں کچھ نہیں دیتیں۔

فَهُلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ

سو کیا وہ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس انہیں لوگوں کے واقعات آجائیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ تم انتظار کر لو

مِنَ الْمُنْتَظَرِينَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنَاجِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۴﴾

میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔ پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں اور اسی طرح ان لوگوں کو جو ایمان لائے، ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ایمان والوں کو نجات دیں گے۔

### اگر اللہ چاہتا تو سب ایمان قبول کر لیتے!

ان آیات میں اول تو یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں مؤمن بھی رہیں گے۔ کافر بھی رہیں گے۔ اللہ کی حکمت کا یہ تقاضا ہے اگر وہ چاہتا تو زمین کے بسنے والے سب انسان ایمان لے آتے، جب اللہ کی حکمت اسی میں ہے کہ زمین پر کافر بھی ہوں اور مؤمن بھی رہیں تو آپ کو اس پر اصرار نہ ہونا چاہیے کہ سب لوگ مؤمن ہو جائیں، کیا آپ زبردستی کر کے لوگوں کو مؤمن بنائیں گے؟ ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ زبردستی کر کے لوگوں کو مؤمن بنالیں، جو شخص مؤمن ہوتا ہے اللہ کے اذن یعنی اس کی مشیت سے مؤمن ہوتا ہے۔ ہاں یہ بات بھی ہے کہ لوگ عقل کو کام میں نہیں لاتے ایمان کی خوبی اور برتری انہیں ناپسند ہے اللہ تعالیٰ ان پر کفر کی گندگی واقع کر دیتا ہے اس کے بعد فرمایا کہ تم غور کر لو اور دیکھ لو کہ آسمانوں اور زمین میں کیا چیزیں ہیں؟ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی توحید پر کھلی ہوئی دلیلیں ہیں۔ دلیلیں بھی ہیں اور ڈرانے والی وعیدیں بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ پہنچی ہیں لیکن جو لوگ ضد اور عناد کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے ان کو یہ چیزیں فائدہ نہیں دیتیں۔ اب جبکہ دلائل سامنے آ کر بھی ایمان نہیں لاتے تو انہیں کس چیز کا انتظار ہے؟ کیا وہ اس انتظار میں ہیں کہ ایسے واقعات ان کے سامنے آجائیں جو ان سے پہلی امتوں کے واقعات گزر چکے ہیں؟ انہوں نے تکذیب کی اور کفر کو اختیار کیا۔ پھر عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے خطاب کر کے فرمایا: قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظَرِينَ ۝

(۱)..... اس میں یہ بتایا کہ جو لوگ عقل کو کام میں نہیں لاتے کفر پر جبر ہے ہی کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت ان کے ایمان سے متعلق نہیں ہوتی کما قال تعالیٰ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ۔

(آپ فرمادیجئے کہ تم انتظار کرتے رہو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں) تکذیب کرنے والوں کا جو حال بنے گا وہ سانسے آجائے گا۔

آخر میں فرمایا **ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ**۔ جب ہمارا عذاب آتا ہے تو ہم کمذبین کو ہلاک کر دیتے ہیں پھر اپنے رسولوں کو نجات دے دیتے ہیں اور اہل ایمان کو بھی اسی طرح نجات دیتے ہیں۔ **حَقًّا عَلَيْنَا نُنَجِّ الْمُؤْمِنِينَ** (ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اہل ایمان کو نجات دیتے ہیں) اس میں اہل ایمان کو خوشخبری ہے اور مواقع عذاب سے نجات پانے کی بشارت ہے۔

**قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّن دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ**

آپ فرمادیجئے کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں ہو سو میں ان لوگوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو

**وَلَكِن أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّكُمُ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَأَنْ أَقِمَّ وَجْهَكَ**

لیکن میں اس کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتا ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان والوں میں سے ہو جاؤں۔ اور یہ بھی حکم ہوا کہ اپنی ذات کو اس دین کی طرف

**لِلدِّينِ حَنِيفًا ۖ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ**

اس طرح سے متوجہ رکھوں کہ دوسرے سب طریقوں سے ملجھ رہوں اور یہ کہ ہرگز مشرکوں میں سے مت ہو جانا۔ اور تو اللہ کے سوا کسی کو مت پکار جو تجھے

**مَالًا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۖ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِّنَ الظَّالِمِينَ ۝ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ**

فلح نہ دے سکے اور نہ ضرر دے سکے، سو اگر تو نے ایسا کیا تو بلاشبہ تو ظالموں میں سے ہو جائے گا۔ اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچا دے

**يَضُرُّكَ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۖ يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ**

تو اللہ کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ خیر کا ارادہ فرمائے تو اس کے فضل کو کوئی بھی ہٹانے والا نہیں وہ اپنے بندوں میں

**مِّنْ عِبَادِهِ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝**

سے جسے چاہے اپنے فضل سے نواز دے۔ اور وہ غفور ہے رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی لائق عبادت ہے وہی خیر اور ضرر کا مالک ہے اس کے فضل کو کوئی رد نہیں کر سکتا

ان آیات میں اول تو رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ تمام انسانوں کو مخاطب کر کے فرمادیں کہ تمہیں میرے دین کے بارے میں کوئی شک ہے تو یہ تمہاری جہالت اور گمراہی ہے حق میں شک کرتے ہو اور شرک سے چپکے ہوئے ہو تمہارے اس شک کا مجھ پر کوئی اثر کبھی بھی ہونے والا نہیں ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو میں کبھی بھی ان کی عبادت نہیں کر سکتا۔ اگر تم اس بھول میں ہو کہ میں کبھی العیاذ باللہ! تمہارا دین قبول کر لوں گا تو یہ تمہاری گمراہی اور خام خیالی ہے، میں تو اس ذات پاک کی عبادت کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا جو تمہیں موت دیتا ہے تم اپنی جان کو عذاب سے بچانے کے لئے فکر کرو اور اگر تم نے دین تو حید کو قبول نہ کیا اور دین شرک اور کفر پر تمہاری موت آگئی تو تمہاری موت کے بعد کیا بنے گا؟ اس پر غور کر لو اور اس بارے میں بھی غور کر لو کہ خالق اور

مالک کی عبادت چھوڑ کر مخلوق کو معبود بنانا بے کجی اور ناقصی کی بات ہے۔ یَسُوْفُ نَحْنُ فَرَمَیَا اور یَسُوْفُ فَا نَی نہیں فرمایا کیونکہ جو لوگ مخاطب تھے انہیں احساس والا تھا کہ تمہیں ہمیشہ زندہ رہنا نہیں ہے مرنا بھی ہے۔

ان کو بتانا یہ مقصود تھا کہ تم مرو گے اور موت کے بعد زندہ کئے جاؤ گے اور کفر کی سزا پاؤ گے۔ اس کے بعد فرمایا **وَأَمْرٌ أَنْ أَتُحَوَّنَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ**۔ یعنی مجھے اللہ کی طرف سے حکم کیا گیا ہے کہ میں اللہ کے ان بندوں میں شامل رہوں جو اہل ایمان نہیں لہذا میں ایمان کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ تم کفر چھوڑ دو۔ **وَأَنْ أَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا** (اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ اپنی ذات کو اس دین (یعنی دین توحید) کی طرف اس طرح متوجہ رکھوں کہ دوسرے سب طریقوں سے علیحدہ رہوں۔ لہذا میں تمہاری طرف نہ مائل ہو سکتا ہوں اور نہ تم سے کوئی اونچ نیچ کر کے مصالحت اور مسالحت ہو سکتی ہے۔

**وَلَا تَسْكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ**۔ (اور میرے رب نے یہ بھی فرمایا کہ ہرگز مشرکین میں سے مت ہو جانا) لہذا میں تو ہمیشہ موحیدی رہوں گا۔ **وهذا كما في سورة الانعام: قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أُعْبِدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قُلْ لَا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَ شَعْنٍ قَدْ ضَلَلْتُ إِذَا وَأَمَّا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ**۔

(آپ فرمادیجئے کہ مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو آپ فرمادیجئے کہ میں تمہاری خواہشوں کا اتباع نہیں کرتا کیونکہ اس حال میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پر نہ رہوں گا)

اس کے بعد یوں فرمایا: **وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ** (اور اے مخاطب اسے مت پکارو جو تجھے نفع نہ دے سکے اور نہ ضرر) جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اس میں ان کی بے وقوفی اور حماقت بیان فرمائی، نفع اور ضرر کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جو شخص غیر اللہ کی پرستش کرتا ہے اس نے غیر اللہ کو معبود بنا رکھا ہے جو ذرا بھی نفع یا ضرر نہیں دے سکتے۔

مزید فرمایا: **فَإِنَّكَ إِذَا مِنَ الظَّالِمِينَ**۔ (سو اگر تو نے ایسا کیا یعنی غیر اللہ کی عبادت کی جو نفع اور ضرر کا مالک نہیں تو تو ظالموں میں ہو جائے گا) مشرک اپنی جان پر ظلم کرتا ہے جس کی سزا دوزخ کا عذاب ہے اور اپنی عقل و فہم پر بھی ظلم کرتا ہے۔ مشرکین کا اتباع کرتا ہے اور اپنی عقل سے نہیں سوچتا کہ میں کس کو پوجتا ہوں، مجھے اس سے کیا فائدہ ہے؟ اور اس کی عبادت نہ کروں تو مجھے کیا نقصان پہنچا سکتا ہے؟ خالق اور مالک کو چھوڑ کر اپنے سے بھی کم حیثیت والی مخلوق کی عبادت کرنا جو نہ بولے اور نہ سنے اور جو اپنی تراشی اور بنائی ہوئی ہے یا اپنی جان اور اپنی عقل و فہم پر ظلم کرنا نہیں ہے تو کیا ہے؟

پھر فرمایا: **وَأَنْ يُمَسِّسَكَ اللَّهُ بِضَرْبٍ فَلَا تَكْشِفُ لَهُ إِلَّا هُوَ** (اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی ضرر پہنچا دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں)

**وَأَنْ يُرْذَلَكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَافِعَ لِفَضْلِهِ** (اور اگر تجھے کوئی خیر پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو اس کے فضل کو کوئی بھی رد کرنے والا نہیں ہے) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس میں یہ بتایا کہ جسے اللہ کی طرف سے جو بھی کوئی خیر پہنچ جائے وہ محض اللہ کا فضل ہے۔ اللہ پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ **يَصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ** (وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جسے چاہے پہنچا دے) فضل کا عموم دنیا و آخرت کی تمام نعمتوں کو شامل ہے۔

پھر فرمایا: **وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ** (اور وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے) مغفرت اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔ اس سے آخرت کی نجات ہوتی ہے۔ نیز حصول جنت کا ذریعہ ہے۔ جس سے بڑی کوئی نعمت

نہیں اور وہ رحیم بھی ہے۔ رحمت کے عموم میں دنیاوی نعمتوں کا ہر دکھ تکلیف سے بچانے کا تذکرہ آگیا۔ اس میں بھی مشرکین پر تعریض ہے کہ ایسے غفور اور رحیم کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہو جن سے کچھ بھی ملنے والا نہیں نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔

قُلْ يَٰ أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۚ

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آگیا ہے سو جو شخص ہدایت پائے وہ اپنی ہی جان کے لئے ہدایت پاتا ہے۔

وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ۝۱۱ وَاشْبَعْ مَا يُؤْتِي إِلَيْكَ

اور جو شخص گمراہی میں رہے تو اس کی گمراہی اسی کے نفس پر پڑنے والی ہے۔ اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا۔ اور آپ اس کا اتباع کیجئے، جس کی آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے،

وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝۱۲

اور صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

ہدایت کا نفع اور گمراہی کا نقصان انسان کو ذاتی طور پر خود پہنچتا ہے

یہ سورۃ یونس کی آخری دو آیات ہیں اس سے چار آیات پہلے تمام انسانوں کو خطاب تھا اور اب سورت کے ختم پر آنحضرت سرور عالم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ تمام انسانوں سے فرمادیں کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آپہنچا ہے اسے قبول کرو اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا: جو کہ تم سے قبول کروا کے چھوڑوں۔ جو شخص قبول کرے گا ہدایت کی طرف آئے گا اس کا نفع اس کی جان ہی کو ہوگا اور جو شخص گمراہی پر جمار ہے اور حق کا اتباع نہ کرے اس کا وبال اسی کی جان پر ہوگا۔ ہدایت پر آنا یا گمراہی پر جمار بننا یہ ہر شخص کا ذاتی مسئلہ ہے ہدایت کا نفع ہدایت والے ہی کو پہنچے گا۔ وہ آخرت کی نعمتوں کا مستحق ہوگا اور جو شخص گمراہ ہوگا اس کی گمراہی اسے دوزخ میں پہنچا دے گی، لہذا اپنا نفع و نقصان ہر شخص خود ہی سمجھ لے اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے۔ اس کا اتباع کیجئے۔ اتباع وحی میں دعوت و تبلیغ کا کام بھی ہے اس کام کے کرنے پر لوگوں سے تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ آپ ان تکلیفوں پر صبر کیجئے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کیجئے وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے، جو لوگ حق کو قبول نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و عدل کے مطابق ان کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا۔ دنیا میں اور آخرت میں یا صرف آخرت میں مبتلائے عذاب ہوں گے۔

قال صاحب الروح (ص ۴۰۳ ج ۱۱) ولا يخفى مافي هذه الايات من الموعظة الحسنة وتسليۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووعد للمؤمنين والوعيد للكافرين۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ان آیات میں جو عمدہ نصیحت ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے اور مؤمنوں کے لئے وعدہ اور کافروں کے لئے وعید ہے وہ واضح ہے)

والحمد لله تعالى رب العلمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين الذي يؤنس ذكره قلوب الموحدين

وعلى آله وصحبه أجمعين

☆☆☆.....☆☆☆

مکی

سورہ ہود

۱۲۳ آیتیں ۱۰ رکوع

﴿اٰمٰنًا ۱۲۳﴾ ﴿۱۱﴾ ﴿سُوْرَةُ هٰودٍ بِمَكِّيَّةٍ﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿تَوْعٰنَهَا ۱۰﴾

سورہ ہود مکہ میں نازل ہوئی اس میں ۱۲۳ آیات اور ۱۰ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمْ نَكْتُبْ اٰحْكَمْتَ اٰيٰتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيْمٍ خَيْرٍ ۙ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ ۚ

الہ ۱۰ یہ کتاب ہے جس کی آیات محکم کی گئیں پھر واضح طور پر بیان کی گئی ہیں حکمت والے باخبر کی طرف سے ہے۔ یہ کہ تم اللہ کے

اِثْنٰی لَكُمْ مِنْهُ نَذِيْرٌ وَبَشِيْرٌ ۙ وَاِنْ اَسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوْا اِلَيْهِ يُبْتَغِمْكُمْ

سوا کسی کی عبادت نہ کرو بے شک میں تمہیں اللہ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں۔ اور یہ بات کہ تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے

مَتَاعًا حَسَنًا اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهُ ۗ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّآ

حضور میں توبہ کرو، وہ تمہیں مقرر کردہ اجل تک خوش خوش خوش زندگی دے گا اور ہر زیادہ مل کرنے والے کو اس کا ثواب عطایت فرمائے گا اور اگر تم اعراض کرو تو میں

اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۙ اِلٰى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ

تم پر ہوں۔ ان کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ تم کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اَلَا اِنَّهُمْ يَشْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لَيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۗ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُوْا

خبر دار وہ اپنے سینوں کو پہناتے ہیں تاکہ وہ اس سے چھپالیں خبردار جب وہ اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیتے ہیں وہ اس وقت سب باتیں

مَا يُسِرُّوْنَ وَاَمَّا يُعْلِنُوْنَ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ ۙ

جانتا ہے جو پوشیدہ طور پر کرتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں، بلاشبہ وہ سینوں کے اندر کی چیزوں کو جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کے حضور توبہ کرنے پر انعام کا وعدہ

اور اعراض کرنے والوں کے لیے وعید

یہاں سے سورہ ہود شروع ہے اس کا بیشتر حصہ (از رکوع ۳ تا رکوع ۸) متعدد حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے

واقعات پر مشتمل ہے یہ تو میں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی نافرمانی اور ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ ہلاک ہوئیں ان کے واقعات میں امت حاضرہ کے لئے بڑی عبرت ہے ان واقعات کے شروع کرنے سے پہلے توحید کی دعوت دی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق و ایجاد کا اور منکرین کی ہٹ دھرمی کا تذکرہ فرمایا ہے اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا اور اہل ایمان کو بشارت ہے۔ ارشاد فرمایا کہ یہ کتاب ایسی ہے جس کی آیات محکم کی گئی ہیں پھر ان آیات کو واضح طریقے پر بیان کرو یا گیا ہے اور اس کی کتاب تو صبح ایسی ذات پاک کی طرف کی گئی ہے جو حکیم بھی ہے اور خیر بھی ہے اس کتاب میں خوب زیادہ واضح طور پر یہ بتادیا گیا ہے کہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرو اور ساتھ ہی نبی کا کام بھی بتادیا جن پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے یعنی یہ کہ اِنِّیْ لَکُمْ مِّنْہٗ لَذِیْنُوْا وَبَشِیْرُوْا (بلاشبہ میں تمہیں اللہ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں) مزید فرمایا اِنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ط (اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے حضور میں توبہ کرو) یعنی کفر کو چھوڑو اور اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کے حضور میں اعمال صالحہ پیش کرتے رہو اور گناہوں سے بچتے رہو جب کبھی گناہ ہو جائے تو توبہ کرو پھر توبہ واستغفار کا دنیاوی اور اخروی فائدہ بتایا یَسْتَعْمِلُوْا مِمَّا عَاصٰی ط (اللہ تمہیں خوش عیش اچھی زندگی عطا فرمائے گا) یہ خوش عیش زندگی ایک وقت مقررہ تک ہوگی جب تقدیر کے مطابق اجل آجائے گی اور موت واقع ہوگی اس وقت تک یہ عمدہ زندگی ہی رہے گی اور آخرت میں تو اہل ایمان کے لئے خیر ہی خیر ہے۔ پھر فرمایا یُوْبُتْ کُلُّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَہٗ (اور ہر فضیلت والے کو جو زیادہ عمل صالح کرے اس کے اعمال فاضل کا بدلہ عطا فرمایا گا) اس میں آخرت کے اجر و ثواب کا ذکر ہے، ثواب تو تھوڑے سے عمل کا بھی ملے گا لیکن زیادہ عمل والے کا خصوصیت کے ساتھ جو ذکر فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں نے بہت نیک عمل کر لئے اب آگے کیا نیک عمل کروں جو جس قدر زیادہ عمل کرے گا اسی قدر ثواب پائے گا۔ واضح رہے کہ خوش زندگی کے لئے پیسہ زیادہ ہونا ضروری نہیں۔ اصل راحت دل کی راحت اور دل کا اطمینان ہے جو اہل ایمان کو نصیب ہوتا ہے اور یہ بہت بڑی زندگی ہے پھر اس زندگی میں اہل ایمان کو جو تکلیفیں پہنچ جاتی ہیں ان کا ثواب آخرت میں ملے گا۔ ان تکلیفوں کے پہنچنے سے بھی آیت کے مضمون پر اشکال نہ کیا جائے کیونکہ اہل ایمان ان میں بھی لذت محسوس کرتے ہیں اور ان کا اجر و ثواب جو آخرت میں موعود ہے اس کا یقین رکھنے کی وجہ سے روحانی تکلیف ہوتی ہی نہیں البتہ کبھی کبھی جسمانی تکلیف ہو جاتی ہے، نیز یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ یَسْتَعْمِلُوْا فرمایا ہے۔

یَسْتَعْمِلُوْا کُلُّکُمْ نہیں فرمایا اور فِیْ کُلِّ الْاٰزْمَانِ وَالْاٰخْوَالِ نہیں فرمایا۔ لہذا اگر کبھی کبھی کسی کسی کو تکلیف پہنچ جائے تو یہ آیت کے مفہوم کے معارض نہیں۔ برخلاف اس کے آخرت کا ثواب کا ذکر فرماتے ہوئے یُوْبُتْ کُلُّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَہٗ۔ فرمایا یعنی ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب ملے گا اس میں لفظ کُل کا اضافہ ہے پھر فرمایا اِنِ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ کَبِیْرٍ ۝ اور اگر تم اس سے اعراض کرو جو میں نے تم کو بتایا نہ توحید کو مانو نہ بشارت کو قبول کرو۔ نہ ڈرانے کا اثر لو تو مجھے اندیشہ ہے کہ تم بڑے دن کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یَوْمَ کَبِیْرٍ (بڑے دن) سے قیامت کا دن مراد ہے اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے دنیاوی عذاب مراد ہے۔

اِلٰی اللّٰهِ مَرْجِعُکُمْ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) اسے سب کو لوٹانے پر قدرت ہے اور ہر ایک کو پورا پورا بدلہ دینے پر قدرت ہے۔

اَلَا اِنَّہُمْ یَنْشُوْنَ صُورَہُمْ کا سبب نزول ..... پھر فرمایا اَلَا اِنَّہُمْ یَنْشُوْنَ صُورَہُمْ (الایہ) اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے معلم التوریل ص ۳۷۳ ج ۲ میں عبد اللہ بن شداد سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ایک منافق کے بارے میں نازل ہوئی جس کا



طریقہ یہ تھا کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب سے گزرتا تھا تو اپنا سینہ پھیر کر اور کمر کو خم دے کر اور سر جھکا کر اور چہرہ کو ڈھک کر جاتا تھا تاکہ آنحضرت ﷺ اسے نہ دیکھ سکیں اور حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ منافقین اپنے سینوں کو پھیر کر بیٹھے تھے تاکہ اللہ کی کتاب نہ سن پائیں اور اللہ کا ذکر ان کے کانوں میں نہ آجائے اور بعض حضرات سے یوں بھی نقل کیا ہے کہ بعض کافر گھر میں داخل ہو کر پردہ ڈال کر اپنی کمر کو موڑ کر اور کپڑا اوڑھ کر لیٹ جاتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا اللہ کو اب بھی معلوم ہوگا جو کچھ میرے دل میں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خبردار وہ لوگ اپنے سینے کو موڑتے ہیں تاکہ اللہ سے چھپ جائیں۔ خوب سمجھ لیں کہ جب وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

اقوال اور افعال جو ظاہری چیزیں ہیں وہ ان کو اور دلوں کے ارادوں اور وسوسوں کو اور سبکو جانتا ہے آخری الفاظ یعنی اِنَّہٗ عَلَیْہِمْ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ میں بتا دیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں بغض اور کینہ میں مرے جاتے ہیں اسلام کے خلاف جو سازشیں کرتے ہیں اور تدبیریں سوچتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے۔

